وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

تفسیر
ضیاء القرآن

۵

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

النجم تا الناس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين

ضیاء القرآن

السدیدی

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر)

سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

ضیاء القرآن

جلد پنجم

النجم — تا — النّاس

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر)

سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

جملہ حقوق بحق ضیاء القرآن پبلی کیشنز محفوظ ہیں
ضیاء القرآن جلد پنجم کے حقوق کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں

نام کتاب	ضیاء القرآن (جلد پنجم)
مفسر	حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	2015ء
مطبع	ضیاء القرآن پرنٹنگ پریس، لاہور
تعداد	تین ہزار
کمپیوٹر کوڈ	QT5

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس: ۔ 042-37238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون: 021-32212011-32630411 فیکس: 021-32210212
e-mail:-info@zia-ul-quran.com
Visit our website: www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	سُورة النجم	۵	۲۰	سُورة الجنّ	۳۸۳
۲	سُورة القمر	۴۹	۲۱	سُورة المُزمل	۳۹۹
۳	سُورة الرحمٰن	۶۳	۲۲	سُورة المدثر	۴۱۳
۴	سُورة الواقعه	۸۴	۲۳	سُورة القیامه	۴۲۸
۵	سُورة الحدید	۱۰۴	۲۴	سُورة الدهر	۴۴۰
۶	سُورة المجادله	۱۳۳	۲۵	سُورة المرسلٰت	۴۵۱
۷	سُورة الحشر	۱۵۵	۲۶	سُورة النبأ	۴۶۳
۸	سُورة الممتحنه	۱۸۹	۲۷	سُورة النّٰزعٰت	۴۷۷
۹	سُورة الصف	۲۰۸	۲۸	سُورۂ عَبَسَ	۴۸۹
۱۰	سُورة الجُمعه	۲۲۷	۲۹	سُورة التکویر	۴۹۸
۱۱	سُورة المنافقون	۲۴۳	۳۰	سُورۂ انفطار	۵۰۷
۱۲	سُورة التغابن	۲۵۸	۳۱	سُورة المطففین	۵۱۳
۱۳	سُورة الطلاق	۲۷۱	۳۲	سُورۂ انشقاق	۵۲۲
۱۴	سُورة التحریم	۲۹۱	۳۳	سُورة البروج	۵۲۷
۱۵	سُورة الملك	۳۰۸	۳۴	سُورة الطارق	۵۳۴
۱۶	سُورة القلم	۳۲۷	۳۵	سُورة الاعلیٰ	۵۳۹
۱۷	سُورة الحاقه	۳۴۵	۳۶	سُورة الغاشیه	۵۴۷
۱۸	سُورة المعارج	۳۵۷	۳۷	سُورة الفجر	۵۵۳
۱۹	سُورة نوح	۳۷۱	۳۸	سُورة البلد	۵۶۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۹	سُورة الشمس	۵۷۰	۵۲	سُورة الھمزہ	۶۵۶
۴۰	سُورة الّیل	۵۷۶	۵۳	سُورة الفیل	۶۶۰
۴۱	سُورۂ والضحیٰ	۵۸۳	۵۴	سُورۂ قریش	۶۷۱
۴۲	سُورة الانشراح	۵۹۵	۵۵	سُورة الماعون	۶۷۷
۴۳	سُورة التین	۶۰۳	۵۶	سُورة الکوثر	۶۸۲
۴۴	سُورة العلق	۶۰۹	۵۷	سُورة الکافرون	۶۹۱
۴۵	سُورة القدر	۶۱۷	۵۸	سُورة النصر	۶۹۷
۴۶	سُورة البیّنہ	۶۲۳	۵۹	سُورۂ لہب	۷۰۱
۴۷	سُورة الزّلزال	۶۳۰	۶۰	سُورۂ اخلاص	۷۰۹
۴۸	سُورة العٰدیات	۶۳۶	۶۱	سُورة الفلق والنّاس	۷۱۹
۴۹	سُورة القارعہ	۶۴۱	۶۲	تحقیقاتِ لغویہ	۷۳۹
۵۰	سُورة التکاثر	۶۴۶	۶۳	تحقیقات نحویہ	۷۴۹
۵۱	سُورۂ والعصر	۶۵۱	۶۴	فہرست مطالب	۷۵۰

تعارف سُورۃ النّجم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام: اس سُورۂ مبارکہ کا نام النجم ہے جو اس کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں تین رکوع، باسٹھ آیتیں، ۳۶۰ کلمے اور ۱۴۰۵ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: حضرات حسن بصری، عکرمہ، عطاء، جابر اور دیگر علماء کے نزدیک یہ سُورت مکّہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مدنی ہونے کا قول محض غلط ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے: هِيَ اَوَّلُ سُوْرَةٍ اَعْلَنَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ۔ یعنی یہ پہلی سُورت ہے جس کو حضور ﷺ نے مکّہ مکرمہ میں علانیہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ جب آخری آیت کی تلاوت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ ریز ہوئے تو سامعین پر محویت کا ایسا عالم طاری تھا کہ مومن اور مُشرِک سب کے سب سجدے میں گر گئے (1)۔ ان لوگوں میں وہ کافر بھی تھے جو قرآن سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے، لیکن جب حضور نے حرم شریف میں اس کی تلاوت شروع کی تو اس کے اسلوبِ بلیغ نے ان کو یُوں وارفتہ کر دیا کہ مخالفت کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور وہ اس کو سننے میں محو ہو گئے۔

سورۂ والنجم کے سالِ نزول کے بارے میں بعض مصنّفین نے یہ لکھا ہے کہ یہ سُورت نبوت کے پانچویں سال ماہِ رمضان میں نازل ہوئی۔ اس کی دلیل اُنہوں نے یہ بیان کی ہے کہ یہ سورت جب نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف میں مجمع عام میں اس کی تلاوت فرمائی اور جب اس کی آخری آیت تلاوت کی فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا الآیہ تو حضور نے بھی سجدہ کیا اور اس محفل میں مسلمان اور کافر جتنے حاضرین تھے سب سر بسجود ہو گئے۔ اس سے یہ بات عام ہو گئی کہ تمام اہل مکّہ مشرف باسلام ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ افواہ حبشہ میں ہجرت کر کے جانے والے مسلمانوں تک بھی جا پہنچی جو ماہِ رجب میں ہجرت کر کے وہاں پہنچے تھے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو حبشہ میں ہی سکونت پذیر رہے، لیکن بعض نے فیصلہ کیا کہ جب اہلِ مکّہ مسلمان ہو گئے ہیں تو ظلم وستم کا وہ دور ختم ہو گیا ہو گا۔ اس لیے جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے کے بجائے ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں۔ چنانچہ وہ ماہِ شوال میں مکّہ پہنچے، لیکن یہاں وہی کفر وشرک کی ظلمت چھائی ہوئی تھی اور مسلمانوں پر حسبِ سابق ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اب ان لوگوں کے لیے اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ وہ مشرکین میں سے کسی کی پناہ لے کر مکّہ میں داخل ہوں یا اس طرح چوری چھپے اپنے شہر میں داخل ہوں کہ کسی کافر کو اُن کی واپسی کی خبر تک نہ ہو۔ اس واقعہ سے ان مصنّفین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ نبوت کے پانچویں سال ماہِ شوال سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے ماہ رمضان کو اس کے نزول کا مہینہ متعین کیا ہے۔ لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ استدلال کئی وجوہ سے ناقابل تسلیم ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، ج9، جز17، ص81

اس سُورت کے مضامین اس قول کی تردید کرتے ہیں کہ اس کا نزول بعثت کے پانچویں سال میں ہوا۔ کیونکہ اس کی ابتدائی آیتوں میں معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ ہے۔ خصوصاً عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮ یہ دو آیتیں اس امر پر قطعی دلالت کرتی ہیں کہ اس سورت کے ابتدائی حصّہ میں ان احوال کا بیان ہے جو سفرِ معراج میں پیش آئے۔ کیونکہ علی اختلاف الروایات، وہاں جبرئیل امین کا دیدار ہوا ہو یا رؤیت باری کا شرف حاصل ہوا ہو۔ یہ رؤیت بہر حال سدرۃ المنتہٰی کے مقام پر ہوئی اور سدرۃ المنتہٰی پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معراج کی رات میں تشریف آوری ہوئی ہے، اس سے پہلے نہیں ہوئی اور معراج کے بارے میں محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال یا ڈیڑھ سال قبل وقوع پذیر ہوا۔ اس لیے وہ سورت جس میں ایسا واقعہ مذکور ہے جو نبوت کے دسویں یا گیارہویں سال رُونما ہوا اس سُورت کا نزول نبوت کے پانچویں سال میں کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ جو اس قول کی تردید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت کی شہرۂ آفاق کتاب میں مہاجرین حبشہ کے حالات کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حتّٰی کہ تمام مہاجرین کے اسماء اور ان کے قبائل کے نام بھی بالترتیب درج کیے ہیں۔ وہ آخر میں لکھتے ہیں: وَبَلَغَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْنَ خَرَجُوْا اِلٰى اَرْضِ الْحَبْشَةِ اِسْلَامُ اَهْلِ مَكَّةَ فَاَقْبَلُوْا لَمَّا بَلَغَهُمْ مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا دَنَوْا مِنْ مَّكَّةَ بَلَغَهُمْ اَنَّ مَا كَانُوْا تُحُدِّثُوْا بِهٖ مِنْ اِسْلَامِ اَهْلِ مَكَّةَ كَانَ بَاطِلًا۔ (سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۳۸۸)

”یعنی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وہ اصحاب جو سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے، انہیں یہ اطلاع ملی کہ اہل مکّہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سُن کر وہ واپس لوٹے لیکن جب وہ مکّہ کے نزدیک پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اہل مکّہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع جھوٹی تھی“۔

اس روایت میں نہ تو علامہ مذکور نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور نے سورۃ النجم کی تلاوت کی اور اسے سُن کر تمام کفّار نے سجدہ کیا اس وجہ سے یہ افواہ مہاجرین حبشہ کو ملی تھی اور نہ انہوں نے مہاجرین کی واپسی کے لیے نبوت کے پانچویں سال کے ماہِ شوال کو تعیین کیا ہے۔ اگر یہ روایت قابل اعتنا ہوتی تو علامہ مذکور نے جب دیگر تمام تفصیلات کا احاطہ کیا تھا وہ ان دونوں چیزوں کا تذکرہ بھی ضرور کرتے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت ام المومنین امِ سلمٰی رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے ہجرتِ حبشہ کا مفصّل حال نقل کیا ہے۔ اس میں بھی واپسی کے بارے میں سورۃ النجم کے نزول کا کوئی ذکر نہیں۔

امام بُخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب سورۃ النجم نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں ایک مجمعِ عام کے سامنے اس کی تلاوت کی اور آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد حضور نے خود بھی سجدہ کیا اور تمام حاضرین نے بھی جن میں مسلمان، کافر، جن، انس سب شامل تھے (1)۔ اس روایت میں نہ حبشہ کے مہاجرین کی واپسی کا ذکر ہے اور نہ پانچویں سال کا تذکرہ ہے۔

امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دیگر مستند محدثین نے اسی طرح کی روایات نقل کی ہیں۔ وہ روایت جس میں سورۃ النجم کی تلاوت

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورۃ النجم، باب قولہ تعالیٰ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا، ج2، 721

اور تمام حاضرین کے سربسجود ہونے کے ساتھ ۵ نبوی میں مہاجرین حبشہ کی واپسی کا بھی تذکرہ ہے اس میں تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى والے من گھڑت اور جھوٹے قصے کا بیان بھی ہے جس کی علماء محققین نے شدومد سے تکذیب بھی کی ہے اور عقلی و نقلی دلائل سے اس کی تردید بھی کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے سورۂ حج کی آیت ۵۲ کا حاشیہ ضیاء القرآن جلد سوم، صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۷۔

اس لیے وہ روایت قطعاً اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے سورۃ النجم کے نزول کے لیے نبوت کا پانچواں سال متعین کیا جائے۔

بیشک حبشہ میں یہ افواہ پھیلی تھی کہ اہل مکّہ مسلمان ہو گئے ہیں لیکن اس کی وجہ یہ نہ تھی جو اس روایت میں بیان کی گئی ہے بلکہ اس کا باعث یہ امر تھا کہ ان کی مکّہ سے روانگی کے بعد دو ایسی ہستیاں مشرف باسلام ہو گئی تھیں جن کی قوت، شجاعت اور ہیبت سے سارا مکّہ خائف اور ترساں رہتا تھا۔ یعنی حضرت سیّدنا حمزہ اور حضرت سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے مشرف باسلام ہونے سے مسلمانوں کی بے بسی اور بیکسی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اب وہ کھلے بندوں حرم کعبہ میں عبادت کیا کرتے اور باجماعت نماز ادا کرتے۔ اس خوش کن تبدیلی کے باعث یہ بات اِردگرد کے قبائل میں پھیل گئی کہ اہل مکّہ مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ بات حبشہ کے مُہاجرین نے بھی سُنی۔ نیز حبشہ میں بھی خانہ جنگی کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے خلاف آئے روز بغاوتیں شروع ہو گئی تھیں۔ ان وجوہات کے باعث مسلمانوں نے مکّہ واپس آنے کا عزم کیا، لیکن جب وہ مکہ پہنچے، تو یہاں حالات ان کی توقعات کے بالکل برعکس تھے۔ اس لیے ان میں سے جو وہاں کسی کی پناہ لے کر آرام کی زندگی بسر کر سکتے تھے، وہ وہیں رُک گئے اور اکثر حبشہ واپس چلے گئے۔ شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت کی کتاب ''خاتم النّبیین'' میں اس افواہ کی ایک اور وجہ بھی تحریر کی ہے جو قرین قیاس ہے کہ عمرو بن عاص، جب نجاشی کو اس بات پر برانگیختہ کرنے میں ناکام رہے کہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکل جانے کا حکم دیدے، تو انہیں اپنی یہ ناکامی بہت گراں گزری۔ اُنہوں نے یہ چال چلی کہ اس خبر کو حبشہ میں اپنے کارندوں کے ذریعے مشہور کر دیا کہ اہل مکّہ مسلمان ہو گئے ہیں (1)۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسلمان خود بخود اپنے وطن واپس چلے آئیں گے اور ہم ان کو دبوچ لیں گے اور ظلم و ستم سے جس طرح چاہیں گے ان کا کچومر نکال دیں گے۔

بہر حال اس افواہ کے مشہور ہونے کی کوئی اور وجہ تو ہو سکتی ہے لیکن یہ وجہ ہرگز نہیں ہو سکتی جو اس روایت پر اعتماد کرنے والے مصنفین نے ذکر کی ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

مضامین: اس سورت میں سب سے پہلے ان الزامات کی تردید کی گئی ہے جو کفار، سرورِ عالم پر عائد کیا کرتے تھے۔ کبھی کہتے یہ راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں۔ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ اپنی ساری قوم کی تکذیب کرتے ہیں اور جو کلام یہ پڑھ کر سُناتے ہیں، اسے خود گھڑ کر لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ پہلی آیتوں میں قسم اُٹھا کر ان الزامات کی تردید فرما دی۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۔۔۔ الخ۔ ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ نہ یہ خود ان آیتوں کو گھڑتے ہیں اور نہ سُنی سنائی باتیں کرتے ہیں، بلکہ جو ذات انہیں یہ کلامِ بلاغت نظام سکھاتی ہے، اس کا انہوں نے دیدار بھی کیا ہے۔ بات شنید تک محدود نہیں، بلکہ دید تک جا پہنچی ہے۔

1۔ سیرۃ خاتم النّبیین از امام ابوزہرہ، ج 1، ص 414، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

اس لیے کفار کا اس کلام کے بارے میں جھگڑنا معقولیت سے کوسوں دور ہے۔ اس کے بعد کفّار کو خطاب فرمایا کہ جن عقائد اور نظریات پر تم پختگی سے چمٹے ہوئے ہو، ان کی بنیاد وہم وگمان کے سوا کچھ نہیں، ان کی حقانیت ثابت کرنے کیلئے نہ تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل ہے۔ تم اپنے نفس کی خواہشات سے اس قدر مغلوب ہو کہ تمہارا نفس جو کہتا ہے، اسی کو حق یقین کر لیتے ہو۔ تم نے کبھی ان باتوں میں چھان بین کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی۔ تم خود سوچو کہ کیا ظن وتخمین میں اتنی طاقت ہے کہ وہ ٹھوس عقائد کو بدل ڈالیں؟ تمہارے کہنے سے نہ حق باطل بن جائے گا اور نہ تمہارے انکار سے حق مٹ جائے گا۔ تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم نفس کی اندھی پیروی کو ترک کر دو اور چشم حقیقت شناس سے حق کے رُخِ زیبا کو دیکھو اور پہچانو۔

اس کے باوجود کفّار اپنے آپ کو ہدایت یافتہ یقین کرتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ ان کے راستے سے ہٹ گئے ہیں، وہ گمراہ ہیں۔ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو بہتر جانتا ہے کہ کون کس حال میں ہے؟ کون گُم کردہ راہ ہے؟ اور کس کے دل کو نورِ ہدایت سے منور کر دیا گیا ہے؟

بعد ازاں چند ایسے احکام کا ذکر کر دیا جو قرآنِ کریم کے نزول سے ہزاروں سال پہلے نازل ہونے والے صحیفوں میں مندرج تھے، جو حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے تا کہ اہل مکّہ جنہیں ابراہیمی نسبت پر فخر وناز ہے، انہیں معلوم ہو جائے کہ نبی کریم کوئی نیا دین اور زندگی کے لیے کوئی انوکھا نظام لے کر نہیں آئے، بلکہ یہ انہیں سچائیوں کی دعوت دے رہے ہیں جن کی دعوت پہلے انبیاء دیتے رہے ہیں۔ خصوصاً حضرت ابراہیم خلیل اللہ جن کی تم اولاد ہو، جن کے تعمیر کردہ کعبے کی مجاوری کے باعث تم جہاں جاتے ہو لوگ فرطِ عقیدت سے تمہاری راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔

آخر میں تنبیہ فرما دی کہ ان سچائیوں کا انکار کرنے والے تم پہلے لوگ نہیں ہو، تم سے پیشتر بھی کئی بدنصیب قوموں نے ان کو ماننے سے انکار کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تباہ کر دی گئیں۔ اگر تمہارا ابھی یہی وتیرہ رہا تو سُن لو! اس کا نتیجہ بھی مختلف نہ ہوگا۔ اس نصیحت پر اس سورت کا اختتام ہو رہا ہے کہ اے مکّہ کے باشندو! کلامِ الٰہی سُن کر تم غرور ونخوت سے اکڑتے ہوئے بڑی بے پروائی سے گزر جاتے ہو۔ یہ مہلت کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں۔ پھر واویلا کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ تمام معبودانِ باطل سے رشتہ توڑ کر اپنے حقیقی خالق اور سچے معبود کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ۔

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِثْنَتَانِ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النجم مکی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۶۲ آیات اور تین رکوع ہیں

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ② وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا ۱ تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا ۲ اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی

۱ آیت کے الفاظ کا مفہوم پہلے ذہن نشین کر لیجیے۔ نَجْمٌ: مطلق ستارہ کو بھی کہتے ہیں اور اَلنَّجْمُ ذکر کر کے اس سے ثریّا (پروین) مراد لینا بھی اہل عرب میں عام مروّج ہے (1)۔ یہاں دونوں معنے لیے جا سکتے ہیں۔ هَوٰى: یہ مادہ دو بابوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ باب عَلِمَ يَعْلَمُ: هَوِيَ يَهْوٰى۔ اس وقت اس کا معنی محبت کرنا ہوتا ہے۔ هَوَاهُ: اَحَبَّهٗ۔ دوسرا باب ضَرَبَ يَضْرِبُ: هَوٰى يَهْوِيْ جیسے یہاں مذکور ہے۔ اس صورت میں یہ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نیچے گرنا اور بلند ہونا۔ چنانچہ هَوَى الشَّيْءُ: سَقَطَ مِنْ عُلُوٍّ اِلٰى اَسْفَلَ۔ اِرْتَفَعَ وَصَعِدَ (2)۔ جب کوئی چیز اوپر سے نیچے گرے تب بھی کہتے ہیں هَوَى الشَّيْءُ اور جب کوئی چیز پستی سے بلندی کی طرف جائے اس وقت بھی کہتے ہیں هَوَى الشَّيْءُ۔ البتہ مصدر دونوں حالتوں میں الگ الگ ہوگا۔ نیچے گرنے کے معنی میں ہو تو کہیں گے هَوٰى يَهْوِيْ هُوِيًّا اور بلند ہونے کے معنی میں ہو تو کہیں گے هَوٰى يَهْوِيْ هَوِيًّا۔ (3)

ستارہ رات کے اندھیرے میں روشنی بھی بہم پہنچاتا ہے، فضا کو بھی اپنی ٹمٹماہٹ سے حُسن و زینت بخشتا ہے۔ لق و دق صحرا میں مسافر ستاروں ہی سے اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ ستارہ جب آسمان کے وسط میں ہو تو اس وقت وہ راہنمائی نہیں کر سکتا، اس لیے صرف اَلنَّجْم کی قسم نہیں اٹھائی، بلکہ اس کی خاص حالت کی جب وہ طلوع ہو رہا ہو یا ڈھل رہا ہو، کیونکہ رہنمائی کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوِيُّهٗ نُزُوْلُهٗ مِنَ السَّمَاءِ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ وَجُوِّزَ عَلٰى هٰذَا اَنْ يُّرَادَ بِهَوَاهُ صُعُوْدُهٗ وَعُرُوْجُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِلٰى مُنْقَطِعِ الْاَيْنِ۔ (روح المعانی) (4)

یعنی النجم سے مراد ذاتِ پاک مصطفٰی علیہ اطیب التحیۃ والثناء ہے۔ اِذَا هَوٰى سے مراد حضور کا شبِ معراج آسمان سے واپس زمین پر نزول فرمانا ہے۔ اس کے بعد آلوسی فرماتے ہیں کہ اِذَا هَوٰى سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ حضور کا شبِ معراج وہاں تک عروج کرنا جہاں مکان کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں۔

قرآنِ کریم کی وہ مقدار جو ایک مرتبہ نازل ہو، اس کو بھی نجم کہتے ہیں۔ بعض علماء نے یہاں النجم سے بھی قرآنِ کریم کا نازل شدہ حصہ مراد لیا ہے۔ قِيْلَ اَرَادَ بِذٰلِكَ الْقُرْاٰنَ الْمُنَجَّمَ الْمُنَزَّلَ قَدْرًا فَقَدْرًا۔ (5)

یہاں النجم مقسم بہ ہے۔ اس کا جو معنی لیا جائے وہاں خاص مناسبت پائی جاتی ہے جو اہلِ نظر پر عیاں ہے۔

۲ یہ جوابِ قسم ہے۔ آیت کے کلمات کی تحقیق پہلے سماعت فرمائیے۔ آیت میں صَاحِبُكُمْ سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

1۔ المنجد، ص 793
2۔ ایضاً، ص 878
3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 210
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 27، ص 45
5۔ مفرداتِ راغب، ص 792

الْهَوٰى ۳ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۴ۙ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۵ۙ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ

خواہش سے ۳؎ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے ۴؎ انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے ۵؎ بڑے دانا نے ۶؎

ذات بابرکات ہے۔ صاحب کا معنی سیّد اور مالک بھی ہے۔ کہتے ہیں صَاحِبُ الْبَيْتِ: گھر کا مالک اور اس کا معنی ساتھی اور رفیق بھی ہے۔ لیکن صرف ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے جس کی رفاقت اور سنگت بکثرت ہو۔ لَا يُقَالُ فِي الْعُرْفِ اِلَّا لِمَنْ كَثُرَتْ مُلَازَمَتُهٗ (مفردات)(1) علامہ راغب ضلال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلضَّلَالُ: اَلْعُدُوْلُ عَنِ الطَّرِيْقِ الْمُسْتَقِيْمِ وَيُضَادُّهُ الْهِدَايَةُ وَيُقَالُ الضَّلَالُ لِكُلِّ عُدُوْلٍ عَنِ الْمَنْهَجِ عَمَدًا كَانَ اَوْ سَهْوًا يَسِيْرًا كَانَ اَوْ كَثِيْرًا (مفردات)(2) سیدھے راستہ سے رُوگردانی کو ضلال کہتے ہیں اس کی ضد ہدایت ہے۔ بعض نے مزید تشریح کی ہے کہ راستہ سے رُوگردانی دانستہ ہو یا بھول کر ہو، تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، اس کو ضلال کہتے ہیں۔ اور فاضل موصوف غوی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلْغَيُّ جَهْلٌ مِنِ اعْتِقَادٍ فَاسِدٍ۔ (مفردات)(3) یعنی وہ جہالت جو باطل عقیدہ کی وجہ سے ہو۔ علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں: اَلْغَوَايَةُ هِيَ الْخَطَأُ فِي الْاِعْتِقَادِ خَاصَّةً وَّالضَّلَالُ اَعَمُّ مِنْهَا يَتَنَاوَلُ الْخَطَأَ فِي الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَالِ وَالْاَخْلَاقِ وَالْعَقَائِدِ۔ (روح البیان)(4) اعتقادی غلطی کو غوایۃ کہتے ہیں اور ضلال عام ہے۔ یہ اقوال، افعال، اخلاق اور عقائد کی غلطی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب توحید کی دعوت کا آغاز کیا اور اہل مکہ کو کفر و شرک سے باز آنے کی تبلیغ شروع کی تو اہل مکہ نے کہنا شروع کیا کہ آپ گمراہ ہو گئے ہیں، اپنی قوم کا راستہ چھوڑ دیا ہے، ان کا عقیدہ بگڑ گیا ہے۔ خالق ارض و سما نے پہلے قسم کھائی، پھر ان کے الزامات کی تردید کی۔ فرمایا: ان کے قول، عمل اور کردار میں گمراہی کا نام و نشان تک نہیں۔ ان کے عقیدہ میں کوئی غلطی اور کجی نہیں اور صَاحِبُكُمْ فرما کر اپنے حبیب کی کتابِ حیات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی۔ یعنی یہ کوئی اجنبی نہیں جو دیارِ غیر سے آ کر یہاں فروکش ہو گئے ہیں اور نبوت کا دھندا شروع کر دیا ہے۔ تم ان کے ماضی سے، ان کے خاندانی پس منظر سے، ان کے اطوار و احوال سے اور سیرت و کردار سے اچھی طرح واقف ہو۔ ان کا بچپن تمہارے سامنے گزرا۔ ان کا عہدِ شباب اسی ماحول میں اور تمہارے اس شہر میں بسر ہوا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ اور تمہارے سامنے کاروبار بھی کیا ہے۔ سماجی، قومی اور ملکی مسائل میں ان کی فراست کے تم چشم دید گواہ ہو۔ ان کی کتابِ زیست کا کون سا باب ہے جو تم سے پوشیدہ ہے؟ کون سا ورق ہے جو تم سے مخفی ہے؟ جب ان کی ساری زندگی شبنم کی طرح پاکیزہ، پھول کی طرح شگفتہ اور آفتاب کی طرح بے داغ ہے تو تمہیں ان پر ضلالت و غوایت کے الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی؟

کتنا بارُعب، حسین اور مدلل اندازِ بیان ہے۔

نیز اس آیت سے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا (5) کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت میں ضال کا معنی گمراہ نہیں، بلکہ کسی کی محبت میں سرگرداں اور حیران ہونا ہے جو اس لفظ کا دوسرا معنی ہے۔ تحقیق سورۃ الضحیٰ میں ملاحظہ فرمائیے۔

۳؎ پہلی آیت کی مزید تائید کی جا رہی ہے۔ یعنی کوئی غلط قدم اٹھانا، کسی باطل عقیدہ کو اپنانا تو بڑی دور کی بات ہے، ان کا تو یہ عالم ہے کہ

1۔ مفرداتِ راغب، ص485

2۔ ایضاً، ص509

3۔ ایضاً، ص602

4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج9، ص210

5۔ سورۃ الضحیٰ: 7

وہ خواہش نفس سے لبوں کو جنبش بھی نہیں دیتے۔ ان کی زبان پر کوئی ایسی بات آتی ہی نہیں، جس کا محرک ان کی ذاتی خواہشات ہوں۔

ف ۴ ھُوَ کا مرجع قرآنِ کریم ہے (1)۔ یہ آیت ایک سوال کا جواب ہے۔ جب وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں، تو پھر جو کلام یہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں، یہ کیا ہے؟ اس کا جواب دیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اور جیسے وحی نازل ہوتی ہے، بعینہ وہ اسی طرح لوگوں کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں، اس میں سر مو ردّ و بدل ناممکن ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ ھُوَ کا مرجع صرف قرآنِ کریم نہیں، بلکہ قرآنِ کریم اور جو بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلتی ہے، وہ سب وحی ہے۔ وحی کی دو قسمیں ہیں: جب معانی اور کلمات سب منزل من اللہ ہوں، اسے وحی جلی کہتے ہیں جو قرآنِ کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور جب معانی کا نزول تو من جانب اللہ ہو، لیکن ان کو الفاظ کا جامہ حضور نے خود پہنایا ہو، اسے وحی خفی یا وحی غیر متلوّ کہا جاتا ہے جیسے احادیثِ طیبہ۔ بعض علماء نے ان آیات کے پیشِ نظر حضور کے اجتہاد کا انکار کیا ہے۔ یعنی حضور کوئی بات اپنے اجتہاد سے نہیں کہتے، بلکہ جو ارشاد ہوتا ہے، وہ وحیِ الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن جمہور فقہاء نے حضور کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے اور ساتھ ہی تصریح فرمائی ہے کہ یہ اجتہاد بھی باذن اللہ ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود ہی اس اجتہاد کی پاسبانی کرتا ہے۔ حضور جو بات بذریعہ اجتہاد فرماتے ہیں، وہ بھی عین منشاء خداوندی ہوا کرتی ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اِنَّ اللہَ اِذَا سَوَّغَ لَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ الْاِجْتِھَادَ کَانَ الْاِجْتِھَادُ مَا یُسْنَدُ اِلَیْہِ وَحْیًا لَّا نُطْقًا عَنِ الْھَوٰی (روح المعانی) (2)

کتبِ احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا یہ واقعہ منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں میرا یہ دستور تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ مبارک سے جو کچھ سنتا، وہ لکھ لیا کرتا۔ قریش کے بعض احباب نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے: تم حضور کا ہر قول لکھ لیا کرتے ہو۔ حالانکہ حضور انسان ہیں، کبھی غصّے میں بھی کوئی بات فرما دیا کرتے ہیں، چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا۔ بعد میں اس کا ذکر بارگاہِ رسالت میں ہوا اور میں نے سلسلۂ کتابت بند کرنے کی وجوہ بیان کیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا خَرَجَ مِنِّیْ اِلَّا الْحَقُّ (3)۔ اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو۔ اُس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔ اس مسئلے پر مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیے فقیر کی تصنیف "سنت خیر الانام" علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ف ۵ اس آیت سے لے کر لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی ۱۸ تک کی تفسیر میں علماء کرام میں اختلاف ہے۔ ایسی روایات موجود ہیں جن سے صراحۃً پتہ چلتا ہے کہ عہدِ صحابہ میں بھی ان آیات کے بارے میں اختلاف موجود تھا۔ جہاں تک آیات کی نصوص کا تعلق ہے ان سے دونوں مفہوم اخذ کیے جا سکتے ہیں اور کوئی ایسی حدیث مرفوع بھی موجود نہیں جو ان آیات کے مفہوم کو متعین کر دے، ورنہ ایسے اِرشادِ نبوی کی موجودگی میں ایسا اختلاف سرے سے رونما ہی نہ ہوتا۔ اسی طرح بعد میں آنے والے علماء کرام ان آیات کے بارے میں دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ اپنی دیانتدارانہ تحقیق کی روشنی میں ہمیں یہ حق تو پہنچتا ہے کہ ان دو قولوں میں سے کوئی ایک قول اختیار کر لیں، لیکن ہمیں یہ حق ہرگز نہیں کہ دوسرے قول کے قائلین کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار ہوں۔

یہ ہیچمیرز پہلے عام مفسرین کی رائے کے مطابق اِن آیات کی تشریح پیش کرے گا اور اس کے بعد دوسرے مکتب فکر کی تحقیق

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 104

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 27، ص 46

3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 247۔ سنن ابوداؤد، کتاب العلم، باب روایۃ حدیث اہل الکتاب وکتابۃ العلم، ج 2، ص 58-157

فَاسْتَوٰى ۙ⑥ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۭ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ⑧ فَكَانَ قَابَ

پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا [7] اور وہ سب سے اونچے کنارہ پر تھا [8] پھر وہ قریب ہوا، اور قریب ہوا [9] یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ

پیش کی جائے گی۔ قارئین کرام اس کے بعد خود فیصلہ کرلیں کہ کس فریق کا قول زیادہ قرین صواب ہے۔

عام مفسرین کے نزدیک شَدِیْدُ الْقُوٰی سے مراد حضرت جبرئیل ہیں، یعنی جبرئیل امین نے حضور کو قرآنِ کریم سکھایا۔ جبرئیل کے شدید القویٰ ہونے میں کسی کو کیسے شک ہوسکتا ہے؟ جو چشمِ زدن میں سدرۃ المنتہٰی سے فرشِ زمین پر پہنچ جائے، جو وحی کے بارِ گراں کا متحمل ہو، جس نے لوط کی بستیوں کو جڑ سے اُکھیڑا، پھر انہیں آسمان کی بلندیوں تک اٹھایا، پھر انہیں اوندھا کر کے پھینک دیا، ایسی ہستی کی قوت وطاقت کا کیا کہنا۔

۶ مِرَّۃ: اصل میں رسّی کو بٹنے اور بل دے کر پختہ اور مضبوط بنانے کو کہتے ہیں۔ اَصْلُهٗ مِنْ شِدَّةِ فَتْلِ الْحَبْلِ (قرطبی) (1) اسی لیے ذُوْمِرَّةٍ کا معنی ذُوْقُوَّةٍ یعنی طاقتور اور زور آور کیا گیا ہے۔ یہ لفظ جسمانی اور ذہنی دونوں قوتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے حکیم اور دانا کو بھی ذُوْمِرَّةٍ کہتے ہیں۔ وَقَالَ قُطْرُبُ: تَقُوْلُ الْعَرَبُ لِكُلِّ جَزْلِ الرَّأْيِ حَصِيْفِ الْعَقْلِ ذُوْمِرَّةٍ۔ (قرطبی) (2)

شدید القویٰ سے حضرت جبریل کی جسمانی قوتوں کا بیان ہے اور ذُومِرّۃ سے ان کی دانش مندی اور عقلمندی کا ذکر ہے۔ بیشک جو ہستی تمام انبیائے کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر نازل ہوتی رہی اور پوری دیانت داری سے اس امانت کو ادا کرتی رہی، اس کی دانش مندی اور فرزانگی کے بارے میں کسے شک ہوسکتا ہے؟

۷ فَاسْتَوٰی کا فاعل بھی جبرئیلِ امین ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ فَاسْتَقَامَ عَلٰی صُوْرَتِهِ الْحَقِيْقِيَّةِ الَّتِيْ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهَا۔ یعنی جبرئیل امین اپنی حقیقی ملکی شکل میں نمودار ہوئے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی ملکی شکل میں ظاہر ہو کر پیش ہوں۔ اوائلِ نبوت کا زمانہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ حرا کے باہر تشریف فرما ہیں۔ مشرقی افق پر جبرئیل اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے۔ آپ کے وجود سے آسمان کے شرقی غربی کنارے بھر گئے، حالانکہ ابھی آپ نے اپنے چھ سو پروں سے صرف دو پر ہی پھیلائے تھے۔ انبیائے کرام میں سے صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہی جبرئیل کو اپنی اصلی ملکی شکل میں دیکھا۔

فَاسْتَوٰی کا ایک اور مطلب بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اَیْ فَاسْتَوَی الْقُرْاٰنُ فِيْ صَدْرِهٖ۔ یعنی جو قرآن جبرئیل نے آپ کو سکھایا، وہ آپ کے سینہ مبارکہ میں قرار پکڑ گیا۔ اب اس کے بھول جانے کا کوئی امکان نہیں۔ (3)

۸ هُوَ کا مرجع بھی جبرئیل امین ہیں۔ اُفق اس کنارے کو کہتے ہیں جہاں آسمان وزمین آپس میں ملتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اَعْلٰی: بلند ترین۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جبرئیل آسمان کے مشرقی کنارے پر جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے، اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئے۔

۹ دَنٰی اور فَتَدَلّٰی دونوں فعلوں کے فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ دَنٰی کا معنی ہے قریب ہونا اور تَدَلّٰی کا معنی کسی بلند چیز کا نیچے کی طرف اس طرح لٹکنا کہ اس کا تعلق اپنی اصلی جگہ سے بھی قائم رہے۔ جب ڈول کو کنویں میں لٹکایا جائے اور اس کی رسّی لٹکانے والے نے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 85 2۔ ایضاً، جز 17، ص 86 3۔ ایضاً، جز 17، ص 87

قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ ⑨ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۭ ⑩ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ

اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا ١٠ پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے کی طرف جو وحی کی ١١ نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا

مَا رَاٰى ⑪ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬

(چشمِ مصطفیٰ) نے ١٢ کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا ١٣ اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا ١٤

پکڑ رکھی ہو تو کہتے ہیں: اَدْلٰی دَلْوَا۔ اسی طرح پھلوں کے وہ گچھے جو شاخوں سے لٹک رہے ہوتے ہیں، ان کو بھی دوالی کہتے ہیں۔ اَلدَّوَالِی: اَلثَّمَرُ الْمُعَلَّقُ کَعَنَاقِیْدِ الْعِنَبِ۔ جو شخص پلنگ پر بیٹھا ہوا اور اپنی ٹانگیں لٹکائے ہو، اس کے بارے میں بھی کہتے ہیں: دَلّٰی رِجْلَیْهِ مِنَ السَّرِیْرِ۔ (روح المعانی) (1)۔ علامہ قرطبی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَصْلُ التَّدَلِّیْ: اَلنُّزُوْلُ اِلَی الشَّیْءِ حَتّٰی یَقْرُبَ مِنْهُ (2)۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم ہوگا کہ جبرئیل جو اپنی اصلی ملکی شکل میں اپنے چھ سو پروں سمیت شرقی افق پر نمودار ہوئے تھے، وہ حضور کے نزدیک آئے اور افق کی بلندیوں سے نزول کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالکل قریب ہو گئے۔

١٠ جبرئیل امین، رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کس قدر قریب ہوئے، اس کو اس آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ قَابَ کا معنی مقدار اور اندازہ ہے۔ قوسین: قوس (کمان) کا تثنیہ ہے۔ نہایت قُرب کو بیان کرنے کے لیے اہلِ عرب یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عہدِ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو قبیلوں کے سردار جب اپنی باہمی دوستی کا اعلان کرنا چاہتے، تو وہ اپنی اپنی کمانوں کو ملا دیتے۔ یکجا شدہ کمانوں میں ایک تیر رکھ کر دونوں سردار اس کو چھوڑتے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہوتا کہ یہ دونوں سردار متحد و متفق ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی کسی نے حملہ کیا یا زیادتی کی، تو دونوں مل کر اس کے مقابلے میں سینہ سپر ہوں گے۔

بعد میں یہ الفاظ کامل یگانگت اور اتحاد کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیے جانے لگے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جبرئیل، رسولِ کریم کے بالکل نزدیک آ گئے جس طرح دو ملی ہوئی کمانیں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی ہیں۔ اَوْ اَدْنٰی کہہ کر مزید قُرب کی طرف اشارہ کر دیا کہ دو کمانوں میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ فاصلہ اور مغائرت باقی رہتی ہے، یہاں تو اس سے بھی زیادہ قُرب تھا۔ آیت میں اَوْ تشکیک کے لیے نہیں، بلکہ بَلْ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس طرح وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ یَعْنِیْ بَلْ یَزِیْدُوْنَ (مظہری) (3)

١١ اَوْحٰی کا فاعل بھی جبرئیل ہے۔ عَبْدِهٖ کی ضمیر کا مرجع بالاتفاق اللہ تعالیٰ ہے، یعنی جبرئیلِ امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ بعض نے پہلے اَوْحٰی کا فاعل جبرئیل اور دوسرے اَوْحٰی کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ اس وقت آیت کا ترجمہ ہوگا جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل پر وحی کی تھی۔ (4)

١٢ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جبرئیلِ امین کو ان کی اصلی شکل میں اپنی اِن آنکھوں سے دیکھا تو دل نے اس کی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 48

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 89

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 105

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 91

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ⑮ إِذْ يَغْشَى

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ۱۵ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے ۱۶ جب سدرہ پر

السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰ لَقَدْ رَاٰى مِنْ

چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا ۱۷ نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفٰے) اور نہ (حدِ ادب سے) آگے بڑھی ۱۸ یقیناً انہوں نے اپنے

تصدیق کی کہ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں یہ ایک حقیقت ہے۔ واقعی یہ جبرئیل ہے جو اپنی اصلی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ یہ نظر کا فریب نہیں، نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا کہ حقیقت کچھ اور ہو اور نظر کچھ اور آ رہا ہو۔ ہر شخص کو کبھی نہ کبھی اس صورتِ حال سے ضرور واسطہ پڑا ہوگا کہ آنکھوں کو تو کچھ نظر آ رہا ہے، لیکن دل اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں ایسی صورتِ حال نہیں ہے۔ آنکھیں جبرئیل کو دیکھ رہی ہیں اور دل تصدیق کر رہا ہے کہ واقعی یہ جبرئیل ہے۔ دل کو یہ عرفان اور ایقان کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور نفسانی شکوک وشبہات سے بالکل محفوظ رکھتا ہے۔ جس طرح ان کو منجانب اللہ اپنی نبوت پر یقینِ محکم ہوتا ہے، اس بارے میں انہیں قطعاً کوئی تردّد نہیں ہوتا، اسی طرح ان پر جو وحی اتاری جاتی ہے، جو فرشتے ان کی طرف بھیجے جاتے ہیں، جن انوار وتجلیات کا انہیں مشاہدہ کرایا جاتا ہے، ان کے بارے میں انہیں ذرا تردّد نہیں ہوتا۔ یہ علم اور یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا یقین حسبِ مراتب انسانوں، بلکہ حیوانات کو بھی مرحمت ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے انسان ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی تردّد نہیں۔ بطخ کے بچے کو انڈے سے نکلتے ہی یہ عرفان بخشا جاتا ہے کہ وہ پانی میں تیر سکتا ہے، چنانچہ وہ بلا تأمل پانی میں کُود جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۱۳ تُمٰرُوْنَ: اَلْمُرَاءُ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے جھگڑنا، بحث وتکرار کرنا۔ مِنَ الْمُرَاءِ وَهُوَ الْمُجَادَلَةُ (1)۔ یعنی اے کفار! تم میرے رسول سے اس بات پر جھگڑتے ہو جس کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

۱۴ تم تو اس بات پر جھگڑ رہے ہو کہ میرے رسول نے جبرئیل کو ایک بار بھی دیکھا ہے یا نہیں۔ حالانکہ انہوں نے جبرئیل کو دوسری مرتبہ بھی دیکھا ہے۔

۱۵ دوسری بار دیکھنے کی جگہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ دوسری دید سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی۔ سِدْرَةٌ: عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ مُنْتَهٰى: آخری کنارہ، آخری سرحد (2)۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ بیری کا وہ درخت جو مادی جہاں کی آخری سرحد پر ہے۔ اس کے بارے میں کتاب وسنّت میں جو کچھ ہے، ہم اس کو بلا تاویل تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ وہ درخت کیسا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شاخوں، پتّوں اور پھلوں کی نوعیت کیا ہے؟ ہمیں ان کی ماہیت معلوم نہیں اور نہ ان کی ماہیت جاننے میں ہمارا کوئی دنیوی اور اخروی مفاد ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود بیان فرما دیتا۔ یہ ان اسرار میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 109

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 94

۱۶ مَأْوٰی: اسمِ ظرف ہے۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان قرار پکڑتا ہے، آرام کرتا ہے۔ اس جنت کو جنت الماویٰ کیوں کہا گیا ہے؟ علمائے کرام نے اس کی متعدد توجیہیں ذکر کی ہیں۔ شہداء کی روحیں یہاں تشریف فرما ہیں۔ جبرئیل اور دیگر ملائکہ کی یہ رہائش گاہ ہے۔ پرہیزگار اہل ایمان کی رُوحیں یہاں ٹھہرتی ہیں (1)۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۷ یعنی جن انوار وتجلیات کے ہجوم نے سِدرہ کو ڈھانپ لیا، ان کو بیان کرنے کے لیے نہ کسی لغت میں کوئی لفظ موجود ہے اور نہ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کسی میں طاقت ہے۔ یہ جس طرح ذکر و بیان سے ماوراء ہے، اسی طرح فہم وادراک کی رسائی سے بھی بالاتر ہے۔ اس دلآویز منظر کی تصویر کشی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ یہ کہہ دیا جائے۔ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی۔

۱۸ علامہ جوہری نے زَاغَ کے دو معنی لکھے ہیں۔ اَلزَّیْغُ: اَلْمَیْلُ وَقَدْ زَاغَ یَزِیْغُ وَزَاغَ الْبَصَرُ اَیْ کَلَّ۔ (صحاح) (2) یعنی کسی چیز کا دائیں بائیں مُڑ جانا، اِدھر اُدھر ہو جانا، اس کو بھی زیغ کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ سرورِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ اپنے مقصود کی دید میں محو رہی۔ اِدھر اُدھر، دائیں بائیں کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ دوسرا معنی ہے نگاہ کا درماندہ ہو جانا۔ جیسے دوپہر کے وقت انسان سورج کو دیکھنے کی کوشش کرے تو آنکھ سُورج کی روشنی کی تاب نہیں لاسکتی اور چُندھیا جاتی ہے۔ فرمایا: میرے محبوب کی آنکھیں ان انوار کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر چندھیا نہیں گئیں، درماندہ ہو کر بند نہیں ہو گئیں، بلکہ جی بھر کر ان کا دیدار کیا۔

وَمَا طَغٰی سے اپنے حبیب کی چشمِ پاک کی دوسری شان بیان کی گئی ہے۔ طَغٰی کہتے ہیں حد سے تجاوز کر جانا۔ طَغٰی یَطْغٰی وَیَطْغُوْ اَیْ جَاوَزَ الْحَدَّ (صحاح) (3)

یہاں تک ہم نے ایک مکتبِ فکر کے مطابق ان آیات کی تشریح کی ہے۔ اس ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق بھی کافی حد تک کر دی گئی ہے۔ ان کے اعادے کی چنداں ضرورت نہیں پڑے گی۔ دوسرے مکتب فکر کے علمائے اعلام کے سرخیل امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان حضرات نے ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

عَلَّمَهٗ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ شَدِیْدُ الْقُوٰی اور ذُوْمِرَّةٍ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو زبردست قوتوں والا دانا ہے، اس نے اپنے نبی کریم کو قرآنِ کریم کی تعلیم دی۔ جس طرح اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ (4) میں صراحۃً مذکور ہے۔

فَاسْتَوٰی کا فاعل نبی کریم ہیں، یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قصد فرمایا جب کہ آپ سفر معراج میں اُفقِ اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکان کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے لامکان میں رب العزت کے قریب ہوئے اور وہاں فائز ہو کر فَتَدَلّٰی (سجدہ ریز ہو گئے) پس اتنے قریب ہوئے جتنا دو کمانیں قریب ہوتی ہیں جب انہیں ملایا جاتا ہے، بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب۔ اس حالت قرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ اس حریمِ ناز میں صفاتی تجلیات اور ذاتی انوار کا جو مشاہدہ بے تاب نگاہوں نے کیا، دل نے اس کی تصدیق کی اور تمہارا یہ جھگڑا کہ یہ دیکھا وہ نہیں دیکھا، محض بے سُود ہے۔ دکھانے والے نے جو دکھانا تھا، دکھا دیا۔ دیکھنے والے نے جو دیکھنا تھا وہ جی بھر کے دیکھ لیا۔ اب تم بے مقصد بحثوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ یہ نعمت دیدار فقط ایک بار نصیب نہیں ہوئی، بلکہ اُترتے ہوئے دوسری بار بھی نصیب ہوئی۔ یہ دوبارہ شرفِ دید سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا۔

اس پُرتقصیر کے نزدیک یہی قول راجح ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ عبد کی عبد سے ملاقات کو اس اہتمام، اس تفصیل اور اس

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 113
2۔ الصحاح، ج 4، ص 1320
3۔ ایضاً، ج 6، ص 2412
4۔ سورۃ الرحمٰن: 2-1

کیف انگیز اسلوب سے بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر یہاں حضور کی جبرئیلِ امین سے ملاقات کا ذکر ہوتا تو ایک آیت ہی کافی تھی۔ کیف انگیز اندازِ بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عبدِ کامل کی اپنے معبودِ برحق کے ساتھ ملاقات کا ذکر ہے۔ جہاں ایک طرف عشق ہے، نیاز ہے اور سرافگندگی ہے اور دوسری طرف حُسن ہے، شانِ صمدیت ہے اور شانِ بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ حضور کی ملاقات جبرئیل سے بھی بے شک بڑے فوائد کی حامل ہے، لیکن حضور کے لیے باعثِ ہزار سعادت ووجہِ فضیلت فقط اپنے محبوبِ حقیقی کی ملاقات ہے۔ ان آیات کو ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔ آپ کا وجدان اسلوبِ بیان کی رعنائیوں پر جھوم جھوم اٹھے گا۔

نیز کفار کا اعتراض یہ تھا کہ جو کلام آپ پڑھ کر انہیں سُناتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ یا یہ خود گھڑ کر لاتے ہیں یا انہیں کوئی آکر سکھا پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تردید اسی طرح ہونی چاہیے کہ فرمایا جائے یہ کلام نہ انہوں نے خود گھڑا ہے نہ کسی نے انہیں سکھایا ہے، بلکہ اس خالقِ کائنات نے انہیں اس کی تعلیم دی ہے جو بڑی قوتوں والا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ اس کے علاوہ انتشارِ ضمائر کی وجہ سے ذہن میں جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اور جو قرآن کے معیارِ فصاحت سے بھی مناسبت نہیں رکھتی، اس سے رستگاری کا صرف یہی راستہ ہے کہ حضرت حسن بصری کے قول کو تسلیم کیا جائے۔ ان تمام وجوہِ ترجیح کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے، تو وہ احادیث صحیحہ جن میں واقعاتِ معراج کا بیان ہے، وہ اس مفہوم کی تائید کے لیے کافی ہیں۔ میں یہاں فقط دو احادیث نقل کرنے پر اکتفا کروں گا اور ان کا بھی فقط وہ حصہ جس سے ان آیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ امام مسلم اپنی صحیح میں ایک مفصل حدیث روایت کرتے ہیں۔ جس کا وہ حصہ درج ذیل ہے جس کا ہمارے مدّعا سے تعلق ہے۔

”......ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيلُ فَقِيلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيلُ۔ قِيلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ (صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قِيلَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ۔ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِاِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مُسْنِدًا ظَهْرَهٗ اِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَاِذَا هُوَ يَدْخُلُهٗ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ لَّا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ ذُهِبَ بِيْ اِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى فَاِذَا وَّرَقُهَا كَاٰذَانِ الْفِيْلِ وَاِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ قَالَ فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ اَمْرِ اللهِ مَا غَشِيَ تَغَيَّرَتْ وَمَا اَحَدٌ مِّنْ خَلْقِ اللهِ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّنْعَتَهَا مِنْ حُسْنِهَا فَاَوْحٰى اِلَيَّ مَا اَوْحٰى فَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ فَنَزَلْتُ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى اُمَّتِكَ قُلْتُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا يُطِيْقُوْنَ لِذٰلِكَ فَاِنِّيْ قَدْ بَلَوْتُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَ خَبَرْتُهُمْ قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ فَقُلْتُ يَا رَبِّ خَفِّفْ عَلٰى اُمَّتِيْ وَحُطَّ عَنِّيْ خَمْسًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى وَقُلْتُ حُطَّ عَنِّيْ خَمْسًا قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا يُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ قَالَ فَلَمْ اَزَلْ اَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّيْ وَبَيْنَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى قَالَ يَا مُحَمَّدُ! اِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ لِّكُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرٌ فَذٰلِكَ خَمْسُوْنَ صَلٰوةً وَّمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهٗ حَسَنَةً فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهٗ عَشْرًا وَّمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ وَّلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ لَهٗ شَيْئًا فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةٌ وَّاحِدَةٌ قَالَ فَنَزَلْتُ حَتّٰى انْتَهَيْتُ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْئَلْهُ التَّخْفِيْفَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ رَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ۔“ (1) (مسلم شریف جلد اوّل، ص ۹۱)

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی السموات وفرض الصلوات، ج 1، ص 91

"۔۔۔۔ پھر مجھے اور جبرئیل کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ جبرئیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ آواز آئی کون ہے؟ کہا: میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔ پھر پوچھا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: ہاں۔ پس دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت معمور کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ بیت معمور وہ مقدس مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، لیکن دوبارہ انہیں یہ سعادت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سِدرۃ المنتہٰی تک لے جایا گیا۔ (فقط مجھے لے جایا گیا) اس کے پتّے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ حضور نے فرمایا: پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا، تو وہ اتنا خوبصورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حُسن وجمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی اور مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں وہاں سے اُتر کر موسیٰ کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا: فرمائیے! آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا: اپنے رب کی طرف واپس جائیے اور تخفیف کی التجا کیجیے۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا اور عرض کی: اے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں ۔۔۔۔ چنانچہ میں بار بار اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب! یہ تعداد میں تو پانچ ہیں، لیکن حقیقت میں پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب کی امت پر مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا): آپ کے امتیوں میں سے جس نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا، لیکن اس ارادہ پر عمل نہ کیا، تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا اور اگر اس پر عمل بھی کیا، تو دس نیکیاں لکھوں گا اور جس نے بُرائی کا ارادہ کیا، لیکن اس پر عمل نہ کیا، تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اس نے اس برائی کو کیا، تو اس کے بدلے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد مَیں اُتر کر موسیٰ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا: پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور تخفیف کے لیے عرض کیجیے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوا ہوں، اب مجھے شرم آتی ہے"۔

اس حدیث کے خط کشیدہ جملوں کو دوبارہ غور سے پڑھیے، حقیقت حال روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ ساتویں آسمان تک تو جبرئیل گئے۔ یہاں تک کے لیے عُرِجَ بِنَا جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی رہی۔ اس کے آگے جبرئیل کی حد پرواز ختم ہو گئی اور حضور کو اکیلے لے جایا گیا، اس لیے ذُهِبَ بِیْ میں واحد متکلم کی ضمیر استعمال کی گئی۔ پھر فَاَوْحٰۤى اِلَیَّ مَاۤ اَوْحٰى اور فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى میں جو یکسانیت ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ وحی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس مقام پر وحی کی جا رہی ہے جہاں جبرئیلِ امین کی مجال نہیں۔ پھر فَرَضَ کا فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب ملاقات ہوتی ہے، تو وہ بارگاہِ الٰہی میں واپس لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں، جبرئیل کے پاس نہیں۔ حضور فرماتے ہیں: میں بار بار اپنے رب کی بارگاہِ عزت وجلال میں شرفِ باریابی حاصل کرتا رہا۔
دَنَا فَتَدَلّٰى (٨) فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى (٩) فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى (١٠) مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (١١) ۔۔۔۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (١٣) ان کلماتِ طیبات میں آپ جتنا غور کریں گے، حقیقت آشکارا ہوتی چلی جائے گی۔

نویں مرتبہ جب بارگاہِ رب العزت میں حاضری ہوئی تو صرف پانچ نمازیں ہی معاف نہیں کیں، بلکہ مزید کرم یہ فرمایا کہ اے حبیب! تیری امت کا کوئی فرد اگر نیکی کا ارادہ کرے گا تو اسے ایک ثواب دوں گا اور اگر عمل کرے گا تو دس نیکیاں اس کے نامۂ عمل میں

لکھوں گا، لیکن اگر بُرائی کا ارادہ کرے گا تو اس کے نامۂ عمل میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب گناہ کر بیٹھے گا تو فقط ایک گناہ لکھا جائے گا۔ قربان جائے انسان اللہ تعالیٰ کے محبوب کی نیازمندیوں پر اور قربان جائے انسان اس کے رب کریم کی بندہ نوازیوں پر۔

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں پانچ نمازیں ہی فرض کی جائیں گی، تو پھر پہلے پچاس فرض کرنے میں کون سی حکمت ہے؟ اس میں بھی اپنے بندوں کو، اپنے محبوب کے امتیوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ سارا لطف و کرم اس محبوبِ کریم کے صدقے تم پر ہوا ہے۔ اگر اس کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو تمہارے کندھوں پر یہ بارِ گراں لاد دیا جاتا۔ اس کے بعد یہ چیز بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب نے تخفیف کے لیے التجا کی تو ایک بار ہی پینتالیس نمازیں کیوں نہ معاف کر دی گئیں؟ اس راز کو صرف اہلِ محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بہت ہی پسند ہے کہ میرا حبیب مانگتا جائے، میں دیتا جاؤں، وہ بار بار دامنِ طلب پھیلاتا جائے اور میں اس کو بھرتا جاؤں۔ اس بار بار کے مانگنے اور بار بار کے دینے میں جو لذت و سرور ہے، اس سے ہر کوئی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر حاضر ہونے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اب اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میری امت ایسی نااہل ہے اور اتنی ناشکر گزار ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں پانچ بار بھی اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہو گی۔ ہم غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا فرض ہے کہ حدیث کے اس آخری جملے کو کبھی فراموش نہ کریں۔

اب آیئے، ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے:

"۔۔۔۔۔ثُمَّ مَرَرْتُ بِاِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ قَالَ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اِبْرَاهِيْمُ۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَّاَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَّاَبَا حَبَّةَ الْاَنْصَارِيَّ يَقُوْلَانِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عُرِجَ بِيْ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى اَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَّاَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى اُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً قَالَ فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى اَمُرَّ بِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ مُوْسٰى مَاذَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى اُمَّتِكَ قَالَ قُلْتُ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً قَالَ لِيْ مُوْسٰى فَرَاجِعْ رَبَّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ قَالَ فَرَاجَعْتُ رَبِّيْ فَوَضَعَ شَطْرَهَا الخ۔ (1) (مسلم شریف، ص ۹۳، مشکوٰۃ شریف متفق علیہ)

ترجمہ: "۔۔۔حضور فرماتے ہیں پھر میں ابراہیم کے پاس سے گزرا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے نبی صالح مرحبا! اے فرزند ارجمند خوش آمدید! میرے پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں۔ ابنِ شہاب کہتے ہیں مجھے ابنِ حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابو حبہ انصاری کہا کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہاں سے مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے اقلامِ تقدیر کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ ابنِ حزم اور انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتایا: ان پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاؤ۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے حضور میں لوٹ کر گیا اور کچھ حصّہ معاف ہوا۔۔۔۔۔ الخ"۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی السموات وفرض الصلوات، ج1، ص93

ان خط کشیدہ جملوں کو ذرا غور سے پڑھیے۔ کیا جس مقام کا یہاں ذکر ہے وہاں جبرئیل موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟ کیا نمازوں کی فرضیت میں جبرئیل واسطہ تھے یا بار بار کی تخفیف میں کوئی اور واسطہ تھا؟ اب یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے کہ آپ عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ الۡقُوٰى ۞۵ سے لے کر مَازَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَاطَغٰى ۞۱۷ تک کی آیات کو جبرئیل پر منطبق کرتے ہیں یا ان احوال وواقعات پر جو زبانِ رسالت سے ان احادیث صحیحہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔

سُبۡحَانَكَ لَا عِلۡمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ۔

اس مقام پر انہیں آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علمائے مفسرین نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شبِ معراج دیدارِ الٰہی نصیب ہوا یا نہیں؟ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے پیروکار اس طرف گئے ہیں کہ شبِ معراج دیدار الٰہی نصیب نہیں ہوا۔ لیکن حضرت ابنِ عباس، دیگر صحابہ، تابعین اور ان کے ہمنواؤں کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دولتِ دیدار سے مشرف فرمایا۔ آیئے فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین!

جہاں تک امکانِ رؤیت کا تعلق ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اگر محال ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے، کیونکہ انبیاء کو اس کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں چیز محال اور ممتنع۔ محال اور ممتنع کے بارے میں سوال کرنا درست ہی نہیں ہوتا۔

پہلے ہم وہ دلائل پیش کریں گے جن سے رؤیتِ باری کا انکار کرنے والے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ عَنِ ابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ فِيۡ قَوۡلِهٖ تَعَالٰى وَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰى وَفِيۡ قَوۡلِهٖ مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰى وَفِيۡ قَوۡلِهٖ لَقَدۡ رَاٰى مِنۡ آيَاتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰى رَاٰى جِبۡرَئِيۡلَ عَلَيۡهِ السَّلَامُ لَهٗ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ۔ (متفق علیہ) (1) ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔

۲۔ مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰى: قَالَ ابۡنُ مَسۡعُوۡدٍ رَاٰى رَسُوۡلُ اللّٰهِ جِبۡرَئِيۡلَ فِيۡ حُلَّةٍ مِّنۡ رَّفۡرَفٍ قَدۡ مَلَاَ مَا بَيۡنَ السَّمَاءِ وَالۡاَرۡضِ۔ (رواہ الترمذی) ابن مسعود نے اس آیت کی یوں تشریح کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل کو ایک ریشمی حلہ (پوشاک) میں دیکھا کہ آپ نے آسمان وزمین کے مابین خلا کو پُر کر دیا۔

۳۔ وَلِلتِّرۡمِذِيِّ وَلِلۡبُخَارِيِّ فِيۡ قَوۡلِهٖ تَعَالٰى لَقَدۡ رَاٰى مِنۡ آيَاتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰى۔ قَالَ ابۡنُ مَسۡعُوۡدٍ رَاٰى رَفۡرَفًا اَخۡضَرَ قَدۡ سَدَّ اُفُقَ السَّمَاءِ۔ (2) ترمذی اور بخاری نے اس آیت کے ضمن میں لَقَدۡ رَاٰى الآیۃ میں لکھا ہے کہ حضرت ابنِ مسعود نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبز رفرف کو دیکھا جس نے آسمان کے اُفق کو ڈھانپ دیا تھا۔

۴۔ عَنِ الشَّعۡبِيِّ قَالَ لَقِيَ ابۡنُ عَبَّاسٍ كَعۡبًا بِعَرَفَةَ فَسَاَلَهٗ عَنۡ شَيۡءٍ فَكَبَّرَ حَتّٰى جَاوَبَتۡهُ الۡجِبَالُ فَقَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ اِنَّا بَنُوۡ هَاشِمٍ فَقَالَ كَعۡبٌ اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ رُؤۡيَتَهٗ وَكَلَامَهٗ بَيۡنَ مُحَمَّدٍ وَّ مُوۡسٰى۔ وَكَلَّمَ مُوۡسٰى مَرَّتَيۡنِ وَرَاٰهُ مُحَمَّدٌ مَّرَّتَيۡنِ۔ قَالَ مَسۡرُوۡقٌ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل ولقد راٰہ نزلۃ وھل رای النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربہ لیلۃ الاسراء، ج1، ص98-97

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز17، ص98۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النجم، باب قولہ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ، ج2، ص720، جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ النجم، ج2، ص161، مشکوٰۃ المصابیح، باب رویۃ اللہ تعالیٰ، ص:501

فَدَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ وَقُلْتُ هَلْ رَاٰی مُحَمَّدٌ رَّبَّهٗ وَقَالَتْ لَقَدْ تَكَلَّمْتَ بِشَیْءٍ قَفَّ لَهٗ شَعْرِیْ قُلْتُ رُوَیْدًا ثُمَّ قَرَأْتُ لَقَدْ رَاٰی مِنْ آیَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی فَقَالَتْ اَیْنَ تَذْهَبُ بِكَ اِنَّمَا هُوَ جِبْرَئِیْلُ مَنْ اَخْبَرَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّهٗ۔۔۔۔۔وَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْیَةِ وَلٰكِنَّهٗ رَاٰی جِبْرَئِیْلَ وَلَمْ یَرَهٗ فِیْ صُوْرَتِهٖ اِلَّا مَرَّتَیْنِ۔ مَرَّةً عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی وَمَرَّةً فِیْ اَجْیَادٍ قَدْ سَدَّ الْاُفُقَ۔ (رواہ الترمذی)(1)

ترجمہ: شعبی کہتے ہیں عرفہ کے میدان میں ابنِ عباس نے کعب سے ملاقات کی اوران سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت کعب نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کی گونج پہاڑوں میں سنائی دی۔ ان کی حیرت کو دیکھ کر ابنِ عباس نے کہا کہ ہم بنو ہاشم ہیں۔ ہمارا تعلق خاندانِ نبوت سے ہے۔ میں کوئی معمولی آدمی نہیں کہ آپ میرے سوال کو ٹال دیں، تو کعب نے کہا: گویا یہ حضرت ابن عباس کے سوال کا جواب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد اور موسیٰ کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰ سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور محمدِ مصطفیٰ نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ علیہم السلام۔ مسروق کہتے ہیں: یہ سن کر میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا: کیا حضور نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ بولیں: تو نے ایسی بات کی ہے جسے سُن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے عرض کی: مادرِ محترم! ذرا ٹھہریے۔ پھر میں نے یہ آیت پڑھی لَقَدْ رَاٰی الایۃ۔ آپ نے فرمایا: تم کدھر جا رہے ہو؟ اس سے مراد تو جبرئیل ہے۔ جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے، اس نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے۔ بلکہ حضور نے جبرئیل کو دیکھا اور اس کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک بار اجیاد کے پاس کہ اس نے سارے افق کو ڈھانپ لیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں: عَنْ مَّسْرُوْقٍ قَالَ كُنْتُ مُتَّكِئًا عِنْدَ عَائِشَةَ وَقَالَتْ یَا اَبَا عَائِشَةَ ثَلَاثٌ مَّنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰهِ الْفِرْیَةَ۔ قُلْتُ مَا هُنَّ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّهٗ وَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰهِ الْفِرْیَةَ قَالَ وَكُنْتُ مُتَّكِئًا وَّجَلَسْتُ وَقُلْتُ یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اُنْظُرِیْنِیْ فَلَا تَعْجَلِیْنِیْ اَلَمْ یَقُلِ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی وَقَالَتْ اَنَا اَوَّلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا هُوَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمْ اَرَهٗ عَلٰی صُوْرَتِهِ الَّتِیْ خُلِقَ عَلَیْهَا غَیْرَ هَاتَیْنِ الْمَرَّتَیْنِ رَاَیْتُهٗ مُنْهَبِطًا مِّنَ السَّمَاءِ سَادًّا عُظْمُ خَلْقِهٖ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَقَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا۔ الایۃ (مسلم)(2)

ترجمہ: مسروق سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں اُمّ المومنین کی خدمت میں حاضر تھا، تو آپ نے فرمایا: اے مسروق! (ابو عائشہ ان کی کنیت ہے) تین چیزیں ہیں جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ تکلم کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا: جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے، تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا۔ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا، اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی: اے اُمّ المومنین! میری طرف دیکھیے۔ جلدی نہ کیجیے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے خود نہیں فرمایا: وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ کہ آپ نے اسے افق مبین میں دیکھا اور دوبارہ دیکھا۔ آپ نے جواب

1۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ النجم، ج 2، ص 160

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول اللہ عزوجل ولقد راہ نزلۃ اخری وھل رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربہ لیلۃ الاسراء، ج 1، ص 98

دیا: اس امت سے میں پہلی ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کو ان کی اصلی شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔۔۔اے مسروق! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ کہ آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں، وہ آنکھوں کو پالیتا ہے، وہ لطیف و خبیر ہے۔ اور کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ الاية کسی انسان کو یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پسِ پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔ (مسلم)

۵۔ رَوَى الشَّيْخَانِ قَالَ مَسْرُوْقٌ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَيْنَ قَوْلُهُ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿٩﴾ قَالَتْ ذَاكَ جِبْرَئِيْلُ۔ كَانَ يَاْتِيْهِ فِىْ صُوْرَةِ رَجُلٍ وَاِنَّهُ اَتَاهُ فِىْ هٰذِهِ الْمَرَّةِ فِىْ صُوْرَتِهِ الَّتِىْ هِىَ صُوْرَتُهُ فَسَدَّ الْاُفُقَ۔ (مشکوٰۃ شریف) (1)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بھی یہ رائے تھی کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ بھی اس بارے میں بڑی متشدّد تھیں۔ انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے دو آیتوں سے استدلال بھی کیا ہے۔ اب ان لوگوں کے دلائل سماعت فرمائیے جو دیدارِ الٰہی کے قائل ہیں:

ا۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿١١﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿١٣﴾ قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ مَرَّتَيْنِ۔ (رواہ مسلم) (2)

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار اپنے دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ کیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَاٰى مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهٗ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ اَلَيْسَ اللّٰهُ يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ قَالَ وَيْحَكَ ذَاكَ اِذَا تَجَلّٰى بِنُوْرِهِ الَّذِىْ هُوَ نُوْرُهٗ وَقَدْ رَاٰى رَبَّهٗ مَرَّتَيْنِ۔ (3)

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ (آپ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آپ نے فرمایا: افسوس تم سمجھے نہیں۔ یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے۔ حضور نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ابن عمر دریں مسئلہ مراجعت بوے کردہ واز وے پُرسید کہ هَلْ رَاٰى مُحَمَّدٌ رَّبَّهٗ پس وے گفت راٰہ پس ابنِ عمر تسلیم نمودہ قطعاً براہِ تردد و انکار نرفتہ''۔ (اشعۃ اللمعات، ج4، ص431) (4)

ترجمہ: حضرت ابن عمر نے حضرت ابنِ عباس سے اس مسئلہ کے بارے میں رجوع کیا اور پوچھا: کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ پس ابن عباس نے جواب دیا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت ابنِ عمر نے ان کے اس قول کو تسلیم کیا اور تردّد و انکار کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ، ص: 501

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول اللہ عز وجل ولقد راٰہ نزلۃ اخری، ج 1، ص 98

3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ النجم، ج 2، ص 61-160

4۔ اشعۃ اللمعات کتاب الفتن، باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ، ج 4، ص 431

۲۔ علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں مندرجہ ذیل روایات نقل کرتے ہیں:

رَوَی ابْنُ خُزَیْمَۃَ بِاِسْنَادٍ قَوِیٍّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاٰی مُحَمَّدٌ رَّبَّہٗ وَبِہٖ قَالَ سَائِرُ اَصْحَابِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّکَعْبٌ الْاَحْبَارُ وَالزُّھْرِیُّ وَصَاحِبُہٗ مَعْمَرٌ۔ (1)

ترجمہ: ابن خزیمہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح ابن عباس کے شاگرد کعب احبار، زہری اور معمر کہا کرتے تھے۔

۳۔ اَخْرَجَ النَّسَائِیُّ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ وَّصَحَّحَہُ الْحَاکِمُ اَیْضًا مِّنْ طَرِیْقِ عِکْرِمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَتَعْجَبُوْنَ اَنْ تَکُوْنَ الْخُلَّۃُ لِاِبْرَاھِیْمَ وَالْکَلَامُ لِمُوْسٰی وَالرُّؤْیَۃُ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (2)

یہ روایت نسائی نے سندِ صحیح کے ساتھ اور حاکم نے بھی صحیح سند کے ساتھ عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابنِ عباس سے نقل کی ہے۔ آپ کہا کرتے کہ کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو کہ خُلّت کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور کلام کا شرف موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور دیدار کی سعادت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہو۔

۴۔ امام مسلم حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں: قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ رَأَیْتَ رَبَّکَ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ (3)۔ اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے: نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ۔ دوسرا نُوْرَانِیٌّ اَرَاہُ۔ پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا: ابوذر کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں؟ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ سراپا نور ہے، میں نے اسے دیکھا۔

۵۔ مسلم کے اسی صفحے پر ایک روایت ہے: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ شَقِیْقٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ ذَرٍّ لَّوْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَسَأَلْتُہٗ فَقَالَ عَنْ اَیِّ شَیْءٍ کُنْتَ تَسْأَلُہٗ قَالَ کُنْتُ اَسْأَلُہٗ ھَلْ رَأَیْتَ رَبَّکَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ قَدْ سَأَلْتُہٗ فَقَالَ رَأَیْتُ نُوْرًا (4) کہ میں نے نور دیکھا ہے۔ یہ روایت بھی دوسری توجیہہ کی تائید کرتی ہے۔

۶۔ حَکٰی عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّہٗ حَلَفَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّہٗ (5)

کہ حسن بصری اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔

۷۔ وَاَخْرَجَ ابْنُ خُزَیْمَۃَ عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ زُبَیْرٍ اِثْبَاتَھَا (6)۔ عروۃ بن زبیر سے ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رؤیت کے قائل تھے۔

۸۔ علامہ ابن حجر نے امام احمد کے بارے میں لکھا: فَرَوَی الْخَلَّالُ فِیْ کِتَابِ السُّنَّۃِ عَنِ الْمَرْوَزِیِّ قُلْتُ لِاَحْمَدَ اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ عَائِشَۃَ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّہٗ وَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰہِ الْفِرْیَۃَ فَبِاَیِّ شَیْءٍ یُّدْفَعُ قَوْلُھَا۔ قَالَ بِقَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأَیْتُ رَبِّیْ۔ قَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْبَرُ مِنْ قَوْلِھَا۔ (7)

1۔ عمدۃ القاری، ج16، ص45 2۔ فتح الباری، ج18، ص240

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول اللہ عزوجل ولقد راٰہ نزلۃ اخری وھل راٰی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ربہ لیلۃ الاسراء، ج1، ص99

4۔ ایضاً 5۔ عمدۃ القاری، ج16، ص45 6۔ ایضاً 7۔ فتح الباری، ج18، ص241

ترجمہ: مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں: ام المومنین یہ کہا کرتیں کہ جس نے یہ کہا کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا ہے، تو حضرت عائشہ کے اس قول کا کیا جواب دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: حضور کے اس ارشاد کے ساتھ رَأَيْتُ رَبِّيْ کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا، حضرت عائشہ کے قول کا جواب دیں گے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ کے قول سے بہت بڑا ہے۔

یہ مختلف اقوال ہیں جو قائلین رؤیت کی طرف سے بطور استدلال پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں فحول صحابہ، مثلاً ابن عباس، کعب احبار، انس، ابوذر کے علاوہ عروۃ بن زبیر، حسن بصری، عکرمہ جیسے اکابر تابعین بھی موجود ہیں اور حضرت امام احمد کا قول بھی آپ سُن چکے ہیں۔ ان اقوال کے علاوہ متعدد احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

ان تمام دلائل کو بالتفصیل پیش کرنے کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

اِذَا صَحَّتِ الرِّوَايَاتُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ اِثْبَاتِ الرُّؤْيَةِ وَجَبَ الْمَصِيْرُ عَلٰى اِثْبَاتِهَا فَاِنَّهَا لَيْسَتْ مِمَّا يُدْرَكُ بِالْعَقْلِ وَيُؤْخَذُ بِالظَّنِّ فَاِنَّمَا يُتَلَقّٰى بِالسِّمَاعِ وَلَا يَسْتَجِيْزُ اَحَدٌ اَنْ يَّظُنَّ بِابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ تَكَلَّمَ بِهٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ بِالظَّنِّ وَ الْاِجْتِهَادِ ثُمَّ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ اَثْبَتَ شَيْئًا نَفَاهُ غَيْرُهٗ وَالْمُثْبِتُ مُقَدَّمٌ عَلَى النَّافِيْ۔ (1)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس سے جب صحیح روایات ثبوت کو پہنچ گئیں کہ انہوں نے ایسا کہا ہے، تو اب ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ آپ نے اتنی بڑی بات محض اپنے قیاس اور ظن کی بنا پر کہی ہو۔ یقیناً انہوں نے کسی مرفوع حدیث کی بنا پر ایسا کہا ہوگا۔ نیز ابن عباس ایک چیز کو ثابت کر رہے ہیں۔ دوسرے حضرات نفی کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام کو علامہ نووی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اَلْحَاصِلُ اَنَّ الرَّاجِحَ عِنْدَ اَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهٗ بِعَيْنَيْ رَاْسِهٖ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ..... وَهٰذَا مِمَّا لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّتَشَكَّكَ فِيْهِ (2) کہ حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ نووی نے یہ بھی کہا کہ حضرت ابنِ مسعود اور حضرت صدیقہ نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی حدیثِ مرفوع پیش نہیں کی بلکہ محض اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا ہے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح مسلم جس کی شرح علامہ نووی کر رہے ہیں، اسی کے اگلے صفحے پر حدیثِ مرفوع موجود ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ㉓ اور وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬ کے بارے میں حضور سے پوچھا تو حضور نے فرمایا وہ جبرئیلِ امین تھے۔ جب مسلم میں یہ حدیث موجود ہے تو حیرت ہے کہ شارحِ مسلم علامہ نووی نے کیسے انکار کیا۔

علامہ ابنِ حجر کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ نے وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ کے بارے میں حضور سے استفسار کیا اور حضور نے فرمایا کہ وہ جبرئیل ہیں اور یہ بلاشبہ درست ہے، کیونکہ یہ آیت سورۂ تکویر کی ہے اور وہاں حضرت

1۔ شرح صحیح مسلم از امام نووی، ج 1، ص 97

2۔ ایضاً

جبرئیل کا ہی ذکر ہے۔ ارشاد ہے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ⑲ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ⑳ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ㉑ وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ㉒ وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ㉓ ۔ یہ سارا ذکر جبرئیلِ امین کا ہے۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش کی، تو آپ آسمان کے افق پر نمودار ہوئے۔ وہ افق جہاں جبرئیل نمودار ہوئے اسے افقِ مبین کہا گیا ہے، لیکن یہاں جس افق کا ذکر ہو رہا ہے وہ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ⑦ ہے۔ آسمان اور زمین کے افق کو افق مبین تو کہہ سکتے ہیں، لیکن افقِ اعلیٰ وہ ہوگا جو تمام آفاق سے بلند تر ہو، یعنی فلک الافلاک کا کنارہ۔ اس لیے امام نووی کا قول ہی درست ہے کہ شب معراج نفی رؤیت کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر و تشریح سے فارغ ہونے کے بعد دیدار الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں:

وَاَنَا اَقُوْلُ بِرُؤْيَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَبِدُنُوِّهٖ مِنْهُ سُبْحَانَهٗ عَلَى الْوَجْهِ اللَّائِقِ (روح المعانی)(1)

اور میں یہ کہتا ہوں کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور کو قرب الٰہی نصیب ہوا، لیکن اس طرح جیسے اس کی شانِ کبریائی کے لائق ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا جاتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا، تو آپ جواب میں فرماتے: رَاٰهُ رَاٰهُ حَتّٰى يَنْقَطِعَ نَفَسُهٗ (روح المعانی)(2)

ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دُہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔

مولانا سید انور شاہ صاحب اس مسئلے پر مفصل بحث کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

وَلٰكِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَشَرَّفَ بِرُؤْيَتِهٖ تَعَالٰى وَمَنَّ عَلَيْهِ رَبُّهٗ بِهَا وَ كَرَّمَهٗ وَتَفَضَّلَ عَلَيْهِ بِنَوَالِهٖ وَ اَفَاضَ عَلَيْهِ مِنْ اَفْضَالِهٖ فَرَاٰهُ رَاٰهُ كَمَا قَالَ اَحْمَدُ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَرَّتَيْنِ اِلَّا اَنَّهٗ رَاٰهُ كَمَا يَرَى الْحَبِيْبُ اِلَى الْحَبِيْبِ وَالْعَبْدُ اِلٰى مَوْلَاهُ لَاهُوَ يَمْلِكُ اَنْ يَّكُفَّ عَنْهُ نَظْرَهٗ وَلَا هُوَ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّشْخَصَ اِلَيْهِ بَصَرَهٗ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ۔ (فیض الباری شرح البخاری)(3)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دولتِ سرمدی سے آپ کو نوازا اور اپنے فضل و احسان سے عزت افزائی فرمائی۔ پس حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ جس طرح امام احمد نے فرمایا ہے، مگر یہ دیدار ایسا تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے۔ نہ وہ آنکھیں بند کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر رُوئے دلدار کو دیکھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات کی جلد چہارم میں اس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا (4)۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 54
2۔ ایضاً
3۔ فیض الباری، ج 1، ص 17-16، مطبوعہ مطبعہ حجازی قاہرہ
4۔ اشعۃ اللمعات، ج 4، ص 431

اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝١٨ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝١٩ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ

رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ۱۹؎ (اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات وعزّٰی کے بارے میں ۲۰؎ اور مناۃ کے بارے میں جو

۱۹؎ آیاتِ کبریٰ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالْاٰيَاتِ الْعَجَائِبُ الْمَلَكُوْتِيَّةُ الَّتِىْ رَاٰهَا فِىْ لَيْلَةِ الْمِعْرَاجِ فِىْ مَسِيْرِهٖ وَعَوْدِهٖ مِنَ الْبُرَاقِ وَالسَّمٰوٰتِ وَالْاَنْبِيَاءِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالسِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَجَنَّةِ الْمَاْوٰى۔ (تفسیر مظہری)(1)

یعنی آیاتِ کبریٰ سے مراد عالمِ ملکوت کی وہ عجیب وغریب چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفرِ معراج پر جاتے ہوئے اور واپسی کے دوران میں کیا جیسے براق، سمٰوات، انبیاء، فرشتے، سدرۃ المنتہی، جنت الماویٰ وغیرہا۔

پھر علامہ مذکور فرماتے ہیں اگرچہ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی بہت بڑی نشانی ہے، ان اشیاء کو آیاتِ کبریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جن مخصوص تجلیات کا تعلق ہے اور اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول جس کثرت سے ان پر ہوتا ہے، وہ کسی دوسری آیت کو نصیب نہیں۔

۲۰؎ خداوند ذوالجلال کی صفاتِ کمال کے بیان کے بعد اب مشرکین کو زجر وتوبیخ کی جارہی ہے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس حیّ وقیوم اور قادر وحکیم خدا کو چھوڑ کر تم بے جان مجسّموں کی پوجاپاٹ میں اپنی عمریں برباد کر رہے ہو۔ اگرچہ کفارِ عرب بے شمار بتوں کی پُوجا کیا کرتے تھے۔ تین سو ساٹھ بت تو صرف کعبے میں رکھے ہوئے تھے، مگر یہاں ان تین دیویوں کا نام لے کر ان کا ذکر کیا جن کی جزیرۂ عرب میں بڑی کثرت سے پرستش ہوتی تھی۔ قربانی کے جانور لا کر ان کے لیے ذبح کیے جاتے تھے اور نذرانوں کے ڈھیر لگتے تھے۔

پہلے ہم اِن بتوں کی وجہ تسمیہ، ان کے مخصوص مقامات اور جو قبائل ان کے خاص طور پر معتقد تھے، ان کا ذکر کریں گے، بعد میں آیات کی تشریح کی جائے گی۔

لات: قتادہ کہتے ہیں کہ لات قبیلۂ ثقیف کا بُت تھا جس کا استھان طائف میں تھا۔ اس شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

وَفَرَّتْ ثَقِيْفٌ اِلٰى لَاتِهَا بِمُنْقَلَبِ الْخَائِبِ الْخَاسِرِ (2)

یعنی بنوثقیف خائب اور خاسر ہو کر بھاگتے ہوئے اپنے لات کے پاس لوٹ آئے۔

بنوثقیف اس کے بڑے معتقد تھے۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبے کو گرانے کے قصد سے مکہ جاتے ہوئے طائف سے گزرا، تو انہوں نے اسے رہبر مہیا کیے اور دیگر سہولتیں بہم پہنچائیں تا کہ وہ ان کے معبود، لات کے استھان کو منہدم نہ کر دے۔

لات کے ماخذ کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک ''تا'' اس کا حرف اصلی ہے۔ اس کے اصل حروف ل۔ ی۔ ت یا ل۔ و۔ ت ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا اصل لَوٰی یَلْوِیْ ہے جس کا معنی جھکنا اور مڑنا ہے۔ کیونکہ اس کے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 114

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 55-54

پرستار اس کے اردگرد چکر لگایا کرتے اور جھک جھک کر اس کو سجدے کیا کرتے، آداب بجالایا کرتے، اس لیے اس کو لات کہا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لَتَّ یَلُتُّ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ستو میں گُڑ وغیرہ ڈال کر لتھیڑنا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص حجاج کے لیے ستّو اسی طرح تیار کیا کرتا تھا۔ اس کے مرجانے کے بعد جس چٹان پر بیٹھ کر وہ یہ کام کیا کرتا تھا، اس کی پرستش شروع ہوگئی۔ کہتے ہیں یہ شخص طائف کا رہنے والا تھا۔

لیکن مجھے ان تمام توجیہات سے علامہ راغب کی تحقیق زیادہ پسند ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَاَصلُ اللّٰتِ اللّٰہُ فَحَذَفُوْا مِنْہُ الْھَاءَ وَاَدْخَلُوْا التَّاءَ فِیْہِ وَاَنَّثُوْہُ تَنْبِیْھًا عَلٰی قُصُوْرِہٖ عَنِ اللّٰہِ وَجَعَلُوْہُ مُخْتَصًّا لِمَا یُتَقَرَّبُ بِہٖ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ زَعْمِہِمْ (مفردات) (1)

ترجمہ: اس کا اصل اللہ ہے ہ کو حذف کر دیا اور اس کے آخر میں تا داخل کر دی گئی تا کہ یہ مونث بن جائے اور اس چیز پر دلالت کرے کہ اس کا درجہ اللہ سے کم ہے۔ وہ اپنے گمان میں اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ خیال کیا کرتے تھے۔

عُزّٰی: اس کا ماخذ عزت ہے۔ یہ اَعَزّ کی تانیث ہے۔ سوقِ عکاظ کے قریب وادیٔ نخلہ میں خراض نامی ایک بستی تھی، عزّیٰ کا مندر اس جگہ تھا۔ بنوغطفان اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک یہ بنی شیبان کی دیوی تھی جو بنی ہاشم کے حلیف تھے۔ قریش اور دوسرے قبائل اس کی زیارت کے لیے آیا کرتے۔ قربانی کے جانور یہاں لا کر ذبح کرتے اور نذرانے چڑھاتے۔ تمام دوسرے بتوں سے زیادہ اس کی عزت وتکریم کی جاتی۔

مناۃ: اس کا مندر قُدَید کے مقام پر تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان بحرِ احمر کے کنارے ایک آبادی ہے۔ یثرب کے اوس و خزرج کے علاوہ بنوخزاعہ بھی اس کے بہت معتقد تھے۔ کعبہ کی طرح اس کا حج بھی کیا جاتا۔ قربانی کے جانور بھی اس کے لیے ذبح کیے جاتے۔ حجِ کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد جو لوگ اس کا حج کرنا چاہتے وہ وہیں سے لبیک لبیک کے نعرے لگاتے ہوئے قُدَید کی طرف چل پڑتے۔

اگرچہ ان بتوں کے مخصوص مندر مختلف مقامات پر تھے جس طرح آپ پڑھ آئے ہیں، لیکن ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ انہی ناموں کے بت کعبے میں بھی رکھے ہوئے تھے اور دوسرے بتوں کے ساتھ ان کی وہاں بھی پوجا پاٹ کی جاتی تھی۔ علامہ ابوحیّان اندلسی نے بحر محیط میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اُحد کے میدان میں ابوسفیان نے بڑے فخر وناز سے کہا تھا لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ (2) کہ ہمارے لیے تو عزیٰ دیوی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔ نیز افرأیتم میں خطاب کی ضمیر کا مرجع قریشِ مکہ ہیں۔

قَالَ اَبُوْعُبَیْدَۃَ کَانَتْ بِالْکَعْبَۃِ اَیْضًا وَاسْتَظْھَرَ اَبُوْحَیَّانَ اَنَّھَا ثَلَاثُھَا کَانَتْ فِیْھَا۔ قَالَ: لِاَنَّ الْمُخَاطَبَ فِیْ قَوْلِہٖ اَفَرَأَیْتُم قُرَیْشٌ (روح المعانی) (3)

اِن بتوں کی پُوجا کرنے والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے (معاذ اللہ) اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت جنّیات کا مسکن ہیں اور یہ جنّیات بھی اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ بت فرشتوں کے ہیکل ہیں اور یہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (نعوذ باللہ

1۔ مفردات راغب، ص: 749

2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 161

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 55

الْاُخْرٰى ⑳ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ㉑ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ㉒

تیسری ہے ۔ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے ۲۱

اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ

نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے

من ذالك)

ان باتوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب آیت کا معنی سمجھنے کی کوشش کیجیے:

پہلا کلمہ اَفَرَأَيْتُمْ ہے۔ اس پر غور کیجیے۔ ہمزہ استفہام انکار کے لیے ہے۔ فاتعقیب کے لیے ہے۔

فَالْمَعْنٰى اَعَقِيْبَ مَا سَمِعْتُمْ مِّنْ اٰثَارِ كَمَالِ عَظَمَةِ اللّٰهِ فِيْ مُلْكِهٖ وَمَلَكُوْتِهٖ وَجَلَالِهٖ وَجَبَرُوْتِهٖ وَاِحْكَامِ قُدْرَتِهٖ وَنَفَاذِ اَمْرِهٖ فِي الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَتَحْتَ الثَّرٰى وَمَا بَيْنَهُمَا رَأَيْتُمْ هٰذِهِ الْاَصْنَامَ مَعَ غَايَةِ حَقَارَتِهَا بَنَاتٍ لِلّٰهِ تَعَالٰى (روح المعانی وغیرہ) (1)

یعنی مُلک اور ملکوت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے جلال و جبروت، اس کی محکم قدرت اور آسمان و زمین میں اس کے احکام کی تنفیذ کے آثار دیکھنے سننے کے بعد بھی تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ حقیر و ذلیل بُت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ تم خود سوچو اس سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت اور نادانی ہو سکتی ہے؟

بعض کتبِ تفسیر میں یہاں ایک روایت لکھ دی گئی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں کفار کے مجمع کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی تو اس آیت کے بعد حضور کی زبان سے یہ جملہ نکلا (العیاذ باللہ) تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔ یہ جملہ سن کر مشرکین کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ روایت سراسر لغو، باطل، موضوع اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس پر سیر حاصل بحث ضیاء القرآن سورۃ الحج کی آیت ۵۲ کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۱ مشرکین کو کہا جا رہا ہے کہ تمہاری حماقت کی بھی کوئی حد ہے؟ اپنے لیے تو تم لڑکے پسند کرتے ہو۔ کسی کے گھر میں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ہاں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے اور جو خالق کائنات ہے، جسے نہ بیٹے بیٹیوں کی ضرورت ہے نہ خواہش ہے، جو بے نیاز اور برتر ہے، اس کے لیے نری بیٹیاں ہی تجویز کرتے ہو۔

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ㉒ : نحو و لغت کے امام الکسائی لفظ ضیزیٰ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يُقَالُ ضَازَ يَضِيْزُ ضَيْزًا وَّضَازَ يَضُوْزُ ضَوْزًا وَضَأَزَ يَضْأَزُ ضَأْزًا اِذَا ظَلَمَ وَتَعَدّٰى وَبَخَسَ انْتَقَصَ قَالَ امْرُؤُ الْقَيْسِ ؎

ضَازَتْ بَنُوْ اَسَدٍ بِحُكْمِهِمْ اِذْ يَجْعَلُوْنَ الرَّأْسَ كَالذَّنَبِ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 56

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ

ان کے بارے میں کوئی سند ٢٢ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں ٢٣

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ؕ ۝٢٣ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝٢٤ ۫ۖ

حالانکہ آگئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت ٢٤ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔

یہ مادہ تین باب پر آتا ہے۔ ضَرَبَ، یَضْرِبُ، نَصَرَ، یَنْصُرُ اور مہموز العین۔ اس کا معنی ہے ظلم کرنا، زیادتی کرنا، کسی کے حصہ میں کمی کرنا۔ امرؤالقیس کہتا ہے: ”بنو اسد نے اپنا فیصلہ کرتے ہوئے بڑی زیادتی کی ہے کہ انہوں نے سر کو دُم کی مانند بنا دیا ہے“۔ (قرطبی) (1)

ضیزٰی کا اصلی وزن فُعلٰی ہے مثل طُوبٰی اور حُبلٰی، لیکن ی کی وجہ سے اس کے ماقبل کو کسرہ دے دیا۔

یعنی تمہاری یہ تقسیم عدل و انصاف سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتی۔ عقل و خرد بھی اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ تم بڑے دانا اور زیرک ہو۔ بڑے عادل اور منصف ہو۔ لیکن تمہاری زبان سے باتیں ایسی نکلتی ہیں جن کو سُن کر فِکر سلیم سر پیٹ لیتی ہے اور عقل رو پڑتی ہے۔

٢٢ یہ دیویاں، یہ دیوتا جن کو تم اپنا معبود اور مسجود یقین کیے ہو، ان میں الوہیت کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ تمہارے من گھڑت نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بغیر کسی معقول دلیل کے تجویز کیے ہیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی سند موجود ہے تو ہمیں بھی دکھاؤ۔

٢٣ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی نوشتہ ہے جس سے معلوم ہو کہ ان پتھر کے اصنام میں الوہیت کی ادنیٰ سی کوئی جھلک بھی پائی جاتی ہے نہ عقلِ سلیم اس کو ماننے کے لیے تیار ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے، ان بتوں کو اپنا خدا بنائے جو ان کے کسی کاریگر نے کسی دھات سے ان کی آنکھوں کے سامنے گھڑے ہیں یا کسی ماہر سنگ تراش نے کسی پتھر سے تراشے ہیں جو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چل پھر سکتے ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کفار جو دنیا کے معاملات میں بڑے زیرک ہیں، کیوں ایسا کرتے ہیں؟ بتا دیا کہ یہ سب کچھ ان کے ظن و تخمین کی گل کاریاں ہیں اور ان کے نفوس کی خواہشات ہیں جن کی وہ پیروی کر رہے ہیں۔ ایسی چیزوں کو معبود ماننے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں جو کچھ نذر و نیاز لے کر ان کے خیال کے مطابق ان کی مصیبتوں کو ٹال دیں اور اگر بفرض محال قیامت قائم ہو جائے تو ان کی شفاعت کی ذمہ داری قبول کر لیں۔ ایسے خداؤں کو وہ ماننے کے لیے تیار ہیں اور ان کے لیے قربانی کے جانور ذبح کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ایسے خدا کو ماننا جو احکام صادر کرے، ایسے احکام جو ان کے دنیاوی مفاد کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں، ایسے احکام جو اُن کی بساطِ عیش و طرب کو اُلٹنے کا موجب بن سکتے ہیں، جو ان کی آزادی پر قدغن لگا دیتے ہیں، ایسے خدا کی خدائی وہ تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

حقیقت میں وہ ان بتوں کے پجاری نہیں، بلکہ خواہشاتِ نفس کے پرستار ہیں۔ ایسے لوگوں سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ عقل

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 102

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ۟ؑ ﴿۲۵﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ ١ ع ٢۵ ۵

پس اللہ کے دستِ قدرت میں ہے آخرت اور دنیا ۲۵ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت

شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾

کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے ۲۶

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں۔

وخرد سے صحیح کام لیں گے اور اللہ کے رسولوں کی دعوت کو غور سے سنیں گے۔

۲۴ یَتَّبِعُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے یعنی اللہ کی طرف سے ان کی رہنمائی کے لیے ایسا رسولِ کامل تشریف لے آیا ہے جو اپنے نورانی ارشادات سے ان کے دلوں کی تاریک دنیا کو منور کر رہا ہے۔ ان کے پاس قرآن جیسی کامل کتاب بھی ہے، لیکن یہ بدنصیب اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے اور رذیل خواہشات کی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں۔ آیت میں الھدیٰ سے مراد یا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے یا اس سے مراد قرآنِ مجید ہے۔(1)

۲۵ آیت میں الانسان سے مراد یا تو کافر ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان کفار نے ان بتوں سے جو طرح طرح کی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں کہ یہ بت ان کو رزقِ وافر، اولادِ نرینہ دیں گے اور اگر بالفرض قیامت برپا ہوگئی تو وہ ان کو خدا کے عذاب سے چھڑا لیں گے، یہ محض فریب اور دھوکہ ہے ان کی یہ توقعات کبھی پوری نہیں ہوں گی۔ یا الانسان سے مراد عام انسان بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایسا نہیں ہوا کرتا کہ انسان جو چاہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے۔ کچھ امیدیں بر آتی ہیں اور کچھ پوری نہیں ہوتیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کے اذن سے ہو رہا ہے اور عالمِ آخرت میں جو کچھ ہوگا اس کے حکم سے ہوگا۔ دونوں جہانوں کی بادشاہی اسی کے لیے مخصوص ہے۔

۲۶ کفار کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی یہ دیویاں اور دیوتا قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے اور عذاب جہنم سے انہیں بچا لیں گے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان بے چارے بتوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے کہ وہ ہماری جناب میں ان مشرکوں کی شفاعت کے لیے لب کشائی کی جرأت کر سکیں۔ فرشتے جو نورانی مخلوق ہیں اور ہر وقت ہماری عبادت اور اطاعت میں مشغول رہتے ہیں، ان کی بھی یہ مجال نہیں کہ جس کی چاہیں خود بخود شفاعت کریں اور اس کو بخشوا کر جنت میں پہنچا دیں۔ بلکہ فرشتے بھی اس وقت شفاعت کریں گے جب ہم انہیں اس کی اجازت دیں گے اور فقط

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 58

وَمَا لَهُم بِهِۦ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ ۖ وَإِنَّ ٱلظَّنَّ لَا يُغْنِى

حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں ۲۷ وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام

مِنَ ٱلْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿٢٨﴾ فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا

نہیں آسکتا ۲۸ پس آپ رُخِ انور پھیر لیجیے اس (بدنصیب) سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا

ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن

مگر دنیوی زندگی کی ۲۹ یہ ہے ان کا مبلغِ علم ۳۰ بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے جو

ان کے لیے شفاعت کریں گے جو شفاعت کے اہل ہوں گے۔ جن بدبختوں کی موت کفر پر ہوگی، وہ تو اس قابل ہی نہیں کہ ان کی شفاعت کی جائے۔ شفاعت تو گناہ گار اہل ایمان کے لیے ہے۔ جب فرشتے بھی کفر و شرک پر مرنے والوں کی شفاعت نہیں کر سکتے تو یہ بت تمہاری نجات کا سبب کیونکر بن سکتے ہیں؟

۲۷ جو لوگ فرشتوں کو مؤنث خیال کرتے ہیں اور انہیں خدا کی بیٹیاں بنائے ہوئے ہیں اور اس لیے ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہیں اور ان سے طرح طرح کی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں ان کی ان لغزشوں اور غلطیوں کا ایک ہی سبب ہے کہ وہ قیامت کے وقوع پر ایمان نہیں رکھتے، اس لیے ان میں ذمہ داری کا احساس بالکل ختم ہو گیا ہے۔ کسی چیز کو مانتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اسے ماننے کی کوئی ٹھوس دلیل ہے یا اگر کسی چیز کا انکار کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ کسی اللہ کے نبی نے انہیں انکار کا حکم دیا ہے یا ان کی عقل سلیم نے اس کے انکار کا فیصلہ کیا ہے، بلکہ جب ترنگ میں آئے، کسی چیز کو مان لیا اور جب چاہا کسی چیز کا انکار کر دیا۔ احساسِ ذمہ داری کا چراغ جب سے بجھا ہے، انہوں نے عقل و خرد سے کام لینا چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر کسی دلیل اور تحقیق کے انہوں نے فرشتوں کو مونث بنا ڈالا ہے اور پھر ان پر خدا کی بیٹیاں ہونے کی تہمت لگا دی ہے۔

۲۸ حقیقی علم کا سرچشمہ تو نبی کی ذات ہوتی ہے جسے بارگاہِ الٰہی سے براہِ راست علم و عرفان کی دولت عطا فرمائی جاتی ہے۔ نبی کی ذات سے تو انہیں بیر ہے۔ وحی کے چشمۂ صافی سے سیراب ہونے کی تو انہیں توفیق ہی نہیں۔ ان کے پاس لے دے کے ظن و تخمین کے گھوڑے ہیں جن پر سوار ہو کر وہ وہم و گمان کے ریگزاروں میں خاک اڑاتے پھرتے ہیں۔ اس لیے زندگی کی بنیادی سچائیوں تک یہ رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور بھاگ دوڑ میں عمر برباد کر دیتے ہیں اور انہیں حقیقت کا سراغ نہیں ملتا۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کے طائرِ فکر کی پرواز بڑی اونچی ہے۔ ان کی جھولی سچّے موتیوں سے بھری ہوئی ہے۔ حالانکہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

الربع

ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

بھٹک گیا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے راہِ راست پائی ۳۱ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِی الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِیَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِیَ الَّذِيْنَ

اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو

اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا

ان کی نیکیوں کا ۳۲ جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر

۲۹ آیت میں ذکر سے مراد قرآن مجید بھی ہوسکتا ہے، حضور کے مواعظِ حسنہ اور نصائحِ جلیلہ بھی اور مطلق ذکرِ الٰہی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ جن کے سامنے ہماری کتاب کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں، لیکن وہ ان کی طرف التفات نہیں کرتے، میرا رسول انہیں وعظ و نصیحت کرتا ہے تو اس کے سننے کے لیے بھی وہ تیار نہیں ہوتے یا جہاں میرے بندے میرے ذکر کی شمع روشن کیے بیٹھے ہوتے ہیں، وہاں سے بھی وہ دور بھاگتے ہیں۔ نیز دنیوی زندگی کی لذتوں اور زیب و آرائش میں وہ یوں کھوئے ہوئے ہیں کہ عاقبت کے بارے میں انہوں نے غور و فکر کرنے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کی۔ رات دن دولت سمیٹنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اے حبیب! اس قماش کے لوگ ہرگز اس لائق نہیں کہ آپ ان کے لیے متفکر ہوں۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیجیے۔ انہیں بادیۂ ضلالت میں دھکے کھانے دیجیے۔ اگر قعرِ مذلّت میں چھلانگ لگانے کا یہ لوگ قصد کر چکے ہیں تو انہیں مت روکیے۔ جب اپنے کرتوتوں کا ذائقہ چکھیں گے تو خود بخود ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

۳۰ ان کے علم کی رسائی یہاں تک ہی ہے۔ ان کی عقل کی آنکھ دنیوی لذتوں سے ماورا کچھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتے۔ ان دُوں ہمتوں اور کم نظروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے۔

۳۱ جو لوگ کفر و شرک کے مرتکب ہیں اور اس کے باوجود دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی راہِ حق پر گامزن ہیں، جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہی درست ہے، جس منزل پر وہ پہنچنے کے لیے کوشاں ہیں، انسانی زندگی کی صحیح منزل وہی ہے اور جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کر لی ہے، انہیں مارا پیٹا جاتا ہے، طرح طرح کے دکھ پہنچائے جاتے ہیں، لیکن اے حبیب! وہ تیرا دامن چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ ان اہلِ حق کو یہ لوگ نادان اور گم کردہ راہ سمجھتے ہیں۔ یہ سراسر ان کی زیادتی ہے اور ان کی بھول ہے۔ کون گمراہ ہے؟ کون ہدایت یافتہ ہے؟ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا جو سب سے زیادہ علم والا ہے اور اسی کا فیصلہ صحیح اور آخری ہوگا۔

۳۲ وہ ذاتِ پاک جو گمراہ اور ہدایت یافتہ کو جانتی ہے، جس کی بادشاہی کا پرچم آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی پستیوں میں لہرا رہا ہے، اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بدکاروں کو ان کی بدکاریوں کی سزا دے اور نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کی جزا دے۔

اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ

شاذو نادر۔ بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے ۳۳ وہ (اس وقت سے) خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے

۳۳ یہ آیت اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا کا بدل ہے یا عطفِ بیان ہے یا صفت ہے۔ یہاں مضارع کا صیغہ اس لیے بیان کیا گیا ہے تا کہ اجتناب کے تجدد اور استمرار پر دلالت کرے۔ یعنی وہ ہمیشہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہتے ہیں۔

گناہِ کبیرہ اور فاحشہ کے مفہوم کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں جن میں سے چند پیش کیے جاتے ہیں:

کبائر الاثم سے مراد شرک ہے، کیونکہ یہ تمام کبیرہ گناہوں سے بڑا اور گھناؤنا گناہ ہے اور فاحشہ سے مراد زنا ہے جو بے حیائی کی انتہا ہے۔

مقاتل کہتے ہیں: ہر گناہ جس کی سزا آتشِ جہنم ہے وہ کبیرہ ہے اور جس کی سزا کوئی شرعی حد ہے وہ فاحشہ ہے۔ (1)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ صحیحین کی اس حدیث سے بھی آپ کے ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے:

اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ اَلْاِشْرَاكَ بِاللّٰهِ تَعَالٰی وَالسِّحْرَ وَقَتْلَ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلَ مَالِ الْيَتِيْمِ وَاَكْلَ الرِّبٰوا وَالتَّوَلِّیْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ۔ (2)

ترجمہ: سات برباد کرنے والی چیزوں سے اجتناب کیا کرو۔ شرک باللہ، جادو، قتلِ بے گناہ، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا، پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

گناہِ کبیرہ کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ کسی میں انکی تعداد پانچ، کسی میں سات، کسی میں چودہ اور کسی میں پچیس مذکور ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ کام جس سے کتاب و سنت کی صریح نص سے منع کیا گیا ہو یا اس کے لیے کوئی حدِ شرعی مقرر ہو یا جس کی سزا جہنم بتائی گئی ہو یا جس کے مرتکب کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہو یا جس پر عذاب کے نزول کی خبر دی گئی ہو، ایسی تمام باتیں کبیرہ گناہ ہیں۔ ان کے علاوہ جو دوسرے گناہ ہیں، انہیں گناہ صغیرہ کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ گناہِ صغیرہ پر اصرار اور شریعت کے کسی فرمان کا استخفاف اور تحقیر کا شمار بھی کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔

اللمم کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: اَللَّمَمُ مُقَارَبَةُ الْمَعْصِيَةِ وَيُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الصَّغِيْرَةِ وَيُقَالُ فُلَانٌ يَفْعَلُ كَذَا لَمَمًا اَیْ حِيْنًا بَعْدَ حِيْنٍ (مفردات) (3)

یعنی معصیت کے قریب ہونے کو لمم کہتے ہیں۔ گناہِ صغیرہ کو بھی لمم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز جو کام گاہے گاہے کیا جائے اس کو بھی لمم کہتے ہیں۔

قَالَ اَبُوْ اِسْحٰقَ الزُّجَاجُ: اَصْلُ اللَّمَمِ وَالْاِلْمَامِ مَا يَعْمَلُهُ الْاِنْسَانُ الْمَرَّةَ بَعْدَ الْمَرَّةِ وَلَا يَتَعَمَّقُ فِيْهِ وَلَا يُقِيْمُ عَلَيْهِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 106 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 63 3۔ مفردات راغب، ص: 746

الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ

پیدا کیا اور جبکہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو۔

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ

۲ ع ۶

وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے ۳۴ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی ۳۵ اور تھوڑا سا مال دیا پھر

يُقَالُ اَلْمَمْتُ بِهٖ اِذَا زُرْتَهٗ وَانْصَرَفْتَ عَنْهُ (قرطبی)(1)

یعنی زجاج کہتے ہیں کہ لمم اور المام اس کام کو کہتے ہیں جو کبھی کبھی کیا جائے اور اس میں تعمق نہ کیا جائے اور اس میں ہمیشگی نہ کی جائے۔ جب تو کسی آدمی کی ملاقات کے لیے جائے اور مل کر فوراً واپس چلا جائے تو کہتے ہیں اَلْمَمْتُ بِهٖ۔

عرب شاعر کا ایک شعر بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔

اَلَمَّتْ فَحَيَّتْ ثُمَّ قَامَتْ فَوَدَّعَتْ
فَلَمَّا تَوَلَّتْ كَادَتِ النَّفْسُ تَزْهَقُ (2)

ترجمہ: وہ تھوڑی دیر کے لیے آئی، اس نے سلام کیا، پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے الوداع کہا۔ جب اس نے پیٹھ پھیری تو قریب تھا کہ رُوح پرواز کر جائے۔

آیت کے ان کلمات کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں سے گریزاں رہتے ہیں، بے حیائی کے کاموں سے دور بھاگتے ہیں، الا یہ کہ کبھی کبھی ان سے کوئی غلطی صادر ہو جاتی ہے تو فوراً اس سے دامن کش ہو جاتے ہیں، اے محبوب! آپ کا رب انہیں اپنی مغفرت کے وسیع دامن میں پناہ دے گا۔ بے شک آپ کے رب کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔

۳۴ بعض کم ظرف لوگ اپنی نیکیوں پر اترانے لگتے ہیں، اپنی پارسائی اور پرہیزگاری کے قصے جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ یہ خودنمائی اور خودستائی ان کے سارے اعمال حسنہ کا بیڑا غرق کر دے گی۔ اس لیے منع فرمایا جا رہا ہے کہ لوگوں پر اپنے تقویٰ اور نیکی کا رعب جمانے کی عادت ترک کر دو۔ کیونکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے جو تمہارے ظاہر اور باطن کو خوب جانتا ہے۔ صرف آج سے ہی نہیں، بلکہ اس وقت سے جب تمہارا نطفہ رحم مادر میں قرار پانے کے بعد اپنی تکمیل کے مرحلے طے کر رہا تھا۔ بلکہ اس سے بھی ہزاروں سال پہلے جب تمہارے باپ آدم کا خمیر مٹی سے تیار کیا جا رہا تھا اور تمہارا ہیولیٰ اس کی پشت میں ودیعت کیا جا رہا تھا۔ جو خدا تمہیں ابتدائے آفرینش سے جانتا ہے اس کے سامنے شیخی بگھارنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ وہ خود جانتا ہے کہ تم میں سے متقی اور پرہیزگار کون ہے اور فسق و فجور کی آلائشوں سے کون آلودہ ہے۔ تمہارے بتانے کی اسے حاجت نہیں۔ اگر وہ تمہاری لغزشوں پر فوری گرفت نہیں کرتا یا تمہارے جرائم کا پردہ فاش نہیں کرتا تو یہ محض اس کا لطف و کرم ہے۔ اس میں تمہاری پاکبازی کا کوئی دخل نہیں۔

۳۵ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ولید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 108

2۔ دیوان حماسہ، ص:15، مطبوعہ کتب خانہ مجیدیہ ملتان پاکستان

اَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ

کنجوس بن گیا ۳۶ کیا اس کے پاس علمِ غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے ۳۷ کیا وہ آگاہ نہیں ہوا جو

عالیہ میں اکثر حاضر ہوتا اور آیاتِ قرآنی سنا کرتا جنہیں سن کر وہ بے اختیار کہہ اٹھتا کہ بخدا یہ کلام بڑا سرسبز ہے۔ اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں۔ اس کی رونق و شگفتگی دل موہ لینے والی ہے۔ نہ یہ جادو ہے اور نہ شعر۔

اس کے احباب اور رشتہ داروں کو جب ان باتوں کا پتہ چلا تو انہیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں وہ اسلام قبول کرنے کا برملا اعلان نہ کر دے، چنانچہ اس کا ایک بے تکلف دوست اس کے پاس آیا اور اسے بڑی لعنت ملامت کی کہ تم اپنے آباء واجداد اور اپنے بڑوں کے مذہب کو چھوڑ رہے ہو اور ایک نیا دین اختیار کر رہے ہو۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے عذاب قیامت سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ اس دوست نے کہا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم اتنا مال مجھے دے دو تو قیامت کے روز میں تمہارے حصے کا عذاب بھی اپنے سر پر اٹھا لوں گا۔ چنانچہ ولید نے اسلام لانے کا ارادہ ترک کر دیا اور جس مال کا وعدہ اس ضامن سے کیا تھا اس میں سے کچھ تو اسے دے دیا بقیہ دینے سے مکر گیا۔ (1)

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم کو فرماتے ہیں کہ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے حق قبول کرنے سے منہ پھیر لیا۔ پھر اپنے ضامن کو پورا معاوضہ بھی نہ دیا۔ یہ شخص کتنا احمق ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ روزِ حساب کوئی شخص اس کے حصے کا عذاب برداشت کرے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کتنا بڑا بخیل ہے کہ جتنا مال دے کر اپنی جان بخشی کروانے کا اس نے سودا کیا تھا، وہ بھی اس نے پورا ادا نہیں کیا۔ حماقت اور بخل دونوں عیب اس میں پائے جاتے ہیں۔

۳۶ اَكْدٰى: علامہ راغب لکھتے ہیں: اَلْكُدْيَةُ صَلَابَةٌ فِي الْاَرْضِ يُقَالُ حَفَرَ فَاَكْدٰى اِذَا وَصَلَ اِلٰى كُدْيَةٍ وَّ اسْتُعِيْرَ ذٰلِكَ لِلطَّالِبِ الْمُخْفِقِ وَالْمُعْطِي الْمُقِلِّ (مفردات) (2)

ترجمہ: زمین کھودتے ہوئے اگر پتھریلی تہہ آجائے تو عرب کہتے ہیں حَفَرَ فَاَكْدٰى اس نے زمین کھودی اور نیچے سے چٹان نکل آئی۔ بطورِ استعارہ ناکام طلبگار اور تھوڑا دینے والے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں: اَكْدٰى: بَخِلَ اَوْ قَلَّ خَيْرُهٗ اَوْ قَلَّ عَطَاءُهٗ (3)۔ بخل کرنا، کسی کی بھلائی کا کم ہونا، کسی کی عطا کا قلیل ہونا۔ المنجد میں ہے اَكْدٰى اِكْدَاءً: بَخِلَ فِي الْعَطَاءِ (4): اس نے دینے میں بخل سے کام لیا۔

۳۷ یعنی اس نے جو یہ خیال کر لیا کہ فلاں شخص قیامت کے روز اتنی رقم کے بدلے میں اس کا عذاب اپنے سر لے لے گا، کیا اس کے پاس غیب کا ایسا علم ہے جس کے باعث اس کو اپنی اس سودا بازی کے درست ہونے کا یقین ہو گیا ہے؟

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 65

2۔ مفرداتِ راغب، ص: 704

3۔ القاموس المحیط، ج 2، ص 1739

4۔ المنجد، ص 678

صُحُفِ مُوْسٰی ﴿۳۶﴾ وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے ۳۸ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں

اُخْرٰی ﴿۳۸﴾ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ

اٹھائے گا ۳۹ اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے ۴۰ اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد

۳۸ اگر اس نے سابقہ آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو اسے اپنی اس غلط اندیشی کا علم ہو جاتا۔ صُحُفٌ: صَحِیْفَةٌ کی جمع ہے۔ صحفِ موسیٰ سے مراد تورات ہے جو متعدد اسفار پر مشتمل ہے۔ یہ محرّف شکل میں آج بھی موجود ہے۔ صحفِ ابراہیم سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس وقت اس کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔ اس کے اہم مضامین کے بارے میں قرآن کریم نے ہی کچھ بتایا ہے۔ صحفِ ابراہیم کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر آیا ہے۔ ایک اِس مقام پر، دوسری مرتبہ سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیت میں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی صحیفے نازل ہوئے تھے۔ ان دو مقامات پر ان تعلیمات کا اشارتاً ذکر کر دیا جو ان میں مندرج تھیں۔

۳۹ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے یہ قانون رائج تھا کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کرتا تو قاتل کی سزا اس کے باپ، اس کے بیٹے، اس کے بھائی، اس کی بیوی یا اس کے غلام کو بھی دی جاتی۔ ان میں سے کسی کو پکڑ کر قتل کر دیا جاتا۔

قَالَ الْبَغَوِیُّ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانُوْا قَبْلَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَاْخُذُوْنَ الرَّجُلَ بِذَنْبِ غَیْرِهٖ وَکَانَ الرَّجُلُ یُقْتَلُ بِقَتْلِ اَبِیْهِ وَابْنِهٖ وَاَخِیْهِ وَامْرَأَتِهٖ وَعَبْدِهٖ۔ (1)

جب آپ مبعوث ہوئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سُنایا:

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کہ کسی کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔ یوں اس ظالمانہ قانون کا قلع قمع ہوا۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ کسی سابق رسول کی شریعت کا یہ مسئلہ تھا، بلکہ یہ ان کے دورِ جاہلیت کا ایک رواج تھا جو صدیوں سے ان میں چلا آرہا تھا اور کبھی کسی نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کی تھی۔ بعینہ اس طرح جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی غریب قبیلے کا غلام یا عورت طاقت ور قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دیتی تو طاقت ور قبیلہ بطورِ قصاص اس قاتل غلام یا عورت کو قتل کر کے مطمئن نہ ہوتا، بلکہ عورت کے بجائے ان کے کسی مرد اور غلام کے بجائے ان کے کسی آزاد مرد کو قتل کیا جاتا۔ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ الآیہ نازل ہوئی تو جہالت کے اس ظالمانہ دستور کا خاتمہ ہوا۔

بظاہر بعض آیتیں اور حدیثیں اس آیت سے متعارض معلوم ہوتی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً فَلَهٗ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (2)۔ اَخْرَجَهٗ اَحْمَدُ وَ مُسْلِمٌ مِّنْ حَدِیْثِ جَرِیْرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص125

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص125، صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ، ج2، ص341

یعنی امام احمد اور مسلم نے جریر بن عبداللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص بُرا طریقہ رائج کرتا ہے اس پر اس کا بوجھ بھی لادا جائے گا اور قیامت تک جو لوگ اس طریقے کو اختیار کریں گے، ان کا بوجھ بھی اس پر لادا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے گناہ کا بوجھ بھی کسی پر لاد دیا جاتا ہے، حالانکہ آیت اس کی نفی کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ چونکہ یہ شخص قیامت تک آنے والے بدکاروں کی بدکاری کا سبب بنا ہے، اس لیے وہ ان بدکاریوں میں شریک ہے، اسی کی سزا اسے ملے گی۔ یہ نہیں کہ ان بدکاروں کو کوئی سزا نہ دی جائے گی اور ان سب کی سزا اس شخص کو دی جائے گی۔

دوسری حدیث ہے جس کے راوی ابن عمر ہیں: اِذَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا اَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيْهِ ثُمَّ بُعِثُوْا عَلٰى اَعْمَالِهِمْ (متفق علیہ)(1)

یعنی جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرتا ہے تو اس قوم کے تمام افراد (نیک و بد) اس عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پھر قیامت کے دن وہ اپنے اعمال کے مطابق قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ عذاب ان لوگوں پر بھی نازل ہوتا ہے جو مجرم نہیں ہوتے، حالانکہ آیت اس کی تردید کرتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے جو لوگ ان جرائم کا ارتکاب نہیں کیا کرتے تھے، لیکن مجرموں کو منع بھی نہیں کرتے تھے، بلکہ خاموشی سے ان گناہوں کو دیکھتے رہتے تھے، ان کی یہ خاموشی ان کا گناہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس عذاب میں مبتلا کیے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث جو سنن اربعہ میں مروی ہے اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھتے ہیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہیں پکڑ لیتے تو ان پر بھی عذاب نازل ہوگا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب انسان فوت ہوتا ہے اور اس کے رشتہ دار ماتم کرتے ہیں تو ان کے ماتم کرنے کے گناہ کا عذاب اس میت کو دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث بھی اس آیت کے منافی ہے۔ اس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ میت کو اس وقت عذاب ہوگا جب یا تو وہ وصیت کر جائے کہ مجھ پر ماتم کرنا یا اسے معلوم تھا کہ اس کے گھر والے اس کے مرنے پر ماتم کریں گے اور اس نے ان کو منع نہیں کیا۔ اب یہ عذاب اس کے اپنے گناہ کا ہوگا۔

بہر حال اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں جو یہ حکم نازل ہوا تھا وہ شریعت محمدیہ میں بھی باقی ہے کسی کے گناہ کے بدلے میں کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جائے گی۔ ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔

۴۰ یہ حکم صحفِ موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام میں بھی موجود تھا اور شریعت اسلامیہ میں بھی یہ قانون باقی ہے۔ لیکن بعض کج فہموں نے اس آیت کو ایسے معانی پہنائے ہیں جن سے متعدد دوسری آیات کی تردید اور تکذیب ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں بڑے اطمینان سے ان باطل معانی کا جائزہ لینا چاہیے اور اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ طریقہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں کہ ایک آیت کی ایسی من مانی تشریح کی جائے جس سے متعدد آیات کی تغلیط ہوتی ہو۔

اشتراکی ذہنیت رکھنے والے جو محنت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ ہر

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب اذا انزل اللہ بقوم عذابا، ج 2، ص 1053

انسان صرف اسی چیز کا حقدار ہے جو اس نے اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کی ہو اور اپنے اس نظریے کو قرآن کریم کی اس آیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ہمیں ان سے کسی بحث کی ضرورت نہ تھی۔ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق جس نظریے کو چاہے اپنائے، ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن اپنے من گھڑت نظریات کو قرآن کی طرف منسوب کرنا ایک ایسی زیادتی ہے جس پر خاموش رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ہم ان صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن کریم کی متعدد آیات میں میراث کے احکام مذکور نہیں؟ باپ کے مرنے کے بعد اولاد کو جو جائیدادِ منقولہ اور غیر منقولہ ورثہ میں ملتی ہے، کیا اس میں ان کی محنت اور کوشش کا کوئی دخل تھا؟ ایسی جائیداد کا قرآن نے انہیں کامل مالک ٹھہرایا ہے، خصوصاً بچیاں یا شیر خوار بچے جنہوں نے کسی طرح بھی اس جائیداد کے بنانے میں کوئی حصہ نہیں لیا، وہ بھی وارث ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ، صدقات جب کوئی شخص کسی مستحق کو دیتا ہے تو مستحق اس کا کامل مالک بن جاتا ہے، اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے، حالانکہ اس نے اس مال کے کمانے میں ایک قدم تک نہیں اٹھایا۔ آیت کا یہ خود ساختہ مفہوم اختیار کر کے کیا یہ لوگ ان صدہا آیات پر قلمِ تنسیخ پھیر دیں گے جن میں میراث، وصیت، زکوٰۃ، صدقات اور ہبہ کے احکام مذکور ہیں؟

اِن اشتراکی اذہان کے علاوہ ایک اور فرقہ گزرا ہے جو تاریخ اسلام میں معتزلہ کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کسی کے عمل کا ثواب کسی دوسرے انسان کو نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شخص کو انہی اعمال کا اجر ملے گا جو اس نے خود کیے ہیں، کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔

ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر کسی کا عمل کسی کے لیے نفع بخش نہیں ہے تو قرآن کریم کی متعدد آیات میں مسلمانوں کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور متعدد آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتے مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ کئی ایسی آیتیں ہیں جن میں انبیاء کرام نے اپنے والدین، اپنی اولاد اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش کی دعائیں مانگی ہیں۔ اگر استغفار اور دعاؤں کا میت کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تو پھر ان لاحاصل کاموں میں انبیاء اور ملائکہ کیوں وقت ضائع کرتے رہے؟ اور ہمیں مسلمان بھائیوں کے لیے دعائے مغفرت کا کیوں حکم دیا گیا ہے؟ ساری امت مسلمہ نمازِ جنازہ ادا کرتی ہے۔ اس میں کسی فرقہ کی تخصیص نہیں۔ یہ نمازِ جنازہ بھی دعائے مغفرت ہے۔ اگر یہ بے سود اور لاحاصل ہے تو اس تکلف کو بجالانے کا اسلام نے کیوں حکم دیا؟ معتزلہ کے اس مفہوم کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو قرآن کریم کی کثیر التعداد آیتیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لیے امت کا اجماع اس بات پر ہے کہ ہم اپنے اعمال کا ثواب اپنے والدین اور دوسرے مومنین کو پہنچا سکتے ہیں اور اس سے انہیں فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اصولی طور پر تو تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے جس کا خلاصہ پیش نظر ہے:

عبادات کی کئی قسمیں ہیں۔ خالص بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوت قرآن۔ خالص مالی عبادات جیسے صدقات وغیرہ۔ مالی اور بدنی عبادات کا مرکب جیسے حج وغیرہ۔

امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ عبادات کی دوسری دو قِسموں کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے۔ لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے

خواہ اس نیک عمل کا تعلق عبادت کی کسی قسم سے ہو۔ نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن، ذکر، صدقہ، حج، عمرہ جو نیک عمل بھی وہ کرے، اس کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کر سکتا ہے: الٰہی! اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا (1)۔ اس بارے میں اتنی کثرت سے صحیح احادیث موجود ہیں کہ کوئی مسلمان ان کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

یہاں ہم ان میں سے چند احادیث ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ وَّعِلْمٍ يُّنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَّدْعُوْلَهٗ (رواہ مسلم) (2)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، بجز تین اعمال کے کہ ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

پہلے دو کام تو ایسے ہیں جن میں اس شخص کا بھی کچھ عمل دخل ہے، لیکن لڑکے کی دعا لڑکے کا اپنا فعل ہے۔ اس سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّةِ وَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنّٰى لِیْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ (رواہ طبرانی) (3)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں کسی عبدِ صالح کے درجے کو بلند فرما دیتا ہے۔ وہ بندہ پوچھتا ہے: یارب! میرا درجہ کیسے بلند ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیرے لڑکے نے تیرے لیے استغفار کی، اس کی برکت سے تیرا درجہ بلند ہوا۔

۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَيِّتُ فِیْ قَبْرِهٖ اِلَّا شِبْهُ الْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً مُّلْحَقَةً مِّنْ اَبٍ وَّاُمٍّ اَوْ وَلَدٍ اَوْ صَدِيْقٍ ثِقَةٍ وَّاِذَا اَلْحَقَتْهُ كَانَتْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ عَلَى الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ (رَوَاهُ بَيْهَقِیٌّ وَّالدَّيْلَمِیُّ) (4)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے جو فریاد کر رہا ہوتا ہے۔ اور اس چیز کا منتظر ہوتا ہے کہ اس کے باپ، اس کی ماں یا لڑکے یا باوفا دوست کی دعا اسے پہنچے۔ اور جب وہ دعا اسے پہنچتی ہے تو اس کی قدر و منزلت اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعاؤں کی برکت سے قبروں پر رحمت کے پہاڑ بھیجتا ہے اور مرے ہوؤں کے لیے دوستوں کا تحفہ یہ ہے کہ وہ ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں۔

۴۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّیْ افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا لَمْ تُوْصِ وَاَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَّهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ۔ (متفق علیہ) (5)

1۔ الہدایہ، باب الحج عن الغیر، ص 296

2۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ، ج 2، ص 41

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 127۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج 2، ص 509 مکتبہ دار صادر

4۔ کتاب شعب الایمان باب فی بر الوالدین، ج 6، ص 203 مکتبہ دار الکتب العلمیہ مکتبہ بیروت

5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 127، صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب حصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ، ج 1، ص 324

ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ماں اچانک فوت ہوگئی اور کوئی وصیت نہ کرسکی۔ میرا خیال ہے اگر اسے بولنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ دیتی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے اس کا اجر ملے گا؟ حضور نے فرمایا: بے شک!

۵۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّیَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّیْ مَاتَتْ وَاَنَا غَائِبٌ فَهَلْ یَنْفَعُهَا اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ وَقَالَ اِنِّیْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِیْ صَدَقَةٌ عَنْهَا۔ (رواہ البخاری) (1)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سعد ابن عبادہ کی والدہ نے وفات پائی تو آپ موجود نہ تھے۔ جب واپس آئے تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی: یارسول اللہ! میری والدہ نے میری غیر حاضری میں وفات پائی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے کوئی نفع پہنچے گا؟ تو حضور نے فرمایا: ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کی: حضور آپ گواہ رہیں میں نے اپنا باغ اس کی طرف سے صدقہ کیا۔

۶۔ عَنْ اَنَسٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ اَهْلِ بَیْتٍ یَّمُوْتُ مِنْهُمْ وَیَتَصَدَّقُوْنَ عَنْهُ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِلَّا اَهْدٰی لَهٗ جِبْرَائِیْلُ عَلٰی طَبَقٍ مِّنْ نُّوْرٍ ثُمَّ یَقِفُ عَلٰی شَفِیْرِ الْقَبْرِ فَیَقُوْلُ یَا صَاحِبَ الْقَبْرِ الْعَمِیْقِ هٰذِهٖ هَدِیَّةٌ اَهْدَاهَا اِلَیْكَ اَهْلُكَ فَاقْبَلْهَا فَیُدْخِلُ عَلَیْهِ فَیَفْرَحُ بِهَا فَیَسْتَبْشِرُ وَیَحْزَنُ جِیْرَانُهُ الَّذِیْنَ لَا یُهْدٰی اِلَیْهِمْ شَیْءٌ (رواہ الطبرانی فی الاوسط) (2)

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص کسی گھر سے فوت ہوتا ہے اور گھر والے اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو جبرئیل امین نور کے تھال پر اسے رکھتے ہیں، پھر اس کی قبر کے دہانے پر کھڑے ہوکر کہتے ہیں: اے گہری قبر کے رہنے والے! یہ ہدیہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تیری طرف بھیجا ہے، تو اسے قبول کر۔ اس کی خوشی اور مسرت کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے پڑوسی جن کی طرف کوئی ہدیہ نہیں بھیجا جاتا، وہ بڑے غمناک ہوتے ہیں۔

۷۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَبِیْ مَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ فَقَالَ اَرَأَیْتَ لَوْ كَانَ عَلٰی اَبِیْكَ دَیْنٌ كُنْتَ تَقْضِیْهِ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّهٗ دَیْنٌ عَلَیْهِ فَاقْضِهٖ (رواہ البزار والطبرانی بسند حسن) (3)

حضرت انس فرماتے ہیں: ایک شخص نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میرا باپ فوت ہوگیا ہے اور اس نے حج نہیں کیا۔ حضور نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر تیرے باپ پر قرضہ ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ! ہاں ادا کرتا۔ حضور نے فرمایا: یہ حج بھی اس پر قرض ہے۔ اس کو ادا کرو۔

۸۔ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ مَنْ مَّرَّ عَلَی الْمَقَابِرِ وَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَحَدَ عَشَرَ مَرَّةً وَّوَهَبَ اَجْرَهٗ لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِیَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ۔ (رواہ ابو محمد السمرقندی) (4)

ابو محمد سمرقندی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ جو شخص قبرستان میں سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل شریف پڑھ کر اہل قبرستان کو بخشے تو جتنے لوگ وہاں دفن ہوں گے، ان کی تعداد کے برابر اسے ثواب ملے گا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 128، صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب اذا قال داری صدقۃ، ج 1، ص 386

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 128۔ مجمع الزوائد۔ باب الصدقۃ عن المیت، ج 3، ص 335، رقم الحدیث 3770، دار الفکر 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، ج 9، ص 129

۹۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ ثُمَّ قَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَّ اَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ جَعَلْتُ ثَوَابَ مَا قَرَأْتُ مِنْ كَلَامِكَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَانُوْا شُفَعَاءَ لَهٗ اِلَى اللّٰهِ (رواہ ابو القاسم سعد ابن علی)(1)

ابو القاسم سعد ابن علی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو، پھر سورۂ فاتحہ، قل شریف اور الہاکم التکاثر پڑھے، پھر یہ کہے کہ الٰہی میں نے تیرے کلام سے جو پڑھا ہے اس کا ثواب اس مقبرہ کے مومن مردوں اور عورتوں کو بخشتا ہوں، تو یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی شفاعت کریں گے۔

۱۰۔ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ الْمَقْبَرَةَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ يٰسٓ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ (اَخْرَجَهٗ عَبْدُ الْعَزِيْزِ صَاحِبُ الْخِلَالِ بِسَنَدِهٖ)(2)

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان میں داخل ہوتا ہے اور سورۂ یٰس پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل قبور پر تخفیف کر دیتا ہے۔

کثیر التعداد احادیث میں سے یہ چند مرفوع احادیث ہیں جو اوپر نقل کی گئی ہیں۔ صحابہ کرام کا بھی اسی پر تعامل تھا۔

حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد آپ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن وفات پا گئے تو حضرت عائشہ نے ان کے لیے غلام آزاد کیا اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ وفات کے بعد یہ چیز انہیں نفع پہنچائے گی۔ (3)

مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے وفات پانے والوں کی رُوح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: قَالَ الْحَافِظُ شَمْسُ الدِّيْنِ ابْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ مَا زَالُوْا فِیْ كُلِّ مِصْرٍ يَّجْتَمِعُوْنَ وَيَقْرَءُوْنَ لِمَوْتٰهُمْ مِّنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ فَكَانَ ذٰلِكَ اِجْمَاعًا۔ (4)

ترجمہ: حافظ شمس الدین ابن عبدالواحد کہتے ہیں: ہر شہر میں مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے فوت شدگان کے لیے قرآنِ کریم کی قراءت کرتے ہیں اور کبھی کسی عالم نے اس پر اعتراض نہیں کیا، گویا اس پر امت کا اجماع ہے۔

۱۱۔ اَخْرَجَ الْخِلَالُ عَنِ الشَّعْبِیِّ كَانَتِ الْاَنْصَارُ اِذَا مَاتَ لَهُمُ الْمَيِّتُ اخْتَلَفُوْا اِلٰى قَبْرِهٖ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ (5)

امام شعبی سے مروی ہے کہ انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی آدمی فوت ہوتا تو وہ اس کی قبر پر جایا کرتے اور وہاں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔

۱۲۔ وَفِی الْاِحْيَاءِ عَنْ اَحْمَدَ ابْنِ حَنْبَلٍ قَالَ اِذَا دَخَلْتُمْ مِّنْ مَقَابِرَ فَاقْرَءُوْا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالْمُعَوَّذَتَيْنِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَّاجْعَلُوْا ذٰلِكَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ فَاِنَّهٗ يَصِلُ اِلَيْهِمْ۔ (6)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ فاتحہ اور تینوں آخری قل پڑھو، پھر اس کا ثواب قبرستان

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 129
2۔ ایضاً
3۔ شرح الصدور، ص 294 مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 129
5۔ ایضاً، ج 9، ص 130
6۔ ایضاً

يُرٰى ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿٤١﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿٤٢﴾ وَ

نظر آجائے گا ۴۱ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ۴۲ اور یہ کہ سب کو آپکے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے ۴۳ اور

والوں کو پہنچاؤ۔ وہ انہیں پہنچے گا۔

جب اس کثرت سے ایصالِ ثواب کے بارے میں احادیث موجود ہیں تو پھر اس کا انکار کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا، لیکن آیت کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ حضرت ابن عباس کا ارشاد یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (سورۂ طور: 21)(1)

یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرتی رہی تو ہم (مدارج اور مراتب میں) ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آبا وٴ اجداد کی نیکیاں اولاد کے مراتب کو بلند کر دیتی ہیں۔ بعض نے اس آیت کی توجیہہ یہ کی ہے کہ یہاں الانسان سے مراد کافر ہے کہ کفار کو کسی کی نیکیاں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں، لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو الجھن خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایصالِ ثواب سے صرف اس شخص کو نفع پہنچتا ہے جو ایمان کی حالت میں فوت ہوا ہو۔ جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اسے قطعاً کوئی نفع نہیں پہنچتا، تو معلوم ہوا کہ یہ سارے اعمالِ صالحہ جن کا ثواب ایک مومن کو پہنچایا جا رہا ہے درحقیقت اس کے ایمان کے درخت کا پھل ہیں اور ایمان کا درخت اس شخص کی اپنی سعی کا نتیجہ ہے تو گویا یہ ساری چیزیں اس کی ذاتی کوشش میں شمار ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے ایمان کے درخت کی اعمالِ صالحہ سے آبیاری کرتے رہتے ہیں اور گناہوں کی ژالہ باری سے اس کو بچائے رکھتے ہیں، ان پر پھل بھی زیادہ لگتا ہے اور لوگ کثرت سے ان کی ارواح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اولیائے کرام کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے والوں کا ہجوم اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ان مقبول ترین بندوں نے ایمان کا جو درخت لگایا اور عمر بھر اپنے گریۂ سحری سے اسے سینچتے رہے اس کی بہار اور اس کا جوبن قابلِ دید ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔(2)

کہ کلمۂ طیبہ کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں پاتال تک چلی گئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ درخت ہر لحظہ پھل دے رہا ہے۔

اس مسئلہ کے دیگر مباحث ضیاء القرآن، سورۃ النحل کی آیت ۱۱۵ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

(نوٹ: اس آیت کی تشریح میں ایصالِ ثواب کے بارے میں جو احادیث درج کی گئی ہیں اور جو آثار نقل کیے گئے ہیں، وہ تفسیر مظہری سے ماخوذ ہیں۔)

۴۱ ہر انسان اپنی زندگی کے لمحات کو جن مقاصد کے لیے صرف کر رہا ہے اور اپنی ساری قوتیں اور توانائیاں ان کے حصول کے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 127

2۔ سورۂ ابراہیم 24-25

أَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿۴۳﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ

یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رُلاتا ہے ۴۴ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ اسی نے پیدا فرمائیں

لیے وقف کیے ہوئے ہے، قیامت کے روز ان کی پوری طرح جانچ پڑتال کی جائے گی اور اس کے مقاصد اور اس کی نیت کے مطابق اس کی جدوجہد کے نتائج برآمد ہوں گے۔ اس لیے آج اپنے اعمال کا خود احتساب کیا کرو تا کہ قیامت کے روز تمہیں نادم اور شرمسار نہ ہونا پڑے۔

۴۲ ہر شخص کو اس کے اعمال اور اس کی مساعی کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اگر وہ زندگی بھر نفس کی خواہشات کی تکمیل میں لگا رہا، کبھی اپنے رب کی یاد اور عبادت کا اسے خیال نہ آیا تو اس کا بدلہ ملے گا اور جو شخص اپنے کریم پروردگار کی رضا حاصل کرنے کے لیے مصروف رہا، مصائب و آلام کی پروا کیے بغیر تسلیم و رضا کی راہ پر قدم بڑھاتا رہا تو اس کی جو پذیرائی ہوگی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

۴۳ ہر چیز کو روزِ محشر اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ کوئی شخص کہیں چھپ نہیں سکے گا اور کوئی شخص کہیں بھاگ کر رُوپوش نہیں ہو جائے گا۔

بعض حضرات نے اس کا دوسرا مفہوم بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ منتہٰی مصدر میمی ہے۔ اس کا معنی انتہا ہے یعنی فکر انسانی حقائق اشیاء کے میدان میں گرم سیر رہتا ہے، لیکن جب حرمِ ذات تک پہنچ جاتا ہے تو پھر رک جاتا ہے۔ اس سے آگے دَم مارنے کی اسے مجال نہیں ہوتی۔

وَقِيلَ الْمَعْنٰى اَنَّهٗ عَزَّوَجَلَّ مُنْتَهَى الْاَفْكَارِ فَلَاتَزَالُ الْاَفْكَارُ تَسِيْرُ فِيْ بَيْدَاءِ حَقَائِقِ الْاَشْيَاءِ وَ مَاهِيَّاتِهَا وَالْاِحَاطَةِ بِمَا فِيْهَا حَتّٰى اِذَا وَجَّهَتْ اِلٰى حَرَمِ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَحَقَائِقِ صِفَاتِهٖ وَقَفَتْ وَحَرَنَتْ وَانْتَهٰى سَيْرُهَا۔ (1)

حضرت ابن عباس کی روایت اس قول کی تصدیق کرتی ہے:

قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ فِي اللّٰهِ فَقَالَ تَفَكَّرُوْا فِي الْخَلْقِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي الْخَالِقِ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَقْدُرُوْهُ۔ (ابن ماجه) (2)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو ذاتِ الٰہی میں غور و فکر کر رہے تھے تو حضور نے انہیں ارشاد فرمایا: مخلوق میں تو بے شک غور و فکر کیا کرو، لیکن ذاتِ خالق کو اپنی سوچ کا موضوع مت بناؤ کیونکہ یہ چیز تمہاری طاقت اور قدرت سے ماورا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی سے ملتی جلتی حدیث منقول ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ تَفَكَّرُوْا فِيْ خَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِي اللّٰهِ فَتَهْلِكُوْا۔ (روح المعانی) (3)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ کی مخلوق میں تو غور و فکر کیا کرو، لیکن اس کی ذات میں غور و فکر نہ کیا کرو، ورنہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 68

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً، کنز العمال، ج 3، ص 108، حدیث نمبر 5705 مطبوعہ التراث الاسلامی

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ۙ ㊺ مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ۠ ㊻ وَأَنَّ عَلَيْهِ

دونوں قسمیں نر اور مادہ (وہ بھی) ایک بوند سے جب ٹپکتی ہے ۔ اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے ذمہ

النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ۙ ㊼ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ۙ ㊽ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ

ہے دوسری بار پیدا فرمانا ۴۵ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے ۴۶ اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا

الشِّعْرَىٰ ۙ ㊾ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ۙ ㊿ وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَىٰ ۙ (51) وَقَوْمَ

رب ہے ۴۷ اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عادِ اوّل (قومِ ہود) کو ۴۸ اور ثمود کو بھی پھر کسی کو نہ چھوڑا ۔ اور (ہلاک کیا) قومِ

ہلاک ہوجاؤ گے۔

۴۴ چاہے تو کسی کو خوش کر کے ہنسا دے اور چاہے تو کسی کو غم واندوہ میں مبتلا کر کے اسے رلا دے۔ مسرتیں اور غم اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسی کی بندگی کا قلادہ گلے میں ڈال کر اس کے دربار میں حاضر ہوجاؤ۔ اس سے خوشی کی بھیک مانگو اور حزن وملال سے اسی کی پناہ طلب کرو۔ اس کے در کو چھوڑ کر ادھر ادھر خوشیوں کی تلاش میں بھٹکتے پھرنا محض جہالت اور نادانی ہے۔

۴۵ موت وحیات بھی اسی کے دست قدرت میں ہے۔ منی کی بوند ایک جیسی ہوتی ہے۔ وہ اپنی حکمت سے کسی سے نر پیدا کرتا ہے اور کسی سے مادہ۔ جو خالق اتنی طاقت اور قوت کا مالک ہے، اس کے لیے قطعاً یہ امر مشکل نہیں کہ وہ قیامت کے روز تمہارے بکھرے ہوئے ذرّوں کو جمع کر کے ان میں نئی زندگی پھونک دے۔

۴۶ اللہ تعالیٰ کی ایک دوسری شان بیان فرمائی جارہی ہے۔ مال ودولت کے خزانے بھی اسی کے قبضے میں ہیں۔ چاہے تو کسی کو مالا مال کر دے اور اسے بے حساب رزق عطا فرما دے اور چاہے تو کسی کو مفلس اور کنگال کر دے، وہ پارۂ نان کے لیے ترستا رہے اور اسے وہ بھی نصیب نہ ہو۔ یہ اس کی حکمت کے کرشمے ہیں۔ ان میں جو اسرار پنہاں ہیں ان کی حقیقت سے وہی خوب واقف ہے۔ اَقْنٰی کے کئی اور معانی بھی بتائے گئے ہیں، لیکن میرے نزدیک اس کا وہی معنی یہاں زیادہ مناسب ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔

۴۷ ایک نہایت روشن ستارہ ہے جو جوزاء کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ اس کو شعریٰ کہتے ہیں۔ شعری نام کے دو ستارے ہیں۔ ایک کو شعری عبور اور دوسرے کو شعریٰ غمیصاء کہتے ہیں۔ اساطیرِ عرب میں ہے کہ یہ دونوں سہیل ستارہ کی بہنیں ہیں۔ بعض عربی خرافات میں یوں مذکور ہے کہ سہیل اور شعری دونوں میاں بیوی تھے۔ سہیل نیچے کی طرف ڈھل آیا اور یمانی ہوگیا۔ شعریٰ اس کی بیوی کہکشاں کو عبور کر کے اس کے پیچھے پیچھے پہنچ گئی، اس لیے اسے الشعری العبور کہتے ہیں اور دوسری وہیں رُک گئی اس لیے اس کو الشعری الغمیصاء کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام کلب الجبار بھی ہے، کیونکہ یہ جوزاء جسے جبار کہا جاتا ہے، اس کے پیچھے پیچھے کتے کی طرح چلتا ہے۔ (1)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 69

نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا ہُمۡ اَظۡلَمَ وَ اَطۡغٰی ﴿۵۲﴾ وَ الۡمُؤۡتَفِکَۃَ

نوح کو ان سب سے پہلے وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی

اَہۡوٰی ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰہَا مَا غَشّٰی ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی ﴿۵۵﴾ ہٰذَا

پٹخ دیا ۴۹ پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا ۵۰ پس (اے سننے والے بتا) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا ۵۱ یہ

اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام ستاروں کا رب ہے، لیکن اسے خصوصیت سے رب الشعری کہا گیا ہے۔ کیونکہ بقول سدی حمیر اور خزاعہ کے قبیلے اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے جس نے اس کی عبادت شروع کی اس کا نام ابو کبشہ ہے۔ عرب کے دوسرے قبائل اگرچہ اس کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے، لیکن اس کی عزت و تکریم کرنے میں سب شریک تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ شئونِ کائنات میں یہ بہت موثر کردار ادا کرتا ہے۔

شعری ستارے کے انگریزی میں کئی نام ہیں۔ اسے DOG STAR، SIRIUS اور CANIS MAJORIS بھی کہا جاتا ہے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں SIRIUS کے عنوان کے ضمن میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں ان کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے: یہ ستارہ مجموعۂ نجوم میں روشن ترین ستارہ ہے۔ سورج سے بھی اس کی روشنی اکیس گنا زیادہ ہے اور حجم میں بھی یہ سورج سے بڑا ہے۔ اس کی سطح کا درجۂ حرارت بھی کافی زیادہ ہے۔ زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ اعشاریہ چھ (۸٫۶) نوری سال ہے۔ قدیم مصری اس کو بہت مقدس مانتے تھے، کیونکہ یہ جس موسم میں طلوع ہوتا اس وقت دریائے نیل میں سیلاب کی آمد آمد ہوتی۔ تمام علاقہ سیراب ہو کر سرسبز و شاداب ہو جاتا۔ مصریوں کا عرصۂ دراز تک یہی عقیدہ رہا کہ شعری ستارہ کے طلوع کے باعث مصر میں خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے، اسی لیے وہ اسے ہر قسم کی سرسبزیوں اور شادابیوں کا خالق یقین کرتے تھے اور اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۲۰) (1)

ہو سکتا ہے کہ اہلِ عرب میں اس کی عبادت کا تصور مصر ہی سے آیا ہو۔

۴۸ عادِ اُولیٰ سے مراد عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد ہے (2)۔ اسے اُولیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی کے بعد سب سے پہلے اس قبیلے پر عذاب نازل ہوا۔ ان کی طرف ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا، لیکن جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر زوردار جھکڑ بھیجا جس نے ان کو برباد کر کے رکھ دیا۔ ان میں سے فقط وہی لوگ بچے جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے۔ انہیں کی اولاد کو عاد الآخرہ کہا جاتا ہے۔ ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور قومِ نوح جب ان کی نافرمانیاں اور عصیاں شعاریاں انتہا کو پہنچ گئیں تو ان کو بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔

۴۹ اس سے مراد مدائنِ قومِ لوط علیہ السلام ہیں جنہیں جڑوں سے اکھیڑ کر اوپر اٹھایا گیا اور اوندھا کر کے ان کو زمین پر دے مارا گیا (3)۔ اس کا مادہ اِفْکٌ ہے۔ عرب کہتے ہیں: اَفَکْتُہٗ اَیْ قَلَّبْتُہٗ وَصَرَّفْتُہٗ (4) یعنی میں نے کسی چیز کو اُلٹ پلٹ کر پھینک دیا۔

1۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج 20، ص 724
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 120
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً

هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ (٥٦) أَزِفَتِ الْآزِفَةُ (٥٧) لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ

ڈرانے والا (رسولِ عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے ٥٢ قریب آنے والی قریب آ گئی ٥٣ اللہ کے سوا اس کو کوئی

اللَّهِ كَاشِفَةٌ (٥٨) أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ (٥٩) وَتَضْحَكُونَ

ظاہر کرنے والا نہیں ٥٤ بھلا کیا تم اس بات سے تعجّب کر رہے ہو ٥٥ اور (بے شرموں کی طرح) ہنس رہے ہو

اِئْتَفَكَتْ بِهِمْ اَيِ انْقَلَبَتْ وَصَارَ عَالِيُهَا سَافِلَهَا۔ (1)

اَهْوٰى: اَيْ خَسَفَ بِهِمْ بَعْدَ رَفْعِهَا (2): یعنی پہلے اٹھایا اور پھر زور سے اوندھا پھینک دیا تاکہ وہ زمین میں دھنس جائے۔

٥٠ قومِ لوط کی بستیاں زمین میں دھنس گئیں اور بحرِ مردار کا پانی ان پر چھا گیا اور ان کو موجوں سے ڈھانپ لیا۔ ابھی تک بحرِ مردار کے پانی میں یہ بستیاں ڈوبی ہوئی ہیں۔ سمندر کا پانی ان پر چھایا ہوا ہے۔

٥١ تَتَمَارٰى: تُشَكِّكُ وَتُجَادِلُ (مظہری) (3) تَتَمَارٰى کے دو معنی ہیں۔ کسی چیز میں شک کرنا اور جھگڑا کرنا۔ سامعین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ عاد، ثمود، قومِ نوح کیوں عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دی گئیں۔ ان کا یہی تو جرم تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں میں شک کرتے تھے۔ انہیں یہ یقین نہ تھا کہ ان انعامات سے انہیں ان کے رب نے سرفراز کیا ہے، بلکہ وہ بتوں کو بھی اس میں شریک سمجھتے تھے اور جب ان کے انبیاء انہیں اس غلط فہمی سے نجات کا راستہ بتاتے تو یہ ان سے جھگڑتے، ان کو جھٹلاتے، ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے، ان کا مذاق اڑاتے۔ وہ اپنے کیے کی سزا پا گئے۔ اے سننے والے! کیا تو بھی یہی روش اختیار کرنا چاہتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر ایسے دردناک عذاب اور عبرت ناک انجام کے لیے تمہیں بھی تیار ہو جانا چاہیے۔

جن انبیاء اور اقوام کا یہاں ذکر ہوا ہے ان سب کا تعلق ابراہیم علیہ السلام کے ماقبل زمانے سے ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہاں تک جو مضامین بیان ہوئے ہیں، وہ صحفِ ابراہیم میں ہوں اور انہیں ہی یہاں ذکر کر دیا گیا ہو، کیونکہ ان میں ہدایت کا جو درس ہے، حاملینِ قرآن کے لیے بھی اسی طرح مفید ہے جس طرح امتِ ابراہیمی کے لیے مفید تھا۔

٥٢ ھٰذا کے مشارٌ الیہ کے بارے میں تین قول ہیں۔ (۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ پیغمبرِ اسلام بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہیں۔ (۲) قرآنِ کریم۔ یعنی یہ قرآن بھی پہلی آسمانی کتابوں کی طرح ڈرانے والا ہے۔ (۳) یہ واقعات جو تمہیں سنائے گئے ہیں، گزشتہ برباد ہونے والی قوموں کے حالات ہیں۔ (4)

٥٣ علامہ جوہری صحاح میں ازف کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَزِفَ التَّرَحُّلُ يَأْزَفُ اَزَفًا: دَنَا وَاَفِدَ (5)۔ کوچ کے وقت کا قریب ہونا۔ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت لحظہ بہ لحظہ قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ تمہاری موت کی گھڑی بھی نزدیک آتی جا رہی ہے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 120
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 133
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 121
5۔ الصحاح، ج 4، ص 1330

وَلَا تَبْكُوْنَ ۙ۝۶۰ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝۶۱ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝۶۲ ع

السجدۃ ۱۲ ع ۳ ۷

اور روتے نہیں ہو ۵٦ اور تم نے کھیل مذاق بنا رکھا ہے ۵۷ پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کیا کرو ۵۸

اور تمہیں معلوم بھی نہیں کہ کس لمحے تمہاری زندگی کا چراغ بجھ جائے گا؟ اس لیے لیت ولعل میں قیمتی وقت ضائع نہ کرو۔ ابھی جو کچھ کرنا ہے کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ مہلت کی گھڑیاں اچانک ختم ہو جائیں اور پھر تمہیں کفِ افسوس ملنا پڑے۔

۵۴ کشف کا معنی ظاہر کرنا۔ کسی چھپی ہوئی چیز سے پردہ ہٹا دینا۔ یعنی قیامت کو ظاہر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جب وہ چاہے گا، اس کو آشکارا کر دے گا اور برپا ہو جائے گی۔ علامہ قرطبی نے اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں: اَیْ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللهِ مَنْ يُّؤَخِّرُهَا اَوْ يُقَدِّمُهَا (1): یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا نہ اسے کوئی مؤخر کر سکتا ہے اور نہ مقدم کر سکتا ہے۔

۵۵ یہاں تعجب سے مراد وہ تعجب ہے جو کسی چیز کو نا قابل تسلیم خیال کرتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ کفار کو سرزنش کی جا رہی ہے کہ میرا رسول ایسی کتاب لے کر تمہارے پاس تشریف لایا ہے جس کی ہر آیت سے ہدایت کے انوار پھوٹ رہے ہیں۔ تمہیں تو اس کی قدر کرنی چاہیے تھی اور ایک لحہ ضائع کیے بغیر اس پر ایمان لے آنا چاہیے تھا۔ اُلٹے تم اس کی ہدایات پر اظہار حیرت و تعجب کر رہے ہو۔ گویا یہ کوئی ایسی باتیں ہیں جو تمہارے لیے تسلیم کرنے کے قابل ہی نہیں۔

۵٦ تمہیں تو چاہیے تھا کہ گزشتہ برباد ہونے والی قوموں کے حالات پڑھ کر تم خوفِ الٰہی سے رو پڑتے اور اپنی گزشتہ لغزشوں پر آنسوؤں کے دریا بہا دیتے۔ الٹا تم بے حیاؤں کی طرح ہنس رہے ہو۔

۵۷ علامہ راغب سامد کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلسَّامِدُ اللَّاهِي الرَّافِعُ رَأْسَهٗ (2): جو شخص غفلت و بے پروائی سے سر اٹھا کر چلا جا رہا ہو اسے سامد کہتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کے کئی اور معانی بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس کا معنی لَاهُوْنَ مُعْرِضُوْنَ کیا ہے، یعنی غفلت سے منہ موڑنے والے۔ عکرمہ نے آپ سے یہ معنی بھی نقل کیا ہے وَهُوَ الْغِنَاءُ بِلُغَةِ حِمْيَرَ۔ گانے بجانے کو سمود کہتے ہیں۔ حضور جب انہیں قرآن کریم پڑھ کر سُناتے تو وہ گانے بجانے میں مشغول ہو جاتے تاکہ یہ پاک کلام انہیں سنائی نہ دے مبادا اس کی تاثیر سے وہ اپنے باطل عقائد کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

قَالَ الضَّحَّاكُ سَامِدُوْنَ شَامِخُوْنَ مُتَكَبِّرُوْنَ۔ وَفِي الصِّحَاحِ سَمَدَ سُمُوْدًا رَفَعَ رَأْسَهٗ تَكَبُّرًا (3)۔

۵۸ یہ سورت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرمِ کعبہ میں مشرکین کے مجمع عام میں پڑھ کر سنائی۔ سارے حاضرین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت پڑھی تو سجدے میں گر گئے۔ سامعین جن میں کفار اور مشرکین کی بھی بہت بڑی تعداد تھی، سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے۔ امیہ بن خلف بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے نیچے سے مٹی اٹھائی، اسے ہتھیلی پر رکھا اور اسی پر ماتھا رکھ دیا۔ کہنے لگا: میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ (4)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 122

2۔ مفردات راغب، ص 424

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 123

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 134

کفار کی خرمستیوں اور غفلت شعاریوں کو بیان کرنے کے بعد اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم عجز و نیاز سے اپنے پروردگار کی جناب میں سجدہ ریز ہو جاؤ۔ تمام باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو جو عبادت کے لائق ہے۔ یہی معراج انسانیت ہے۔۔۔۔۔ یہی وہ سب سے اونچی چوٹی ہے جس پر رسائی حاصل کرنے سے انسان اپنی منزل مراد پر پہنچ جاتا ہے۔

یہ آیت سجدہ ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور اکثر اہلِ علم کے نزدیک اس آیت کی تلاوت کرنے والے اور اسے سُننے والے پر سجدہ واجب ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہاں سجدہ واجب نہیں۔ اگر اپنی مرضی سے کوئی کرلے تو ٹھیک ہے۔ امام مالک جب یہ آیت تلاوت کرتے تو خود سجدہ کیا کرتے۔

احناف کے پاس اس سجدے کے وجوب کی کئی دلیلیں ہیں۔ ایک تو یہی روایت جو ابھی مذکور ہوئی کہ حرم شریف میں حضور نے اس سورت کی تلاوت فرمائی اور خود بھی سجدہ کیا اور سامعین بھی سجدہ ریز ہو گئے۔

اس کے علاوہ مؤطا میں امام مالک نے حضرت عمر کا یہ فعل نقل کیا ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں سورۃ النجم پڑھی، پھر سجدۂ تلاوت کیا، پھر اٹھے اور سورۂ زلزال پڑھی، پھر رکوع کیا۔ (1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔
قَدْ فَرَغْتُ مِنْ تَسْوِیْدِ هٰذِهِ السُّطُوْرِ بَعْدَ السَّاعَةِ الثَّامِنَةِ صَبَاحَ یَوْمِ الْجُمُعَةِ الْمُبَارَكِ
وَاَنَا سِجِّیْنٌ فِیْ سِجْنِ مُدِیْرِیَّةِ سَرْجُوْدَها۔ ۶ مَایُوْ سَنَة ۱۹۷۷ء
وَذَنْبِیْ اَنِّیْ اُحِبُّ مِنْ اَعْمَاقِ قَلْبِیْ اَنْ تَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا وَكَلِمَةُ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰی۔
رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔

1۔ مؤطا امام مالک مع حاشیہ، باب ماجاء فی سجود القرآن، ص 191 (ماخوذ)

تعارف

سورۃ القمر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: پہلی آیت میں القمر کا کلمہ ہے۔ یہی اس کا نام ہے۔ اس میں تین رکوع، پچپن آیتیں، تین سو بیالیس کلمے اور ایک ہزار چار سو تیئس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: اس کے نزول کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب ''انشقاقِ قمر'' کا معجزہ رونما ہوا، اور یہ معجزہ مکہ مکرّمہ میں ہجرت سے پانچ سال پہلے منیٰ کے میدان میں ظہور پذیر ہوا۔ (1)

مضامین: آئے روز وہ ایسے معجزات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے جن کو دیکھنے کے بعد کوئی سلیم الطبع انسان حضور کی رسالت کا انکار نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن عقل کے اندھے ان کو جادو کہہ کر ٹال دیا کرتے۔ آخر کار ایک رات ان کی فرمائش پر ''شق القمر'' کا معجزہ دکھایا گیا۔ مکہ کے سارے باشندے منیٰ کے کھلے میدان میں حاضر تھے۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے انگلی کا اشارہ کیا۔ اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ چاند کا کُرہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوا کہ اس کا ایک حصّہ پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف چلا گیا ہے۔ پھر وہ آناً فاناً جڑ گیا۔ کفّار یہ دیکھ کر تصویرِ حیرت بن گئے۔ اُن کے پاس حضور کی رسالت کے انکار کا اب کوئی عُذر باقی نہ رہا۔ اتنے میں ابوجہل بولا کہ بڑا زبردست جادوگر ہے۔ اس کا جادو آسمان پر بھی اثر کرتا ہے۔

اُن کے اس طرح انکار سے حقیقت تو مسخ نہیں کی جا سکتی۔ آخر اُنہوں نے اس چیز کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا کہ اتنا بڑا کُرہ جو ان کی زمین سے کئی گنا بڑا ہے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اگر یہ کُرہ پھٹ سکتا ہے، تو دوسرے کُرے کیوں پھٹ نہیں سکتے؟ یہی تو قیامت ہے جس کا وہ انکار کیا کرتے ہیں۔ بتا دیا کہ اُن کے انکار کی وجہ کوئی عقلی استحالہ نہیں، بلکہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور کیونکہ ان کا عشرت پسند نفس یہ چاہتا ہے کہ قیامت کبھی نہ آئے اس لیے یہ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ان بدنصیبوں کو اُس وقت ہوش آئے گا جب قیامت کے دن فرشتے ان کو ہانک کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جا رہے ہوں گے۔ اس کے بعد ان کے سامنے چند گزشتہ قوموں کے احوال بیان کیے گئے کہ کس طرح اُنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا، اُن کی دعوت کا مذاق اُڑایا، اپنی ظاہری قوت کے باعث ظلم و تشدد اور فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے رہے، لیکن جب مہلت کی مقررہ مُدت ختم ہو گئی تو عذابِ خداوندی آیا اور اُن کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔

ہر قوم کے حالات ذکر کرنے کے بعد وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ کی آیت کو دہرایا گیا جس سے

1۔ روح المعانی، جز 27، ص 74

قارئین کو تنبیہ کی گئی کہ قرآن کوئی معموں کی کتاب نہیں جس کو سمجھنا ان کے بس سے باہر ہو۔ یہ تو ایک کھلی اور واضح کتاب ہے۔ جو شخص بھی خلوصِ نیت سے اس کو سمجھنے کی کوشش کرے گا اُس کے لیے اِس کو سمجھنا آسان ہوگا۔ گزشتہ قوموں کی بربادی کے قصّے بیان کرنے کے بعد کفّارِ ملّہ کو مخاطب کیا جارہا ہے کہ کیا تمہیں کوئی سرخاب کے پَر لگے ہیں کہ تم جو کچھ کرتے رہو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا؟ کیا تمہارے پاس اللہ کا لکھا ہوا کوئی وعدہ ہے کہ تم حرمِ خلیل میں اگر تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کرتے رہو گے تو تمہیں معاف کردیا جائے گا؟ اگر تمہیں اپنی جمعیت اور اپنے جنگ جو بہادروں کی قوت پر ناز ہے تو کان کھول کر سُن لو کہ تم اور تمہارے لڑاکے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔

ہم نے تمہارے تمام اعمال کو لکھ رکھا ہے۔ روزِ محشر تم اپنی غلط کاریوں اور کرتوتوں کا انکار نہیں کرسکو گے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۳۰۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ قمر مکی ہے اس کی ۵۵   اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔   آیات اور ۳ رکوع ہیں۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا

قیامت قریب آگئی ہے ۱ اور چاند شق ہو گیا ۲ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں

۱ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس اثنا میں سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَا بَقِيَ مِنْ دُنْيَاكُمْ فِيْمَا مَضٰى اِلَّا مِثْلَ مَا بَقِيَ مِنْ هٰذَا الْيَوْمِ فِيْ مَا مَضٰى (1)۔ یعنی دنیا کی مقررہ مدت میں سے اب اسی قدر وقت باقی ہے جتنا اس دن سے سورج غروب ہونے میں باقی ہے۔ یعنی کافی زمانہ گزر گیا۔ اب وقوعِ قیامت میں تھوڑی مدت باقی رہ گئی ہے۔ حضرت سہل ابنِ سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ هٰكَذَا يُشِيْرُ بِاِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى (2)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں سبابہ اور وسطی سے اشارہ کیا اور فرمایا میری بعثت اور قیامت یوں ملی ہوئی ہیں۔ اس آیت میں بھی یہی بتا دیا کہ قیامت برپا ہونے کا اللہ تعالیٰ نے جو وقت متعین کیا ہے وہ اب قریب آگا ہے۔ زیادہ عرصہ گزر چکا، اب تھوڑا وقت باقی ہے۔

۲ تم لوگ وقوعِ قیامت کا انکار کرتے ہو۔ تمہیں بڑا اچنبھا ہوتا ہے کہ کس طرح یہ سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا؟ آسمان، پہاڑ، ستارے اتنی بڑی بڑی قوی ہیکل چیزیں کہاں جائیں گی؟ دیکھو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگر چاند دو ٹکڑے ہو سکتا ہے تو باقی تمام چیزیں خواہ کتنی ہی بڑی ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ بھی ٹوٹ پھوٹ سکتی ہیں۔

علامہ قرطبی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مشرک اکٹھے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنْ فَعَلْتُ تُؤْمِنُوْنَ۔ اگر میں ایسا کر دوں تو کیا ایمان لے آؤ گے؟ وہ بولے: ضرور۔ اس رات کو چودھویں تاریخ تھی۔ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب سے عرض کی کہ کفار نے جو مطالبہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی قوت دی جائے۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مشرکین کا نام لے لے کر فرما رہے تھے يَا فُلَانُ يَا فُلَانُ اشْهَدُوْا۔ اے فلاں! اے فلاں! اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور اس بات پر گواہ رہنا۔ تمہاری فرمائش پوری ہو گئی۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کفار نے جب اس عظیم معجزہ کو دیکھا تو ایمان لانے کے بجائے انہوں نے کہا: هٰذَا مِنْ سِحْرِ ابْنِ اَبِيْ كَبْشَةَ۔ یہ ابو کبشہ کے بیٹے کی نظر بندی کا اثر ہے۔ اس نے تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ چند دنوں تک باہر سے قافلے آنے والے ہیں ہم ان سے پوچھیں گے۔ اس جادو کی حقیقت خود بخود کھل جائے گی۔ جب وہ قافلے مکہ آئے اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا فلاں رات کو چاند کو شق ہوتے تم نے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17۔ ص 125

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب قرب الساعۃ، ج 2، ص 406

دیکھا ہے؟ سب نے اس کی تصدیق کی لیکن اس کے باوجود کفارِ مکہ کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ (1)

یہ معجزہ ہجرت سے پانچ سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ بڑے جلیل القدر صحابہ نے اسے روایت کیا ہے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ سیدنا علی مرتضی، انس، ابنِ مسعود، حذیفہ، جبیر ابن مطعم، ابنِ عمر، ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: وَ الْاَحَادِیْثُ الصَّحِیْحَةُ فِی الْاِنْشِقَاقِ کَثِیْرَةٌ۔ یعنی شق قمر کے بارے میں صحیح احادیث بکثرت ہیں یہاں تک کہ بعض نے انہیں متواتر بھی کہا ہے۔ شارح مواقف کی بھی یہی رائے ہے۔

امام تاج الدین سبکی ابن حاجب کی المختصر کی شرح میں لکھتے ہیں: اَلصَّحِیْحُ عِنْدِیْ اَنَّ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ مُتَوَاتِرٌ مَّنْصُوْصٌ عَلَیْهِ فِی الْقُرْاٰنِ مَرْوِیٌّ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَغَیْرِهِمَا مِنْ طُرُقٍ شَتّٰی بِحَیْثُ لَا یَمْتَرِیْ فِیْ تَوَاتُرِهٖ (روح المعانی) (2) علامہ سبکی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک انشقاقِ قمر متواتر ہے اور قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتبِ احادیث میں بھی اتنی سندوں سے مروی ہے کہ اس کے تواتر میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ بعض قصہ گوؤں نے اس واقعہ پر مضحکہ خیز اضافے کیے ہیں کہ چاند حضور کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا۔ علما نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ سراسر باطل ہے۔

کثیر التعداد صحیح احادیث کے باوجود بعض لوگ اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ واقعہ وقوعِ قیامت کے وقت ظہور پذیر ہوگا۔ انشق اگرچہ ماضی کا صیغہ ہے، لیکن یہاں مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور لغتِ عرب میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ ان کے انکار کی کئی وجوہات ہیں۔ وہ کہتے ہیں: اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو ساری دنیا میں اس کی دھوم مچی ہوتی۔ اس زمانہ کے مؤرخ اپنی تاریخوں میں اس کا ذکر کرتے۔ علمِ نجوم کے ماہرین اپنی تصنیفات میں اس کو بطور یادگار واقعہ نقل کرتے۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ چونکہ یہ واقعہ سرِ شام ہوا تھا اس لیے جزیرۂ عرب کے مغرب میں جو ممالک تھے وہاں اس وقت دن تھا، لہٰذا وہاں تو دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز یہ واقعہ رات کو پیش آیا اور اچانک پیش آیا۔ لوگوں کو کیا خبر تھی کہ ایسا واقعہ رو پذیر ہونے والا ہے تاکہ وہ بے تابی سے اس کا انتظار کرتے۔ رات کو دنیا سو رہی ہوگی۔ کسی کو کیا خبر کہ آن کی آن میں کیا وقوع پذیر ہو گیا۔ اگر کوئی اس وقت جاگ بھی رہا ہو تو ممکن ہے وہ کسی اور کام میں مشغول ہو اور اس نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی ہو یا توجہ کی ہو اور اس نے دیکھا بھی ہو لیکن اَن پڑھ ہو یا لکھا بھی ہو اور پھر ضائع ہو گیا ہو۔ غرضیکہ بیسیوں احتمالات ہو سکتے ہیں۔ اتنے احتمالات کی موجودگی میں ہم صحیح روایات سے ثابت شدہ واقعہ کو کس طرح غلط کہہ سکتے ہیں۔

علامہ سلیمان ندوی نے اپنی کتاب خطباتِ مدراس میں لکھا ہے کہ ابھی ابھی سنسکرت کی ایک پُرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالابار کے راجہ نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ (3)

بعض لوگ اس وجہ سے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کہ اتنا بڑا کرہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے اور وہ دونوں ٹکڑے آ کر جُڑ جائیں، یہ ناممکن ہے۔ لیکن جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اسے ناممکن کہنا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کرہ کے اندر آتش فشاں مادہ ہو اور وہ اس طرح سے پھٹے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں، لیکن مرکز کی مقناطیسی قوت اتنی طاقت ور ہو کہ وہ ان دونوں ٹکڑوں کو پھر سے یکجا کر دے۔ ہمیں ان تکلفات کی تب ضرورت پیش آتی جب خود بخود چاند کے پھٹنے کا واقعہ رُونما ہوتا۔ جب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی رسالت کی تصدیق کے لیے چاند کو دو ٹکڑے کیا تو اب کسی کو شک کی مجال نہیں رہتی

1- تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 127
2- روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 74
3- خطبات مدراس، ص 12

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣﴾

یہ بڑا زبردست جادو ہے ۳؎ اور انہوں نے جھٹلایا (رسولِ خدا کو) اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی ۴؎ اور ہر کام کے لیے ایک انجام ہے ۵؎

کیونکہ جس خالقِ حکیم نے اس چاند کو بنایا ہے وہ اسے توڑ بھی سکتا ہے اور توڑ کر جوڑ بھی سکتا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ انشقاقِ قمر وقوعِ قیامت کے وقت ہوگا، قرآن کا سیاق و سباق ان کی اس توجیہ کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً والا جملہ صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے انشقاقِ قمر دیکھا۔ اتنے عظیم الشان اور محیر العقول معجزہ کا مشاہدہ کیا۔ لیکن پھر بھی ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ یہ کلام اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ شقِ قمر ہو چکا ہو۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

۳؎ انہوں نے اس معجزہ کا خود مطالبہ کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ معجزہ انہیں دکھا دیا جائے تو وہ ضرور ایمان لائیں گے، لیکن جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تو ان کو ایمان کی توفیق نہ ہوئی۔ الٹا کہنے لگے یہ ایک بڑا زبردست جادو ہے۔

مُّسْتَمِرٌّ کے دو معنی بتائے گئے ہیں۔ قَالَ اَبُوالْعَالِيَةِ وَالضَّحَاكُ: مُحْكَمٌ قَوِيٌّ شَدِيْدٌ وَهُوَ مِنَ الْمِرَّةِ وَهِيَ الْقُوَّةُ۔ ابو العالیہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ مِرَّةٌ جس کا معنی قوت ہے، سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے مضبوط، طاقت ور۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کا جادو بڑا زور والا ہے۔ زمین پر ہی نہیں آسمانی چیزوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن قتادہ، مجاہد اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے ذَاهِبٌ مِّنْ قَوْلِهِمْ مَرَّ الشَّيْءُ وَاسْتَمَرَّ اِذَا ذَهَبَ (قرطبی) (1) اس کا معنی ہے گزر جانے والا۔ جب کوئی چیز آئے اور گزر جائے تو عرب کہتے ہیں مَرَّ الشَّيْءُ وَاسْتَمَرَّ۔

دوسری صورت میں اس جملہ کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ اپنے دوستوں کو تسلّی دینے لگے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ پلک بھر شقِ قمر ہوا پھر ٹھیک ہو گیا۔ یہ آنی فانی چیز تھی۔ لوگ اس کو جلدی بھول جائیں گے۔ ہمارے بتوں کی خدائی کو ایسے جادو سے کوئی خطرہ نہیں۔

۴؎ اس سے پتہ چلتا ہے جب تک انسان ہٹ دھرمی کی روش کو ترک نہ کر دے، اتنا بڑا معجزہ بھی اس کی ہدایت کا سبب نہیں بن سکتا۔ ہدایت ایسی چیز نہیں جو بلا طلب کسی پر ٹھونس دی جائے۔ یہ تو متاعِ عزیز ہے، صرف اسی کو بخشی جاتی ہے جو اس کے حصول کے لیے بے تاب ہو۔

جب کفار ایمان لانے کے لیے تیار ہی نہ ہوئے تو انہیں نعمتِ ایمان سے آخر کیوں سرفراز کیا جاتا۔ انہوں نے تو دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ عقل کا چراغ انہوں نے گل کر دیا تھا اور غور و تدبر کا دروازہ انہوں نے سختی سے بند کر دیا تھا۔ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب ہو جائے، یہ سنتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی اور وحی کی روشن آیات کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں لگ گئے۔

۵؎ یعنی ہر کام کا کوئی نہ کوئی انجام ہے۔ جو ایمان لائے گا اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرے گا اس کا انجام یہ ہوگا کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا تاج اس کے سر پر سجا دیا جائے گا اور جس شخص نے کفر و نافرمانی کو اختیار کیا، نفس و شیطان کا غلامِ بے دام بنا رہا اس کا انجام یہ ہوگا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ کے زمرہ میں اسے داخل کر دیا جائے گا۔ علامہ قرطبی نے اس کا معنی کیا ہے: اَيْ لِيَسْتَقِرَّ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 127

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۙ﴿۴﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا

اور پہنچ چکی ہیں ان کے پاس (پہلی قوموں کی بربادی کی) اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے ٦ (وہ خبریں) سراسر حکمت ہیں پس ڈرانے والوں

تُغْنِ النُّذُرُ ۙ﴿۵﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ﴿۶﴾

وقف لازم

نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا ٧ پس آپ رُخ انور پھیر لیں ان سے۔ ایک روز بُلائے گا (انہیں) بُلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف ٨

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ

(خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی ٩ قبروں سے یُوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں

بِكُلِّ عَامِلٍ عَمَلُهُ الْخَيْرُ مُسْتَقِرٌّ بِاَهْلِهِ فِي الْجَنَّةِ وَالشَّرُّ مُسْتَقِرٌّ بِاَهْلِهِ فِي النَّارِ (1)۔ یعنی ہر عمل اپنے عامل کو کسی خاص ٹھکانے پر پہنچادے گا۔ عمل خیر لوگوں کو جنّت میں لے جائے گا اور عمل شر دوزخ میں۔

٦ ان کو راہِ راست پر لانے کی یہ پہلی کوشش نہیں۔ گزشتہ گمراہ قوموں کے عبرت ناک انجام سے انہیں بار بار خبردار کیا گیا ہے۔ یہ واقعات اتنے اثر انگیز تھے کہ اگر ان کے کان حق نیوش ہوتے تو انہیں کسی مزید تنبیہ کی ضرورت نہ رہتی۔

مُزْدَجَرٌ: اِزْدَجَرَ سے ہے۔ اس کا معنی ہے طَرَدَهٗ صَائِحًا بِهٖ (2)۔ بلند آواز سے کسی کو کسی کام سے باز رکھنا اور جھڑکنا۔ یعنی یہ واقعات انہیں سختی سے منع کر رہے تھے کہ تم گمراہی کی یہ روش چھوڑ دو۔

٧ پہلی آیت میں جو مَا ہے اس کا یہ بدل ہے۔ یعنی وہ چیزیں ان کو باز رکھنے والی بھی تھیں اور سراپا حکمت بھی تھیں۔ بَدَلٌ مِّنْ مَّا فَاعِلِ جَاءَ اَوْ خَبَرٌ لِّمُبْتَدَاٍ مَحْذُوْفٍ اَيْ هُوَ (3)۔ یا ھو مبتدائے محذوف کی یہ خبر ہے۔

نذر: یا تو نذیر کی جمع ہے، یعنی آپ سے پہلے بھی کئی انبیاء تشریف لائے یا مصدر ہے اور اس کا معنی ڈرانا ہے۔

٨ اے حبیب! آپ ان کے ایمان نہ لانے سے غم زدہ نہ ہوں بلکہ ان سے اپنا رُخِ انور ہی پھیر لیں۔ انہیں خوب رنگ رلیاں منانے دیں۔ وہ دن آنے والا ہے جب انہیں ایک بُلانے والا ایسی چیز کی طرف بُلائے گا جو انہیں از حد ناگوار ہوگی۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: اَلدَّاعِيْ اِسْرَافِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقِفُ عَلٰى صَخْرَةِ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ يَقُوْلُ اَيَّتُهَا الْعِظَامُ النَّخِرَةُ وَالْجُلُوْدُ الْمُمَزَّقَةُ وَالْاَشْعَارُ الْمُنْقَطِعَةُ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُنَّ اَنْ تَجْمَعْنَ لِفَصْلِ الْخِطَابِ۔ (مظہری) (4) یعنی اسرافیل علیہ السلام بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہوکر کہیں گے: اے بوسیدہ ہڈیو! اے پھٹے ہوئے چمڑو! اے ٹوٹے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اکٹھے ہوجاؤ اور فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوجاؤ۔ نُكُرٌ: فَظِيْعٌ: خوفناک یعنی قیامت کا دن۔

٩ لفظِ خُشَّعٌ کی تحقیق کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں: خَشَعَ وَاخْتَشَعَ وَتَخَشَّعَ: رَمٰى بِبَصَرِهٖ نَحْوَ الْاَرْضِ وَغَضَّهٗ وَخَفَضَ صَوْتَهٗ: (5) نگاہ زمین میں گاڑ لینا، آنکھیں بند کرلینا اور آواز کا آہستہ ہوجانا۔ خُشَّعًا جمع ہے۔ اس کا واحد خَاشِعٌ ہے۔ يَخْرُجُوْنَ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 128

2۔ المنجد، ص 294

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 136

4۔ ایضاً

5۔ لسان العرب، ج 8، ص 71

مُّنْتَشِرٌ ۙ (٧) مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ (٨)

ہیں۔ ڈرتے ڈرتے بھاگے جارہے ہوں گے بُلانے والے کی طرف ١٠؎ کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے ١١؎

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ (٩)

جھٹلایا ان سے پہلے قومِ نوح نے یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا یہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا بھی گیا ١٢؎

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (١٠) فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ

آخر کار آپ نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آگیا ہوں پس تو ان سے) بدلہ لے ١٣؎ پھر ہم نے کھول دیے آسمان کے دروازے موسلادھار بارش

میں ھُمْ ضمیر کا حال ہے، اس لیے منصوب ہے۔

١٠؎ ابنِ منظور لکھتے ہیں: هَطَعَ وَاَهْطَعَ: اَقْبَلَ مُسْرِعًا خَائِفًا لَّايَكُوْنُ اِلَّا مَعَ خَوْفٍ (لسان العرب)(1) یعنی ڈرتے ہوئے تیزی سے کسی کی طرف جانا۔ ھطع اس تیزی کو کہتے ہیں جس میں خوف بھی پایا جاتا ہو۔ مقصد یہ ہے کہ جب بلانے والا انہیں بلائے گا تو ان کی مجال نہیں ہوگی کہ اس پکار پر سُستی برتیں بلکہ سینوں میں دل خوف سے دھڑک رہے ہوں گے، پھر بھی کشاں کشاں دوڑے چلے جارہے ہوں گے۔ ان آیات میں ان کے قبروں سے نکلنے اور وہاں سے بھاگنے کی منظر کشی کی جارہی ہے۔ یعنی جب وہ قبروں سے باہر نکلیں گے تو شرم سے آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ترساں ولرزاں بھاگتے ہوئے بُلانے والے کی طرف جارہے ہوں گے۔ یوں معلوم ہوگا جیسے مکڑیوں کا ایک بہت بڑا لشکر ایک متعین سمت میں اُڑا چلا جارہا ہے۔

١١؎ اس وقت کافر کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا خوفناک اور ہولناک ہے۔ عَسِرٌ: اَیْ يَوْمٌ شَدِيْدُ الْهَوْلِ عَبُوْسٌ قَمْطَرِيْرٌ (2)۔ لیکن اس روز قیامت کے دن کے بارے میں ان کا یہ کہنا بے سود ہوگا۔ اے کفارِ مکہ! وہ سخت دن آئے گا اور ضرور آئے گا۔ اس دن سر پیٹنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ آج ہی چشمِ ہوش وا کرو۔ آج ہی میرے رسول کا دامن پکڑ لو۔

١٢؎ یہاں سے چند گزشتہ قوموں کے عبرت ناک انجام کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ ان کے مفصّل حالات مختلف مقامات پر پہلے گزر چکے ہیں۔ تفصیلات کے لیے ادھر رجوع کیا جائے۔ یہاں فقط مشکل کلمات کی تشریح یا کوئی نئی چیز مذکور ہوئی ہے تو اس کی وضاحت پر اکتفا کیا جائے گا۔ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی قوم کو کفر وشرک اور بدکاریوں سے روکا تو ان کم بختوں نے صرف ان کو جھٹلایا ہی نہیں، صرف انہیں دیوانہ ہی نہیں کہا، بلکہ ان کو بُری طرح جھڑکتے اور دھمکیاں بھی دیتے تھے کہ اگر تم نے اپنے وعظوں کا سلسلہ بند نہ کیا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ اُزْدُجِرَ: اَيِ انْتَهَرُوْهُ وَزَجَرُوْهُ وَتَوَاعَدُوْهُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يَا نُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (3)۔ انہوں نے انہیں سختی سے جھڑکا اور دھمکی دی کہ اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں رجم کر دیا جائے گا۔

١٣؎ نو سو سال سے زیادہ عرصہ آپ ان کو وعظ ونصیحت کرتے رہے، لیکن ان کی حالت اور بگڑتی گئی اور ان کی سرشتِ بد اور زیادہ

1۔ لسان العرب، ج 8، ص 372 2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 263 3۔ ایضاً

مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ

کے ساتھ ۱۴ اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لیے جو پہلے مقرر ہو چکا

قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً

تھا ۱۵ اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر ۱۶ وہ بہتی جا رہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے ۱۷

لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ

(یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور ہم نے باقی رکھا اس (قصہ) کو بطور نشانی پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۱۸ سو کیسا (خوفناک)

كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول

بری ہوتی گئی تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: الٰہی! میں مغلوب اور بے بس ہوں۔ تو میری مدد فرما، تو میرا انتقام لے۔

۱۴ مُنْهَمِرٌ: اَلْمُنْصَبُّ الْمُتَدَفِّقُ (1)۔ موسلا دھار، اور بڑی قوت سے پانی گرنے لگا۔ زمین کی تہہ میں جو پانی کے سمندر رواں تھے انہیں حکم ملا وہ جگہ جگہ سے چشموں کی طرح بہہ نکلے۔

۱۵ اِدھر زمین اپنے پانی کے ذخائر کو انڈیل رہی تھی، ادھر آسمان سے پانی کا سیلاب امڈا آ رہا تھا۔ دونوں پانی یکجا ہوئے تو سارا علاقہ زیر آب آ گیا۔ اونچے اونچے مکانات، بلند ٹیلے بلکہ پہاڑ بھی غرقاب ہو گئے اور اس مجرم قوم کو تباہ کرنے کا جو فیصلہ کیا گیا تھا وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

۱۶ نوح علیہ السلام نے حکمِ الٰہی کے مطابق لکڑی کے لمبے لمبے تختے چیر کر اور انہیں بڑے بڑے کیلوں اور مضبوط میخوں سے جوڑ کر جو کشتی تیار کی تھی اس میں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سوار ہو گئے۔

اَلْوَاحٌ جمع ہے لَوْحٌ کی (2): لکڑی کے تختے۔ دُسُرٌ: اس کا واحد دِسَارٌ ہے (3)۔ اس کا معنی اَلْمِسْمَارُ یعنی میخ یا کیل ہے۔

۱۷ بے شک کشتی بڑی مضبوط تھی لیکن طوفان بڑا تند اور اس میں اٹھنے والی لہریں بڑی خطرناک تھیں۔ کشتی کا ان کی زد سے بچ نکلنا آسان نہ تھا۔ فرمایا: کشتی ہماری حفاظت میں چل رہی تھی۔ ہم خود اس کی نگہبانی فرما رہے تھے۔ اس لیے اسے کوئی خطرہ نہ تھا۔ وہ سلامتی سے ان طوفانی موجوں میں خراماں خراماں تیرتی چلی جا رہی تھی۔

۱۸ ہم نے اس طوفان کی یاد کو تازہ رکھا۔ لوگ نسلاً بعد نسلٍ ایک دوسرے کو بتاتے گئے۔ واقعہ نگاروں نے اسے اپنی کتابوں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ج 131

2۔ المنجد، ص 738

3۔ ایضاً، ص 214

مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا

کرنے والا ١٩ عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے ان

عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ لا تَنْزِعُ النَّاسَ لا

پر تند و تیز آندھی بھیجی ایک دائمی نحوست کے دن میں ٢٠ وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی لوگوں

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَ

کو گویا وہ مُنڈھ ہیں اُکھڑی ہوئی کھجور کے۔ پس کیسا (سخت) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔

میں تحریر کیا تا کہ آنے والے لوگ اس کو سن کر نصیحت قبول کریں۔ تَرَكْنٰهَا کی ضمیر واقعہ کی طرف ہے۔ یُرِیْدُ هٰذِهِ الْفِعْلَةَ عِبْرَةً۔ (قرطبی)(1) بعض علما نے اس ضمیر کا مرجع کشتی کو بتایا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں: اَبْقَاهَا اللّٰهُ بِبَاقِرْدٰی مِنْ اَرْضِ الْجَزِیْرَةِ عِبْرَةً وَّاٰیَةً(2)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے باقی رکھا اور وہ سرزمین جزیرہ کے بَاقِرْ دَیٰ گاؤں میں ہزاروں سال پڑی رہی یہاں تک کہ جب مسلمانوں نے اس علاقہ کو فتح کیا اس وقت بھی اس کے آثار باقی تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

١٩ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن ایک آسان سی کتاب ہے۔ ہر کہ ومہ اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ قرآن آسان ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نصیحت قبول کرنے اور ہدایت پانے کے لیے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتا ہے ہم اس کے لیے اس کتابِ مقدس کو آسان کر دیتے ہیں۔ اس کی فہم کو نورِ فراست سے روشن کر دیتے ہیں۔ اس کے ذہن کو جلا اور اس کے فکر کو بالغ نظری بخش دیتے ہیں۔ عروسِ معنی، الفاظ کا نقاب خود اٹھا دیتی ہے۔ لیکن جو ہدایت پذیری کے لیے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اس کو صحیح سمجھ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ وہ سر پٹخ پٹخ کر رہ جاتا ہے اور قرآن کے الفاظ اس سے گفتگو ہی نہیں کرتے۔ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ سمجھانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ مجرم کو اس کے جرم کی سزا دی جائے۔ قاتل کو تختہء دار پر لٹکا دیا جائے۔ اس وقت وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس نے بُرا کام کیا تھا۔ اسی کی سزا میں آج اس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا جا رہا ہے۔ سمجھ تو انسان اس طرح جاتا ہے اور خوب سمجھ جاتا ہے لیکن سمجھنے اور سمجھانے کا یہ انداز بڑا سخت اور تلخ ہے اور سمجھنے والے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ سمجھانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے جو قرآن نے اختیار کیا ہے۔ وہ لوگ جو گمراہ ہیں اور نافرمانیوں میں اپنی عمر برباد کر رہے ہیں، ان کے سامنے بڑے مؤثر پیرائے میں اس فعل بد پر مرتب ہونے والے المناک نتائج سے اس گم کردہ راہ کو قبل از وقت آگاہ کر دیا جائے اور اس کے سامنے ایسے واقعات کے ڈھیر لگا دیے جائیں جن سے اسے یقین ہو جائے کہ اگر وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہ آیا تو اس کا بھی یہی حال ہوگا۔ ہر شخص خود فیصلہ کر لے کہ قرآن کا اندازِ افہام و تفہیم آسان ہے یا عذاب کے شکنجہ میں جکڑے جانے کے بعد کسی کی آنکھ کھل جائے تو یہ آسان ہے؟

٢٠ قومِ عاد نے اپنے نبی کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ آخر کار ان پر تیز جھکڑ کا عذاب بھیجا گیا۔ ہوا کے بے رحم جھونکے انہیں اٹھاتے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 133

2۔ ایضاً

ع ۱ ۲۲ ۸

لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾

بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ

پھر وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے (اور) اکیلا ہے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کیا اتاری گئی

الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ

ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ کیونکر ممکن ہے) بلکہ وہ بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے۔ کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا

الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ

جھوٹا، شیخی باز ہے۔ ہم بھیج رہے ہیں ایک اونٹنی ان کی آزمائش کے لیے پس (اے صالح!) ان کے انجام کا انتظار کرو

وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾

اور صبر کرو۔ اور انہیں آگاہ کر دیجیے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان۔ سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں ۲۱

اور اٹھا کر انہیں زمین پر پٹخ دیتے۔ ان کے لمبے تڑنگے بھاری بھرکم لاشے دیکھ کر یوں لگتا کہ یہ کسی کھجور کے مُڈھ ہیں جنہیں کسی تیز آندھی نے جڑ سے اکھاڑا ہے اور زمین پر دے مارا ہے۔

فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ: علامہ سید محمود آلوسی نے یہاں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ بہت سی ایسی روایات اور اقوال نقل کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں دن مبارک ہے اور فلاں دن منحوس۔ فلاں دن یہ کام کرنا چاہیے اور فلاں دن یہ کام۔ آخر میں فرماتے ہیں اس قسم کی تمام روایات صحیح سند سے ثابت نہیں، بلکہ بعض تو بالکل ساقط الاعتبار اور موضوع ہیں۔ ان کا آخری جملہ نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ وَقُصَارٰى مَا اَقُوْلُ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ لَادَخْلَ فِيْ ذٰلِكَ لِوَقْتٍ وَّلَا لِغَيْرِهٖ۔ یعنی المختصر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ وقت کو یا کسی اور چیز کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ پھر فرماتے ہیں: نَعَمْ لِبَعْضِ الْاَوْقَاتِ شَرَفٌ لَّايُنْكَرُ كَيَوْمِ الْجُمُعَةِ وَشَهْرِ رَمَضَانَ وَغَيْرِ ذٰلِكَ (روح المعانی) (1)

ہاں بعض اوقات برکت اور شرف والے ہوتے ہیں جیسے جمعہ کا دن یا رمضان کا مہینہ۔

۲۱ یہاں سے قوم ثمود کی بد باطنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب صالح علیہ السلام نے انہیں آکر توحید کی دعوت دی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے: اگر ہم اس کی بات کو مان لیں، پھر تو ہم راہِ راست سے بھٹک جائیں گے اور اردگرد کے قبائل ہمیں دیوانہ اور احمق کہیں گے۔ ایک تو یہ ہماری طرح بشر ہے، پھر ہماری قوم کا ایک فرد ہے اور اس کے ساتھ کوئی جتھہ بھی نہیں۔ ایسے شخص کو نبی مان لینا

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 87

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾

پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں پھر (معلوم ہے) کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾

ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ پھر وہ اس طرح ہو کر رہ گئے جیسے روندی ہوئی خاردار باڑھ۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ

بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا

بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾

پیغمبروں کو۔ ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے۔ ہم نے ان کو بچا لیا سحری کے وقت۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ

یہ (خاص) مہربانی تھی ہماری طرف سے۔ اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے۔ اور بے شک ڈرایا تھا انہیں لوط (علیہ السلام) نے ہماری پکڑ

بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ

سے پس جھگڑنے لگے ان کے ڈرانے کے بارے میں ۲۲؎ اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو

پرلے درجہ کی گمراہی اور نادانی ہے۔ سُعُر کا معنی جنون ہے (لسان العرب) (1) ان گستاخوں نے آپ پر ایمان لانے سے ہی انکار نہیں کیا بلکہ بدزبانی کی حد کر دی۔ کہنے لگے: یہ کذّاب اشر ہے۔ کَذَّابٌ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے بڑا جھوٹا، پرلے درجہ کا جھوٹا۔ اَشِرٌ: بَطِرٌ: وہ شخص جو ایسے کمال کا دعویٰ کرے جو اس میں نہ پایا جائے۔ جو بغیر استحقاق کے بڑا بننے کی کوشش کرے۔

شِرْبٌ: پانی کی باری۔ فَتَعَاطٰی: تَنَاوَلَ۔ کسی کام کو کرنا۔ عَقَرَ: کونچیں کاٹ ڈالنا۔ اَلْمُحْتَظِرُ: ریوڑ کے لیے خاردار ڈھنگروں سے جو باڑہ بنایا جاتا ہے اسے عربی میں حَظِیْرَۃٌ کہتے ہیں اور باڑہ بنانے والے کو اَلْمُحْتَظِرُ کہتے ہیں (2)۔ ریوڑ کے بار بار گزرنے سے جب ڈھنگر بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں تو ان چورہ شدہ ڈھنگروں کو ھَشِیْمٌ کہتے ہیں۔ ھَشِیْمُ الْمُحْتَظِرِ فرما کر یہ بتا دیا کہ جب خوفناک کڑک ہوئی اور وہ بے سدھ ہو کر زمین پر گر پڑے تو ان کی یہ ہی حالت تھی جیسے کسی باڑھ کے چورا چورا ہونے والے ڈھنگر ہوں۔

سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں یہ واقعہ بالتفصیل گزر چکا ہے۔ ضیاء القرآن جلد دوم ملاحظہ فرمائیے۔

۲۲؎ تَمَارَوْا: جھگڑا کرنا اور شک کرنا۔ دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ رَاوَدُوْا: بہلانا پھسلانا۔ فَطَمَسْنَا: طَمَسَ کہتے ہیں

1۔ لسان العرب، ج 4، ص 366 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 42-141

أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ

لو اب چکھو اے بے حیاؤ! میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ ۔ پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب

مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

نازل ہوا۔ لو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ ۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے

فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا ع ۲ ۱۸ ۹

پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا ۔ اور آئے آلِ فرعون کے پاس ڈرانے والے ۲۳ انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری آیتوں کو

فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم

پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا جیسے کوئی زبردست قوت والا پکڑتا ہے ۔ کیا تمہاری قوم کے کفار بہتر ہیں ان سے یا تمہارے لیے

بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ

معافی لکھ دی گئی ہے آسمانی نوشتوں میں ۔ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی ۔ عنقریب پسپا ہو گی

الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ

یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے ۲۴ بلکہ ان کے وعدہ کا وقت (روزِ) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک

کسی چیز کا نام ونشان مٹا دینا۔ جب ان کی قوم کو پتہ چلا کہ چند خوش شکل نوجوان لوط علیہ السلام کے پاس آئے ہیں تو دندناتے ہوئے آدھمکے۔ پہلے محبت و پیار سے ان کو قابو کرنا چاہا کہ وہ ان نوجوانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ بعد میں ہاتھا پائی پر اُتر آئے تو ان کی آنکھوں کو سلب کر لیا گیا۔ یا جبریل علیہ السلام نے پر مارا اور ان کی آنکھوں کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ سارا چہرہ سپاٹ ہو گیا گویا یہاں کبھی کوئی آنکھ تھی ہی نہیں۔ لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا تفصیلی تذکرہ ضیاء القرآن جلد اول اور دوم میں ملاحظہ فرمائیے۔

۲۳ یہی حال فرعون اور اس کی قوم کا بھی ہوا۔

۲۴ اے اہلِ عرب! تم سے پہلے جن قوموں نے انبیاء کی تکذیب کی، ان کے ساتھ گستاخانہ سلوک کیا ان قوموں کو جس انجام بد سے دوچار ہونا پڑا وہ تم سن چکے ہو۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسے آثار نظر نہیں آ رہے کہ تم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو رہے ہو۔ کیا تم اس گھمنڈ میں ہو کہ تم کچھ بھی کرتے رہو تم سے باز پرس نہیں ہو گی؟ تمہاری اس خام خیالی کی آخر کیا وجہ ہے؟ کیا تمہارے کافر پہلے کافروں سے بہتر ہیں؟ کہ ان کا لحاظ کیا جائے گا یا تم نے کسی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، عرب

وَّ اَمَرُّ ﴿٤٦﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي

اور تلخ ہے۔ بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا

النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ

آگ میں منہ کے بل (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک

بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ

اندازے سے۔ اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے ٢٥ اور بے شک ہم نے ہلاک کر دیا

اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَ

جو (کفر میں) تمہارے ہم مشرب تھے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامۂ اعمال میں درج ہے۔ اور

کے کفار کچھ بھی کرتے رہیں ہم انہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے؟ یا تم اس زعم میں ہو کہ تم بڑے جنگجو اور بہادر ہو، تمہاری جمعیت اور نفری بہت زیادہ ہے، پہلی قومیں بزدل اور کمزور تھیں اس لیے خدا کے عذاب نے انہیں آ کر دبوچ لیا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب کچھ گزند نہیں پہنچا سکتا؟ یہ تینوں باتیں سراسر غلط ہیں۔ عنقریب جب اسلام کے شیروں سے تمہارا مقابلہ ہوگا تمہارے لشکر کو بڑی عبرت ناک شکست ہوگی اور تم وہاں سے دُم دبا کر بھاگ نکلو گے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں سمجھ نہ سکا کہ وہ کونسا لشکر ہے جو پسپا ہو کر بھاگے گا لیکن جب روزِ بدر مَیں نے حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کو زرہ زیب تن فرمائے ہوئے دیکھا اور اپنے رب سے یہ التجا کرتے سنا: اَللّٰهُمَّ اِنَّ قُرَيْشًا جَاءَتْكَ تُحَادُّكَ وَتُحَادُّ رَسُوْلَكَ بِفَخْرِهَا وَخُيَلَائِهَا فَاَفْنِهِمُ الْغَدَاةَ ثُمَّ قَالَ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ فَعَرَفْتُ تَاْوِيْلَهَا۔ یا اللہ! یہ قریش ہیں۔ تجھ سے اور تیرے رسول سے مقابلہ کرنے کے لیے بڑے فخر و غرور سے آئے ہیں۔ الٰہی! کل انہیں ہلاک کر دے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ اس وقت مجھے اس آیت کا مصداق معلوم ہوا۔ (قرطبی)(1)

٢٥ ہم ایک بار ہی حکم دیں گے اور چشم زدن میں اس کی تعمیل ہو جائے گی۔ لمح کہتے ہیں تیزی سے دیکھنا۔ اَلنَّظْرُ بِالْعَجَلَةِ۔ اَشْيَاعَكُمْ: قرطبی لکھتے ہیں: اَشْبَاهَكُمْ فِي الْكُفْرِ مِنَ الْاُمَمِ الْخَالِيَةِ۔ یعنی گزری ہوئی امتوں میں سے جو عقیدہ اور عمل میں تمہاری مثل تھے۔ مُسْتَطَرٌ: مَكْتُوْبٌ (2)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 146

2۔ ایضاً، جز 17، ص 149

وَ كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۞۵۳ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ۞۵۴

ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔ بے شک پرہیز گار باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے ۲۶

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۞۵۵

ع ۳ ۱۵ ۱۰

بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے ۲۷

۲۶ آخر میں اپنے مقبول بندوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ وہ جنتوں میں ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہورہے ہونگے۔ میٹھے پانی، شرابِ طہور، صاف مصفّٰی شہد اور تازہ دودھ کی نہریں بہہ رہی ہونگی۔ اواخرِ آیات کی رعایت کرتے ہوئے لفظ واحد ذکر کیا ہے، لیکن مُراد انہار ہے۔

۲۷ مَقْعَد: بیٹھنے کی جگہ (1)۔ صِدْقٍ: مَرْضِيٌّ یعنی پسندیدہ۔ یہاں موصوف صفت کی طرف مضاف ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَدَحَ الْمَكَانَ بِالصِّدْقِ فَلَا يَقْعُدُ فِيْهِ اِلَّا اَهْلُ الصِّدْقِ (2)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو صفتِ صدق سے موصوف فرمایا ہے اس لئے وہاں اہلِ صدق ہی کو بیٹھنے کی جگہ ملے گی۔ اس نشست گاہ کو مقعد صدق اس لیے فرمایا گیا ہے۔ وَهُوَ الْمَقْعَدُ الَّذِيْ يَصْدُقُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَوَاعِيْدَ اَوْلِيَاۗءِهٖ بِاَنَّهٗ يُبِيْحُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمُ النَّظْرَ اِلٰى وَجْهِهِ الْكَرِيْمِ۔ (روح المعانی) (3) کہ یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے ساتھ جو وعدے فرمائے ہیں وہ پورے فرمائے گا۔ اس وقت ان عاشقانِ دلفگار کو اذنِ عام ہوگا کہ اے آتشِ عشق میں جلنے والو! اے شوق دیدار میں ماہئ بے آب کی طرح عمر بھر تڑپنے والو! محبوبِ ازلی اپنے رُخِ زیبا سے پَردہ اُٹھا رہا ہے آنکھیں اٹھاؤ اور سیر ہوکر شاہد رعنا کا دیدار کرلو۔

علامہ قرطبی خالد بن معدان سے نقل کرتے ہیں: ہمیں یہ خبر پہنچی کہ قیامت کے روز دو فرشتے مومنین کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے: يَا اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ انْطَلِقُوْا: اے اللہ کے دوستو! تشریف لے چلیے۔ وہ پوچھیں گے: کدھر؟ فرشتے کہیں گے: جنت کی طرف۔ اہل ایمان جواب دیں گے: اِنَّكُمْ تَذْهَبُوْنَ بِنَا اِلٰى غَيْرِ بُغْيَتِنَا، اے ملائکہ! تم ہمیں ادھر تو نہیں لے جارہے ہو جو ہماری آرزو و تمنا تھی۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہاری آرزو کیا تھی؟ فَيَقُوْلُوْنَ مَقْعَدُ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ہم تو قدرت والے بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد میں گیا۔ کچھ وقت گزرا تو مجھے خیال آیا کہ صبح ہوگئی ہے لیکن پتہ چلا کہ ابھی رات ہے۔ وہاں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ چنانچہ میں پھر سو گیا۔ میں نے اپنے پیچھے کوئی حرکت سنی۔ میں گھبرا گیا۔ میں نے سنا کوئی کہہ رہا ہے: اَيُّهَا الْمُمْتَلِئُ قَلْبُهٗ فَرَقًا لَّا تُفَرَّقْ وَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنَّكَ مَلِيْكٌ مُّقْتَدِرٌ مَّا تَشَاۗءُ مِنْ اَمْرٍ يَّكُوْنُ ثُمَّ سَلْ مَا بَدَا لَكَ۔ قَالَ فَمَا سَاَلْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى شَيْئًا اِلَّا اسْتَجَابَ لِيْ۔ یعنی اے شخص! جس کا دل خوف سے بھر گیا ہے مت گھبرا بلکہ پہلے یہ کہہ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ مَلِيْكٌ مُّقْتَدِرٌ مَّا تَشَاۗءُ مِنْ اَمْرٍ يَّكُوْنُ۔ اے اللہ! تو بادشاہ ہے، بڑی قدرت والا ہے۔ جو کام تو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ یہ کہنے کے بعد جو تیرے جی میں آئے وہ مانگ۔ سعید کہتے ہیں جو بھی میں اپنے رب سے مانگتا ہوں وہ مجھے عطا فرماتا ہے۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: اَنَا اَقُوْلُ (میں کہتا ہوں) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ناچیز بندہ بھی عرض کرتا ہے: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ مَلِيْكٌ مُّقْتَدِرٌ مَّا تَشَاۗءُ مِنْ اَمْرٍ يَّكُوْنُ فَاسْعِدْنِيْ فِي الدَّارَيْنِ وَكُنْ لِّيْ وَلَا تَكُنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ وَاَغْنِنِيْ مِنْ هَمِّ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاۗءِ وَصَلِّ اللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

1۔ المنجد، ص 634

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 150

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 96

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 150

5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 96

تعارف سُورۃ الرَّحمٰن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس مبارک سورت کا پہلا کلمہ الرحمٰن ہے۔ یہی اس کا نام ہے۔ نیز اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت کی تجلّیاں ہرسُو جلوہ طراز ہیں۔ اس لیے اس سورت کے مضامین سے یہ نام بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ سے اس کا نام ''عروس القرآن'' بھی مروی ہے۔(1)

اس میں تین رکوع، چھہتر یا اٹھہتر آیتیں، تین سو اکیاون کلمے، ایک ہزار چھ سو چھتیس حروف ہیں۔

نزول: اگرچہ چند حضرات نے اسے مدنی سورتوں میں شمار کیا ہے، لیکن اکثر عُلمائے تفسیر کی یہی رائے ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا(2)۔ اس کے مضامین بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ روایاتِ صحیحہ میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔ علامہ قرطبی اس سورت کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت عروہ ابن زبیر سے مروی ہے کہ ایک روز صحابہ کہنے لگے کہ قریش نے آج تک قرآن کو سُنا نہیں۔ بغیر سنے اس کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ہمت کر کے اور بلند آواز سے ان کو قرآن حکیم سُنائے تو کتنا اچھا ہو! حضرت ابنِ مسعود نے کہا: یہ سعادت مَیں حاصل کروں گا۔ صحابہ نے کہا: تمہارا سنانا مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں کمزور اور ضعیف سمجھ کر زدوکوب کریں۔ کسی ایسے آدمی کو یہ فریضہ انجام دینا چاہیے جس کا قبیلہ زور آور ہوتا کہ اس کے خوف سے کوئی کافر اس پر دست درازی نہ کر سکے۔ لیکن ابن مسعود نے ان کی ایک نہ سُنی۔ اٹھے، مقامِ ابراہیم کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی سُریلی آواز سے بلند آواز میں سورۃ الرحمٰن کی تلاوت شروع کر دی۔ قریش جو اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے، پہلے تو انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ بعد میں جب انہیں پتہ چلا کہ یہ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کے قریب آ کر انہیں مارنا شروع کیا۔ بڑی بیدردی سے انہیں پیٹا، یہاں تک کہ اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا''۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔(3)

نخلہ کے مقام پر جب جنات کا ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرا تو اس وقت حضور ﷺ نمازِ صبح میں اسی سورت کی تلاوت کر رہے تھے(4)، اور یہ واقعہ بھی ہجرت سے پہلے مکی زندگی کا ہے۔ ان روایات صحیحہ کے بعد اس کے نزول کے بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

1-تفسیر قرطبی، جز17، ص151 2-ایضاً 3-ایضاً 4-ایضاً

مضامین: اسمائے حُسنیٰ میں سے الرحمٰن کے ساتھ اس سورت کا آغاز ہو رہا ہے۔ الرحمٰن رحمت ولطف کی اُن وسعتوں اور بلندیوں کو شامل ہے جن کا تصور کرنا بھی ہمارے حیطہء امکان سے باہر ہے۔ انسان کو اس نے پیدا فرمایا۔ اس میں ایسی صلاحیتیں ودیعت کیں اور ایسی استعدادوں کی تخم ریزی کی جن میں سے بعض کا تعلق اُس کی روحانی بالیدگی اور ارتقاء سے ہے اور بعض کا تعلق اس کی مادی زندگی کی نشوونما سے ہے۔

پہلے اُس نعمت کو بیان کیا جس کا تعلق اُس کے قلب وروح سے ہے۔ یعنی قرآن کریم کا علم اور اس کے اظہار و بیان کی قوت۔ اس کے بعد آسمانی اور زمینی اُن نعمتوں کا ذکر کیا جو انسان کی غذا اور اُس کی صحت کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس کے ضمن میں چند احکامات بھی ارشاد فرمائے۔ ساتھ ساتھ اپنی شانِ کبریائی کا بھی تذکرہ کر دیا۔

نوعِ انسانی کے ساتھ ایک دوسری نوع کا ذکر بھی یہاں خصوصیت سے کیا گیا ہے جسے جنّ کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کے مادۂ تخلیق میں جو فرق ہے وہ بھی بتا دیا اور فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے بار بار تکرار سے اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا کہ قرآن کے مخاطب صرف انسان ہی نہیں بلکہ جنّات بھی ہیں۔ اور جب وہ قرآن کے احکام پر عمل کرنے کے مکلّف ہیں تو واضح ہو گیا کہ وہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمّتی ہیں اور حضور جن وانس دونوں کے نبی ہیں۔

دوسرے رکوع میں جن وانس میں سے جو سرکش افراد ہیں اُن کے انجام کے بارے میں بڑی وضاحت سے بتا دیا اور آخری رکوع میں بڑے رُوح پرور انداز سے اُن انعامات اور احسانات کا تذکرہ کر دیا جو مولائے کریم جن وانس میں سے اپنے نیک اور فرماں بردار بندوں پر فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نافرمانی سے بچائے اور اپنے ہر قسم کے عذاب سے پناہ دے، اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کی توفیق مرحمت فرماوے اور محبت کی دولت سے مالا مال کرے، اور اپنے ان سعادت مند بندوں میں شامل کرے جن پر وہ راضی ہے۔ اَللّٰهُمَّ نَسْئَلُكَ وَاَنْتَ اَكْرَمُ الْمَسْئُوْلِيْنَ بِجَاهِ حَبِيْبِكَ رَحْمَةِ لِّلْعَالَمِيْنَ۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۳۰-۴-۷۷

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ رحمان مدنی ہے اس کی اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۷۸ آیات اور ۳ رکوع ہیں

اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④

رحمٰن نے ۱؎ (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن ۲؎ پیدا فرمایا انسان (کامل) کو ۳؎ (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔

۱؎ اس سورۂ مبارکہ میں ان تمام روحانی اور جسمانی، دنیوی اور اخروی نعمتوں کا ذکر تفصیل سے ہو رہا ہے جن سے جن و انس کو ابتدائے آفرینش سے سرفراز فرمایا گیا، سرفراز فرمایا جا رہا ہے یا عالم آخرت میں سرفراز فرمایا جائے گا۔ اس لیے اس کی ابتدا الرحمٰن سے ہوئی جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ از حد مہربان، بہت ہی رحمت فرمانے والا۔ جس کا دسترخوانِ جود و کرم اتنا کشادہ ہے کہ مومن و کافر، مطیع و عاصی، اپنے اور بیگانے کسی نہ کسی صورت میں اس سے مستفید ہو رہے ہیں اور جس کا دامنِ رحمت اتنا وسیع ہے کہ فقط یہ دنیائے فانی ہی نہیں بلکہ از ازل تا ابد سب اس کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔

حضرت امام غزالی الرحمٰن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلرَّحْمٰنُ: هُوَ الْعَطُوْفُ عَلَى الْعِبَادِ بِالْاِيْجَادِ اَوَّلًا وَّ بِالْهِدَايَةِ اِلَى الْاِيْمَانِ وَ اَسْبَابِ السَّعَادَةِ ثَانِيًا وَّ الْاِسْعَادِ بِالْاٰخِرَةِ ثَالِثًا وَّ الْاِنْعَامِ بِالنَّظْرِ اِلٰى وَجْهِهِ الْكَرِيْمِ رَابِعًا۔ (1)

یعنی الرحمٰن اپنے بندوں پر از حد لطف و عنایت فرمانے والا۔ اس کا پہلا احسان تو یہ ہے کہ پیدا فرمایا۔ دوسرا لطف یہ ہے کہ پیدا کرنے کے بعد وادیٔ ضلالت میں آوارہ بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دیا بلکہ حق کی طرف رہنمائی فرمائی اور اسبابِ سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔ تیسری ذرہ نوازی یہ کرے گا کہ یوم حشر ان کی مغفرت فرمائے گا اور غایت رحمت کا ظہور اس وقت ہوگا جب عاشقانِ زار کو، محبانِ دلفگار کو، مشتاقانِ دیدار کو شرفِ دیدار سے مشرف فرمائے گا۔

نیز یہ کفار کے ایک سوال کا جواب بھی ہے۔ انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں الرحمٰن سنا تو کہنے لگے کہ الرحمٰن کون ہے؟ ہم تو اس کو نہیں جانتے۔ بتا دیا کہ الرحمٰن وہ ہے جس کی شانِ رفیع تم اس سورۂ مبارکہ میں سنو گے۔

۲؎ اپنے بے شمار انعامات میں سے سب سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا۔ کیونکہ یہی وہ آفتاب ہے کہ جب مطلع حیات پر طلوع ہوتا ہے تو زندگی کی شبِ دیجور صبح سعادت سے آشنا ہوتی ہے۔ انسان جب اس کی ہدایات کو خضرِ راہ بناتا ہے تو شرفِ انسانی کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی وہ صحیفۂ رشد و ہدایت ہے کہ بھٹکے ہوئے انسان کا رشتہ اپنے خالق کریم سے جوڑ دیتا ہے۔

عَلَّمَ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ یعنی کس کو سکھایا اور کیا سکھایا؟ یہاں دوسرا مفعول تو ذکر کر دیا کہ قرآن کی تعلیم دی لیکن پہلا مفعول کہ کس کو تعلیم دی؟ مذکور نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مفعول اتنا عیاں ہے کہ عدمِ ذکر کے باوجود کسی کو اس کے

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 288

بارے میں تردّد نہیں ہو سکتا اور وہ ہے ذاتِ پاک محمد مصطفیٰ، حبیب کبریا علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا علومِ قرآنیہ سے جتنا کچھ حصہ کسی کو ملا ہے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ملا ہے۔

ذرا غور فرمایئے! متعلّم محمد ابن عبداللہ رُوْحِیْ وَقَلْبِیْ فِدَاہُ ہے اور معلّم خود خالق ارض وسما ہے۔ شاگرد مکہ کا اُمّی ہے اور استاد عالم الغیب والشہادۃ ہے اور پڑھایا کیا جارہا ہے؟ قرآن ۔۔۔۔ کون سا قرآن؟ جو سراپا رحمت ہے، جو مجسّم ہدایت ہے، جو نورٌ علی نور ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جس کا ذکر اس کتاب مبین میں موجود نہ ہو) اس تعلیم سے جو بحر بے پیدا کنار اس صدرِ منشرح میں موجزن ہوا اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ خلیفۃ اللہ فی الارض آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اور خلیفۃ اللہ فی العالم کے بارے میں فرمایا: علم القرآن ۔۔۔۔۔

ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

۳ اس سے نعمت ایجاد کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہاں انسان سے مراد نوعِ انسانی ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول بھی منقول ہے کہ الانسان سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَيْضًا وَّابْنِ كَيْسَانَ الْاِنْسَانُ هٰهُنَا يُرَادُ بِهٖ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (قرطبی)(1)

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: جَازَ اَنْ يُّقَالَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ يَعْنِيْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِي الْقُرْاٰنَ فِيْهِ بَيَانُ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ مِنَ الْاَزَلِ اِلَى الْاَبَدِ(2)۔ یعنی یہ درست ہے کہ یہاں انسان سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں اور عَلَّمَهُ الْبَيَانَ سے قرآن مراد ہو جس میں ماکان ومایکون ''جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو رہا ہے ازل سے ابد تک'' کا بیان ہے۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں: فَعَلٰى هٰذَا الْجُمْلَتَانِ الْاَخِيْرَتَانِ بَيَانٌ وَّتَفْصِيْلٌ لِّلْاُوْلٰى وَلِهٰذَا لَمْ يُوْرَدِ الْعَاطِفُ بَيْنَهُمَا وَكُلُّهَا اَخْبَارٌ مُتَرَادِفَةٌ لِّلرَّحْمٰنِ(3)۔ یعنی جب الانسان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات مراد ہو اور علمہ البیان سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان کی تعلیم ہو تو یہ دونوں آیتیں پہلی آیت کی تفصیل ہوں گی۔ یعنی جس کو قرآن کا علم دیا ہے اسی انسان کی پیدائش اور اسی کو بیان سکھانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ الرحمٰن مبتدا ہے اور یہ تینوں یکے بعد دیگرے اس کی خبریں۔ علامہ خازن، علامہ بغوی اور دیگر مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی قول نقل کیا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ میں الْاِنْسَانَ سے مراد اگر نوعِ انسانی ہو اور عَلَّمَهُ الْبَيَانَ میں بھی اسی کو بیان کی تعلیم کا ذکر ہو تو بلاشبہ یہ بھی الرحمٰن کی شانِ رحمانیت کا روشن ظہور ہے۔ لیکن آپ خود بتائیں ''الانسان'' سے مراد اگر وہ باعث تخلیق کائنات، فخر آدم و بنی آدم ہو جسے خداوند کریم نے رحمۃ للعالمین کے دلنواز لقب سے مشرف فرمایا ہے اور ''عَلَّمَهُ الْبَيَانَ'' سے مراد بیان حقیقت اور اظہارِ اسرار کی وہ بے پناہ صلاحیت ہو جو شانِ نبوت کا خاصہ ہے تو شانِ رحمانیت کی ضیا باریوں کا کیا عالم ہوگا؟

یہ بھی بتا دیا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اور برگزیدہ بندے کو قرآن سکھایا اور خود ہی اسے بیان قرآن کی تعلیم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 152۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 2

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 145

3۔ ایضاً

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶ وَالسَّمَآءَ

سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں ۴ اور (آسمان کے تارے اور زمین کے) درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں ۵ اور آسمان اسی

رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝۸ وَاَقِيْمُوا

نے بلند کیا ۶ اور میزانِ (عدل) قائم کی ۷ تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو اور وزن کو

دی۔ نہ قرآن اس نے خود گھڑا ہے اور نہ اس کا بیان خود ساختہ ہے۔ قرآن بھی اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور اس کا بیان بھی اسی نے سکھایا ہے۔ اب جو شخص آیاتِ قرآنی کو وہ معانی پہناتا ہے جو سنتِ نبوی کے خلاف ہیں تو وہ صرف سنت کا انکار نہیں کر رہا بلکہ قرآن کے بیانِ خداوندی سے رُوتابی کر رہا ہے۔

۴ اس مہر و ماہ کے ذکر کے بعد جس سے عالمِ روحانیت کے در و بام جگمگا رہے ہیں، اب اس شمس و قمر کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے ہماری یہ مادی دنیا اکتسابِ نور کر رہی ہے۔ فرمایا کہ سورج اور چاند مقررہ حساب کے مطابق حرکت کر رہے ہیں۔ جو منزلیں اور بروج ان کے لیے مقرر ہیں نہ ان سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ رُوگردانی۔ اپنے مدار میں مصروف سیر ہیں۔ کیا مجال کہ سرِ مُو دائیں یا بائیں سرکیں یا لمحہ بھر کی بھی تقدیم و تاخیر ہو۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّ قَتَادَةُ اَیْ یَجْرِیَانِ بِحِسَابٍ فِیْ مَنَازِلَ لَا یَعْدُوَانِھَا وَلَا یُحِیْدَ انِھَا (1)۔ اسی نظام کی پابندی کے باعث وقت پر موسم بدلتے ہیں، وقت پر دن طلوع ہوتا ہے اور رات آتی ہے۔ ہر روز مقررہ وقت پر ان کا طلوع و غروب ہوتا ہے اسی لیے تم ماہ و سال کا حساب کر سکتے ہو۔ اگر اس نظام میں ذرا سا خلل بھی آجائے تو ساری کائنات چشم زدن میں درہم برہم ہو جائے۔ نظام شمسی میں جو باقاعدگی اور نظم و ضبط ہے کیا یہ اللہ کی شان رحمانیت کا ظہور نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔

۵ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جس کا تنا ہو اور نجم ان جڑی بوٹیوں کو کہتے ہیں جن کا تنا نہ ہو جیسے ترکاریاں، بیلیں وغیرہ۔ اَلنَّجْمُ مَالَا سَاقَ لَہٗ وَالشَّجَرُ مَالَہٗ سَاقٌ۔ (2)

سجود سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔ اَصْلُ السُّجُوْدِ فِی اللُّغَۃِ الْاِسْتِسْلَامُ وَ الْاِنْقِیَادُ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ (3)۔ یعنی فضا کے عظیم کُرے جس طرح ایک ضابطہ پر سختی سے کاربند ہیں اسی طرح ہماری زمین کے درخت اور ادنیٰ جڑی بوٹیاں بھی قانونِ الٰہی کی پابند ہیں۔ اگر النجم سے مراد ستارے لیے جائیں تو یہ بھی درست ہے۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۶ آسمان کو اللہ تعالیٰ نے ہی بلند کیا ہے۔ نہ یہ مادے میں ہیجان کے باعث خود بخود معرضِ وجود میں آیا ہے اور نہ کسی اور دیوی دیوتا نے اس کی تخلیق کی ہے۔ اس کی موجودہ ساخت میں بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت جلوہ نما ہے۔

۷ علامہ آلوسی اس جملہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَیْ شَرَعَ الْعَدْلَ وَ اَمَرَبِہٖ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی عدل کا قانون بنایا اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اسی عدل کے باعث نظامِ کائنات بایں حُسن و خوبی قائم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: بِالْعَدْلِ قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ اور یہاں عدل کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور اس میں آباد ہر چیز کو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 153 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جز 17، ص 154

الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ⑨ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ⑩ لا

ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ ۸ اور تول کو کم نہ کرو ۹ اور اس نے زمین کو پیدا کیا ہے مخلوق کے لیے ۱۰

اس طرح پیدا کیا ہے جو اس کے مناسب تھی۔ ان کی بقا اور نشو و نما کے لیے ایسے وسائل مہیا کر دیے ہیں جن کی انہیں ضرورت تھی۔ مجاہد، ابن جریر طبری اور اکثر علماء سے "وَضَعَ الْمِيزَانَ" کا یہی مفہوم منقول ہے۔ کئی علماء نے یہاں بھی میزان سے ترازو مراد لیا ہے۔ یعنی جس نے آسمان کو بلند بنایا اسی نے ترازو بھی بنایا ہے تا کہ لین دین میں عدل و انصاف ملحوظ رہے۔ (1)

۸ جب تم ایک ایسی کائنات میں رہتے ہو جہاں عدل و انصاف کی فرمانروائی ہے اور ہر اعلیٰ اور ادنیٰ چیز قانون اور ضابطہ کی پابند ہے تو اے اولادِ آدم! تم پر بھی ضروری ہے کہ اپنے قول و عمل میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو۔

علامہ راغب اصفہانی نے وزن کے لفظ کے ماتحت اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ هٰذَا اِشَارَةٌ اِلٰى مُرَاعَاتِ الْمُعْدَلَةِ فِى جَمِيْعِ مَا يَتَحَرَّاهُ الْاِنْسَانُ مِنَ الْاَفْعَالِ وَالْاَقْوَالِ (2)۔ مجاہد اور دیگر علمائے تفسیر نے اس آیت کا یہ معنی بتایا ہے کہ وزن کرو تو انصاف کے ساتھ۔ نہ دیتے وقت کم تولو اور نہ لیتے وقت زیادہ تولو۔

۹ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کاروباری دیانت کا سبق دیا ہے اور ان ہدایات پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی اس کی شانِ رحمانیت کا ایک ظہور ہے۔ جس معاشرہ میں لین دین میں دیانت داری ختم ہو جاتی ہے، بد دیانتی اور لوٹ کھسوٹ کا رواج ہو جاتا ہے وہ معاشرہ زیادہ دیر تک پھل پھول نہیں سکتا۔ وہ ایسے اخلاقی اور معاشی بحرانوں میں پھنس جاتا ہے جن سے اس کا بچ نکلنا ممکن نہیں رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہی ہے کہ اس نے ہمیں اس راہ پر قدم اٹھانے سے روک دیا جو بربادی کی راہ ہے۔

۱۰ علامہ راغب وَضَعَهَا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلْوَضْعُ هُنَا عِبَارَةٌ عَنِ الْاِيْجَادِ وَالْخَلْقِ (3)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح بنایا ہے کہ اس میں ہر جاندار آرام اور سکون سے اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ہوا، روشنی، پانی، آگ، اشیائے خوردنی، آسائش و آرام کے دیگر لوازمات یہاں فراہم کر دیے گئے ہیں تا کہ ہر چیز اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کر سکے اور طبعی مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔ اَنَامُ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلْحَيَوَانُ كُلُّهٗ۔ قَالَ الْحَسَنُ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ (4)۔ ابن عباس فرماتے ہیں ہر جاندار کو انام کہتے ہیں۔

بعض لوگ اشتراکیت کی عینک سے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور بے سمجھے اس کی آیات سے اشتراکی تعلیمات ثابت کرتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے ٹھوکر کھائی۔ انہوں نے لغت عرب کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے انام کو انسان کا مترادف قرار دیا اور کہا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین سب انسانوں کے لیے مشترک ہے اور چونکہ ہر ملک کی حکومت وہاں کے باشندوں کی نمائندہ ہوتی ہے اس لیے زمین کی ملکیت کے حقوق صرف حکومت کو حاصل ہیں۔ اس طرح یہ لوگ قرآن کی آیت پر زیادتی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں شرماتے۔ انام سے مراد انسان، حیوان، چرند پرند، مور و ملخ سب جاندار چیزیں ہیں۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 101

2۔ مفرداتِ راغب، ص 768

3۔ ایضاً، ص 774

4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 103

فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ⑪ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ

اس میں گوناگوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی ۱۱ اور اناج بھی بھوسہ والا

وَالرَّيْحَانُ ⑫ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ⑬ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

اور خوشبودار پھول ۱۲ پس اے اِنس وجاں، تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۱۳ پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی

۱۱ اَکْمَامُ جمع ہے کِمٌّ کی۔ اس سے مراد وہ غلاف ہے جو قدرتی طور پر پھلوں پر چڑھا ہوتا ہے تاکہ ان کا رس اور ان کا نرم گودا ضائع نہ ہو جائے، موسمی تغیّرات اس کو خراب نہ کر دیں، مکھیاں اور مچھر اس کو گندانہ بنا دیں (1)۔ جس مولائے کریم نے تمہاری خوراک کے قدرتی اسباب کو اتنی خوبصورتی سے "پیک" کر دیا ہے اور ان کو ہر طرح کے بیرونی مضر اثرات سے بچا رکھا ہے تاکہ جب تیرے منہ میں کھجور کا دانہ یا آم کی کوئی قاش پہنچے تو وہ بالکل پاک صاف اور تازہ ہو، کیا اس کی شانِ رحمانیّت کا تم انکار کر سکتے ہو؟

۱۲ اَلْحَبُّ: اناج کے دانے (2)۔ اَلْعَصْفُ: گندم اور جَو کے پودے کے پتے جو بھوسہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں (3)۔ اَلرَّیْحَان: طرح طرح کے خوشبودار پھول (4)۔ یعنی جو اجناس پیدا کیے ہیں ان کا کچھ حصہ تمہارے کھانے کے کام آتا ہے۔ ان کا کچھ حصہ تمہارے جانوروں کی خوراک بنتا ہے اور کہیں رنگ برنگے پھول کھلے ہیں جو تمہاری افسردہ طبیعت کو تازگی اور شگفتگی بخش رہے ہیں۔ الغرض جدھر بھی تم دیکھو اور جو چیز بھی دیکھو اس کی رحمت کے جلوے تمہیں نظر آئیں گے۔

۱۳ آلاء جمع ہے۔ اس کا واحد اَلَی وَاِلْیُ وَاِلَی ہے۔ اس کا معنی ہے اَلنِّعَمُ: نعمتیں۔ (لسان العرب) (5)

سورت کے آغاز سے لے کر یہاں تک بڑی بڑی عظیم الشان نعمتوں کو شمار کیا۔ ان میں ایسی نعمتیں بھی ہیں جن پر ہماری روحانی اور اُخروی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے۔ بعض وہ ہیں جن سے ہماری یہ دنیوی زندگی طرح طرح کی راحتوں اور آسائشوں سے بہرہ مند ہوتی ہے۔ بعض وہ ہیں جن میں ہماری مرضی اور رائے کو دخل نہیں۔ نیز عدل وانصاف کے بارے میں ایسے احکام بھی ہیں جن سے ہمیں امن وسکون میسر آسکتا ہے۔ ان نعمتوں کے ذکر کرنے کے بعد اب جنوں اور انسانوں کو کہا جارہا ہے کہ تم ہماری ان بے شمار نعمتوں میں سے کس کس کا انکار کرو گے؟

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے پوری سورۃ الرحمٰن کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا: کیا وجہ ہے کہ تم بالکل گُم صُم ہو کر بیٹھے رہے؟ تم سے تو جنوں نے بہتر جواب دیا۔ جب بھی میں یہ آیت پڑھتا (فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ) تو وہ جواب میں کہتے: وَلَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ (6)۔ اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے اور سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔

ہم پر ضروری ہے کہ جب ہم یہ سورت سنیں اور جب بھی یہ آیت پڑھی جائے تو اس کے جواب میں ہم بھی یہ کہیں۔

1۔ مفرداتِ راغب، ص 726

2۔ ایضاً، ص 214

3۔ لسان العرب، ج 9، ص 247

4۔ المنجد، ص 285

5۔ لسان العرب، ج 14، ص 43

6۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الرحمٰن، ج 2، ص 161

صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ⑭ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ⑮ فَبِاَیِّ

مٹی سے ٹھیکری کی مانند ۱۴ اور پیدا کیا جانّ کو آگ کے خالص شعلے سے ۱۵ پس (اے انس وجاں)

۱۴ یہاں انسان سے مراد بالاتفاق آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ ہی کی تخلیق بلاواسطہ صلصال سے ہوئی۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔

پہلے مٹی (تراب) لی گئی۔ پھر اس میں پانی ملا کر گارا تیار کیا گیا جسے طین کہا گیا۔ پھر وہ گارا کچھ عرصہ یونہی پڑا رہا۔ یہاں تک کہ اس میں چکناہٹ اور لیس پیدا ہوگئی۔ اسے طِيْنٍ لَّازِبٍ فرمایا گیا۔ اسی طرح کچھ عرصہ وہ گارا اور پڑا رہا تو اس میں بدبو پیدا ہوگئی اور اس کی رنگت سیاہی مائل ہوگئی۔ اسے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کہا گیا۔ پھر وہ لیس دار اور بدبودار گارا خشک ہوگیا اور وہ یوں بجنے لگا جس طرح پکا ہوا ٹھیکرا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کو بشریت کا جامہ پہنایا گیا۔ پھر اس میں اپنی خاص روح پھونکی گئی۔ اب وہ آدم تھا جس کی عظمت وشان کے آگے ملائکہ سجدہ ریز ہوگئے۔ قرآن کریم میں ان تدریجات کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (العمران۔ ۵۹) بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ⑦ (السجدہ) اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ (الصافات) وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ㉖ (الحجر) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔ (الرحمٰن: ۵۹)(1)

کیونکہ ان آیات میں تخلیق آدم کے مختلف مدارج کو بیان کیا گیا ہے اس لیے ان میں کوئی تضاد نہیں۔ پھر تخلیق آدم کے بعد نسل انسانی کی تخلیق ایک قطرۂ آب سے ہوئی جو رحم مادر میں قرار پکڑ کر مختلف مرحلے طے کرتا ہوا انسانی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔

۱۵ جانّ جنوں کے پہلے باپ کا نام ہے۔ جس طرح آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسی طرح جان کی تخلیق خالص آگ سے ہوئی۔ پھر جنوں کی نسل کو چلانے کے لیے ازدواج کا وہی نظام یہاں بھی جاری ہے جو انسانوں میں ہے(2)۔ مَارِجٌ کہتے ہیں خالص آگ کو جس میں دھوئیں کا نام ونشان نہ ہو۔ قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں صراحۃً بتادیا کہ انسان اور جن دو مختلف نوع ہیں۔ ایک کا اصل مٹی ہے اور دوسرے کا اصل آگ ہے۔ اب جو لوگ جنات کو الگ نوع تسلیم نہیں کرتے بلکہ نوعِ انسانی کے بعض افراد کو جن کہنے پر بضد ہیں وہ قرآن کریم کی ان آیتوں کو بار بار پڑھیں۔

اس سے کئی اور مسائل بھی معلوم ہو جاتے ہیں کہ جس طرح انسان باشعور اور بااختیار ہونے کے باعث احکامِ شرعی کی بجا آوری کا مکلّف ہے اسی طرح جنات بھی باشعور اور بااختیار ہیں اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری ان پر بھی ضروری ہے۔

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس طرح بنی نوع انسان کی طرف نبی بن کر تشریف لائے ہیں اسی طرح جنات کے لیے بھی نبی ہیں۔ نیز فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ میں ضمیر تثنیہ کا مرجع جن وانس دونوں ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات مادہ سے مجرد نہیں۔ بلکہ انسان کے خاکی پیکر کی طرح ان کا آتشی پیکر ہے۔ وَفِی الْاٰیَةِ رَدٌّ عَلٰی مَنْ یَزْعُمُ اَنَّ الْجِنَّ نُفُوْسٌ مُّجَرَّدَةٌ۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 61-160

2۔ ایضاً، جز 17، ص 161

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۱۶) رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ (۱۷) فَبِاَيِّ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۱۶؎ وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے ۱۷؎ پس (اے جن وانس)

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۱۸) مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ (۱۹) بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں۔ ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں

لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ (۲۰) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۲۱) يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ

گڈمڈ نہیں ہوتے ۱۸؎ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی

۱۶؎ اے انسان! تیری اصل مٹی ہے۔ دیکھ تیرے رب نے اس مُشتِ خاک کو کتنا حسین پیکر بخشا ہے اور اس میں بے شمار قوتیں پیدا کر دی ہیں۔ آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتے ہیں، زبان کا لوتھڑا بولتا ہے، دل تمام جسم میں خون پہنچاتا ہے۔ تیرے کاسۂ سر میں کیسے خودکار آلات نصب کر دیئے ہیں۔ تیرے شکم میں نظامِ ہضم کو کیسی مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا ہے۔ یہی حال جنات کا ہے۔ ان کو بھی خصوصی حواس اور بے پایاں قوتیں بخشی گئی ہیں۔ اے جن وانس! تم بتاؤ کہ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت پر ناشکری کرو گے؟

۱۷؎ موسم گرما کا مشرق اور ہے اور موسم سرما کا مشرق اور۔ اسی طرح دونوں کے مغرب بھی الگ الگ ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر دن کا مشرق و مغرب الگ ہے۔ وہ مشرقین و مغربین کا ہی رب نہیں بلکہ وہ تو رب المشارق والمغارب ہے۔

خود ہی بتاؤ مشرقین و مغربین میں کس کی خدائی کا پرچم لہرا رہا ہے اور کس کے حکم کے آگے ہر چیز سرافگندہ ہے؟ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ اگر سال بھر ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب ہوتا تو نہ موسم بدلتے اور نہ ہر موسم کے ساتھ مخصوص پھل، اناج اور دیگر چیزیں پیدا ہوتیں۔ تمہاری زراعت، تمہاری باغبانی بلکہ صنعت و حرفت کی ترقی کے امکانات بالکل محدود ہوتے اور تمہاری راتیں بے کیف اور تمہارے دن اتنے بوجھل ہوتے کہ تم شاید زندگی کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکتے۔ بتاؤ تم اپنے رب کی کس نعمت کا انکار کرتے ہو؟

۱۸؎ جب آپ کسی جانور کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیں تو کہا جاتا ہے: مَرَجْتُ الدَّابَّةَ۔ اسی لیے چراگاہ کو بھی عربی میں مَرَجٌ کہتے ہیں، جس کی جمع مُرُوْجٌ ہے(1)۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں پانی میٹھے اور کھاری کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اپنی اپنی بہنے کی جگہوں میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ گاہے گاہے آپس میں مل بھی جاتے ہیں، لیکن ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے۔ قدرت نے ان دونوں کے درمیان ایک ایسی رکاوٹ قائم کر دی ہے جو دکھائی نہیں دیتی لیکن مضبوط اتنی ہے کہ انہیں آپس میں گڈمڈ نہیں ہونے دیتی۔ میٹھا پانی الگ اور کڑوا الگ میلوں ایک ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مراد آباد سے ہم نینی تال کے لیے روانہ ہوئے۔ ریلوے کا آخری سٹیشن شاید کاٹھ گودام تھا۔ رات وہاں بسر کی اور شوقِ سیاحت میں فیصلہ یہ کیا کہ یہاں سے پیدل

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج9، ص295

وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ

اور مرجان ۱۹ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور اسی کے زیرِ فرمان ہیں وہ جہاز جو سمندر میں

فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ کُلُّ مَنْ ع ۱ ۲۵ ۱۱

پہاڑوں کی مانند بلند نظر آتے ہیں ۲۰ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۲۱ جو کچھ زمین پر ہے

سیر و سیاحت کرتے ہوئے نینی تال جائیں گے۔ راستے میں ہم نے دو مختلف وادیوں سے دو نالے آتے ہوئے دیکھے۔ ایک کا رنگ نیلا تھا اور دوسرے کا رنگ سفید۔ وہ ایک جگہ آ کر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور کئی فرلانگ تک ہم اس کے کنارے کنارے چلتے گئے۔ دونوں پانی یکجا بہنے کے باوجود آپس میں خلط ملط نہ ہوئے۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔ سمندر میں سفر کرنے والے لوگوں نے عجیب عجیب انکشافات کیے ہیں کہ سمندر میں جہاں کھاری پانی ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے اس کے عین وسط میں میٹھے پانی کے قطعات ہوتے ہیں۔ بحری سفر کرنے والے ان سے اپنے ذخائر بھر لیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ضیاء القرآن جلد سوم سورۂ فرقان: ۵۴) اے جن وانس! تم کہاں تک اپنے ربِّ کریم کی نعمتوں کا انکار کرتے رہو گے اور اس کے کس کس انعام کی ناشکری کرو گے؟

۱۹ میٹھا اور کھاری پانی جہاں ملتا ہے وہاں سے موتی اور گھونگے نکلتے ہیں جن کو تم زینت و آرائش کے لیے کام میں لاتے ہو۔ مختلف بیماریوں میں یہ دوا کا کام بھی دیتے ہیں۔ اور بھی ان سے طرح طرح کے تم فائدے اٹھاتے ہو۔ لؤلؤ: بڑا موتی۔ مرجان: گھونگا اور چھوٹے موتی کو بھی مرجان کہتے ہیں۔(1)

۲۰ جوارِ: اَلسُّفُنُ الْكِبَارُ: جَمْعُ جَارِيَةٍ۔ یعنی بڑی کشتیاں۔ اس کا واحد جَارِيَةٌ ہے(2)۔ اَلْمُنْشَئَاتُ: اَلسُّفُنُ الْمَرْفُوعَةُ الشُّرُعِ۔ وہ کشتیاں جن کے بادبان بلند کر دیے جاتے ہیں۔ اَعْلَامٌ جمع ہے علم کی۔ اس کا معنی ہے پہاڑ۔ یعنی سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز تمہیں تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دیکھو! کس شان سے سطحِ آب پر یہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ سب اسی خالقِ حقیقی کے تابعِ فرمان ہیں۔ اسی خالقِ حکیم نے پانی میں یہ خوبی پیدا کر دی ہے کہ وہ لاکھوں ٹن بوجھ اٹھائے رہتا ہے۔ اسی نے ایسی چیزیں پیدا فرمائی ہیں جن سے کشتیاں اور جہاز بنتے ہیں۔ بھاری بھر کم ہونے کے باوجود ڈوبتے نہیں بلکہ تیرتے چلے جاتے ہیں اور اسی نے انسان کو وہ سمجھ عطا فرمائی جس سے اس نے جہاز سازی کی صنعت میں کمال حاصل کیا۔(3)

۲۱ اللہ تعالیٰ اگر ایسی چیزیں پیدا نہ فرماتا جو پانی پر تیر سکتی ہیں یا پانی میں یہ صلاحیت نہ ہوتی کہ اس میں آسانی سے جہاز رانی ہو سکے، بلکہ دلدل کی طرح ہر چیز اس میں دھنستی چلی جاتی تو کیا دور دراز ملکوں میں جن کے درمیان بحرِ اوقیانوس اور بحرالکاہل جیسے سمندر حائل ہیں تمہاری آمد و رفت ممکن ہو سکتی؟ یا تم ایک ملک کی مصنوعات اور خوردنی اجناس دوسرے ممالک میں لے جا سکتے؟ کیا یہ سب اس کی رحمت کے کرشمے نہیں؟ اے جن وانس! چشمِ ہوش کھولو۔ اپنے خالق و مالک کو پہچانو اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 295 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 149 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ج 108

عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ

فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے ۲۲ پس (اے جن وانس)

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۲۳ مانگ رہے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے ۲۴ ہر روز وہ ایک نئی

هُوَ فِىْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ

شان سے تجلّی فرماتا ہے ۲۵ پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف

کرو۔ انکار اور ناشکری کی راہ پر کب تک چلتے رہو گے؟

۲۲ اگر کسی کو عزت وجاہ حاصل ہو، اگر کسی کے پاس دولت وثروت کی فراوانی ہو، اگر اسے کسی محدود علاقے میں اقتدار و اختیار مل جائے تو اسے اکڑ نہیں جانا چاہیے۔ اپنے ربِ کریم کو بھلا کر شیطان سے یارانہ نہیں گانٹھ لینا چاہیے۔ اسے یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ خود اور اس کا جاہ وحشم بلکہ اس زمین میں جو کچھ اسے دکھائی دے رہا ہے سب فانی ہے، سب ناپائیدار ہے۔ بقا اور دوام فقط خداوندِ ذوالجلال والاکرام کا حصہ ہے۔ وَجْهٌ: وُجُوْدُ الْبَارِیْ تَعَالٰی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلِظُّوْا بِيَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ یعنی دعا مانگتے وقت یاذاالجلال والاکرام ضرور کہا کرو۔

۲۳ زندگی نعمت ہے تو فنا اور موت بھی نعمت ہے۔ ان سے پوچھئے جو کسی اذیت ناک بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ رات کو قرار ہے نہ دن کو چین۔ ہر وقت درد سے تڑپتے رہتے ہیں۔ ان بوڑھوں سے پوچھئے جن کی لمبی عمر ان کے لیے وبالِ جان بن گئی۔ نہ آنکھیں دیکھتی ہیں، نہ زبان بولتی ہے، نہ ہاتھ ہلتے ہیں، نہ ٹانگیں چلتی ہیں۔ معدہ کمزور، جگر بے کار اور دل بیمار ہے۔ دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ انسان اپنے اہل وعیال کے لیے بھی ایک ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت بوجھ بن کر رہ گیا ہے۔ کیا ان کے لیے موت کی آغوش امید افزا اور راحت بخش نہیں؟ نیز موت تو وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان مصائب وآلام کی اس دنیا سے چھٹکارا حاصل کر کے عالمِ آخرت کی ابدی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اور اہلِ محبت تو کہتے ہیں: اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ کہ موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے۔

۲۴ زمین وآسمان میں جو چیز ہے، نوری ہو یا خاکی، آبی ہو یا ناری، بڑی ہو یا چھوٹی، عزیز ہو یا حقیر بلا استثناء سب کے سب اس کے دربارِ دُربار میں اپنے سوال کا دامن پھیلائے ہوئے ہیں اور اس کے جود وکرم پر آس لگائے ہوئے ہیں۔ بیمار صحت مانگ رہا ہے، بھوکا رزق مانگ رہا ہے۔ طالبِ علم گوہرِ علم کے لیے جھولی پھیلائے ہے۔ دولت کے طلب گار سیم وزر مانگ رہے ہیں اور اربابِ صدق واخلاص اس کی رضا مانگ رہے ہیں۔ کون ہے جو وہاں سائل نہیں؟ کون ہے جو اس در کا گدا نہیں؟

۲۵ مخلوق کا تو یہ حال ہے اور خالق اپنی مخلوق کی التجاؤں کو سن رہا ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول فرما رہا ہے۔ کسی کو تاجِ سلطانی بخشا جا رہا ہے۔ کسی کو نعمتِ علم عطا ہو رہی ہے۔ کسی کے سینہ میں چراغِ معرفت فروزاں کیا جا رہا ہے اور کسی کو اپنے درد کی نعمت بخشی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 165 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 165، جامع ترمذی، ابواب الدعوات، ج 2، ص 191 3۔ شرح الصدور، ص 26

الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ

اے جن وانس!۲۶ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اے گروہِ جن و اِنس!

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ

اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔

جارہی ہے۔ کوئی پیدا ہو رہا ہے، کوئی مر رہا ہے، کوئی بن رہا ہے، کوئی بگڑ رہا ہے۔ کہیں قحط کی چیرہ دستیاں ہیں اور کہیں ابرِ رحمت برس رہا ہے۔ کسی کو نوازا جارہا ہے اور کسی کو اس کی پیہم ناشکر گزاریوں کے باعث اپنی نعمتوں سے محروم کیا جارہا ہے۔ ہر روز اس کی شان کا ظہور ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: کسی بادشاہ نے اپنے وزیر سے اس آیت کا مفہوم پوچھا۔ وہ نہ بتا سکا اور کل تک کی مہلت طلب کی اور بڑا افسردہ اور پژمردہ گھر آیا۔ اس کا ایک سیاہ فام غلام تھا۔ اس نے پوچھا: میرے آقا! آپ پریشان کیوں ہیں؟ اس نے پریشانی کی وجہ بتائی۔ غلام نے کہا: آپ مجھے سلطان کے پاس لے چلیں۔ میں اسے اس آیت کا مفہوم بتاؤں گا۔

وہ غلام جب سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ گویا ہوا: اَیُّھَا الْاَمِیْرُ! شَاْنُهٗ اَنْ یُّوْلِجَ اللَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجَ النَّھَارَ فِی اللَّیْلِ وَیُخْرِجَ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجَ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ، یَشْفِیْ سَقِیْمًا وَّیُسْقِمُ سَلِیْمًا وَّیَبْتَلِیْ مُعَافًا وَّیُعَافِیْ مُبْتَلًا وَّیُعِزُّ ذَلِیْلًا وَّیُذِلُّ عَزِیْزًا وَّیُفْقِرُ غَنِیًّا وَّیُغْنِیْ فَقِیْرًا۔ (1)

یعنی اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ وہ بیمار کو صحت یاب اور صحت یاب کو بیمار کرتا ہے۔ آرام و عافیت والے کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اور جو مصیبت میں مبتلا ہے اس کو آرام و سکون عطا فرماتا ہے۔ وہ ذلیل کو عزت بخشتا ہے اور عزت والے کو ذلیل کرتا ہے۔ وہ غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی بناتا ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر اسے قلمدانِ وزارت سونپ دیا۔ غلام نے کہا: یَا مَوْلَایَ ھٰذَا مِنْ شَاْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ میرے آقا! یہ بھی میرے اللہ تعالیٰ کی ایک شان ہے۔ عبد اللہ ابن طاہر نے حسین ابنِ فضل کو بلایا اور کہا کہ جب یہ بات صحیح ہے کہ اِنَّ الْقَلَمَ جُفَّ بِمَا ھُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کہ قیامت تک جو کچھ وقوع پذیر ہونے والا ہے وہ لکھا جا چکا ہے اور قلم اب خشک ہو چکا ہے، یعنی اب مزید کچھ نہیں لکھا جائے گا تو پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ؟ حسین نے برجستہ جواب دیا: فَاِنَّھَا شُئُوْنٌ یُّبْدِیْھَا لَا شُئُوْنٌ یَبْتَدِیْھَا (2)۔ یعنی شان سے مراد ازل میں طے شدہ فیصلوں کا اظہار اور نفاذ ہے نہ کہ نئے فیصلوں کا آغاز۔

۲۶ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بہت مصروف ہے۔ بڑی کٹھن مہمات درپیش ہیں۔ بڑے اہم معاملات تصفیہ طلب ہیں۔ تم سے نمٹنے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں۔ جب ان مہمّات سے فراغت ہوگی تو پھر تم سے باز پُرس فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا صفات اس سے برتر ہے کہ کوئی کام اسے یوں مشغول کردے کہ وہ دوسرے کام کرنے سے معذور

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز17، ص167

2۔ ایضاً

لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ

(سنو!) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے) ۲۷ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بھیجا جائے گا

ہو جائے ۔ یہاں فرغ بمعنی قصد مستعمل ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِيِّ اَيْ سَنَعْمُدُ لَكُمْ وَاحْتَجَّ بِقَوْلِ جَرِيْرٍ فَرَغْتُ اِلَى الْعَبْدِ الْمُقَيَّدِ فِي الْعَجَلِ قَالَ مَعْنٰى فَرَغْتُ قَصَدْتُ وَفِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ بَكْرٍ رَّضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اُفْرُغْ اِلٰى اَضْيَافِكَ اَيِ اعْمُدْ وَاقْصُدْ (لسان العرب) (1) کہ سَنَفْرُغُ کا معنی توجہ کرنا، قصد کرنا ہے۔ جریر کے مصرع میں فرغت بمعنی قصدت ہے اور حضرت صدیق کے اس قول اُفْرُغْ اِلٰى اَضْيَافِكَ کا معنی ہے اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو۔ نیز عرب جب کسی کو دھمکی دیتے ہیں تو کہتے ہیں: اِذَا اَتَفَرَّغُ اِلَيْكَ اَيْ اَقْصُدُ لَكَ (2) کہ میں اب تیری طرف متوجہ ہوں گا اور تیری خبر لوں گا۔ اور ثقلٰن سے مراد جن وانس ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں: گناہوں سے بوجھل ہونے کی وجہ سے انہیں ثقلٰن کہا گیا ہے۔ لِاَنَّهُمَا مُثْقَلَانِ بِالذُّنُوْبِ۔ (3)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ابھی تو ہم نے تمہیں غور و فکر کرنے، سوچنے اور اپنی اصلاح کر لینے کی مہلت دی ہوئی ہے۔ تم گناہ کرتے ہو، نافرمانی کرتے ہو، ہم درگزر کر دیتے ہیں۔ لیکن جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی یا دار العمل سے تم دار الجزاء میں پہنچ جاؤ گے، اس وقت ہم تمہاری طرف متوجہ ہوں گے۔ پھر دیکھیں گے کون پھنّے خان ہے جو سرتابی کی جرأت کرتا ہے۔

۲۷ جنات کو اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے اس لیے یہاں ان کا ذکر صراحت سے کیا اور انسانوں سے پہلے کیا۔ یعنی اگر تم غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ تمہیں کوئی نہیں پکڑ سکتا یا اگر تمہیں پکڑنے کے لیے کوئی فرشتہ آیا تو تم کنّی کترا کر دوسری طرف نکل جاؤ گے اور ہماری دسترس سے باہر چلے جاؤ گے تو اس غلط خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ تم زمین و آسمان سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے۔ جب حشر کے میدان میں تمہیں لا کر کھڑا کیا جائے گا تو ساتوں آسمانوں کے فرشتے تمہارے اردگرد گھیرے ڈال لیں گے۔ کیا ان سات گھیروں کو توڑ کر تم نکل کر کہیں جا سکو گے؟ ساتھ ہی فرما دیا کہ اس گھیرے کو توڑنے کے لیے تو سلطان (قوت و طاقت) چاہیے۔ تم نحیف و ناتواں کب یہ حلقہ توڑ سکتے ہو۔

عارف باللہ مولانا پانی پتی فرماتے ہیں: بِسُلْطَانٍ سے مراد (بِسُلْطَانِیْ) ''میری قوت'' ہے۔ یعنی ویسے تو زمین و آسمان کے دائرہ کو توڑ کر نکلنا ممکن نہیں، البتہ میری قوت کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ ان حد بندیوں سے باہر نکل سکتا ہے۔ كَمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَذَ بِبَدَنِهٖ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ مِنَ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَالصُّوْفِيُّ يَنْفُذُ مِنْ دَائِرَةِ الْاِمْكَانِ اِلٰى مَدَارِجِ الْقُرْبِ بِحَوْلِ اللهِ وَقُوَّتِهٖ (مظہری) (4)

یعنی جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ ساتوں آسمانوں سے پار تشریف لے گئے اور صوفی دائرۂ امکان سے مدارجِ قُرب تک نفوذ، اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قوت سے کرتا ہے۔

1۔ لسان العرب، ج8، ص445

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز17، ص168

3۔ ایضاً، جز17، ص169

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص53-152

عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۚ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

تم پر آگ کا شعلہ اور دُھواں ۲۸ پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کر سکو گے ۲۹ پس اے جن وانس تم اپنے رب

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ ﴿٣٧﴾

کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۳۰ پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سُرخ ہو جائے گا جیسے رنگا ہوا سُرخ چمڑا ۳۱

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ

پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں

وَّلَا جَآنٌّ ۚ ﴿٣٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ

نہ پوچھا جائے گا ۳۲ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے پہچان لیے جائیں گے مجرم

۲۸ اگر اس روز تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو تم پر آگ کا خالص شعلہ اور کالا دھواں چھوڑا جائے گا۔ وہ اسی قدم پر تمہیں بھون کر رکھ دے گا۔ شُوَاظٌ: اَللَّهَبُ الَّذِیْ لَا دُخَانَ فِیْهِ (1)۔ وہ شعلہ جس میں دھوئیں کا نام ونشان نہ ہو۔

نُحَاسٌ: اَلدُّخَانُ الَّذِیْ لَا لَهَبَ فِیْهِ (2)۔ وہ دھواں جس میں شعلہ نہ ہو۔ نُحَاسٌ کا دوسرا معنی پگھلا ہوا تانبا بھی ہے۔

۲۹ پھر تم اپنی مدد بھی نہ کر سکو گے یا تم ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکو گے۔ نہ جن انسانوں کی نہ انسان جنوں کی۔

۳۰ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے بدکاروں کو بروقت ان کے انجامِ بد سے خبردار کر دیا تاکہ اگر وہ بچنا چاہیں تو بروقت توبہ کر لیں۔

۳۱ وقوعِ قیامت کے وقت آسمان کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ وَرْدَةً: گلاب کا پھول جس کا رنگ سُرخ ہوتا ہے۔ اَلدِّهَان: رنگا ہوا سرخ چمڑا۔ (3)

۳۲ یعنی جس شخص نے گناہ کیا ہے اسی سے باز پُرس ہو گی، کسی اور انسان یا جن کو اس کا جواب دِہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ قَالَ اَبُو الْعَالِیَةِ لَا یُسْئَلُ غَیْرُ الْمُجْرِمِ عَنْ ذَنْبِ الْمُجْرِمِ۔ (4)

اس آیت کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ ضرورت نہیں ہو گی کہ وہ مجرم سے پوچھے کہ اس نے یہ جرم کیا ہے۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی جانتا ہے، بلکہ اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 171
2۔ ایضاً، جز 17، ص 173
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً، جز 17، ص 174

بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اپنے چہروں سے تو انہیں پکڑ لیا جائے گا پیشانی کے بالوں سے اور ٹانگوں سے ۳۳ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں

تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ

کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم

بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ ع ۲ ۲۰ ۱۲

اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو ازحد گرم ہوگا ۳۴ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے

مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

روبرو کھڑا ہونے سے اس کو دو باغ ملیں گے ۳۵ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغ (پھلدار) ٹہنیوں والے ہوں گے ۳۶

۳۳ فرشتے دور سے دیکھ کر ہی مجرم کو پہچان لیں گے۔ ان کے چہرے سیاہ اور ان کی آنکھیں خوف سے نیلی ہوں گی۔ انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جہنم جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا اور جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔

۳۴ جحیم اور حمیم کے درمیان سرگرداں پھرتے رہیں گے۔ جہنم کے دہکتے انگاروں اور لپکتے ہوئے شعلوں سے تنگ آ جائیں گے اور پیاس کی شدت کے باعث پانی پانی کہیں گے تو انہیں کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا۔ شدید پیاس کے باعث اسے ہونٹوں کے قریب لے جائیں گے تو اس کی حدت ہونٹوں کو جلا کر رکھ دے گی۔ آنٍ: مَاءٌ بَالِغٌ مِّنَ الْحَرَارَةِ اَقْصَاهَا۔ وہ پانی جو انتہا درجہ گرم ہو۔(1)

۳۵ یہاں مقام اگر اسمِ ظرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اس جگہ سے ہر وقت خائف و لرزاں رہتے ہیں جہاں کھڑا کر کے ان سے حساب لیا جائے گا اور اگر اسے مصدر میمی بنایا جائے تو پھر اس کے دو مفہوم ہوں گے۔ ایک یہ کہ جو لوگ ہر وقت اس بات سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ ان کا رب ان کی نگرانی کر رہا ہے، وہ ان کے افعال و اقوال سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ڈرتے ہیں کہ کوئی ایسی بھول نہ ہو جائے جس کے باعث ان کا رب ان سے ناراض ہو جائے۔ دوسرا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اپنے رب کی جناب میں کھڑا ہونے سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔

عطاء سے منقول ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز قیامت کے بارے میں سوچنے لگے۔ میزان، جنت و دوزخ وغیرہ واقعاتِ ہائلہ پر غور کرتے کرتے لرز اٹھے اور کہنے لگے: اے کاش! میں چارہ ہوتا کوئی جانور آ کر مجھے چر لیتا یا میں پیدا ہی نہ ہوتا(2)۔ ہولِ قیامت اور اللہ تعالیٰ کے جلال کا خیال کر کے بے قرار ہوتے رہے۔ اس وقت یہ آیتیں اتریں کہ جو

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 303

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 117

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی

رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں ہوں گی ۳۷ پس اے جن وانس! تم اپنے

اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ایک نہیں کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔

جنت سے یہاں اس کا لغوی معنی باغ اور گلستان مراد لینا بہت مناسب ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ڈرتے زندگی بسر کرتے ہیں انہیں جناتِ عدن میں دو دو باغ عطا فرمائے جائیں گے۔ ایک وہ جس میں ان کا رہائشی محل ہوگا۔ جہاں وہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رہیں گے۔ دوسرا وہ جہاں ان کی عام نشست ہوگی۔ دوست احباب سے ملاقاتیں ہوں گی۔ نشاط و طرب کی محفلیں منعقد ہوں گی اور یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا کَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ کا دل کش سماں ہوگا۔

علامہ بغوی نے ایک بڑی پیاری حدیث نقل کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِیَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ۔ (1)

جس مسافر کو راہزنوں کا ڈر ہوتا ہے وہ سوتا نہیں، رات بھر چلتا رہتا ہے اور جو رات بھر چلتا رہتا ہے وہ اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کا سامان بہت گراں ہے۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کا سامان جنت ہے۔

۳۶ یہاں سے ان دو باغوں کی توصیف شروع ہے۔ ان دونوں باغوں کے درخت بڑے شاخدار ہوں گے ان شاخوں پر سبز سبز پتے، ان میں خوبصورت پھول اور لذیذ پھل بڑی بہار دکھا رہے ہوں گے۔

مذکر کے لیے ذُوْ استعمال ہوتا ہے جو اصل میں ذَوُوْا ہے۔ مؤنث کے لیے ذات جو اصل میں ذَوَات ہے۔ تخفیف کے لیے واؤ گرا دی اور ذو اور ذات ہوگیا۔ قاعدہ ہے تثنیہ لفظ کو اپنے اصل کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ ذات کا جب تثنیہ بنایا گیا تو ذَوَاتَا ہوگیا۔

اَفْنَان جمع ہے۔ اس کا واحد فَنَنٌ ہے۔ جس کا معنی ہے شاخ، ٹہنی۔ بعض نے اَفْنَان کو فن کی جمع کہا ہے۔ اس وقت اَفْنَان کا معنی ہوگا اَلْوَانُ الْفَاکِهَةِ وَاَنْوَاعُ الْاَشْجَارِ وَالثِّمَارِ (2)۔ یعنی وہ جنت ایسے ہوں گے جن میں رنگ برنگے پھل، قسم قسم کے درخت لہلہا رہے ہوں گے۔ ہر باغ میں چشمے جاری ہوں گے، پانی کی فراوانی ہوگی۔

۳۷ ہر پھل کی دو قسمیں ہوں گی۔ ایک وہ جسے تم جانتے ہو۔ اسے دیکھا بھی ہوگا، چکھا بھی ہوگا لیکن اسی پھل کی ایک قسم جو جنت میں ہی پائی جاتی ہے تمہارے لیے بالکل نئی ہوگی۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، ج 2، ص 68۔ تفسیر خازن مع بغوی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 8

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 157

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍؕ

رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استر قنادیز کے ہوں گے ۳۸

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ

اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا ۳۹ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ

نیچی نگاہوں والی (حوریں) ہوں گی جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے ۴۰ پس تم

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ

اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ تو گویا یاقوت اور مرجان ہیں ۴۱ پس تم

۳۸ وہ لوگ جنہوں نے ڈرتے ڈرتے اپنی ساری عمریں گزار دی تھیں، یہاں بڑے مطمئن اور پرسکون ہوں گے۔ بستر لگے ہوں گے جن کا اَستر قنادیز کا ہوگا۔ ان میں بے مثل چمک اور گداز ہوگا۔ یہ لوگ ان پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہر فکر سے دُور، ہر اندیشہ سے بے نیاز۔ بَطَائِن، بِطَانَةٌ کی جمع ہے۔ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو اندر کی طرف لگا ہو۔ اِسْتَبْرَق: ریشم کا بنا ہوا موٹا کپڑا، دیباج، قنادیز (1)

۳۹ جَنَا اسم ہے بمعنی مجنی وہ پھل جو چنا جاتا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ وہاں پھلدار درختوں کے خوشے یوں جُھکے ہوں گے کہ ان کو توڑنا بالکل آسان ہوگا۔ کھڑے، بیٹھے یا لیٹے جس حالت میں بھی آپ ان سے محظوظ ہونا چاہیں گے وہ بالکل آپ کے منہ کے قریب جھک آئیں گے۔ (2)

۴۰ ان باغات میں جو محلات اور مکانات ان جنتیوں کے لیے بنائے گئے ان میں ایسی عورتیں ہوں گی جو شرم و حیا کا پیکر ہوں گی۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی۔ وہ اپنے شوہروں کے بغیر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گی۔ باشرم و باحیا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اتنی پاکدامن اور عفت مآب ہوں گی کہ آج تک انہیں کسی جن وانس نے چھوا تک نہ ہوگا۔

۴۱ ان کے چہرے یاقوت کی طرح سُرخ ہوں گے اور ان کے بدن مرجان کی طرح سفید اور شفاف ہوں گے۔

آپ ذرا غور فرمائیں ان کے ظاہری حسن و جمال کے ذکر سے پہلے قرآنِ کریم نے ان کی شانِ عفت و حیا کا ذکر فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کا حقیقی جمال اور اس کی سچی دلربائی، اس کی پاک دامنی اور اس کی آنکھوں کا شرمیلا پن ہے

ع گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں (3)

یہ نہ ہو تو وہ خُضْرَةُ الدِّمن ہے، یعنی کوڑے کے ڈھیر پر اُگا ہوا سبزہ۔ اس کی طرف گدھے تو لپک کر جا سکتے ہیں اور اس کو

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 179
2۔ ایضاً، جز 17، ص 180
3۔ کلیاتِ اقبال اردو، ص 339، بال جبریل، ص 47

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۵۹) هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (۶۰) ج فَبِاَيِّ

اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے ۴۲ پس اے جن

اپنا تر نوالہ بنا کر زور سے ہینگ سکتے ہیں، لیکن ایک شریف النفس اور باذوق آدمی کو تو اس سے بدبو آئے گی۔ اس کی سڑاند سے اس کا دماغ پھٹنے لگے گا۔

دنیا میں بھی امتِ مصطفویہ کی بہو بیٹیوں کو عفت وحیا کے زیور سے آراستہ ہونا چاہیے۔

یہ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ کون ہوں گی؟ وہ نیک بیبیاں جو دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں وہی جنت میں ان کے محلات کی زینت بنیں گی۔ ان کے علاوہ انہیں حوریں بھی دی جائیں گی۔ نیز وہ مسلمان عورتیں جو کسی کے نکاح میں نہ تھیں یا جن کے خاوند جہنم رسید کیے گئے ان کو بھی جنّتی مردوں کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ یہی حال مومن جنوں اور باایمان جنیوں کے ساتھ بھی ہوگا۔

علامہ قرطبی مختلف اقوال لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: وَالَّذِیْ یَغْلِبُ عَلَی الظَّنِّ اَنَّ الْاِنْسِیَّ یُعْطٰی مِنَ الْاِنْسِیَّاتِ وَالْحُوْرِ وَالْجِنِّیَّ یُعْطٰی مِنَ الْجِنِّیَّاتِ وَالْحُوْرِ (روح المعانی)(1)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دنیا کی بیویاں افضل ہوں گی یا جنت کی حوریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نِسَاءُ دُنْیَا اَفْضَلُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ کَفَضْلِ الظِّهَارَةِ عَلَی الْبِطَانَةِ۔ یعنی دنیا کی عورتیں جنتی حوروں سے افضل ہوں گی جس طرح ابری استر سے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ یہ کیسے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بِصَلٰوتِهِنَّ وَصِیَامِهِنَّ وَعِبَادَتِهِنَّ۔ اپنی نمازوں، اپنے روزوں اور اپنی عبادات کے باعث وہ افضل ہوں گی۔ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو نورانی بنا دے گا۔ ان کے جسم ریشم سے نرم، ان کے چہرے سفید، ان کے لباس سبز اور ان کے زیورات سونے کی طرح زرد، ان کی انگوٹھیاں موتیوں کی اور ان کی کنگھیاں سونے کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نہال ہو کر کہیں گی: اَلَا نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَمُوْتُ اَبَدًا۔ اَلَا وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأَسُ اَبَدًا طُوْبٰی لِمَنْ كُنَّا لَهٗ وَكَانَ لَنَا(2)۔ کان کھول کر سنو! ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں۔ ہمیں موت نہیں آئے گی۔ سن لو! ہم نازک اندام ہیں اور خوبصورت ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ جس کے حصہ میں ہم آئیں گی اور وہ ہمارے حصہ میں آئے گا۔

۴۲ یعنی جس نے بندہ ہوتے ہوئے اپنی بندگی کے حقوق کو حسن وخوبی سے انجام دیا۔ کیا خداوندِ عالم اپنی شانِ بندہ نوازی میں کوئی کمی باقی رہنے دے گا؟ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہ کرے گا اور اس کا اجر دینے میں بخل سے کام نہ لے گا۔

ایک دفعہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا: هَلْ تَدْرُوْنَ مَا قَالَ رَبُّكُمْ۔ ''تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟'' قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ تو صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یَقُوْلُ هَلْ جَزَاءُ مَنْ اَنْعَمْتُ عَلَیْهِ بِالتَّوْحِیْدِ اِلَّا الْجَنَّةَ(3)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو میں نے نعمتِ توحید سے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 119
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 163
3۔ تفسیر بغوی برحاشیہ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 10

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ ج فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

وانس، تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اوران دو کے علاوہ دو اور باغ بھی ہیں ۴۳ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ لا مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ ج فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ ج فِيْهِمَا

جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت سرسبز وشاداب ۴۴ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں

عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ ج فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ

دو چشمے جوش سے ابل رہے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے ہوں گے

وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ ج فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾ ج فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ

اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت

حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ ج فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾ ج حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ ج

والیاں ہوں گی ۴۵ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ حوریں، پردہ دار خیموں میں ۴۶

سرفراز فرمایا، کیا جنت کے بغیر بھی اس کی کوئی جزا ہو سکتی ہے؟

۴۳ جن دو باغوں کا ذکر پہلے ہوا ان سے کم درجہ کے دو باغ اور ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ انہیں خوش نصیبوں کو یہ دو باغ بھی مرحمت فرمائے جائیں گے اور بعض کا یہ خیال ہے کہ پہلے جن پُر بہار باغوں کا ذکر گزرا وہ سابقین و مقرّبین کے لیے ہیں اور یہ دو باغ جو ان سے کم درجہ کے ہیں اہل الیمین کو دیئے جائیں گے (1)۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

۴۴ یعنی یہ دو باغ بھی بڑے سرسبز وشاداب ہوں گے۔ مُدْهَآمَّتٰنِ اس سبز کو کہتے ہیں جو سیاہی مائل ہو۔ ان باغوں میں چشمے ہوں گے جن سے پانی پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہا ہوگا (2)۔ اَلنَّضْخُ: فَوَرَانُ الْمَاءِ۔ پانی کا زور سے ابلنا۔

۴۵ ان میں بھی عورتیں ہوں گی۔ اخلاق کے اعتبار سے بھی بے مثال اور حُسن و جمال میں بھی بے نظیر۔ خَيْرٰتٌ: خَيْرَاتُ الْاَخْلَاقِ حِسَانُ الْوُجُوْهِ (3)۔ یعنی جن کے اخلاق بہترین اور چہرے خوبصورت ہوں گے۔

۴۶ حُوْرٌ جمع ہے۔ اس کا واحد حَوْرَاءُ ہے۔ هِيَ الشَّدِيْدَةُ بَيَاضِ الْعَيْنِ وَالشَّدِيْدَةُ سَوَادِهَا (4)۔ یعنی جس کی آنکھ کا سیاہ حصہ بہت زیادہ سیاہ ہو اور سفید حصہ بہت ہی زیادہ سفید ہو۔ مَقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ فرما کر ان کے باحیا اور باشرم ہونے کا ذکر فرمادیا کہ وہ آوارہ پھرنے والیاں نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے خیموں میں جلوہ افروز رہتی ہیں۔ ان کے ظاہری اور باطنی حسن و جمال

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 183

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 161

3۔ ایضاً

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 188

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ

پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان کو بھی اب تک نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور

لَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ

نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر

خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾

جو ازحد نفیس، بہت خوبصورت ہوگی ۴۷ پس (اے انسانو اور جنو!) تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

سے ان کے خیموں کا گوشہ گوشہ معطر اور منور ہے۔ ان کے گھر کی فضا خوشی اور مسرت سے معمور رہتی ہے۔

۴۷ رَفْرَفٍ کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں۔ سبز رنگ کی ریشمی چادر جو بستر پر بچھائی جاتی ہے اور تکیہ جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے۔ اَلرَّفْرَفُ ضَرْبٌ مِّنْ بُسُطٍ وَّقِیْلَ الْوَسَائِدُ۔ (کشاف)(1) اور علامہ قرطبی نے رفرف کے بہت سے معانی بیان کیے ہیں۔ ایک معنی یہ بھی لکھا ہے: قَدْ قِیْلَ اِنَّ الرَّفْرَفَ شَیْءٌ اِذَا اسْتَوٰی عَلَیْهِ صَاحِبُهٗ رَفْرَفَ بِهٖ وَاَهْوٰی بِهٖ کَالْمِرْجَاحِ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا وَّ رَفْعًا وَّ خَفْضًا یَّتَلَذَّذُ مَعَ اَنِیْسَتِهٖ(2)۔ رفرف ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر جب انسان بیٹھتا ہے تو کبھی وہ اوپر جاتی ہے کبھی نیچے، کبھی دائیں کبھی بائیں۔ وہ جنتی اپنی مونس و ہمدم کے ساتھ بیٹھا لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔ لطف و مسرت کے لحاظ سے یہ معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عَبْقَرِیٌّ: ثِیَابٌ مَّنْقُوْشَةٌ تُبْسَطُ (3)۔ پھولدار نقش ونگار والا قالین۔ ایسا قالین خود ہی بڑا خوبصورت ہوتا ہے لیکن اس کی خوبصورتی اور نفاست کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسے حِسَانٌ: بہت خوبصورت فرما رہا ہے۔

علامہ جوہری اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلْعَبْقَرُ مَوْضِعٌ تَزْعُمُ الْعَرَبُ اَنَّهٗ مِنْ اَرْضِ الْجِنِّ ثُمَّ نَسَبُوْا اِلَیْهِ کُلَّ شَیْءٍ تَعَجَّبُوْا مِنْ حَذْقِهٖ اَوْ جَوْدَةِ صَنْعَتِهٖ وَقُوَّتِهٖ (صحاح)(4) یعنی عبقر ایک موضع کا نام ہے جس کے بارے میں عرب کا گمان ہے کہ وہ جنات کی سرزمین ہے۔ پھر ہر چیز جس کی ذہانت و مہارت یا اس کی بناوٹ کی عمدگی اور نفاست یا اس کی قوت و زور سے متعجب ہوتے ہیں تو اس کو عبقر کی طرف منسوب کر کے عبقری کہہ دیتے ہیں۔

سوچیے اگر یہ چند روزہ زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری میں انسان گزار دے اور اس کے بدلے میں ان عدیم النظیر اور لازوال روحانی اور جسمانی لذتوں اور مسرتوں سے اسے نوازا جائے تو یہ بڑا نفع والا سودا ہے۔ کتنا خوش بخت ہے وہ جس نے زندگی کو اس کاروبار میں صَرف کیا! اس سورۂ پاک میں الرحمٰن کی شانِ رحمانیت کے آپ نے

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 454 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 191 3۔ ایضاً 4۔ الصحاح، ج 2، ص 734

ع ۳
۳۳
۱۳

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (۷۸) ع

(اے حبیب!) بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا[۴۸]

کتنے دل موہ لینے والے مظاہر دیکھے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے اپنے محبوب رحمۃ للعالمین کے طفیل اس روسیاہ کو، اس کے ماں باپ کو، اس کی رفیقۂ حیات کو اور اہل وعیال اور دوست احباب کو اپنی ان حقیقی اور سرمدی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین ثم آمین! صلی اللہ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم۔

۴۸ اس سورت کا آغاز کتنا دل آویز تھا اور اس کا اختتام کتنا روح پرور اور نشاط انگیز ہے۔ فرمایا جارہا ہے: اے محبوب! تیرے رب کا نام پاک کتنا برکت والا ہے۔ تیرے اس پروردگار کا نام جو بڑی عظمت والا اور بڑے احسان فرمانے والا ہے۔

اَللّٰھُمَّ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى حَبِيْبِكَ وَمَحْبُوْبِكَ وَصَفِيِّكَ وَنَبِيِّكَ قَائِدِ الْاَنْبِيَاءِ وَسَيِّدِ الْوَرٰى وَعَلٰى اٰلِهِ الْمُجْتَبٰى وَاَصْحَابِهِ الْكُرَمَاءِ وَعَلَيْنَا وَعَلٰى سَائِرِ اُمَّتِهٖ مَعَهٗ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اٰمِيْن۔

تعارف

سُورۃ الواقعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس کی پہلی آیت میں ''الواقعہ'' کا کلمہ ہے یہی اس کا نام ہے۔ اس سورت میں تین رکوع۔ چھیانوے آیتیں، تین سو اٹھہتر کلمے اور ایک ہزار سات سو تین حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: حضرت حسن بصری، عکرمہ، جابر اور عطاء کے نزدیک یہ تمام کی تمام مکہ میں نازل ہوئی۔ البتہ حضرت ابنِ عباس کا ایک قول یہ ہے کہ اس کی چند آیات مدنی ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ یہ تماماً مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوئی۔ (1)

علامہ سیوطی نے ''الاتقان'' میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ترتیب نزول یہ لکھی ہے۔ پہلے سورۂ ''طٰہٰ'' پھر ''واقعہ'' اور اس کے بعد ''الشعراء''۔

حضرت فاروق اعظم ۵ نبوی میں ایمان لائے۔ یہ سورت اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی کیونکہ جب آپ نے اپنے بہنوئی اور بہن کو زدوکوب کیا تو آپ کی بہن کا سر پھٹ گیا، اور اُس کا خُون بہنے لگا۔ اس سے آپ کا دل بہت متاثر ہوا۔ آپ نے کہا: مجھے وہ کتاب دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ آپ کی ہمشیرہ فرمانے لگیں: ''اے عُمر! تم مُشرک ہو اور مُشرِک ناپاک ہوتا ہے''۔ وَاللّٰہُ لَا یَمَسُّهَاۤ اِلَّا الطَّاهِرُ۔ اور اس صحیفہ کو صرف پاک ہی ہاتھ لگا سکتا ہے۔ یہ مسئلہ اسی سورت کی ایک آیت لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ میں مذکور ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سُورت حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

مضامین: جس زمانہ کے ساتھ اس سورت کے نزول کا تعلق ہے، اُس وقت صرف تین باتیں زیر بحث تھیں توحید، قرآن اور قیامت۔

وقوعِ قیامت کے بارے میں اُن کا انکار از بس شدید تھا۔ وہ اسے محال اور خلافِ عقل یقین کرتے تھے۔ اس لیے وہ سورتیں جو اس زمانہ میں نازل ہوئیں اُن میں قیامت کے بارے میں اُن کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

اس سورت کا آغاز وقوعِ قیامت کے ذکر سے ہو رہا ہے۔ نیز بتایا کہ اس روز نوعِ انسانی تین گروہوں میں بانٹ دی جائے گی۔ داہنی طرف والے، بائیں طرف والے اور سبقت لے جانے والے۔

پہلے رکوع میں بڑی تفصیل سے السابقون اور اصحاب الیمین کے حالات ذکر کیے گئے ہیں۔ دوسرے رکوع میں اصحاب

1۔ تفسیر قرطبی، جز17، ص194

الشمال (بائیں طرف والے) کی خستہ حالی کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جسے پڑھ کر دل پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر ۵۸ سے دوسرے رکوع کے اختتام تک اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے دلائل ایسے رنگ میں پیش کیے گئے ہیں جن کو تسلیم کرنے سے وہ بھی گریز نہیں کر سکتے۔

آخری رکوع میں قرآنِ کریم کی حقانیت اور کلام الٰہی ہونے پر دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ ''مواقع النجوم'' کی قسم اُٹھا کر سامعین کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جس بے نظیر نظام، بے مثال باقاعدگی اور ہم رنگی کا مشاہدہ تم کواکب کی دنیا میں کر رہے ہو اسی طرح کا بے عدیل نظم و نسق اور ہر آیت کی دوسری آیت سے وابستگی تمہیں قرآنِ حکیم میں بھی نظر آئے گی۔ لیکن اس کے معانی اور معارف تک رسائی ہر شخص کا نصیبہ نہیں۔ وہ لوگ جن کا دل پاک، نگاہ پاک اور نیت پاک ہوتی ہے عروسِ معنٰی فقط اُن کے لیے اپنے رخِ زیبا سے نقاب سرکاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ تم اس چشمۂ شیریں سے سیراب ہوتے، اپنی پیاس بجھاتے، اپنے نخلستانِ حیات کی آبیاری کرتے تم نے اسے جھٹلانا شروع کر دیا ہے اور روز و شب جھٹلاتے ہی رہتے ہو۔ کیا تمہارے مقدر میں صرف انکار اور تکذیب ہی ہے؟ صد حیف! تمہاری اس نادانی پر۔

آیات: ۸۳ تا ۸۶ میں انہیں موت کی یاد دلا کر جھنجھوڑ دیا کہ کب تک بدمست و مخمور رہو گے؟ کیا اس وقت تک بے سُدھ پڑے رہو گے جب فرشتۂ اجل آ کر تمہاری شہ رگ پر اپنا آہنی ہاتھ رکھ دے؟

سورت کے اختتام سے پہلے پھر گزشتہ تین طبقوں کے حالات کو بالاختصار دہرا دیا۔

خصوصیت: اس سورت کی ایک خصوصیت کے بیان میں چند احادیث مذکور ہیں۔ قارئین کے لیے ان کا مطالعہ خیر و برکت کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لیے انہیں یہاں درج کر رہا ہوں۔

۱۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ کُلَّ لَیْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا (البیہقی وغیرہ) (1)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سُنا کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھتا ہے، اسے فاقہ ہرگز نہیں آئے گا۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ کُلَّ لَیْلَةٍ لَّمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا (ابن عساکر)

ترجمہ: حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھتا ہے، اسے کبھی فاقہ نہ ہوگا۔

۳۔ عَنْ اَنَسٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ سُوْرَةُ الْغِنٰی فَاقْرَأُوْهَا وَعَلِّمُوْهَا اَوْلَادَکُمْ (ابن مردویہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ سورۃ الواقعہ دولت و ثروت کی سورت ہے۔ اسے

1۔ کنز العمال، ج 1، رقم الحدیث 2640 مطبوعہ التراث الاسلامی

خود بھی پڑھا کرو اور اپنی اولاد کو بھی اس کی تعلیم دو۔

عَنْ اَنَسٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوْا نِسَاءَ کُمْ سُوْرَۃَ الْوَاقِعَۃِ فَاِنَّھَا سُوْرَۃُ الْغِنٰی (1)

(الدیلمی۔ کلہا من الدر المنثور)

ترجمہ: حضرت انس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا: اپنے گھر کی مستورات کو یہ سکھاؤ (یعنی یاد کرا دو) کیونکہ یہ دولت وثروت کی سورت ہے۔

علامہ قرطبی نے یہاں ایک بڑا دلچسپ مکالمہ نقل کیا ہے جو حضرت عثمان اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان ہوا۔ حضرت ابن مسعود جب آخری مرتبہ بیمار ہوئے تو حضرت عثمان ان کی بیمار پُرسی کے لیے اُن کے ہاں تشریف لے آئے اور پوچھا:

''مَا تَشْتَکِیْ؟'' آپ کو کیا بیماری ہے؟

آپ نے کہا: ''ذُنُوْبِیْ'' مجھے اپنے گناہوں کی بیماری ہے۔

پھر حضرت عثمان نے پوچھا: ''فَمَا تَشْتَھِیْ؟'' آپ کیا چاہتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا: ''رَحْمَۃَ رَبِّیْ'' میں اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔

پھر آپ نے کہا: ''اَفَلَا نَدْعُوْلَكَ طَبِیْبًا؟'' کیا ہم آپ کے لیے کوئی حکیم نہ بُلائیں؟

انہوں نے کہا: ''اَلطَّبِیْبُ اَمْرَضَنِیْ۔'' حکیم نے ہی مجھے بیمار کیا ہے۔

پھر حضرت عثمان نے پوچھا: ''اَفَلَا نَاْمُرُكَ بِعَطَاءِكَ؟'' کیا ہم آپ کو آپ کا ماہانہ عطیہ ادا کرنے کا حکم نہ دیں؟

آپ نے کہا: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں''۔

آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''آپ کی وفات کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا''۔

حضرت عبد اللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: ''کیا آپ کو یہ فکر ہے کہ میری وفات کے بعد میری بچیاں بھوک اور افلاس کا شکار ہوں گی؟ ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھا کریں۔ اور میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ کی تلاوت کرتا ہے، اُسے کبھی بھی بھوک اور افلاس سے واسطہ نہیں پڑے گا''۔ (2)

نیو ڈسٹرکٹ جیل۔ سرگودھا

1۔ الدر المنثور، ج 6، ص 215، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔ کنز العمال، ج 1، ص 592، رقم الحدیث 2699 مکتبہ التراث الاسلامیہ

2۔ تفسیر قرطبی، جز 17، ص 194

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الواقعہ مکّی ہے اور اس میں ۹۶ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

منزل ۷

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ① لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ② خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ③

جب قیامت برپا ہو جائے گی ۱ نہیں ہو گا جب یہ برپا ہو گی (اسے) کوئی جھٹلانے والا ۲ کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی ۳

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ④ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ فَكَانَتْ هَبَآءً

جب زمین تھرتھر کانپے گی ۴ اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر غبار بن کر بکھر

۱ قرآنِ کریم میں قیامت کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اَلصَّاخَّةُ، اَلطَّامَّةُ، اَلْاٰزِفَةُ۔ اسی طرح اس کا ایک نام اَلْوَاقِعَةُ بھی ہے، کیونکہ یہ ضرور وقوع پذیر ہو گی، کوئی ایسی طاقت نہیں جو اسے روک سکے اس لیے اسے الواقعۃ کہا گیا ہے۔

۲ زجاج نے کَاذِبَةٌ کا یہ معنی بتایا ہے: اَیْ لَا یَرُدُّهَا شَیْءٌ۔ یعنی کوئی چیز اس کو رد نہیں کر سکتی۔ کسی میں ایسی طاقت نہیں ہے جو اسے وقوع پذیر ہونے سے روک سکے۔

ثوری نے اس کا یہ مفہوم ذکر کیا ہے: لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا اَحَدٌ یُکَذِّبُ بِهَا۔ یعنی جب یہ وقوع پذیر ہو جائے گی تو کوئی شخص انکار نہیں کر سکے گا۔ کسی میں یہ جرأت نہ ہو گی کہ اس کے واقعہ ہونے کو جھٹلا سکے۔ اس کا ایک اور معنی بھی بتایا گیا ہے۔ اِنَّ قِیَامَهَا جِدٌّ لَّا هَزْلَ فِیْهِ (1)۔ یعنی قیامت کا رو پذیر ہونا کوئی مذاق نہیں، بلکہ یہ سچی بات ہے۔

کفار قیامت کا انکار کیا کرتے تھے اور یہ سمجھتے کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ناممکن ہے۔ وہ ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ یہ زمین، یہ فلک، یہ چاند، یہ تارے سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے قرآن کریم نے حتمی انداز میں یہ بتا دیا کہ تم لاکھ انکار کرو قیامت ضرور برپا ہو گی۔ تم سب مل کر بھی اسے روکنا چاہو تو اسے روک نہیں سکو گے۔ تم آج انکار کر رہے ہو، کل جب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لو گے تو تم اس کو جھٹلا نہیں سکو گے۔

۳ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خَفَضَتْ اَعْدَاءَ اللّٰهِ فِی النَّارِ وَ رَفَعَتْ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ فِی الْجَنَّةِ (2)۔ یعنی قیامت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آتش جہنم میں نگونسار کر دے گی اور اولیاء اللہ کو جنت میں سربلند و سرفراز کرے گی۔

۴ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: اَلرَّجَّةُ الْحَرَكَةُ الشَّدِیْدَةُ۔ شدید حرکت (3)۔ مفسرین لکھتے ہیں: تَرْتَجُّ كَمَا يَرْتَجُّ الصَّبِيُّ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 195
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً، جز 17، ص 196

مُّنْۢبَثًّا ۙ ⑥ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۭ ⑦ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ڏ مَآ اَصْحٰبُ

جائیں گے ۵ اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیئے جاؤ گے ۶ پس (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ

الْمَيْمَنَةِ ۭ ⑧ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔــمَةِ ڏ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔــمَةِ ۭ ⑨ وَالسّٰبِقُوْنَ

والوں کی۔ اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا ہوگا، کیا (خستہ) حال ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا۔ اور (تیسرا گروہ ہر کار خیر میں) آگے رہنے

السّٰبِقُوْنَ ۚۙ ⑩ اُولٰۗىِٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ ⑪ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑫ ثُلَّةٌ مِّنَ

والوں کا وہ (اس روز بھی) آگے آگے ہونگے۔ وہی مقرب بارگاہ ہیں۔ عیش و سرور کے باغوں میں ایک بڑی جماعت

فِی الْمَهْدِ حَتّٰی یَتَهَدَّمَ کُلُّ مَا عَلَیْهَا (1)۔ یعنی بچہ جس طرح جھولے میں جھلایا جاتا ہے، کبھی اوپر اٹھتا ہے کبھی نیچے جھکتا ہے۔ اسی طرح زمین بھی اضطراراً جھولے کی طرح جھولے گی۔ یہاں تک کہ اس کے اوپر جو کچھ ہے مکانات، درخت، پہاڑ سب گر پڑیں گے اور جڑ سے اکھڑ جائیں گے۔

۵ کسی چیز کا ٹوٹ پھوٹ جانا، ریزہ ریزہ ہوجانا۔ بَسَّ الشَّیْءَ اِذَا فَتَّتَهٗ۔ قَالَ الْفَرَّاءُ صَارَتْ دَقِیْقًا (2)۔ فراء کہتے ہیں کسی چیز کا پس پس کر آٹے کی طرح باریک ہوجانا۔ روشن دان سے جب دھوپ اندر داخل ہوتی ہے تو اس میں غبار کے جو ذرّے اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں ان کو هَبَاءً کہتے ہیں۔ مُنْۢبَثًّا: منتشر، پراگندہ۔ (3)

۶ ازواج کا معنی یہاں اصناف ہے۔ جب کسی چیز کے مقابلے میں دوسری چیز ذکر کی جائے تو اسے زوج کہتے ہیں۔ اَیْ اَصْنَافًا۔ کُلُّ صِنْفٍ یَکُوْنُ اَوْ یُذْکَرُ مَعَهٗ صِنْفٌ آخَرُ زَوْجٌ (مظہری) (4)

اس روز لوگوں کو تین گروہوں میں بانٹ دیا جائے گا۔ پہلا گروہ اصحاب المیمنۃ، دوسرا اصحاب المشئمۃ اور تیسرا السابقون۔ (5)

میمنۃ: یا تو ایمن سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے دایاں ہاتھ۔ کیونکہ ان نیک بختوں کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں لے جائیں گے یا ان کا نامہء اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا یا اس لیے کہ ان کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب تھیں اس لیے انہیں اصحاب المیمنہ کہا گیا ہے۔ یا یہ یمن سے ماخوذ ہے جس کا معنی یمن و برکت والا۔ کیونکہ ان کی ساری زندگی اپنے ربِ کریم کی بندگی میں بسر ہوئی، اس کی یاد میں ان کے رات دن کٹتے تھے، اس کو راضی کرنے کے لیے وہ جدوجہد کرتے رہے۔ ایسے لوگوں سے بڑھ کر یمن و برکت والا کون ہوسکتا ہے؟ اس لیے اصحاب المیمنہ کہا گیا۔

اصحاب المشئمۃ: اس کی وجہ تسمیہ میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ یا تو یہ شؤمی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بایاں ہاتھ۔ کیونکہ ان

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 196
2۔ لسان العرب، ج 6، ص 27
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 197
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 165
5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 131

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ

پہلوں سے ے۷ اور قلیل تعداد پچھلوں سے ے۸ ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے ے۹ تکیہ لگائے بیٹھے

عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ

ہوں گے ان پر آمنے سامنے۔ گردش کرتے ہوں گے ان کے اردگرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔ (ہاتھوں میں) پیالے،

بدبختوں کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر جہنم رسید کیا جائے گا یا ان کے عمر بھر کے گناہوں کا پلندہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یا اس لیے کہ ان کی رُوحیں آدم علیہ السلام کے بائیں ہاتھ تھیں، اس لیے اصحاب المشئمة کہا گیا۔ یا یہ شئوم سے ماخوذ ہے جس کا معنی نحوست اور بدبختی ہے۔ بے شک جن لوگوں نے اپنی ساری عمر نافرمانی اور غفلت میں بسر کی، ان سے بڑا منحوس اور بدبخت کون ہوسکتا ہے۔(1)

اب ذرا مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ کی ترکیب پر غور فرمایئے۔ اصحاب المیمنة مبتداء ہے۔ ما مبتدائے ثانی۔ اصحاب المیمنة خبر۔ مبتداء اپنی خبر سے مل کر خبر ہوا مبتدائے اول کی۔ ما استفہامیہ برائے تعجب ہے۔ یعنی دائیں ہاتھ والوں کی عظمتِ شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہی کیفیت اصحاب المشئمة کی بھی ہے۔

السابقون: آخر میں تیسری قسم کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ ساتھ ہی ان کے مدارجِ عالیہ اور ان پر جو فضل و کرم کیا جانے والا ہے اس کو بھی بیان کردیا۔ السابقون کا معنی ہے سبقت لے جانے والے۔ اس سے مراد وہ ازلی سعادت مند ہیں جنہیں جب دعوتِ حق دی گئی تو انہوں تے اسے فوراً قبول کرلیا۔ جب بھی انہیں کسی کارِ خیر کی طرف بلایا گیا یہ اپنے ساتھیوں سے چار قدم آگے ہی دکھائی دیئے۔ دین کی سربلندی کے لیے اگر ان کے مال کی ضرورت پڑی تو سب کچھ لا کر قدموں میں ڈھیر کردیا۔ اگر جان کی ضرورت ہوئی تو بصد مسرت سربکف میدان میں حاضر ہوگئے۔ غرضیکہ نیکی اور بھلائی کے ہر کام میں یہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ان کی تعریف رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ان کلمات سے فرمائی ہے۔

اِنَّهٗ قَالَ السَّابِقُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اُعْطُوا الْحَقَّ قَبِلُوْهُ وَاِذَا سُئِلُوْا بَذَلُوْهُ وَحَكَمُوْا لِلنَّاسِ كَحُكْمِهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ(2)۔ یعنی جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا تو انہوں نے بلا تامل قبول کرلیا۔ جب مال اور جان کی قربانی دینے کو کہا گیا تو انہوں نے ہر چیز پیش کردی اور جب وہ حکومت کی مسند پر بیٹھے تو لوگوں کے ساتھ انہوں نے وہی معاملہ کیا جو وہ اپنے لیے پسند کرتے تھے۔

السابقون مبتدا ہے اور دوسرا السابقون اس کی تاکید اور اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ اس کی خبر ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلا السابقون مبتدا اور الف لام جنسی اور دوسرا خبر ہے اور الف لام عہدِ ذہنی ہے۔ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ جملہ مستانفہ ہے اور مَاشَاْنُهُمْ کا جواب ہے۔(3)

ے۷ یعنی امت کے اولین دور میں ایسے جانبازوں اور سرفروشوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اور بعد میں آنے والے اوقات میں ان کی تعداد گھٹتی جائے گی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص166-165 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج17، ص199 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص167

وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ ۙ

آفتابے اور شرابِ طہور سے چھلکتے جام لیے ہوئے۔ نہ سردرد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ ۙ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ ط وَ

اور میوے بھی (پیش کریں گے) جو وہ جنتی پسند کریں گے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے۔ اور

حُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ ج جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں۔ (سچے) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں۔ یہ اجر ہوگا ان نیکیوں کا جو وہ

معلوم ہوا کہ عہدِ نبوت میں جن لوگوں نے اس منبعِ فیض سے کسبِ فیض کیا اور اس آفتابِ ہدایت سے اپنے دل کی دنیا کو منور کیا، جنہوں نے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دستِ حق پرست پر اسلام کی بیعت کی جبکہ اسلام قبول کرنا مصائب و آلام کو دعوت دینے کے مترادف تھا، جنہوں نے اللہ کے رسول کے لیے اپنے گھر بار اور وطن اور عیال کو چھوڑ دیا اور جب بھی جہاد کے نقارہ پر چوٹ لگی وہ کفن بردوش حاضر ہو گئے، یہ اس طائفۂ سعیدہ کے سرخیل ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا بے محابا نزول ہوتا ہے۔ افسوس ہے ان کم فہم لوگوں پر جو اِن نفوسِ قدسیہ کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرتے ہیں جن کی توصیف اور ثنا سے قرآنِ کریم بھرا پڑا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں: لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَّا اَدْرَكَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ(1)۔ اے لوگو! میرے صحابہ کو سب و شتم مت کرو۔ اگر تم کوہِ اُحد کے برابر سونا بھی خرچ کرو تو ان کے ایک مُد یا نصف مُد غلّہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

۸؎ بعد کے زمانہ میں ایسے سعادت مندوں کی تعداد گھٹتی جائے گی۔ انہیں اپنی اخروی زندگی کو بہتر بنانے کے بجائے اپنی دنیوی زندگی کو پرکشش اور آرام دِہ بنانے کی فکر زیادہ ہوگی۔

۹؎ آیات نمبر ۱۵ تا ۲۴ کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ صرف مشکل الفاظ کی تشریح پر اکتفا کیا جائے گا۔

مَوْضُوْنَةٌ: مَّنْسُوْجَةٌ بِالذَّهَبِ وَالْجَوَاهِرِ۔ یعنی ایسے پلنگ جو سونے کی تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے اور جگہ جگہ موتی اور جواہر سے انہیں مرصع کر دیا گیا ہوگا۔ مُتَقٰبِلِيْنَ: ایک دوسرے کی طرف رُخ کیے ہوئے ہوں گے۔ وِلْدَانٌ: غِلْمَانٌ۔ مُخَلَّدُوْنَ: ایک ہی کیفیت پر ہمیشہ رہیں گے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں کبرسنی اور بڑھاپے کے آثار ظاہر نہیں ہوں گے۔ یہ وہ بچے ہوں گے جن کے ماں باپ مشرف باسلام نہ ہوئے اور یہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ اِن کو اہل جنّت کا خادم بنا دیا جائے گا۔ رہے اہل ایمان کے کم سن بچے تو اُنہیں اُن کے ماں باپ کے ساتھ مقاماتِ رفیعہ میں رکھا جائے گا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اکواب جمع کوب کی۔ معنی ہے گول پیالہ۔ اَبَارِيْقَ: جمع ابریق کی۔ آفتابہ (2)۔ كَاْسٍ: شراب سے بھرا ہوا پیالہ (3)۔ صُدَاعٌ: سردرد (4)۔ نزف: مدہوشی (5)۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب من بایع تحت الشجرۃ، ج 2، ص 226

2۔ المنجد، ص 1

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 168

4۔ المنجد، ص 419۔ لسان العرب، ج 8، ص 195

5۔ لسان العرب، ج 9، ص 327

يَعْمَلُوْنَ ۝٢٤ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝٢٥ ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا

کرتے رہے تھے۔ نہ سُنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں ١٠ بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی

سَلٰمًا ۝٢٦ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝٢٧ ؕ فِيْ سِدْرٍ

آواز آئے گی ١١ اور دائیں ہاتھ والے، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی ١٢ بے خار

مَّخْضُوْدٍ ۝٢٨ ۙ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝٢٩ ۙ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝٣٠ ۙ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝٣١ ۙ

بیریوں میں اور کیلے کے گچھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں اور پانی کے آبشاروں میں

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝٣٢ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝٣٣ ۙ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝٣٤ ؕ

اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر۔

١٠ اہل جنت کو یہ شرف بھی بخشا جائے گا کہ وہاں کوئی ایسی گفتگو ان کے لیے بارِ گوش نہ ہوگی جو لغو اور بیہودہ ہو اور نہ ہی وہاں کذب بیانی، غیبت، گلہ، سب و شتم پر مشتمل کوئی گفتگو ہوگی جو سراسر گناہ ہے۔

١١ ان کی گفتگو خیر ہی خیر ہوگی۔ وہ اس طرح کی بات چیت کریں گے جس سے باہمی محبت و پیار میں اضافہ ہو۔ فضا کیف و سرور سے معمور ہو جائے۔ دلوں کے غنچے کھل اٹھیں۔ بیگانگی اور وحشت کا نام تک نہ رہے۔

قِيْلًا: **يَسْمَعُوْنَ** کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور **سَلٰمًا**: یقولون محذوف کا مقولہ ہے۔ **سَلٰمًا** سے مراد خیر ہے۔ یعنی اچھی باتیں۔ قِيْلًا مَّنْصُوْبٌ بِيَسْمَعُوْنَ: وَسَلٰمًا سَلٰمًا مَنْصُوْبَانِ بِالْقَوْلِ اَیْ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ الْخَيْرَ۔(1)

١٢ یہاں سے ان نوازشات و انعامات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن سے اصحاب الیمین کو نوازا جائے گا۔ آیات نمبر ٢٧ تا ٤٠ کا مضمون واضح ہے۔ صرف مشکل الفاظ کی تشریح کی جائے گی۔

سِدْرٍ: بیری کا درخت۔ **مَّخْضُوْدٍ**: جس پر کانٹے نہ ہوں۔ بیری کی ایسی قسمیں بھی ہیں جن کا پھل بڑا شیریں اور خوشبودار ہوتا ہے۔ پھر جو بیری جنت میں ہوگی اس کی نفاست اور عمدگی کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ **طَلْحٍ**: کیلا۔ **مَّنْضُوْدٍ**: گچھے دار۔ یعنی اس پر پھلیوں کے گنجان گچھے لٹک رہے ہوں گے۔ **ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ**: وہ سایہ جو دور تک پھیلا ہوا ہو۔ جنت میں ایسے درخت بھی ہوں گے کہ اگر ایک درخت کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے تو وہ ختم نہ ہوگا۔(2)

مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ: ایسا پانی جو ہمیشہ بہتا رہے۔ **مَقْطُوْعَةٍ**: جنت کے پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ سال میں ایک مرتبہ وہ درخت پر نظر آئیں اور سال کے باقی مہینے وہ پھلوں سے خالی رہیں، بلکہ وہ درخت ہمیشہ پھلوں سے لدے رہیں گے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 206

2۔ ایضاً، جز 17، ص 207

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ﴿۳۷﴾

ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے ۱۳ پس ہم نے بنا دیا انہیں کنواریاں۔ (دل وجان سے) پیار کرنے والیاں ہم عمر۔

ع ۳۸ ۱۴ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ؕ﴿۳۸﴾ ع ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ﴿۴۰﴾

(یہ سب نعمتیں) اصحاب یمین کے لیے مخصوص ہوں گی۔ ایک بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی ۱۴

جونہی آپ ایک پھل توڑیں گے اس کی جگہ دوسرا فوراً موجود ہوگا (1)۔ دوسری خوبی ان میں یہ ہوگی کہ ان کو توڑنے میں کوئی دقّت یا رکاوٹ نہ ہوگی۔ جب آپ کا جی چاہے گا اونچی ٹہنیوں پر لگے ہوئے خوشے آپ کے ہونٹوں کے قریب ہو جائیں گے۔

۱۳ یہاں اہل جنت کی نیک بیویوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ان کی خلقت بالکل بدلی ہوئی ہوگی۔ اگرچہ دنیا میں وہ خوش شکل نہ تھیں۔ مرتے وقت وہ بالکل بوڑھی ہوگئیں تھیں، لیکن جب جنت میں داخل ہوں گی تو بھرپور جوانی ہوگی۔ مجسّم حسن و رعنائی ہوں گی اور کنواری بنا کر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں اس آیت کی یہی تفسیر مذکور ہے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے عرض کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یَا اُمَّ سَلَمَةَ هُنَّ اللَّوَاتِیْ قُبِضْنَ فِی الدُّنْیَا عَجَائِزَ شُمْطًا عُمْشًا رُمْصًا جَعَلَهُنَّ اللّٰهُ بَعْدَ الْكِبَرِ اَتْرَابًا عَلٰی مِیْلَادٍ وَّاحِدٍ فِی الْاِسْتِوَاءِ (2)۔ اے ام سلمہ! ان سے مراد وہی بیویاں ہیں۔ اگرچہ وفات کے وقت وہ بالکل بوڑھی تھیں۔ ان کے بال سفید تھے، ان کی بینائی کمزور تھی، آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں لیکن جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ساری ہم عمر ہوں گی۔

عُرُبًا: ان کی دو صفتیں اور بیان کی ہیں۔ عرب: اس کا واحد عروبٌ ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں: فَالْعَرُوْبُ تُبَیِّنُ مَحَبَّتَهَا لِزَوْجِهَا بِشَكْلٍ وَّغَنَجٍ وَّحُسْنِ كَلَامٍ (3)۔ یعنی وہ عورت جو ناز و ادا اور خوش گفتاری سے اپنی محبت کا اظہار اپنے خاوند سے کرے۔ یہ عورت کی ایسی صفت ہے جس میں اس کی نسوانیت کی ساری خوبیاں سمٹ آتی ہیں۔ حسین و جمیل بھی ہو، ناز و ادا والی بھی ہو، خوش گفتار بھی ہو اور ہنس مکھ بھی اور اپنے خاوند کو دل سے چاہنے والی بھی ہو اور اپنی چاہت کو چھپانے والی نہ ہو بلکہ اس کا اظہار کرنے والی ہو۔

صاحب لسان العرب اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلْمَرْاَةُ الضَّحَّاكَةُ وَقِيْلَ هِیَ الْمُتَحَبِّبَةُ اِلٰی زَوْجِهَا وَالْمُظْهِرَةُ لَهٗ وَقِيْلَ هِیَ الْعَاشِقَةُ لَهٗ (4)۔ اتراب: ہم عمر۔

۱۴ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: هُمَا جَمِیْعًا مِّنْ اُمَّتِیْ (5)۔ یعنی اس امت کا اوّل و آخر مراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی اور ان میں سے اَسّی صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی (6)۔ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام۔

امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم باہر تشریف لائے اور فرمایا: آج میرے سامنے ساری امتیں پیش کی گئیں۔ ایسے نبی بھی میرے سامنے سے گزرے جن کے ساتھ صرف

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 208 2۔ ایضاً، جز 17، ص 210، (موسوعۃ میں صرف قرطبی کا حوالہ ہے) 3۔ ایضاً، جز 17، ص 211

4۔ لسان العرب، ج 1، ص 591 5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 174 6۔ جامع ترمذی، ابواب صفة الجنة، باب ماجاء فی سن اہل الجنة، ج 2، ص 77

وَ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ؕ﴿۴۱﴾ فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ۙ﴿۴۲﴾

اور بائیں ہاتھ والے ، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی ١٥ (یہ بدنصیب) جھلستی لُو اور کھولتے ہوئے پانی میں

وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ۙ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ

اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دِہ ۔ بے شک یہ لوگ پہلے

ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿ۚۖ۴۵﴾ وَ کَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿ۚ۴۶﴾

بڑے خوش حال تھے ١٦ اور وہ اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر ۔

ایک امتی تھا۔ کسی کے ساتھ دو اور بعض کے ساتھ ایک گروہ اور بعض ایسے نبی تھے جن کے ساتھ ایک امتی بھی نہ تھا۔ پھر میں نے ایک جمِ غفیر دیکھا جس نے آسمان کے کنارے کو گھیر لیا تھا۔ کہا گیا: یا رسول اللہ! یہ آپ کی امت ہے۔ مَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعُوْنَ اَلْفًا يَّدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ ان میں ستر ہزار آپ کے وہ غلام ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ کے ایک صحابی جن کا نام عکاشہ ابن محصن تھا، آگے بڑھے اور عرض کیا: اَمِنْهُمْ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اے اللہ کے رسول! کیا میں ان میں سے ہوں؟ قَالَ نَعَمْ۔ فرمایا: ہاں، تو ان میں سے ہے۔ وَقَامَ اٰخَرُ وَقَالَ اَمِنْهُمْ اَنَا؟ فَقَالَ سَبَقَكَ عُكَاشَةُ۔ پھر ایک اور اٹھا اور عرض کیا کہ کیا میں ان میں سے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔ (1)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارا حشر بھی اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں کرے اور ہم گناہ گاروں کو شفیع المذنبین کی شفاعت نصیب کرے۔ آمین ثم آمین!

١٥ یہاں سے ان بدنصیبوں کا حالِ زار بیان کیا جا رہا ہے جنہیں قیامت کے روز ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

مشکل الفاظ کی تشریح ملاحظہ ہو: **سَمُوْمٍ**: جھلسا دینے والی لو۔ **حَمِيْمٍ**: سخت کھولتا ہوا پانی۔ **يَحْمُوْمٍ**: اَیْ دُخَانُ جَهَنَّمَ اَسْوَدُ شَدِيْدُ السَّوَادِ (2) جہنم کا سخت سیاہ دھواں۔ **لَا كَرِيْمٍ**: كُلُّ مَالَا خَيْرَ فِيْهِ (3)۔ جس میں ان کے لیے کوئی آرام اور سکون نہ ہوگا۔

قاعدہ ہے کہ جب انسان کو گرم لو جھلس دیتی ہے تو وہ پیاس محسوس کرتا ہے۔ ٹھنڈے پانی کی خواہش کرتا ہے اور گھنے سائے کی طرف بھاگتا ہے لیکن یہ بدبخت جب آتشِ جہنم میں بھونے جائیں گے اور پیاس کی شدت سے تلملانے لگیں گے تو انہیں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے بجائے گرم اور کھولتا ہوا پانی ملے گا اور جب کسی گھنے سائے میں پناہ لینا چاہیں گے تو بجز جہنم سے اٹھتے ہوئے سیاہ دھوئیں کے سایہ کے اور کوئی سایہ انہیں نصیب نہ ہوگا۔ اب خود ہی ان کی حالتِ زار کا اندازہ لگائیے۔

١٦ وہ اس اندوہناک انجام سے کیوں دوچار ہوئے۔ اس کی وجوہات بیان کی جا رہی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ مترف تھے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنۃ سبعون الفاً بغیر حساب، ج2، ص968
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز17، ص213
3۔ ایضاً

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا

اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ

لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٩﴾

زندہ کیے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (یہ ناممکن ہے) آپ فرمادیجیے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی۔

لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا

سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں۔ پھر تمہیں اے گمراہ ہونے

الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِئُوْنَ

والو! اے جھٹلانے والو! حتماً کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے۔ پس تم بھروگے

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ

اس سے (اپنے) پیٹوں کو۔ پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی۔ اس طرح پیوگے جیسے

اَلْمُتْرَفُ: اَلْمُتَنَعِّمُ، اَلْمُتَوَسِّعُ فِیْ مَلَاذِ الدُّنْیَا وَ شَھَوَاتِھَا (لسان العرب) (1) یعنی ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔ دنیا کی لذتوں اور نفس کی خواہشوں میں وہ اپنا سارا وقت ضائع کرتے تھے۔ انہیں نہ کبھی خدا یاد آیا اور نہ ان کے دلوں میں کبھی حاجت مند لوگوں کی امداد کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ساری عمر انہوں نے عیش و عشرت میں برباد کردی۔ ان کی تباہی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ شرک پر مصر تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کے روشن نشانات دکھائے گئے لیکن وہ اپنے عقیدۂ شرک پر اڑے رہے۔ حنث گناہِ عظیم کو کہتے ہیں اور اس سے مراد شرک ہے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ قیامت کے منکر تھے۔ ان وجوہات کے باعث انہیں یہ دردناک سزا بھگتنی پڑی۔

الھیم: اس کا واحد اَھْیَمُ ہے اور اس کی مؤنث ھیمیٰ۔ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پیاس کی ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ جتنا پانی پی جائے اس کی پیاس نہ بجھے۔ اَلْاِبِلُ الْعِطَاشُ الَّتِیْ لَا تَرْوٰی بِدَاءٍ یُّصِیْبُھَا۔ ضحاک اور اخفش نے اس کا ایک اور معنی بتایا ہے۔ ھیم: اَلْاَرْضُ السَّھْلَۃُ ذَاتُ الرَّمْلِ۔ ریتلی زمین جسے جتنا سیراب کیا جائے وہ خشک ہی رہتی ہے۔ فرمایا جارہا ہے کہ ان لوگوں کو بھوک اتنا ستائے گی کہ یہ زقّوم کا بدبودار اور کڑوا درخت کھانے پر مجبور ہوجائیں گے اور پیاس کی شدت کا یہ حال ہوگا کہ پینے کے لیے انہیں کھولتا ہوا پانی ملے گا جس سے ہونٹ اور منہ جل جائے گا۔ آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گی، لیکن وہ اس کھولتے ہوئے پانی کو پیاسے اونٹ کی طرح پیتے چلے جائیں گے۔ (2)

1۔ لسان العرب، ج 9، ص 17

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 15-214

شُرْبَ الْهِيْمِ (۵۵) هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (۵۶) نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ

پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن ۱۷؎ (آج غور کرو) ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے پس تم

فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ (۵۷) اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ (۵۸) ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ

قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے ۱۸؎ بھلا دیکھو تو جو منی تم ٹپکاتے ہو ۱۹؎ (اور سچ سچ بتاؤ) کیا تم اس کو (انسان بناکر) پیدا کرتے

۱۷؎ یہ لوگ آج تو رنگ برنگے لذیذ کھانے کھاتے ہیں۔ ہر روز ان کے دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چنے جاتے ہیں۔ کبھی انہوں نے یہ بھی سوچا ہے کہ قیامت کے دن ان پر کیا بیتے گی؟ انہیں کھانے کے لیے کیا ملے گا اور پینے کے لیے کیا دیا جائے گا؟

۱۸؎ مشرکین اور منکرین قیامت کو طرح طرح کے دلائل پیش کر کے سمجھایا جارہا ہے کہ وہ شرک سے باز آجائیں۔ توحیدِ باری پر ایمان لے آئیں اور یقین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو ضرور بالضرور برپا کرے گا۔

یہاں سے پہلی دلیل شروع ہوتی ہے کہ تم خوب جانتے ہو کہ تم عدم محض تھے۔ ہم نے تم کو نیست سے ہست کیا۔ اگر ہم تم کو عدم سے موجود کرسکتے ہیں تو تمہارے مرنے کے بعد تم کو ازسرِ نو پیدا کردینا ہمارے لیے کیا مشکل ہے؟ مشکل ابتدا ہوا کرتی ہے، اعادہ مشکل نہیں ہوا کرتا۔

۱۹؎ بچے کی پیدائش میں انسان کا تو بس اتنا دخل ہے کہ وہ منی کا قطرہ شکمِ مادر میں ٹپکا دے۔ انسان کا مادۂ تولید ایسے اَن گنت نہایت باریک جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے جن میں مادہ کے بیضہ سے ملنے اور عملِ تلقیح سرانجام پانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ بارہا وہ کروڑوں جرثومے ضائع ہوجاتے ہیں اور عملِ تلقیح رونما نہیں ہوتا۔ کس کا دستِ قدرت ان بے شمار جرثوموں میں سے ایک جرثومہ کا انتخاب کرتا ہے اور پھر اس کو عورت کے بیضہ سے جاکر ملا دیتا ہے۔ پھر رحم کے ایک تنگ و تاریک گوشہ میں اس کو قرار بخشتا ہے۔ پھر اس میں آہستہ آہستہ عقل کو دنگ کردینے والے تغیرات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں زندگی کی برقی رَو دوڑنے لگ جاتی ہے۔ پھر اس میں مختلف اعضا نمودار ہونے لگتے ہیں۔ اس کے دل و دماغ میں صلاحیتوں اور قابلیتوں کا ایک سمندر سمو دیا جاتا ہے۔ وہی اندھا بہرہ، بے جان جرثومہ نو ماہ کے بعد جب باہر قدم رکھتا ہے تو اس کا گول مٹول چاند سا چہرہ اور اس کے خدوخال دل کو موہنے لگتے ہیں۔ اے کفار! سچ سچ بتاؤ! اس قطرۂ آب کو یہ رُوپ، یہ رنگ کس نے مرحمت فرمایا؟ یہ چمکتی ہوئی آنکھیں، یہ ہونٹ، یہ زبان، یہ ناک، یہ کان اور دیگر معنوی خوبیاں کس کا انعام ہیں؟ کیا اس میں بچے کے باپ کا یا اس کی ماں کا کوئی عمل دخل ہے؟ کیا تمہارے بے بس اور بے خبر خداؤں نے اس میں کوئی کارنامہ انجام دیا ہے؟ کیا اندھی فطرت کے حیطۂ امکان میں یہ بات ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس خداوندِ ذوالجلال کا انکار کیا جائے یا اس کے ساتھ کسی دیوی دیوتا کو شریک کیا جائے؟ پھر ذرا اس پر بھی غور کرو کہ جس خدا کی قدرت و حکمت کا یہ عالم ہے، کیا مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے مشکل ہے؟

اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ

ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم ہی نے مقرر کی ہے تمہارے درمیان موت ۲۰؎ اور ہم (اس سے)

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا

عاجز نہیں ہیں ۲۱؎ کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

تم نہیں جانتے ۲۲؎ اور تمہیں اچھی طرح علم ہے اپنی پہلی پیدائش کا (پس تم اس میں) کیوں غور و خوض نہیں کرتے ۲۳؎

۲۰؎ ہم نے ہی تم کو نیست سے ہست کیا ہے۔ ہم نے ہی تمہارے لیے موت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ تمہاری پیدائش اور موت دونوں ہمارے قبضہ میں ہیں۔ اگر تم میرے احکام کی خلاف ورزی کرو یا میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ تو اس سے بڑھ کر اور حماقت کیا ہو سکتی ہے؟

۲۱؎ جب ہم چاہیں گے قیامت کے روز تمہیں پھر زندہ کر دیں گے۔ کوئی ایسی طاقت نہیں جو ہمیں ایسا کرنے سے روک دے۔ مَسْبُوْقِيْنَ: مَغْلُوْبِيْنَ۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے اگر ہم تم کو فنا کر دیں اور تمہاری جگہ تمہاری مثل اور لوگ لے آئیں تو ہم ایسا کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں۔(1)

۲۲؎ اور ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ تمہاری خلقت کو بالکل بدل دیں۔ تمہاری قد و قامت، تمہاری رنگت، تمہارے خد و خال یکسر مختلف ہوں۔ جو صلاحیتیں اب تمہارے اندر موجود ہیں، ان کے برعکس اور صلاحیتیں تمہیں ودیعت کر دیں۔ اب بھی ہم نے اپنی مرضی سے جیسا چاہا پیدا فرما دیا اور اگر ہم تمہاری موجودہ حالت میں ردوبدل کرنا چاہیں تو ہمیں کوئی روک نہیں سکتا۔

نیک لوگ اگر اس دنیوی زندگی میں خوبصورت نہ تھے، لیکن قیامت کے دن ان کے چہرے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ ان کے حسن کا نکھار، دلوں کو لبھا رہا ہو گا اور گناہگاروں کے چہروں پر نحوست برس رہی ہو گی۔ انہیں دیکھ کر طبیعت میں وحشت پیدا ہو گی۔

۲۳؎ تم اپنی پہلی پیدائش کے بارے میں تو جانتے ہو کہ کس طرح ایک جرثومہ سے تمہارا آغاز ہوا اور کس طرح تمہیں مرتبۂ کمال تک پہنچایا گیا۔ اگر تم ذرا غور و تدبّر کرو گے تو تمہیں یہ باور کرنے میں ذرا تردّد نہ رہے گا کہ تمہارا خالق تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنے کی پوری قُدرت رکھتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 216

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾

کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے جو تم بوتے ہو ۲۴ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہی اس کو اگانے والے ہیں۔

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا بنادیں پھر تم کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ ۲۵ (ہائے!) ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ

بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو ۲۶ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم

اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ

نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری

۲۴ توحیدِ باری اور وقوعِ قیامت پر ایک دوسری دلیل پیش کی جارہی ہے۔ کھیتی باڑی کے متعلق تمہیں تفصیلی علم ہے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ زمین میں ہل چلاؤ اور اس میں بیج ڈالو۔ اس کے بعد اس کے پک کر تیار ہونے تک جو حیران کن تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں، کیا اس میں تمہارا بھی کوئی دخل ہے؟ پھر ان کے لیے جتنی حرارت، ٹھنڈک، روشنی، ہوا، رطوبت وغیرہ عوامل کی ضرورت ہوتی ہے، ان کو مناسب مقدار میں اور بروقت کون مہیا کرتا ہے؟ کیا تمہارے بتوں، دیوی دیوتاؤں میں یہ قدرت ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیوں کرتے ہو؟ نیز جو ذات اس دانے کو جو زمین میں گل جاتا ہے، اس کو پھر ایک تناور پودا بنا دیتی ہے، کیا اس کے لیے مشکل ہے کہ وہ انسان کو خاک میں ملنے کے بعد نئی زندگی عطا فرما دے؟

۲۵ اگر ہم چاہیں تو لہلہاتے کھیتوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیں۔ نہ وہ انسانوں کی خوراک بن سکیں اور نہ حیوانات کے لیے چارہ کا کام دے سکیں۔ تم نے زراعت کو نفع بخش بنانے کے لیے کافی روپیہ خرچ کیا تھا۔ اعلیٰ بیج مہنگے داموں خریدا تھا۔ کھاد فراہم کی تھی۔ آب پاشی کے لیے بڑے مصارف برداشت کیے تھے۔ تمہیں یہ توقع تھی کہ بڑی آمدنی ہوگی، لیکن خرچہ بھی پلّے نہ پڑا۔ اس وقت تم حسرت و یاس سے کفِ افسوس ملنے لگو گے اور کہو گے: ہائے افسوس! ہماری لاگت بھی ضائع ہوگئی۔ افسوس! ہم بڑے بدنصیب ثابت ہوئے۔

تَفَكَّهُوْنَ: تَنَدَّمُوْنَ (لسان العرب) یعنی نادم ہونا۔ (1)

۲۶ انسان صرف بھوک ہی محسوس نہیں کرتا اسے پیاس بھی لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس طرح ہم نے تمہاری خوراک کا انتظام فرمایا ہے اسی طرح تمہاری پیاس بجھانے کے لیے پانی کی فراہمی بھی ہم نے اپنے ذمۂ کرم پر لی ہوئی ہے۔ ذرا غور کرو جو پانی تم کنوؤں، چشموں، دریاؤں سے پیتے ہو یہ کہاں سے آتا ہے؟ یہی نا، کہ بادل گھر کر آتے ہیں۔ بارش برستی ہے۔ کچھ پانی

1۔ لسان العرب، ج 13، ص 524

أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنتُمْ

بنا دیتے ۲۷ پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے ۲۸ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے آگ کو جو تم سلگاتے ہو ۲۹ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے

أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِـُٔونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَ

اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور

دریاؤں میں بہنے لگتا ہے۔ کچھ مقدار تالابوں میں بھر جاتی ہے اور اس کا اکثر حصہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور تہہِ زمین پانی کے ذخائر جمع ہو جاتے ہیں جن کو مختلف طریقوں سے تم کشید کرتے ہو۔ الغرض ہر قسم کے پانی کا اصلی سرچشمہ بارش ہے۔ بھلا بتاؤ اس میں کسی غیر کی کوئی مداخلت ہے۔ لبالب بھرے ہوئے سمندر کس کے ہیں؟ سورج کی جو کرنیں ان پانیوں کو بخارات میں تبدیل کر دیتی ہیں وہ کس کی ہیں؟ پھر ہوائیں کس کے حکم سے ان بخارات کو اٹھا کر مناسب بلندی پر پہنچا دیتی ہیں؟ وہ برودت جو ان بخارات کو پانی میں تبدیل کرتی ہے وہ کون مہیا کرتا ہے؟ پھر کس کے حکم سے بادل ایک مقررہ مقدار میں بارش برساتے ہیں؟ جب یہ ساری کارروائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہی ہے تو پھر اس کا انکار یا کسی کو اس کی خدائی میں شریک کرنا کہاں کی عقل مندی ہے؟

۲۷ اُجَاج سخت کڑوے کو کہتے ہیں۔ مِلْحًا: مُرًّا (1)۔ یہاں سے اپنی ایک اور حکمت کی طرف اشارہ فرمادیا کہ بارش ان بخارات سے بنتی ہے جو سمندروں کے پانی سے اٹھتے ہیں۔ سمندروں کا پانی کھاری نمکین ہوتا ہے۔ نیز اس میں ایک خاص قسم کی بدبو اور (چکناہٹ) بھی ہوتی ہے۔ لیکن جب بارش برستی ہے تو اس کے پانی میں نہ سمندر کا کھارا پن پایا جاتا ہے اور نہ اس بدبو کا کہیں نام و نشان ہوتا ہے۔ میٹھا اور شفاف آبِ زُلال ان بادلوں سے ٹپکتا ہے۔ ذرا سوچو سورج کی کرنوں کو کس نے یہ سلیقہ سکھایا کہ جب پانی کشید کرو تو اس کی نمکینی اور بدبو کو مت کشید کرو۔ صرف خالص پانی کے اجزاء کو بخارات میں تبدیل کرنا؟ اگر یہ اہتمام نہ کیا جاتا تو جہاں بارش کا کھاری پانی برستا وہاں ساری زمین شور اور ناقابلِ کاشت ہو جاتی۔ میٹھے پانی کے جو ذخیرے پہلے سے موجود تھے وہ بھی استعمال کے قابل نہ رہتے۔ انسانی زندگی تو کجا حیوانی اور نباتاتی زندگی کے آثار بھی مٹ جاتے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

۲۸ کفرانِ نعمت تو تمہیں زیب نہیں دیتا۔ آؤ اپنے رب کا شکر ادا کرو تا کہ وہ اپنے احسانات سے تمہیں مزید مالا مال کر دے۔

۲۹ انسانی تمدن کی ترقی اور معاشرہ کی بہبود میں آگ کو جتنا دخل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اس سے گرمی حاصل کی جاتی ہے۔ اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اس سے طرح طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں۔ صنعت و حرفت میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔ غرضیکہ اگر آگ کا وجود نہ ہوتا تو زندگی کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توجہ اپنی اس گراں قدر نعمت کی طرف مبذول کرا رہا ہے۔

عرب میں دو درخت تھے۔ ایک کا نام مَرخ تھا اور دوسرے کا نام عفّار۔ مرخ کو اوپر اور عفار کو نیچے رکھ کر جب رگڑا جاتا تو اس سے پانی کے قطرے ٹپکتے جن سے آگ نکلنے لگتی۔ اوپر والی لکڑی (مرخ) کو زند کہا جاتا اور نیچے والی لکڑی (عفار) کو زندہ کہا جاتا۔ اس درخت سے مراد وہ سارے درخت بھی ہو سکتے ہیں جو ایندھن کا کام دیتے ہیں۔ (2)

1۔ القاموس المحیط، ج 1، ص 100، تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 179

2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 335

ع ۲/۳۶ ۱۵ الثلثة

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ

فائدہ مند مسافروں کے لیے ۳۰؎ تو اے حبیب! تسبیح کیجیے اپنے رب عظیم کے نام کی ۳۱؎ پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں

النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ستارے ڈوبتے ہیں ۳۲؎ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا،

۳۰؎ قواء اس زمین کو کہتے ہیں جو بنجر اُجاڑ ہو اور آبادی سے بہت دور ہو۔ اَلْقُوَاءُ هِيَ الْاَرْضُ الْقَفْرُ الْخَالِيَةُ الْبَعِيْدَةُ مِنَ الْعُمْرَانِ (1)۔ اِقواء کا معنی ہے ایسی بنجر اجاڑ زمین میں فروکش ہونا۔ اسی لیے مسافر کو مُقْوِی کہتے ہیں، کیونکہ بسا اوقات سفر میں اسے ایسے مقامات پر فروکش ہونا پڑتا ہے جہاں پانی وغیرہ دستیاب نہیں ہوتا۔

اگرچہ آگ مقیم اور مسافر سب کے لیے مفید ہے، لیکن ایک مسافر کے لیے اس کی افادیت بہت زیادہ ہے۔ نیز ویران ریگزاروں میں جب آگ جلتی ہے تو اس کی روشنی میلوں تک دکھائی دیتی ہے۔ کئی راہگیر جن کی کوئی پناہ نہیں ہوتی آبادی کے اس نشان کو دیکھ کر وہاں آجاتے ہیں۔ عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ رات کے وقت اپنے ڈیروں پر اونچی جگہ الاؤ روشن کر دیتے تھے۔ بھولے بھٹکے مسافر وہاں آجاتے اور وہ ان کی خاطر مدارات کرتے۔ عرب کا ایک شاعر اپنی سخاوت کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

وَ لَا اُخْمِدَتْ نَارٌ لَّنَا دُوْنَ طَارِقٍ ‌ ‌ ‌ وَ لَا ذَمَّنَا فِي النَّازِلِيْنَ نَزِيْلُ (2)

یعنی آدھی رات کو آنے والا مسافر ہماری آگ کو بجھا ہوا نہیں پاتا اور ہمارے مہمان ہماری مذمت نہیں کیا کرتے۔

۳۱؎ اے حبیب! اپنے عظمت والے رب کی پاکی بیان کرو جس کی قدرت، حکمت، رحمت اور علم کے گوناگوں شواہد پیش کیے گئے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہر قسم کے نقص، ضعف اور عیب سے پاک ہے۔

۳۲؎ یہاں "لا" نفی کے لیے نہیں بلکہ تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے جس طرح لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ میں لا زائدہ للتاکید ہے۔ اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ لام قسم کے لیے ہے۔ اس میں اشباع کی وجہ سے الف بڑھ گیا جیسے اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْعَقْرَابِ (3)۔ مواقع: موقع کی جمع ہے۔ قتادہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات ہیں، کیونکہ ان کے غروب سے ہی اللہ تعالیٰ کی توحید اور ان اجرام سماوی کے فانی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اور قتادہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مواقع النجوم سے مراد ان کی منزلیں اور ان کی مداریں ہیں۔ اِنَّهَا مَنَازِلُهَا وَ مَجَارِيْهَا۔ (4)

بعض علماء نے مواقع النجوم کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ نجوم سے مراد صحابہ کرام اور مواقع سے مراد ان کی سجدہ گاہیں ہیں جہاں وہ اپنے رب کے حضور میں سربسجود رہا کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک مواقع سے مراد اُن کے مزارات پُرانوار ہیں جہاں وہ جہادِ اکبر یا جہادِ اصغر میں جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد استراحت فرما ہیں۔ مُلا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر احمدی میں

1- تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص180 ‌ 2- دیوانِ حماسہ، ص22 ‌ 3- روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز27، ص152 ‌ 4- ایضاً، جز27، ص153

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۭ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ

ایک کتاب میں جو محفوظ ہے ۳۳ اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں ۳۴ یہ اتارا گیا ہے رب العالمین

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۙ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ

کی طرف سے ۔ کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو ۳۵ اور (اس کی بے پایاں برکتوں سے تم نے اپنا

لکھتے ہیں: اَوِ النُّجُوْمُ نُجُوْمُ الصَّحَابَةِ وَمَوَاقِعُهَا مَسَاجِدُهُمْ اَوْ مَقَابِرُهُم (1)۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں: وَقِيْلَ النُّجُوْمُ الصَّحَابَةُ وَالْعُلَمَاءُ الْهَادُوْنَ بَعْدَهُمْ وَمَوَاقِعُهُمُ الْقُبُوْرُ۔ (روح البیان) (2)

۳۳ قسم اس بات پر اٹھائی جا رہی ہے کہ یہ کتاب جادو، شعر اور اساطیرِ کہن نہیں جیسے کفار گمان کرتے ہیں بلکہ یہ کتابِ کریم ہے۔ اسے کریم کہنے کی متعدد وجوہات ہیں: كَرِيْمٌ عِنْدَ اللهِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ بڑی مکرم و معظم ہے۔ قِيْلَ كَرِيْمٌ لِاَنَّهٗ يَدُلُّ عَلٰى مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَ مَعَالِي الْاُمُوْرِ وَ شَرَائِفِ الْاَفْعَالِ۔ یہ کریم ہے کیونکہ یہ مکارمِ اخلاق کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اعلیٰ مقاصد کی رغبت دلاتی ہے اور پسندیدہ افعال پر اکساتی ہے۔ وَقِيْلَ كَرِيْمٌ لِنُزُوْلِهٖ مِنْ عِنْدِ كَرِيْمٍ بِوَاسِطَةِ الْكِرَامِ اِلٰى اَكْرَمِ الْخَلْقِ (3)۔ یہ کریم ہے کیونکہ یہ رب کریم کی طرف سے اتری ہے، کرامت والے فرشتے اسے لے کر نازل ہوئے ہیں اور اکرم الخلق پر نازل ہوئی ہے۔ كِتَابٌ مَّكْنُوْنٌ: لوحِ محفوظ۔

۳۴ یہاں لا اگرچہ نافیہ ہے لیکن نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس عزت والی کتاب کو طہارت کی حالت میں ہی چھونا چاہیے۔ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جُنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت نہ اسے چھو سکتی ہے اور نہ اسے پڑھ سکتی ہے اور کوئی شخص بے وضو ہو تو پڑھ سکتا ہے لیکن مصحف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ البتہ اگر اس کے اوپر کوئی غلاف ہے تو پھر ہاتھ لگا سکتا ہے۔ بچے جو تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے لیے باوضو ہونا ضروری نہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس کے لطائف و معارف، اسرار و رموز اور شاہد معنی تک رسائی کی سعادت ہر کس و ناکس کو نہیں بخشی جاتی، بلکہ یہ صرف ان نفوسِ قدسیہ کا حصہ ہے جن کا ظاہر و باطن، جن کا دل اور ذہن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہے۔ اس صورت میں لا نفی کا ہوگا۔

۳۵ قرآنِ کریم کی صفاتِ جلیلہ ذکر کرنے کے بعد کفار کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اے کفار! تمہاری طرف ایسی جلیل القدر کتاب نازل کی گئی ہے اور تم اسے اہمیت ہی کوئی نہیں دیتے۔ اس کے روشن دلائل سنتے ہو اور آیاتِ بینات دیکھتے ہو لیکن اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: مُّدْهِنُوْنَ: اَیْ مُتَهَاوِنُوْنَ۔ (4)

1۔ تفسیرات احمدیہ، زیر آیت ہذا، ص683، مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ محلہ جنگی، عقب قصہ خوانی بازار پشاور

2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج9، ص336

3۔ ایضاً

4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز27، ص155

رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۙ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ

یہی نصیب لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے ۳۶ پس تم کیوں لوٹا نہیں دیتے جب رُوح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت

حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۙ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

(پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو ۳۷ اور ہم (اس وقت بھی) تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے ۳۸

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ ۙ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ

پس اگر تم کسی کے پابندِ حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی رُوح)

صٰدِقِیْنَ ﴿۸۷﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۙ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ ۙ

اگر تم سچے ہو ۳۹ پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہو گا تو اس کے لیے راحت، خوشبودار غذائیں اور

۳۶ چاہیے تو یہ تھا کہ اس نعمتِ عظمیٰ سے جی بھر کر فائدہ اٹھاتے۔ اپنے دلوں کو نورِ معرفت سے منور کرتے۔ زندگی کا ہر لمحہ اس کے ارشادات کے مطابق بسر کرتے، لیکن تمہاری بدقسمتی کی کوئی حد نہیں کہ اس احسانِ عظیم سے تمہیں یہی حصہ ملا کہ تم نے اس کا انکار کر دیا۔ خوش نصیب لوگ اللہ کی رحمت کے خزانوں سے جھولیاں بھر بھر کر لے گئے اور تم کفر و انکار کی دلدل میں پھنسے رہے۔

۳۷ انہیں اپنی قوت اور جوانی، اپنی سطوت اور سلطانی اور دولت کی فراوانی پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اسی لیے تو یہ میرے رسول کی باتوں کو توجہ سے نہیں سنتے اور میرے اس کلام پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ ان کا یہ گھمنڈ سراسر بے جا ہے۔ ذرا وہ بتائیں کہ ان کا اکلوتا بیٹا دم توڑ رہا ہو، وہ خود اس کے پاس بیٹھے ہوں، کیا ان میں یہ کَس بَل ہے کہ وہ آگے بڑھ کر گلے میں اٹکی ہوئی روح کو بدن میں واپس کر دیں؟ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

انسان کی بے بسی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہے کہ وہ اپنے لختِ جگر کو بھی موت کے پنجہ سے چھڑا نہیں سکتا۔

۳۸ اگرچہ تم سرِ بالیں بیٹھے ہو، اگرچہ تم نے اسے اپنی گود میں اٹھا رکھا ہے لیکن جو قرب ہمیں اس سے حاصل ہے وہ تمہیں میسر نہیں۔ ہم اپنی قدرت، علم اور رؤیت کے اعتبار سے اس سے بہت زیادہ قریب ہیں لیکن تم اس قرب کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔

۳۹ آیت میں غَیْرَ مَدِیْنِیْنَ کا لفظ غور طلب ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں: اَلدِّیْنُ: اَلذِّلُّ وَالْمَدِیْنُ: الْعَبْدُ۔ وَالْمَدِیْنَةُ: الْاَمَةُ الْمَمْلُوْكَةُ كَاَنَّهُمَا اَذَلَّهُمَا الْعَمَلُ(1)۔ یعنی دین کا معنی سرافگندی اور تابعداری ہے۔ غلام کو مدین اور کنیز کو مدینہ کہتے ہیں کیونکہ وہ دونوں اپنے مالک کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہوتے ہیں اور اس کے حکم سے انہیں سرتابی کی مجال نہیں

1۔ لسان العرب، ج13، ص170

وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿٨٩﴾ وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ

سرور والی جنت ہوگی ٤٠ اور اگر وہ اصحابِ یمین (کے گروہ) سے ہو گا تو (اسے کہا جائے گا)

لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ

تمہیں سلام ہو اصحابِ یمین کی طرف سے۔ اور اگر (وہ مرنے والا) جھٹلانے والے گمراہوں

الضَّآلِّيۡنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

سے ہو گا۔ تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی۔ اور داخل ہونا پڑے گا اسے بھڑکتے دوزخ میں۔ بے شک (جو بیان ہوا) یہ

حَقُّ الۡيَقِيۡنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿٩٦﴾

ع ٣ ٢٢ ١٦

یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) پاکی بیان کیجیے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے ٤١

ہوتی۔ اس کے بعد علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: وَقَوۡلُهٗ تَعَالٰی فَلَوۡلَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ: قَالَ الۡفَرَّاءُ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ اَیۡ غَيۡرَ مَمۡلُوۡكِيۡنَ (1)۔ اس آیت میں فراء کہتے ہیں کہ غیر مدینین کا معنی ہے غیر مملوکین۔ یعنی اگر تم کسی کے زیر فرمان اور تابع حکم نہیں، بلکہ اپنی مرضی کے مالک ہو، جو جی میں آئے وہ کر گزرتے ہو تو پھر گلے تک آئی ہوئی روح کو اپنے اختیار اور قدرت سے واپس کیوں نہیں لوٹا دیتے؟ تمہاری انتہائی آرزو ہے کہ تمہارا بیٹا زندہ رہے۔ تم نے اس کی صحت کے لیے بڑے جتن کیے ہیں۔ قابل ترین طبیبوں سے علاج کرایا ہے۔ اس کے باوجود تم اپنے بیٹے کو بچا نہیں سکتے۔ تم سے زیادہ بڑھ کر بے بس اور کون ہو سکتا ہے؟ قدرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔

٤٠ اس کے بعد اب متوفی کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر وہ مقربین کے زُمرے میں سے ہے تو اس کا اعزاز و اکرام اس طرح کیا جائے گا۔ اگر وہ اصحاب الیمین میں سے ہے تو اُس کی پذیرائی یوں ہوگی اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہے تو اس کی درگت یوں بنے گی۔ یہ جو کچھ تمہیں بتایا جا رہا ہے یہ حق ہے، یہ سچ ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

٤١ اے محبوب! اپنے عظمت والے رب کی پاکی بیان کرو۔ تو اس کی صفتِ ربوبیت کا شاہکار ہے۔ جس طرح اس کی عظمت و کبریائی کا بیان تو کر سکتا ہے اس طرح اور کوئی نہیں کر سکتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح سن کر تو صرف پرندے اور دشت و جبل اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہنے لگے تھے، اے حبیب! جب آپ اپنے رب جلیل کی تسبیح بیان کریں گے تو آسمانوں کی بلندیاں،

1۔ لسان العرب، ج 13، ص 170

زمین کی پستیاں، سمندروں کی وسعتیں اور فضاؤں کی بے کرانیاں اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی تحمید و تمجید، اس کی تسبیح و تہلیل سے گونج اٹھیں گی۔

○○○

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۗ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ وَ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ وَ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَجِلَاءَ حُزْنِیْ وَذِهَابَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ بِجَاهِ حَبِیْبِكَ الْمُصْطَفٰی وَرَسُوْلِكَ الْمُرْتَضٰی وَ نَبِیِّكَ الْمُجْتَبٰی الَّذِیْ عَلَّمَنَا هٰذَا الدُّعَاءَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَزْكٰهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَسْنٰهَا وَمِنَ الْبَرَكَاتِ اَوْفٰهَا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

○○○

تعارف

سُورَۃُ الحَدید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کی پچیسویں آیت میں وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ کا جملہ ہے۔ اسی سے اس کا نام الحدید رکھا گیا ہے۔ اس میں چار رکوع، انتیس آیتیں، پانچ سو چوالیس کلمے، دو ہزار چار سو چھہتر حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: باتفاق علماء یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ (1)

مضامین: اس کی آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول غزوۂ اُحد اور صُلحِ حدیبیہ کے درمیانی عرصہ میں ہوا جب کہ اسلام اور کفر کی جنگ بڑے نازک اور فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی۔ بدر اور اُحد کی جنگیں مسلمانوں اور صرف کفارِ مکّہ کے درمیان تھیں۔ دیگر عرب قبائل جو مکہ کے دُور و نزدیک آباد تھے وہ ان دو جنگوں میں ملوث نہیں تھے۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ یہ کشمکش مکہ کے باشندوں کے دو گروہوں تک محدود ہے۔ اس میں انہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ اہلِ مکہ بھی یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ بے یار و مددگار اور غریب الدیار مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے اُن کے اپنے نبرد آزما جوان کافی ہیں۔ انہیں کسی دوسرے قبیلہ سے امداد کی درخواست کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بدر کی غیر متوقع شکست فاش نے اُن کی آنکھیں کھول دیں۔ اس کا انتقام لینے کے لیے کفّارِ مکہ نے جس مہم کا پروگرام بنایا تھا اُس میں اُنہوں نے اپنے تمام مادی وسائل اور افرادی قوت کو جھونک دیا۔ ابوسفیان جو اس بپھرے ہوئے لشکر کا سالار تھا، جس کی تعداد تین ہزار تھی، اسے یقین تھا کہ اس کا لشکر مسلمانوں کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ جب اُحد پہاڑ کی ترائی میں اس کا مقابلہ مٹھی بھر مسلمانوں سے ہوا تو اس کے ہوش اُڑ گئے۔ مسلمانوں نے پہلے ہلّہ میں ہی ان کو میدانِ جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اگر مسلمانوں کے تیر افگن دستہ سے غلطی سرزَد نہ ہوتی تو جنگِ اُحد کا نتیجہ ان کے لیے بدر سے کہیں زیادہ حوصلہ شکن، بلکہ تباہ کُن ہوتا۔ ابوسفیان اگرچہ اپنے لشکر کو بچا لانے میں کامیاب ہو گیا، لیکن اپنی مکمّل فتح اور مسلمانوں کو کلیۃً مٹا دینے کے جو ارادے لے کر وہ گیا تھا اس میں اُسے بری طرح ناکامی ہوئی۔ اب اہلِ مکہ کو پتہ چل گیا کہ وہ جلاوطن مسلمانوں سے تنہا ٹکر نہیں لے سکتے۔ اس لیے انہوں نے مختلف قبائل کے پاس اپنے وفد بھیجے اور اپنے بتوں کی دہائی دے کر انہیں مسلمانوں کے خلاف امداد کی دعوت دی۔

مسلمانوں کے لیے صورتِ حال اب مزید خطرناک اور پریشان کن ہو گئی۔ اب انہیں اپنے بچاؤ اور اپنی جان سے عزیز تر اسلام کی بقا کے لیے پہلے سے بھی کہیں زیادہ جانی اور مالی قربانیاں پیش کرنے کی ضرورت تھی۔ اَب اُن کے مدِّ مقابل صرف اہلِ مکّہ نہ تھے بلکہ اُن کی جنگ جزیرۂ عرب کے سارے مُشرِک قبیلوں سے چھڑ گئی تھی۔

1۔ تفسیر قرطبی، جز 17، ص 235

ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی۔ اس میں انہیں کوئی حکم دینے سے پہلے خداوندِ قدوس کی صفاتِ کمال اور شانِ کبریائی سے متعارف کرایا۔ پھر انہیں اسلام کی سربلندی کے لیے بڑی فیاضی سے اپنے مال خرچ کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی انہیں یہ بات بھی سمجھادی کہ یہ مال و متاع جو آج تمہارے پاس ہے کل کسی اور کی ملکیت تھا۔ کیا معلوم دو روز بعد یہ تم سے لے کر کسی اور کو دے دیا جائے۔ تم اس کے حقیقی مالک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جو حقیقی مالک ہے تم اس کے نائب ہو۔ اُس کے نام کو بلند کرنے کے لیے اگر اس مال کو خرچ کرنے کا موقع آئے تو اسے غنیمت جانو۔ تمہیں اس کا بڑا اجر ملے گا۔

آیت نمبر ۱۰ میں بتادیا کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہیں گے۔ اسلام کے دشمن ہمیشہ اسی طرح گرجتے اور غراتے نہیں رہیں گے۔ مسلمانوں کی کمزوری کی کیفیت بھی عارضی ہے۔ اللہ کے فضل سے حالات بدل جائیں گے۔ باطل کی قوت کو کچل کر رکھ دیا جائے گا۔ کفر کے سرغنے مسلمانوں کا نام سن کر لرزنے لگیں گے۔ اس وقت اسلام کو تمہاری مالی اعانت کی اتنی ضرورت نہیں رہے گی جتنی آج ہے۔ اس وقت جو تم خرچ کرو گے اس کا جو تمہیں اجر ملے گا، بعد کے حالات میں تمہیں اتنا اجر نہیں ملے گا۔ اس لیے بجلی کی تیزی سے بدلنے والے حالات سے فائدہ اٹھاؤ۔ جو بن آتا ہے خرچ کر ڈالو۔ ایسی قیمتی گھڑیاں شاید تمہیں پھر ہاتھ نہ آئیں۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا کہ جو تم خرچ کر رہے ہو وہ ضائع نہیں ہو رہا بلکہ یوں سمجھو کہ تم اللہ کو قرض دے رہے ہو۔ وہ کئی گنا بڑھا کر تمہیں واپس کرے گا۔ اس کے علاوہ تم بہت بڑے اجر کے مستحق قرار پاؤ گے۔

قیامت کے روز ایسے ہی فدا کار اہلِ ایمان کے آگے آگے اور دائیں طرف نور ہی نور ہوگا اور انہیں فردوسِ بریں میں داخل ہونے کی خوشخبریاں دی جائیں گی۔

اس کے بعد منافقوں کے بارے میں بتایا کہ یہ بظاہر مسلمان بننے کے دعویدار تھے، لیکن اللہ کی راہ میں نہ جان لڑانے کا جذبہ اِن کے دل میں تھا اور نہ دولت خرچ کرنے کا شوق۔ قیامت کے روز وہ اپنے گناہوں کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہوں گے۔ اہلِ ایمان سے نور کی ایک کرن کی بھیک مانگیں گے، لیکن اُن کی یہ التجا مسترد کر دی جائے گی۔

آیت نمبر ۱۶ سے اہلِ ایمان کو ذِکرِ الٰہی کی ترغیب دلائی جا رہی ہے اور اُن کی غفلت کیشی پر انہیں جھڑکا جا رہا ہے کہ تم بھی اہلِ کتاب کی طرح نہ ہو جانا جن پر کتاب نازل ہوئی۔ پہلے تو وہ بڑی سرگرمی سے اُس پر عمل پیرا ہوئے، لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہوتے گئے۔

اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا کہ ہر شخص صدیقین اور شہداء کے زمرہ میں داخل نہیں ہو جاتا بلکہ پہلے ایمان کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ جانی و مالی قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں تب یہ شرف نصیب ہوتا ہے۔

اہلِ نفاق اور اہلِ ایمان کے درمیان زندگی کے بارے میں جو بُنیادی تفاوت ہے اُس کو بڑے مؤثر انداز میں بتا دیا۔ اور ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کر دی کہ تمہاری جدّ و جُہد کا مقصد مغفرت اور جنّت کا حصول ہونا چاہیے۔

ایک اور حقیقت سے بھی اپنے بندوں کو خبردار کر دیا کہ سب کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ جو تمہیں ملنا ہے، اور جو نہیں ملنا اس کے بارے میں اَٹل فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ اس لیے اگر کوئی نعمت ملے تو خوشی سے بے قابو نہ ہو جایا کرو اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو

افسردہ اور مایوس نہ ہو جایا کرو۔ لوگوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو رسول مبعوث فرمائے ہیں، اُن کے بارے میں بتا دیا کہ انہیں روشن دلیلیں مرحمت فرمائیں۔ اپنی آسمانی کتاب سے نوازا، عدل کا ترازو بھی عطا کیا تا کہ وہ ہر حق دار کو اس کا جائز حصہ پورا پورا ادا کریں۔ ان عطیات کے علاوہ لوہا نازل کیا تا کہ اس سے سرکشوں کی سرکوبی کی جا سکے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی امداد کے لیے سربکف میدان جہاد میں قدم رکھتا ہے۔

آخری رکوع میں مسلمانوں کو ہوشیار کیا کہ تم سے پہلے انبیاء تشریف لائے اور لوگوں کو دعوتِ حق پہنچائی۔ اُن کے بعض اُمتیوں نے اطاعت کا حق ادا کیا اور بعض اس سعادت سے محروم رہے۔ اب تمہاری باری ہے، دیکھنا تم اس میں بازی ہار نہ جانا۔ ایمان کی شمع کو ہر طوفان میں روشن رکھنا۔ تقویٰ کو اپنا شعار بنانا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نور مرحمت فرمائے گا جس کی روشنی میں تم شاہراہِ حیات پر بے خوف و خطر بڑھتے چلے جاؤ گے۔ تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اہلِ کتاب کا یہ خیال سراسر بے حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے وہ اجارہ دار ہیں۔ نہیں اُس کے فضل و کرم کے خزانے اُس کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔ جس کو چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے بخش دیتا ہے، تم بھی اُس ذُوالفضل العظیم کے سامنے دامن پھیلاؤ پھر دیکھو اس کی نوازشات کی بارش کیسے برستی ہے؟

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۱۔۵۔۷۷

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحدید مدنی ہے اس کی اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آیات ۲۹ اور رکوع ۴ ہیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہہ رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے ۱ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے ۲ اسی کے لیے ہے بادشاہی

۱ تسبیح کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزہ اور پاک سمجھنا جو اس کی شایانِ شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی یہی ہو، وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی شہادت دے رہا ہو۔ اَلتَّسْبِيْحُ عَلَى الْمَشْهُوْرِ تَنْزِيْهُ اللّٰهِ تَعَالٰى اعْتِقَادًا وَّقَوْلًا وَّعَمَلًا عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِجَنَابِهٖ سُبْحَانَهٗ (روح المعانی) (1)

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ ان کا خالق اور مالک ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے۔ ان میں سے ذوی العقول کی شہادت تو قولاً ہے۔ فرشتے، انسان اور جنات کہہ رہے ہیں سبحان اللہ، سبحان اللہ..... البتہ غیر ذوی العقول اپنی زبانِ حال سے اپنے پیدا کرنے والے کی عظمت و کبریائی بیان کر رہے ہیں۔ لیکن زجاج کا قول یہ ہے کہ ہر چیز اپنی زبان سے قولاً اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے ورنہ اس آیت کا کیا معنی ہوگا۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ یعنی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے لیکن تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اگر زبانِ حال سے تسبیح مراد ہو تو پھر اس کے ادراک نہ کرنے کا کوئی مطلب نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں زمزمہ سنج ہوا کرتے تھے تو پہاڑوں کے پتھر اور سنگریزے بھی ان کے ساتھ مل کر اپنے رب کی پاکی بیان کیا کرتے تھے۔ یہ خصوصیت تب ہی پائی جا سکتی ہے جب وہ زبانِ قال سے تسبیح کریں۔ (2)

علامہ آلوسی اسی رائے کو پسند کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

نفسِ ناطقہ اور ادراک انسان کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ حیوانات اور جمادات کو بھی ان کے حسبِ حال یہ نعمتیں بخشی گئی ہیں۔ وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلٰى ثُبُوْتِ النُّفُوْسِ النَّاطِقَةِ وَالْاِدْرَاكِ بِسَائِرِ الْحَيَوَانَاتِ وَالْجَمَادَاتِ عَلٰى مَا يَلِيْقُ لِكُلٍّ۔ (روح المعانی) (3)

صوفیائے کرام کا مسلک بھی یہی ہے۔

یہاں سورۂ حدید نیز سورۃ الحشر اور الصّف کی ابتداء سَبَّحَ صیغہء ماضی سے کی گئی ہے لیکن سورۂ جمعہ اور تغابن کا افتتاح يُسَبِّحُ مضارع سے کیا گیا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کسی زمانے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ پہلے بھی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی رہی ہے، اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ (4)

۲ کائنات کا ذرہ ذرہ آخر اس کی پاکی کیوں بیان نہ کرے؟ اس کی حمد کے گیت کیوں نہ گائے؟ ایک وہی تو ہے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ خبر اور مبتدا دونوں کو معرفہ ذکر کر کے حصر کی طرف اشارہ کر دیا۔ عزیز: اس قادر اور زبردست کو کہتے ہیں جس کا کوئی مقابلہ نہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 164

2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 15، جز 29، ص 207

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 164

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 187

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ

آسمانوں اور زمین کی ۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۳ وہی

الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ

اوّل ، وہی آخر ، وہی ظاہر ، وہی باطن ۔ اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۴ وہی

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تختِ

الْعَرْشِ ۗ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ

حکومت پر۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے

کر سکے، جس کے فرمان کو کوئی ٹال نہ سکے۔ اَلْعَزِيْزُ الْقَادِرُ الْغَالِبُ الَّذِيْ لَا يُنَازِعُهٗ وَلَا يُمَانِعُهٗ شَيْءٌ (1)۔ اس کی قدرتِ مطلقہ کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز کو جس شکل وصورت، جس قدوقامت اور جن مقاصد کی انجام دہی کے لیے پیدا فرما دیا اس میں آج تک کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہو سکا۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (2) کے جلوے ہر چھوٹی بڑی چیز میں نظر آرہے ہیں۔ لیکن یہ قوت، یہ بیکراں قدرت اندھی نہیں ہے کہ ترنگ آئی تو بلاوجہ کسی چیز کو نیست ونابود کر دیا، پیس کر رکھ دیا۔ موج میں آئے تو بلا استحقاق عزت وسرفرازی بخش دی۔ نہیں، اللہ تعالیٰ عزیز ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ اس کا کوئی کام، اس کا کوئی حکم، اس کا کوئی فیصلہ حکمت کے بغیر نہیں اور اسی میں اس گلشن کائنات کی بقا اور پُر بہار ہونے کا راز مضمر ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ، قادر اور توانا ہونے کے باوجود، رحمت و رأفت کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ غلط کاروں کو فوراً انتقام کی چکی میں پیس نہیں دیتا بلکہ ان کے ساتھ بڑے تحمل اور حلم کا سلوک کرتا ہے۔ تمام عمر سرکشی اختیار کرنے والا جب بھی اس کے درِ رحمت پر آکر گر پڑتا ہے تو وہ اس کو اپنے دامنِ رحمت میں ضرور جگہ دے دیتا ہے۔

۳ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور ان میں حکومت وفرمانروائی بھی اسی کی ہے۔ فنا اور بقا اسی کے اختیار میں ہے۔ ہر چیز اس کے فرمان کے سامنے بے چون وچرا سرافگندہ ہے۔

۴ اس آیت کی تشریح خود حضور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ یہ دعا ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے بستر راحت پر لیٹے ہوئے اکثر مانگا کرتے تھے۔ قرض کی ادائیگی اور بھوک سے نجات کے لیے یہ دعا اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ آپ بھی اس دعا کو یاد کر لیں۔ رات کو اگر سوئے ہوئے آنکھ کھل جائے تو یہ دعا مانگ لیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز27، ص165

2۔ سورۃ القمر: 49

مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے ۵ اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو ۶ اور اللہ تعالیٰ، جو کچھ

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے۔ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے

وَالْاَرْضِ وَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَىْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَمُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَىْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَىْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَىْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَىْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَىْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا عَنِ الْفَقْرِ۔ (1)

اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کے رب! اے عرشِ عظیم کے رب! اے ہمارے رب! اے ہر چیز کے رب! اے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والے! اے تورات، انجیل اور فرقان کو اتارنے والے! میں تجھ سے ہر اُس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی کو تو پکڑے ہوئے ہے۔ اے اللہ! تو اوّل ہے، پس تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ تو آخر ہے، پس تیرے بعد کوئی چیز نہیں۔ تو ظاہر (غالب) ہے۔ تجھ سے برتر اور کوئی نہیں۔ تو باطن ہے، تجھ سے مخفی اور کوئی نہیں۔ ہمارا قرض ادا فرما دے اور ہمیں فقر و افلاس سے غنی کر دے۔

اَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَىْءٌ (2) کا مطلب ہے کہ تیری کُنہ اور حقیقت پر کوئی آگاہی حاصل نہیں کر سکتا۔

۵ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الخ کی تشریح متعدد مقامات پر پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ: یہاں سے خالقِ ارض و سما کے علم محیط کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ صرف کلیات کا جاننے والا نہیں بلکہ جزئیات کا بھی عالم ہے۔ صرف بڑی بڑی چیزوں سے باخبر نہیں بلکہ حقیر سے حقیر، باریک سے باریک چیز سے بھی آگاہ ہے۔ جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے، بیج ہو، بارش کا کوئی قطرہ ہو، ویسے کوئی چیز اس میں چھپا دی جائے، کسی مردہ کو اس میں دفن کیا جائے، ویسے کوئی چیز گل سڑ کر اس میں تحلیل ہو جائے، وہ ان تمام چیزوں سے باخبر ہے۔ اسی طرح زمین سے جو چیز نکلتی ہے، پانی کا چشمہ ہو، زمین سے اُگنے والے درخت ہوں، کھیت ہوں، معدنیات ہوں، قدرتی گیس ہو، پٹرول ہو، بخارات ہوں، غرضیکہ جو چیز زمین سے نکلتی ہے اس پر بھی وہ مطلع ہے۔ اسی طرح آسمان سے جو چیز اترتی ہے، فرشتے ہوں، وحی ہو، احکامِ الٰہی ہوں، رزق ہو، بارش ہو، غرضیکہ جو چیز اوپر سے نیچے نازل ہوتی ہے وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اسی طرح جو چیزیں نیچے سے عالم بالا کی طرف صعود کرتی ہیں، ملائکہ ہوں، اعمال حسنہ ہوں، اہلِ ایمان کی رُوحیں ہوں، کچھ بھی ہو اُن کا بھی اسے بخوبی علم ہے۔

۶ وہ عرش پر بھی جلوہ فرما ہے اور تم سے بھی الگ اور بے تعلق نہیں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو، وہ اپنے علم اور قدرت سے تمہارا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ صوفیاء نے معیت سے ایسی معیت مراد لی ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ مَعِيَّةٌ غَيْرُ مُتَكَيِّفَةٍ۔ (3)

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب الدعوات والتعوذ، ج 2، ص 348۔ جامع ترمذی، ابواب الدعوات، باب الدعاء اذا اوی الی فراشہ، ج 2، ص 176 (عن ابی ہریرۃ)

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 236

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 188

الْاُمُوْرُ ۝۵ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ط وَهُوَ

جائیں گے۔ داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں اور وہ

عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ

خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر ے اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) ان مالوں سے

علامہ اسماعیل حقی نے یہاں بڑی پیاری بات لکھی ہے۔ اہل ذوق کی تسکینِ قلب کے لیے لکھ رہا ہوں۔ فِی التَّاوِیْلَاتِ النَّجْمِیَّةِ وَهُوَ مَعَكُمْ لَا بِالْمَعِیَّةِ الْمَفْهُوْمَةِ لِلْعَوَامِّ وَالْخَوَاصِّ اَیْضًا۔

ایں معیت می نگنجد در بیاں نے زماں دارد خبر زو نے مکاں

بَلْ بِالْمَعِیَّةِ الْمَذُوْقَةِ بِالذَّوْقِ الْكَشْفِیِّ الشُّهُوْدِیِّ اَیْ اَنَا مَعَكُمْ بِحَسْبِ مَرَاتِبِ شُهُوْدَاتِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ مَشْهَدِ الْفِعْلِیِّ فَاَنَا مَعَكُمْ بِالتَّجَلِّیِّ الذَّاتِیِّ مَا اَتَقَدَّمُ وَلَا اَتَاَخَّرُ عَنْكُمْ (1)۔ (اس کے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ اہلِ دل خود ہی سمجھ لیں)

ے کبھی ایمان لانے کی دعوت ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو نعمتِ ایمان سے محروم ہیں اور گاہے گاہے ان لوگوں کو بھی دعوتِ ایمان دی جاتی ہے جو ایمان تو لے آئے ہوتے ہیں لیکن ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے میں غفلت اور سُستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسلام کو سربلند کرنے کے لیے اگر کسی مالی اور جانی قربانی کی انہیں دعوت دی جاتی ہے تو وہ شوق اور آمادگی ان میں نظر نہیں آتی جو ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ آیات، غزوۂ تبوک کے موقع پر ایسے ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ یہ غزوہ عرب کے کسی قبیلہ کے خلاف نہ تھا، مکہ کے قریش کے خلاف نہ تھا بلکہ رومی سلطنت کے خلاف تھا جو مدینہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو ملیا میٹ کر دینے کے منصوبے بنا رہی تھی۔ تیس ہزار کا لشکرِ جرار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش قدمی کرتے ہوئے رومی علاقہ میں تبوک کے مقام پر آ کر خیمہ زن ہوئے تھے۔ ایسی مہم کو سرانجام دینے کے لیے جتنے سرمایہ کی ضرورت تھی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت فاروقِ اعظم، عثمانِ غنی اور دیگر اکابر صحابہ نے ایثار و فدائیت کے ایسے ایسے مظاہرے کیے کہ انہیں پڑھ کر آج بھی ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمان تو تھے مگر اللہ کی راہ میں مال پیش کرنا ان کے لیے بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ ان کو برانگیختہ کرنے کے لیے انہیں پھر دعوتِ ایمان دی جا رہی ہے اور جو عہد وہ پہلے کر چکے ہیں وہ یاد دلایا جا رہا ہے تاکہ آزمائش کے اس وقت میں وہ ناکام نہ ہو جائیں۔

علامہ ابوحیان الاندلسی لکھتے ہیں: اَمَرَ تَعَالٰی عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالثَّبَاتِ عَلَی الْاِیْمَانِ وَاِدَامَتِهٖ وَالنَّفَقَةِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ قَالَ الضَّحَاكُ نَزَلَتْ فِیْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ۔ (البحر المحیط) (2)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم فرما رہے ہیں کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کریں۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 352

2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 218

مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦

جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور راہِ خدا میں خرچ کرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے ٨

٨ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اندازِ بیان ایسا ہے کہ انسان میں معمولی سا شعور بھی ہو تو وہ راہِ حق میں سب کچھ لٹانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہے وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ۔ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو مال آج تمہارے قبضہ میں ہے تم اس کے حقیقی مالک نہیں ہو۔ اس کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے تم پر اپنا فضل و کرم فرمایا اور ان تمام چیزوں میں تمہیں اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کر دیا۔ حقیقی مالک وہ ہے۔ تم اس کے خلیفہ ہو۔ اب یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ مالک حکم دے اور نائب اس کی بجا آوری میں پس و پیش کرے۔

یہاں ارشاد ہے کہ جن اموال میں اس نے تمہیں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے، جب وہ ارشاد فرمائے تو بلا تامل اس مال کو خرچ کر دو۔ تمہیں مفت میں اس کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی۔ اَیْ جَعَلَكُمْ سُبْحَانَهٗ خُلَفَاءَ عَنْهُ عَزَّوَجَلَّ فِی التَّصَرُّفِ فِیْهِ مِنْ غَیْرِ اَنْ تَمْلِكُوْهُ حَقِیْقَةً۔ (1)

اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے یہ مکان، یہ زمین، یہ زیورات کسی اور کے تصرف میں تھے۔ وہ انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اب یہ چیزیں تمہارے قبضہ اور تصرف میں ہیں۔ تم نے بھی ایک روز یہاں سے رختِ سفر باندھنا ہے۔ اس وقت یہ چیزیں کسی اور کے تصرف میں چلی جائیں گی۔ جتنا عرصہ کے لیے تمہیں ان چیزوں کا مالک بنایا گیا ہے تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور انہیں اس طرح خرچ کرو کہ تمہارا پروردگار تم پر راضی ہو جائے۔ جب یہ چیزیں تمہارے قبضہ سے نکل جائیں گی تو پھر کچھ نہ کر سکو گے۔ اَوْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ عَنْ مَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فِیْمَا كَانَ بِاَیْدِیْهِمْ فَانْتُقِلَ لَكُمْ۔ (روح المعانی)(2)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حکیمانہ انداز میں یہ سبق اپنے صحابہ کو خوب ذہن نشین کرا دیا تھا۔ مطرف اپنے باپ عبداللہ سے ذکر کرتے ہیں (رضی اللہ عنہما) قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یَقْرَءُ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ یَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِیْ مَالِیْ وَهَلْ لَّكَ یَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَّالِكَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَیْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَیْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَیْتَ وَمَا سِوٰی ذٰلِكَ فَذَاهِبٌ وَّتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ (مسلم)(3) عبداللہ کہتے ہیں: میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ تمہیں مال کی کثرت نے غافل کر دیا ہے۔ انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ اے انسان! تیرے مال میں سے تیرا حصہ کچھ نہیں بجز اس کے جو تو نے کھا لیا اور ختم کر دیا یا پہن لیا اور اسے پرانا کر دیا یا صدقہ کیا اور راہِ آخرت کے لیے بطورِ زاد بھیج دیا۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ جانے والا ہے اور تو لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔

ایک روز اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دنبہ ذبح کیا۔ اس کا ایک بازو رکھ لیا اور باقی سب مسکینوں میں بانٹ دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے تو پوچھا کوئی چیز اس سے بچی بھی ہے؟ ام المومنین نے عرض کی: مَا بَقِیَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا (4)۔ باقی سب ختم ہو گیا ہے، صرف ایک بازو بچا ہے۔ اس مرشدِ کامل نے ارشاد فرمایا: بَقِیَ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 169
2۔ ایضاً
3۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، فصل لا ینبغی للانسان ان یتلہٰی، ج 2، ص 407
4۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب فی صفۃ اوانی الحوض، ج 2، ص 70

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ

آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر ۹

قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى

اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو ۱۰ وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب)

عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ

بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے

بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑨ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ

ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے مال) راہِ خدا میں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی

كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا۔ اے عائشہ! جو تم نے راہِ خدا میں دیا ہے وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ فنا تو صرف وہ بازو ہو گا جو تم نے اپنے لیے رکھا ہے۔ یہ تھا وہ ذہن جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیار فرمایا تھا۔

۹ علامہ ابوحیان لکھتے ہیں: یہ استفہام زجر و توبیخ کے لیے ہے۔ اَیْ كَيْفَ لَا تَثْبُتُوْنَ عَلَى الْاِيْمَانِ (1)۔ تم کیوں ایمان پر ثابت قدم نہیں رہتے؟ حالانکہ اللہ کا رسول تمہیں اس کی طرف بار بار بلا رہا ہے اور تمہیں دلائل اور براہین سے سمجھا رہا ہے۔ انسان زبان سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اگر آزمائش کے وقت وہ صدق و یقین کا مظاہرہ کرنے سے قاصر رہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا ایمان ناقص ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے ایمان کو مستحکم بنانے کا جو زریں موقع اسے نصیب ہوا اس سے پورا فائدہ اٹھائے۔ اور اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو گا جب اللہ کا پیارا حبیب دعوت دے رہا ہے؟ اس کے نورانی بیان سے شک و شبہ کی تارکیاں چھٹ رہی ہیں۔ حق اپنی پوری تابانیوں سے جلوہ نما ہے۔ جس نے اس زریں موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اس سے بڑھ کر بدنصیب کون ہو گا؟

۱۰ جب تم نے اسلام قبول کیا تھا اس وقت میرے رسول نے تم سے پختہ وعدہ لیا تھا۔ کیا وہ تمہیں یاد نہیں رہا؟ ایسے پختہ وعدہ کے بعد بھی تم قدم قدم پر تذبذب کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ کچھ تو ہوش کرو۔ اس میثاق کا ذکر قرآنِ کریم کی اس آیت میں بھی ہے۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ ”اللہ تعالیٰ نے جو نعمت تم پر کی ہے اور اس پختہ وعدہ کو یاد کرو جو تم نے اس کے ساتھ کیا۔ جب تم نے کہا تھا: ہم نے تیرا حکم سنا اور ہم نے تیری اطاعت کی“۔ حضرت عبادہ ابن صامت نے اس میثاق کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو بیعت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں: بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ وَعَلَى النَّفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَعَلَى الْاَمْرِ

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج8، ص218

مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ ۱۱ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ

آسمانوں اور زمین کا وارث ہے ۱۱ تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتحِ مکہ سے پہلے (راہِ خدا میں)

الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ

مال خرچ کیا اور جنگ کی ۱۲ ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتحِ مکہ کے بعد مال خرچ کیا

بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ فِي اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا نَخَافُ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ (مسند امام احمد)(1) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر فرمان کی تعمیل کریں گے۔ نشاط کی کیفیت ہو یا کسل مندی کی حالت۔ ہم اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کریں گے خواہ ہم تنگ دست ہوں یا خوش حال۔ ہم نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سچی بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خائف نہ ہوں گے۔

۱۱ اس آیت میں پھر اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ دل کھول کر راہِ خدا میں اپنا مال خرچ کرو اور اس بات کی ذرا پرواہ نہ کرو کہ تمہاری اولاد کا کیا بنے گا۔ تمہاری زندگی کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی۔ تمہارا معاملہ اپنے ربِّ کریم کے ساتھ ہے۔ زمین و آسمان کے سارے خزانے اس کے دستِ قدرت میں ہیں۔ ہر چیز کا مالک وہ ہے۔ وہ بڑا غیور ہے۔ اس کی غیرت ہرگز برداشت نہیں کرتی کہ اس کی راہ میں گھر بار لٹانے والا کسی غیر کا دست نگر ہو۔ وہ خزانۂ غیب سے اسے اس طرح فراواں رزق دیتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔

۱۲ یہاں ایک فقرہ محذوف ہے۔ عبارت یوں ہونی چاہیے تھی۔ لَا يَسْتَوِیْ مَنْ اَنْفَقَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ وَمَنْ اَنْفَقَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ (2)۔ یعنی برابر نہیں ہو سکتا وہ شخص جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی اور جس نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی۔ لیکن مضمون چونکہ بالکل واضح تھا اس لیے اس فقرہ کو حذف کر دیا۔ فتح سے مراد فتحِ مکہ ہے۔ بعض نے صلحِ حدیبیہ بھی مراد لیا ہے۔ فتح سے پہلے حالات بڑے نازک اور مخدوش تھے۔ ہر لحظہ یہ خطرہ تھا کہ کفار کا سیلاب آئے گا اور گلشنِ اسلام کو بہا کر لے جائے گا۔ ان تشویشناک اور غیر یقینی حالات میں جن لوگوں نے دل کھول کر اپنے مال پیش کیے اور ذوق وشوق سے اپنی جانیں قربان کیں ان کے پیشِ نظر فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا تھی۔ کسی قسم کی مالی یا سیاسی منفعت کا گمان تک نہ تھا۔ نیز اس وقت قربانیوں کی ضرورت شدید تھی اور قربانی دینے والے چند لوگ تھے۔ فتحِ مکہ کے بعد حالات یکسر پلٹ گئے۔ اب اسلام ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھر رہا تھا۔ اس کے جاں نثاروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کے دشمنوں کی قوت گھٹتی جا رہی تھی۔ مالی وسائل میں بھی قابلِ قدر اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لیے جن لوگوں نے بے بسی کے عالم میں اپنے مالک کو راضی کرنے کے لیے اور محض حق کو سربلند کرنے کے لیے اپنے مال بھی خرچ کیے اور جانیں بھی پیش کیں، بعد میں آنے والے ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔

اس آیت میں ان مہاجرین و انصار کے متعلق زبانِ قدرت یہ اعلان فرما رہی ہے: اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً۔ ان کا درجہ بڑا

1۔ مسند امام احمد، ج5، ص325

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج17، ص240

ع ۱/۱۷

وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑩

اور جنگ کی (ویسے تو) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبردار ہے ۱۳

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ

کون ہے جو (اپنا مال) اللہ تعالیٰ کو (بطور) قرضِ حسنہ دے ۱۴ اور اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دے اس کے مال کو اس کے لیے (اس کے علاوہ)

اونچا ہے، ان کا مقام بڑا بلند ہے۔ حضرت صدیقِ اکبر، حضرت فاروقِ اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علیِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی قربانیاں اپنی نظیر نہیں رکھتیں (1)۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی توصیف فرما رہا ہے۔ قرآن ان کی عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ اب جو لوگ ان پاک لوگوں کی عظمتِ شان کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ الٹا ان پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں، وہ ذرا سوچیں اور خود ہی بتائیں کہ ان صحابۂ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حق ہے یا ان کا فیصلہ۔ ہم خدا کی بات مانیں، قرآن کی شہادت کو سچ سمجھیں یا ان کی بات کو۔

یہاں پر علمائے تفسیر نے ایک بڑا ایمان افروز واقعہ لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی وہاں بیٹھے تھے۔ آپ نے عبا پہنی ہوئی تھی اور اس کو آگے باندھا ہوا تھا۔ جبریل امین آئے اور عرض کیا یَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَالِيْ اَرٰى اَبَا بَكْرٍ عَلَيْهِ عَبَاءَةٌ قَدْ خَلَّلَهَا فِيْ صَدْرِهٖ بِخِلَالٍ۔ اے اللہ کے نبی! یہ کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں ابوبکر نے ایسی عباء پہنی ہوئی ہے جسے سامنے سے کانٹوں سے بخیہ کیا ہوا ہے؟ حضور نے فرمایا: اس نے اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔ جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کا سلام ابوبکر کو پہنچائیں اور ان سے پوچھیں: کیا یہ اس فقر و تنگ دستی پر خوش ہیں یا ناراض؟ رسول اللہ ﷺ نے صدیق کو سلام پہنچایا اور یہ سوال پوچھا۔ اس پیکرِ تسلیم و رضا نے کتنا پیارا جواب دیا۔ عرض کیا: اَاَسْخَطُ عَلٰى رَبِّيْ۔ اِنِّيْ عَنْ رَبِّيْ لَرَاضٍ، اِنِّيْ عَنْ رَبِّيْ لَرَاضٍ، اِنِّيْ عَنْ رَبِّيْ لَرَاضٍ۔ یعنی میں اپنے رب پر کیسے ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں تجھ پر راضی ہوں جس طرح تو مجھ پر راضی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ حضرت جبریل نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! اس خدا کی قسم جس خدا نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، تمام حاملینِ عرش اسی قسم کی عبائیں پہنے ہوئے ہیں اور اسی طرح سے خلال کیے ہوئے ہیں جس طرح کہ آپ کے اس یار نے کیا ہے۔ (قرطبی و دیگر کتبِ تفسیر) (2)

۱۳ یہ فرما کر اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ فتحِ مکہ کے بعد جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں مالی اور جانی قربانیاں دیں، وہ رائیگاں ہرگز نہیں گئیں بلکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ ان کو بھی مدارجِ عالیہ پر فائز کرے گا۔ حسنِ نیت کے مطابق ان کے اعمال کا انہیں ثواب ملے گا۔ کسی کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ فرما کر قیامت تک آنے والے مخلصین کی دل جوئی فرما دی۔

۱۴ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ایک نئے انداز سے دی جا رہی ہے۔ فرمایا: اللہ کی راہ میں جو مال تم خرچ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 240

2۔ ایضاً

أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١١﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُورُهُمْ بَيْنَ

اسے شاندار اجر بھی ملے گا ١٥ جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے

أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی۔ (مؤمنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے

الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُولُ

نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے ١٦ اس روز کہیں گے

کرو گے اس کی حیثیت قرض کی ہوگی۔ جسے قرض دیا جاتا ہے اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس کو واپس ادا کرے۔ اسی طرح راہِ خدا میں جو تم خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ قرض ہوگا۔ وہ اسے ضرور لوٹا دے گا۔ یہاں ایک نکتہ غور طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مطلق قرض دینے کی ترغیب نہیں دلائی گئی بلکہ قرضۂ حسنہ دینے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور قرضۂ حسنہ تب ہوگا جب اس میں بقول علامہ آلوسی مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں: حلال مال ہو، اعلیٰ درجہ کی چیز ہو، خود بھی اس کی اشد ضرورت ہو، پوشیدہ طور پر دے، احسان نہ جتائے، اذیت نہ پہنچائے، مقصد رضائے الٰہی ہو، جتنا بھی خرچ کرے اسے تھوڑا خیال کرے (1)۔ ان آیات کو سن کر صحابۂ کرام پر کیا اثر ہوتا تھا اس کا اندازہ آپ اس ایک واقعہ سے لگا سکتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو الدحداح حاضرِ خدمت ہوئے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! وہ بولے اپنا دستِ مبارک مجھے دکھایئے۔ انہوں نے حضور کا ہاتھ پکڑا اور گزارش کی: مَیں نے اپنا یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیا۔ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے۔ ان کی بیوی اور بچے اسی میں رہائش پذیر تھے۔ حضرت ابو الدحداح یہ کرنے کے بعد اپنے باغ کی طرف آئے اور باہر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو آواز دی: اے دحداح کی ماں! اس نے جواب دیا لَبَّیْكَ۔ فرمایا: أُخْرُجِي قَدْ أَقْرَضْتُهُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ۔ اس باغ سے بال بچہ لے کر نکل آؤ۔ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔ اس نیک بخت بیوی نے جب یہ سنا تو پکار اٹھیں: رَبِحَ بَيْعُكَ يَا أَبَا الدَّحْدَاحِ۔ اے دحداح کے باپ! تم نے بڑا نفع والا سودا کیا ہے۔ خود بھی باہر نکل آئیں۔ اپنے بال بچے اور ساز و سامان کو بھی وہاں سے نکال دیا (2)۔ مکتبِ عشق و ایثار کے یہی وہ طلبہ تھے جن پر ان کے استاد کو بھی ناز تھا اور ان کے خالق کو بھی ناز تھا۔ ان کے کارناموں کے باعث انسانیت کا سر آج بھی اونچا ہے۔

١٥ جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک ملے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اس کے علاوہ اجرِ عظیم بھی۔

١٦ اہلِ ایمان قبروں سے نکل کر جب حشر کے میدان میں تشریف لائیں گے تو ان کی عجیب شان ہوگی۔ ان کے آگے بھی نور ہو

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 74-173

2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 307

الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ

منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (کہیں گے اے نیک بختو!) ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کرلیں تمہارے نور سے۔

قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ

(انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور (وہاں) نور تلاش کرو۔ پس کھڑی کردی جائے گی ان کے اور اہلِ ایمان کے درمیان

گا۔ ان کے دائیں جانب بھی نور ہوگا۔ یہ نور ہر شخص کی قوت ایمان اور اعمالِ حسنہ کے مطابق ہوگا۔ اس دنیا میں جس قدر کسی نے ایمان کی پختگی کا مظاہرہ کیا ہوگا، جس قدر اس نے نیکیاں کی ہوں گی اسی نسبت سے اس کا نور ضوفشاں ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے کہ بعض مومن ایسے ہوں گے جن کے نور سے مدینہ اور عدن کی طویل مسافت جگمگا رہی ہوگی۔ بعض کے نور سے مدینہ اور صنعاء کا درمیانی علاقہ روشن ہو رہا ہوگا۔ بعض کا نور اس سے کم ہوگا اور بعض کے نور سے صرف ان کے قدم رکھنے کی جگہ روشن ہوگی۔

اِنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَنْ یُّضِیْءُ نُوْرُهٗ كَمَا بَیْنَ الْمَدِیْنَهِ وَعَدْنٍ اَوْ مَا بَیْنَ الْمَدِیْنَةِ وَصَنْعَاءَ وَ دُوْنَ ذٰلِكَ حَتّٰی یَكُوْنَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا یُضِیْءُ نُوْرُهٗ اِلَّا مَوْضِعَ قَدَمَیْهِ۔ (قرطبی)(1)

آیت کا مطلب یہ نہیں کہ صرف آگے اور دائیں طرف نور ہوگا اور بائیں طرف اور پیچھے اندھیرا ہوگا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ نور تو آگے اور دائیں طرف ہوگا لیکن اس کی روشنی چاروں طرف ہوگی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: روز قیامت سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور سب سے پہلے مجھے ہی سجدہ سے سر اٹھانے کا اذن ملے گا۔ میں آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھوں گا اور ساری امتوں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! امتوں کے اس ہجوم میں حضور اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا: غُرٌّ مُّحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ الْوُضُوْءِ وَلَا یَكُوْنُ لِاَحَدٍ غَیْرِهِمْ وَاَعْرِفُهُمْ یُعْطَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَیْمَانِهِمْ وَاَعْرِفُهُمْ بِسِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ وَاَعْرِفُهُمْ بِنُوْرِهِمُ الَّذِیْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ (2)۔ یعنی میں ان کو پہچان لوں گا۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں وضو کے اثر سے چمک رہے ہوں گے۔ یہ چیز کسی دوسری امت میں نہ پائی جائے گی۔ میں انہیں پہچان لوں گا۔ کیونکہ ان کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ میں ان کو اس نشانی سے پہچانوں گا جو ان کے چہروں میں ہوگی۔ میں انہیں اس نور سے پہچانوں گا جو ان کے سامنے ضوفشانی کر رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل ہم غریبوں پر بھی یہ کرم فرمائے۔ آمین!

بُشْرٰىكُمُ: فرشتے آگے بڑھ کر انہیں جنت کا مژدہ سنائیں گے۔(3)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 244

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 175

3۔ ایضاً

بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۭ ⑬

ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا ۱۷

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

منافق پکاریں گے اہلِ ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے ۱۸ کہیں گے بےشک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خود فتنوں میں ڈال دیا اور

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ

(ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آپہنچا اور

غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑭ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ

دھوکہ دیا تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان (دغاباز) نے ۱۹ پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ

۱۷ منافق مرد اور منافق عورتیں جو اس دنیا میں اپنے آپ کو بڑے زیرک اور چالاک سمجھتے ہیں قیامت کے روز ان کی حالت دیدنی ہوگی۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا، نجات کے سارے راستے بند۔ اس سراسیمگی اور بے چارگی کے عالم میں وہ اہلِ ایمان کو کہیں گے: ذرا اپنی روشنی میں ہمیں بھی تو چلنے دو۔ ذرا اپنا نورانی چہرہ ہماری طرف بھی تو کرو۔ شاید اس تاریکی سے ہم رستگاری حاصل کر سکیں۔ انہیں کہا جائے گا: پیچھے لوٹ کر جاؤ اور وہاں سے نور تلاش کرو۔ جب وہ پیچھے مڑیں گے تو ان کے درمیان اور اہلِ ایمان کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی اس کے دروازوں کی اندرونی جانب جو جنت کی طرف ہوگی وہ رحمت والی ہوگی اور باہر والی جانب جو دوزخ کی طرف ہوگی وہ عذاب والی ہوگی۔

18 جب دیوار چن دی جائے گی تو اہلِ جنت منافقوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے تو وہ زور زور سے انہیں پکاریں گے: اے بندگانِ خدا! اے غلامانِ مصطفیٰ! کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے؟ ہم تو آپس میں بڑے گہرے دوست بھی تھے۔ باہمی رشتہ داریاں بھی تھیں۔ آج ہم سے تم نے یوں منہ موڑ لیا جیسے کبھی شناسائی ہی نہ تھی۔

اہلِ ایمان انہیں جواب دیں گے: بےشک تم بظاہر ہمارے ساتھ تھے لیکن تمہیں خوب علم ہے کہ تمہارے باطن میں کیا پنہاں تھا۔ 19 یہاں منافقین کی ان خصلتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ان کی تباہی کا باعث بنیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ان کلمات میں سنجیدگی سے غور کریں اور پھر اپنا جائزہ لیں کہ کہیں منافقین کی کوئی خصلت ہم میں تو نہیں پائی جاتی۔

پہلی بات جو منافقین کو کہی جائے گی، وہ یہ ہے **فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ**۔ علامہ راغب اس کا معنی کرتے ہیں: اَوْقَعْتُمُوْهَا فِيْ بَلِيَّةٍ وَّعَذَابٍ (1): یعنی تم نے اپنے نفسوں کو ابتلاء اور عذاب میں پھینک دیا۔ صاحبِ لسان العرب لکھتے ہیں: اِسْتَعْمَلْتُمُوْهَا فِي الْفِتْنَةِ (2)

1۔ مفرداتِ راغب، ص 624

2۔ لسان العرب، ج 13، ص 319

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾

کفار سے۔ تم (سب کا) ٹھکانا آتشِ (جہنم) ہے۔ وہ تمہاری رفیق ہے اور بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی ۲۰

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہلِ ایمان کے لیے کہ جُھک جائیں ان کے دل یادِ الٰہی کے لیے اور اس سچے کلام

تم نے اپنے آپ کو فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے میں استعمال کیا۔ منافقین دنیا میں اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ اسلام پر جب بھی کوئی کٹھن گھڑی آئی تو انہوں نے اسلام کی مشکلات میں اضافہ کرنے میں اپنے سارے وسائل صَرف کر دیئے دوسری بات جو انہیں کہی جائے گی وہ یہ ہے وَتَرَبَّصْتُمْ۔ یعنی کفر و اسلام کی کش مکش جب عروج پر تھی، تمہارا فرض تھا کہ تم نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی قسمت اسلام کے ساتھ وابستہ کر دیتے۔ توحید و رسالت کی جو شہادت تم نے زبان سے دی تھی تم پر لازم تھا کہ اپنے عمل سے اس کو سچا کر دکھاتے۔ لیکن تم انتظار کرتے رہے کہ دیکھیے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ پانسہ کس کے حق میں پلٹتا ہے۔ عشق اور مصلحت بینی، ایمان اور موقع پرستی دو متضاد چیزیں ہیں۔ تربّص کا ایک معنی ذخیرہ اندوزی بھی کیا گیا ہے۔ لسان العرب میں ہے: اَلْمُتَرَبِّصُ: اَلْمُحْتَكِرُ (1)۔ علامہ جوہری بھی لکھتے ہیں: اَلْمُتَرَبِّصُ: اَلْمُحْتَكِرُ (صحاح) (2) ذخیرہ اندوزی کرنے والا اس انتظار میں رہتا ہے کہ جب جنس بازار میں نایاب ہو جائے اور اس کا نرخ بڑھ جائے، اس وقت وہ اسے فروخت کرے۔

تیسرا نقص جس میں وہ ملوث تھے وہ اِرْتَبْتُمْ سے بیان کیا گیا۔ یعنی ساری عمر تم شک میں مبتلا رہے۔ اسلام قبول کرنے سے جو یقین اور اذعان دل میں پیدا ہو جاتا ہے اس سے تم محروم تھے۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں؟ کیا قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے؟ کیا قرآن کی یہ بات سچی ہے کہ اللہ کی راہ میں جو لوگ جان دے دیتے ہیں وہ سر جدا ہونے کے باوجود مردہ نہیں بلکہ زندۂ جاوید ہیں۔ اسلام کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے سے انسان مفلس و نادار نہیں ہوتا بلکہ تونگر و غنی بن جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں تھیں جنہیں تم شک کی نظر سے دیکھتے رہے اور اسی شک کے باعث تم اس عزیمت سے عمر بھر محروم رہے جو بندۂ مومن کی خصوصیت ہے۔ آخر میں انہیں بتایا کہ جھوٹی امیدوں اور کھوکھلی توقعات نے تمہیں ہمیشہ دھوکا میں رکھا۔ شیطان بھی تمہیں گناہوں پر اکساتا رہا۔ اس کی طفل تسلیوں میں تم یوں مگن رہے کہ اپنی اصلاح کا تمہیں کبھی خیال ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ موت نے تمہارا رشتۂ حیات کاٹ کر رکھ دیا۔ غَرُوْر سے مراد شیطان ہے۔

۲۰ کفار اور منافقین دونوں ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لیے دونوں کی سزا کی نوعیت یکساں ہے۔ نہ اِس کے لیے بخشش ہے نہ اُس کے لیے مغفرت۔ هِيَ مَوْلٰىكُمْ اَيْ هِيَ اَوْلٰىكُمْ: یعنی تمہارے لیے آگ ہی مناسب مقام ہے۔

1۔ لسان العرب، ج7، ص40

2۔ الصحاح، ج3، ص1041

مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

کے لیے جو اترا ہے ۲۱؎ اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے پس لمبی

۲۱؎ یَاْنِ: اس کے دو مادے ہیں اور معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ اَنٰی یَاْنِیْ اور اٰن یَئِیْنُ۔ دونوں کا معنی قَرُبَ، حَانَ ہے۔ قریب ہونا، نزدیک ہونا۔

جب تک دل میں کمالِ عجز و نیاز پیدا نہ ہو، نہ ایمان کا لطف آتا ہے نہ عبادات میں مزہ آتا ہے۔ جب تک دل اس احسان سے لبریز نہ ہو کہ کہاں خالقِ ارض و سما اور کہاں یہ بندۂ حقیر و بے نوا۔ اس کی شانِ کبریائی اور اس کے عظمت و جلال پر جب نگاہیں جم کر رہ جاتی ہیں اس وقت نہ اپنی ذات نظر آتی ہے نہ اپنی حسنات۔ اسی وقت دل میں دردِ محبت اٹھتا ہے۔ اسی وقت آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ یہی وہ گھڑی ہوتی ہے جب اس پر ''احسان'' کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

صحابۂ کرام کی نمازیں، ان کی عبادتیں، ان کی تلاوتیں ہمیشہ اس رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی تھیں۔ اس ارشاد سے اسی نعمت کے حصول کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔ اس آیت کی تاثیر سے کئی گم کردہ راہ، راہِ ہدایت پر گامزن ہو گئے۔ کئی غفلت میں ڈوبے ہوئے ذکر و فکر کی لذتوں سے آشنا ہو گئے اور کئی ہجر و فراق کے مارے مژدۂ وصال سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضرت فضیل ابن عیاض علماء و صوفیاء دونوں گروہوں کے سرخیل ہیں۔ ان کی تقدیر کو اسی آیت نے بدل دیا۔ جوانی کے ایام میں ایک عورت کے دامِ عشق میں اسیر ہو گئے۔ بڑی مشکل سے اس نے ایک رات ملاقات کی اجازت دی۔ وقتِ مقررہ پر وہ شوق سے وارفتہ قدم اٹھاتے ادھر بڑھ رہے تھے کہ کہیں سے یہ صدا فردوسِ گوش بنی۔ کوئی پڑھ رہا تھا۔ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔ یہ سنتے ہی ان کے قدم رُک گئے۔ ہوا و ہوس کا جو طوفان امڈ آیا تھا وہ سہم گیا۔ اسی وقت واپس مڑ گئے اور جا کر سچے دل سے توبہ کی اور مقامِ ولایت پر فائز ہوئے (1)۔ احمد ابن ابی الحواری کہتے ہیں: میں بصرہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ میں نے ایک خوفناک چیخ سنی۔ مڑ کر دیکھا تو ایک شخص کو بے ہوش گرا ہوا پایا۔ میں نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے بتایا: کوئی شخص یہ آیت پڑھ رہا تھا اَلَمْ يَاْنِ الخ۔ اس آدمی نے جب یہ آیت سنی تو غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ ہم آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ وہ آدمی ہوش میں آ گیا اور یہ اشعار پڑھنے لگا۔

اَمَا آنَ لِلْهِجْرَانِ اَنْ يَّتَصَرَّمَا وَلِلْغُصْنِ غُصْنِ الْبَانِ اَنْ يَّتَبَسَّمَا
وَلِلْعَاشِقِ الصَّبِّ الَّذِیْ ذَابَ وَانْحَنٰی اَلَمْ يَأْنِ اَنْ يُّبْكٰى عَلَيْهِ وَيُرْحَمَا (2)

یعنی کیا ابھی ہجر کے خاتمہ کا وقت نہیں آیا؟ کیا ابھی وہ گھڑی نہیں آئی جبکہ بان کی ٹہنی مسکرانے لگے؟ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ عاشقِ محب جو گل گیا ہے اور جھک گیا ہے اس پر رحم کیا جائے؟ یہ اشعار پڑھے، پھر غش کھا کر گرا اور محبوبِ حقیقی کے وصال سے مشرف ہو گیا۔

اسی لیے مرشد اپنے مرید کو ایسا وظیفہ تلقین کرتا ہے جس سے دل میں گداز پیدا ہو۔ دل کی سختی دور ہو جائے۔ انسان اپنی عاجزی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 251

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 27، ص 180

عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿١٦﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ

مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی ۲۲ جان لو !

اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد۔ ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لیے (اپنی) نشانیاں تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا

سمجھو ۲۳ بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضہ

حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ

حسنہ دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لیے (ان کا مال) اور انہیں فیاضانہ اجر ملے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے

اور اپنے محبوبِ حقیقی کی عظمت اور جلالتِ شان سے پوری طرح آگاہ ہو جائے تاکہ بارگاہِ صمدیت سے جب انوار و تجلّیات، انعامات واحسانات کی بارش برسے تو اسے وہ اپنا کمال یا استحقاق نہ سمجھے بلکہ اسے محض اپنے مولائے کریم کا لطف و احسان یقین کرے۔ یہی کمالِ بندگی ہے۔ یہی معراجِ عبدیت ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ○ میں سالکِ راہ کو اسی کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۲ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے جن لوگوں نے براہِ راست فیضان حاصل کیا تھا، ان کے دلوں میں عجز و نیاز پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن جب عرصۂ دراز گزر گیا، عہدِ رسالت کی برکات اور اثرات آہستہ آہستہ ماند پڑتے گئے تو بعد میں آنے والے لوگوں کے دل سخت ہوتے گئے، فسق و فجور کی طرف طبیعت راغب ہوتی گئی۔ اپنے آباء و اجداد کی انابت و انقیاد کی راہ کو دشوار اور پُرخار خیال کر کے انہوں نے ترک کر دیا اور گناہوں کی رنگیلی دنیا میں کھو کر رہ گئے۔

۲۳ خوب جان لو! اللہ تعالیٰ مردہ زمینوں پر ابرِ رحمت برساتا ہے اور انہیں زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح دل کی بنجر زمینوں پر جب کسی اللہ کے مقبول بندے کی نظرِ رحمت پڑتی ہے تو وہاں بھی ذکر و عبادت کے گلستان آباد ہو جاتے ہیں، یادِ الٰہی کے پھول کھلنے لگتے ہیں اور انوار کی تجلیاں مسکرانے لگتی ہیں ؎

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسّر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (1)

1۔ کلیاتِ اقبال (اردو)، ص 380، بالِ جبریل، ص 88

رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖۗ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ

رسولوں پر وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لیے (خصوصی)

اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ تو

الْجَحِيْمِ ۧ (۱۹) اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ ع ۹ ۱۸

دوزخی ہیں۔ خوب جان لو! کہ دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا اور (سامانِ) آرائش ہے اور

تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ

آپس میں (حسب ونسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا ہے ۲۴ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے

۲۴ لوگ دنیوی زندگی پر اس قدر فریفتہ ہیں کہ انہیں اپنی عاقبت سنوارنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ وہ اس کے لیے بڑی سے بڑی تکلیف بخوشی برداشت کرتے ہیں۔ اس کے لیے قانون شکنی، ملت فروشی، وطن سے غداری کے ارتکاب سے بھی باز نہیں آتے۔ اس آیت میں ان کی اس کم ظرفی اور کم عقلی پر انہیں متنبہ فرمایا جا رہا ہے۔ دنیوی زندگی کے دامن میں جو رنگین کھلونے ہیں، ان میں سے ایک ایک کا ذکر کر دیا اور پھر انسان کو جھنجھوڑا اور اس سے دریافت کیا کہ ان کھلونوں میں سے کوئی کھلونا اتنا قیمتی ہے کہ اسے اس کی زندگی کا حاصل قرار دیا جا سکے؟ اگر نہیں، تو پھر قرین دانش مندی یہ ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی کرے۔

فرمایا: دنیوی زندگی عبارت ہے لہو ولعب سے جو بچوں کا کام ہے، زینت و آرائش سے جو عورتوں کا شیوہ ہے، تفاخر و تکاثر سے جس میں احمق اور نادان ہی اپنے آپ کو مشغول رکھ سکتا ہے۔

اے بندۂ مومن! تیری زندگی بڑی قیمتی ہے۔ اسے بچوں کی طرح لہو ولعب میں برباد مت کرو۔ تیری ذات خود بڑی ہی حسین و جمیل ہے۔ تجھے ان عارضی آرائشوں کی کیا ضرورت ہے۔

ع حاجتِ مشاطہ نیست رُوئے دل آرام را (1)

تجھے اپنے آباء و اجداد پر، اپنے حسب ونسب پر فخر کرنا زیب نہیں دیتا۔ تجھے ہر وقت اپنے اعمالِ حسنہ میں اضافہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے تاکہ تیرے حسنِ عمل سے تیری ذات ہی نہیں، تیری بستی ہی نہیں، بلکہ تیرا سارا ملک اور بنی نوعِ انسان اس سے فیض یاب ہوتے رہیں۔ دولت کے انبار اور اولاد کی کثرت انسان کی عزت میں اضافہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہی

1۔ گلستانِ سعدی، ص 14

أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ

بادل برسے اور نہال کر دے کسانوں کو اس کی (شاداب و سرسبز) کھیتی۔ پھر وہ (یکایک) سوکھنے لگے تو تو اسے دیکھے کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے ۲۵

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَ

اور (دنیا پرستوں کے لیے) آخرت میں سخت عذاب ہوگا اور (خدا پرستوں کے لیے) اللہ کی بخشش اور (اس کی) خوشنودی ہوگی ۲۶

مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ

اور نہیں ہے دنیوی زندگی مگر نرا دھوکہ ۲۷ تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت

معزز و مکرم ہوتا ہے جس کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہو۔ اس کے علاوہ یہ ساری چیزیں فانی ہیں۔ ''چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے''۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے عمل سے ایسے چراغ روشن کرے جن سے وہ اندھیری رات منوّر ہو جائے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک بڑی پیاری حدیث ہے۔ ارشاد ہے: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ (1) کہ مسلمان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر غیر ضروری چیز کو نظر انداز کرتا چلا جائے۔

۲۵ دنیوی زندگی کی حقیقت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا جا رہا ہے۔ بارش برستی ہے تو فصلیں لہلہانے لگتی ہیں۔ ان کی سرسبزی اور شادابی کو دیکھ کر ان کا مالک خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی تازگی ماند پڑنے لگتی ہے۔ وہ خشک ہونے لگتی ہے۔ پھر اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑتی ہے۔ یہی حال انسان کی دنیوی زندگی کا ہے۔ جب عہدِ شباب کا آغاز ہوتا ہے تو انسان کا چہرہ دل کش، جسم قوت و توانائی سے بھرپور، انگ انگ سے زندگی پُھوٹ پُھوٹ کر باہر نکل رہی ہوتی ہے۔ جب جوانی بڑھاپے کی طرف بڑھتی ہے تو رنگت بدل جاتی ہے۔ چہرے پر جُھریاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ پاؤں میں خارا شگافی کی قوت باقی نہیں رہتی۔ دل میں شیر افگنی کے ولولے سرد پڑ جاتے ہیں۔ آخر کار ضعف کی وجہ سے بستر پر پہلو بدلنا دشوار ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ موت کا جھونکا اس کے چراغِ زیست کو ہمیشہ کے لیے بجھا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے سارے ٹھاٹھ باٹھ، عزت و احتشام اور کروفر کا جنازہ اٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیوی زندگی میں اگر وہ رنج والم میں مبتلا رہا تو اس کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے۔

۲۶ لیکن آخرت کی خوشیاں بھی ابدی ہیں اور رنج و غم بھی ہمیشہ رہنے والا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو دنیوی زندگی کی فانی لذتوں اور عزتوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی اخروی زندگی کو ہمیشہ باقی رہنے والی خوشیوں اور مسرتوں سے مالا مال کر لیتے ہیں۔ اور کتنے بد بخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی عارضی خوشیوں کے بدلے اپنے لیے جہنم میں ابدی ٹھکانا بنا لیا۔

۲۷ جو لوگ دنیا کی نعمتوں سے اپنی آخرت کو نہیں سنوارتے ان کے لیے دنیا کے ساز و سامان میں دھوکا اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔

1۔ جامع ترمذی، ابواب الزہد، من تکلم بکلمۃ، ج 2، ص 55

رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ

کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ جو تیار کر دی گئی ہے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ان کے لیے جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ یہ اللہ کا فضل (وکرم) ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى

اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے ۲۸۔ نہیں آئی کوئی مصیبت زمین

الْاَرْضِ وَلَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ

پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۚۖ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا

بے شک یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ (ہم نے تمہیں یہ اس لیے بتا دیا ہے) کہ تم غمزدہ نہ ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملے اور نہ اترانے لگو

بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

اس چیز پر جو تمہیں مل جائے۔ اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور، شیخی باز کو ۲۹۔ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں

۲۸۔ دنیا کے طلب گاروں کے درمیان مقابلہ کی دوڑ جاری ہے۔ ہر ایک دوسرے سے اس میدان میں گوئے سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ دوسروں سے زیادہ مال جمع کرنے، اپنے قصر کو زیادہ سے زیادہ عالیشان اور آراستہ کرنے میں محو ہے۔ اے آخرت کے طلب گارو! تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل کرنے کے لیے دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ وسیع و عریض جنت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے آراستہ کر رکھا ہے اس کی بہاریں تمہارے لیے چشم براہ ہیں۔ وہاں کی حُوریں پھولوں کے گجرے پروئے تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں۔ کوشش کرنا تمہارا کام ہے، منزلِ مقصود تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر موقوف ہے۔ جو سچے دل سے اس کی راہِ طلب میں چل پڑتے ہیں، جو خلوص سے اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں مایوس نہیں کرتی۔ اس کا فضل عظیم ہے۔ اس کی نعمتیں بے کراں ہیں۔

۲۹۔ عام انسانوں کا یہ وتیرہ ہے کہ جب مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں تو وہ دل شکستہ اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنی قسمت کو کوستے ہیں، گردشِ روزگار کو ملاحیاں سناتے ہیں اور حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں، لیکن جب حالات سازگار ہوتے ہیں،

وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ

اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔ اور جو (اللہ کے حکم سے) روگردانی کرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز، ہر تعریف

الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

کا مستحق ہے ۳۰۔ یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب

وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ

اور میزانِ (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے پیدا کیا لوہے کو اس میں بڑی قوت

کاروبار میں نفع ہوتا ہے، کھیتی باڑی اور باغات سے خوب آمدنی ہوتی ہے تو پھر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہ سب ان کے طالعِ ارجمند کی برکت ہے۔ وہ خود بڑے زیرک اور معاملہ فہم ہیں۔ کاروبار اور زراعت کے اسرار و رموز پر انہیں کامل دسترس حاصل ہے۔ یہ ساری کامیابیاں ان کی اپنی ذہانت اور ہوش مندی کا نتیجہ ہیں۔

یہ دونوں حالتیں انسان کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔

ان آیات میں اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جو مصیبت تم پر آئی ہے اس سے کوئی مفر نہ تھا۔ تمہارے پیدا ہونے سے پہلے یہ تمہارے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔ اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو اور اپنی جدوجہد کو جاری رکھو اور جو نعمتیں تمہیں بخشی گئی ہیں وہ بھی تمہارے پیدا ہونے سے پہلے تمہاری تقدیر میں رقم ہو گئی تھیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو تاکہ وہ اپنے احسانات سے تمہیں ہمیشہ بہرہ ور رکھے۔ مختال: اس متکبر کو کہتے ہیں جو اپنی ذاتی خوبی اور کمال پر فخر و ناز کرے اور فخور اس متکبر کو کہتے ہیں جو اپنے جاہ و منصب یا مال و دولت پر گھمنڈ کرے۔ (1)

۳۰۔ اس سورت کی ابتداء سے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی جارہی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں کھوٹ تھا۔ وہ اسلام کے لیے اپنا مال خرچ کرنا گھاٹے کا سودا خیال کرتے تھے۔ صرف خود ہی بخل سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی کہتے تھے کہ تم کیوں ایک ایسے مقصد کے لیے گاڑھے پسینہ کا کمایا ہوا مال پانی کی طرح خرچ کرتے ہو جس کا مستقبل خطرات سے لبریز ہے۔ تمہیں اپنے بال بچے کا بھی خیال کرنا چاہیے۔ تمہاری اپنی بھی بیسیوں ضرورتیں ہیں۔ آخر یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ جب بھی تمہیں مال خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اپنے گھر کا سارا اثاثہ اٹھا کر ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہو؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو خود بھی بخیل ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا سبق دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی قطعاً پروا نہیں۔ یہ اپنی دولت اپنے پاس رکھیں۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور حمید ہے۔ وہ اپنے بھرے ہوئے خزانوں سے اپنے محبوب کی امداد فرمائے گا اور اسلام کی ضرورتوں کو پورا کر دے گا۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 27، ص 188

شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ط

ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کے لیے ۱۳؎ اور یہ سب اس لیے) تاکہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اسکے رسولوں کی بن دیکھے۔

۱۳؎ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی وضاحت سے انبیاء کی بعثت کے مقاصد کو ذکر فرمایا ہے۔ پہلے فرمایا کہ ہم جن رسولوں کو دعوتِ حق پہنچانے کے لیے مبعوث فرماتے ہیں انہیں ایسے روشن معجزات عطا کیے جاتے ہیں جن سے ہر کس وناکس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ خود بخود ناصح بن کر نہیں آ گئے بلکہ انہیں بھیجنے والے نے بھیجا ہے۔ عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے جو یہ کوششیں کر رہے ہیں یہ ان کا خود ساختہ پروگرام نہیں بلکہ یہ پروگرام اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تجویز فرمایا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں اس دعوت کو کامیابی سے پہنچانے کے لیے اور اس انقلاب کو پوری طرح برپا کرنے کے لیے چند خصوصی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ کتاب، میزان اور حدید: علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کتاب سے مراد وہ وحی ہے جو ہر پیغمبر پر نازل ہوتی ہے جس میں عقائدِ صحیحہ اور اعمالِ حسنہ کی پوری تفصیل موجود ہوتی ہے۔ اَلْكِتَابُ هُوَ النَّقْلُ الصَّحِيْحُ۔ اور میزان کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس سے مراد عدل ہے۔ قتادہ اور مجاہد نے اس کی تشریح یوں کی ہے: وَهُوَ الْحَقُّ الَّذِیْ تَشْهَدُ بِهِ الْعُقُوْلُ الصَّحِيْحَةُ الْمُسْتَقِيْمَةُ الْمُخَالِفَةُ لِلْاٰرَاءِ السَّقِيْمَةِ۔ یعنی اس سے وہ حق مراد ہے جس پر عقلِ صحیح اور فہم سلیم گواہی دیتی ہے۔ جو مریض افکار کے مخالف ہوا کرتا ہے اور حدید سے مراد وہ قوت ہے جو منکرینِ حق اور معاندین کو کج روی سے باز رکھنے کے کام آتی ہے۔ اَیْ رَادِعًا لِّمَنْ اَبَی الْحَقَّ وَعَانَدَهٗ بَعْدَ قِيَامِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِ (ابن کثیر) (1)

اور ان چیزوں کی غرض وغایت یہ بیان کر دی لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ کہ لوگ عدل اور انصاف پر قائم ہو جائیں۔

کسی معاشرہ میں عدل کے قیام کی یہی صورت ہے کہ حقوق اللہ بھی پوری طرح ادا کیے جائیں، یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا جائے، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے، اس کی عبادت میں کوتاہی نہ کی جائے، زندگی گزارنے کے لیے جو اصول اس نے مقرر فرمائے ہیں ان کی بجا آوری میں غفلت نہ برتی جائے۔ اسی طرح حقوق العباد کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ کسی کا حق تلف نہ کیا جائے۔ کسی پر زیادتی نہ کی جائے۔ کسی کی جان، مال اور آبرو پر دست درازی نہ کی جائے۔ انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر عدل و انصاف کو بروئے کار لایا جائے۔ اور اگر باہمی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کا تصفیہ اس میزان یعنی عقل سلیم کے مطابق کیا جائے جسے حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بخشی گئی ہو۔ اور اگر حق و انصاف کے سامنے کوئی شخص سرِ تسلیم خم نہیں کرتا، روشن اور واضح دلائل و براہین کے بعد بھی باطل سے چمٹا رہتا ہے اور حق کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں رہتا ہے تو اس وقت اس کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رُسل کو لوہے کا ڈنڈا بھی عطا فرمایا ہے جس کی ایک ضرب اچھے اچھے بد دماغوں کا دماغ درست کر سکتی ہے۔ اللہ کا رسول صرف حق سنانے کے لیے نہیں آتا بلکہ حق کو پھیلانا اور اس کی بالا دستی کو قائم کرنا بھی اس کے فرائض میں داخل ہوتا ہے۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی شان کا وہ مظہر بن کر آتا ہے۔ ابتدا میں وہ مخالفین کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے۔ شب و روز اس کے پیش نظر ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ حق واضح ہو جائے، حق کی حقانیت میں کوئی شک وشبہ نہ رہے۔ اس کے لیے اسے دارِ ارقم میں بھی

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 314

ع ۳ ۶ 19

إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ

یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زور آور، سب پر غالب ہے ف۳۲ اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی

ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٦﴾

ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب پس ان میں سے چند تو ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ

پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اور انہیں انجیل

الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ

عطا فرمائی۔ اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰؑ کے تابعدار تھے، شفقت اور رحمت ف۳۳

ٹھہرنا پڑتا ہے۔ شعب ابی طالب میں بھی کئی سال بسر کرنے پڑتے ہیں۔ طائف کی سڑکوں پر بھی لوگوں کی سنگباری کا منظر دیکھنا پڑتا ہے، لیکن جب وہ حق کو الم نشرح کرنے کا فریضہ انجام دے چکتا ہے اور اتمامِ حجت کر چکتا ہے تو پھر بدر، خندق، خیبر کے معرکوں میں وہ اپنی تلوار کو بھی بے نیام کرتا ہے تاکہ ہٹ دھرم لوگوں کا سرِ غرور خاک میں ملائے اور حق کا بول بالا کرے۔

لوہے کے متعلق فرمایا: اس میں جنگی قوت بھی ہے اور اس کے علاوہ انسانی معاشرہ کو بامِ عروج پر پہنچانے میں بھی اس کو بڑا دخل ہے۔

ف۳۲ اس جگہ یَعْلَمَ کا معنی یَرٰی ہے۔ یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے۔ یا اس علم سے مراد وہ علم ہے جس پر جزا و سزا کا دارومدار ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کو کائنات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی کائنات کا تفصیلی علم ہے۔ اس کو اپنے تمام بندوں کے بارے میں یہ علم ہے کہ جب وہ پیدا ہوگا تو کیا کیا اچھا یا برا عمل کرے گا، لیکن اس علمِ ازلی پر انسان کو جزا یا سزا نہیں دی جاتی بلکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے اور عقل و بلوغ کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو جو نیک یا بد کام وہ کرتا ہے اس کے مطابق وہ جزا یا سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ جب وہ ایسے کام کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں شخص یہ کام کر رہا ہے۔ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔ مختلف مقامات پر پہلے بھی اس لفظ کی تشریح گزر چکی ہے۔

ف۳۳ قفا: گردن کے پچھلے حصے، گدی کو کہتے ہیں۔ اسی سے فعل قَفَّيْنَا ہے جس کا معنی ہے پیچھے پیچھے چلانا۔ آثار اس راستے کو کہتے ہیں جس سے آگے جانے والوں کا سراغ لگتا ہے۔ يُقَالُ لِلطَّرِيْقِ الْمُسْتَدَلِّ بِهٖ عَلٰى مَنْ تَقَدَّمَ آثَارٌ (مفردات)(1)

ارشاد ہے ان انبیاء کے بعد ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ انہیں انجیل جیسی کتاب مرحمت فرمائی۔ آپ کیونکہ سراپا

1۔ مفرداتِ راغب، ص 62

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ

اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا

اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ

پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا ۳۴ پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسنِ عمل اور حسنِ نیت) کا اجر

رافت وشفقت تھے اس لیے ان کے سچے تابعداروں میں یہی صفات نمایاں طور پر موجود تھیں۔

۳۴ یہاں سے ایک نہایت اہم مضمون شروع ہوتا ہے جس میں کلیسا کی ساری تاریخ سمودی گئی ہے۔ اس لیے اس کو سمجھنے کے لیے خصوصی توجہ اور محنت کی ضرورت ہے۔ پہلے تو ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ اس آیت کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔ پھر لفظ رہبانیت کی لغوی اور اصطلاحی تشریح کریں گے۔ اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ رہبانیت کی ابتداء کس نے کی اور کن حالات میں ہوئی؟ بعد ازاں اس میں جو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوئیں اور جس طرح رہبانیت سے سارا عیسائی معاشرہ اور کلیسائی نظام متاثر ہوا اس کا ذکر کیا جائے گا۔

اس جملہ کے ترجمہ میں علماء کے دو قول ہیں: (۱) ’’اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا تھا، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اختیار کیا تھا‘‘۔ اس صورت میں اِلَّا کا تعلق اِبْتَدَعُوْهَا کے ساتھ ہو رہا ہے۔

(۲) ’’اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا، ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر یہ کہ وہ ہماری رضا کے طلب گار بنیں‘‘۔ اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگی اور پہلی صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگی۔

رہبانیت میں دو لغتیں ہیں: رَهْبَانِيَّت (بفتحِ را) اور رُهْبَانیت (بضمِ را)۔ پہلی صورت میں یہ رَهْب سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی خوف اور ڈر ہے اور دوسری صورت میں یہ رُهْبَان (جو راہب کی جمع ہے) کی طرف منسوب ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہے وہ مسلک اور وہ طرزِ حیات جس کی بنیاد خوف اور ڈر پر ہے۔ دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا ان لوگوں کا مسلک اور طرزِ زندگی جو ہر وقت ڈرنے والے اور خوفزدہ رہنے والے ہیں (1)۔ علامہ راغب لکھتے ہیں: وَالرَّهْبَانِيَّةُ غُلُوٌّ فِيْ تَحَمُّلِ التَّعَبُّدِ مِنْ فَرْطِ الرُّهْبَةِ (مفردات) (2) یعنی فرطِ خوف سے عبادات و ریاضات میں حد درجہ غلو کرنا۔ علامہ پانی پتی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَهِيَ الْمُبَالَغَةُ فِي الْعِبَادَةِ وَالرِّيَاضَةِ وَالْاِنْقِطَاعُ عَنِ النَّاسِ وَتَرْكُ الشَّهَوَاتِ حَتَّى الْمُبَاحَةِ مِنْهَا (مظہری) (3) یعنی عبادت و ریاضت میں مبالغہ، لوگوں سے قطع تعلق، جائز اور مباح خواہشات کو بھی ترک کر دینا۔ علامہ ابنِ منظور نے ان الفاظ میں اس کی وضاحت کی ہے: اَلتَّخَلِّيْ مِنْ اِشْغَالِ الدُّنْيَا وَتَرْكُ مَلَاذِهَا وَالزُّهْدُ فِيْهَا وَالْعُزْلَةُ عَنْ اَهْلِهَا وَتَعَهُّدُ مَشَاقِّهَا حَتّٰى اَنَّ مِنْهُمْ مَّنْ كَانَ يُخْصِيْ نَفْسَهٗ وَيَضَعُ السِّلْسِلَةَ فِيْ عُنُقِهٖ وَغَيْرَ ذٰلِكَ مِنْ اَنْوَاعِ التَّعْذِيْبِ (لسان العرب) (4) یعنی دنیا کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 263

2۔ مفرداتِ راغب، ص: 367

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 203

4۔ لسان العرب، ج 1، ص 38-437

مشاغل کو ترک کر دینا، اس کی لذتوں کو نظر انداز کر دینا، اہلِ دنیا سے عزلت گزینی، اپنے آپ کو طرح طرح کی مشقتوں میں مبتلا کر دینا۔ ان میں سے بعض لوگ اپنے آپ کو خصی کر دیا کرتے تھے اور بعض لوہے کی زنجیریں ڈال لیا کرتے اور اپنے آپ کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتے تھے۔ اب یہ عرض کرنا ہے کہ رہبانیت کی ابتدا کن حالات میں ہوئی اور کن لوگوں نے کی؟ ہمارے پاس صحیح حدیث موجود ہے جس سے حقیقتِ حال کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَّضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رَدِيْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَلٰى حِمَارٍ فَقَالَ لِيْ يَا ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ هَلْ تَدْرِيْ مِنْ اَيْنَ اتَّخَذَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ الرَّهْبَانِيَّةَ فَقُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ظَهَرَتْ عَلَيْهِمُ الْجَبَابِرَةُ بَعْدَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْمَلُوْنَ بِالْمَعَاصِيْ فَغَضِبَ اَهْلُ الْاِيْمَانِ فَقَاتَلُوْهُمْ فَهُزِمَ اَهْلُ الْاِيْمَانِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ اِلَّا الْقَلِيْلُ فَقَالُوْا اِنْ ظَهَرْنَا لِهٰؤُلَاءِ اَفْنَوْنَا وَلَمْ يَبْقَ لِلدِّيْنِ اَحَدٌ يَّدْعُوْ اِلَيْهِ فَقَالُوْا تَعَالَوْا تَتَفَرَّقُ فِي الْاَرْضِ اِلٰى اَنْ يَّبْعَثَ اللهُ النَّبِيَّ الَّذِيْ وَعَدَنَا بِهٖ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْنُوْنَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَتَفَرَّقُوْا فِيْ غِيْرَانِ الْجِبَالِ وَاَحْدَثُوْا رَهْبَانِيَّةً وَمِنْهُمْ مَّنْ تَمَسَّكَ بِدِيْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ۔ (1)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں گدھے پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پیچھے سوار تھا۔ حضور نے فرمایا: اے اُمِّ عبد کے فرزند! کیا تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت کو کہاں سے اختیار کیا؟ مَیں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر جابر لوگ غالب آگئے اور انہوں نے فسق و فجور کا بازار گرم کر دیا۔ اہل ایمان نے غیرت ایمانی سے ان کے خلاف جہاد کیا۔ ان کے ساتھ جنگ کی لیکن تین مرتبہ انہیں شکست ہوئی اور صرف چند لوگ زندہ بچے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر ہم نے پھر ان کے ساتھ لڑائی کی تو وہ ہم سب کو فنا کر کے رکھ دیں گے اور ایک شخص بھی ایسا نہیں بچے گا جو دین حق کی طرف لوگوں کو بلائے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہم زمین میں منتشر ہو جائیں۔ یہاں تک کہ وہ نبی مکرم تشریف لائے جس کی آمد کا وعدہ عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔ پس وہ پہاڑوں کی غاروں میں منتشر ہو گئے اور انہوں نے رہبانیت کا آغاز کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہے اور بعض نے کفر اختیار کر لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پاک تلاوت فرمائی۔

اس طرح اللہ کے بندے اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر فروکش ہو گئے اور اپنی ساری زندگی عبادت و ریاضت میں بسر کر دی۔ اس عزلت گزینی سے ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تھا۔

اس حدیثِ پاک سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جبر و تشدد کے ان اوقات میں ان کا یہ ایک اضطراری فعل تھا۔ ان کے ذہن میں قطعاً یہ بات نہ تھی کہ دنیا اور اہلِ دنیا سے کنارہ کشی دینِ عیسوی کی روحِ رواں ہے۔ اس کے بغیر نہ انسان روحانی ترقی کر سکتا ہے اور نہ اسے قرب الٰہی کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے جابر اور ظالم بادشاہوں کے ظلم و ستم سے اپنے آپ کو اور اپنے ایمان کو بچانے کے لیے مجبوراً یہ قدم اٹھایا تھا، لیکن بعد میں آنے والوں نے اسی کو دین بنا لیا اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس میں اختراعات کا اضافہ ہوتا گیا۔ لوگوں نے اپنے اوپر تشدد اور پابندیوں کا اتنا بوجھ لاد لیا کہ زندگی وبالِ جان ہو گئی۔ کلیسا کے خانقاہی نظام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کس طرح اپنی جائز خواہشات کا گلا گھونٹا۔ ازدواجی زندگی کو خیر باد کہی۔ یہاں تک کہ جو شخص کسی مذہبی خدمت کو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 204۔ تفسیر خازن مع بغوی، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 33

انجام دینے پر مقرر ہوتا اس کے لیے شادی شدہ ہونا بڑا عیب شمار ہوتا۔ غیر شادی شدہ آدمی اگر کلیسا کا عہدیدار بنتا تو اس کا شادی کرنا خارج از بحث تھا، لیکن جو لوگ پہلے سے شادی شدہ تھے ان پر لازمی تھا کہ وہ اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات منقطع کر دیں۔ اسی طرح عورتوں کو بھی شادی نہ کرنے پر طرح طرح سے ترغیب دی جاتی۔ سینٹ جیرون جیسا ممتاز مسیحی عالم کہتا ہے کہ ”جو عورت مسیح کی خاطر راہبہ بن کر ساری عمر کنواری رہے وہ مسیح کی دلہن ہے اور اس عورت کی ماں کو خدا یعنی مسیح کی ساس ہونے کا شرف حاصل ہے“۔(1)

ماں باپ، بھائی بہن اور اولاد سے بھی قطع تعلق رُوحانی مدارج طے کرنے کے لیے شرطِ اول تھی۔ جو لوگ رہبانیت اختیار کرتے وہ عمر بھر اپنے اہل وعیال اور ماں باپ سے الگ تھلگ رہتے۔ ایسے واقعات بھی تاریخ میں درج ہیں جنہیں پڑھ کر دل کُڑھتا ہے اور رہبانیت کے اس سنگ دلانہ طرزِ حیات پر رونے کو جی چاہتا ہے۔ ایک دردناک واقعہ آپ بھی سن لیجیے:

سینٹ سیمون (ST.SIMEON) اپنے ماں باپ کو تڑپتا چھوڑ کر کسی دَیر میں راہب بن گیا۔ ماں باپ کو اپنے بیٹے کا کچھ پتہ نہ چلا۔ باپ تو بیٹے کی جدائی میں راہئ ملکِ عدم ہوا۔ ماں تڑپنے اور رونے کے لیے باقی رہ گئی۔ اس پر ستائیس سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ جب اس سینٹ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تو ماں کو اپنے بیٹے کی قیامگاہ کا پتہ چلا۔ وہ بوڑھی ضعیفہ راہ کی مشقتیں برداشت کرتی ہوئی وہاں پہنچی۔ اس کی خانقاہ میں عورتوں کو داخلے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے اسے کسی نے اندر نہ جانے دیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو کہلا بھیجا کہ میں تیری فرقت کی ماری ماں ہوں۔ صرف تمہیں ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔ یا مجھے اندر آنے کی اجازت دے یا خود باہر آکر مجھے اپنے مکھڑے کی ایک جھلک دکھا۔ لیکن اس سنگ دل بیٹے نے اپنی تڑپتی بلکتی ماں پر ذرا ترس نہ کھایا اور ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ تین دن اور تین رات وہ بے چاری دروازے پر پڑی منتیں کرتی رہی۔ آخر اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ اس وقت سینٹ صاحب تشریف لائے اور اپنی ماں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ اسے یہ خیال نہ آیا کہ جو بیٹا اپنی ماں کے بارے میں اس قدر سنگ دل اور بے رحم ہے اس کی دعا کسی رحمت کی مستحق نہیں۔(2)

اس کے علاوہ اپنے نفس کو اذیت پہنچانے کا ذوق بڑھنے لگا۔ انہوں نے عجیب عجیب اختراعیں کیں۔ کسی نے اپنے آپ کو زنجیر و سلاسل میں جکڑ دیا۔ کسی نے بھاری بوجھ اپنے اوپر لاد لیا۔ کسی نے اپنے اوپر نیند حرام کر لی۔ چنانچہ اسکندریہ کا سینٹ مکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر اسّی پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا۔ چھ مہینے تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ یہ تحریک کچھ اس زور سے چلی کہ عیسائی دنیا میں ایسی خانقاہوں کی بھرمار ہو گئی جہاں راہب مرد یا راہبہ خواتین آکر جمع ہو گئیں۔

انسانی فطرت کے تقاضوں سے جنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ عارضی فتوحات تو حاصل کی جاسکتی ہیں لیکن کلیۃً ان کی بیخ کنی ناممکن ہے۔ بلکہ جب رکے ہوئے جذبات سیلاب کی طرح امڈ کر آتے ہیں تو سارے بند ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہی حال کلیسا کے خانقاہی نظام کا ہوا۔ بڑے بڑے پوپ اور سینٹ دولت وثروت میں اپنے وقت کے قارونوں کو بھی مات کر گئے۔ جن محلات میں وہ رہائش پذیر تھے ان کے سامنے شاہی ایوانوں کی بھی کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ خانقاہیں جو کنواری راہبات کے لیے مختص تھیں، حرام کاری کے اڈوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ان کی فصیلوں کے پرے نوزائیدہ بچوں کی لاشیں اکثر پڑی ہوئی دکھائی دیتیں۔ کلیسا کی تاریخ کا یہ بڑا اندوہناک اور شرمناک باب ہے جو ان کے اپنے مؤرخین نے لکھا ہے۔

1۔ تفہیم القرآن، زیر آیت ہذا، ج5، ص329

2۔ ایضاً، ج5، ص330

انہیں بدعنوانیوں اور بدکاریوں کو قرآنِ حکیم میں فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا کے ایک جملہ میں بیان کر دیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ انہوں نے ترہب کو طلبِ ریاست کے لیے بطورِ زینہ استعمال کیا اور اس طرح لوگوں کے مال ہڑپ کرتے رہے۔ (1)

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب دی۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی سے روکا۔ دولت کی محبت اور دنیوی آسائشوں میں غرق ہونے سے منع کیا، لیکن اس نے ترکِ دنیا اور نفس کشی کا وہ طریقہ اپنے ماننے والوں کو نہیں سکھایا جو عیسائیت کے نظامِ رہبانیت کا خاصہ ہے۔ اسلام نے شادی کی اجازت دی ہے۔ اس نے کھیتی باڑی، تجارت اور صنعت کا شوق دلایا ہے۔ پاک صاف رہنے کی تلقین کی ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی لازم قرار دی ہے۔ بلکہ اس نے ہر شخص پر ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے نفس کا حق بھی ادا کرے اور اسے ایسی مشقتوں میں مبتلا نہ کرے جو مضرِ صحت ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے:

لَا تُشَدِّدُوا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدَ اللهُ عَلَيْكُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا فَشَدَّدَ اللهُ عَلَيْهِمْ فَتِلْكَ بَقَايَا هُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ۔ (ابوداؤد) (2)

یعنی اپنے نفسوں پر سختی نہ کیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا۔ ایک قوم نے اپنے اوپر ناروا سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔ راہب خانوں اور خانقاہوں میں ان کے باقی ماندہ لوگ موجود ہیں۔ انہیں دیکھ لو۔

ایک دفعہ چند صحابہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا: میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں شادی نہیں کروں گا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سنیں تو ارشاد فرمایا:

أَمَا وَاللهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ أَصُوْمُ وَأُفْطِرُ وَ أُصَلِّيْ وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (بخاری و مسلم) (3)

"خدا کی قسم! تم سب سے زیادہ میں اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔ میرا معمول یہ ہے کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سویا بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری اس سنت سے دانستہ روگردانی کی اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں"۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سفر پر گئے۔ ہمارا ایک ساتھی ایک غار کے قریب سے گزرا جس میں پانی کا چشمہ تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اس غار میں آ کر رہائش اختیار کر لے گا۔ پینے کے لیے پانی بھی موجود ہے، کھانے کے لیے سبزیاں کافی ہیں۔ دنیا سے بے تعلق ہو کر اپنا سارا وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کرے گا۔ کہنے لگا: میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا یہ ارادہ عرض کرتا ہوں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی تو ایسا کروں گا اور اگر اجازت نہ ملی تو خیر۔ چنانچہ وہ حاضرِ خدمت ہوا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اِنِّيْ لَمْ اُبْعَثْ بِالْيَهُوْدِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلٰكِنِّيْ بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَغُدْوَةٌ اَوْ رَوْحَةٌ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 263

2۔ کنز العمال، ج 3، ص 37، رقم الحدیث 5346 مطبوعۃ التراث الاسلامی۔ سنن ابوداؤد، ج 2، ص 324

3۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ج 2، ص 58-757

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٧﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا

اور ان میں سے اکثر فاسق (و فاجر) تھے ۳۵ اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ

بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ

اس کے رسولِ (مقبول) پر اللہ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایک نور جس کی روشنی میں تم

بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٨﴾ۙ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

چلو گے اور بخش دے گا تمہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۳۶ (تم پر یہ خصوصی کرم اس لیے کیا) تاکہ جان لیں اہلِ کتاب

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَمَقَامُ اَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ الْاَوَّلِ خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِهٖ سِتِّيْنَ سَنَةً (مسند احمد، قرطبی)(1)

ترجمہ: میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ مبعوث نہیں کیا گیا، بلکہ ملتِ حنیفیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جس میں آسانی اور فراخی ہے۔ اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، ایک صبح یا ایک شام راہِ خدا میں جہاد دنیا اور مافیہا سے افضل ہے۔ اور تمہارا مجاہدین کی صف اوّل میں کھڑا ہونا ساٹھ سال کی (نفلی) نماز سے بہتر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّهْبَانِيَّةً وَّرَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (البغوی)(2)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر امت کے لیے رہبانیت ہے اور میری امت کی رہبانیت راہ خدا میں جہاد ہے"۔ نصاریٰ نے تو ظالموں اور جابروں سے اپنی جان اور اپنا ایمان بچانے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں کی راہ لی، لیکن غلامانِ مصطفیٰ علیہ اطیب الصلوٰۃ وازکی الثناء کے لیے یہ طریقہء کار روا نہیں۔ باطل کے سامنے سینہ سپر رہنا، سیف وسناں، قلم وزباں سے معرکہء جہاد گرم رکھنا اور اسی حالت میں جان دے دینا اسلامی رہبانیت کا کمال ہے۔

۳۵ جن لوگوں نے خلوصِ نیت سے رہبانیت کو اختیار کیا۔ پھر اس کے تقاضوں کو پورا کیا، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے خلوصِ نیت اور حسن عمل کے مطابق اجر عطا فرمائے گا۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایسے تھے جنہوں نے ترک دنیا کو حصولِ مال وجاہ کا ذریعہ بنایا۔ راہِ اعتدال سے بھٹک گئے اور فسق وفجور کی غلاظتوں میں ڈوب گئے۔

۳۶ علمائے تفسیر نے اس آیت کے دو مفہوم بیان کیے ہیں: اہلِ کتاب میں سے جو لوگ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے صحیح دین پر قائم تھے انہیں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں پہلے انبیاء پر ایمان لانے کی سعادت حاصل ہے۔ اب خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لے آؤ جن پر ایمان لانے کی تاکید تمہارے انبیاء نے کی ہے اور جن کی آمد کی بشارتوں سے

1۔ مسند امام احمد، ج5، ص266۔ کنز العمال، ج4، حدیث نمبر 10649 مطبوعۃ التراث الاسلامی۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز17، ص265

2۔ تفسیر خازن مع بغوی، زیر آیت ہذا، ج7، ص33۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص205

اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ

کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل (وکرم) پر ۳۷ اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت

اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹

ع ۴ ۲۰

میں ہے نوازتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب فضلِ عظیم ہے ۳۸

تمہاری آسمانی کتب بھری پڑی ہیں۔ ان پر بھی سچے دل سے ایمان لاؤ تو تمہیں اس کی رحمت سے دوہرا حصہ ملے گا۔ قرآن کریم جو سراپا نور ہے اس کے انوار سے تمہاری دنیا اور آخرت جگمگانے لگے گی۔ تمہارے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔ آیت کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ہی تقویٰ کا حکم دیا جا رہا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

۳۷ اہلِ کتاب اس زعم میں مبتلا تھے کہ وہ حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر رسول اور کلیم کے امتی ہیں۔ انہیں اس نبی عربی کی اطاعت اور اس پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ساری رحمتیں اور انعامات ان ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ان عرب کے بدوؤں کا رحمتِ الٰہیہ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تقویٰ کو اپنا شعار بنالو۔ میرے پیارے رسول پر ایمان لانے کا حق ادا کرو اور اس کی غلامی پر فخر وناز کرو تا کہ میں تم پر اپنی عنایات اور انعامات کی انتہا کر دوں، جنہیں دیکھ کر اہل کتاب کو پتہ چل جائے کہ میری رحمت کے خزانے پر ان کا کوئی قابو نہیں۔ میں جس کو چاہوں، جتنا چاہوں عطا فرماتا ہوں۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ میں لا زائد ہے۔ معنی ہے لِيَعْلَمَ ۔ قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ: لِاَنَّ الْعَرَبَ تَجْعَلُ لَا صِلَةً فِيْ كُلِّ كَلَامٍ دَخَلَ فِيْ اَوَّلِهٖ اَوْ اٰخِرِهٖ جَحْدٌ غَيْرُ مُصَرَّحٍ (1)۔ یعنی وہ کلام جس کے اول یا آخر میں غیر مصرح انکار ہو، وہاں ''لا'' بطور صلہ استعمال ہوتا ہے۔

۳۸ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور جود وعطا کی کوئی انتہا نہیں۔ نہ اس کے خزانے ختم ہوتے ہیں اور نہ اس کے ہاتھ تھکتے ہیں۔ لینے والے کا حوصلہ بلند، ظرف وسیع اور دامن کشادہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی سخاوت کے انداز دیدنی ہوتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ يَا ذَا الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَالْجُوْدِ الْعَمِيْمِ هٰذَا الْفَقِيْرُ الْمِسْكِيْنُ حَاضِرٌ عَلٰى بَابِ رَحْمَتِكَ مَادًّا اَيْدِيَهٖ اِلٰى جَنَابِكَ مُسْتَرْحِمًا مُّسْتَغْفِرًا مُّلْتَجِاً بِمَلَاذِكَ وَمُعْتَرِفًا بِقُصُوْرِهٖ وَذُنُوْبِهٖ وَخَطِيْئَاتِهٖ وَسَيِّئَاتِهِ الَّتِيْ لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰى اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ بِجَاهِ حَبِيْبِكَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَاسْتُرْنِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَيِّدْنِيْ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَوَفِّقْنِيْ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ ۔ اَللّٰهُمَّ يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى نَبِيِّكَ الْمُحْتَرَمِ وَرَسُوْلِكَ الْمُعَظَّمِ وَصَفِيِّكَ الْمُكَرَّمِ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَزْكٰهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَسْنٰهَا وَمِنَ الْبَرَكَاتِ اَزْهٰهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 18-317

تعارف سُورۃ المجادلہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس کے دو نام ہیں اَلْمُجَادَلَۃ جو باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اس کا معنیٰ ہے ''بحث وتکرار''۔ دوسرا نام ''اَلْمُجَادِلَۃ'' جو اس باب کا اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کا معنیٰ ہے ''بحث وتکرار کرنے والی''۔ اس میں تین رکوع، بائیس آیتیں، چار سو تہتر کلمے اور سترہ سو بانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی (1) اور اغلب خیال یہ ہے کہ اس کا نزول غزوۂ احزاب (شوال ۵ ھ) کے بعد ہوا۔ سورۂ احزاب میں جو اس غزوہ کے بعد نازل ہوئی، ظہار کے مسئلہ کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے اور اس سورت میں اسی مسئلہ کو وضاحت اور پُوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت سورۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔

شانِ نزول: حضرت خولہ بنت ثعلبہ اپنے چچازاد اوس ابن صامت کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں۔ حضرت اوس جب بوڑھے ہو گئے تو ان کے مزاج میں چڑچڑا پن آ گیا۔ بات بات پر وہ لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے۔ ایک روز جھگڑتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا ''اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ'' (تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ) زمانۂ جاہلیت میں یہ طلاق کے الفاظ تھے۔ خولہ یہ سُن کر ازحد پریشان ہوئیں۔ بڑھاپے میں اپنے گھر کے اجڑنے کا غم اور اپنے ننھے بچے بچیوں کے فکر نے انہیں بے چین کر دیا۔ بارگاہِ رسالت میں آکر اپنے بارے میں دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارے میں ابھی مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ وہ بار بار عرض کرتیں: مَیں اس پیرانہ سالی میں کہاں جاؤں گی؟ میرے بچوں کا کیا بنے گا؟ میرا بنا بنایا گھر اُجڑ جائے گا؟ حضور یہی جواب فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی احکام نازل ہوئے۔

قرآن کریم میں اُن کا تذکرہ آنے کے باعث صحابہ کی نگاہوں میں ان کی قدر ومنزلت بہت بڑھ گئی۔ سب ان کا احترام کیا کرتے۔ ایک روز حضرت فاروق اعظم اپنے دور خلافت میں کہیں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ دوسرے بہت سے لوگ بھی تھے۔ ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور آپ کو رُکنے کے لیے کہا۔ آپ فوراً رُک گئے اور اس کے قریب تشریف لے گئے۔ اُس کی باتیں سننے کے لیے اس کی طرف اپنا سَر جھکا دیا اور اپنے ہاتھ اُس کے کندھے پر رکھ دیئے یہاں تک کہ وہ اپنی پوری داستان ختم کر کے واپس چلی گئیں۔ ایک شخص نے عرض کیا:

''امیر المومنین! آپ نے ایک بڑھیا کے لیے اتنے قریش کو منتظر رکھا۔ آپ نے فرمایا: اے کم فہم! تم جانتے ہو یہ کون ہے؟

1۔ تفسیر قرطبی، جز 17، ص 269

اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ وہ عورت ہے جس کے شکوہ کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سن لیا۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہیں۔ اگر یہ رات تک کھڑی رہتیں تو میں یوں ہی کھڑا رہتا''۔(1)

مضامین: ابتدائی چار آیتوں میں ظہار کے مسئلہ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ پانچویں اور چھٹی آیت میں اُن لوگوں کو تنبیہہ کی گئی جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں آیت میں منافقین جو خفیہ منصوبے بناتے اور چھپ چھپ کر مشورے کرتے اور اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے، انہیں خبردار کر دیا گیا کہ جہاں بھی سر جوڑ کر تم بیٹھتے ہو اور سرگوشیاں کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، تمہاری باتوں کو سُن رہا ہوتا ہے اور تمہاری حرکتوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔ وہ یقین رکھیں کہ اپنی اِن ناپاک کوششوں سے وہ اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ البتہ اس کی پاداش میں انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا، اور یہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو نصیحت فرمائی جا رہی ہے کہ تمہاری سرگوشیاں اور مشورے اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے لیے نہیں ہونے چاہئیں بلکہ تمہیں اپنی مجلسوں میں ایسی تدابیر پر غور و فکر کرنا چاہیے جن سے نیکی کو فروغ حاصل ہو اور خدا کے دین کا بول بالا ہو۔

آیات ۱۳، ۱۲، ۱۱ میں مجلسی آداب کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب تم کسی محفل میں بیٹھے ہو اور باہر سے کوئی آدمی آ جائے تو سکڑ جاؤ اور اُس کو اپنے پہلوں میں جگہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ اُسے دہلیز پر بیٹھنا پڑے یا وہ کھڑا رہنے پر مجبور ہو یا وہ محروم واپس چلا جائے۔ نیز تمہیں یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جس شخص کی ملاقات کے لیے تم آئے ہو، اس کی اپنی مصروفیتیں بھی ہیں۔ اس لیے ضرورت کے مطابق بیٹھو اور اس کے بعد خود بخود اجازت لے کر چلے جاؤ۔ اگر اس نے تمہیں اپنی محفل سے اُٹھنے کے لیے کہا تو تمہاری دل شکنی ہوگی۔ اسی طرح کی کئی اور رسمیں جو عہدِ جاہلیت میں ان کی زندگی کا حصہ بن چکی تھیں اُن کو ترک کرنے کا حکم دیا۔

آخری رکوع میں بتا دیا کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں، ایک حزب الشیطان ہے اور دوسرے گروہ کا نام حزب اللہ ہے۔ دونوں گروہوں کے حالات اور اُن کی خصوصیات بھی بیان کر دیں تا کہ ہر شخص اپنے بارے میں فیصلہ کر سکے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۲، ۴، ۷۷

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج 4، ص 318

سُوۡرَةُ الۡمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثۡنَتَانِ وَعِشۡرُوۡنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوۡعَاتٍ

سورۃ المجادلہ مدنی ہے اور اس کی ۲۲ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّتِىۡ تُجَادِلُكَ فِىۡ زَوۡجِهَا وَتَشۡتَكِىۡۤ

بے شک اللہ تعالیٰ نے سُن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کیے جاتی تھی اللہ سے

اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسۡمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ ①

(اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سُن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے [1]

[1] اسلام سے پہلے عرب میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا کہ اَنۡتِ عَلَیَّ کَظَھۡرِ اُمِّیۡ تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پشت، تو اس قول سے وہ نکاح ٹوٹ جاتا اور وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی۔ رجوع کا دروازہ بھی بند ہو جاتا۔ اس کو وہ اپنی اصطلاح میں ظہار کہا کرتے۔

اسلام میں سب سے پہلے ظہار کا جو واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں ظہار کے متعلق قرآنی احکام کو وضاحت سے بیان کر دیا گیا۔

ہوا یوں کہ ایک روز حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس ابن صامت رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ پر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے۔ بڑھاپے کی وجہ سے ان کا مزاج بڑا چڑ چڑا ہو گیا تھا۔ غصہ سے کہہ دیا اَنۡتِ عَلَیَّ کَظَھۡرِ اُمِّیۡ۔ زبان سے تو یہ کہہ بیٹھے لیکن لگے پچھتانے۔ خولہ کو پاس بلانے کی کوشش کی۔ اس نیک بندی نے جواب دیا: اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں خولہ کی جان ہے، جب تک اللہ اور اس کا رسول ہمارے بارے میں فیصلہ نہ فرمائیں تم میرے نزدیک نہیں آسکتے۔ خولہ اٹھیں اور حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے پیارے رسول! اوس نے جب میرے ساتھ شادی کی تھی اس وقت میں جوان تھی۔ صاحب مال تھی۔ میرے گھر والے بھی موجود تھے۔ اب میرا شباب رخصت ہو چکا۔ مَیں بوڑھی ہو گئی۔ میرے گھر والے بھی نہ رہے۔ مال بھی خرچ ہو گیا۔ اب اوس نے مجھے یہ الفاظ کہے ہیں۔ حضور! کیا ہمارے لیے کوئی گنجائش ہے کہ ہم ایک ساتھ رہ سکیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تیرے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا۔ اس نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے طلاق کا لفظ تو نہیں کہا۔ وہ بار بار یہ کہتی رہی اور حضور وہی جواب دیتے رہے۔ ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی فریاد کرتی رہی کہ الٰہی میں اپنی تنہائی اور اپنے خاوند

الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ

جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا

نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے ۲ بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بُری

سے جدائی کا شکوہ تجھ سے کرتی ہوں۔ ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ درج ہیں: "اپنے فاقہ اور خستہ حالی کا شکوہ میں اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر میں انہیں ان کے باپ کے سپرد کرتی ہوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور ان کو اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکوں مریں گے"۔ بار بار وہ آسمان کی طرف منہ اٹھاتیں اور فریاد کرتیں۔ بحث و تکرار کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی غم زدہ اور پریشان حال بندی کی فریاد سُن لی اور جبریل امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یَا خَوْلَةُ اَبْشِرِیْ (1): اے خولہ! مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرما دیا۔ جاؤ اپنے خاوند کو بُلا لاؤ۔ اوس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غلام آزاد کرو۔ عرض کیا: میرے پاس تو کوئی غلام نہیں۔ فرمایا: پھر دو ماہ متواتر روزے رکھو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں دن میں تین مرتبہ نہ کھاؤں تو میری بینائی جواب دینے لگتی ہے۔ مَیں اتنی مدت کیسے روزے رکھ سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ عرض کرنے لگے: آقا میں بہت غریب و نادار ہوں۔ حضور میری مدد فرمائیں تو میں کھانا کھلا سکتا ہوں۔ اس غریب پرور آقا نے انہیں پندرہ صاع اپنے پاس سے عطا فرمائے۔ انہوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا (2)۔ اس طرح حضرت خولہ پھر اپنے گھر میں آباد ہو گئیں۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ کی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس خصوصیت کی وجہ سے صحابہ کرام ان کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں حضرت خولہ کے پاس سے گزرے۔ آپ دراز گوش پر سوار تھے۔ لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ تھا۔ حضرت خولہ نے ان کو روک لیا اور نصیحت کرنے لگیں۔ کہا: اے عمرؓ! وہ دن تجھے یاد ہیں جب تمہیں عُمیر کہا جاتا تھا۔ پھر تمہیں عمر کہا جانے لگا اور اب تمہیں لوگ امیر المؤمنین کہنے لگے ہیں۔ پس اے عمر! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ جو شخص موت پر یقین رکھتا ہے اسے اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی ضروری چیز رہ نہ جائے۔ جسے حساب کا یقین ہوتا ہے وہ عذاب سے ڈرتا رہتا ہے۔ آپ بڑے صبر و تحمل سے کھڑے ان کی نصیحت کو سنتے رہے۔ جب کافی وقت گزر گیا تو لوگوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! اس بڑھیا کے لیے آپ اتنی دیر کھڑے رہیں گے؟ آپ نے فرمایا: بخدا! اگر یہ مجھے صبح سے شام تک روکے رکھے تو مَیں کھڑا رہوں گا۔ صرف نماز کے اوقات میں رخصت لوں گا۔ کیا تم نہیں جانتے یہ بوڑھی کون ہے؟ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے جس کی فریاد کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ رب العالمین تو اس کی بات سُنے اور عمر نہ سُنے؟ (3)

۲ اس آیت میں اس طریقۂ کار کی مذمت کی جا رہی ہے کہ یہ کتنی بے ہودہ اور بری حرکت ہے کہ انسان اپنی بیوی کو اپنی ماں

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 3

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 271

3۔ ایضاً، جز 17، ص 269-70

مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ

بات اور جھوٹ۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا، بہت بخشنے والا ہے ۳؎ جو لوگ ظہار کر بیٹھیں

مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ

اپنی عورتوں سے ۴؎ پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (خاوند) غلام آزاد کرے اس سے

کہنا شروع کر دے۔ کیا اس کے اس طرح کہنے سے وہ اس کی ماں بن سکتی ہے؟ ماں تو وہ ہوتی ہے جس نے اس کو جنا۔ ایک عورت جس نے اس کو جنا نہیں بلکہ عرصہ سے اس کی بیوی بنی ہوئی ہے اور اس کے بطن سے اس کے کئی بچے اور بچیاں جنم لے چکے ہیں، اب اگر اس عورت کو یہ اپنی ماں کہنے لگے تو اس سے بے ہودہ اور لغو بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ فرمایا: ایسی بات ایک تو فی نفسہٖ بڑی لغو، ناشائستہ اور غیر پسندیدہ ہے، دوسرا یہ سراسر جھوٹ ہے۔ جو اس کی ماں نہیں اس کو وہ اپنی ماں کہہ رہا ہے۔

۳؎ چاہیے تو یہ تھا کہ اُسے اس ہرزہ سرائی پر سخت سزا دی جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا اور اپنے بندوں کے قصوروں کو بخشنے والا ہے۔ اس لیے اس کریم نے عفو و درگزر سے کام لیا اور جرم جتنا سنگین تھا اس کے مطابق سزا اتنی سخت مقرر نہیں کی۔

۴؎ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ظہار اصطلاح میں اس کو کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ بیوی سے قربت سے پہلے کفارہ ادا کرے۔ اس ضمن میں ظہار کے چند ضروری فقہی احکام لکھے جاتے ہیں۔ تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

(۱) اگر کسی شخص نے ماں کی پُشت کے علاوہ کسی ایسے عضو کا ذکر کیا جس کو دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو بھی ظہار پایا جائے گا اور اس پر کفارۂ ظہار لازم ہوگا۔

(۲) اگر اس نے اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت کی پیٹھ یا اس کے اعضاء سے جن کو دیکھنا حرام ہے، تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے ابتداءً حرام ہیں مثلاً دادی، نانی، پھوپھی، خالہ، بہن، بیٹی تو یہ بھی ظہار ہوگا۔

(۳) اسی طرح ایسی عورتوں سے تشبیہ دینا جو ابتداءً تو حرام نہیں لیکن بعد میں کسی وجہ سے ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی ہیں تو یہ بھی ظہار ہوگا۔ مثلاً رضاعی ماں، باپ کی دوسری بیوی وغیرہ۔

(۴) مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں بیویوں سے ظہار درست ہے۔

(۵) اگر ایک سے زائد بیویاں تھیں اور سب سے ظہار کیا تو جتنی بیویاں ہوں گی اتنے کفارے دینے ہوں گے۔

(۶) عورت کو ظہار کرنے کا حق نہیں ہے۔ یعنی اگر عورت اپنے خاوند کو کہے کہ تُو مجھ پر ایسا ہے جیسے میرے باپ کی پُشت یا میں تجھ پر ایسی ہوں جیسے تیری ماں کی پشت تو یہ ظہار نہیں ہوگا، کیونکہ ظہار کا حق اسے ہی ہے جسے طلاق کا حق حاصل ہے۔ البتہ عورت کا یہ قول قسم ہوگی۔ گویا اس نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ مجامعت نہیں کرے گی اس لیے اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو (اس سے

خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ

آگاہ ہے ۵ پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے اس سے

(۷) اگر کسی عورت نے نکاح سے پہلے کسی مرد کے بارے میں ظہار کے الفاظ استعمال کیے تو اس وقت یہ ظہار ہوگا اور نکاح کے بعد عورت پر لازم ہوگا کہ وہ کفارۂ ظہار ادا کرے۔ اس کی تائید کے لیے ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔ حضرت طلحہ کی صاحبزادی عائشہ کے متعلق حضرت مصعب بن زبیر نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے اس پیغام کو رد کر دیا اور کہا کہ اگر میں مصعب سے نکاح کروں تو ھُوَعَلَیَّ کَظَھْرِاَبِیْ۔ وہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میرے باپ کی پشت، لیکن بعد میں وہ اس شادی پر رضامند ہوگئیں۔ مدینہ طیبہ کے فقہاء سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ عائشہ پر کفارۂ ظہار لازم آتا ہے، کیونکہ اس نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب اسے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا۔ اگر نکاح کے بعد وہ ایسا کہتیں تو ظہار نہ ہوتا بلکہ یمین ہوتی اور انہیں کفارۂ یمین ادا کرنا پڑتا۔

(۸) جن الفاظ سے ظہار ثابت ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ۔ صریح تو یہ ہیں کہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت یا کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو یہ صراحتاً ظہار ہے۔ اسی طرح اپنی بیوی کو ان عورتوں کی پُشت یا ان کے ایسے اعضاء سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا حلال نہیں جو ابتداءً یا بعد میں کسی وجہ سے مؤبّداً حرام ہیں تو یہ بھی صراحتاً ظہار ہے۔ اس میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔ وہ ہزار کہے کہ میرا مقصد ظہار کا نہ تھا تو قابل تسلیم نہ ہوگا۔

اور اگر اپنی بیوی کے متعلق یہ کہے کہ یہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح یہ عورتیں جو مذکور ہوئیں اور ان کے کسی عضو کا نام نہ لے تو اس صورت میں یہ کنایہ ہوگا۔ اس کا معنی متعین کرنے میں اس کی نیت کو دخل ہوگا۔ اگر وہ کہے کہ میں نے عزت وتکریم کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے تو مان لیا جائے گا اور اگر ظہار کی نیت سے کہا ہوگا تو ظہار ہوگا اور اگر اس نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو جائے گی۔ (1)

۵ یعنی ایک مرتبہ تو خاوند نے ایسی بات زبان سے نکالی ہے جس سے اپنی بیوی سے مقاربت اس کے لیے جائز نہیں رہی لیکن اگر وہ اس کہی ہوئی بات سے واپس لوٹنا چاہے یعنی اپنی بیوی کو پہلے کی طرح اپنے لیے حلال کرنا چاہے تو اس وقت اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر وہ کفارہ ادا نہ کرے تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے اور عدالت اس خاوند کو حکم دے گی کہ وہ کفارہ ادا کرے اور اس طرح حرمت کی اس دیوار کو درمیان میں سے ہٹا دے جو اس نے اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان قائم کر دی تھی۔ اگر وہ شخص اس کے باوجود ادا نہ کرے تو عدالت اسے دُرّے لگانے یا قید کرنے یا دونوں سزائیں دے سکتی ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 274

قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ

قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ٦ اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو وہ کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو ٧

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ

یہ اس لیے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں ٨ اور

اگر کوئی شخص کفارہ ادا کیے بغیر عورت کے ساتھ مقاربت کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا۔ اسے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے لیکن اُسے ایک ہی کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کا ایک اور مفہوم بھی علمائے ظاہر نے بتایا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایک مرتبہ اس نے ایسے الفاظ کہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ دوبارہ ان الفاظ کو دہرائے تب ان پر کفارہ لازم آئے گا۔ یہ قول بالاتفاق مردُود ہے۔ (1)

فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ: یہاں سے کفارۂ ظہار کا تفصیلی بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس پر سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ رقبۃ آزاد کرے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا سے یہ بات بیان کر دی کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے وہ اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ گویا مقاربت اور اس کے دواعی سب حرام ہیں۔ آیت میں تُوْعَظُوْنَ بِهٖ کا معنی علامہ قرطبی نے تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ کیا ہے (2)۔ یعنی تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے۔ اور علامہ آلوسی نے اس کا معنی تُزْجَرُوْنَ بِهٖ کیا ہے (3) یعنی اس کفارہ کے ذریعے تمہیں زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ تم پھر ایسی حرکت نہ کرو۔

٦ لیکن اگر غلام دستیاب نہیں یا اس کے پاس کوئی غلام نہیں اور اس میں غلام خریدنے کی طاقت بھی نہیں تو وہ لگاتار دو ماہ روزے رکھے۔ اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ اسے چھونے سے پہلے یہ روزے مکمل کرے۔ اگر اس نے درمیان میں مقاربت کی تو اس کو نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے۔ روزہ رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ ایسے وقت میں روزے شروع کرے کہ اس مدت میں ماہ رمضان، عید الفطر اور ایام تشریق نہ آئیں تاکہ وہ مسلسل روزے رکھ سکے۔

اگر کسی شخص نے روزے رکھنے شروع کیے اور وہ بیمار ہو گیا یا اسے سفر پر جانا پڑا اور وہ روزے نہ رکھ سکا تو احناف کے نزدیک از سر نو روزے شروع کرے۔

٧ لیکن اگر وہ روزہ رکھنے پر بھی قادر نہ ہو تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ قادر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جسمانی صحت اس کی متحمل نہ ہو یا وہ بوڑھا ہو اور اتنا عرصہ لگاتار روزے رکھنا اس کے لیے دشوار ہو یا اسے اندیشہ ہو کہ وہ مسلسل دو ماہ تک عورت سے احتراز نہیں کر سکتا، درمیان میں اس سے پھر بے احتیاطی ہو جائے گی۔

٨ یہاں لِتُؤْمِنُوْا سے مراد لِتُصَدِّقُوْا یعنی تم پر لازم ہے کہ تم اس کی تصدیق کرو کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے۔ اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے اَیْ ذٰلِكَ لِتَكُوْنُوْا مُطِیْعِیْنَ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَاقِفِیْنَ عِنْدَ حُدُوْدِهٖ لَا تَتَعَدُّوْهَا (4)۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 213

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 283

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 13

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 287

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ

منکرین کے لیے دردناک عذاب ہے ۹ بے شک جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں اللہ اور اس کے

رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ

رسول کی ۱۰ انہیں ذلیل کیا جائے گا جس طرح ذلیل کیے گئے وہ (مخالفین) جو ان سے پہلے تھے ۱۱ اور بے شک ہم نے

مطیع ہو جاؤ، اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور ان کو پامال مت کرو۔

۹ یہاں کفار سے مراد وہ لوگ نہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید یا حضور کی رسالت کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کی قائم کی ہوئی حدود کو پھاند کر آگے نکل جاتے ہیں۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: اَلَّذِيْنَ لَا يَقْبَلُوْنَ اَحْكَامَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا يَمْتَنِعُوْنَ عَنِ الْمُحَرَّمَات وَيَتَجَاوَزُوْنَ عَنْ حُدُوْدِهٖ۔ (1)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اَلَّذِيْنَ يَتَعَدُّوْنَهَا وَلَا يَعْمَلُوْنَ بِهَا۔ وَاُطْلِقَ الْكَافِرُ عَلٰى مُتَعَدِّى الْحُدُوْدِ تَغْلِيْظًا بِزَجْرِهٖ وَنَظِيْرُ ذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (روح المعانی) (2)

یعنی جو لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے ایسے لوگوں کو کافر اس لیے کہا گیا ہے تاکہ ان کو سختی سے باز رکھا جائے۔ جس طرح وَمَنْ كَفَرَ میں کفر سے مراد حقیقی کفر نہیں بلکہ زجر و توبیخ کے لیے انکار کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱۰ يُحَآدُّوْنَ کا مصدر محاداۃ ہے۔ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں: اَلْمُحَادَاةُ: اَلْمُعَادَاةُ وَالْمُخَالَفَةُ وَالْمُنَازَعَةُ وَهُوَ مُفَاعَلَةٌ مِّنَ الْحَدِّ كَاَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يُجَاوِزُ حَدَّهٗ اِلَى الْاٰخَرِ (لسان العرب) (3)

یعنی محاداۃ کا معنی عداوت کرنا، مخالفت کرنا اور جھگڑا کرنا ہے۔ اس کا اصل ماخذ حَدٌّ ہے کیونکہ دونوں اپنی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسرے کی حد میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں اس لیے اسے محاداۃ کہا جاتا ہے۔

اس تشریح کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اپنی بندگی کی حدود کو پھاند کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حدود میں مداخلت بے جا کا ارتکاب کرتے ہیں، قانون سازی کا جو حق صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص ہے اس حق کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے لیے خود قانون وضع کرنا شروع کر دیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت طیبہ میں کیا جا رہا ہے۔ علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ سے کی ہے: اَوْ يَضَعُوْنَ اَوْ يَخْتَارُوْنَ حُدُوْدًا غَيْرَ حُدُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ (4)۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وضع کردہ حدود اور قوانین کے برعکس اپنی طرف سے حدود و قوانین وضع کرتے ہیں۔ ان کا حکم اس آیت میں بتایا جا رہا ہے۔ علامہ آلوسی نے شیخ الاسلام سعد اللہ چلپی کا قول نقل کیا ہے، وہ بھی غور طلب ہے۔ وَعَلٰى هٰذَا فَفِيْهِ وَعِيْدٌ عَظِيْمٌ لِّلْمُلُوْكِ وَاُمَرَاءِ السُّوْءِ الَّذِيْنَ وَضَعُوْا اُمُوْرًا خِلَافَ مَاحَدَّهُ الشَّرْعُ وَسَمَّوْهَا السِّيَاسِيَّةَ وَالْقَانُوْنَ وَاللّٰهُ تَعَالٰى الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا يَصِفُوْنَ (5)۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 220 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 20 3۔ لسان العرب، ج 3، ص 140

4۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 720 5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 20

اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ۚ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ

اتاری ہیں روشن آیتیں ۔ اور کفار کے لیے رسوا کُن عذاب ہے ۱۲ (یاد کرو) جس روز اللہ تعالیٰ ان

یعنی اس آیت میں ایسے بادشاہوں اور بُرے حکام کے لیے وعید شدید ہے جو شریعت کی حدود کے برعکس قوانین وضع کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ بیان کرتے ہیں ہم اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی نے یہاں اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ حکومت کو نئی قانون سازی کا کہاں کہاں اختیار ہے اور کہاں اختیار نہیں ہے؟ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے، امید ہے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

فوجوں کی تربیت، انہیں جنگی مشقیں کرانا، انہیں ہر قسم کا اسلحہ مہیا کرنا جس سے دشمن پر غلبہ پانے کے امکانات روشن ہوں۔ جنگ کے لیے منصوبہ بندی، میدان جنگ میں فوجوں کی نقل و حرکت کے ضابطے ان تمام امور میں حکام وقت کو کُلّی اختیارات حاصل ہیں۔ مسلمانوں کے لیے جو بہتر اور مفید ہو اس کے لیے تدابیر اختیار کی جائیں۔ اسی طرح مناسب مقامات پر قلعوں کو تعمیر کرنا، شہروں کی حفاظت کے لیے تجاویز سوچنا بھی حکام کا کام ہے۔ وہ جرائم جن کی سزا شریعت میں مقرر نہیں ان کے لیے مناسب سزائیں مقرر کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کو ان جرائم کے لیے ایسی موثر سزائیں مقرر کرنی چاہیں جن سے جرائم کا سدباب ہو سکے، لیکن ان تعزیرات کو اتنا سخت کرنا بھی درست نہیں جو بسا اوقات قتل سے بھی زیادہ دردناک اور اذیت رساں ہوں۔

اسی طرح کاروبار اور لین دین کے لیے ایسے قواعد و ضوابط مرتب کرنا جن سے کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو، درست ہے لیکن کوئی ایسا ضابطہ بنانا جس سے کسی شرعی حکم کی صراحتاً خلاف ورزی لازم آئے، ہرگز جائز نہیں جیسے سود کے جواز کا قول کرنا اور اس کے بغیر معاشی اور صنعتی ترقی کو محال سمجھنا یہ سب حرام ہے۔

بیت المال اور اراضی کے بارے میں جو احکام صحیح روایات سے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں ان کی خلاف ورزی کسی صورت میں بھی جائز نہیں، لیکن جو احکام خلفائے کرام نے اپنے اجتہاد سے وضع کیے اگر زمانہ کے حالات کے پیش نظر ان کے بارے میں ایسے احکام وضع کیے جائیں جن میں لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت ہو اور ان میں عوام کا فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن خلفاء کے اجتہادی احکام کے بجائے ایسے جدید قوانین مرتب کرنا جن میں لوگوں کی مشقتوں میں اضافہ ہو جائے یہ کسی طرح جائز نہیں۔

وہ حدود جو اللہ تعالیٰ نے چوروں، بدکاروں اور رہزنوں کے بارے میں مقرر کی ہیں ان میں کسی قسم کا ردوبدل روا نہیں ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلامی قوانین کو ناقص سمجھتا ہے اور ان کی تحقیر کرتا ہے اور جدید وضع کردہ قوانین کو ان سے بہتر اور زیادہ مفید کہتا ہے اس کے کفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

۱۱ انہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے گا۔ انہیں منہ کے بل گرا دیا جائے گا جس طرح ان سے پہلے جو سرکش قومیں گزری ہیں ان کو ذلّت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا تھا۔

اَلْكَبْتُ: صَرْعُ الشَّيْءِ لِوَجْهِهٖ۔ (1) کسی چیز کو منہ کے بل گرا دینا۔ یہ ذلت و رسوائی کی انتہا ہے۔

۱۲ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیات کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو حق تسلیم نہیں کرتے۔ یہ خیال رہے کہ جاحد اور تارک میں

1۔ لسان العرب، ج2، ص76

اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ

سب کو زندہ کرے گا پھر انہیں آگاہ کرے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۟ ⑥ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا ع ۱ ۴ ۱

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے ۱۳ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ

آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں

اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى

مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس

مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ

سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں۔ پھر

يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

وہ انہیں آگاہ کرے گا جو (کرتوت) وہ کرتے رہے قیامت کے دن ۱۴ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب

فرق ہے۔ ترکِ احکام سے انسان گناہ گار ضرور ہو جاتا ہے، لیکن کافر نہیں ہوتا۔ البتہ اگر احکامِ الٰہیہ کا انکار کرے اور ان کی حقانیت کو تسلیم نہ کرے تو یقیناً کافر ہے۔

۱۳ کفار اور منکرین احکامِ الٰہی کا جو انکار کرتے ہیں اور ان کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں، شاید ان کی نظروں میں یہ غیر اہم باتیں ہوں جن کو محفوظ نہیں رکھا جاتا اور فراموش کر دیا جاتا ہے، لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان تمام حرکتوں کو گن گن کر محفوظ رکھا ہوا ہے جو یہ لوگ فراموش کر چکے ہیں۔ قیامت کے دن جب انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ان کے ایک ایک کرتوت پر انہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔

۱۴ منافقین اسلام کی روز افزوں ترقی سے بڑے ہراساں رہا کرتے۔ ان میں یہ ہمت تو نہ تھی کہ کُھل کر مسلمانوں کی مخالفت کریں، لیکن ان کا خبث باطن انہیں اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور منصوبے بنانے میں مصروف رکھا کرتا تھا۔ جہاں کہیں تین چار مل بیٹھتے

عَلِيْمٌ ۝۷ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

جاننے والا ہے۔ کیاتم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہیں (اسلام کے خلاف) سرگوشیوں سے روکا گیا پھر دوبارہ وہی کرتے ہیں

لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

جس سے انہیں روکا گیا اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے

الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ

بارے میں ۱۵ اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا ۱۶

يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ

اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے انہیں

بڑی رازداری سے مسلمانوں کو پریشان کرنے، ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مفلوج کرنے، ان کی صفوں میں انتشار وافتراق پیدا کرنے کے لیے کھسر پھسر شروع کر دیتے اور یہ خیال کرتے کہ ان سرگوشیوں کی کسی کو خبر نہیں اور ان کی سازشوں پر کوئی آگاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اس غلط فہمی پر متنبہ فرمارہے ہیں کہ تم سراسر غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو، تمہاری تعداد کتنی ہی ہو میں تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہوں، تمہاری سرگوشیوں کو خوب سن رہا ہوتا ہوں۔ قیامت کے روز تمہاری ایک ایک شرارت پر تمہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔

نَجْوٰی: اِسْمُ مَصْدَرٍ مُشْتَقٌّ مِنَ النَّجْوَاةِ وَهِيَ مَا ارْتَفَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَاِنَّ السَّرَّ اَمْرٌ مَرْفُوْعٌ اِلَى الذِّهْنِ لَا يَتَيَسَّرُ لِكُلِّ اَحَدٍ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ (مظہری) (1) یعنی نجویٰ اسم مصدر ہے۔ یہ نجواۃ سے مشتق ہے اور نجواۃ اونچی جگہ کو کہتے ہیں جہاں ہر کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ راز بھی خفاء کی بلندیوں میں ہوتے ہیں اس لیے نجویٰ کہا گیا ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں: اَلنَّجْوٰی وَالنَّجِیُّ: السِّرُّ وَالنَّجْوُ اَلسِّرُّ بَيْنَ اثْنَيْنِ يُقَالُ نَجَوْتُهُ نَجْوًا اَیْ سَارَرْتُهُ (2)۔ یعنی دو آدمیوں کے رازداری سے بات کرنے کو نجویٰ کہتے ہیں۔

۱۵ یہود اور منافقین کی یہ عادت تھی کہ جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو الگ بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے لگتے۔ اس اثنا میں مسلمانوں کی طرف بار بار دیکھتے اور اشارے کرتے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا کہ مسلمان یہ خیال کریں گے کہ یہ لوگ ان کے بارے میں مشورے کر رہے ہیں، ان کے خلاف منصوبے بنارہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے اس طریقہ سے بڑی وحشت ہوتی۔ چنانچہ صحابہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی بارہا شکایت کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہودیوں کو ایسا کرنے سے ٹوکا لیکن وہ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے۔ ہر جگہ ان کی سرگوشیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ جہاں کہیں دو چار مل بیٹھتے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلاح مشورے ہونے لگتے (3)۔

۱۶ یہودی جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو اس طرح سلام عرض نہ کرتے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب کو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 221

2۔ لسان العرب، ج 15، ص 308

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 291

جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

جہنم اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ١٧ اے ایمان والو!

اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ ، زیادتی اور رسول (کریم) کی نافرمانی

الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ

کے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو ١٨ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی (بارگاہ میں) تمہیں

سلام فرماتا ہے یا جس طرح اس نے اہلِ ایمان کو دربارِ نبوی میں حاضری کے آداب سکھائے، بلکہ ان کا خبث باطن انہیں تہذیب وشائستگی کی حدود سے بھی باہر نکال لے جاتا اور وہ بجائے سلامتی کی دعا عرض کرنے کے اَلسَّامُ عَلَيْكَ کہتے۔ (السّام کا معنی موت ہے) اور ان الفاظ کا تلفظ اس طرح کرتے کہ عام آدمی ان کی خباثت پر خبردار نہ ہوتا۔ ایک دن وہ حضور کی بارگاہ میں آئے اور کہا اَلسَّامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ حضور نے حسب معمول ارشاد فرمایا وَعَلَيْكُمْ (اور تم پر بھی) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہیں سُن رہی تھیں۔ انہوں نے غصّہ سے فرمایا: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ۔ اے مردودو! تم ہلاک ہو، تم پر خدا کی پھٹکار اور غضب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمّ المؤمنین ؓ سے فرمایا مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ۔ اے عائشہ! صبر کرو۔ نرمی سے پیش آؤ اور بدکلامی نہ کرو۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے غور نہیں فرمایا کہ انہوں نے کیا بکا ہے۔ فرمایا: میں نے جواب میں کہہ دیا وَعَلَيْكُمْ (اور تم پر بھی موت آئے) (1)

١٧ یہود ایسی بدزبانی اور گستاخی کرتے پھر ایک دوسرے سے یہ کہتے کہ اب ہمیں یقین آ گیا ہے کہ یہ نبی نہیں۔ اگر یہ نبی ہوتے اور ہم ایسی گستاخی کرتے تو خدا کا عذاب فوراً ہمیں تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ ہم ایسی گستاخیاں کرتے ہیں اور ہماری تو کبھی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔ ہمیں تو کبھی ہلکا سا دردِسر بھی نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ خدا کے نبی نہیں ہیں۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ ان گستاخیوں کی پاداش میں تمہارا ٹھکانا جہنم بنا دیا گیا ہے۔ تمہیں پکڑ کر اس میں دھکا دے دیا جائے گا۔ ہمیشہ اس میں جلتے رہو گے اور تڑپتے رہو گے۔ جو میرے محبوب کے گستاخ ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ اس میں نہ ایک لمحہ آرام ملے گا اور نہ اس سے باہر نکلنے کی کوئی امید ہوگی۔

١٨ ایسی سرگوشیاں ممنوع ہیں جن میں کسی گناہ کے بارے میں مشورے ہوں۔ لوگوں کو اذیت پہنچانے کے لیے تجویزیں سوچی جائیں یا اللہ کے رسول کی نافرمانی اور مخالفت کے لیے سکیمیں تیار کی جائیں۔ مسلمانوں کو کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اگر کسی نیک کام کے لیے، کسی مفید بات کے لیے باہم مل کر صلاح مشورہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 222۔ صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، کیف الرد علی اهل الذمة السلام، ج 2، ص 925

تُحْشَرُوْنَ ۝۹ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ

جمع کیا جائے گا۔ (کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ غمزدہ کردے

اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ

ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور اللہ پر ہی

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ

توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو ۱۹ اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لیے)

تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ

جگہ کشادہ کردو مجلس میں تو کشادہ کردیا کرو اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمائے گا ۲۰ اور جب کہا جائے کہ

۱۹ اس قسم کی سرگوشیاں شیطان کی انگیخت سے ہوتی ہیں اور ان کا مقصد مسلمانوں کو خوف زدہ اور ہراساں کرنا ہوتا ہے۔ اپنے بندوں کو بتادیا کہ ان کی یہ ساری سرگوشیاں اور سازشیں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو یہود اور منافقین کے چاہنے سے تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اس لیے ایسی باتوں سے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔

حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے غلاموں کو آداب مجلس کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اِذَا كَانَ ثَلٰثَةٌ فَلَا يَتَنَاجٰى اِثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ (1)۔ اگر تم تین آدمی اکٹھے بیٹھے ہو تو تیسرے آدمی کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کرو (صحیحین) دوسری حدیث جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے اس میں اس کی حکمت بھی بتادی۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجٰى اِثْنَانِ دُوْنَ الْاٰخَرِ حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ مِنْ اَجَلِ اَنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهٗ (2)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم تین آدمی بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو مشورہ نہ کرنے لگ جاؤ اس طرح وہ آدمی آزردہ خاطر ہوگا۔ وہ یہ خیال کرے گا کہ مجھے بیگانہ خیال کیا جارہا ہے یا ان کی نظروں میں میری کوئی عزت نہیں۔ اور اگر اس آدمی کے پاس اور آدمی آکر بیٹھ جائیں تو پھر ان دو کی سرگوشی منع نہیں کیونکہ اب وہ آزردہ نہ ہوگا۔

۲۰ اس آیت میں بھی مسلمانوں کو مل بیٹھنے کے ایسے آداب سکھائے جارہے ہیں جن پر عمل کرنے سے باہمی محبت بڑھے اور ایک دوسرے کا احترام پیدا ہو۔ فرمایا: اگر مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور باہر سے دوسرے حضرات آجائیں تو پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ آنے والوں کی پرواتک نہ کریں اور اس بات کا انہیں خیال ہی نہ آئے کہ انہیں بیٹھنے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، باب لایتناجی اثنان دون الثالث، ج2، ص903

2۔ المعجم الکبیر لطبرانی، ج10، ص224 مطبوعہ عراق۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج28، ص27

انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ

اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو ۲۱؎ اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا

درجات بلند فرما دے گا ۲۲؎ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔ اے

کے لیے جگہ ملی ہے یا نہیں۔ بلکہ ان پر ضروری ہے کہ وہ انہیں عزت سے بٹھائیں اور اگر بھیڑ بہت زیادہ ہو پھر بھی انہیں چاہیے کہ جتنا سکڑ سکتے ہیں سکڑیں اور آنے والوں کے لیے جگہ نکالیں۔ فرمایا: اگر تم اپنے بھائیوں کے لیے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرو گے اور ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا دو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ تمہارے رزق کو کشادہ کر دے گا۔ بلکہ دنیا و آخرت میں تمہیں فراخی اور کشادگی نصیب فرمائے گا۔

جو لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے ان کو تو یہ تعلیم دی کہ وہ آنے والوں کے لیے جگہ کشادہ کریں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنے والوں کو بھی یہ ہدایت فرمائی کہ وہ ایسا نہ کریں کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو اٹھا دیں اور ان کی جگہ خود بیٹھ جائیں۔ ارشاد نبوی ہے: لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ (1)۔ اسی طرح اگر مسجد میں کوئی شخص بیٹھا ہوا ہے تو کسی کو اجازت نہیں کہ اسے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے۔ اگر کسی شخص نے کسی آدمی کو بھیجا کہ تم پہلے جا کر میرے لیے ایک نشست محفوظ کر لو اور وہاں بیٹھ جاؤ، جب وہ شخص وہاں جائے تو وہ اس آدمی کو اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنی جائے نماز بھیج دی کہ پہلی صف میں اس کے لیے بچھا دی جائے تو یہ درست ہے۔ جس وقت بھی وہ آئے جائے نماز پر بیٹھ سکتا ہے۔ (قرطبی) (2)

تَفَسَّحُوْا: اَیْ تَوَسَّعُوْا۔ (3)

۲۱؎ جب حاضرین مجلس کو کہا جائے کہ اب آپ تشریف لے جائیں تو انہیں فوراً چلے جانا چاہیے۔ ورنہ اہل خانہ یا منتظمین مجلس کو بڑی کوفت ہوگی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صحابہ کو اپنے گھر میں مدعو فرماتے تو کھانا کھا لینے کے بعد بھی بار بار کہنے کے باوجود کئی لوگ وہاں سے اٹھنے کا نام نہ لیتے۔ ان کی یہ تمنا ہوتی کہ سب سے آخر میں اپنے آقا و مولیٰ سے مصافحہ کریں۔ انہیں بتایا گیا کہ تمہاری محبت بجا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام کا بھی تمہیں خیال رکھنا چاہیے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر مصروفیات بھی ہیں۔ ان کے لیے بھی تمہیں مہلت دینی چاہیے۔

۲۲؎ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندئ مراتب اور رفع درجات کا ذریعہ ایمان اور علم ہے۔ ایک ایمان دار شخص نادار اور مفلس ہی کیوں نہ ہو، کافر رئیسوں سے اس کا درجہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بلند ہے۔ علامہ مرحوم فرماتے ہیں۔

قطرۂ آبِ وضوئے قنبرے   در بہا برتر زخونِ قیصرے (4)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 298

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

4۔ کلیاتِ اقبال (فارسی)، اسرارِ خودی، ص 162

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسولِ (مکرم) سے تو سرگوشی سے پہلے

نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ

صدقہ دیا کرو۔ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے اور (دلوں کو) پاک کرنے والی ہے۔ اور اگر تم (اس کی سکت)

تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۲۳ کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی

نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

سے پہلے صدقہ دینا چاہیے۔ پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو اللہ نے تم پر نظرِ کرم فرمائی

یعنی قنبر جو سیدنا علی کا غلام تھا، اس کے وضو کے پانی کا قطرہ قیصر کے خون سے زیادہ عزت والا ہے۔

اسی طرح صاحب علم، جاہل سے اعلیٰ ہے خواہ وہ جاہل بڑا جاگیر دار اور دولت مند کیوں نہ ہو۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علماء صحابہ کو خواہ وہ عمر میں چھوٹے ہی کیوں نہ ہوتے بڑے بوڑھوں پر ترجیح دیتے۔ ان کو اپنے قریب بٹھاتے اور ان کی عزت افزائی فرماتے (1)۔ احادیث میں بھی علماء کی بڑی شان بیان کی گئی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔ (2)

حضورؐ نے فرمایا: جو شخص علم حاصل کر رہا ہو تا کہ وہ اس علم سے اسلام کو زندہ کرے اس اثنا میں اسے موت آجائے تو اس کے درمیان اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔

دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلٰثَةٌ: اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ۔ (3)

"قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے۔ پہلے انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء"۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اختیار دیا کہ علم، حکومت اور مال میں سے ایک چیز پسند کر لو۔ آپ نے علم کو پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے آپ کو بادشاہی اور مال بھی عطا فرمائے۔ (4)

۲۳ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ اس آیت کا شان نزول بیان فرماتے ہیں:

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 300 2۔ سنن دارمی، باب فی فضل العلم والعالم، ج 1، ص 85 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 300 4۔ ایضاً

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

پس (اب) تم نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور تابعداری کیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی ۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۠﴿۱۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا ان (نادانوں) کی طرف جنہوں نے دوست بنا لیا ایسی

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ

قوم کو جن پر خدا کا غضب ہوا ۲۴ نہ یہ لوگ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے یہ جان بوجھ کر جھوٹی

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں جب اغنیاء نے عرض و معروض کا سلسلہ دراز کیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ فقراء کو اپنی عرض پیش کرنے کا موقع کم ملنے لگا تو عرض پیش کرنے والوں کو عرض پیش کرنے سے پہلے صدقہ پیش کرنے کا حکم دیا گیا اور اس حکم پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عمل کیا۔ ایک دینار صدقہ کر کے دس مسائل دریافت کیے۔ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم:

(۱) وفا کیا ہے؟	فرمایا توحید اور توحید کی شہادت دینا۔
(۲) عرض کیا فساد کیا ہے؟	فرمایا کفر و شرک۔
(۳) عرض کیا حق کیا ہے؟	فرمایا اسلام، قرآن اور ولایت جب تجھے ملے۔
(۴) عرض کیا حیلہ (یعنی تدبیر) کیا ہے؟	فرمایا ترک حیلہ۔
(۵) عرض کیا مجھ پر کیا لازم ہے؟	فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔
(۶) عرض کیا اللہ تعالیٰ سے کیسے دعا مانگوں؟	فرمایا صدق و یقین کے ساتھ۔
(۷) عرض کیا کیا مانگوں؟	فرمایا عافیت۔ ایک روایت میں عاقبت کا لفظ ہے۔
(۸) عرض کیا اپنی نجات کے لیے کیا کروں؟	فرمایا حلال کھا اور سچ بول۔
(۹) عرض کیا سرور کیا ہے؟	فرمایا جنت۔
(۱۰) عرض کیا راحت کیا ہے؟	فرمایا اللہ کا دیدار۔

جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سوالوں سے فارغ ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور رخصت نازل ہوئی اور سوائے حضرت علی مرتضیٰؓ اور کسی کو اس پر عمل کرنے کا وقت نہیں ملا۔ (1)

۲۴ منافقین اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے کہ اسلام تو روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ اس کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ مال غنیمت کی ریل پیل ہونے والی ہے۔ دنیاوی منفعت کے حصول کے لیے وہ مسلمانوں میں گھسے ہوئے تھے، لیکن ان کی

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص978

عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ⑭ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ

باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں ۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑮ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً

بلاشبہ یہ لوگ بہت بُرے کام کیا کرتے تھے ۔ انہوں نے بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑯ لَنْ

پس وہ (اس طرح) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے سو ان کے لیے رُسواکُن عذاب ہے ۔ کچھ نفع

تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰٓئِكَ

نہیں پہنچائیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد عذابِ الٰہی سے بچانے کے لیے ۔ یہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑰ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا

جہنمی ہیں ۔ یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۲۵ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا

دلی ہمدردیاں یہودیوں کے ساتھ تھیں اور انہیں کو اپنا دوست سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان بدبختوں نے ایک ایسی قوم سے دوستی قائم کر رکھی ہے جن پر خدا کا غضب ہے۔ نہ یہ مسلمانوں میں داخل ہیں اور نہ یہودیوں میں۔ حدیث شریف میں ہے۔ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيْرُ فِيْ هٰذِهٖ مَرَّةً وَّفِيْ هٰذِهٖ مَرَّةً لَا تَدْرِيْ اَيُّهُمَا تَتْبَعُ۔ (1) یعنی منافق کی مثال اس بھیڑ کی سی ہے جو دو ریوڑوں میں سرگرداں پھر رہی ہو۔ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کس ریوڑ کے پیچھے جانا ہے۔

ایک روز سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ شریفہ میں تشریف فرما تھے۔ چند صحابہ بھی حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: يَدْخُلُ عَلَيْكُمُ الْاٰنَ رَجُلٌ قَلْبُهٗ قَلْبُ جَبَّارٍ وَّيَنْظُرُ بِعَيْنَيْ شَيْطَانٍ (2)۔ ابھی تمہارے پاس ایک آدمی آئے گا جس کا دل بڑا سخت ہے اور جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ چنانچہ عبد اللہ ابن نبتل جھٹ آ گیا جس کی آنکھیں نیلی، قد چھوٹا اور ڈاڑھی پتلی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تُو اور تیرے ساتھی کیوں گالیاں دیتے رہتے ہیں؟ اس نے قسم کھائی کہ اس نے کبھی گالی نہیں دی۔ اس کے ساتھی آئے۔ انہوں نے بھی قسمیں کھائیں، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں۔

۲۵ جھوٹی قسموں کو اپنی ڈھال بنا کر وہ اپنے آپ کو بھی بچا رہے تھے اور اس آڑ میں وہ لوگوں کو اسلام سے نفرت دلاتے اور اسلام کے خلاف گھڑ گھڑ کر باتیں کرتے اور اس طرح ان کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے۔ ان

1۔ سنن نسائی، کتاب الایمان وشرائعہ، باب مثل المنافق، ج 2، ص 273

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 304

فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ

تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر تکیہ کیے

شَيْءٍ ۚ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ الْكَٰذِبُونَ ⑱ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَٰنُ

ہیں۔ خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں ف۲۶ تسلط جما لیا ہے ان پر شیطان نے

فَأَنسَٰهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَٰنِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ

اور اس نے اللہ کا ذکر انہیں فراموش کرا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں۔ خوب سن لو! شیطان کا ٹولہ ہی

الشَّيْطَٰنِ هُمُ الْخَٰسِرُونَ ⑲ إِنَّ الَّذِينَ يُحَآدُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ

یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے ف۲۷ بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی

کے انجام سے ان کو باخبر کر دیا۔

ف۲۶ جھوٹ ان کی نس نس میں رچ گیا تھا۔ انہیں جھوٹ بولنے سے ذرا شرم نہیں آتی تھی۔ وہ بار بار جان بوجھ کر جھوٹ بولتے۔ نہ ان کی زبان لڑکھڑاتی، نہ ان کا دل انہیں ملامت کرتا۔ دوسرا ظلم وہ یہ کرتے کہ اپنی جھوٹی بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے دھڑا دھڑ جھوٹی قسمیں کھانے لگتے۔ جھوٹ اب ان کی فطرت ثانیہ بن چکا ہے۔ حتی کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے تو وہاں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے اور جھوٹی قسموں کا تانتا باندھ دیں گے۔ وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ㉓ (1)۔ خدا کی قسم! ہمارے پروردگار کی قسم! ہم قطعاً مشرک نہ تھے اور دل ہی دل میں بڑے مطمئن ہوں گے کہ اس طرح جھوٹ بول کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دے لیا ہے اور اپنے آپ کو اس کی گرفت سے بچا لیا ہے۔ اب انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹے ہیں۔

ف۲۷ منافقین ایسی بھونڈی حرکتیں کیوں کرتے ہیں، وہ ایسی جھوٹی قسمیں کیوں کھاتے ہیں جن کا جھوٹ اظہر من الشمس ہوتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ ان کی عقل و ہوش پر شیطان نے پوری طرح تسلط جما لیا ہے۔ وہ خود سوچنے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جو پٹی وہ ظالم انہیں پڑھاتا ہے اور جس راہ پر وہ انہیں چلاتا ہے آنکھیں بند کیے ہوئے وہ اس پر چل کھڑے ہوتے ہیں۔ أَيْ غَلَبَ عَلَىٰ عُقُولِهِمْ بِوَسْوَسَتِهِ وَتَزْيِينِهِ حَتَّى اتَّبَعُوهُ فَأَنسَاهُمْ: (2) اب حالت یہ ہے کہ انہیں ذکر الٰہی کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ انہوں نے اپنے رب کی یاد کو ہی فراموش کر دیا ہے۔ وہ اب شیطانی فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں۔ اور جو شیطان کا چیلہ بن جائے وہ ایسی ناشائستہ حرکتیں نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا؟ وہ یاد رکھیں کہ انجام کار انہیں شدید نقصان اٹھانا پڑے گا۔ نفع تو کجا اصل سرمایہ بھی غارت ہو جائے گا۔

1۔ سورۃ الانعام: 23

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 33

اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ⑳ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ

وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے ۲۸ اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ㉑ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے ۲۹ تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر

الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ

(پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں

اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ

یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں ۳۰ یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے

۲۸ ان کے بارے میں پہلے فرمایا: کُبِتُوْا یعنی یہ لوگ منہ کے بل گرا دیئے جائیں گے۔ یہاں ان بدبختوں کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ۔ یعنی ان کا شمار ذلیل ترین مخلوق میں ہو رہا ہے۔ ان سے زیادہ ذلیل اور حقیر کوئی چیز نہیں ہے۔ اَیْ مِنْ جُمْلَةِ الْاَذِلَّآءِ لَا اَذَلُّ مِنْهُمْ۔ (قرطبی)(1)

۲۹ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اللہ کا دین اور اس کے رسول ہر میدان میں ضرور غالب ہوں گے۔ تیغ و سناں کی جنگ ہو یا حجت و برہان کا معرکہ، کامیابی کا سہرا اہل حق کے سر ہی باندھا جائے گا۔

۳۰ اس آیت میں بڑی صراحت سے اس حقیقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اگر وہ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی محبت پائی جائے۔ جس طرح پاک اور پلید پانی ایک برتن میں اکٹھے نہیں رہ سکتے اسی طرح نور ایمان اور دشمنان اسلام کی دوستی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ جو شخص ایمان کا مدعی ہے اور کفار و منافقین کے ساتھ بھی دوستی کے تعلقات رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے۔ اللہ کا بندہ اللہ کریم کے دشمنوں سے خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیتا ہے۔ ان میں سے چند قریبی رشتوں کا صراحتاً ذکر فرما دیا۔ اولاد کو اپنے والدین سے محبت بھی ہوتی ہے اور ان کا ادب اور لحاظ بھی ہوتا ہے لیکن اگر باپ دین کا دشمن ہو تو بیٹا اس کی پروا تک نہیں کرتا۔ اسی طرح باقی رشتے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جب غلامان مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء بدر و اُحد کے میدانوں میں اپنے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 17، ص 306

قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیضِ خاص سے ۳۱ اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے

قریبی رشتہ داروں کے سامنے صف آرا ہوئے تو جو بھی ان کا مدّمقابل بنا انہوں نے بلا تامل اس کو خاک و خون میں ملا دیا۔

حضرت ابوعبیدہ جب میدانِ بدر میں گئے تو ان کا باپ عبداللہ ان کے سامنے آیا۔ آپ نے اپنی تلوار کے وار سے اس کا سر قلم کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت صدیق اکبرؓ کے والد ابوقحافہ نے شانِ رسالت میں کچھ گستاخی کی تو آپ نے اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر آ گرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا تو ابوبکر نے عرض کیا: میرے آقا! اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اس کو قتل کر دیتا۔(1)

بعد میں حضرت ابوقحافہ مشرف باسلام ہو گئے تھے۔

بدر کے دن صدیق اکبرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو للکارا اور حضور سے جنگ کی اجازت طلب کرتے ہوئے عرض کیا: دَعْنِیْ اَکُوْنُ فِی الرَّعْلَةِ الْاُوْلٰی۔ میرے آقا! مجھے اجازت دیجیے تاکہ میں شہداء کے پہلے گروہ میں داخل ہو جاؤں۔ حبیب کبریا علیہ اطیب التحیۃ والثناء نے فرمایا مَتِّعْنَا بِنَفْسِكَ یَا اَبَا بَكْرٍ مَّا تَعْلَمُ اَنَّكَ عِنْدِیْ بِمَنْزِلَةِ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ۔(2)

اے ابوبکر! ہمیں اپنی ذات سے فائدہ اٹھا لینے دے۔ تو نہیں جانتا کہ تو میرے نزدیک میرے کان اور میری آنکھ کی طرح ہے۔ اسی طرح حضرت مصعب ابن عمیر نے اپنی بھائی عبید کو اُحد کے روز قتل کیا۔ بدر کی جنگ میں ایک انصاری نے ان کے بھائی ابوعزیز بن عمیر کو گرفتار کر لیا۔ وہ اسے رسّی سے باندھ رہا تھا تو حضرت مصعب نے دیکھ لیا اور پکار کر کہا: اس کو خوب کس کر باندھنا اس کی ماں بڑی مالدار ہے، گراں قدر فدیہ ادا کرے گی۔ ابوعزیز نے کہا: مصعب! تم بھائی ہو کر ایسی بات کہہ رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا: تیرا میرا بھائی چارہ ختم۔ اب یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو قتل کیا اور سیدنا علی، سیدنا حمزہ، سیدنا عبیدہؓ نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید کو تہ تیغ کیا(3)۔ شمعِ نبوت کے پروانوں نے عملی نمونہ پیش کیا اور دنیا کو بتا دیا کہ ان کے دلوں میں صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت ہے اور بس۔

۳۱ یہی وہ خوش نصیب اور ارجمند حضرات ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش کر دیا ہے۔ یہ نقش نہ مٹ سکتا ہے نہ دھندلا پڑ سکتا ہے اور ان کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے رُوح سے تقویت بخشی ہے۔ رُوح کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز17، ص307
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز28، ص37
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز17، ص8-307

وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ

اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ (بلند اقبال) اللہ کا گروہ ہیں ۔ سن لو ! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۳ ع ۹ ۳

کامیاب وکامران ہے ۳۲

آلوسی لکھتے ہیں: اَلْمُرَادُ بِالرُّوْحِ نُوْرُ الْقَلْبِ وَهُوَ نُوْرٌ يَّقْذِفُهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ قَلْبِ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ تَحْصُلُ بِهِ الطَّمَانِيْنَةُ:(1) یعنی روح سے مراد وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ اس نور سے اس کو طمانیت وتسکین نصیب ہوتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے پاکیزہ ابدی زندگی نصیب ہوتی ہے اس لیے اسے بطور مجاز روح فرمایا گیا۔

۳۲ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے ان بندوں پر بڑا احسان تھا کہ اس نے ان کے لوحِ قلب پر ایمان نقش کر دیا۔ پھر ان کے دل میں وہ نور ڈال دیا جس سے ان کو طمانیت اور استقامت نصیب ہوئی۔ اسی کی قوت سے عشق کے امتحان میں وہ کامیاب ہوئے۔ اب ان انعامات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے ان وفا شعار سرفروشوں کو نوازا جائے گا۔ مژدۂ جنت سنانے کے بعد فرمایا: یہ وہ بلند اقبال اور فیروز بخت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے اللہ سے راضی ہو گئے۔ اب اس کی حقیقت کو ان خوش نصیبوں کے بغیر کون سمجھ سکتا ہے یا اس کی قدر ومنزلت کو پہچان سکتا ہے جن پر یہ عنایت خاص فرمائی گئی۔ آخر میں انہیں یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ تم ہمارے ہو اور دنیا وآخرت کی کامیابی کا تاج صرف ان کو پہنایا جاتا ہے جو ہمارے ہوتے ہیں۔

OOOOO

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَالشُّكْرُ وَلَكَ الْمَجْدُ وَالْكِبْرِيَاءُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ كَرِيْمٌ وَّبَابُ رَحْمَتِكَ مَفْتُوْحٌ اُكْتُبِ الْاِيْمَانَ فِیْ قَلْبِیْ وَاَيِّدْنِیْ بِرُوْحٍ مِّنْكَ وَاَدْخِلْنِیْ فِیْ جَنَّاتِكَ الَّتِیْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَارْضَ عَنِّیْ وَاَرْضِنِیْ عَنْكَ وَاَدْخِلْنِیْ فِیْ حِزْبِكَ اَلَا اِنَّ حِزْبَكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّيَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی حَبِيْبِكَ وَ مَحْبُوْبِكَ وَنَبِيِّكَ وَصَفِيِّكَ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَاَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَاَوْلِيَاءِ اُمَّتِهِ الْكَامِلِيْنَ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِهِ الصَّالِحِيْنَ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 36

تعارف سورۃ الحشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام الحشر ہے۔ یہ لفظ دوسری آیت میں مذکور ہے۔ اس میں تین رکوع، چوبیس آیتیں، ۴۴۵ کلمے، ایک ہزار نوسو تیرہ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ اس سورت میں غزوہ بنی نضیر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے اس سورت کے بارے میں پُوچھا تو اُنہوں نے فرمایا: اُنۡزِلَتۡ فِیۡ بَنِیۡ نَضِیۡرِ یعنی یہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ (بخاری و مسلم) انہیں سے دوسری روایت یُوں ہے کہ مَیں نے اس سورت کے بارے میں حضرت ابن عباس سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا ''سُوۡرَۃُ بَنِیۡ نَضِیۡرِ'' یعنی اس سورت کا نام ہی بنی نضیر ہے۔ (1)

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس سورت کا نزول اور غزوہ بنی نضیر کس سال میں ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ جنگ بدر کے چھ ماہ بعد غزوہ بنی نضیر وقوع پذیر ہوا(2) لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ غزوہ ماہ ربیع الاوّل ۴ ہجری میں پیش آیا۔ اس سے پہلے بئر معونہ کا المناک حادثہ رو پذیر ہو چکا تھا۔ بلاذری، ابن ہشام اور ابن سعد نے اسی قول کی تصدیق کی ہے۔ (3)

یہود یثرب میں

اس غزوہ کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہود جن کا اصلی وطن فلسطین تھا وہ حجاز کے اس دور افتادہ علاقہ میں کب اور کن حالات میں پہنچے؟ کُتبِ تاریخ کے مطالعہ سے تین چیزیں سامنے آتی ہیں جن کی روشنی میں یثرب میں یہود کی آمد کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

(۱) علامہ ابنِ خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور دیگر عربی مراجع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یثرب شہر کو آباد کرنے والے عمالقہ تھے۔ جس شخص نے اس کا سنگِ بُنیاد رکھا اس کا نام یثرب بن مَہلایَلْ بن عُوص بن عملیق تھا۔ گویا یہ شہر اپنے بسانے والے کے نام سے ہی مشہور ہو گیا۔ عمالقہ کا کام فِتنہ و فساد برپا کرنا، راہزنی، قذاقی اور بدمعاشی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع کی قیادت میں بنی اسرائیل کا ایک لشکر عمالقہ کی بیخ کنی کے لیے یثرب روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں۔ یوشع نے اپنی اسرائیلی فوج کے ساتھ یثرب پر حملہ کیا، ان کو شکستِ فاش دی اور اس نسل کے جتنے آدمی تھے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ صرف ان کے بادشاہ سُمَّیدَعْ بن ہُوْمر کا ایک نوجوان لڑکا جو حد درجہ خوبصورت تھا اُسے اُنہوں نے زندہ رہنے دیا تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اس کے بارے میں فیصلہ کریں۔ جب یہ فاتح لشکر اپنے وطن کی طرف لوٹا تو اس کے پہنچنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام رحلت فرما گئے۔ وہاں کے یہودیوں کو جب پتہ چلا کہ یوشع نے عمالقہ کے بادشاہ کے

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج 4، ص 330

2۔ السیرۃ النبویہ از ابن کثیر، ج 3، ص 145، مطبوعہ دار الفکر بیروت

3۔ سیرتِ ابن ہشام، ج 3، ص 191، مطبوعہ مکتبہ حجازی قاہرہ۔ طبقات کبریٰ از ابن سعد، ج 2، ص 57۔ مطبوعہ دار صادر بیروت

لڑکے کو قتل نہیں کیا تو وہ سخت برہم ہو گئے۔ اور ان پر موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کا الزام لگایا اور انہیں اپنے علاقہ میں سکونت کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے یہ سوچا کہ بجائے اس کے کہ ہم اِدھر اُدھر مارے مارے پھریں کیوں نہ اس شہر میں جا کر آباد ہو جائیں جس کو انہوں نے ابھی ابھی فتح کیا ہے۔ چنانچہ وہ یثرب واپس آ گئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ یہ پہلا یہودی گروہ ہے جو یہاں آ کر آباد ہوا۔ (1)

۲۔ بخت نصر نے جب یروشلم پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، ہیکل سلیمانی کو گرا کر پیوندِ زمین کر دیا، بہت سے یہودیوں کو بے دریغ قتل کر دیا اور بے شمار لوگوں کو جنگی قیدی بنا کر اپنے ہمراہ لے گیا تو اس وقت یہودیوں کے چند قبائل یثرب میں آ کر آباد ہو گئے۔ یاد رہے کہ بخت نصر نے ۵۸۷ قبل مسیح کو یروشلم پر حملہ کیا تھا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: مِنْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ (زمان بخت نصر) تَفَرَّقَتْ بَنُوْاِسْرَائِيْلَ فِي الْبِلَادِ فَنَزَلَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمُ الْحِجَازَ وَطَائِفَةٌ يَّثْرِبَ وَطَائِفَةٌ وَّادِيَ الْقُرٰى وَذَهَبَتْ شِرْذِمَةٌ مِّنْهُمْ اِلٰى مِصْرَ۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۳۹)

ترجمہ: یعنی بخت نصر کے حملہ کے زمانہ میں بنو اسرائیل مختلف ملکوں میں تتر بتر ہو گئے۔ ان میں سے ایک طائفہ حجاز میں، ایک یثرب میں، ایک وادی القریٰ میں جا کر اقامت گزیں ہو گیا اور ایک چھوٹا سا گروہ مصر چلا گیا۔

۳۔ جب رومیوں نے شام، فلسطین اور نواحی علاقوں پر قبضہ کیا اور یہودی آبادیوں کو ویرانوں میں بدل دیا، ان کے مردوں کو قتل کر کے، ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیا، اس بھگدڑ میں بنونضیر، بنوقریظہ اور بنی بہدل وہاں سے جان بچا کر بھاگ آئے اور یثرب میں اقامت اختیار کر لی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں: وَظَهَرَ الرُّوْمُ عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ بِالشَّامِ فَقَتَلُوْهُمْ وَسَبَوْا وَخَرَجَ بَنُوْ نَضِيْرٍ وَّبَنُوْ قُرَيْظَةَ وَبَنُوْ بَهْدَلٍ هَارِبِيْنَ اِلَى الْحِجَازِ وَتَبِعَهُمُ الرُّوْمُ فَهَلَكُوْا عَطْشًا۔ (جلد دوم، ص ۵۹۵)

ترجمہ: جب رومی بنی اسرائیل پر ملک شام میں غالب آ گئے تو انہوں نے انہیں قتل کیا، انہیں گرفتار کیا، ان حالات میں بنو نضیر، بنوقریظہ اور بنی بہدل حجاز کی طرف بھاگ آئے۔ رومیوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن عرب کی صحرا کی دھوپ برداشت نہ کر سکے اور پیاس کی شدّت سے ہلاک ہو گئے۔

ڈاکٹر احمد امین نے فجر الاسلام میں اسی قول کی تائید کی ہے۔ (ص ۲۴۔ ۲۳)

یہ تین اقوال کتب تاریخ میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو صحیح اور کسی کو غلط کہنا بلا وجہ تکلّف ہے۔ کیونکہ ان تینوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے یوشع اور ان کے ساتھی یثرب میں آ کر آباد ہوئے ہوں۔ پھر جب ۵۸۷ ق م میں بخت نصر نے یروشلم کو آ کر تباہ و برباد کر دیا تو اس وقت یہودیوں کے چند قبائل بھاگ نکلے اور حجاز کے مختلف خطوں میں آ کر آباد ہو گئے ہوں۔ تیماء، فدک، خیبر، وادی القریٰ کے سرسبز علاقے انہوں نے اپنی رہائش کے لیے منتخب کر لیے ہوں۔ پھر جب رومیوں نے آ کر شام و فلسطین پر قبضہ کر لیا اور یہودیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہوں تو اس وقت یہ تین قبیلے کسی طرح جان بچا کر حجاز کی طرف بھاگ آئے ہوں اور یثرب میں جہاں پہلے سے ان کے دینی بھائی رہائش پذیر تھے وہاں پہنچ گئے ہوں۔ جب قومیں ہجرت کرتی ہیں تو اس کے تمام افراد یکبارگی نقل مکانی نہیں کیا کرتے۔ کسی حادثہ کے وقت ان میں سے بعض ترکِ وطن میں پیش قدمی کرتے ہیں۔ جب کوئی

1۔ تاریخ ابن خلدون، ج 2، ص 47۔ مطبوعہ دار الکتاب اللبنانیہ بیروت

اور اُفتاد پڑتی ہے تو بعض دوسرے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں اپنے وطن کو خیر باد کہتے ہیں۔ پھر کسی نئی قیامت کے برپا ہونے پر باقی ماندہ لوگ بھی کُوچ کر جاتے ہیں۔ یہی حال یہودیوں کی ہجرت کا ہے جو مختلف مقامات اور مختلف حالات میں وقوع پذیر ہوئی۔

اوس اور خزرج جن کو بعد میں انصارِ اسلام بننے کا شرف حاصل ہوا اور اسی لقب سے مشہورِ عالم ہوئے، ان کا اصل وطن یمن تھا اور ان کا تعلق یمن کے ایک مشہور قبیلہ بنی ازد سے تھا جو یمن کے خوشحال ملک میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری کی پاداش میں وہ تباہ کن سیلاب آیا جس نے سدِّ مآرب کے پرخچے اُڑا دیے تو سارا یمن تباہ و برباد ہو گیا۔ جس کا تفصیلی تذکرہ آپ سورۂ سبا کے حواشی (ضیاء القرآن جلد چہارم) میں پڑھ آئے ہوں گے۔ جو لوگ اس طوفان کی زَد میں آ گئے وہ تو لقمہ اجل بن گئے لیکن جو لوگ بچ گئے ان کے باغات، ان کی زرعی زمینیں، ان کے قصور و محلّات سب تباہ و برباد ہو گئے۔ انہوں نے بھی اسی میں سلامتی سمجھی کہ یہاں سے نقل مکانی کر کے کسی ایسے گوشہ میں رہائش اختیار کریں جہاں وہ امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔ انہی میں سے ازد کا قبیلہ بھی تھا۔ ابنِ خلدون لکھتے ہیں:

نَزَلَتْ اَزْدُ شَنُوْءَةَ الشَّامِ بِالسَّرَاةِ خُزَاعَةُ بِطُوٰی وَنَزَلَتْ غَسَّانُ بُصْرٰی وَاَرْضَ الشَّامِ وَنَزَلَتْ اَزْدُ عُمَّانَ الطَّآئِفَ وَنَزَلَتِ الْاَوْسُ وَالْخَزْرَجُ يَثْرِبَ (ج ۲، ص ۵۹۶)

ترجمہ: یعنی سیل العرم کے بعد ازد یمن سے نکلے، ان کا ایک حصہ ازد شنوءہ شام، سراۃ میں جا کر آباد ہوا۔ خزاعہ طوی میں، غسّان بصرٰی میں اور سرزمین شام میں اور ازد عمان، طائف میں، اوس اور خزرج یثرب میں جا کر اقامت گزین ہوئے۔

اوس و خزرج نے یثرب کی نواحی آبادیوں اور اردگرد کے گاؤں میں سکونت اختیار کی لیکن ازد نے کب ہجرت کی اور وہ تباہ کن سیلاب کب آیا جس نے اس سنگین چٹانوں سے بنے ہوئے بند کو درہم برہم کر دیا؟ اس کے بارے میں کتب تاریخ میں متعدد اقوال مذکور ہیں۔ (۱) سدّ مآرب میں پہلا زبردست شگاف ولادت مسیح علیہ السلام کے قریبی زمانہ میں ہوا۔ اگرچہ سارا ڈیم برباد نہیں ہوا تھا، لیکن یہ شگاف اتنا ہولناک تھا کہ اب اس بند کی پختگی پر مزید بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے لوگوں نے وہاں سے ترک وطن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جرجی زیدان ''العرب قبل الاسلام'' میں لکھتے ہیں:

وَتَفَرَّقَتْ قَبَائِلُ الْاَزْدِ وَغَيْرُهَا فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ بِسَبَبِ ذٰلِكَ بِاَنَّ ذٰلِكَ وَقَعَ حَوَالَیْ تَارِيْخِ الْمِيْلَادِ۔ (1)

یعنی سب سے پہلا شگاف مسیح علیہ السلام کے قریبی زمانہ میں ہوا جس سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور انہوں نے نقل مکانی کر کے محفوظ مقامات پر آباد ہونا شروع کر دیا۔

اس قول کے مطابق اوس و خزرج پہلی صدی عیسوی میں یثرب میں جا کر آباد ہوئے۔

(۲) ڈاکٹر احمد امین ''فجر الاسلام'' میں ۳۰۰ء میں اوس و خزرج کی آمد یثرب میں ثابت کرتے ہیں۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ سیلابِ عظیم جس نے بند کو ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد کر دیا وہ ۴۵۰ عیسوی یا ۴۵۱ عیسوی میں آیا۔ اس تیسرے قول کے مطابق یثرب میں اوس و خزرج کی آمد پانچویں صدی کے نصف آخر میں ہوگی۔

1۔ العرب قبل الاسلام از جرجی زیدان، ص 210، مطبوعہ دار مکتبۃ الحیاۃ بیروت

یہ تو ممکن ہے کہ سیلاب عظیم ۵۰؁ء میں آیا ہو، لیکن اس سے پہلے قولوں کی تردید نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ ابتداء میں کوئی شگاف پڑے ہوں اور اس ڈیم میں ذخیرہ شدہ پانی بہہ گیا ہو، لیکن اس سے ڈیم کلیتاً تباہ نہ ہوا ہو اور سیلاب کے اختتام پر حکومت وقت نے اس کی مرمّت کر دی ہو اور اس طرح ڈیم کسی نہ کسی طرح باقی رہا ہو۔

اوس وخزرج اپنے اہل وعیال کے ساتھ جب یثرب پہنچے تو وہاں یہودی صدیوں سے آباد تھے۔ بازار اور منڈیاں ان کے قبضہ میں تھیں۔ زرعی زمینوں اور باغات کے وہ مالک تھے۔ سیاسی لحاظ سے بھی ان کا کوئی مدّمقابل نہ تھا۔ جو عرب قبائل وہاں آباد تھے ان کی کوئی سیاسی حیثیت نہ تھی، وہ یہودیوں کے زیر فرمان اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اوس وخزرج یثرب کی نواحی بستیوں یا اردگرد کے گاؤں میں سکونت پذیر رہے۔ ابتداء میں انہوں نے یہود کی پناہ لی اور ان کی بالادستی کو تسلیم کر لیا۔ کچھ عرصہ تک حالات ایسے ہی رہے۔ اس اثنا میں اوس وخزرج کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ ان کی جمعیت میں کافی اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ان میں ایک مردِ میدان مالک بن عجلان پیدا ہوا۔ جب اس نے اپنے قبیلہ کی قیادت سنبھالی تو اس نے یہود کے تغلب سے اپنے قبیلہ کو رہائی دلانے کے لیے سوچنا شروع کر دیا۔ اس وقت ان کا ایک بھائی بند ابوجُبیلہ شام میں غسّان کے علاقہ کا فرمانروا تھا۔ اس کا قبیلہ بھی سیل عرم کے باعث یمن سے ترکِ سکونت کر کے شام میں جا کر آباد ہو گیا تھا۔ مالک اس کی خدمت میں پہنچا۔ اپنی اور اپنی قوم کی خستہ حالی اور غربت وافلاس کا شکوہ کیا۔ نیز یہودیوں کی بالادستی سے بھی اسے مطلع کیا۔ ابو جُبیلہ نے کہا کہ جس طرح ہم نے اہلِ غسّان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے تم نے یثرب کے یہودیوں کو اپنا زیرِ نگین کیوں نہیں بنایا؟ اس نے مالک سے وعدہ کیا کہ میں لشکر لے کر تمہاری امداد کے لیے آؤں گا تم تیار رہنا۔ مالک، ابوجبیلہ سے پختہ وعدہ لینے کے بعد واپس یثرب آیا اور اپنی قوم کو حقیقت حال سے خبردار کیا۔ انہیں کہا کہ وہ ہر وقت چست رہیں۔ کچھ عرصہ بعد ابوجبیلہ ایک لشکرِ جرار لے کر اپنے بھائیوں کی امداد کے لیے یثرب کی طرف روانہ ہوا۔ ''ذی حرض'' کے مقام پر پہنچ کر اس نے قیام کیا اور اوس وخزرج کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے قاصد روانہ کیا۔ اُسے یہ اندیشہ تھا کہ یہودی اس کی آمد کے بارے میں سن کر اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند نہ ہو جائیں۔ اس نے یہودیوں کو خصوصی دعوت بھیجی کہ وہ آ کر اس سے شرف ملاقات حاصل کریں۔ چنانچہ یہودی اپنے نوکروں، خادموں سمیت وہاں پہنچے۔ جب وہ اس کی حویلی میں داخل ہوئے تو اس نے اپنے لشکریوں کو کہا کہ ان سب کو تہ تیغ کر دو، کوئی بھی بچنے نہ پائے۔ پھر اس نے اوس وخزرج کے نوجوانوں کو کہا: اگر اب بھی تم نے اس علاقہ پر قبضہ نہ کیا تو میں تم تمام کو نذرِ آتش کر دوں گا۔ یہ کہہ کر خود شام کی طرف لوٹ آیا۔ اس طرح یہودیوں کا غلبہ ختم ہوا اور اوس وخزرج کو سیاسی برتری حاصل ہو گئی اور ان کی قوت وشوکت کے سامنے یہود کو سر جھکانا پڑا۔ (ابن خلدون، ج ۲، ص ۵۹۷)

اس وقت یہودیوں کے تین مشہور قبیلے وہاں آباد تھے۔ بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ بنوقینقاع زرگری، آہنگری اور برتن سازی کا کام کیا کرتے تھے۔ انہیں بنی خزرج کی پناہ حاصل تھی۔ نیز ان کی دوسرے یہودی قبیلوں بنونضیر اور بنوقریظہ سے سخت اَن بَن تھی۔ اس لیے وہ یثرب کے شہر میں رہتے تھے اور کوئی ان سے مزاحمت نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس قتلِ عام کے بعد بنونضیر اور بنی قریظہ نے سلامتی اسی میں سمجھی کہ وہ یثرب شہر کے اندر رہنے کے بجائے باہر اپنی بستیاں قائم کریں تا کہ وہ آزادی کے ساتھ

اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ بے شک اب اقتدار اور سیاسی قوت کے مالک اوس وخزرج تھے لیکن یہود کا اثر ونفوذ بھی کچھ کم نہ تھا۔ وہ سودی کاروبار میں بڑے چست وچالاک تھے۔ لوگوں کو قرض دیتے اور بھاری شرح پر سود وصول کرتے اور سود در سود کا چکر تو ایسا تھا کہ جو شخص ایک مرتبہ اس چکر میں پھنس جاتا عمر بھر نکلنے کی صورت پیدا نہ ہوتی۔ کاروبار، منڈیاں اور بازار سب یہودیوں کے تصرف میں تھے اس لیے مالی لحاظ سے ان کا گہرا اثر تھا۔

کچھ عرصہ تک اوس اور خزرج کے قبائل میں اتحاد واتفاق رہا۔ اس کی برکت سے وہ خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے، لیکن آخر کار اُن میں باہمی رنجشیں اور حسد وبغض کے آثار رُونما ہونے لگے۔ یہودی تو ان لمحات کے لیے ترس رہے تھے۔ فوراً انہوں نے دو برادر قبائل کے درمیان افتراق وانتشار کی خلیج کو وسیع تر کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ ان کے مالی مفادات کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ پُرامن زندگی بسر کریں، کسی لڑائی اور فساد میں حصہ نہ لیں۔ لیکن ان دو قبیلوں کے اتحاد میں انہیں اپنی موت نظر آتی تھی۔ وہ ان کو آپس میں لڑانا بھڑانا ضروری سمجھتے تھے اور اس کے لیے وہ مالی بحران کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنے کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ جب اوس وخزرج میں جنگ ہوتی تو ہر یہودی قبیلہ اپنے حلیف کے ساتھ مل کر اپنے یہودی بھائیوں کے ساتھ لڑنے سے باز نہ آتا۔ یہ حالات تھے جب اسلام کی کرنیں آہستہ آہستہ یثرب کی تاریک فضا کو منوّر کرنے لگیں۔ کچھ عرصہ بعد حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے یثرب میں تشریف لے آئے۔ یہودی اپنی مذہبی کتابوں کے مطالعہ کے باعث اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک نبی آخر الزماں تشریف لانے والا ہے۔ اس کی آمد سے ان کے مصائب کی شب تار بھی صبح آشنا ہوگی۔ جب تبّع نے یثرب کی بستی کو برباد کرنے کا عزم کیا تو وہ یہودی علماء ہی تھے جنہوں نے اسے یہ کہہ کر اس اقدام سے روکا کہ تم اس بستی پر کبھی غلبہ نہیں پا سکتے۔ اس نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ یہ نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے۔ اس پر کوئی جابر غالب نہیں آسکتا۔ انہیں کے بتانے پر تبّع نے اسلام قبول کیا تھا جس کی تفصیل آپ ضیاء القرآن جلد چہارم ص ۴۴۲ سورۂ دخان آیت نمبر ۳۷ کے حواشی میں ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔

نیز جس وقت انہیں کسی کافر حملہ آور سے نبرد آزما ہونا پڑتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حضور نبی کریم کے وسیلہ سے فتح کی دعا مانگا کرتے۔ (بقرہ ص ۸۹۔ جلد اوّل۔ ضیاء القرآن)

اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضور کے استقبال کرنے والوں میں یہ بھی پیش پیش تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر وہاں امن وامان کی فضا برقرار رکھنے کے لیے معاہدات کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تاکہ برائے نام قسم کی اجنبیت کا احساس بھی باقی نہ رہے۔ تمام مسلمان محبت واُلفت کے رنگ میں رنگے جائیں۔ مدینہ طیبہ میں دوسری جمعیت یہود کی تھی۔ اگرچہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اس کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ مساوی بنیادوں پر کیا۔ معاہدہ کی دفعات کا مطالعہ کر کے انسان حیران ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح ان کو مذہبی آزادی، معاشرتی اور معاشی مساوی حیثیت سے بہرہ اندوز فرمایا تھا۔ اس معاہدہ کی چند دفعات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

وَاِنَّ الْيَهُوْدَ يُنْفِقُوْنَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَادَامُوْا مُحَارِبِيْنَ۔ وَاِنَّ يَهُوْدَ بَنِیْ عَوْفٍ اُمَّةٌ مَّعَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلْيَهُوْدِ دِيْنُهُمْ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ دِيْنُهُمْ مَوَالِيْهِمْ وَاَنْفُسُهُمْ مَّنْ اَظْلَمَ وَاَثِمَ فَاِنَّهٗ لَا يُوْتِغُ اِلَّا نَفْسَهٗ وَاَهْلَ بَيْتِهٖ ۔۔۔۔ وَاِنَّ عَلَى الْيَهُوْدِ نَفَقَتَهُمْ وَعَلَى الْمُسْلِمِيْنَ نَفَقَتَهُمْ وَاِنَّ بَيْنَهُمُ النَّصْرَ عَلٰى مَنْ حَارَبَ اَهْلَ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ فَاِنَّ يَثْرِبَ حَرَامٌ جُرُفُهَا لِاَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ (ابن ہشام ص ۱۲۲۔ ج ۲)

ترجمہ: یہودی اور مسلمان اپنے اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے جب تک وہ مل کر جنگ کریں گے اور بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک گروہ ہیں۔ یہودیوں کے لیے ان کا دین، مسلمانوں کے لیے ان کا دین۔ سوائے اس شخص کے جو ظلم کرتا ہے اور گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ پس وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو برباد کرتا ہے۔ یہود پر اپنے مصارف کی ذمہ داری ہے، مسلمانوں پر اپنے مصارف کی۔ اس معاہدہ میں شریک ہونے والے لوگوں کے ساتھ جو شخص جنگ کرے گا، یہ ایک دوسرے کی اس کے مقابلہ میں امداد کریں گے اور ان کے درمیان ایک دوسرے کے لیے خلوص وخیر خواہی لازمی ہے۔ گناہ سے اجتناب ضروری ہے اور یثرب کے اندر کسی قسم کا فتنہ وفساد کرنا شرکائے معاہدہ کے لیے حرام ہے۔

جن منصفانہ بلکہ فیاضانہ شرائط پر یہ معاہدہ طے ہوا تھا توقع تو یہی تھی کہ اس معاہدہ کے جملہ شرکاء صدقِ دل سے اس کی پابندی کریں گے۔ مہاجرو انصار ہر وقت اس معاہدہ کی شرائط کو پیش نظر رکھتے۔ لیکن یہودیوں نے کچھ عرصہ بعد اس معاہدہ کی اہمیت کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا جس کی متعدد وجوہات تھیں۔

ا۔ انہوں نے مسلمانوں کے استقبال میں گرمجوشی سے اس لیے حصّہ لیا تھا کہ ان کا گمان تھا کہ یہ لٹے پٹے مہاجر، جن کی مالی حالت از حد خستہ ہے، ان کے ممنونِ احسان ہو کر رہیں گے اور وہ ان نووارد مسلمانوں کی طرح طرح کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے انہیں آلۂ کار بنائیں گے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں میں جو ذہنی انقلاب برپا کیا ہے اس نے ان کو بالکل ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ ان کا سرِ اطاعت صرف اپنے رب، اپنے ہادی ومُرشد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ عالی میں جھک سکتا ہے کسی اور قوت کے سامنے ان کی گردن خم نہیں ہو سکتی۔ ان کا ایک اپنا تشخص ہے جو انہیں از حد عزیز ہے۔ وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ اس چیز نے یہودیوں کو مسلمانوں سے متنفر کرنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ اوس وخزرج جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے نبی رحمت کے طفیل آپس میں بھائی بھائی بنتے جا رہے ہیں۔ انہیں اس اتحاد میں اپنے منصوبوں کی ناکامی کا خدشہ نظر آنے لگا۔ نیز شریعتِ اسلامیہ کے وہ احکام جن کا تعلق معاشی، اخلاقی زندگی سے تھا وہ سراسر ان کے مفادات سے ٹکراتے تھے۔

اسلام، سود سے بڑی سختی سے منع کرتا ہے، بلکہ سود خوروں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کی دھمکی دیتا ہے اور یہودیوں کی ساری خوشحالی کا دارومدار سود خوری پر تھا۔ وہ کب یہ گوارا کر سکتے تھے کہ ایک ایسی منظم جماعت وجود میں آجائے جو طاقت میں آنے کے بعد بزورِ بازو سودی کاروبار کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دے۔ کم تولنا، کم ناپنا، خریدار کی سادہ لوحی سے ناجائز فائدہ اٹھانا اسلام نے قطعاً حرام قرار دیا تھا، لیکن ان کی تجارت کا فروغ نفع اندوزی کے ان ناجائز ذرائع پر تھا۔ چنانچہ مسلمانوں سے جو

حسین توقعات اُنہوں نے وابستہ کر رکھی تھیں ان کے پورے ہونے کی امید نہ رہی۔ نیز ان کا وجود ان کی معاشی خوشحالی اور اخلاقی گراوٹ کے لیے پیام مرگ تھا، اس لیے وہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے جب وہ اسلام کو نقصان پہنچا سکتے ہوں۔

بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مبین عطا فرمائی۔ اہل مکہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ اسلام کے خلاف نفرت و عداوت کے شعلے تیزی سے بھڑکنے لگے۔ کعب بن اشرف جو بنی نضیر کا سردار تھا، وہ چپکے سے مکہ آیا اور میدان بدر میں ان کے مقتولوں کی تعزیت کے بعد ان کے پسماندگان کو مسلمانوں سے انتقام لینے پر بھڑکایا اور بڑے پُر جوش قصیدے کہے جن میں مرنے والوں کا مرثیہ بھی تھا اور مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کی ترغیب بھی تھی۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد ہوا جس میں مسلمانوں کا کافی جانی نقصان ہوا۔ اس کے معاً بعد بئر معونہ کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ ان چیزوں نے یہودیوں کے حوصلوں کو تقویت دی اور وہ معاہدہ کی شرائط کو پورا کرنے میں بڑی بے پرواہی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ان کے شعراء مسلم خواتین کا نام لے کر عشقیہ غزلیں لکھا کرتے۔ اگر کوئی مسلمان خاتون اُن کے محلے میں جا نکلتی تو اس کی توہین کرنے سے بھی باز نہ آتے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دو مقتولوں کی دیت ادا کرنے کے بارے میں بنی نضیر کے ہاں گئے۔ انہوں نے آپ کو دیوار کے قریب بٹھایا اور در پردہ یہ سازش کی کہ ان میں سے ایک آدمی اوپر جا کر ایک بھاری پتھر آپ پر لڑھکا دے۔ اس قسم کے نازیبا واقعات تھے جو یکے بعد دیگرے پیش آ رہے تھے۔ چنانچہ بنی نضیر کی بیخ کنی کے لیے فیصلہ کن اقدام ناگزیر ہو گیا، ورنہ یہ مارہائے آستین کسی وقت ڈس کر نقصانِ عظیم پہنچا سکتے تھے۔ اس سورۂ مبارکہ میں اسی غزوہ کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیلات آپ آیات کی تفسیر کے ضمن میں ملاحظہ کریں گے۔

مضامین: اس سورت میں جو اہم مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ اب اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) سورت کا آغاز اس حقیقت کے بیان سے ہو رہا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے اور اس کی پاکی بیان کر رہی ہے کیونکہ وہی بڑی عزت والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دانائی اور حکمت کو ثابت کرنے کے لیے بنی نضیر کے انجام کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا کہ دیکھو ان کے قلعے کتنے سنگین، ان کی گڑھیاں کتنی مضبوط تھیں، ان کے پاس اسلحہ کے کتنے ذخائر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو یوں مرعوب کر دیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے شاندار گھروں کو برباد کرنے لگے اور بغیر جنگ کیے ہوئے اپنے صدہا سال کے وطن عزیز کو چھوڑنے پر رضامند ہو گئے۔ پھر یہ بتایا کہ انہیں یہ سزا اس لیے دی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے تھے اور جو بھی یہ وتیرہ اختیار کرے گا اس کو اسی قسم کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (۲) اس کے بعد بتایا کہ دشمن کو شکست دینے کے لیے جنگی تدابیر ناگزیر ہیں اور جنگی ضرورتوں کے لیے دشمن کے پھل دار درختوں کو کاٹنا مباح ہے۔

(۳) مال فئی کی تقسیم کا حکم بتایا۔ نیز آیت نمبر ۷ میں اسلامی نظام معاشیات کے اہم ستون کا ذکر کر دیا۔ کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ۔

اس کے بعد اپنے محبوب کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا۔ پھر مہاجرین و انصار کی تعریف کر کے ان کی عزت افزائی فرمائی۔

دوسرے رکوع میں منافقین کی رذیل حرکات پر انہیں سرزنش کی کہ بظاہر تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہا کرتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ کُفر کے دلدادہ ہیں اور اسلام کے دشمن۔ جب حضور نے بنی نضیر کو الٹی میٹم دیا کہ اتنے روز میں مدینے سے نکل جاؤ تو عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے ان کو کہلا بھیجا کہ مت نکلنا۔ میں دو ہزار کا لشکر لے کر تمہاری مدد کے لیے آجاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ منافقین جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر جنگ چھڑ گئی تو وہ یہود کا کبھی ساتھ نہیں دیں گے۔

آخری رکوع میں دوسرے مضامین کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا ذکر فرما دیا جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن کریم میں اتنے اسماء حسنیٰ اور کہیں یکجا نہیں۔

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحشر مدنی ہے اور اس میں ۲۴ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ ہی کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے ۱؎

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ

وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہلِ کتاب کے کافروں کو ان کے

دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

وقف النبی علیہ السلام

گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت۔ تم نے کبھی یہ خیال بھی نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ

مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ

انہیں ان کے قلعے بچالیں گے اللہ (کے قہر) سے ۲؎ پس آیا ان پر اللہ (کا قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں

۱؎ اس سورت میں مدینہ کی نوخیز اسلامی ریاست کو ایک عظیم فتنہ سے نجات دینے کا ذکر ہو رہا ہے اور نجات بھی ان حالات میں جبکہ بظاہر اس کا کوئی امکان نہ تھا اور نجات اس طرح کہ مسلمانوں کو کوئی جانی نقصان نہ ہوا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی نضیر کا قبیلہ جو مارِ آستین بن کر مسلمانوں کو ڈستا رہتا تھا وہ خود جلاوطنی کے لیے تیار ہو گیا۔ مسلمان ان کے مکانات، ان کے سرسبز و شاداب باغات اور زرخیز زمینوں کے مالک بن گئے جس سے ان کی مالی حالت بہت حد تک سُدھر گئی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا ورنہ مسلمان قطعاً اس پوزیشن میں نہ تھے کہ اپنے زورِ بازو سے ان کو یہاں سے باہر نکال دیں۔ اس لیے اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تسبیح، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ذکر سے کی گئی ہے تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمان اس کو محض اپنے رب کا فضل و احسان یقین کریں اور اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

۲؎ اس آیت میں جن کفارِ اہل کتاب کا ذکر ہے ان سے مراد یہود کا قبیلہ بنی نضیر ہے۔ مدینہ طیبہ کے مضافات میں ان کی الگ بستی تھی۔ انہوں نے اپنے گھروں کو قلعہ نما بنایا ہوا تھا۔ کئی گڑھیاں تعمیر کر رکھی تھیں اور سامانِ جنگ کے ذخیرہ اکٹھے کر رکھے تھے

يَحْتَسِبُوا ۖ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم

خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب ۳؎ چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو

بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ ۖ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ②

اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے ۴؎ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو! ۵؎

تا کہ کسی حملہ کے وقت اپنا دفاع کر سکیں۔ اپنی بہادری پر بھی انہیں بڑا ناز تھا۔ انہوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہ تھا کہ مٹھی بھر مسلمان ان پر غالب آسکتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ اس معاہدے کا بہت کم احترام کیا کرتے جو ان کے درمیان اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان طے پا چکا تھا۔ جب بھی انہیں موقع ملتا معاہدے کی خلاف ورزی سے باز نہ آتے۔

ایک روز حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک جھگڑے کا تصفیہ کرانے کے لیے ان کے محلہ میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے دیوار کے قریب حضورؐ کی نشست گاہ بنائی۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور گفتگو میں مصروف ہو گئے تو انہوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق ایک نابکار کو بھیجا کہ اوپر سے بھاری پتھر حضورؐ پر لڑھکا دے۔ اس طرح وہ اس شمع نور کو گل کرنا چاہتے تھے جس کو تا ابد فروزاں رکھنے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو ان کے ناپاک ارادہ سے آگاہ فرما دیا۔ حضورؐ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے (1)۔ اس طرح ان کی یہ غداری اور سازش ناکام ہو گئی۔ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں معاہدہ کی صریح خلاف ورزی اور غداری کی پاداش میں دس دن کے اندر مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا الٹی میٹم دے دیا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے انہیں کہلا بھیجا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ مت گھبراؤ اور اس الٹی میٹم کو مسترد کر دو۔ انہیں اپنے مضبوط قلعوں، اپنی جنگی مہارت اور شجاعت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ عبداللہ کے پیغام نے انہیں مزید تقویت پہنچائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا خوف و ہراس پیدا کر دیا اور انہیں ایسا مرعوب کر دیا کہ ابھی الٹی میٹم کی مدت ختم ہونے میں چار دن باقی تھے کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مدینہ سے جلاوطنی قبول کر لی۔ اپنے آراستہ و پیراستہ مکانوں اور شاداب باغوں اور زرخیز زمینوں کو چھوڑ کر چلے جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ یہاں صدیوں سے آباد تھے۔ منڈی اور بازاروں پر ان کا قبضہ تھا۔ ان کے پاس مضبوط قلعے بھی تھے۔ ان گراں بہا منقولہ وغیر منقولہ جائیدادوں سے دستبردار ہو جانا ان کی مرعوبیت کی انتہا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو معجزات عطا فرمائے تھے ان میں سے ایک معجزہ رعب تھا۔

۳؎ اس جملہ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ان کا خیال تو یہ تھا کہ جنگ ہوگی اور وہ مسلمانوں کو مار بھگائیں گے۔ یہ تو انہوں نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ لڑے بغیر سب کچھ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

۴؎ انہوں نے عرض کیا کہ اسلحہ کے بغیر جتنا سامان وہ اونٹوں پر لے جا سکتے ہیں اسے لے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور کی کریم النفسی نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی۔ چنانچہ وہ اپنے گھروں کا سارا سامان اٹھا کر لے گئے۔ بلکہ ان کے مکانوں میں جو قیمتی لکڑی لگی ہوئی تھی اس کو لے جانے کے لیے انہوں نے مکانوں کی چھتیں ادھیڑ دیں۔ کواڑ، کھڑکیاں، الماریاں غرضیکہ جو چیز

1۔ سیرت ابن ہشام، ج 3، ص 192-191

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمُ الۡجَلَاۤءَ لَعَذَّبَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا

اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلا وطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں ٦

وہ اکھیڑ کر لے جا سکتے تھے وہ لے گئے۔ اس طرح انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے شیش محلوں کو برباد کر دیا۔ جب وہ اپنے آراستہ و پیراستہ شبستانوں کو خود کھنڈر بنا رہے ہوں گے تو ان کے دلوں پر کیا بیت رہی ہوگی؟ اور ان کے چلے جانے کے بعد جب مسلمان وہاں پہنچے تو باقی ماندہ کھنڈرات کو انہوں نے منہدم کر دیا ہوگا تا کہ اپنے بسنے کے لیے نئے مکانات تعمیر کر سکیں۔

آیت میں لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ کا لفظ توجہ طلب ہے۔ حشر کا معنی ہے متفرق چیزوں کو جمع کرنا۔ منتشر افراد کو اکٹھا کرنا۔ قیامت کو حشر کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس وقت تمام انسان جو دور دراز ملکوں میں بکھرے ہوئے تھے ان کو یکجا کر دیا جائے گا۔ آیت میں ''حشر'' سے مراد کیا ہے؟ علماء کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ اس سے مراد بنی نضیر کی مدینہ طیبہ سے جلاوطنی ہے، کیونکہ مرد و زن، خورد و کلاں، شیخ و شاب کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ پھر مدینہ طیبہ سے انہیں نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ ابن قتیبہ نے غریب القرآن میں اس کا یہی مفہوم لکھا ہے۔ وَهُوَ الۡجَلَاۤءُ(1)۔ یہاں ''اول'' کی قید سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی پہلی جلاوطنی ہے۔ دوسری جلاوطنی بھی ہوگی اور یہ عہد فاروقی میں ہوئی جب انہیں خیبر سے شام کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ ان کا آخری حشر قیامت کے دن ہوگا۔ وہاں سے وہ سیدھے جہنم رسید ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حشر سے مراد اسلامی فوج کا ان کے محاصرہ کے لیے جمع ہونا ہے(2)۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب مسلمانوں نے یہود کے خلاف پہلی مرتبہ لشکرکشی کی تو یہ بزدل جنگ کیے بغیر اپنا صدیوں کا وطن چھوڑ کر چلے گئے۔

٥ حکم ہے کہ اس سارے واقعہ کا دقت نظر سے مطالعہ کرو۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جب کوئی فرد، کوئی قبیلہ، کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتی ہے اور اس کے رسول مکرم کے مقابلے پر ڈٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں بزدلی پیدا کر دیتا ہے۔ ان کے پاس اسلحہ کے انبار کیوں نہ ہوں، ان کے مورچے کتنے ہی مستحکم کیوں نہ ہوں، کوئی چیز بھی انہیں شکست سے نہیں بچا سکتی۔

٦ یہ تو اچھا ہوا کہ وہ جلاوطنی پر آمادہ ہو گئے۔ اگر وہ جنگ کرتے تو انجام بڑا ہولناک ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے شیروں کی تلواریں جب بے نیام ہوتیں تو ان لومڑیوں میں سے کوئی بھی جان بچا کر نہ جا سکتا۔ سب تہ تیغ کر دیئے جاتے۔ ان کا ساز و سامان، زیورات و جواہرات سب ان سے چھن جاتے۔ انہوں نے جلاوطنی قبول کر کے اپنے آپ کو بچا لیا۔ لیکن آخرت میں جہنم کا ایندھن تو انہیں بننا ہی پڑے گا۔

وطن سے نکال دینے کے لیے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ اخراج اور جلاء۔ لیکن ان میں دو طرح کا فرق ہے۔ اگر کسی کو بال بچے سمیت ملک بدر کر دیا جائے تو اس کو جلاء کہتے ہیں۔ اخراج کا لفظ اس وقت بھی استعمال ہوتا ہے جب کسی کو تنہا ملک بدر کیا جائے۔ نیز جلاء کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جبکہ ایک جتھہ اور جماعت کو ملک سے نکالا جائے۔ لیکن اخراج کا لفظ جماعت اور فردِ واحد کے ملک بدر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔(3)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج9، جز18، ص2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص233

2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج15، جز29، ص280 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز18، ص6-5

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ

اور ان کے لیے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی ۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ

وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④

اور اس کے رسول کی۔ اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے ۔ ۷

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا

جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر ۸

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

تو یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تاکہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو ۹ اور جو مال پلٹا دیے اللہ نے اپنے رسول کی طرف

۷ یعنی جو افتاد بنی نضیر پر پڑی اور بستے رستے گھروں سے انہیں کان پکڑ کر باہر نکال دیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے اور نافرمانی کو اپنا وتیرہ بنا لیا تھا۔ جو بھی اس جرم کا ارتکاب کرے گا اس کا انجام ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی شدید سزا دیتا ہے کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا۔

۸ مسلمانوں نے جب ان کی آبادی کا محاصرہ کر لیا تو اس کے اردگرد کا علاقہ کھجور کے باغات سے پٹا پڑا تھا۔ ان کے قلعوں کے نزدیک ایسی کھلی جگہ نہ تھی جہاں مسلمان صفیں آراستہ کر کے ان پر حملہ کر سکیں۔ اس لیے بعض مقامات پر کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے اور جو درخت لڑائی میں حارج نہ تھے ان کو باقی رہنے دیا گیا۔ منافقین اور یہودیوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا کہ دیکھو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے ہیں اور خود ہرے بھرے پھلدار درختوں کو اس بے دردی سے کاٹ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی تشویش ہوئی کہ کہیں ان کا یہ فعل فساد فی الارض میں تو داخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن درختوں کو تم نے کاٹا ہے اور جن کو باقی رہنے دیا ہے تم پر کوئی گرفت نہیں۔ تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ (1)

اس آیت سے فقہاء نے یہ مسئلے اخذ کیے ہیں: مسلمانوں کا لشکر اگر کفار کے علاقہ میں داخل ہو اور انہیں اپنی جنگی ضروریات کے لیے درختوں کو کاٹنا پڑے یا کوئی مکان گرانا پڑے یا کوئی پُل توڑنا پڑے یا کسی نہر کو کاٹنا پڑے تو انہیں شرعاً اس کی اجازت ہے۔ لیکن بلا ضرورت توڑ پھوڑ کی اجازت نہیں، ایسا کرنا فساد فی الارض میں داخل ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے جب اسلامی لشکر کو غزوۂ موتہ کی طرف روانہ کیا تو انہیں ہدایت فرمائی کہ پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، فصلوں کو خراب نہ کرنا اور بستیوں کو نہ اجاڑنا۔ انتہائی جنگی ضروریات کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ (2)

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج15، جز29، ص284

2۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج3، ص429

مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ

ان سے لے کر تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ ناے بلکہ

۹۔ یعنی ان درختوں کو کاٹنا اور ان کو یونہی سلامت رکھنا دونوں کا مقصد یہ تھا کہ یہودی فاسقین کی تذلیل ہو۔ کاٹنے میں تو ان کی تذلیل کی یہ صورت ہے کہ جن باغات کو انہوں نے شوق سے لگایا، بڑی محنت سے ان کو پروان چڑھایا، اب مسلمان ان کو کاٹ رہے ہیں۔ یہودی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، لیکن بے بس ہیں دم نہیں مار سکتے اور وہ درخت جو باقی رہ گئے ہیں ان میں ان کی تذلیل کا پہلو یہ ہے کہ وہ ان باغات کو چھوڑے جا رہے ہیں۔ ان کے بعد ان کے دشمن ان پر قابض ہوں گے۔ اگر ان کا بس چلے تو ایک درخت بھی کھڑا نہ رہنے دیں، سب کو کاٹ دیں، جلا کر راکھ کر دیں۔ لیکن وہ ہرے بھرے درختوں کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ان کو ایک پتا توڑنے اور ایک شاخ کاٹنے کی بھی اجازت نہیں۔ دونوں صورتوں میں ان کی ذلت ورسوائی اظہر من الشّمس ہے۔

۱۰۔ یہود بنی نضیر اپنی غداری اور عہد شکنی کی پاداش میں مدینہ طیبہ چھوڑ کر خیبر وغیرہ کی طرف چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اجازت دے دی کہ اسلحہ کے سوا جو سامان وہ اونٹوں پر لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ اس کے بعد بھی بہت کچھ بچ گیا تھا۔ اموالِ منقولہ کے علاوہ جو مکانات ان کی توڑ پھوڑ سے بچ گئے تھے، باغات اور زرخیز زرعی اراضی اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوٹا دیں۔ یہ جملہ اموال منقولہ وغیر منقولہ سب اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصرف میں ہیں۔ ان پر قبضہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو کسی زحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ نہ انہوں نے گھوڑوں، اونٹوں پر سوار ہو کر حملہ کیا، نہ جنگ وقتال کی نوبت آئی، اس لیے ان اموال اور اراضی میں کسی کا کوئی حق نہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت ہے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں اسے صَرف کر سکتے ہیں۔

آیت میں اَفَآءَ کا کلمہ بڑا معنی خیز ہے۔ اَفَاءَ کا معنی ہے کسی چیز کو لوٹا دینا، واپس کر دینا، سایہ کو بھی فَیْءٌ کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی پلٹ کر واپس آتا ہے۔ یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہر چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس کے حقدار اس کے فرمانبردار بندے ہیں۔ اصل میں ہر چیز انہی کی ملکیت ہے۔ نافرمان لوگ جو بعض چیزوں پر قبضہ جما لیتے ہیں یہ ان کا قبضہ مخالفانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ان چیزوں کو غاصب لوگوں سے لے کر ان کے اصلی حقداروں تک پہنچا دیتا ہے۔ یہاں بھی بنی نضیر کی جو املاک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے گئے ہیں وہ حقیقتاً یہودیوں کی نہ تھیں۔ انہوں نے انہیں غصب کیا ہوا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کے غاصبانہ قبضہ کو ختم کر کے اپنے رسول کو واپس دے دی ہیں جو ان کے حقیقی حقدار تھے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: فِيْهِ اِشْعَارٌ بِاَنَّهَا كَانَتْ حَرِيَّةً بِاَنْ تَكُوْنَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّمَا وَقَعَتْ فِيْ اَيْدِيْهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ فَاَرْجَعَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى مُسْتَحِقِّهَا (روح المعانی) (1)

علامہ ابو بکر العربی نے احکام القرآن میں بھی اسی حقیقت کو بیان کیا ہے اور یہاں اَفَآءَ کا کلمہ استعمال کرنے کی یہی حکمت ذکر کی ہے۔

اَوْجَفَ، وَجِيْفٌ سے ہے۔ اس کا معنی ہے سرعت سیر، تیز رفتاری (2)۔ اَوْجَفْتُمْ کا مطلب یہ ہے کہ حملہ کرتے وقت

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 44

2۔ مفردات راغب، ص 857

اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥

اللہ تعالیٰ تسلط بخشتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ۱۱

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے ۱۲ تو وہ اللہ کا ہے، اس کے رسول کا ہے

سواریوں کو تیز چلانا۔ ہشام کہتے ہیں اَوْجَفْتُمْ: اَتْعَبْتُمْ: تھکا دینا (1)۔ رِكَابٌ: اونٹوں کو کہتے ہیں (2)۔ اس کا واحد راحلہ ہے۔ اس کے اپنے مادہ سے اس کا واحد نہیں۔ راکب صرف اونٹ کے سوار کو کہتے ہیں۔ گھوڑ سوار کو فارس کہا جاتا ہے۔

۱۱ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو کفار کے اموال واملاک پر تسلّط ارزانی فرماتا ہے۔ اسی سنت الٰہیہ کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی نضیر جیسے بہادر اور جنگجو قبیلہ کی املاک کا کسی جنگ کے بغیر مالک بنا دیا۔ بے شک ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جس کو چاہے دے دے اور جس سے چاہے لے لے۔

۱۲ اس آیت کو واوٴ عاطفہ کے ذریعے کلامِ سابق پر معطوف نہیں کیا کیونکہ جہاں عطف آتا ہے وہاں مغائرت ہوتی ہے۔ یہاں کیونکہ پہلی آیت کا ہی تفصیلی بیان ہے اس لیے یہ گویا دونوں ایک ہیں۔ یہاں عطف کی ضرورت نہیں۔ امام رازی کا ارشاد ہے:

لَمْ يَدْخُلِ الْعَاطِفُ عَلٰى هٰذِهِ الْجُمْلَةِ لِاَنَّهَا بَيَانٌ لِّلْاُوْلٰى وَهِيَ مِنْهَا وَغَيْرُ اَجْنَبِيَّةٍ عَنْهَا (تفسیر کبیر) (3)

یہ پہلا موقع تھا کہ جنگ کیے بغیر کفار کے اموال اور زرعی املاک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے۔ یہ اس سلسلہ کا آغاز تھا۔ اس نے ابھی بہت پھیلنا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان املاک کی تقسیم اور ان کے حقداروں کا تفصیل سے ذکر کر دیا تاکہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کوئی تردد نہ ہو۔

تفصیل میں جانے سے پہلے ابتدائے بحث میں چند چیزیں ذہن نشین کر لیں۔

کفار کی جو املاک مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہیں ان کی دو صورتیں ہیں: یا تو کفار کو میدان جنگ میں شکست دینے کے بعد ان کی املاک پر قبضہ کیا ہوگا یا بغیر لڑے کفار نے ہار مان لی اور مسلمان ان کے علاقوں کے مالک بن گئے۔ پہلی قسم کی املاک کو غنیمت کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو فئ۔ پہلی قسم کا ذکر جب قرآن کریم نے کیا تو ان کے حصول کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی۔ فرمایا: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ الآية۔ دوسری قسم میں کیونکہ کسی کی کوشش کا دخل نہیں ہوتا اس لیے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ ارشاد ہے: مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ۔

اس واضح فرق کی وجہ سے ان املاک کے احکام اور مصارف بھی مختلف ہیں۔ مالِ غنیمت کے بارے میں تو فرمایا اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے اور پانچواں حصہ درجِ ذیل مصارف میں خرچ ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (انفال: ۴۱)

1۔ سیرتِ ابن ہشام، ج3، ص196 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز18، ص11-10 3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج15، جز29، ص286

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

اور رشتہ داروں ، یتیموں ، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے ۱۳

لیکن اموال فئ میں سے کوئی حصہ بطور حق مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ نبی کریم ﷺ سارے کا سارا مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم فرمائیں گے۔

فئ سے حاصل ہونے والے منقولہ اور غیر منقولہ سب اموال کا حکم یکساں ہے۔ لیکن غنیمت سے حاصل ہونے والے اموال میں فرق ہے۔ وہ منقولہ اموال جو میدان جنگ اور حالت جنگ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں وہ اموال غنیمت ہیں اور ان کے احکام مندرجہ بالا آیت میں بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن غیر منقولہ املاک مثلاً مکانات، زمین، باغات، قلعے وغیرہ یہ سب فئ ہوں گے۔ اسی طرح اگر جنگ ختم ہو جائے اور اس کے بعد جو منقولہ اموال مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان کا حکم بھی فئ کا ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد ہمایوں میں خیبر اور مکہ عنوۃً (زورِ بازو سے) فتح ہوا۔ یہاں کی زمینوں اور سکنی جائیداد پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ منقولہ املاک تو غانمین میں آیت کے مطابق تقسیم کر دی گئیں لیکن دونوں مقامات پر اراضی تقسیم نہیں کی گئیں۔ خیبر سے حاصل ہونے والی اراضی کو نصف نصف کیا گیا۔ نصف زمینیں غازیوں میں تقسیم کی گئیں۔ بقیہ نصف کو بیت المال کے لیے مختص کر دیا گیا اور مکہ کی تمام اراضی ان کے مالکوں کے پاس ہی رہنے دی گئیں۔ حضورؐ کے اس تعامل سے ثابت ہوا کہ وہ ممالک جو لشکر کشی سے فتح ہوں ان کی اراضی غنیمت نہیں ہیں۔ اسی سنت نبوی کے مطابق حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ (فاتح عراق و ایران) کو خط لکھا۔

فَانْظُرْ مَا اَجْلَبُوْا بِهٖ عَلَيْكَ فِي الْعَسْكَرِ مِنْ كُرَاعٍ اَوْ مَالٍ فَاقْسِمْهُ بَيْنَ مَنْ حَضَرَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاتْرُكِ الْاَرْضِيْنَ وَالْاَنْهَارَ لِعُمَّالِهَا لِيَكُوْنَ ذٰلِكَ فِيْ اَعْطِيَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۴۔ کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۹)(1)

یعنی جو اموال منقولہ آپ کے پاس جمع ہوں، ان کو مسلمانوں میں بانٹ دو اور زمینوں اور نہروں کو وہاں کے کاشتکاروں کے پاس چھوڑ دو تاکہ اس آمدنی سے مسلمانوں کو عطیات دیئے جائیں۔ امام یوسف فرماتے ہیں کہ جو کچھ دشمنوں کے لشکر سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے جو سامان، اسلحہ اور جانور وہ اپنے کیمپ میں سمیٹ لائیں وہ مالِ غنیمت ہوں گے اور جنگ ختم ہونے کے بعد جو چیز حاصل ہوگی وہ مالِ غنیمت نہیں ہوگی بلکہ فئ ہوگی۔ (کتاب الاموال ص ۲۵۴)

۱۳ مالِ فئ اور مالِ غنیمت میں جو فرق ہے وہ آپ نے سمجھ لیا۔ اب اموالِ فئ کے حقدار کون کون ہیں؟ ان کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمایئے: پہلا حقدار اللہ اور اس کا رسول ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا نام نامی بطورِ تبرک اور حضور کی رفعتِ شان ظاہر کرنے کے لیے لیا گیا ہے۔ كَمَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ حَنَفِيَّةَ افْتِتَاحُ كَلَامٍ لِلتَّيَمُّنِ وَالتَّبَرُّكِ وَفِيْهِ تَعْظِيْمٌ لِّشَأْنِ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ (روح المعانی)(2) لیکن ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مستقل علیحدہ حصہ

1۔ کتاب الاموال، ص 60، مطبوعہ دار الفکر قاہرہ۔ کتاب الخراج، ص 29، مطبوعہ مطبعہ سلفیہ قاہرہ

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 46

ہے جو بیت اللہ شریف پر خرچ کیا جائے گا۔ وہاں ضرورت نہ ہو تو دیگر مساجد اس کا مصرف ہوں گی۔ لیکن یہ درست نہیں۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ مستقل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَتْ اَمْوَالُ بَنِیْ نَضِیْرِ مِمَّا اَفَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَسُوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَآصَّةً فَكَانَ یُنْفِقُ عَلٰی اَهْلِهٖ مِنْهَا نَفْقَةَ سَنَةٍ ثُمَّ یَجْعَلُ مَا بَقِیَ فِی السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ عُدَّةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ رواہ البخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی (روح المعانی) (1)

یعنی بنی نضیر کے اموال بغیر لشکر کشی کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو عطا فرمائے تھے۔ پس یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مخصوص تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی آمدنی سے اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا خرچہ رکھ لیتے۔ بقیہ آمدنی جہاد کے لیے، اسلحہ وغیرہ کی فراہمی کے لیے خرچ کرتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد اس حصہ کے بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ حضور کا جو خلیفہ ہوگا یہ حصہ اس کو ملے گا۔ کیونکہ حضور کو یہ حصہ بحیثیت امام اور حاکم کے ملا کرتا تھا بحیثیت رسول کے نہیں، کیونکہ اس طرح اجر کا شبہ گزرتا ہے۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ حصہ بیت المال میں داخل ہوگا تاکہ اسے حضورؐ کے مشن کی تکمیل کے لیے صرف کیا جائے۔ علمائے شافعیہ میں سے اکثر کی یہی رائے ہے۔

دوسرے حقدار حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ ان سے مراد بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں۔ عبد شمس اور نوفل کی اولاد اگرچہ رشتہ میں یکساں ہے لیکن حضور نے فرمایا: نَحْنُ وَ بَنُوْ مُطَّلِبِ شَیْءٌ وَّاحِدٌ وَّ شَبَّكَ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ ''یعنی ہم (بنو ہاشم) اور بنی مطلب ایک شے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا''۔ کیونکہ اسلام اور جاہلیت دونوں زمانوں میں بنو مطلب، بنو ہاشم کے ساتھ رہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بنو مطلب اور بنو ہاشم کے غنی اور فقیر، مرد اور عورتیں، چھوٹے اور بڑے سب حقدار ہیں۔ امام مزنی اور امام ثوری کا بھی یہی قول ہے کہ اس میں مرد، عورت، قریبی اور دور کا رشتہ دار، غنی اور فقیر یکساں ہیں۔ کیونکہ آیت مطلق ہے۔ (روح المعانی) (2)

امام مالک کہتے ہیں اَلْاَمْرُ مُفَوَّضٌ اِلَی الْاِمَامِ اِنْ شَاءَ قَسَّمَ بَیْنَهُمْ وَاِنْ شَاءَ اَعْطٰی بَعْضَهُمْ دُوْنَ بَعْضٍ وَاِنْ شَاءَ اَعْطٰی غَیْرَهُمْ اِنْ كَانَ اَمْرُهُمْ اَهَمَّ مِنْ اَمْرِهِمْ۔ (3)

یعنی اس حصہ کی تقسیم امام کی صوابدید پر ہے۔ چاہے تو بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد میں اس مد کی آمدن کو تقسیم کر دے، چاہے تو ان میں سے جو زیادہ ضرورت مند ہیں ان کو دے اور جنہیں ضرورت نہیں ان کو نہ دے اور چاہے تو ان کے علاوہ دوسرے افراد کو دے جن کی ضرورت ان کی ضرورتوں سے کہیں اشد ہے۔

۳: یتامٰی۔ امت کے یتیموں کو بھی بلا امتیاز اس مد سے حصہ دیا جائے گا۔ ۴: مساکین۔ بھی اس کے مستحق ہیں۔

۵: ابن السبیل۔ مسافر جن کا زادِ راہ ختم ہو گیا ہو اور وہ امداد کے مستحق ہوں۔

امام شافعی اور ائمہ ثلاثہ میں ایک اور قابل ذکر اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اموال فیٔ کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ چار حصے خلیفہ وقت اپنی صوابدید سے مصالح مسلمین پر خرچ کرے گا اور پانچواں حصہ ان پانچ حقداروں میں برابر تقسیم ہوگا۔ لیکن دیگر آئمہ کے نزدیک فیٔ کا سارا مال مصالحِ مسلمین کے لیے ہے۔ حکومتِ وقت جہاں مناسب سمجھے اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کر سکتی ہے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 44

2۔ ایضاً، جز 28، ص 47

3۔ ایضاً

كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ

تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان ۱۴ اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرما دیں

۱۴ اسلام سے پہلے اس قسم کے اموال کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قبیلہ کا سردار یا لشکر کا سپہ سالار ۱/۴ حصہ لے لیتا جسے مرباع کہا جاتا (1)۔ اگر بقیہ مال سے اسے کوئی چیز پسند آتی وہ بھی چُن لیتا۔ باقی مال دولت مند اور با اثر لوگ آپس میں بانٹ لیتے اور غریبوں کو برائے نام کوئی چیز دے دی جاتی۔ ابتداء میں مسلمانوں نے بھی اسی دستور کے مطابق عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اس مال سے چہارم لے لیں۔ باقی مال ہم آپس میں بانٹ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس بے انصافی کو کیسے گوارا فرماتے، چنانچہ اموال غنیمت کی تقسیم کا الگ طریقہ مقرر فرمایا اور اموالِ فئ کی تقسیم کے لیے الگ طریقہ مقرر کیا گیا اور اس تقسیم کا بنیادی اصول یہ طے پایا کہ ان اموال کو اس طرح تقسیم نہ کرو کہ صرف اُمراء اور مراعات یافتہ طبقہ میں ہی یہ مال گردش کرتا رہے اور غریب بیچارے حسرت سے ان کا منہ دیکھتے رہیں۔ صاف طور پر حکم دیا کہ اللہ کے نزدیک یہی چیز پسندیدہ ہے کہ وسائلِ معیشت کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ غریب، امیر سب یکساں فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ اصول صرف اموالِ غنیمت وفئ کی تقسیم میں ہی اسلام نے ملحوظ نہیں رکھا بلکہ اسلامی نظام حیات کی یہ روحِ رواں ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ ملکی وسائل سکڑ کر ایک مخصوص طبقے میں مرتکز نہ ہو جائیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ان کا پھیلاؤ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ اس نے تمام ایسی پیش بندیاں کر دی ہیں جن سے سرمایہ سکڑنے کے عمل کو روکا جا سکتا ہے اور اس کے دائرۂ اثر کو وسیع سے وسیع تر کیا جا سکتا ہے۔ وہ پیش بندیاں جو سرمایہ کو سکڑنے سے روکتی ہیں ان پر ایک سرسری نظر ڈالتے جائیے:

کسب معاش کے وسائل کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے، حلال اور حرام۔ حرام میں تمام ایسے وسائل ذکر کر دیئے جن کے ذریعہ محنت کیے بغیر، خطرات کا مقابلہ کیے بغیر بڑی آسانی سے دولت اُمڈتی چلی آتی ہے۔ سود، جُوا، سٹّہ، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، چور بازاری، رشوت کا شمار انہی حرام وسائل میں ہوتا ہے۔ بلاخوفِ تردید پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ آج جس جس جگہ آپ کو دولت کی بے پناہ ریل پیل نظر آتی ہے وہاں ان ممنوع وسائلِ معاش میں سے ایک آدھ کی کارفرمائی ضرور ہے۔ آج پاکستان میں بائیس خاندانوں کا رونا رویا جاتا ہے۔ ماہرین اقتصادیات خود ہی بتائیں اگر یہاں سود ممنوع ہوتا اور بڑے بڑے بینک آسان شرح سود پر انہیں قرض نہ دیتے تو کیا یہ بائیس خاندان سارے ملک کا سرمایہ سمیٹ سکتے تھے؟ سب کچھ لٹا کر راہزن کو کوسنے دینے کی رسم اسلام کو پسند نہیں، وہ پہلے سے وہ راہ بند کر دیتا ہے جہاں سے راہزن کے داخلے کا امکان ہو۔

اگر پاکستان میں معاشی لُوٹ مار کے ذرائع کو ختم کر دیا جائے تو چند ماہ میں آپ کو كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةً کی برکتوں کا احساس ہونے لگے۔ حلال وسائل سے جو دولت کمائی جاتی ہے وہ ضخامت میں اس قدر تکلیف دہ نہیں ہوتی پھر بھی اس کا بہاؤ فقراء اور عوام کی طرف کرنے کے لیے اسلام نے موثر تدابیر اختیار کی ہیں۔ زکوٰۃ، عشر، صدقات اور ان کے علاوہ نظام وراثت، زندگی بھر کے اندوختہ کو اس طرح بانٹ دیتا ہے کہ مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے اور کسی پر گراں بھی نہیں گزرتا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 16

الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رُک جاؤ ۱۵؎ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑦ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ

وقف لازم

بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لیے ہے جنہیں

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ

(جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا

اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی راستباز

الصّٰدِقُوْنَ ⑧ ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ

لوگ ہیں ۱۶؎ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دارِ ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے ۱۷؎

الغرض یہ جملہ اسلامی نظامِ معاشیات کا ستون ہے۔ ہمارے ماہرین دیگر فرسودہ اور ناکارہ نظریات اپنانے کی بجائے اگر نیک نیتی سے اسلام کے نظام مالیات کو سمجھیں، پوری دیانت داری اور اخلاص سے اس کو عملی جامہ پہنائیں تو کمیونزم اور کیپٹلزم کے دو پاٹوں میں پستی ہوئی دنیا ان کی ممنون ہوگی۔ اصل مصیبت یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں زمامِ اقتدار ہے ان کے دل نورِ ایمان سے خالی ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے جس ذوق اور یقین کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے۔ ضرورت صرف ایسے یقین کی ہے جو تمام مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہونے کی ہمت رکھتا ہو۔ ضرورت اس ایمان کی ہے جس کے چراغ کو کوئی آندھی نہ بجھا سکے۔ جو گھپ اندھیروں کو بقعۂ نور اور رشکِ صد طور بنانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

۱۵؎ صرف غنائم کے اموال تقسیم کرنے کے بارے میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں احکامِ رسالت کی پابندی کیجیے۔ انہیں سر آنکھوں پر رکھیے۔ اسی میں تمہاری فلاح ہے۔

اس آیت میں اگر غور کیا جائے تو فتنۂ انکارِ سنت کی بیخ کنی کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

۱۶؎ علامہ زمخشری کے نزدیک لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ بدل ہے اور لِذِي الْقُرْبٰى الآیة مبدل منہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک مبدل منہ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ہے۔ ذِي الْقُرْبٰى مبدل منہ میں داخل نہیں (1)۔ علماء نے اس پر بحث کی ہے کہ کیا

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 50

مہاجرین کے استحقاق کے لیے فقیر ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اکثر علماء کا یہی فیصلہ ہے کہ شرط نہیں۔ بلکہ بیان حال کے لیے یہ قید بڑھا دی گئی ہے۔ علامہ پانی پتی نے یہ مسئلہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: وَعِنْدِیْ الَّذِیْنَ تَبَوَّءُوْا مَعْطُوْفٌ عَلَی الْفُقَرَاءِ وَصْفُ الْفَقْرِ لَیْسَ شَرْطًا لِاسْتِحْقَاقِهِمْ ..... وَاِنَّمَا ذُکِرَ وَصْفُ الْفَقْرِ فِی الْمُهَاجِرِیْنَ جَرْیًا عَلَی الْغَالِبِ لِاَنَّ اَکْثَرَ الْمُهَاجِرِیْنَ حِیْنَئِذٍ کَانُوْا فُقَرَاءَ (مظہری)(1) یعنی میرے نزدیک استحقاق کے لیے فقیر ہونا شرط نہیں۔ کیونکہ اس وقت مہاجرین کی غالب اکثریت فقیر تھی اس لیے بیان واقع کے لیے یہ قید ذکر کر دی۔ اپنے اس موقف کی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اِنَّمَا قُلْتُ هٰکَذَا لِلْاِجْمَاعِ عَلٰی اَنَّ مَالَ الْفَیْءِ هُوَ لِلْمُسْلِمِیْنَ کَافَّةً غَنِیِّهِمْ وَ فَقِیْرِهِمْ یُصْرَفُ فِیْ مَصَالِحِهِمْ(2): میں نے یہ بات اس لیے کی ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مال فیٔ تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ غنی اور فقیر کی کوئی تخصیص نہیں۔ سب کے مصالح میں اسے خرچ کیا جائے گا۔

وہ لوگ جنہیں اسلام لانے کے جرم میں طرح طرح کی اذیتیں دے کر گھروں سے نکل جانے پر مجبور کیا گیا تھا، ان کا وقت بڑی عسرت سے گزر رہا تھا۔ ان کی مستقل آبادکاری کا ابھی انتظام نہ ہو سکا تھا۔ جب بنی نضیر کے اموال واملاک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو عطا فرمائے تو ان لوگوں کو بھی ان کا مستحق قرار دیا گیا۔ اس طرح پہلی دفعہ ان لوگوں کی مستقل آبادکاری کے لیے اہتمام کیا گیا۔

۱۷ یہ معطوف ہے اور اس کا معطوف علیہ **لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ** ہے۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ اموال فیٔ کے حقدار صرف مہاجرین ہی نہیں بلکہ یہ لوگ بھی ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا جا رہا ہے اور یہ انصار ہیں جنہوں نے اسلام کی مدد اس انداز سے کی کہ ان کا نام ہی انصار یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار پڑ گیا۔ قیامت تک وہ اسی نام سے یاد کیے جائیں گے۔ اس پاک گروہ کا ذکر مولا کریم نے جس محبت بھرے انداز سے کیا ہے وہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

مدینہ کے مسلمان یا انصار کے الفاظ سے ان کا ذکر شروع نہیں فرمایا بلکہ ارشاد ہے: **وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ**۔ تَبَوَّأَ کہتے ہیں نَزَلَ وَاَقَامَ (لسان العرب)(3) کہیں اترنا اور وہاں اقامت گزین ہو جانا۔ دار سے مراد دار الاسلام، مدینہ طیبہ ہے۔ یعنی جو لوگ مہاجرین کی آمد سے پہلے یہاں آباد تھے۔ وَالْاِیْمَانَ ایک دوسرے فعل کا مفعول ہے۔ اَیْ اَخْلَصُوا الْاِیْمَانَ۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو یہاں مقیم ہیں اور ایمان میں مخلص ہیں۔ عربی زبان میں ایسا بکثرت ہوتا رہتا ہے کہ دو چیزوں سے پہلے ایک فعل ذکر کیا جاتا ہے جس کا تعلق ان دو میں سے ایک چیز کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسری چیز کے لیے مناسب حال فعل مقدر مان لیا جاتا ہے جیسے عَلَّفْتُهَا تِبْنًا وَّمَاءً بَارِدًا(4)۔ میں نے اس کو چارا ڈالا، بھوسہ اور ٹھنڈا پانی۔ بھوسہ تو عَلَّفْتُهَا کا مفعول بن سکتا ہے لیکن ٹھنڈا پانی چارا تو نہیں کہ کھلایا جائے۔ اس کے لیے تو پلانے کا فعل ہونا چاہیے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اصل یوں ہے: عَلَّفْتُهَا تِبْنًا وَّاَسْقَیْتُهَا مَاءً بَارِدًا۔ میں نے اسے بھوسہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا۔ اسی طرح عرب کہتے ہیں: مُتَقَلِّدًا سَیْفًا وَّرُمْحًا کہ وہ تلوار اور نیزہ حمائل کیے ہوئے میدانِ جنگ میں گیا۔ تلوار تو حمائل کی جاتی ہے۔ لیکن نیزہ تو گلے میں نہیں لٹکایا جا سکتا۔ وہ کاندھے پر رکھا جاتا ہے یا ہاتھ میں پکڑا جاتا ہے۔ اس لیے اصل عبارت یوں ہوگی: مُتَقَلِّدًا سَیْفًا وَّوَاضِعًا رُمْحًا۔

علامہ ابن منظور نے اس کی ایک بڑی پُرلطف توجیہ کی ہے۔ لکھتے ہیں: جَعَلَ الْاِیْمَانَ مَحَلًّا لَّهُمْ(5)۔ یعنی ایمان کو بھی ان

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص246

2۔ ایضاً

3۔ لسان العرب، ج1، ص38

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص242

5۔ لسان العرب، ج1، ص39

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ

محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ۱۸ اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی

حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ

خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ پر ۱۹ اگرچہ خود انہیں اس چیز کی

کے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنایا گیا۔ جس طرح کوئی شخص اپنے مکان میں رہائش اختیار کرتا ہے اسی طرح ان اللہ کے بندوں نے ایمان کو اپنا مسکن بنالیا ہے اور انہوں نے اس میں پکے ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔ اس صورت میں الایمان فعلِ مذکور کا ہی مفعول ہوگا۔

علامہ ابوحیان اندلسی نے ایک اور توجیہہ ابن عطیہ سے نقل کی ہے کہ واؤ یہاں معیت کے معنی میں ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے قَالَ ابْنُ عَطِيَّةَ اَلْمَعْنٰى تَبَوَّؤُا الدَّارَ مَعَ الْاِيْمَانِ (بحر محیط)(1) یعنی وہ مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر ہیں اور ایمان کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان میں ان کی پختگی اور خلوص کا ذکر فرما دیا۔

مِنْ قَبْلِهِمْ کا تعلق تَبَوَّؤُا سے ہے۔ یعنی مہاجرین کے آنے سے پہلے انصار مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔

۱۸ ان کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر آنے والے مہاجرین سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ ان کی محبت کا عملی ثبوت ان کے ہر ہر اقدام سے ملتا ہے۔ جب لٹے پٹے خانماں برباد مہاجر وہاں پہنچے تو انصار نے اپنے گھروں کے دروازے انکے لیے کھول دیئے۔ اپنی زمینوں اور باغات میں ان کو حصہ دار بنا دیا۔ جن کی ایک سے زائد بیویاں تھیں انہوں نے یہ پیش کش بھی کی کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی بیویوں کو بھی طلاق دے دیں تا کہ عدت گزارنے کے بعد مہاجر ان سے نکاح کر سکیں۔ ایسی قلبی محبت اور اخلاص کی مثال دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ یہ صرف غلامانِ محبوب رب العالمین کی ہی خصوصیت ہے۔

۱۹ مہاجرین کے ساتھ انصار کی محبت اور خلوص کی ایک روشن دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ پہلے آپ ذرا لفظی ترجمہ سمجھ لیجیے۔ فرمایا کہ وہ اپنے دلوں میں حاجت ہی نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا گیا۔ لفظ حاجت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں: كُلُّ مَا يَجِدُ الْاِنْسَانُ فِيْ صَدْرِهٖ مِمَّا يَحْتَاجُ اِلٰى اِزَالَتِهٖ فَهُوَ حَاجَةٌ (2)۔ یعنی اموالِ فَیْ جو مہاجرین میں تقسیم کر دیئے گئے انصار اپنے دلوں میں ان کی حاجت ہی محسوس نہیں کرتے۔ گویا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کی انہیں ضرورت ہی نہیں۔ ان کے حصول کی ان کے دلوں میں خواہش ہی نہیں۔ استغنا کا یہ کتنا اونچا مقام ہے! علامہ راغب کہتے ہیں: اَلْحَاجَةُ اِلَى الشَّيْءِ الْفَقْرُ اِلَيْهِ مَعَ مَحَبَّتِهٖ (3): یعنی کسی چیز کی حاجت کا معنی یہ ہے کہ اس سے محبت بھی ہو اور اس کی ضرورت بھی ہو۔ وَقِيْلَ الْحَاجُّ ضَرْبٌ مِّنَ الشَّوْكِ (4)۔ ایک قسم کا کانٹا ہے جسے حاجّ کہتے ہیں۔ یعنی اس تقسیم سے ان کے دلوں میں قطعاً کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی نہ وہ اس سے کانٹے کی چبھن محسوس کرتے ہیں۔

جب بنی نضیر کے اموال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبضہ وتصرف میں آ گئے تو حضورؐ نے ثابت بن قیس بن شماس کو یاد فرمایا۔ انہیں حکم دیا کہ اپنی قوم کو بلا لائیں۔ انہوں نے عرض کی: اپنے قبیلہ خزرج کے لوگوں کو بُلا لاؤں یا سب انصار کو؟ فرمایا:

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 247
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 23
3۔ مفردات راغب، ص 263
4۔ ایضاً

سب کو۔ جب اوس وخزرج حاضر ہو گئے تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی۔ پھر انصار کی ان قربانیوں کا ذکر فرمایا جو انہوں نے مہاجرین کے لیے دیں۔ پھر فرمایا: اگر تم چاہو تو تمہارے اموال اور فیٔ کے اموال سب یکجا کر دیئے جائیں۔ پھر ان سب کو مہاجرین وانصار میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر تمہاری مرضی ہو تو تمہارے مکانات اور زمینیں جو تم نے مہاجرین کو دے رکھی ہیں وہ تمہیں واپس کر دی جائیں اور بنی نضیر کے اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

اللہ! اللہ! کیا روح پرور منظر ہو گا۔ کیسا نور برس رہا ہو گا اس محفل پر۔ حضورؐ کا ارشاد سن کر سعد بن زرارہ اور سعد بن معاذ نے عرض کیا: یارسول اللہ! بَلْ تُقَسِّمُهٗ بَيْنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَيَكُوْنُوْا فِيْ دُوْرِنَا كَمَا كَانُوْا۔ یارسول اللہ! ہمارے مال ان کے پاس ہی رہنے دیجیے اور بنی نضیر کے سب اموال بھی ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجیے۔ سب انصار نے ان کی تائید کرتے ہوئے عرض کیا: رَضِيْنَا وَسَلَّمْنَا۔ یارسول اللہ! ہمیں یہ تجویز منظور ہے، ہم اس پر خوش ہیں۔ اس ایثار کو دیکھ کر اللہ کے محبوبؐ کا دل خوش ہو گیا۔ زبان اقدس سے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ۔ الٰہی! دین کے ان بے لوث مددگاروں پر اپنی خصوصی رحمت فرما۔ چنانچہ انصار کے مشورہ سے یہ تمام اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے گئے۔ انصار میں سے صرف تین آدمیوں کو جو بہت نادار تھے حصہ ملا۔ ابودجانہ، سہیل بن حنیف، ان کے علاوہ مشہور یہودی سردار ابن ابی الحقیق کی تلوار حضرت سعد بن معاذ کو عطا فرمائی گئی۔ (مظہری)(1) یہ کمالِ استغنا، یہ شان بے نیازی، غلامانِ حبیبِ کبریا علیہ اجمل الصلوٰۃ واطیب الثناء کا ہی حصہ ہے۔ جمالِ یار نے جن کے دلوں اور آنکھوں سب کو سیراب کر دیا تھا۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
ز چشمِ مستِ ساقی وام کردند

ان کے کمالِ استغنا کی توصیف اسی پر ختم نہیں ہوتی بلکہ ارشاد ہوتا ہے: **وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ**، الخ۔ یہ نہیں کہ مالی طور پر وہ بڑے تونگر تھے، ہر چیز کی ان کے پاس بہتات تھی، اس لیے وہ اموال کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ درحقیقت وہ خود ضرورتمند تھے۔ ان کی مالی حالت بھی قابل رحم تھی لیکن وہ اپنی ضرورت پر اپنے مہاجر بھائیوں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔ حضور نے اپنی نگاہ کرم سے سارے اسلامی معاشرے کو ہی اس رنگ میں رنگ دیا تھا۔

ایک روز ایک شخص بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: سخت بھوکا ہوں۔ حضور نے ازواج مطہرات سے پوچھا۔ وہاں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ صحابہ کو فرمایا: کوئی ہے جو آج رات اس کی میزبانی کرے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔ انصار میں سے ایک آدمی اٹھا۔ عرض کی یہ سعادت میں حاصل کروں گا اور اس نووارد کو اپنے گھر لے گیا۔ اپنی بیوی سے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا مہمان ہے۔ اس کی خدمت میں بخل نہ کرنا۔ اس نے کہا: بخدا میرے پاس تو بچوں کے کھانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انصاری نے کہا: بچوں کو بہلا کر سلا دینا۔ جب ہم کھانا کھانے بیٹھیں تو دیا بجھا دینا۔ آج رات ہم بھوکے گزاریں گے۔ جب کھانا تیار ہوا تو بچوں کو سلا دیا گیا۔ وہ نیک خاتون دیئے کو درست کرنے کے بہانے اٹھی اور دیا بجھا دیا۔ ایک ہی دسترخوان پر سب بیٹھ گئے۔ میاں بیوی اس طرح ظاہر کرتے رہے کہ وہ کھا رہے ہیں۔ مہمان کو احساس ہی نہ ہونے دیا کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ رات بھوکے گزار دی۔ صبح بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ اَعْجَبَ اللّٰهُ اَوْ ضَحِكَ مِنْ فُلَانٍ وَّفُلَانَةٍ۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص243

خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑨

شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں ۲۰؎

فلاں شخص اور اس کی زوجہ نے جو کام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پسند کیا ہے یا (فرمایا) اللہ تعالیٰ اس پر ہنسے ہیں۔ (1)

اسی طرح ایک دفعہ کسی آدمی نے بکری کا سرا ایک صحابی کو بطور تحفہ بھیجا۔ انہوں نے خیال کیا کہ میرے فلاں بھائی کا چھوٹا چھوٹا بال بچہ ہے، اس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہے چنانچہ اس کی طرف وہ سرا بھیج دیا۔ اس نے تیسرے کے پاس، تیسرے نے چوتھے کے پاس۔ یہاں تک کہ نو گھروں سے پھر کر پہلے آدمی کے پاس واپس پہنچ گیا۔

جنگ یرموک میں جب اسلام کو فتح ہوئی تو لوگ زخمیوں کو پانی پلانے کے لیے میدان جنگ میں مشکیزے لے کر پہنچ گئے۔ ایک جگہ عکرمہ، کون عکرمہ؟ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ، زخموں سے چُور پڑا تھا۔ پانی پلانے کے لیے پیالہ آگے بڑھایا گیا تو پاس سے العطش، العطش کی آواز آئی۔ عکرمہ نے اشارہ کیا: مجھے رہنے دو، میرے بھائی کے پاس جاؤ۔ اس کے پاس گئے تو کسی اور نے العطش کی صدا بلند کی۔ اس نے کہا: مجھے چھوڑ و اور اسے پلاؤ۔ پانی پلانے والا وہاں پہنچا تو وہ جام شہادت سے اپنی پیاس بجھا چکا تھا اور اسی طرح دوسرا اور جب عکرمہ کے پاس آیا تو وہ بھی جنت الفردوس کو سدھار چکے تھے۔ (ابن کثیر) (2)

یہ قرآنی تعلیمات کا اعجاز تھا اور حضور کی نگاہِ کرم کا فیض تھا۔

۲۰؎ اَلشُّحُّ: اَلْبُخْلُ وَقِيْلَ هُوَالْبُخْلُ مَعَ الْحِرْصِ: وَقِيْلَ الْبُخْلُ بِالْمَالِ وَالشُّحُّ بِالْمَالِ وَالْمَعْرُوْفِ (3)۔ یعنی شُح کا معنی بخل ہے۔ بعض نے کہا بخل اور حرص کے مجموعہ کو شُح کہتے ہیں۔ بعض نے کہا مال میں کنجوسی کو بخل کہتے ہیں۔ مال اور کوئی نیک کام کرنے میں کنجوسی کو شُح کہتے ہیں۔

آخر میں ایک اصولی بات بتادی کہ جس کو شُح سے بچالیا گیا وہی فلاح پانے والا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔ (4)

یعنی حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا: ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن تہ در تہ اندھیروں کی صورت میں نمودار ہوگا اور شُح سے بچو کیونکہ تم سے پہلے جو قومیں تھیں ان کو اسی بخل نے ہلاک کردیا۔

ایک دوسری حدیث پاک میں ہے: اِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّهٗ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اَمَرَهُمْ بِالظُّلْمِ فَظَلَمُوْا وَ اَمَرَهُمْ بِالْفُجُوْرِ فَفَجَرُوْا وَ اَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا۔ (5)

یعنی شُح سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ کیونکہ اس نے جو تم سے پہلے تھے ان کو ہلاک کردیا۔ وہ اس طرح کہ جب بخل نے ان کو ظلم کرنے کا حکم دیا تو وہ ظلم کرنے لگے، جب انہیں فسق و فجور کا حکم دیا تو وہ اس کا ارتکاب کرنے لگے اور جب انہیں قطع رحمی کا حکم دیا

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 338

2۔ ایضاً

3۔ لسان العرب، ج 2، 495 (ماخوذ)

4۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 338

5۔ ایضاً، ج 4، ص 339، مسند احمد بن حنبل، ج 2، ص 191، مطبوعہ دار صادر

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ

اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے ۲۱ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور

تو انہوں نے قطع رحمی اختیار کر لی۔

آخر میں ایک اور حدیث بھی سُن لیجیے۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَرِئَ مِنَ الشُّحِّ مَنْ اَدَّى الزَّكٰوةَ وَقَرَى الضَّيْفَ وَاَعْطٰى فِى النَّائِبَةِ۔ (ابن کثیر)(1)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے زکوٰۃ ادا کی، مہمان کی ضیافت کی، ناگہانی مصیبت میں کسی کی امداد کی اس نے شُحّ سے رہائی حاصل کر لی۔ قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شُحّ سے بچ جائے۔ کیونکہ انسان کا ازخود اس بیماری سے بچنا بہت مشکل ہے، بلکہ فرمایا جس کو شُحّ سے بچا لیا گیا یعنی جس پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اس مذموم خصلت سے بچا لیا وہی بچ سکتا ہے۔

۲۱ اس کا عطف لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ پر ہے۔ اس آیت سے بتا دیا کہ اموالِ فَیٔ میں مہاجرین وانصار کے علاوہ یہ لوگ بھی حقدار ہیں۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو قیامت تک آئیں گے۔

یہ آیتیں اسلامی بیت المال کی آمدن کے ذرائع، ان کی حیثیت اور ان کے مصارف متعین کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس لیے ہم ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کے بارے میں جو بشارتیں دی تھیں وہ عملی صورت میں نمودار ہونے لگیں۔ اس وقت ان وسیع وعریض اراضی کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ بعض صحابۂ کبار جن میں عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر اور بلال رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے انہوں نے امیر المومنین سے مطالبہ کیا کہ ان اراضی کو ان کے کسانوں سمیت خُمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ فاروق اعظم کو یہ رائے پسند نہ آئی۔ آپ نے حضرت سیدنا علی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ دَعْهُمْ يَكُوْنُوْا مَادَّةً لِّلْمُسْلِمِيْنَ۔ (کتاب الخراج لِاَبی یوسف)(2) یعنی زمینوں کو ان کے کاشت کاروں سمیت رہنے دیجیے تاکہ عام مسلمانوں کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنی رہیں۔ حضرت معاذ بن جبل کی رائے یہ تھی کہ ان اراضی کو تقسیم نہ کیا جائے ورنہ یہ وسیع و عریض زرعی زمینیں ان چند فاتحین کی اولاد میں محصور ہو کر رہ جائیں گی۔ عام مسلمانوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست پھر کیسے ہو سکے گا۔ (کتاب الاموال ص ۵۹، فتح الباری جلد ۶ ص ۱۳۸)(3) چنانچہ امیر المومنین نے مجلسِ شوریٰ طلب کی اور اس کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ یہ بحث دو تین دن تک جاری رہی۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت ابن عمر اور دیگر حضرات، حضرت عمر سے متفق تھے لیکن دوسرے لوگ ابھی مطمئن نہ تھے۔ ایک رات امیر المومنین اسی مسئلہ میں غور و فکر کر رہے تھے کہ آپ کے خیال میں سورۂ حشر کی یہ آیتیں آگئیں۔ صبح جب شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا تو آپ اٹھے اور آپ نے فرمایا مجھے کتاب اللہ سے دلیل مل گئی ہے جو اس بارے میں فیصلہ کن ہے۔ پھر آپ نے یہی آیات مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 339۔ کنز العمال، ج 6، ص 297، حدیث نمبر 15780، مطبوعہ التراث الاسلامی

2۔ کتاب الخراج، ص 43

3۔ کتاب الاموال، ص 61

سے رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ تک تلاوت کیں اور ان سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان املاک میں صرف اس زمانہ کے لوگوں کا ہی حصہ نہیں بلکہ بعد میں آنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ شریک کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ان مفتوحہ اراضی کو فاتحین میں تقسیم کر دیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے کچھ نہ چھوڑیں۔ نیز آپ نے آیت کے اس جملہ سے بھی استدلال کیا گیٔ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً (احکام القرآن جصاص) (1) اگر انہیں تقسیم کر دیا گیا تو پھر یہ اموال دولت مندوں کے ایک طبقہ میں ہی چکر لگاتے رہیں گے۔ آپ کی یہ تقریر سن کر تقسیم کا مطالبہ کرنے والے اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے اور اسی پر امت کا اجماع ہو گیا۔ امیر المومنین نے حضرت عثمان بن حنیف اور حُذیفہ بن یمان کو زمین کی پیمائش اور درجہ بندی کے لیے روانہ کیا اور ان کی رپورٹ کے مطابق ان اراضی پر خراج مقرر کیا گیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ اگرچہ حجاز کے صحرائی باشندے تھے جہاں اس قسم کی اراضی کا فقدان ہے لیکن انہوں نے سوادِ عراق کی اراضی کی جو درجہ بندی کی وہ اس قدر درست ثابت ہوئی کہ عرصہ دراز تک نظر ثانی کی ضرورت نہ رہی۔ صحرانشینوں کو یہ فہم کہاں سے نصیب ہوا کہ وہ مزروعہ اراضی کی اس طرح درجہ بندی کر سکیں جو وہاں کے ماہرین زراعت سے بھی ممکن نہ تھی۔ اس کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب نگاہِ نبوت کا فیضان تھا۔ کسی کو جرنیل بنا دیا، کسی کو مالیات کا ماہر بنا دیا، کسی کو اراضی کی حیثیت متعین کرنے کی استعداد بخش دی۔ بے ساختہ یہ کہنا پڑتا ہے۔

حُسن کی تیرے خیرات سب کو ملی پھول کو رنگ و بو، سرو کو بانکپن (حضرت فخر الدین سیالوی)

ابوبکر جصّاص لکھتے ہیں: دَلَّ ذٰلِكَ عَلٰى اَنَّ الْغَانِمِيْنَ لَا يَسْتَحِقُّوْنَ مِلْكَ الْاَرْضِيْنَ وَلَا رِقَابَ اَهْلِهَا (احکام القرآن) (2) یعنی اس سے معلوم ہو گیا کہ زمین اور اس پر کھیتی باڑی کرنے والے کاشتکار مجاہدین میں تقسیم نہیں کیے جائیں گے۔ عہد نبوت میں اس قسم کی اراضی کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا گیا اس کے بارے میں جصّاص لکھتے ہیں: فَقَدْ حَصَلَ بِدَلَالَةِ الْاٰيَةِ وَاِجْمَاعِ السَّلَفِ وَالسُّنَّةِ تَخْيِيْرُ الْاِمَامِ فِيْ قِسْمَةِ الْاَرْضِيْنَ اَوْ تَرْكِهَا مِلْكًا لِاَهْلِهَا وَوَضْعِ الْخَرَاجِ۔ (3)

''اس آیت، اجماعِ امت اور سنت سے یہ نتیجہ نکلا کہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ امامِ وقت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ چاہے تو پہلے مالکان کے قبضہ میں ہی رہنے دے اور ان پر خراج عائد کر دے''۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زمین کی تقسیم کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ وَقَالَ مَالِكٌ لِّلْاِمَامِ اَنْ يُّوْقِفَهَا لِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ الْاِمَامُ مُخَيَّرٌ بَيْنَ اَنْ يُّقَسِّمَهَا اَوْ يَجْعَلَهَا وَقْفًا لِّمَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَيْسَ لِلْاِمَامِ حَبْسُهَا عَنْهُمْ بِغَيْرِ رِضَاهُمْ (4)۔ یعنی امام مالک کہتے ہیں کہ امام کو حق پہنچتا ہے کہ ان اراضی کو مسلمانوں کے عام مفادات کے لیے وقف کر دے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ چاہے انہیں تقسیم کر دے اور چاہے تو مسلمانوں کے مفادات کے لیے وقف کر دے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مجاہدین کی خوشنودی کے بغیر امام ازخود ان اراضی کو وقف نہیں کر سکتا۔

لیکن خیبر و مکہ کی اراضی کے بارے میں حضور کا عمل اور عہدِ فاروقی میں تمام صحابہ کا اجماع احناف کے مسلک کی تائید کرتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول بڑا جامع ہے جس میں آپ نے ہر قسم کے اموال کے مصارف کا ذکر فرما دیا ہے۔ آپ نے یہ آیت پڑھی: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ تا عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ فرمایا: اموال صدقہ کے مصرف یہ لوگ ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ تا ابْنِ السَّبِيْلِ۔ فرمایا مالِ غنیمت کے حقدار یہ لوگ ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت

1۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج3، ص430 2۔ ایضاً، ج3، ص431 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز18، ص23

لِاِخۡوَانِنَا الَّذِيۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِيۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِىۡ قُلُوۡبِنَا

ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں

کی مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى تا وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ الآیۃ۔ فرمایا اس آیت نے تمام مسلمانوں کو گھیر لیا ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو آئندہ سال ہر چرواہے کو اس کا حصہ وہاں پہنچے گا جہاں وہ اپنے ڈنگر چرا رہا ہے۔ یہ حصہ لینے میں اس کو کسی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ (تفسیر احمدیہ اور دیگر کتب) (1)

اس بحث کے آخر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ وہ اموال جن میں ائمہ اور حکام کو تصرف و مداخلت کا حق ہے ان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) جو اموال مسلمانوں کے دلوں اور ان کے اموال کو پاک کرنے کیلئے ان سے لیے جائیں جیسے زکوٰۃ، صدقات وغیرہ۔

(۲) وہ اموال جو کفار سے لڑائی کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوں انہیں غنائم کہا جاتا ہے۔

(۳) اموالِ فیٔ جو جنگ اور لشکر کشی کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہوں۔ ان میں یہ اموال بھی شامل ہیں:

ا: صلح سے جو سامان، مکانات اور اراضی کفار چھوڑ کر چلے جائیں جیسے اموال بنی نضیر۔

ب: جزیہ: جو اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا پر لگایا جاتا ہے۔ اور اس کے ادا کرنے کے بعد وہ جنگی خدمات سے مستثنیٰ قرار دیئے جاتے ہیں۔

ج: خراج، جو مفتوحہ (عنوۃً یا صلحاً) اراضی پر لگایا جاتا ہے۔

د: وہ کسٹم ڈیوٹی جو کافر تاجروں سے لی جاتی ہے جب وہ اسلامی ریاست میں داخل ہوتے ہیں۔

ہ: وہ مال و جائیداد جنہیں چھوڑ کر مشرکین بھاگ جائیں۔

و: وہ اموال جن کے کافر مالک مرجائیں اور اپنے پیچھے کوئی وارث چھوڑ کر نہ جائیں۔ (قرطبی جلد ۱۸ ص ۱۴) (2)

علامہ کاشانی نے چند اموال کا اور اضافہ کیا ہے:

ز: زرِ فدیہ، جو کسی علاقہ کے لوگوں نے جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں سے امان حاصل کرنے کے لیے ادا کرنا قبول کر لیا ہو۔

ح: وہ اراضی جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی۔ ط: سابق حکمران خاندانوں کی جاگیریں۔

ی: سابق حکومتوں کی املاک۔

ک: بنی تغلب کی زکوٰۃ۔ (بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۱۱۸-۱۱۶) (3)

ان اموال کے مصرف کے بارے میں امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام مالک کی رائے یہ ہے لَا يُخَمَّسُ بَلۡ جَمِيۡعُهٗ لِمَصَالِحِ الۡمُسۡلِمِيۡنَ كَسَدِّ الثُّغُوۡرِ وَ بِنَاءِ الۡقَنَاطِيۡرِ وَالۡجُسُوۡرِ وَيُعۡطِى الۡقُضَاةَ وَالۡمُحۡتَسِبِيۡنَ وَعُمَّالَهُمۡ وَعُلَمَاءَهُمۡ۔ كَذَا فِى الۡهِدَايَةِ۔ (مظہری ج ۹ ص ۲۴۹) (4)

1۔ تفسیراتِ احمدیہ، زیر آیت ہذا، ص 696

2۔ تفسیر قرطبی، جز 18، ص 14

3۔ بدائع الصنائع، ج 6، ص 89-88، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 249

ربع ع ۱ ۱۰ ۲

غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى

بغض اہلِ ایمان کے لیے اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف رحیم ہے ۲۲ کیا آپ نے منافقوں

الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہلِ کتاب

الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ

میں سے کہ اگر تمہیں (یہاں سے) نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات

اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

ہرگز نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل

یعنی ان اموال کا خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ تمام کے تمام عام مسلمانوں کی بہبود کے لیے خرچ کیے جائیں گے جس طرح سرحدوں کی حفاظت، پلوں کی تعمیر، قاضیوں، دیگر ملازمین اور ان کے ماتحتوں وغیرہ کی تنخواہیں۔

۲۲ یہ بعد میں آنے والے جنہیں اموالِ فیء کا حقدار بنایا گیا ہے، ان کے حصول میں ان کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔ یہ مہاجرین اور انصار کی قربانیوں کا پھل کھا رہے ہیں، اس لیے ان کا فرض ہے کہ ان کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

انسان کی بدبختی ہے کہ اپنی زندگی ان پاک ہستیوں کی غیبت میں ضائع کر دے جن کی تعریف و توصیف سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ عامر بن شرحبیل کا یہ قول بڑا عبرت آموز ہے۔ کہتے ہیں کہ رافضی، یہود و نصاریٰ سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔ اگر یہود سے پوچھا جائے کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل کون ہے تو وہ جواب دیں گے اصحابِ موسیٰ۔ عیسائیوں سے یہی سوال پوچھا جائے تو وہ کہیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری، لیکن اگر رافضیوں سے پوچھا جائے کہ مَنْ شَرُّ اَهْلِ مِلَّتِكُمْ تمہاری ملت سے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو یہ بدبخت کہیں گے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (1)

اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ ان کے لیے دعائیں مانگو، اپنے دلوں کو سابقہ مسلمانوں کے بغض سے پاک رکھو، لیکن رافضیوں کی زندگی کا مدعا یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان نفوسِ ذکیہ کے بارے میں نفرت و عناد پیدا کریں جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے نام پر قربان کر دیا تھا۔ استغفر اللہ العظیم۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ پچھلوں کو پہلوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔ اس سے ان کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور ان کے مدارج بلند ہوتے ہیں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص245

لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا

جھوٹ بول رہے ہیں۔ (سن لو!) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ۔ اور اگر ان سے جنگ کی گئی

لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫

تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر (جی کڑا کر کے) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی ٢٣

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

(اے فرزندانِ اسلام!) ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے۔ یہ اس لیے کہ

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ

وہ ناسمجھ لوگ ہیں ٢٤ (یہ بڑے بزدل ہیں) کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے۔ جنگ کریں گے تو قلعہ بند

اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ

بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر ٢٥ ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے تم انہیں متحد

٢٣ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنی نضیر کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی تھی، کسی وقت بھی جنگ چھڑ جانے کا امکان تھا، اس وقت وہاں کے منافقوں نے جن کے سرغنہ عبد اللہ ابن اُبیّ اور ابن نبتل تھے، کہلا بھیجا کہ مسلمانوں سے ڈرو نہیں، ان کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ۔ تم اکیلے نہیں ہو، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ ضرورت پڑی تو ہم دو ہزار مسلح بہادروں کا لشکر لے کر تمہارے ساتھ آملیں گے۔ تمہیں جلاوطن ہونے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کو ماننے سے صاف انکار کر دو۔ اگر مدینہ چھوڑنا ہی پڑا تو تم تنہا مدینہ نہیں چھوڑو گے ہم تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ یہ منافق جھوٹ بک رہے ہیں۔ اگر جنگ شروع ہوئی تو یہ ہرگز ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اگر بنی نضیر کو یہاں سے ملک بدر ہونا پڑا تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ بفرضِ محال اگر ان بزدلوں نے میدان میں آنے کی جسارت کی تو تمہیں دیکھتے ہی بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ بعینہٖ اسی طرح ہوا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔(1)

٢٤ اللہ تعالیٰ کے خوف سے تو ان کے دل خالی ہیں لیکن تمہاری ہیبت سے وہ تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے جو مالک اور قادر ہے لیکن یہ پرلے درجے کے بے وقوف ہیں۔

٢٥ اگر ان کے ساتھ کہیں جنگ کی نوبت آ جائے تو کھلے میدان میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی جرأت ہرگز نہیں کریں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 231

جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٤﴾ ج

خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں ؎٢٦ یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ ؎٢٧

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ج وَ

یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ اور

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٥﴾ ج كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ

ان کے لیے دردناک عذاب ہے ؎٢٨ منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے

اكْفُرْ ج فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

انکار کر دے۔ اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو

گے۔ اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر کوئی ایک آدھ تیر چلا دیں تو اور بات ہے۔ کھل کر مقابلہ کی ہمت ان دنیا پرستوں میں کہاں سے آئے گی۔ جرأت تو پیدا ہوتی ہے حق سے، زندگی سے موت اس وقت عزیز معلوم ہوتی ہے جب حق کے لیے مر مٹنے کا موقع آئے یا کوئی بلند نصب العین سامنے ہو۔ یہاں تو زیادہ سے زیادہ جیتے رہنے کے بغیر اور کوئی مقصد نہیں۔ یہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیسے میدان میں آ سکتے ہیں؟

؎٢٦ ان کی ایک اور پوشیدہ کمزوری سے مسلمانوں کو خبردار کر دیا کہ بظاہر تو یہ متفق اور متحد دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت ایسی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت کے بغیر ان کے سامنے کوئی قدرِ مشترک نہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا چراغ بجھ جائے۔ ان کے اقتدار، ان کے مادی مفادات کو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے جو خطرہ ہے وہ ٹل جائے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جو انہیں متحد رکھ سکے۔ ایک دوسرے کے خلاف ان کے دلوں میں حسد و عداوت کا جوالامکھی دہک رہا ہے۔

؎٢٧ اس کی وجہ بتادی کہ عقل و دانش سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

؎٢٨ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی مخالفت میں کمربستہ ہو جاتے ہیں ان کا انجام بڑا عبرتناک ہوتا ہے۔ ابھی ابھی بدر میں تم قریش کی نخوت کو پامال ہوتے دیکھ چکے ہو۔ بنی قینقاع کا جو حشر ہوا وہ تمہیں بھولا نہ ہوگا۔ تمہارے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا۔

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَاۤ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا ؕ

رب العالمین ہے ۲۹؎ پھر ان دونوں (شیطان اور اس کے چیلے) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔

وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ۲ ع ۷ ۵

اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے

وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ

اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ

ہے جو تم کرتے رہتے ہو ۳۰؎ اور (ان نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو

۲۹؎ شیطان کا یہ کام ہے کہ وہ پہلے دوست اور خیر خواہ کے رُوپ میں آتا ہے اور انسان جب اس کے جال میں پھنس جاتا ہے تو وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر رفو چکر ہو جاتا ہے۔ بدر کے موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ کئی لوگوں نے ابو جہل کو مشورہ دیا کہ جس قافلہ کی حفاظت کے لیے ہم گھر سے نکلے تھے وہ بخیرت مکہ پہنچ گیا ہے۔ اب اس لشکر کشی کا کوئی مقصد نہیں۔ ہمیں واپس چلے جانا چاہیے۔ لیکن شیطان ایک نجدی سردار کے لباس میں نمودار ہوا اور یہ کہہ کر انہیں اکسایا: لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ: ''آج کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا، میں تمہارا پُشت پناہ ہوں''۔ لیکن جب دونوں لشکر ٹکرائے تو یہ کہتا ہوا دُم دبا کر بھاگا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اے ابو جہل اور اس کے ساتھیو! میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے۔ (1)

شیطان کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے۔ یہی حالت ان منافقین اور بنی نضیر کی تھی۔ پہلے وہ بنی نضیر کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے لیکن وقت پر ان سے منہ پھیر لیا۔

۳۰؎ یہود کے غدر اور عہد شکنی کی سزا اور منافقین کے مکر و نفاق کے ذکر کے بعد اب ایمان والوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے اور انہیں نصیحت کی جاری ہے کہ اے فرزندانِ اسلام! تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ۔ ہوشیار! ایسی راہ پر قدم نہ اٹھے جس سے تمہارے رب نے تمہیں روکا ہے اور اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہو۔ نیز یہ بھی تاکید فرمائی کہ ہر شخص اپنا محاسبہ کرتا رہے کہ اس نے اپنی عاقبت کے لیے کیا ذخیرہ تیار کیا ہے۔ جو شخص آج کی خوشیوں میں یوں کھو جائے کہ اسے کل کا ہوش نہ رہے وہ دانا نہیں، نادان

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 42

اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسۡتَوِىۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ

خود فراموش بنادیا۔ یہی نافرمان لوگ ہیں ۳۱؎ یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی

وَاَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ؕ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۲۰﴾ لَوۡ اَنۡزَلۡنَا

اور اہلِ جنت۔ اہلِ جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں اگر ہم نے اتارا ہوتا

هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ

اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف

اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾

سے۔ اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور و فکر کریں ۳۲؎

ہے۔ تم ایسا نہ کرنا۔ تم اللہ تعالیٰ کے حبیب کے غلام ہو۔ قیامت کے روز تمہاری شان نرالی ہونی چاہیے۔ تمہاری زندگی کے گرد نور کا ہالہ ہو۔ اس نورانی ہالہ کے اندر تم چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہو، تب لطف ہے۔ دوبارہ پھر تقویٰ کی تاکید فرمادی اور بتادیا کہ تم جو کچھ کام کرتے ہو تمہارا خداوندِ ذوالجلال اس سے خوب باخبر ہے۔

۳۱؎ بڑی ہی اہم حقیقت کی طرف، بڑے ہی دل نشیں پیرایہ میں متوجہ کیا جا رہا ہے۔ بتایا جو خدا کو فراموش کر دیتا ہے وہ صرف خدا فراموش ہی نہیں ہوتا، وہ خود فراموش بھی بن جاتا ہے۔ اسے اپنے نفع و نقصان کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ کام اس کے لیے مفید ہوگا۔ اس کی فارغ البالی کا سبب بنے گا۔ اس کی عزت کو چار چاند لگائے گا۔ اس کے اقتدار کو استحکام بخشے گا۔ درحقیقت وہ کام اس کی ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ انسانی میں اس کی بیسیوں نہیں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل عام جاری کر رکھا تھا تاکہ کوئی ایسا بچہ جنم نہ لے سکے جو کل اس کے قصرِ اقتدار کو مسمار کر دے۔ لیکن یہی اقدام اس کی غیر مقبولیت کا سبب بنا۔ بنی اسرائیل بھی ہمیشہ کے لیے اس سے متنفر ہو گئے۔ اپنی قوم میں بھی اس کی حیثیت ایک ظالم قاتل کی ہو گئی۔ ابوجہل، ابولہب اس لیے اسلام میں داخل نہ ہوئے کہ ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ وہ اب قوم کے سردار ہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول کا غلام بن کر رہنا پڑے گا۔ ان کی یہی دانش مندی، ان کی بربادی کا باعث بن گئی۔ ہر جگہ آپ کو یہ کلیہ کارفرما نظر آئے گا کہ جو شخص خدا فراموش ہوتا ہے وہ خود فراموش بھی ہوتا ہے۔ اپنا خیر اندیش بھی وہی ہوتا ہے جو اپنے رب کے ذکر کی شمع کو روشن رکھتا ہے۔ کس عمدگی سے ذکر الٰہی کی ترغیب دلائی گئی ہے!

۳۲؎ یعنی پہاڑ کو اگر عقل و فہم عطا کیا جاتا اور پھر قرآن اس پر نازل کیا جاتا تو وہ اس کی ہیبت و جلال سے سرِ تسلیم خم کر دیتا اور ریزہ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ

اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۳۳ جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کا ۳۴ وہی

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ

بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں سب کا بادشاہ،

الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ

نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے ۳۵

ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ انسان جو ایک مشت خاک ہے اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسے کلام کے مواعظ میں غور نہ کرے اور اس چشمۂ فیض سے سیراب نہ ہو۔

۳۳ ان آخری آیات میں شرح و بسط کے ساتھ صفاتِ جلیلہ حمیدہ کاملہ کا بیان ہو رہا ہے۔ یعنی جس خداوند کی عبادت، اطاعت اور فرمانبرداری کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے وہ خدا کن کن صفاتِ کمال سے متصف ہے۔ سب سے پہلے اس کی شان توحید بیان کی گئی۔ وہی خدا ہے، وہی معبود ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں جو خدائی کے تخت پر جلوہ فرما سکے۔ کوئی ایسی ہستی ہے ہی نہیں جو عبادت و پرستش کے لائق ہو۔ اگر کسی چیز میں کوئی کمال یا کمالات پائے جاتے ہیں تو اس میں نقائص و عیوب کی بھی کمی نہیں۔ اگر کوئی اور نقص نہ ہو تو اس نقص سے تو اُس کے سوا کوئی بھی منزہ نہیں کہ وہ ممکن ہے۔ یعنی پہلے نہیں تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور پھر نہیں ہوگا۔

۳۴ صفت توحید بیان کرنے کے بعد اس کی صفت علم کا ذکر فرمایا کہ اس کا علم ادھورا اور ناقص نہیں بلکہ وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو تم سے چھپی ہوئی ہیں اور ان کو بھی جانتا ہے جو ظاہر ہیں۔ ماضی بھی اس کے سامنے ہے، مستقبل بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ رحمٰن و رحیم بھی ہے۔ اس کی رحمت بے انداز ہے۔ دنیا و آخرت میں اپنے اور بیگانے سب اس کے خوانِ نعمت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

۳۵ دیگر صفات بیان کرنے سے پہلے ایک بار پھر اس کی توحید کا ذکر کیا۔ یہاں جو اسمائے حُسنیٰ مذکور ہیں اختصار کے ساتھ ان کی لغوی تحقیق ملاحظہ فرمائیے۔

اَلْمَلِكُ: بادشاہ۔ جو چاہے کرے اور اس کے فعل پر کسی کو مجالِ اعتراض نہ ہو۔

اَلْقُدُّوْسُ: اَلْمُنَزَّهُ مِنْ كُلِّ نَقْصٍ وَّ الطَّاهِرُ مِنْ كُلِّ عَیْبٍ۔ جو ہر نقص سے منزہ اور ہر عیب سے پاک ہو۔

اَلسَّلٰمُ: اَیْ ذُوْ سَلَامَةٍ مِّنَ النَّقَائِصِ۔ یعنی ہر قسم کی خامیوں سے محفوظ (1)۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 46-45

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ

پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں ۳۶ وہی اللہ سب کا خالق، سب کو پیدا کرنے والا ۳۷ سب کی مناسب صورت بنانے والا ہے ۳۸ ساری

بندوں کو آلام و مصائب سے بچاتا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ: اَیِ الْمُصَدِّقُ لِرُسُلِهٖ بِاِظْهَارِ مُعْجِزَاتِهٖ عَلَیْهِمْ (1)۔ اپنے انبیاء سے معجزات کا اظہار کر کے ان کی رسالت کی تصدیق فرماتا ہے یا اپنے دوستوں کو عذاب سے امن دیتا ہے۔

اَلْمُهَیْمِنُ: الشَّاهِدُ۔ گواہ۔ اور اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی کو خوف سے امان دے۔ اس کا اصل اٰاَمَنَ فَهُوَ مُؤَاْمِنٌ ہے۔ دوسرا ہمزہ ''یا'' سے اور پہلا ہمزہ ''ہ'' سے بدل دیا گیا، اس طرح مُهَیْمِنٌ بن گیا۔ (الصحاح) (2)

اَلْعَزِیْزُ: زبردست، سب پر غالب۔

اَلْجَبَّارُ: اَلْمُصْلِحُ اُمُوْرَ خَلْقِهِ الْمُتَصَرِّفُ فِیْهِمْ بِمَا فِیْهِ صَلَاحُهُمْ (3)۔ یعنی اپنی مخلوقات کے امور کو درست کرنے والا اور ان میں ایسا تصرف کرنے والا جس میں ان کی فلاح اور بہبود ہوتی ہے۔ اس صورت میں یہ جبر سے مشتق ہوگا جس کا معنی اصلاح ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی پر پٹی باندھ کر اسے درست کرنے کو بھی جبر کہتے ہیں۔ جَبَرْتُ الْعَظْمَ فَانْجَبَرَ (4)۔ اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ جس کی سطوت کو برداشت نہ کیا جا سکے۔ اَلَّذِیْ لَا تُطَاقُ سَطْوَتُهٗ (5)۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَهُوَ الْعَظِیْمُ۔ (6)

اَلْمُتَكَبِّرُ: جس کی عظمت و کبریائی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے متکبر ہونا صفت ہے لیکن مخلوق کے لیے یہ مذمت کا سبب ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: فِی الصَّحِیْحِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْمَا یَرْوِیْهِ عَنْ رَّبِّهٖ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اَنَّهٗ قَالَ الْكِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِیْ وَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا قَصَمْتُهٗ وَقَذَفْتُهٗ فِی النَّارِ (7)۔

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے۔ جو ان کو اوڑھنے کی کوشش کرے گا میں اس کی کمر توڑ دوں گا اور اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا''۔

۳۶ یعنی اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو ان صفات و کمالات سے متصف ہے۔ جن کو ان احمقوں نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے کیا ان میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں یا ان میں سے کوئی ایک خوبی پائی جاتی ہے؟ جب ان کمالات کا ان میں شائبہ تک نہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا کتنی بڑی حماقت ہے! اس لیے آخر میں فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان معبودان باطل سے پاک ہے جنہیں یہ نادان اس کا شریک بناتے ہیں۔

۳۷ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔

خَالِقٌ: اندازہ کرنے والا اور بَارِئٌ اس اندازے اور تجویز کو عملی جامہ پہنانے والا (8)۔ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 46
2۔ الصحاح، ج 6، ص 18-2217
3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 343
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 63
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 47
6۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 63
7۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 47
8۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 64

الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع ۳ ۷ ۶

خوبصورت نام اسی کے ہیں۔ اس کی تسبیح کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ۳۹ اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے ۴۰

ہر چیز کا منصوبہ بھی بناتا ہے، تجویز بھی کرتا ہے، اندازے بھی مقرر کرتا ہے۔ اس لیے وہ خالق ہوا اور ان اندازوں کے مطابق انہیں پیدا بھی کرتا ہے اس لیے وہ باریٔ بھی ہوا۔

۳۸ **اَلْمُصَوِّرُ**: تصویر بنانے والا۔ یعنی جس طرح چاہتا ہے اس قسم کی شکل عطا فرما دیتا ہے (1)۔ کسی کو خوبصورت، کسی کو بد صورت، کسی کو کیسے، کسی کو کیسے۔ انگنت انسان ہیں لیکن کسی کی شکل کسی کے ساتھ ہو بہو نہیں ملتی۔ ہر پیدا ہونے والے انسان کے لیے الگ نقشہ، علیحدہ علیحدہ خدوخال بنا دینا اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

۳۹ یہاں اس کے خوبصورت اور پیارے ناموں میں سے چند اسماء ذکر کیے گئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سارے خوبصورت نام اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ ہر چیز اسی کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔

۴۰ وہی عزیز ہے وہی حکیم ہے۔ قوت وحکمت کا یہ امتزاج کتنا حسین اور معنی خیز ہے۔

يَا مَنْ لَّهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَلَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَ نُوْرَ صَدْرِيْ وَ جِلَاءَ حُزْنِيْ وَ ذِهَابَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِيْ وَ مَوْلَائِيْ وَحَبِيْبِيْ وَقُرَّةِ عَيْنِيْ وَ رَاحَةِ خَاطِرِيْ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 64

تعارف سُورۃ المُمتحنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام: اس سورت کا نام اس کی آیت نمبر ۱۰ کے کلمہ فَامْتَحِنُوْهُنَّ سے ماخوذ ہے۔ اسے مُمْتَحِنَہ اور مُمْتَحَنَہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا امتحان لینے والی سورت، اور دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا وہ عورت جس کا امتحان لیا گیا ہے۔ یہ دو رکوعوں، تیرہ آیتوں، تین سو اڑتالیس کلمات اور ایک ہزار پانچ سو دس حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول: اس سورت میں جو واقعات مذکور ہیں اُن سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صُلح حدیبیہ اور فتح مکّہ کے درمیانی عرصہ میں یہ سورت نازل ہوئی۔

مضامین: حضور سرورِ عالم ﷺ جب کسی مہم پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اس کو صیغۂ راز میں رکھتے تاکہ دشمن قبل از وقت مطلع ہو کر اپنے دفاع کی تیاری مکمّل نہ کر لے۔ اذنِ الٰہی کے مطابق جب فتحِ مکّہ کے لیے تیاری شروع کی گئی تو حسبِ معمول نہایت رازداری سے کام لیا گیا تاکہ کفارِ مکہ اس منصوبہ پر آگاہ ہو کر کوئی جوابی کارروائی نہ کر سکیں۔ حضرت حاطب ابنِ ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سنگین غلطی سرزد ہوئی۔ ان کے بال بچے مکہ میں تھے۔ وہاں اُن کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار نہ تھا جو اُن کا پرسانِ حال ہوتا۔ انہوں نے خفیہ طور پر مکّہ کے ایک سردار کو خط لکھا اور حضور ﷺ کے اس ارادہ سے اُسے آگاہ کیا تاکہ وہ اس احسان کے بدلے اُن کے بال بچے کا خیال رکھے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ تو آیات کی تشریح کے ضمن میں آئے گا۔ یہاں فقط اتنا اشارہ کرنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو سخت تنبیہ فرمادی کہ ایمان لانے کے بعد کفار کے ساتھ تمہارا یارانہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے۔ تم اپنی صاف دلی کے باعث انہیں بھی اپنے جیسا خیال کرتے ہو، حالانکہ کُفر نے ان کو ان صفات عالیہ سے محروم کر دیا ہے جن کی تم اُن سے توقع رکھتے ہو۔ ان کے سینوں میں تمہارے خلاف بغض و عناد کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اگر تم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو تم خود بھی زک اٹھاؤ گے اور مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا کر دو گے۔ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تم پر ذرّہ برابر رحم نہیں کریں گے، اور ہر ممکن ذریعہ سے تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔ جب اُن کے قریبی رشتہ داروں نے اُن کی دعوتِ توحید کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے اُن سے مکمل بائیکاٹ کر دیا۔ تمہیں بھی چاہیے کہ اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرو۔

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت کر دی گئی کہ یہ قطع تعلق فقط اُن کفّار کے ساتھ ہے جو تم سے برسرِ پیکار ہیں۔ جنہوں نے تمہیں جلا وطن کر دیا ہے لیکن جو کافر تمہارے خلاف جارحیت کے مرتکب نہیں ہیں اُن سے ایسے مکمل بائیکاٹ کا حکم نہیں دیا جا رہا۔ صلح

حدیبیہ کے بعد ایک نئی صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ معاہدہ صلح میں یہ تو طے پایا تھا کہ اگر کوئی مسلمان مرد آج کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن عورتوں کے بارے میں کوئی صراحت نہ تھی۔

صلحِ حدیبیہ کے بعد کئی عورتیں جو مسلمان ہو چکی تھیں وہ اپنے کافر شوہروں کو مکہ میں چھوڑ کر مدینہ طیبہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ شرائط صلح کی رُو سے کیا انہیں بھی واپس کر دینا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب کوئی عورت ہجرت کر کے تمہارے پاس آجائے تو تم اس کے ایمان کا جائزہ لو۔ اگر وہ سچے دل سے ایمان لائی ہو تو اسے مت واپس کرو۔ کیونکہ آج سے کوئی مومن عورت کسی مُشرِک کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح کئی مسلمان مرد اپنی کافر بیویاں مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ ان کے بارے میں بھی بتا دیا کہ کافر عورتیں بھی مسلمانوں کے عقد نکاح میں باقی نہیں رہیں گی۔ وہ اب آزاد ہیں جس سے چاہیں شادی رچائیں۔ ان کے بارے میں تفصیلی احکام آیات کی تشریح کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

مکہ مکرمہ فتح ہونے والا تھا۔ وہ دن طلوع ہونے کے قریب تھا جب مَردوں کی طرح عورتیں گروہ در گروہ اسلام قبول کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو قبل از وقت بتا دیا کہ جب مشرک عورتیں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوں تو اِن اُمور پر ان کی بیعت لی جائے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۳-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورة الممتحنہ مدنی ہے اور اس میں ۱۳ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ

اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) جگری دوست [1]

---

[1] ان آیات کی شانِ نزول حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کے جامع الفاظ میں سماعت فرمایئے:

بنی ہاشم کے خاندان کی ایک باندی سارہ مدینہ طیبہ میں سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی جبکہ حضورؐ فتح مکہ کا سامان فرما رہے تھے۔ حضور نے اسے فرمایا: کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا ہجرت کر کے آئی ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: پھر کیوں آئی ہے؟ اس نے کہا: محتاجی سے تنگ ہو کر۔ بنی عبد المطلب نے اس کی امداد کی۔ کپڑے پہنائے۔ سامان دیا۔ حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ملے۔ اس کو دس دینار دیئے۔ ایک چادر دی اور ایک خط اہل مکہ کے پاس اس کی معرفت بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تم پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تم سے اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے کر لو۔ سارہ یہ خط لے کر روانہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو اس کی خبر دی۔ حضورؐ نے اپنے چند اصحابؓ کو جن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے گھوڑوں پر روانہ کیا اور فرمایا: مقامِ روضہ خاخ پر تمہیں ایک مسافر عورت ملے گی۔ اس کے پاس حاطب ابن ابی بلتعہ کا خط ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا ہے۔ وہ خط اس سے لے لو اور اس کو چھوڑ دو۔ اگر انکار کرے تو اس کی گردن مار دو۔ یہ حضرات روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس سے خط مانگا۔ وہ انکار کر گئی اور قسم کھا گئی۔ صحابہؓ نے واپسی کا قصد کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقسم کہا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خبر خلاف واقعہ ہو ہی نہیں سکتی اور تلوار کھینچ کر عورت سے فرمایا یا خط نکال یا گردن رکھ۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت بالکل آمادۂ قتل ہیں تو اپنے جوڑے میں سے خط نکالا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اے حاطب! اس کا کیا باعث ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں جب سے ایمان لے آیا کبھی مَیں نے کفر نہیں کیا اور جب سے حضور کی نیازمندی میسّر آئی کبھی حضور کی خیانت نہیں کی اور جب سے اہل مکہ کو چھوڑا کبھی ان کی محبّت نہ آئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا تھا اور ان کی قوم سے نہ تھا۔ میرے ساتھ اور جو مہاجرین ہیں ان کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے گھر بار کی نگرانی کرتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر والوں کا اندیشہ تھا اس لیے مَیں نے یہ چاہا کہ اہل مکہ پر کچھ احسان رکھ دوں تا کہ

وہ میرے گھر والوں کو نہ ستائیں اور یہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ پر عذاب نازل فرمانے والا ہے۔ میرا یہ خط انہیں بچا نہ سکے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور ان کی تصدیق کی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن ماردوں۔ حضورؐ نے فرمایا: اے عمر! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ خبردار ہے جب ہی اس نے اہل بدر کے حق میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کے آنسو جاری ہوگئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ (خزائن العرفان)(1)

اگرچہ یہ آیتیں حضرت حاطبؓ کے متعلق نازل ہوئیں لیکن ان میں روئے سخن صرف انہی کی طرف نہیں بلکہ ساری ملت اسلامیہ کو مخاطب بنایا گیا ہے سب کو نصیحت کی جارہی ہے اور ایسی غلطی کے ارتکاب سے روکا جارہا ہے جس سے اسلام اور اہل اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔

اس آیت کے ضمن میں قاضی ابن عربی الاندلسی نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں چند فقہی مسائل لکھے ہیں جن کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱۔ اگر کوئی مسلمان اسلامی حکومت کے سربستہ راز دشمن تک پہنچائے تو اس کا یہ فعل اگرچہ سنگین جرم اور کبیرہ گناہ ہے لیکن وہ اس سے دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوجاتا۔ بشرطیکہ اس کے ایمان میں کوئی تزلزل نہ ہو۔ اگر اس طرح کفر لازم آتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت حاطبؓ کو از سر نو مسلمان ہونے کا حکم فرماتے۔

۲۔ کیا ایسا مسلمان واجب القتل ہے؟ امام مالکؒ، ابن قاسم اور اشہب فرماتے ہیں کہ امام جو سزا اسے مناسب سمجھے دے سکتا ہے۔ عبدالملک کہتے ہیں کہ اگر یہ چیز اس کی عادت بن جائے تو اسے قتل کردیا جائے گا کیونکہ وہ جاسوس ہے اور امام مالک جاسوس کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اس نے مسلمانوں کو ضرر پہنچایا اور ملک میں فتنہ وفساد برپا کیا۔ وَهُوَ صَحِيْحٌ لِاِضْرَارِهٖ بِالْمُسْلِمِيْنَ وَسَعْيِهٖ بِالْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ۔

حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ غلطی صرف ایک بار صادر ہوئی تھی اس لیے معاف کردیا گیا۔

۳۔ اگر جاسوس کافر ہو تو امام اوزاعی کہتے ہیں کہ ذمّی کافر نے جاسوسی کر کے اپنا معاہدہ توڑ دیا اور حربی جاسوس کو قتل کرنا جائز ہے۔ مسلمان اور ذمی جاسوس کو سخت سزا دی جائے گی لیکن اگر وہ بار بار ایسا کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف دشمن کی مدد کریں گے تو انہیں بھی قتل کی سزا دی جاسکتی ہے۔ (2)

یہاں سے ایک اور مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے جس کی آج کل اشد ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی شخص پر وطن دشمنی کا یا کوئی اور الزام عائد کیا جائے تو ایسے شخص کو اس وقت تک سزا نہیں دی جاسکتی جب تک اس کی تحقیق نہ کرلی جائے اور ملزم کو اپنی صفائی کا موقع نہ دیا جائے۔ محض الزام اور شک پر کسی کو سزا دینا اسلامی قانون میں ہرگز جائز نہیں۔ جب حضرت حاطبؓ کا خط پکڑا گیا تو انہیں صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا اور ان کے اس بیان کو بھی جس کی تائید دیگر قرائن وشواہد سے ہورہی تھی، تسلیم کرلیا گیا۔

حضرت حاطبؓ جن سے یہ جرم سرزد ہوا تھا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو اس کی ابتدا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے کی

1۔ خزائن العرفان، ص 88-987

2۔ احکام القرآن از ابن عربی، ج 4، ص 84-1783۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 18، ص 53-52

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ج

تم تو اظہارِ محبت کرتے ہو ان سے ۲؎ حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ط اِنْ

انہوں نے نکالا ہے رسولِ (مکرم) کو اور تمہیں بھی (مکہ سے)، محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر

گئی۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنی تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی کہ ان کی اس غلطی کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی فہرست سے خارج نہیں کر دیا گیا۔ صرف سرزنش اور عتاب پر اکتفا کیا گیا ہے اور عتاب اسی کو کیا جاتا ہے جس سے محبت ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

اُعَاتِبُ ذَا الْمَوَدَّةِ مِنْ صَدِيْقٍ   اِذَا مَا رَابَنِیْ مِنْهُ اجْتِنَابُ
اِذَا ذَهَبَ الْعِتَابُ فَلَيْسَ وُدٌّ   وَيَبْقَى الْوُدُّ مَا بَقِیَ الْعِتَابُ (1)

یعنی "میں اس دوست کو ہی عتاب کرتا ہوں جس سے محبت ہو جب مجھے یہ شک گزرے کہ وہ مجھ سے اجتناب کر رہا ہے۔ جہاں عتاب نہ ہو وہاں محبت نہیں ہوتی۔ جب تک عتاب کا سلسلہ باقی ہے محبت بھی باقی ہے۔

اس آیت میں چند فقرے اور چند الفاظ توجہ طلب ہیں:

عدوّ اگرچہ واحد ہے لیکن اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ زمخشری کہتے ہیں: وَالْعَدُوُّ: فَعُوْلٌ مِنْ عَدَا كَعَفُوٍّ مِّنْ عَفَا وَلِكَوْنِهٖ عَلٰى زِنَةِ الْمَصْدَرِ اُوْقِعَ عَلَى الْجَمْعِ اِيْقَاعَهٗ عَلَى الْوَاحِدِ (2)۔ (کشاف) یعنی یہ مصدر کے وزن پر ہے اس لیے یہ جمع اور واحد دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

۲؎ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ کا مفہوم کیا ہے اور کلام سابق سے اس کا ربط کیا ہے؟

ربط کے بارے میں تین قول ہیں: (۱) لَا تَتَّخِذُوْا کی ضمیر کا حال ہے۔ (۲) اَوْلِيَآءَ کی صفت ہے۔ (۳) یہ کلام مستانف ہے، یہ نیا جملہ ہے، پہلے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

بِالْمَوَدَّةِ کی باء زائدہ برائے تعقیب بھی ہو سکتی ہے اور ثابتہ بھی ہو سکتی ہے۔

پہلی صورت میں اِلْقَاءُ بِالْمَوَدَّةِ کا معنی اِظْهَارُ الْمَوَدَّةِ ہوگا (3)۔ (روح المعانی) یعنی تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو۔ دوسری صورت میں یہ باء تعدیہ کے لیے ہوگی اور مودۃ، تلقون کا مفعول ہوگا۔ اس کا معنی وہی ہوگا جو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اور اگر باء سببیت کے لیے ہے تو اس وقت تلقون کا مفعول محذوف ماننا پڑے گا۔ عبارت یہ ہوگی۔ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ اَخْبَارَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبَبِ الْمَوَدَّةِ الَّتِیْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ (4) (کشاف) یہاں القاء، ارسال کے معنی میں ہوگا۔ یعنی تم

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 18، ص 54
2۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 512
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 66
4۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 512

كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ

تم جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے (تو انہیں دوست مت بناؤ) ۳

تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ

تم بڑی رازداری سے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو ۴ حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو

اَعْلَنْتُمْ ۗ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

تم نے ظاہر کیا۔ اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہِ راست سے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خبریں ان کافروں کو بھیجتے ہو اس محبت کی وجہ سے جو تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ہے۔

۳ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ الخ یہ شرط ہے۔ اس کی جزا محذوف ہے اور کلام سابق لَا تَتَّخِذُوْا اس پر دلالت کرتا ہے (1)۔ یعنی اگر تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلے ہو اور اس کی رضا کے طلب گار ہو تو کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

۴ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ الخ یہ تلقون سے بدل بھی ہوسکتا ہے، لیکن مناسب یہ ہے کہ اس کو کلام مستانف بنایا جائے۔ اس کے دونوں مفہوم ہوسکتے ہیں: اَیْ تُفْضُوْنَ اِلَيْهِمْ بِمَوَدَّتِكُمْ سِرًّا۔ یعنی تم انہیں اپنی محبت اور دوستی کا چپکے چپکے یقین دلاتے ہو۔

دوسرا مفہوم یہ ہے: تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ اَسْرَارَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِسَبَبِ الْمَوَدَّةِ (2) (کشاف) کہ تم باہمی دوستی کی وجہ سے حضور کے راز ان تک پہنچاتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہاری ساری حرکتوں کو خوب جانتا ہے۔ تم لاکھ چھپانے کی کوشش کرو اس علیم وخبیر سے نہیں چھپا سکتے۔

آیت کا خلاصہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اے ایمان والو! جو لوگ میرے دین کے دشمن ہیں اور جو لوگ تمہارے بھی بدخواہ ہیں ان کو اپنا دوست مت بناؤ۔ تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو، حالانکہ وہ اس دین حق کا انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس اللہ کا رسول لے کر آیا ہے۔ اور ان کی عداوت کی اس سے بڑی روشن دلیل تمہیں اور کیا چاہیے کہ انہوں نے اللہ کے محبوب رسولؐ کو بھی مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور تمہیں بھی جلاوطن کر دیا؟ تم نے ان کا کوئی قصور نہیں کیا تھا۔ تم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ ان کی نظروں میں تمہارا اللہ پر ایمان لانا ایک ایسا گناہ ہے جو قابل عفو نہیں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے میدان میں آئے ہو اور اس کی خوشنودی کے جویا ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ تم انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ تم میں سے بعض لوگ خفیہ طور پر کفار کو اپنی دوستی اور خیر خواہی کا یقین دلاتے ہیں۔ کیا انہیں یہ بات بھول جاتی ہے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے اور اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی اور ظاہر ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں میں سے اگر کسی نے

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 512

2۔ ایضاً

كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ ق

تم جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے (تو انہیں دوست مت بناؤ) ۳

تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ ق وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ

تم بڑی رازداری سے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو ۴ حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو

اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

تم نے ظاہر کیا۔ اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہِ راست سے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبریں ان کافروں کو بھیجتے ہو اس محبت کی وجہ سے جو تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ہے۔

۳ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ الخ یہ شرط ہے۔ اس کی جزا محذوف ہے اور کلام سابق لَا تَتَّخِذُوْا اس پر دلالت کرتا ہے (1)۔ یعنی اگر تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلے ہو اور اس کی رضا کے طلب گار ہو تو کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

۴ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ الخ یہ تلقون سے بدل بھی ہو سکتا ہے، لیکن مناسب یہ ہے کہ اس کو کلام مستانف بنایا جائے۔ اس کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں: اَيْ تُفْضُوْنَ اِلَيْهِمْ بِمَوَدَّتِكُمْ سِرًّا۔ یعنی تم انہیں اپنی محبت اور دوستی کا چپکے چپکے یقین دلاتے ہو۔

دوسرا مفہوم یہ ہے: تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ اَسْرَارَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِسَبَبِ الْمَوَدَّةِ (2) (کشاف) کہ تم باہمی دوستی کی وجہ سے حضور کے راز ان تک پہنچاتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہاری ساری حرکتوں کو خوب جانتا ہے۔ تم لاکھ چھپانے کی کوشش کرو اس علیم و خبیر سے نہیں چھپا سکتے۔

آیت کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اے ایمان والو! جو لوگ میرے دین کے دشمن ہیں اور جو لوگ تمہارے بھی بدخواہ ہیں ان کو اپنا دوست مت بناؤ۔ تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو، حالانکہ وہ اس دین حق کا انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس اللہ کا رسول لے کر آیا ہے۔ اور ان کی عداوت کی اس سے بڑی روشن دلیل تمہیں اور کیا چاہیے کہ انہوں نے اللہ کے محبوب رسول کو بھی مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور تمہیں بھی جلاوطن کر دیا؟ تم نے ان کا کوئی قصور نہیں کیا تھا۔ تم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ ان کی نظروں میں تمہارا اللہ پر ایمان لانا ایک ایسا گناہ ہے جو قابل عفو نہیں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے میدان میں آئے ہو اور اس کی خوشنودی کے جویا ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ تم انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ تم میں سے بعض لوگ خفیہ طور پر کفار کو اپنی دوستی اور خیر خواہی کا یقین دلاتے ہیں۔ کیا انہیں یہ بات بھول جاتی ہے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے اور اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی اور ظاہر ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں میں سے اگر کسی نے

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج4، ص512

2۔ ایضاً

إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ

اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ

وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ

اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم (ان کی طرح) کافر بن جاؤ ۵ نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار

وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا

اور نہ تمہاری اولاد روزِ قیامت ۔ اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان۔ اور اللہ تعالیٰ جو

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ③ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ

تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے ۶ بے شک تمہارے لیے خوب صورت نمونہ ہے ابراہیم

معانقة ١٧ السلام والوقف على القيمة ١٢

ایسی غلطی کی تو وہ راہِ راست سے بھٹک گیا اور اپنی منزل سے بہک گیا۔

۵ علامہ آلوسی کہتے ہیں إِنْ يَثْقَفُوكُمْ أَيْ إِنْ يَظْفَرُوا بِكُمْ (1)۔ یعنی اگر وہ تم پر غالب آجائیں اور تم پر قابو پالیں۔

اس آیت میں حاطب ؓ اور ان کی روش اختیار کرنے والوں کو بتایا جارہا ہے کہ اگر یہ کفار تم پر غالب آجائیں اور تم پر قابو پالیں تو ایسی عداوت اور بربریت کا مظاہرہ کریں کہ تمہیں ہوش آجائے۔ وہ ہاتھوں سے تمہیں تہ تیغ کرنے میں دریغ نہ کریں گے اور زبان سے تم پر گالیوں کی بُوچھاڑ کریں گے۔ تم پر طرح طرح کے بہتان تراشیں گے۔ تم سادہ لوح لوگ ہو۔ ان کے دلوں میں تو تمہارے لیے عداوت وحسد کا آتش فشاں دہک رہا ہے اور تمہیں خبر تک نہیں۔ وہ صرف تمہارے مال اور تمہاری جان کے دشمن نہیں، ان کا بس چلے تو آنکھ جھپکنے میں تمہارے ایمان کی متاعِ عزیز کو تاخت وتاراج کر ڈالیں۔ تمہارے ایمان کے چراغ کو گل کر دیں اور پھر گھپ اندھیروں میں تمہیں تا ابد ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیں۔ جان، مال، آبرو اور ایمان کے دشمنوں کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ بندۂ مومن کو تو ایسے دشمنوں سے ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیے۔

۶ حضرت حاطب ؓ کو بال بچے کی محبت نے اس حرکت پر اکسایا تھا۔ بتادیا کہ قیامت کے دن یہ رشتہ دار اور اولاد کسی کام نہ آئے گی۔ ہر شخص کو اپنے کفر کی سزا خود بھگتنی پڑے گی۔ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ تم ایک دوسرے سے بھاگنے میں اپنی سلامتی سمجھو گے۔ اسی چیز کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا گیا:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ ۔(2)

یعنی اس دن انسان بھاگے گا اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 68

2۔ سورۂ عبس: 34 تا 36

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا

اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں جب انہوں نے (برملا) کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ

سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں ۷ اور ہمارے اور تمہارے درمیان

الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا

ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر ۸ مگر

۷ اپنے قریبی رشتہ داروں سے، اپنے بیوی بچوں سے قطع تعلق کوئی آسان کام نہیں لیکن ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہو تو ایمان کو بچانے کے لیے ماں باپ سے، بہن بھائی سے، بیوی بچوں سے بھی اگر قطع تعلق کر لینا پڑے تو ذرا نہ گھبراؤ، سارے رشتے توڑ دو، سارے بندھن کاٹ ڈالو جو تمہارے ایمان میں رخنہ اندازی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے وفا شعار امتیوں اور ساتھیوں کی مثال پیش کی کہ دیکھو انہوں نے اپنے خداوند کریم کو راضی کرنے کے لیے کس طرح ان تعلقات کو پس پُشت ڈال دیا اور کس جوش سے برملا اعلان کر دیا کہ ہمارا اور تمہارا اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ ہمارا تمہارے معبودوں سے بھی کوئی سروکار نہیں۔ بے شک حکومت و اقتدار تمہارے پاس ہے، جاگیریں اور زمینیں تمہارے قبضہ میں ہیں اور دولت و ثروت کے انبار تمہارے ہاں لگے ہیں لیکن تمہاری حیثیت ہماری نظروں میں خس و خاشاک سے بھی کم ہے۔ ہمیں تمہاری اور تمہارے جاہ و جلال کی ذرا پروا نہیں۔

یہاں كَفَرْنَا بِكُمْ کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہم تمہارے بھی منکر ہیں اور تمہارے خداؤں کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے وہ طاغوت سے کفر ضرور کرتا ہے۔ اسے معبودان باطل کا انکار ضرور کرنا پڑتا ہے۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (1)۔ یعنی جو شخص طاغوت سے انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اس نے درحقیقت مضبوط سہارا پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔

لیکن كَفَرْنَا بِكُمْ کا ایک دوسرا مفہوم بھی علمائے تفسیر نے ذکر کیا ہے۔ علامہ آلوسی کی عبارت ملاحظہ ہو: وَالْكُفْرُ بِذٰلِكَ مَجَازٌ اَوْ كِنَايَةٌ عَنْ عَدَمِ الْاِعْتِدَادِ فَكَاَنَّهٗ قِيْلَ اِنَّا لَا نَعْتَدُّ بِشَانِكُمْ وَلَا بِشَانِ اٰلِهَتِكُمْ وَمَا اَنْتُمْ عِنْدَنَا عَلٰى شَيْءٍ۔ (2)

یعنی بطور مجاز یا کنایہ کفر سے مراد یہاں عدم اعتداد ہے (پروا نہ کرنا) گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم نہ تمہیں خاطر میں لاتے ہیں اور نہ تمہارے خداؤں کی پروا کرتے ہیں۔ ہماری نگاہوں میں تمہاری ذرہ بھر کوئی وقعت نہیں۔

۸ ابراہیمؑ اور آپ کے ساتھیوں نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ اے ہماری قوم کے کافرو! خونی رشتے، قریبی تعلقات،

1۔ سورۃ البقرہ: 256

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 70

قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ

ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اور میں مالک نہیں ہوں

مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ

تمہارے لیے اللہ کے سامنے کسی نفع کا ۹ (پھر کہا) اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف

الْمَصِيْرُ ﴿٤﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا

ہی ہمیں پلٹ کر آنا ہے ۱۰ اے ہمارے رب! ہمیں نہ بنا دے فتنہ کافروں کے لیے اور ہمیں بخش دے

رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٥﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ

اے ہمارے رب! بے شک تو ہی عزت والا (اور) حکمت والا ہے ۱۱ بے شک تمہارے لیے ان میں خوبصورت

سابقہ دوستیاں، بھائی چارے ہم ان سب کو یک قلم منسوخ کرتے ہیں۔ جب تک تم کفر سے باز نہیں آؤ گے ہم تمہارے دشمن رہیں گے۔ تمہیں نیچا دکھانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے۔ ہم سے اب پہلے پیار اور محبت کی توقع عبث ہے۔ اگر تم راہ راست پر آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر لو تو ہم دوبارہ شیر وشکر ہو جائیں گے۔

۹ پہلے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اور ان کا طرز عمل تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس کی تمہیں اقتدا کرنی چاہیے۔ یہاں سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایک بات ایسی ہے جس کی تمہیں اقتدا نہیں کرنی چاہیے۔ وہ یہ کہ انہوں نے اپنے کافر باپ کی مغفرت کے لیے دعا مانگی۔ تمہیں ایسا کرنا جائز نہیں۔ آپ نے بھی اپنے باپ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تو شرک سے باز نہ آیا تو میں تیرا کچھ بھلا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اَیْ مَا اَدْفَعُ عَنْكَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَشْرَكْتَ بِهٖ۔ (قرطبی)(1)

۱۰ حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے قطع تعلق کرنے کے بعد اللہ عزوجل کی جناب میں دست دعا پھیلائے اور عرض کیا کہ الٰہی! ہم نے سارے سہارے ختم کر دیئے۔ اب ہمارا بھروسہ صرف تیری ذات پر ہے۔ دنیا بھر سے منہ موڑ کر ہم نے اپنا رُخ اب تیری طرف کر لیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم نے ایک روز تیرے پاس لوٹ کر آنا ہے۔

۱۱ حضرت ابن عباسؓ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اے اللہ! کفار کو ہم پر مسلّط نہ فرما۔ اَیْ لَا تُسَلِّطْهُمْ عَلَيْنَا قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَالْفِتْنَةُ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْمَفْتُوْنِ(2)۔ اس صورت میں فتنہ جو مصدر ہے اسم مفعول کے معنی میں ہوگا۔ اس فتنہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کفار غالب آجائیں اور ان کا یہ غلبہ تمہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کر دے کہ وہ حق پر ہیں اس لیے ان کو فتح نصیب ہوئی ہے۔ کفر وشرک اور فسق وفجور جس پر وہ کاربند ہیں یہی حق اور سچ ہے۔ نیز کفر کے غلبہ سے اس فتنہ کا بھی اندیشہ ہے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 57

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 73

اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ

نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور روزِ قیامت کا امیدوار ہے۔ اور جو

۱ ع ۷ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۶ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ

روگردانی کرے (اس سے) تو بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا ۱۲ یقیناً اللہ پیدا فرما دے گا

بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ

تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم (اس کی رضا کے لیے) دشمنی رکھتے ہو محبت۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔

وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۷ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۱۳ اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے

کہ بعض ضعیف الایمان لوگ اس کو اسلام کے باطل ہونے کی دلیل نہ بنالیں اور یوں مرتد نہ ہو جائیں اور یہ بھی فتنہ ہے کہ مسلمان کسی عذاب اور تکلیف سے دل برداشتہ ہو کر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جو اسلام کے اجلے دامن پر ایک بدنما داغ بن جائے۔ الغرض قرآن کے یہ الفاظ اتنے جامع ہیں کہ فتنہ کی جتنی امکانی شکلیں ہیں ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور جب بندۂ مومن ان کلمات سے اپنے رب کے حضور دعا مانگتا ہے تو وہ گویا اپنے آپ کو اور دوسرے لوگوں کو گوناگوں فتنوں سے بچانے کے لیے التجا کر رہا ہوتا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے ضیاء القرآن جلد دوم سورۂ یونس آیت ۸۵)

۱۲ اس پاکیزہ اور بہترین نمونہ سے وہی استفادہ کر سکتا ہے جو یہ تسلیم کرتا ہے کہ قیامت کا دن آئے گا اور اسے اس کی قبر سے اٹھا کر عالم الغیب والشہادہ کی بارگاہ میں پیش کر دیا جائے گا، جہاں اس سے گزشتہ زندگی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔ وہی ایسے نمونوں کی قدر کرتا ہے، وہی ان پاکبازوں کے نقشِ قدم کو خضرِ راہ بناتا ہے۔

۱۳ اہل ایمان نے اپنے تعلقات اور رشتے کفار سے منقطع کر دیئے۔ اسلام کے لیے اگر ان کے سر قلم کرنے کی بھی کبھی نوبت آئی تو انہیں اس میں ذرا تامل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہلِ ایمان کو یہ مژدہ سنایا کہ عنقریب یہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ کفر کی جو خلیج تمہارے اور ان کے درمیان حائل ہے وہ بھر جائے گی۔ پھر تم آپس میں شیر و شکر ہو جاؤ گے۔ اسلام کو سربلند دیکھنے کی جو لگن آج تمہارے دلوں کو بے چین کر رہی ہے یہی تڑپ انہیں بھی بخش دی جائے گی۔ تم شانہ بشانہ کھڑے ہو کر باطل کا سرِ غرور خاک میں ملانے کے لیے جہاد کرو گے۔ سابقہ محبت اور پیار نئے رُوپ میں ظاہر ہوگا اور یہ روپ ہر لحاظ سے پہلے روپ سے زیادہ توانا اور دلکش ہوگا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ فتح مکہ کے بعد کفارِ عرب فوج در فوج مشرف بہ اسلام ہوئے اور تعلقات کے دیرینہ رشتے پھر سے استوار ہو گئے۔

يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ

دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ

تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑧ اِنَّمَا

احسان کرو ۱۴ اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو ۱۵ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ

اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے

مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ

گھروں سے نکالا یا مدد دی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو

۱۴ پہلی آیت میں کفار کو دوست بنانے سے روک دیا۔ اس کی وجہ بھی بتا دی کہ انہوں نے حضور نبی اکرم کو اور بے قصور مسلمانوں کو اپنے وطن اور اپنے گھر بار سے نکال دیا۔ اس آیت میں ان کفار سے حُسن سلوک کی اجازت دی جارہی ہے جنہوں نے مسلمانوں سے نہ جنگ کی اور نہ انہیں جلاوطن کیا۔

حضرت صدیق اکبر کی ایک بیوی قتیلہ نامی تھی۔ جس کو آپ نے قبل از اسلام طلاق دے دی تھی۔ اس کے بطن سے آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء تھیں۔ ہجرت کے بعد وہ اپنی بیٹی کے لیے چند تحفے تحائف لے کر مدینہ آئی۔ حضرت اسماء نے اسے گھر آنے سے روک دیا اور تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کا ذکر انہوں نے بارگاہ رسالت میں کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسماء کو اجازت دی کہ وہ اپنی ماں کو گھر میں آنے دے، اس کے تحائف قبول کرے اور اس کے ساتھ احسان و مروت کا برتاؤ کرے۔ (1)

۱۵ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کفار نے تمہارے خلاف جنگ نہیں لڑی اور نہ انہوں نے تمہیں کوئی اذیت پہنچائی ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ نیکی اور احسان کا رویہ اختیار کرو۔ اگر تم محارب کافروں کی طرح ان مصالح کافروں کے ساتھ بھی جبر و تشدد کرو گے تو یہ عدل و انصاف کے خلاف ہوگا۔ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ایسے کفار کے ساتھ تو انصاف کرو جنہوں نے تم پر زیادتی نہیں کی اور جنہوں نے تم پر زیادتی کی ہے ان پر تمہیں ظلم کرنے کی اجازت ہے۔ اسلام کسی کے ساتھ کسی حالت میں ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔

علامہ ابن عربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ تُقْسِطُوْٓا کا معنی یہ ہے کہ ایسے کفار کو بطور تبرع اور حسن سلوک اپنے اموال کا کچھ حصہ دو تاکہ ان کی دلجوئی ہو جائے۔ یہاں تُقْسِطُوْٓا سے مراد عدل نہیں کیونکہ عدل تو مسلمان پر ہر حالت میں واجب ہے۔ خواہ معاملہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 59

يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم توڑتے ہیں ۱۶ اے ایمان والو ! جب

جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ج

آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے ۱۷ تو ان کی جانچ پڑتال کر لو ۱۸ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔

جنگجو کفار سے ہو خواہ ایسے کفار سے جنہوں نے جنگ نہیں کی۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔ قَوْلُهٗ تَعَالٰى تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اَىْ تُعْطُوْهُمْ قِسْطًا مِّنْ اَمْوَالِكُمْ وَلَيْسَ يُرِيْدُ بِهٖ مِنَ الْعَدْلِ فَاِنَّ الْعَدْلَ وَاجِبٌ فِيْ مَنْ قَاتَلَ وَفِيْ مَنْ لَمْ يُقَاتِلْ۔ (احکام القرآن) (1)

۱۶ جو لوگ ایسے دشمنان جان و ایمان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں وہ ظالم ہیں۔ ان کی یہ حرکت ان کی قوم اور خود ان کے حق میں تباہ کن ثابت ہوگی۔ وہ اپنے بھولپن کے باعث ان کے شر سے مطمئن ہو جائیں گے اور وہ ان کو غافل پا کر ایسا دھکا دیں گے کہ پھر اٹھ نہیں سکیں گے۔ بلاشبہ ایسا شخص بڑا ظالم ہے۔

۱۷ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ طے پایا تھا اس میں کفارِ مکہ کی طرف سے ان کے نمائندے سہیل ابن عمرو نے یہ شرط پیش کی تھی کہ اگر کفار کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ آجائے گا تو کفار اس کو مکہ واپس لے جا سکتے ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں کفار کے پاس آجائے تو مسلمان اس کو واپس لینے کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

چنانچہ ابو بصیر جو اہلِ مکہ کے مظالم سے بہت تنگ تھے حدیبیہ میں پہنچ گئے، لیکن اس معاہدے کا پاس کرتے ہوئے حضورؐ نے انہیں واپس کر دیا۔ بعد ازاں مسلمان عورتیں بھی ترکِ وطن کر کے مدینہ طیبہ آنے لگیں۔ عقبہ ابن ابی معیط جو اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھا اس کی لختِ جگر اُمّ کلثوم کشاں کشاں مدینہ پہنچی۔ اس کے علاوہ سبیعہ بنت الحارث اور امیمہ بنت بشر اپنے ازدواجی بندھنوں کو توڑتی ہوئی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئیں اور یہ سلسلہ چل نکلا۔ انہیں واپس لانے کے لیے کسی کا بھائی، کسی کا خاوند، کسی کا ولی مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آجائیں تو تم ان کی جانچ پڑتال کر کے تسلی کر لو۔ اگر ان کے آنے کا مقصد صرف ایمان کا تحفظ ہے تو انہیں واپس نہ کرو۔ (2)

اکثر لوگ اس حکم کے بارے میں بڑی الجھن محسوس کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جب معاہدہ طے پا گیا تھا تو پھر ان عورتوں کو واپس نہ کرنا اس کی صریح خلاف ورزی تھی۔ حالانکہ اسلام عہد شکنی کو کسی قیمت پر روا نہیں رکھتا۔ اس کا جواب صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت میں صراحۃً مذکور ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الشروط کے باب الشرط فی الجہاد والمصالحہ میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں جو سہیل ابن عمرو نے لکھوائے تھے۔ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَاْتِيْكَ مِنَّا رَجُلٌ وَّاِنْ كَانَ عَلٰى دِيْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَّهٗ اِلَيْنَا (3)۔ یعنی اگر ہم میں سے کوئی مرد آپ

1۔ احکام القرآن از ابن عربی، ج 4، ص 1785

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 61۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 77-76

3۔ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب، ج 1، ص 380

فَاِنۡ عَلِمۡتُمُوۡهُنَّ مُؤۡمِنٰتٍ فَلَا تَرۡجِعُوۡهُنَّ اِلَى الۡكُفَّارِؕ

پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو ١٩

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمۡ وَلَا هُمۡ يَحِلُّوۡنَ لَهُنَّؕ وَاٰتُوۡهُمۡ مَّاۤ اَنۡفَقُوۡاؕ

نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لیے ٢٠ اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کیے ٢١

کے پاس آئے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو آپ اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا اس عبارت میں رَجُلٌ کا لفظ صراحۃً موجود ہے جس کا معنی ہے مرد۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت ملاحظہ ہو کہ اس نے کفار کے نمائندہ کی زبان سے ایسے الفاظ نکلوائے جن کی وجہ سے مہاجر خواتین کا مسئلہ کسی عہد شکنی یا نسخ و تاویل کا تکلّف کیے بغیر حل ہو گیا۔ جب کفار نے ان مسلم خواتین کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدہ کے اصل الفاظ ان کے سامنے دہرا دیئے۔ یہ سن کر کفار کو سانپ سُونگھ گیا اور لاجواب ہو کر انہیں واپس جانا پڑا۔ معاہدہ کی نص ارشادِ مصطفوی کی تصدیق کر رہی ہے اور آیت میں اسی مسئلہ کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

١٨ یعنی مدینہ بھگوڑی عورتوں کی پناہ گاہ نہیں کہ جو عورت اپنے خاوند سے دل برداشتہ ہو جائے یا کسی اور وجہ سے ترک وطن کرنا چاہے تو وہ سیدھی یہاں چلی آئے اور مسلمان اس کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔ اسلام کے نزدیک یہ حرکت سخت قبیح اور ناروا ہے، اس لیے حکم دیا گیا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو ایمان دار بتائے اور ہجرت کر کے تمہارے پاس چلی آئے تو تم بلا تحقیق اس کو اپنے اندر شامل نہ کر لو بلکہ اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لو۔ اگر تمہیں اطمینان ہو جائے کہ یہ عورت صرف اپنے دین و ایمان کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر آئی ہے تو اس کو کفار کے حوالے مت کرو اور اگر اس کی آمد کی غرض و غایت اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو پھر اسے واپس کر دو۔ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امتحان کا طریقہ مذکور ہے جس سے ساری حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔

جب کوئی عورت مکہ سے مدینہ آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے اس طرح قسم لیتے:

بِاللّٰهِ الَّذِیۡ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَا خَرَجۡتُ عَنۡ بُغۡضِ زَوۡجِیۡ (1)۔ اس اللہ کی قسم جس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں، مَیں اپنے خاوند سے بغض و عداوت کی وجہ سے نہیں نکلی۔ بِاللّٰهِ مَا خَرَجۡتُ رَغۡبَةً عَنِ الۡاَرۡضِ یَا عَنۡ اَرۡضٍ اِلٰی اَرۡضٍ (2)۔ خدا کی قسم! میں پہلی جگہ سے دل برداشتہ ہو کر اس نئی جگہ نہیں آئی۔

بِاللّٰهِ مَا خَرَجۡتُ الۡتِمَاسَ الدُّنۡیَا (3)۔ خدا کی قسم! میں دنیا کی طلب کے لیے گھر سے نہیں نکلی۔

بِاللّٰهِ مَا خَرَجۡتُ اِلَّا حُبًّا لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ (4)۔ بخدا! میں صرف اللہ اور اس کے رسول ؐ کی محبت کے باعث اپنا وطن چھوڑ کر آئی ہوں۔

١٩ علم سے مراد غلبہء ظن اور حصولِ اطمینان ہے کیونکہ ہمارے لیے اس کے دل کی حالت پر یقینی آگاہی حاصل کرنا ممکن نہیں۔

٢٠ ایسی عورتوں کو کفار کے حوالے نہ کرنے کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ یہ مومن عورتیں کافروں کے لیے حلال نہیں اور نہ کافر

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 482 2۔ ایضاً 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 76 4۔ ایضاً

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ط

اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کردو۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا

اور (اسی طرح) تم بھی نہ روکے رکھو (اپنے نکاح میں) کافر عورتوں کو ۲۲ اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں

مَآ اَنْفَقُوْا ط ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ط يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔ اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا

مردان ایمان دار خواتین کے لیے حلال ہیں۔

اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان باہمی ازدواج جائز تھا۔ مسلمان عورتیں کفار کے ساتھ نکاح کرتیں اور مسلمان مرد، کافر عورتوں سے شادی کرتے۔ اس قسم کی متعدد مثالیں اس معاشرہ میں موجود تھیں۔ لیکن اس آیت نے باہمی ازدواج کا دروازہ بند کردیا۔ کوئی مسلمان مرد اہل کتاب کے علاوہ کسی کافر عورت سے نکاح نہیں کرسکتا اور کوئی مسلمان عورت کسی کافر سے خواہ وہ اہلِ کتاب سے ہی کیوں نہ ہو نکاح نہیں کرسکتی۔

۲۱ یہاں ایک نیا حکم بیان کیا جارہا ہے کہ جو مسلمان عورتیں ہجرت کرکے دارالاسلام میں آجائیں تو حکومت اسلامیہ پر لازم ہے کہ ان کے شوہروں نے جو مہر انہیں دیا تھا وہ بیت المال سے انہیں واپس کردیا جائے اور پھر اگر وہ عورتیں کسی مسلمان کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت ہے اور نئے خاوند پر ضروری ہے کہ وہ اسے مہر ادا کرے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس وقت وہ عورت دارالاسلام میں ہجرت کرکے پہنچے گی اسی وقت اس کا سابقہ نکاح کالعدم قرار دے دیا جائے گا اور اسی وقت وہ جس مسلمان سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ عدت گزارنے کی کوئی ضرورت نہیں (1)۔ لیکن مقاربت کے لیے استبراء ضروری ہے۔ یعنی یہ یقین کرلیا جائے کہ اس کا رحم پہلے خاوند سے مشغول نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک حیض کا آجانا کافی ہے۔ اگر وہ عورت حاملہ ہو تب بھی اس کے ساتھ نکاح جائز ہے لیکن اس کے ساتھ مقاربت تب کرسکتا ہے جب وہ بچہ جن چکے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک اس عورت کو بھی شرعی عدت گزارنی پڑے گی۔ اگر غیر حاملہ ہو تو تین حیض اور اگر حاملہ ہے تو وضعِ حمل۔ اس کے بعد وہ کسی سے نکاح پڑھا سکتی ہے۔

۲۲ یہاں سے مسلمانوں کو منع کیا جارہا ہے کہ آج سے پہلے جو کافر عورتیں تمہارے نکاح میں تھیں ان کو مت روکے رکھو بلکہ ان کو آزاد کردو۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد جن مسلمانوں کے گھروں میں ایسی عورتیں تھیں ان کو طلاق دے دی گئی۔ حضرت

1۔ احکام القرآن از جصاص، ج 3، ص 438

حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ وَإِن فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

بڑا دانا ہے ۲۳ اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت تمہاری بیبیوں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آجائے

فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

(کہ کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آجائے) تو جن کی بیبیاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا اتنا انہیں دے دو ۲۴ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے

الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ

جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں

يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ

تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور

وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ

نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے

عمرؓ کی دو کافر بیویاں تھیں جو مکہ میں رہ گئی تھیں۔ امیر المومنین نے ان دونوں کو طلاق دے دی۔

عِصَم جمع ہے عصمت کی۔ اس سے مراد نکاح ہے۔ کَوَافِر جمع ہے کافرہ کی۔ یعنی کافرہ عورتوں کے ساتھ جو تمہارے نکاح میں ہیں ان کو پکڑے نہ رکھو بلکہ ان عورتوں کو آزاد کر دو۔ وہ اس قابل نہیں کہ تمہاری بیویاں بن سکیں۔ (1)

۲۳ پہلے فرمایا تھا کہ جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے دار الاسلام میں چلی جائیں ان کے کافر خاوندوں کو مہر ادا کر دیا جائے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری بیویاں جو دار الکفر میں رہ گئیں، تم نے انہیں جو مہر دیا تھا اس کا مطالبہ تم ان سے کر سکتے ہو۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہ اللہ جو علیم اور حکیم ہے۔ وہ حال و مستقبل پر نظر رکھتا ہے۔ اس کا ہر فرمان حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

۲۴ اگر کوئی شخص اسلام لا کر ہجرت کر جائے اور اس کی بیوی کفر کی حالت میں وہیں رہ جائے تو قاعدہ کے مطابق ان کفار کو چاہیے کہ وہ اس عورت کا مہر اس کے مسلمان خاوند کو واپس کر دیں کیونکہ اب ان کے درمیان رشتۂ ازدواج منقطع ہو گیا ہے۔ لیکن اگر کفار ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ مالِ غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اس مسلمان خاوند کو مہر کی رقم ادا کر دیں۔ اس کے بعد بقیہ مالِ غنیمت حسبِ قانون تقسیم کریں۔ بعض علماء کے نزدیک یہ مہر مالِ فَیٔ سے بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مسلمان ہو کر آنے والی مہاجر عورتوں کا مہر جو مسلمانوں کے ذمہ ہے اسے کفار کی طرف نہ لوٹایا جائے بلکہ اس طرح جو رقم جمع ہو اس سے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 65

اَيۡدِيۡهِنَّ وَ اَرۡجُلِهِنَّ وَلَا يَعۡصِيۡنَكَ فِىۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَايِعۡهُنَّ

ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں ۲۵ تو اے میرے محبوب!) انہیں بیعت فرما لیا کرو

ایسے لوگوں کو ان کی بیویوں کا مہر ادا کیا جائے جو دار الحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں (1)۔

آیت میں فَعَاقَبۡتُمۡ کا کلمہ عقاب سے مشتق نہیں جس کا معنی سزا ہے بلکہ عقبۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے نوبت یا باری۔ اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ مِنَ الۡعَقَبَةِ لَا مِنَ الۡعِقَابِ وَهِىَ فِى الۡاَصۡلِ النَّوۡبَةُ فِىۡ رُكُوۡبِ اَحَدِ الرَّفِيۡقَيۡنِ عَلٰى دَابَّةٍ لَّهُمَا (روح المعانی) علامہ آلوسی اس آیت کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: وَحَاصِلُ الۡمَعۡنٰى اَنۡ لَّحِقَ اَحَدٌ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ بِالۡكُفَّارِ اَوۡ فَاتَكُمۡ شَىۡءٌ مِنۡ مُّهُوۡرِهِنَّ وَلَزِمَكُمۡ اَدَاءُ الۡمَهۡرِ كَمَا لَزِمَ الۡكُفَّارَ۔ (روح المعانی) (2)

۲۵ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور دھڑا دھڑ لوگ حضورؐ کی بیعت کر کے مشرف باسلام ہونے لگے تو مکہ کی عورتیں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاروق اعظمؓ کو عورتوں کی بیعت لینے پر مقرر فرمایا اور جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر عمل کرنے کا ان سے پختہ وعدہ لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی لیکن کسی عورت کے ساتھ بیعت لیتے وقت مصافحہ نہ کیا۔ کبھی تو زبانی ان امور کی پابندی کا وعدہ لیا، کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا دست مبارک ڈالا اور اس کے بعد بیعت کرنے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ رکھنے کا حکم دیا۔ کبھی کپڑا دست مبارک میں لے کر عورتوں سے بیعت لی۔ (3)

جن امور پر بیعت لی گئی ان میں سرفہرست یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ چوری نہیں کریں گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کیونکہ عرب معاشرے میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دینا وجہ عزت وفخر تھا۔ نیز کئی لوگ بھوک سے تنگ آ کر بھی اپنی اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اسی میں اسقاطِ حمل بھی داخل ہے جب اس میں جان پڑ چکی ہو۔ جائز اور ناجائز دونوں حملوں کے اسقاط کا ایک ہی حکم ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کو قتل شمار کیا جاتا ہے۔ پانچویں چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی الزام اور بہتان تراشی نہ کریں۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

کسی کے نوزائیدہ بچے کو اچک کر اپنی گود میں ڈال لینا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ اسی طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا۔ نیز کسی دوسری عورت پر بدفعلی کا الزام لگانا۔ یہ تمام صورتیں اس آیت میں داخل ہیں۔ اور اسلام نے ان تمام مذموم حرکتوں سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ چھٹی بات یہ ہے جس کی پابندی کا ان سے وعدہ لیا جا رہا ہے کہ ہر نیک کام جس کا حضورؐ حکم دیں گے وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

فقہائے اسلام نے فِىۡ مَعۡرُوۡفٍ کی قید سے یہ قانون اخذ کیا ہے کہ حاکم وقت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے کسی قانون کے خلاف کوئی حکم صادر کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حاکم کی فرمانبرداری

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 70

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 79

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 81۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 71

میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ فِیْ مَعْرُوْفٍ کی قید یہاں اس لیے ذکر نہیں کی گئی کہ حضورؐ غیر معروف کا بھی حکم دے سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو جو ارشاد بھی ہوگا وہ حق ہوگا، وہ سچ ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہوگا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غیر معروف کا حکم دیں۔ یہ قید محض اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے لیے معروف شرط ہے، جہاں غیر معروف کا احتمال ہی نہیں، تو اور کون ہے جس کو یہ حق پہنچے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف غیر معروف قانون سازی کرے اور اس پر عمل کرنے کا لوگوں کو حکم دے۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: وَقَدْ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّ نَبِیَّہٗ لَا یَاْمُرُ اِلَّا بِمَعْرُوْفٍ اِلَّا اَنَّہٗ شَرَطَ فِی النَّھْیِ عَنْ عِصْیَانِہٖ اِذَا اَمَرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لِئَلَّا یَتَرَخَّصَ اَحَدٌ فِیْ طَاعَۃِ السَّلَاطِیْنِ اِذَا لَمْ تَکُنْ طَاعَۃَ اللّٰہِ تَعَالٰی (کتاب الاحکام)(1) یعنی اللہ جانتا ہے کہ اس کا نبی مکرم معروف کے بغیر کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتا لیکن یہاں معروف کی شرط اس لیے لگائی تاکہ کوئی شخص بادشاہوں کے ان احکام کی اطاعت کا جواز بھی نہ نکال لے جن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہے۔

جب افضل البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے لیے معروف کی شرط ہے تو اور کون اس سے مستثنیٰ ہوسکتا ہے؟

نیز اس سے یہ بھی آشکارا ہوجاتا ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون کی بالادستی ہوگی۔ ہر چھوٹے اور بڑے کو قانون کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہوگا۔ کسی بڑے سے بڑے حاکم کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دھاندلیاں کرتا رہے اور پھر قانون سازی سے ان کے لیے وجہ جواز مہیّا کرتا رہے۔

اس مقام پر مفسرین نے ہندہ زوجۂ ابوسفیان کا دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ آپ بھی سماعت فرمائیے کہ جب عورتیں بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئیں تو ہندہ بھی بھیس بدل کر منہ کو چھپائے ہوئے حاضر ہوئی۔ اسے یہ خوف تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو پہچان نہ لیں۔ حضور نے ان عورتوں سے فرمایا: میں اس شرط پر تمہیں بیعت کرتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گی۔

ہندہ چُپ نہ رہ سکی۔ کہنے لگی کہ جس شرط کے بغیر مردوں کی بیعت قبول نہیں ہوئی، اس کے بغیر ہماری بیعت کیسے قبول ہوسکتی ہے؟ یعنی شرک سے اجتناب کی شرط واضح اور بیّن ہے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: دوسری شرط یہ ہے کہ تم چوری نہیں کرو گی۔ ہندہ پھر بولی میں ابوسفیان کے مال سے کچھ لے لیا کرتی تھی، معلوم نہیں وہ میرے لیے حلال ہے یا نہیں؟ ابوسفیان پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آج تک جو تم نے لیا ہے، وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر ہنس پڑے اور اس کو پہچان لیا۔ فرمایا: تو ہندہ دخترِ عتبہ ہے؟ کہنے لگی: نَعَمْ فَاعْفُ عَمَّا سَلَفَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ۔ میں ہندہ ہی ہوں۔ جو گزر چکا ہے اے اللہ کے نبی! اسے معاف فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے درگزر فرمائے۔ حضورؐ نے فرمایا: تیسری شرط یہ ہے کہ تم زنا نہیں کرو گی۔ ہندہ بولی: کیا آزاد عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: چوتھی شرط یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی۔ ہندہ کی رگِ ظرافت پھر پھڑکی۔ کہنے لگی کہ ان کے باپوں کو تو آپ نے قتل کردیا، اب ان کے بچوں کے لیے آپ ہم کو نصیحت کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت فاروق اعظمؓ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے اور حضورؐ کے لب مبارک بھی تبسّم آشنا ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا: پانچویں بات یہ ہے کہ تم کسی پر جھوٹا بہتان نہیں باندھو گی۔ اس نے کہا: بے شک بہتان تراشی قبیح چیز ہے اور اللہ تعالیٰ ہدایت اور مکارمِ

1۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 42-441

وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت مانگا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۲۶ اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ

والو! نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو غضب فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جن پر یہ آخرت (کے ثواب سے) مایوس

الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ع ۲ ۸

ہوگئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں ۲۷

اخلاق کے بغیر اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: یہ وعدہ کرو کہ جس نیک کام کا میں حکم دوں گا اس کو تم بجالاؤ گی۔ ہندہ بولی کہ ہم آپ کے قدموں میں حاضر بیٹھی ہیں اور ہمارے دل میں قطعاً یہ خیال نہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم سے سرتابی کریں گی۔

یہ واقعہ لکھنے کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں وَكَانَ هٰذَا مِنْهَا دُوْنَ غَيْرِهَا مِنَ النِّسَاءِ لِمَكَانِ اُمِّ حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَنَّهَا حَدِيْثَةُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ (1) کہ ہندہ کے کلام میں یہ شوخی اس وجہ سے تھی کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ تھی۔ نیز اس کی ساری زندگی جہالت کی گود میں گزری تھی۔ ابھی ابھی اس نے اسلام قبول کیا تھا۔

۲۶ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دیتے ہیں کہ جو عورتیں ان شرائط کو قبول کرلیں اور ان باتوں کی پابندی پر آمادہ ہو جائیں تو آپ ان کو بیعت فرمالیں اور انہیں بیعت فرمانے کے بعد ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ جب آپ کے ہاتھ اٹھیں گے تو انہیں خالی نہیں لوٹا دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ان کے عمر بھر کے گناہوں کو جن میں شرک وکفر سرفہرست ہیں، بخش دے گا اور ان کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

۲۷ آخر میں پھر اسی حکم کا اعادہ کر دیا۔ ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! وہ لوگ جو اسلام کی عداوت میں پیش پیش ہیں۔ جنہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے اور ان کی پیہم سرکشی کے باعث ان پر خدا کا غضب نازل ہو چکا ہے، ان کو اپنا دوست مت بناؤ۔ آخرت میں کسی ثواب اور کسی خیر کی انہیں امید نہیں۔ وہ بالکل مایوس ہو چکے ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کفار اپنی بخشش سے مایوس اور ناامید ہیں۔

اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ سے پہلے مِنْ بیانیہ ہے۔ یعنی وہ کفار جو مر کر قبروں میں دفن کیے جا چکے ہیں۔ کیونکہ ان کی موت کفر پر ہوئی اس لیے اب ان کی نجات کی کوئی صورت نہیں۔ وہ اپنی بخشش کے بارے میں مکمل طور پر مایوس ہو چکے ہیں۔ علامہ محمود آلوسی نے اس کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اَيِ الَّذِيْنَ هُمْ اَصْحَابُ الْقُبُوْرِ اَيِ الْكُفَّارُ الْمَوْتٰى۔ جس طرح قبروں میں

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 81-82

پڑے ہوئے کافر اپنی نجات سے مایوس ہو چکے ہیں۔

وَكَوْنُ مِنْ بَيَانِيَّةً مَرْوِيٌّ عَنْ مُّجَاهِدٍ وَّابْنِ جُبَيْرٍ وَّابْنِ زَيْدٍ وَهُوَ اخْتِيَارُ ابْنِ عَطِيَّةَ۔ (روح المعانی)(1)

یعنی مجاہد، ابن جبیر، ابن زید سے مروی ہے کہ یہاں مِنْ بیانیہ ہے۔ ابن عطیہ کے نزدیک بھی یہی قول پسندیدہ ہے۔

○○○○○○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ اَنْبِيَاءِ اللّٰهِ وَاٰخِرِ رُسُلِ اللّٰهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِىْ بُعِثَ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ وَكَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِىْ بِالصَّالِحِيْنَ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِىْ اِلٰى نَفْسِىْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّ اَصْلِحْ لِىْ شَاْنِىْ كُلَّهٗ۔

○○○○○○

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج28، ص82

تعارف سُورۃ الصَّفّ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام الصّف ہے۔ یہ کلمہ اس کی چوتھی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں دو رکوع، چودہ آیتیں دو سو اکیس کلمات اور نو سو حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ (1)

مضامین: مکّی زندگی کی مشکلات کی الگ نوعیت تھی۔ مدنی زندگی میں جن مشکلات کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا اُن کی نوعیت جُدا تھی۔ یہاں مسلمانوں کو اذنِ جہاد مل گیا اور کفار کے ساتھ کھلم کھُلا ٹکراؤ کے عہد کا آغاز ہو گیا۔ اب ایسے جانباز اور بہادر مجاہدوں کی ضرورت تھی جن کے قول و عمل میں مکمل ہم آہنگی ہو۔ جو کچھ وہ اپنی زبان سے کہیں ٹھیک ٹھیک اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ جن لوگوں کے قول و عمل میں تضاد ہوتا ہے وہ اپنی قوم کے لیے ہرگز باعثِ شرف نہیں ہوا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہاں تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ ایسی باتیں نہ کیا کریں جن پر وہ عمل نہیں کر سکتے۔ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ اس کی ناراضگی اور اس کے غضب کا باعث ہے۔

ساتھ ہی بتا دیا کہ کفار سے جب لڑنے کے لیے میدانِ جہاد کا رُخ کرو تو صفیں باندھ لو اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ تاکہ کفر و طاغوت کے طوفان اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس لوٹ جائیں۔

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، لیکن اُن کی قوم نے اُن کی قدر نہ پہچانی، جی بھر کر انہیں ستایا اور جھٹلایا۔ مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں۔

آیت نمبر ۸۔ ۹ میں اسلام کے مکمل غلبہ کی بشارت دے دی کہ آندھیاں کتنی تند و تیز کیوں نہ ہوں، اللہ کے روشن کیے ہوئے اس چراغ کو نہیں بجھا سکتیں۔ جو پیغامِ ہدایت اور دینِ حق اللہ کا محبوب لے کر آیا ہے، وہ سارے ادیان پر غالب ہو گا۔ زمین کے گوشہ گوشہ میں اس کا ڈنکا بجے گا۔

دوسرے رکوع میں مسلمانوں کو ایسے کاروبار سے آگاہ کیا جس میں نفع ہی نفع ہے۔ وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے مالی اور جانی جہاد کرو۔ اس کے عوض جنّت کی اَبدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی فتح و نصرت سے تمہیں سرفراز کیا جائے گا۔

آخری آیت میں اہلِ ایمان کو دعوت دی کہ وہ آگے بڑھیں اور اللہ کے دین کی تائید و نصرت کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مدد فرمائے گا اور وہ کامیاب و کامران ہوں گے۔

1۔ تفسیر قرطبی، جز 18، ص 77

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الصّف مدنی ہے اور اس کی ۱۴ آیتیں ہیں اور اس میں ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب،

الْحَكِيْمُ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②

بڑا دانا ہے [1] اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو [2]

[1] اس آیت کی تشریح کئی بار پہلے گزر چکی ہے۔ اس آیت سے اس سورت کا آغاز کرنے میں یہ حکمت ہے کہ سابقہ سورت کے آخر میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کی دعوت دی گئی ہے، کوئی نادان اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی امداد کا محتاج ہے اور اگر بندے اپنی جانیں اور اپنے مال قربان نہیں کریں گے تو خدا کی خدائی میں فرق پڑ جائے گا۔ ابتداء میں ہی اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ وہ تو عزیز و حکیم ہے۔ آسمان اور زمین کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ اس کی عظمت کے گیت گا رہی ہے۔ تمہیں جہاد کا جو حکم اس نے دیا ہے اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ حق کا بول بالا ہو گا تو تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں محفوظ ہو جائیں گی۔ کوئی طوفان تمہارے ایمان کے چراغ کو نہ بجھا سکے گا۔ اور اگر تم نے جہاد میں بزدلی کا مظاہرہ کیا اور باطل کو غلبہ نصیب ہو گیا تو ساری زمین میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ ہر انسان کا سکھ، چین اُٹھ جائے گا۔ حق کا نظامِ عدل و احسان برپا کرنے کے لیے تمہیں اسی لیے دعوت دی جا رہی ہے اور طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں جان کی بازی لگانے کا تمہیں فقط اسی لیے شوق دلایا جا رہا ہے۔ اگر تم سوچو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔

[2] کئی لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب اکٹھے بیٹھتے تو بڑی لافیں مارتے اور کہتے اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو ہم اس پر عمل کرتے اور اس کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیتے۔ جب جہاد کے بارے میں حکم نازل ہوا اور اُحد کا معرکہ پیش آیا تو بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے والے میدان میں ٹھہر نہ سکے۔ اس آیت سے اس قسم کے لوگوں کو عار دلائی جا رہی ہے اور مسلمانوں کو تربیت دی جا رہی ہے کہ نیکی کی دعوت جو بڑے جوش و خروش سے وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں خود بھی اس پر عمل کر کے دکھائیں تاکہ سننے والوں کو ان کی بات کا یقین آ جائے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو ۳؎ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا

الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿٤﴾

ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں ۴؎

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ عَلٰى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَّارٍ كُلَّمَا قُرِضَتْ وَفَتْ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ وَلَا يَفْعَلُوْنَ وَيَقْرَءُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا يَعْمَلُوْنَ۔ (قرطبی)(1)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ جب ہونٹوں کو کاٹا جاتا تو وہ پھر پہلے کی طرح درست ہو جاتے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے کہا۔ یہ آپ کی امت کے خطباء ہیں جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں، جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے۔

نفسیاتی طور پر بھی جو شخص یا جو قوم صرف باتیں بنانے اور لمبے چوڑے دعوے کرنے کی عادی ہو جاتی ہے وہ عمل کے میدان میں کسی نمایاں کارکردگی کا اظہار نہیں کر سکتی۔ مسلمان کو چاہیے کہ جو زبان سے کہے اس پر خود عمل کر کے لوگوں کو دکھائے۔

۳؎ پہلے مضمون کو ہی ایک دوسرے انداز سے دہرایا گیا۔ اہل لغت اَلْمَقْتُ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلْمَقْتُ اَشَدُّ الْاِبْغَاضِ، اَلْمَقْتُ بُغْضٌ عَنْ اَمْرٍ قَبِيْحٍ رَكِبَهٗ (2)۔ یعنی حد درجہ کا بغض۔ خصوصاً وہ بغض جو کسی قبیح حرکت کے باعث ہو۔

اہل ایمان کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم ایسی باتیں کرو گے جن پر خود عمل نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر از حد ناراض ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ اپنے آپ کو اس کا بندہ کہلوانے والے، لوگوں کو تو نیکی کی دعوت دیں اور خود اس پر عمل نہ کریں۔

۴؎ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ قتل و غارت اور خونریزی اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ اس نے جب بھی جنگ کی اجازت دی ہے وہاں چند شرائط بھی عائد کی ہیں جن کا پورا ہونا از حد ضروری ہے۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ ہو۔ یعنی اس کا مقصد حق کو سربلند کرنا اور باطل کی سرکوبی کرنا ہو۔ نیکی کی قوتوں کو آزاد کرانا اور برائی اور اس کے علمبرداروں کو پابجولاں کرنا ہو۔ جس قوم کے سامنے اتنا عظیم اور اعلیٰ مقصد ہو وہ اگر متحد و منظم ہو کر باطل کی قوتوں سے نبرد آزما نہ ہوگی تو وہ قوتیں اسے پیس کر رکھ دیں گی۔ اس قوم کی شکست صرف اس کی ذات تک محدود نہ رہے گی بلکہ وہ بلند نظریات جن پر ساری انسانیت کی فلاح کا انحصار ہے وہ شکست کھا جائیں گے اور یہ اتنا بڑا المیہ ہوگا کہ اس کی تلافی کے لیے مدتِ مدید درکار ہوگی۔

اس لیے اس آیت میں وضاحت سے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان باہمت جوانمردوں سے محبت اور پیار کرتا ہے جن کی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 80

2۔ لسان العرب، ج 2، ص 90

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف

اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں ۵ پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا ٦ اور اللہ تعالیٰ

جنگ کی غرض و غایت محض حق کا بول بالا ہو اور جب وہ کسی میدانِ کارزار میں معرکہ آرا ہوں تو ان میں انتشار اور افتراق کا نام و نشاں تک نہ ہو۔ بڑے منظم ہو کر وہ دشمن کی طرف بڑھیں اور ان کی منظم پیش قدمی کو دیکھ کر دیکھنے والے باور کر لیں کہ یہ غیر منظم افراد کی بھیڑ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مضبوط اور مستحکم دیوار ہے جس میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر یکجان کر دیا گیا ہے۔

۵ موسیٰ علیہ السلام کو جس قوم سے واسطہ پڑا تھا اس کے کردار اور سیرت کے خدوخال سے مختلف مقامات پر آپ آگاہ ہو چکے ہیں۔ حق کو پہچانتے ہوئے اس کا انکار ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ اپنے نبی کو طرح طرح کی فرمائشیں کرنا ان کا دستور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کی غلامی سے انہیں آزاد کرانے کے لیے جہاد کر رہے تھے اس وقت بھی آپ کی قوم آپ کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی۔ لیکن جب وہ بحر احمر کو سلامتی سے عبور کر کے ساحل پر پہنچے اور اپنی آنکھوں سے فرعون کو بمع لشکر غرق ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو پھر بھی ان کے عناد میں کوئی کمی نہ آئی۔ ایک بُت پرست قوم کو دیکھ کر انہوں نے فرمائش کی کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے ایسے خدا بنا دیں جس طرح اس قوم کے خدا ہیں۔ جب آپ طور پر تشریف لے گئے تو سامری کی معمولی سی انگیخت پر انہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اس کے علاوہ کلیم اللہ پر طرح طرح کے الزام تراشتے۔ تورات کے صفحات ان گستاخیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے انہیں فرمایا: اے میری قوم! تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور پھر بھی تم میری دلآزاری سے باز نہیں آتے۔ تمہارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

٦ اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم کی جو صلاحیتیں انہیں بخشی تھیں جب انہوں نے ان سے فائدہ نہ اٹھایا اور دانستہ راہِ حق کو چھوڑ کر گمراہی کے راستہ پر چلتے رہے، وہ روشن معجزات جو حضرت کلیم نے انہیں دکھائے تھے وہ بھی ان کی اصلاح کے لیے موثر ثابت نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ جو فرد یا قوم راہِ ضلالت پر پورے جوش و خروش سے گامزن رہتی ہے آخر کار وہ اس منزل پر پہنچ جاتی ہے جب اس سے حق پذیری کی صلاحیتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ وہ آنکھ جو نورِ حق کو دیکھ سکتی ہے اور پہچان سکتی ہے وہ اندھی ہو جاتی ہے۔

کیونکہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تشریف لاتے ہیں۔ ضلالت و ہدایت کو دلائل و شواہد سے آشکارا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہر شخص آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ان دو میں سے ایک کا انتخاب کر لے۔ جو ہدایت قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی توفیقات سے سرفراز کرتا ہے۔ وہ راہ کی دشواریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے فلاح و کامرانی کی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور جو ضلالت سے چمٹے رہنا پسند کرتا ہے اس کی منّت نہیں کی جاتی کہ جناب والا! ایسا نہ کرو۔ اسے اسی حال میں

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٥ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۷ اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزندِ مریم نے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں

يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ

تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے ۸ اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام (نامی)

چھوڑ دیا جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں: فَلَمَّا زَاغُوْا اَیْ عَدَلُوْا عَنِ الْحَقِّ وَلَمْ يَمْتَنِعُوْا عَنِ الْاِيْذَاءِ اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اَیْ صَرَفَهَا عَنْ قُبُوْلِ الْحَقِّ وَالْمَيْلِ اِلَى الصَّوَابِ۔ (1)

یعنی جب انہوں نے حق سے انحراف کیا اور اذیت رسانی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے قبول حق سے ان کے منہ پھیر دیئے۔

۷ ایسے فاسق و فاجر لوگ جو جان بوجھ کر گمراہی کو پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ انہیں ہدایت جیسی گراں بہا نعمت زبردستی ارزانی فرمادے۔

۸ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین ارشادات بیان کیے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی جو آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان یہودی گستاخوں کی بھی تردید ہوگئی جو آپ پر اور آپ کی پاکباز والدہ پر گھناؤنے بہتان لگاتے ہیں۔ اِلَيْكُمْ کے لفظ سے آپ نے یہ بتادیا کہ مجھے صرف تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ میری رسالت کا دائرہ بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ آپ کے ان الفاظ پر عیسائی مشنریوں کو بھی غور کرنا چاہیے جو عیسائیت کا پرچار ہر جگہ کرتے پھرتے ہیں۔ قرآن کریم کے اس فرمان کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو متی باب ۱۵۔ آیت ۲۴: ''اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا''۔ (2)

اسی انجیل متی کے باب ۱۰ کی آیت ۶ سے ہر قسم کا اشتباہ دور ہو جاتا ہے۔

پہلی آیات میں ان بارہ رسولوں کے نام بتائے گئے ہیں جن کو آپ نے تبلیغ واشاعت کیلئے بھیجا اور ان کو یہ حکم دے کر کہا: ''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا''۔ (3)

جب حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں اور رسولوں کو غیروں کے پاس جانے سے روکا ہے اور اپنی تبلیغی اور اعجازی سرگرمیوں کو بنی اسرائیل کے خاندان میں محدود کر دیا ہے تو اب کسی عیسائی مبلغ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 271

2۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ) متی، باب 15، آیت 24، ص 19

3۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ) متی، باب 10، آیت 6، ص 13

اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

احمد ہوگا ۹ پس جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے ۱۰

عیسائیت کی دعوت دے۔

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے لیے نہیں آیا بلکہ ان پر جو آسمانی کتاب تورات نازل ہوئی مَیں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام سچے رسول تھے اور تورات خدا کی سچی کتاب ہے۔ تمام رسول کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہوتے ہیں اس لیے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب کریں۔ ان کا کام تو سب کی تصدیق کرنا ہوتا ہے۔

۹ تیسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ مَیں تمہیں ایک بڑی رُوح پرور خوش خبری سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ میرے بعد ایک جلیل القدر، عظیم المرتبت رسول تشریف لے آئے گا۔ اس کا اسم گرامی اور نامِ نامی ''احمد'' ہوگا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہاں چند سوالات جواب طلب ہیں:

۱۔ کیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی احمد ہے؟

۲۔ کیا اس بشارت سے مراد حضور کی ذات اقدس ہے؟

۳۔ کیا موجودہ انجیل میں یہ بشارت موجود ہے؟

۴۔ کیا وہ شخص جس کا نام غلام احمد ہے وہ اس پیشین گوئی کا مصداق بن سکتا ہے؟

پہلے سوال کے بارے میں گزارش ہے۔

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو اسمائے گرامی صحیح احادیث سے ثابت ہیں ان میں یہ اسم مبارک بھی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ لِيْ اَسْمَاءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ۔ (مالک، بخاری، مسلم وغیرہا)(1)

یعنی حضورؐ نے فرمایا: میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں الحاشر ہوں، لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ صحابہ کرام میں حضور کا یہ اسمِ گرامی معروف و مستعمل تھا۔ حضرتِ حسان یہی نام لے کر بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں ؎

صَلَّى الْاِلٰهُ وَمَنْ يَّحُفُّ بِعَرْشِهٖ وَالطَّيِّبُوْنَ عَلَى الْمُبَارَكِ اَحْمَدٖ(2)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ، حاملینِ عرش اور تمام پاکیزہ لوگ اس مبارک ہستی پر درود وسلام بھیجیں جس کا اسم گرامی ''احمد'' ہے۔

اَحْمَدُ کا معنی ہے اَحْمَدُ الْحَامِدِيْنَ لِرَبِّهٖ(3): تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد کرنے والا۔ اپنے رب کی حمد کی کثرت کی برکت سے ہی آپ محمد بھی بنے۔ فَالْمُحَمَّدُ هُوَالَّذِيْ حُمِدَ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ(4)۔ یعنی جس کی بار بار حمد کی جا رہی ہو وہ محمد ہے۔ نہ اپنے رب کی حمد وثنا کرنے میں آپ کا کوئی مثیل ہے، کوئی فرشتہ، کوئی رسول، کوئی نبی اپنے خداوند کی حمد سرائی اور ثنا گستری میں اس مقام پر نہیں پہنچا اور نہ پہنچ سکتا ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ کا یہ پیارا حبیب فائز ہے۔ اسی طرح مخلوق میں سے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 86۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 4، ص 80 مطبوعۃ دار صادر

2۔ ایضاً

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 83

4۔ ایضاً

جتنی حمد اور جتنی ستائش اس عبدِ محبوب کی ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی، کسی اور کو نصیب نہیں۔ جن و انس اس کے ثناخوان ہیں، حور و ملک اس کی توصیف میں رطب اللسان ہیں اور خود خدا بھی اس کی مدح فرما رہا ہے۔ صرف اس فانی دنیا ہی میں نہیں بلکہ عالم آخرت میں بھی حضورؐ کی شان نرالی ہوگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس شان محمدیت کی تابانیوں کا صحیح اندازہ اس وقت ہوگا جب دست مبارک میں لوائے حمد تھامے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ حبیب مقام محمود پر جلوہ فرما ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا یہ انداز بڑا نرالا ہے کہ حضور سے پہلے کبھی کسی شخص نے اپنے فرزند کا نام احمد نہیں رکھا تا کہ اس بشارت کے مصداق کے بارے میں ذرا سا شائبہ بھی پیدا نہ ہو۔ لیکن جب اس اسم کو ذات پاک مصطفوی سے نسبت ہوگئی تو یہ نام اس قدر مقبول ہوا کہ اب اس نام کے لوگوں کا شمار نہیں ہوسکتا۔

حضور سے پہلے کیونکہ بعثت محمدی کا چرچا عام تھا۔ یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ ایک نبی آنے والا ہے جس کا نام محمد ہوگا۔ چنانچہ بعض والدین نے اپنے بچوں کے نام محمد تجویز کیے کہ شاید یہ سعادت ان کے حصہ میں آئے۔ حضور سے پہلے سات ایسے آدمی ملتے ہیں جن کا نام محمد ہے، لیکن ان میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے اپنے پیارے بندے کے ان دوناموں کو ہر اشتباہ اور التباس سے بالاتر رکھا۔ (1)

دوسرے سوال کے متعلق عرض ہے: کہ بے شک اس بشارت کی مصداق صرف نبی کریم ﷺ کی ذات اطہر ہے۔ کیونکہ الفاظ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی میرے بعد آئے گا اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد حضور علیہ السلام کے سوا کسی نے بھی رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ دوسری نشانی ذکر کی کہ ان کا نام احمد ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف ہے کہ حضور سے پہلے کسی نبی یا رسول کا احمد نامی ہونا تو کجا کسی فرد بشر کا نام بھی احمد نہ تھا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کے بعد صرف آپ نے ہی رسالت کا دعویٰ فرمایا اور صرف آپ کا اسم گرامی ہی احمد تھا اس لیے اس بارے میں ذرا شک نہ رہا کہ اس بشارت کی مصداق حضورؐ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

رہا تیسرا سوال کہ کیا موجودہ انجیل میں یہ بشارت بعینہٖ موجود ہے؟ تو اس کے لیے ذرا تفصیل درکار ہے۔

اس وقت عیسائیوں کے پاس چار انجیلیں ہیں جن کو مستند قرار دیا گیا ہے۔ انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا۔ ان میں سے کوئی انجیل بھی ۷۰ء سے پہلے مدون نہیں ہوئی۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے یہ الفاظ غور طلب ہیں:

ITS EXACT DATE AND ITS EXACT PLACE OF ORIGIN ARE UNCERTAIN, BUT IT APPEARS TO DATE FROM THE LATER YEARS OF THE 1ST CENTURY. (P.513-VOL 3) (2)

ترجمہ: اس کی متعین تاریخ اور اس کے معرض وجود میں آنے کا صحیح مقام غیر یقینی ہیں، لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق پہلی صدی کے آخری سالوں سے ہے۔ (جلد سوم، صفحہ ۵۱۳)

اس کے چند سطر بعد اسی کالم میں رقمطراز ہیں:

WE HAVE NO CERTAIN KNOWLEDGE AS TO HOW OR WHERE THE FOURFOLD GOSPEL CANON CAME TO BE FORMED.(3)

ترجمہ: ہمارے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے کہ یہ چار مستند انجیلیں کیسے اور کہاں معرض وجود میں آئیں؟

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج9، ص500

2۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج3، ص513

3۔ ایضاً

پھر جن لوگوں نے انہیں مرتب کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ میں سے نہ تھے بلکہ اس وقت انہوں نے نصرانیت کو قبول ہی نہیں کیا تھا اور نہ ان مرتب کرنے والوں نے ان لوگوں کا نام بتایا ہے جن کے واسطے سے ان تک یہ اناجیل پہنچی ہیں۔ آپ خود سوچیے کہ ستر سال تک جو کتاب مرتب نہیں ہوئی اور اس طویل عرصہ کے بعد جن لوگوں نے اسے مرتب کیا انہوں نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ کن لوگوں سے انہیں یہ چیز ملی ہے تاکہ ان کے بارے میں جانچ پڑتال کی جاسکے تو ایسے مجموعوں پر کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

اس پر طُرفہ یہ ہے کہ وہ اصلی نسخے جو سریانی زبان میں لکھے گئے تھے وہ سرے سے غائب ہیں ان کا سراغ تک نہیں ملتا تاکہ ان تراجم کا اصل کے ساتھ موازنہ کیا جاسکے۔ ان سریانی اناجیل کا ترجمہ بعد میں یونانی زبان میں کیا گیا، لیکن ان تراجم کا بھی کوئی اصلی نسخہ دستیاب نہیں۔ اناجیل کا جو سب سے قدیم یونانی ترجمہ ملتا ہے وہ چوتھی صدی کا ہے اور اس پر مزید ستم یہ ہے کہ عیسائی علماء اناجیل میں تحریف کو ہرگز قبیح نہیں سمجھتے تھے۔ اگر وہ کسی چیز کا اضافہ کرنا مناسب خیال کرتے تو بے جھجک کر لیتے۔

جہاں صورت حال یہ ہو وہاں آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اناجیل کیا سے کیا بن گئی ہوں گی اور ان میں کس طرح کے تصرفات راہ پاچکے ہوں گے؟ اس لیے اگر ایسی انجیلوں میں یہ بشارت نہ ملے تو قرآن پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو کہ تحریف و بگاڑ کے سیلاب کے باوجود جو صدیوں موجزن رہا، اب بھی بڑی صریح عبارتیں موجود ہیں جن میں حضور، علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کے بارے میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں جن کا تذکرہ ضیاء القرآن میں مختلف مقامات پر آپ پڑھ آئے ہوں گے۔ یہاں بطور نمونہ چند چیزیں عرض ہیں:

۱۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶، ۱۷) (1)

مددگار کے لفظ پر بائبل کے حاشیہ میں ''یا وکیل یا شفیع'' بھی تحریر ہے۔ (2)

۲۔ اسکے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۱) (3)

۳۔ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو مَیں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا رُوح جو باپ سے صادر ہوتا ہے، تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ (یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶۔۲۷) (4)

یہاں بھی مددگار کے لفظ پر حاشیہ میں ''یا وکیل یا شفیع'' مرقوم ہے۔ (5)

۴۔ لیکن مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۸۔۹) (6)

۵۔ اس باب کی تیرہویں اور چودھویں آیات ملاحظہ فرمائیں۔

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا تو تم کو

1۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، یوحنا باب 14، آیت 15-16، ص 99

2۔ ایضاً، یوحنا، باب 14، ص 99

3۔ ایضاً، باب 14، آیت 30، ص 99

4۔ ایضاً، باب 15، آیت 26-27، ص 100

5۔ ایضاً، باب 15، ص 100

6۔ ایضاً، باب 16، آیت 7-8، ص: 101

تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (1)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کوئی آنے والا ہے جس کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ بار بار اپنے اُمتیوں کو دے رہے ہیں۔ اس آنے والے کی جن صفات وخصوصیات کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے، ان کا مصداق بجز ذات پاک حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

لیکن اگر از راہِ تعصب کوئی شخص مصر ہو کہ مجھے انجیل میں حضور کا اسم گرامی دکھایئے، تو اس کے بارے میں گزارش ہے کہ جیسے آپ اوپر پڑھ آئے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔ انجیل اسی میں نازل ہوئی، لیکن چار انجیلیں جو ۷۰ء اور اس کے بعد مدوّن ہوئیں، وہ یونانی زبان میں تھیں اور ایسے لوگوں نے جمع کیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے براہ راست شاگرد نہ تھے۔ لازمی طور پر انہوں نے یہ اناجیل ان عیسائیوں سے ان کی اصلی زبان سریانی میں سنی ہوں گی اور سریانی سے انہیں یونانی کے قالب میں ڈھالا ہوگا۔ بد قسمتی سے جو یونانی تراجم پہلی صدی عیسوی کے آخری حصے میں مدون ہوئے، ان کے اصلی نسخے بھی نایاب ہیں اور جو یونانی تراجم دستیاب ہیں، ان کا تعلق چوتھی صدی عیسوی سے ہے۔ یونانی زبان سے اناجیل کے ترجمے لاطینی زبان میں کیے گئے۔ ان لاطینی ترجموں سے یورپ اور ایشیا کی دوسری زبانوں میں یہ کتب منتقل ہوئیں۔ ترجمہ در ترجمہ کے اس عمل سے اس انجیل میں جو ردوبدل اور تحریف وقوع پذیر ہوئی ہوگی، وہ محتاج بیان نہیں۔ اگر ان تراجم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی نہ ملے تو قطعاً تعجب کی بات نہیں۔

فلسطین وغیرہ ممالک جب مسلمانوں نے فتح کیے تو اس وقت وہاں کے لوگوں کی زبان بدستور سریانی تھی اور اسلامی فتح کے تقریباً تین سو سال تک یہی سریانی وہاں کی علاقائی زبان کی حیثیت سے باقی رہی۔ اتنے عرصے کے بعد عربی نے کہیں جا کر اپنا سکہ جمایا اور وہاں کے باشندوں کی مادری زبان بنی۔ فتح کے بعد مسلمان علماء کی آمد ورفت اس علاقے میں شروع ہوگئی۔ عیسائی علماء سے ان کے تعلقات قائم ہوئے اور وہ ان سے براہ راست سریانی زبان میں استفادہ کرتے رہے۔ اس طرح اناجیل کے بارے میں علمائے اسلام کو جو معلومات علمائے اہل کتاب سے حاصل ہوئیں، وہ اصل سے زیادہ قریب تھیں۔ وہ انہیں سریانی سے بلاواسطہ عربی میں حاصل ہوئیں۔ ترجمہ در ترجمہ کے جو حجابات عیسائیوں کو درپیش آئے مسلمان علماء کو ان سے سابقہ نہیں پڑا۔ اس لیے جب ہم سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کرتے ہیں تو حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ کتاب علامہ ابن ہشام نے جن کی وفات ۲۱۳ھ میں ہوئی، محمد بن اسحاق سے جن کی وفات ۱۵۱ھ میں ہوئی، اپنے استاد ابو محمد البکائی العامری کے واسطے سے نقل کی ہے۔ بکائی کی وفات کا سال ۱۸۳ھ ہے۔ اس میں یوحنا کے باب ۱۵ کی آیت ۲۶ کا عربی متن یوں ہے:

فَلَوْ قَدْ جَاءَ الْمُنْحَمَنَّا هٰذَا الَّذِیْ یُرْسِلُهُ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ مِّنْ عِنْدِ الرَّبِّ رُوْحِ الْقُدُسِ هٰذَا الَّذِیْ مِنْ عِنْدِ الرَّبِّ خَرَجَ فَهُوَ شَهِیْدٌ عَلَیَّ وَاَنْتُمْ اَیْضًا لِاَنَّكُمْ قَدِیْمًا كُنْتُمْ مَعِیْ فِیْ هٰذَا۔ قُلْتُ لَكُمْ لِكَیْ مَا لَا تَشَكُّوْا۔ (ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۵۱) (2)

اس کے بعد لکھتے ہیں۔ اَلْمُنْحَمَنَّا بِالسُّرْیَانِیَّةِ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالرُّوْمِیَّةِ الْبَرْقَلِیْطَسُ۔ یعنی مُنْحَمَنَّا سریانی لفظ ہے۔ اس کا معنی محمد ہے۔ رومی زبان میں اس کا ترجمہ برقلیطس کیا گیا ہے۔

برقلیطس کا رومی ہجہ اگر یہ ہو PERICLYTOS پھر تو معاملہ صاف ہے۔ اس کا معنی ہے تعریف کیا گیا اور محمد کا بھی

1۔ کتاب مقدس (نیا عہد نامہ)، یوحنا، باب 16، آیت 13-12، ص 101

2۔ سیرت ابن ہشام، ج 1، ص 251

بعینہ یہی معنی ہے۔ لیکن اگر اس کا ہجے یوں ہو PARACLETUS تو اگرچہ دونوں لفظوں کے تلفظ میں تو بڑی مشابہت ہے، لیکن اس کا معنی پہلے لفظ سے مختلف ہے۔ خود انجیل کے مترجمین کو اس کا ترجمہ کرنے میں بڑی دقّت پیش آئی ہے۔ اردو کی بائبل کے متن میں اس کا ترجمہ ''مددگار'' کیا گیا ہے اور حاشیہ پر ''وکیل'' یا ''شفیع'' مرقوم ہیں۔ کسی نے اس کا ترجمہ CONSOLATOR تسلی دینے والا، کسی نے TEACHER استاد اور آرگستائن نے ADVOCATE کیا ہے۔

کیا خبر کہ الفاظ کا یہ ہیر پھیر عیسائی علماء کے معمول کا کرشمہ ہو اور اسی وجہ سے وہ خود بھی پریشانی کا شکار ہو گئے ہوں۔

یہ صورتِ حال تو اس وقت ہے جبکہ ان چار انجیلوں پر اعتماد کیا جائے۔ لیکن صدیوں کی گمنامی سے، پردۂ غیب سے ایک انجیل ظہور میں آئی ہے جس کو انجیل برناباس کہتے ہیں۔ اس کے مطالعے سے بڑے بڑے پیچیدہ عقدے حل ہو جاتے ہیں اور شکوک و شبہات کا غبار خود بخود چھٹ جاتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیسیوں ایسے ارشادات موجود ہیں جن میں نام لے لے کر حضور کی آمد کی بشارتیں دی گئی ہیں اور بار بار اپنے اُمتیوں کو حضور کا دامنِ رحمت مضبوطی سے تھام لینے کے تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم وہ ایمان افروز حوالہ جات آپ کے سامنے پیش کریں، پہلے برناباس اور اس کی انجیل کے بارے میں کچھ وضاحتیں ضروری ہیں تاکہ کوئی شخص بلاوجہ اور نامعقول اعتراض کر کے آپ کو پریشان نہ کر سکے۔

برناباس قبرص کا باشندہ تھا۔ اس کا پہلا مذہب یہودیت تھا۔ اس کا نام JOSES تھا۔ لیکن دین عیسوی کی اشاعت اور ترقی کے لیے اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ حواری اس کو برناباس کے نام سے پکارا کرتے تھے جس کا معنی ہے ''واضح نصیحت کا فرزند''۔ بڑا کامیاب مبلغ تھا۔ جاذب قلب و نظر شخصیت کا مالک تھا۔ حضرتِ مسیح کے ساتھ مدت العمر جو قرب اسے نصیب رہا، اس نے اس کو اپنے حلقہ میں بڑا اہم مقام عطا کر دیا تھا۔

ابتدا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اپنے آپ کو یہود سے الگ کوئی اُمّت تصور نہیں کیا کرتے تھے۔ نہ ان کی علیحدہ عبادت گاہیں تھیں، لیکن یہودی انہیں شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی حقیقت، آپ کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق ان کے پہلے ماننے والوں کے نزدیک قطعاً وجہ نزاع نہ تھا۔ سب آپ کو انسان اور اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھتے تھے۔ اس وقت کے عیسائی، یہودیوں سے بھی زیادہ توحید پرست تھے۔ یہاں تک کہ سینٹ پال نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ اس طرح عیسائیت میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا جس کے نظریات اور معتقدات کا منبع انجیل یا حضرت مسیح کے اقوال نہ تھے، بلکہ اس کی ذاتی سوچ بچار کا نتیجہ تھے۔ پال یہودی تھا۔ طرسوس کا باشندہ تھا۔ کافی عرصہ روم میں رہا۔ ان کے فلسفہ اور مشرکانہ عقائد سے وہ بہت متاثر ہوا۔ عیسائیت کو اس نے اسی مشرکانہ سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جو عوام کو بہت پسند تھا، لیکن حضرت عیسیٰ کے حواری اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اپنے مذہب کی ترقی اور اشاعت کے لیے برناباس اور سینٹ پال کچھ عرصہ ایک ساتھ کام کرتے رہے، لیکن دن بدن اختلافات کی خلیج بڑھتی گئی۔ پال نے حلال و حرام کے بارے میں موسوی احکام کو بالائے طاق رکھ دیا۔ نیز ختنہ کی سنت ابراہیمی کو بھی نظر انداز کر دیا۔ برناباس کے لیے اس کے ساتھ مل کر کام کرنا مشکل ہو گیا چنانچہ دونوں علیحدہ ہو گئے۔ پال کو عوام الناس کی تائید کے علاوہ حکومت کی ہمدردیاں بھی حاصل تھیں، اس لیے اس کے پھیلائے ہوئے عقائد کو لوگوں نے دھڑا دھڑ قبول کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح برناباس اور اس کے ساتھی پس منظر میں چلے گئے۔ بایں ہمہ چوتھی صدی عیسوی تک برناباس کے

ہم عقیدہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے جو خدا کی باپ کی حیثیت سے نہیں، بلکہ مالک الملک اور قادرِ مطلق کی حیثیت سے عبادت کرتے تھے۔ اس وقت انطاکیہ کے بشپ پال کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے، بلکہ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ انطاکیہ کا دوسرا بشپ جس کا نام LUCIAN تھا اور جو تقویٰ اور علم میں بڑی شہرت کا مالک تھا، وہ بھی تثلیث کے عقیدے کا سخت مخالف تھا۔ اس نے انجیل سے ایسی عبارتیں نکال دیں جن سے تثلیث ثابت ہوتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ جملے بعد میں بڑھائے گئے۔ اس کو ۳۱۲ میں شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے شاگرد ARIUS نے توحید کا پرچم بلند کیا۔ اسے کئی بار کلیسا کے عہدے پر بھی فائز کیا گیا اور کبھی معزول کیا گیا۔ لیکن اس نے اپنا مشن جاری رکھا۔ کلیسا کی مخالفت کرنا آسان کام نہ تھا، لیکن ARIUS نے ان مشرکانہ عقائد کی ڈٹ کر مخالفت کی اور لوگ جوق در جوق اس کے نظریات کو قبول کرتے چلے گئے۔

اس اثنا میں دو ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے یورپ کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ شاہِ قسطنطین جس نے یورپ کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا، اس نے عیسائیت قبول کیے بغیر عیسائیت کی امداد شروع کر دی، لیکن عیسائی فرقوں کے باہمی اختلافات نے اسے سراسیمہ کر دیا۔ شاہی محل میں بھی یہ نظریاتی کش مکش زوروں پر تھی۔ مادر ملکہ تو پال کے نظریات کی حامل تھی جبکہ بادشاہ کی بہن ایریس کی معتقد تھی۔ بادشاہ کے پیش نظر تو صرف ملک میں امن وامان کا قیام تھا اور اس کی صرف یہ صورت تھی کہ سارے فرقے ایک کلیسا کو قبول کر لیں۔ ایریس اور بشپ الیگزنڈر کی مخالفت روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ بادشاہ کے لیے مداخلت ناگزیر ہو گئی۔ چنانچہ ۳۲۵ء میں ''نیقیا'' کے مقام پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ متواتر کئی روز تک اس کے اجلاس ہوتے رہے۔ فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے امن وامان کی خاطر کلیسا کی حمایت حاصل کرنا ضروری سمجھا، اس لیے اس نے ایریس کو جلاوطن کر دیا۔ اس طرح توحید کے بجائے تثلیث کا عقیدہ ملک کا رسمی مذہب بن گیا۔ کلیسا کی منظور شدہ انجیل کے بغیر کوئی انجیل اپنے پاس رکھنا جرم قرار دے دیا گیا۔ دو سو ستر مختلف انجیلوں کے نسخے نذر آتش کر دیئے گئے۔ شہزادی قسطنطانین کو یہ بات ناپسند ہوئی۔ اس کی کوشش سے ۳۴۶ء میں ایریس کو واپس بلایا گیا۔ جب وہ فاتحانہ انداز میں قسطنطنیہ میں داخل ہو رہا تھا، اس کی موت واقع ہو گئی۔ بادشاہ نے اسے قتلِ عمد قرار دیا۔ اس جرم کی پاداش میں سکندریہ کے بشپ کو دو اور بشپوں کے ساتھ جلاوطن کر دیا اور خود ایریس کے ایک معتقد بشپ کے ہاتھ پر عیسائیت قبول کر لی۔ توحید سرکاری مذہب قرار پایا۔ ۳۴۱ء میں انطاکیہ میں ایک کانفرنس ہوئی اور توحید کو عیسائی مذہب کا بنیادی عقیدہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ ۳۵۹ء میں سینٹ جیروم (S.JEROME) نے لکھا کہ ایریس کا مذہب مملکت کے تمام باشندوں نے قبول کر لیا۔ پوپ ہونوریس HONORIOUS (یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم عصر تھا) کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ ۶۳۸ء میں اس نے وفات پائی۔ لیکن ۶۸۰ء میں پھر تثلیث کے حق میں ایک لہر اٹھی۔ قسطنطنیہ میں پھر اجلاس ہوا جس میں پوپ ہونوریس کو مطعون اور مردود قرار دیا گیا اور اس کے نظریات کو مسترد کر دیا گیا۔ اگرچہ آج عیسائی دنیا تثلیث کو ایک مسلمہ اصول کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے، اس کے باوجود ان میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں، لیکن اسکے اظہار سے کتراتے ہیں۔

برناباس کی انجیل ۳۲۵ء تک مستند انجیل تسلیم کی جاتی رہی۔ ایرانیس IRANAEUS نے جب سینٹ پال کے مشرکانہ عقائد کے خلاف مہم شروع کی، تو اس نے برناباس کی انجیل سے بکثرت استدلال کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں یہ انجیل معتبر تسلیم کی جاتی تھی اور اپنے دین کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کے لیے اس کی عبارتوں کو بطورِ حجت پیش کیا جاتا تھا۔

لیکن ۳۲۵ء میں جو کانفرنس نیقیا میں ہوئی، اس میں یہ طے پایا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں موجود ہیں، ان سب کو ضائع کر دیا جائے۔ جس کے پاس یہ انجیل ملے، اس کی گردن اڑا دی جائے۔

۳۸۳ء میں پوپ نے انجیل برناباس کا نسخہ حاصل کیا اور اپنی پرائیویٹ لائبریری میں اسے محفوظ کر لیا۔ زینو بادشاہ کی حکمرانی کے چوتھے سال برناباس کی قبر کھودی گئی۔ اس انجیل کا ایک نسخہ جو اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا، اس کے سینے پر رکھا ہوا ملا۔ پوپ SIRITUS (۹۰-۱۵۸۵ء) کا ایک دوست تھا جس کا نام فرامارینو (FRAMARINO) تھا۔ اسے پوپ کی ذاتی لائبریری میں اس کا وہ نسخہ ملا۔ فرا کو اس سے بڑی دلچسپی تھی۔ کیونکہ اس نے ایرانیس کی تحریروں کا مطالعہ کیا تھا جس میں اس نے برناباس کی انجیل کے بکثرت حوالے دیئے تھے۔ اطالوی زبان میں لکھا ہوا یہ مسودہ مختلف لوگوں سے ہوتا ہوا ایمسٹرڈم (AMSTERDAM) کی ایک مشہور و معروف ہستی کے ہاں پہنچا۔ یہاں سے پرشیا کے بادشاہ کے مشیر جے۔ ایف۔ کریمر کو ملا۔ اس سے سیوے کے ایک علم دوست شہزادے یوگین (EUGENE) نے ۱۷۱۳ء میں حاصل کیا۔ ۱۷۳۸ء میں شہزادے کی پوری لائبریری کے ساتھ یہ نسخہ بھی وائنا پہنچا۔ اب بھی یہ نسخہ وہاں محفوظ رکھا ہے۔

ٹولینڈ (TOLAND) نے اپنی تصنیف ''MISCELLANEOUS WORKS'' جو اس کی وفات کے بعد ۱۷۴۷ء میں شائع ہوئی، کی جلد اوّل صفحہ ۳۸۰ پر ذکر کیا کہ انجیل برناباس کا قلمی نسخہ اب بھی محفوظ ہے۔ اسی کتاب کے پندرھویں باب میں لکھا ہے کہ ۴۹۶ء میں ایک حکم کے ذریعے اس انجیل کو ان کتب میں شامل کیا گیا جن کو کلیسا نے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس سے پہلے ۴۶۵ء میں پوپ انوسینٹ (POPE INNECENT) نے بھی اسی قسم کا حکم جاری کیا تھا۔ نیز ۳۸۲ء میں مغربی کلیسا نے متفقہ طور پر اس پر بندش عائد کی تھی۔

مسٹر اور مسز ریگ (RAGG) نے ۱۹۰۷ء میں ایک لاطینی نسخے سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو اب ہمارے سامنے ہے۔ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس نے اسے چھاپا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا۔ جب اس کا انگریزی ترجمہ چھپ کر بازار میں آیا تو اس کے سارے نسخے پُراسرار طریقے پر بازار سے غائب کر دیئے گئے۔ صرف دو نسخے محفوظ رہے۔ ایک برٹش میوزیم میں اور دوسرا واشنگٹن کی کانگریس لائبریری میں۔ یہ پیش نظر انگریزی ترجمہ مائیکروفلم کے ذریعے پبلشر نے ایک دوست کی وساطت سے واشنگٹن کی کانگریس لائبریری سے حاصل کیا ہے۔

برناباس کے حالات اور اس کی انجیل کی تاریخ کو قدرے شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کو حالات کا پوری طرح علم ہو اور اس الزام کی قلعی کھل جائے جو بعض عیسائی حلقوں کی طرف سے لگایا جا رہا ہے کہ اس انجیل کا مصنف کوئی ایسا شخص ہے جو عیسائیت سے مرتد ہو کر مسلمان ہوا اور دجل و تزویر سے ایک کتاب تصنیف کر کے اسے برناباس کی طرف منسوب کر دیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے کلیسا نے اس کتاب کو ممنوعہ لٹریچر میں شامل کر دیا تھا اور اس شخص کو واجب القتل قرار دیا تھا جس کے پاس یہ کتاب پائی جائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو بشارتیں اس میں بکثرت موجود ہیں، کلیسا کے غیظ و غضب کا گو سبب نہ تھیں، لیکن ان کے علاوہ اس میں کچھ ایسی

تعلیمات تھیں جو سینٹ پال کے پیش کردہ عیسائی مذہب کی بیخ کنی کرتی تھیں، اس لیے کلیسا کو یہ آخری اقدام کرنا پڑا۔ قدم قدم پر اس میں عقیدۂ تثلیث کا بطلان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو زوردار دلائل سے بڑے حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ خود حضرت عیسیٰ کے ارشادات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے، بلکہ اس کے بندے اور رسول تھے۔ کلیسا کے نزدیک یہ باتیں ناقابل برداشت تھیں، اس لیے انہوں نے اس کو اپنی مقدس کتب کی فہرست سے خارج کر دیا۔

برناباس نے اپنے رسول کی تعلیمات کو بلاکم وکاست بیان کیا۔ اسی طرح حضور سرور عالم ﷺ کے بارے میں جو بشارتیں حضرت عیسیٰ نے ایک بار نہیں، بلکہ بار بار دی تھیں، ان کا اس میں مندرج ہونا بھی قدرتی امر ہے۔ چنانچہ ان بے شمار بشارتوں میں سے صرف چند پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان کا مطالعہ کیجیے۔ اپنے ایمان کو تازہ کیجیے اور انہیں کی روشنی میں اس آیت کی صحیح تفسیر ملاحظہ فرمائیے: انجیل برناباس کے باب ۱۷ کا ایک حوالہ سماعت فرمائیے:

BUT AFTER ME SHALL COME THE SPLENDOUR OF ALL THE PROPHETS AND HOLY ONES, AND SHALL SHED LIGHT UPON THE DARKNESS OF ALL THAT THE PROPHETS HAVE SAID BECAUSE HE IS THE MASSENGER OF GOD.(1)

''لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور نفوسِ قدسیہ کے لیے آب وتاب ہے۔ اور پہلے انبیاء نے جو باتیں کی ہیں ان پر روشنی ڈالے گی، کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے''۔

FOR I AM NOT WORTHY TO ENLOOSE THE LIES OF THE HOSEN OR THE LATCHETS OF THE SHOES OF THE MESSENGER OF THE GOD WHOM YE CALL "MESSIAH" WHO WAS MADE BEFORE ME, AND SHALL COME AFTER ME, AND SHALL BRING THE WORDS OF TRUTH, SO THAT HIS FAITH SHALL HAVE NO END.(2)

''یعنی جس ہستی کی آمد کا تم ذکر کر رہے ہو، میں تو اللہ کے اس رسول کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں جس کو تم مسیحا کہتے ہو۔ اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی اور تشریف میرے بعد لے آئے گا۔ وہ سچائی کے الفاظ لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہوگی''۔ (باب ۴۲)

I AM INDEED SENT TO THE HOUSE OF ISRAEL AS A PROPHET OF SALVATION, BUT AFTER ME SHALL COME THE MESSIAH SENT OF GOD TO ALL THE WORLD, FOR WHOM GOD HATH MADE THE WORLD AND THEN THROUGH ALL THE WORLD WILL GOD BE WORSHIPPED, AND MERCY RECEIVED.(3)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: ''بے شک میں تو فقط اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، لیکن میرے بعد مسیحا تشریف لائے گا جسے اللہ تعالیٰ سارے جہاں کے لیے مبعوث فرمائے گا۔ اسی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات تخلیق کی ہے اور اسی کی کوششوں کے باعث ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی پرستش کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہوگی''۔ (باب ۸۲)

آپ پریشان ہیں کہ لوگوں نے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا ہے۔ رومی گورنر اور بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم روم کے شہنشاہ سے ایک ایسا فرمان جاری کروائیں گے جس میں سب کو آپ کے متعلق ایسی باتیں کہنے

1- انجیل برناباس انگلش، باب 17، ص 18

2- ایضاً، باب 42، ص 55

3- ایضاً، باب 82، ص 104

سے روک دیا جائے گا۔ ان کے جواب میں آپ فرماتے ہیں مجھے تمہاری ان باتوں سے اطمینان حاصل نہیں ہوا۔

"BUT MY CONSOLATION IS IN THE COMING OF MESSENGER WHO SHALL DESTROY EVRY FALSE OPINION OF ME, AND HIS FAITH SHALL SPREAD AND SHALL TAKE HOLD OF THE WHOLE WORLD, FOR SO HATH GOD PROMISED TO ABRAHAM OUR FATHER".(1)

”بلکہ میرا اطمینان تو اس رسول کی تشریف آوری سے ہوگا جو میرے بارے میں تمام جھوٹے نظریات کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس کا دین پھیلے گا اور سارے جہاں کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ ابراہیم سے اسی طرح کا وعدہ کیا ہے“۔ اس کے بعد پادری نے ایک سوال پوچھا کہ کیا اس رسول کی آمد کے بعد اور نبی بھی آئیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

"THERE SHALL NOT COME AFTER HIM TRUE PROPHETS SENT BY GOD, BUT THERE SHALL COME A GREAT DEAL OF FALSE PROPHETS, WHERE AT I SORROW-FOR SATAN SHALL RAISE THEM UP".(2)

”یعنی آپ کے بعد اللہ کا بھیجا ہوا کوئی سچا نبی نہیں آئے گا۔ البتہ کثرت سے جھوٹے نبی آئیں گے جنہیں شیطان کھڑا کرے گا“۔ اس پادری نے دوسرا سوال کیا: اس مسیحا کا نام کیا ہوگا اور کن علامات سے اس کی آمد کا پتہ چلے گا؟ اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"THE NAME OF THE MESSIAH IS ADMIRABLE, FOR GOD HIMSELF GAVE HIM THE NAME WHEN HAD CREATED HIS SOUL, AND PLACED IT IN A CELESTIAL SPLENDOUR- GOD SAID: "WAIT MUHAMMAD FOR THY SAKE I WILL TO CREATE PARADISE, THE WORLD, AND A GREAT MULTITUDE OF CREATURES"............ . I SHALL SEND THEE INTO THE WORLD I SHALL SEND THEE AS MY MESSENGER OF SALVATION AND THY WORD SHALL BE TRUE, IN SO MUCH THAT HEAVAN AND EARTH SHALL FAIL, BUT THEY FAITH SHALL NEVER FAIL". "MUHAMMAD IS HIS BLESSED NAME".(3)

”مسیحا کا نام ”قابلِ تعریف“ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی رُوح مبارک کو پیدا کیا اور آسمانی آب و تاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا۔ اللہ نے فرمایا: ”اے محمد! انتظار کرو، میں نے تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے۔ ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی۔ آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں، لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا“۔ آپ نے کہا کہ محمد اس کا بابرکت نام ہے“۔

پھر تمام سامعین نے یہ سن کر یہ کہتے ہوئے فریاد کرنی شروع کی:

"O GOD! SEND US THY MESSENGER-O MUHAMMAD! COME QUICKLY FOR THE SALVATION OF THE WORLD".(4)

”اے خدا! اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج۔ یا رسول اللہ! دنیا کی نجات کے لیے جلدی تشریف لے آئیے“۔ (باب ۹۷)

حضرت مسیح اپنے حواری برناباس سے اپنے آخری حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میرے قتل کی سازش کی جائے گی، چند ٹکوں کے عوض مجھے میرا ایک حواری گرفتار کرا دے گا، لیکن وہ مجھے پھانسی نہیں دے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے زمین سے

1- انجیل برناباس انگلش، باب 97، ص 122-123
2- ایضاً ص 123
3- ایضاً
4- ایضاً ص 124

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جا رہا ہے

إِلَى الْإِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑦ يُرِيْدُوْنَ

اسلام کی طرف ۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ۔ یہ (نادان) چاہتے ہیں

اٹھا لے گا اور جس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے، اس کو میرے بجائے سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ فرماتے ہیں:

I SHALL ABIDE IN THAT DISHONOUR FOR A LONG TIME IN THE WORLD, BUT WHEN MOHAMMAD SHALL COME, THE SACRED MESSENGER OF GOD, THAT INFAMI SHALL BE TAKEN AWAY. AND THIS SHALL GOD DO, BECAUSE I HAVE CONFESSED THE TRUTH OF THE MESSIAH, WHO SHALL GIVE ME THIS REWARD, THAT I SHALL BE KNOWN TO BE ALIVE AND TO BE A STRANGER TO THAT DEATH OF INFAMI.(1)

''طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے، لیکن جب محمد تشریف لائیں گے جو خدا کے مقدس رسول ہیں، تب میری یہ بدنامی اختتام پذیر ہوگی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا، کیونکہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں، وہ مجھے یہ انعام دے گا۔ لوگ مجھے زندہ جاننے لگیں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس رُسوا کن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں''۔ (باب ۱۱۲)

آپ نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ ذی شان رسول حضرت اسماعیل کی نسل سے ہوگا۔ اس مقام کی تنگ دامانی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں ان تمام حوالوں کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ امید ہے اگر بنظرِ انصاف آپ ان اقتباسات کا مطالعہ کریں گے تو حقیقت کا روئے زیبا یقیناً بے نقاب ہو جائے گا۔

رہا آخری سوال کہ جس شخص کا نام غلام احمد ہو، وہ اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے اور اسے احمد قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس کے بارے میں اتنا ہی سمجھ لیں کہ ایک شخص جس کا نام عبداللہ ہو وہ اپنے نام سے عبد حذف کر کے اگر اللہ نہیں کہلا سکتا تو اسی طرح غلام احمد نامی شخص غلام کا لفظ کاٹ کر اپنے آپ کو احمد کہلائے گا تو اس سے بڑھ کر قرآن کی کوئی تحریف نہیں ہو سکتی۔

۱۰ پس جب وہ رسول جس کا نام نامی احمد ہے، حضرت مسیحؑ کی پیشین گوئی کے مطابق تشریف لے آیا اور روشن معجزات سے اپنی صداقت کو آشکارا کر دیا تو ان لوگوں کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور معجزات نبوت کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

1۔ انجیل برنا باس انگلش، باب 112، ص 142

لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ

کہ بجھادیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے ۔ لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند

الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

کریں اس کو کافر ۱۱ وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ ع يٰٓاَيُّهَا ع ۹ ۹

تاکہ وہ غالب کردے اسے سب دینوں پر ۱۲ خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک ۔ اے

۱۱ کفار سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام کا یہ روشن چراغ بجھ جائے، لیکن وہ کان کھول کر سن لیں کہ ان کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ یہ نورِ حق اپنے شباب اور کمال کو پہنچے گا۔ اس کی تجلّیات سے بحر و بر، دشت و جبل چمک اٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ کا یہ آخری پیغام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے گا۔ کافروں کو بے شک اسلام کی ترقی سخت ناپسند ہے۔ وہ اسلام کو ناکام کرنے کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیں گے لیکن انہیں بجز حسرت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ آیت کسی ایسے موقع پر نازل نہیں ہوئی جب اسلام کے پرچم تلے لشکر جرار جمع ہو چکے تھے، مسلمانوں کی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھ چکی تھی، مخالفت کی آندھیاں تھم گئی تھیں اور اسلام کی کامیابی کے آثار ہر شخص کو دکھائی دینے لگے تھے بلکہ یہ آیت غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں کو بڑی شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ میدان جنگ میں ان کا بڑا جانی نقصان ہوا تھا۔ حضرت حمزہ؄ اور حضرت مصعب؄ جیسے عظیم المرتبت بہادر جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ قرب و جوار میں بسنے والے بدو قبائل کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب باقی نہ رہا تھا۔ ان ناگفتہ بہ اور غیر یقینی حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور سب دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حرف بحرف پورا ہوا۔

۱۲ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و کبریائی کا ذکر فرما رہا ہے کہ میں وہ قادر و حکیم ہوں جس نے ساری دنیا کی رہبری کے لیے ایک رسول بھیجا۔ اس کو نور ہدایت کا امین اور حق کا علمبردار بنایا اور اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ اس کے لائے ہوئے دین کو غلبہ عطا فرماؤں۔ چاردانگ عالم میں اس کا ڈنکا بجے۔ اس کے مجاہد میدان کارزار میں باطل کے پرستاروں کو تیر و سناں سے مغلوب کر رہے ہوں۔ اس کے علماء دلیل و برہان سے شرک کے علمبرداروں کو شکست دے رہے ہوں اور اسلامی معاشرہ اپنے پاکیزہ تمدن، اپنی نورانی تہذیب، اپنے منصفانہ نظام معیشت اور اخلاق حسنہ کے باعث اسلام کی برتری اور فتح مندی کا پرچم لہرا رہا ہو۔

اسلام چھپ چھپ کر وقت گزارنے کے لیے یا باطل سے مصالحت کر کے زندہ رہنے کے لیے نہیں آیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے شیروں کا دین ہے، یہ شمعِ حق کے پروانوں کا دین ہے۔ سارا کفر و شرک اگر اپنی قوتوں کو یکجا بھی کر لے تب بھی وہ ان کو ہراساں نہیں کر سکتا، ان کو پسپا نہیں کر سکتا۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ

ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچالے تمہیں دردناک عذاب

اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

سے ۱۳ (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ

اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪

میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے

۱۳۔ دوسرے لوگ بھی تجارت کرتے ہیں اس میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی۔ بسا اوقات تو سرمایہ تک برباد ہو جاتا ہے۔ اگر نفع ہو تو یہی ہوگا کہ دولت کی فراوانی اور اسباب عیش و آرام مہیا ہو جائیں گے، لیکن ایک تجارت وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو باخبر کر رہا ہے اور اس میں حصہ لینے کی ترغیب دے رہا ہے اور اس تجارت کی چند خصوصیات ہیں۔ اس میں نفع ہی نفع ہے، نقصان کا ذرا احتمال نہیں۔ اس کا نفع عارضی اور فانی نہیں بلکہ ابدی اور سرمدی ہے۔ اس کے فوائد سے اس کا تاجر صرف قیامت کے روز بہرہ ور نہ ہوگا بلکہ اس دنیا میں بھی اس کا نفع اسے ملے گا اور نفع بھی یہ ہے کہ جس میدان میں قدم رکھے گا تنہا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کے ہمراہ ہوگی اور فتح و کامرانی اس کے قدم چومے گی۔ جہاں بھی وہ جائے گا ہر چیز اس کے آگے دست بستہ حاضر ہوگی۔ پہاڑ اس کی ٹھوکر سے اور سمندر اس کی ضرب سے راستہ چھوڑ دیں گے۔ اور وہ تجارت یہ ہے کہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے اموال اور اپنی جانیں اپنے رب کے راستہ میں قربان کردو۔ بتایا کہ مال کو بچا بچا کر رکھنے میں تمہارا نفع نہیں بلکہ اس کی رضا کے لیے گھر بار لٹا دینا یہ تمہارے لیے سودمند ہے۔ جان کو بحفاظت رکھنے میں تمہاری سلامتی نہیں۔ تمہاری سلامتی اس میں ہے کہ اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دو اور اپنا سر قربان کردو۔ تمہیں حیاتِ جاوید بخش دی جائے گی۔ موت تمہارا دامن چھو تک نہ سکے گی۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی (علامہ اقبال)(1)

دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کی مہربانی سے فتح و کامرانی بہت بڑی چیز ہے۔ بہر حال آخرت کی

1۔ کلیات اقبال (اردو)، بانگ درا، ص 258

الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ لا

نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے

وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ

اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے (وہ بھی ملے گی) یعنی اللہ کی جناب سے نصرت اور فتح جو بالکل قریب ہے اور (اے حبیب!)

الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

مومنوں کو (یہ) بشارت سنا دیجیے۔ اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ ۱۴ جس طرح کہا تھا

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں؟ حواریوں نے

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ

جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنی

سرخروئی اس سے بھی اعلیٰ وافضل ہے، اس لیے اس کے ذکر کو مقدم کیا۔

۱۴ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں، نہ اس کا کوئی کام ہماری اعانت کا محتاج ہے۔ جو لوگ دین کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتے ہیں وہ گوناگوں برکات سے اپنی زندگی کو مالا مال کرتے ہیں اور محض اپنا اور اپنی آئندہ نسلوں کا بھلا کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ ان کے جذبۂ اخلاص کی قدر فرماتے ہوئے، ان کو انصار اللہ کے معزز لقب سے یاد فرماتا ہے۔ یہ اس کی کمال مہربانی، شانِ بندہ پروری اور ذرہ نوازی ہے۔

حَوَارِيُّوْن: جمع ہے۔ اس کا واحد حواریٌّ جو 'حوار'' سے مشتق ہے۔ حوار سفیدی کو کہتے ہی۔ دھوبی کو عربی میں حواری کہتے ہیں کیونکہ وہ میلے کپڑوں کو پاک اور اُجلا کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی شاگرد دھوبی تھے اس لیے انہیں حواریون کہا گیا۔ بعد میں پُرخلوص دوست اور باوفا ساتھی کو حواری کہا جانے لگا۔

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: اَلتَّحْوِيْرُ: اَلتَّبْيِيْضُ۔ وَالْحَوَارِيُّوْنَ: اَلْقَصَّارُوْنَ لِتَبْيِيْضِهِمْ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا قَصَّارِيْنَ ثُمَّ غَلَبَ حَتّٰى

اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى

اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے۔ پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے

عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ۲ ع ۵ ۱۰

مقابلہ میں بالآخر وہی غالب رہے ۱۵

صَارَ كُلُّ نَاصِرٍ وَّ كُلُّ حَمِيْمٍ حَوَارِيًّا۔ (لسان العرب)(1)

۱۵ جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ کہہ کر دعوت حق دی تو سلیم الطبع لوگ لبیک لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے اور مشرف بایمان ہوئے، لیکن بنی اسرائیل کے ہٹ دھرم اور ضدی لوگ چڑ گئے اور کفر پر آمادہ ہو گئے۔ اپنی سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ایمان دار گروہ کی امداد فرمائی اور ان کو غلبہ اور کامیابی سے سرفراز فرمایا۔

○○○○○○

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَنْصَارِ نَبِيِّكَ الْمُصْطَفٰى وَرَسُوْلِكَ الْمُجْتَبٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَاَجْمَلُ الثَّنَاءِ۔ وَاَيِّدْنَا عَلٰى جَمِيْعِ اَعْدَاءِ دِيْنِكَ لِيُصْبِحَ بِتَائِيْدِكَ وَنُصْرَتِكَ ظَاهِرًا عَلَى الْاَدْيَانِ كُلِّهَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

1۔ لسان العرب، ج 4، ص 20-219

تعارف سُورة الجُمُعَة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کی آیت نمبر ۹ میں ’’الجمعۃ‘‘ کا کلمہ ہے۔ اسی کو اس سورت کا نام تجویز فرما دیا گیا۔ اس میں دو رکوع، گیارہ آیتیں، ایک سو اسی کلمے اور سات سو بیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: حضرات ابن عباس، ابنِ زبیر، حسن، مجاہد، عکرمہ اور قتادہ بلکہ جمہور اُمّت کے نزدیک اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا (1)۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: کہ میں اس روز بارگاہ نبوت میں حاضر تھا جس روز سورۂ جمعہ نازل ہوئی (2)۔ اور سب کو علم ہے کہ حضرت ابو ہریرہ صلحِ حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے مشرف باسلام ہوئے (3)، اور غزوۂ خیبر ۷ھ میں ہوا۔ ابن ہشام کے نزدیک محرم کا مہینہ تھا اور ابن سعد کے نزدیک جمادی الاولیٰ کا۔ (4)

نیز اس کے مضامین بھی اس کے مدنی ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اس میں یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے نیز جمعہ ادا کرنے کا تاکیدی حکم بھی ہے اور ان دونوں کا تعلق مدنی عہد سے ہے۔

مضامین: اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی صفاتِ حمیدہ کے بیان سے اس سُورت کا آغاز ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ رفیع کے حکم کے بعد اپنے محبوبِ کریم علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے محامد و کمالات بیان فرمائے ہیں۔ اُمّیین کا ذکر کر کے یہود کے اس زعمِ باطل کی تردید فرما دی جو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ نبوت فقط اسرائیل کے خانوادہ کی جاگیر ہے۔ کوئی غیر اسرائیلی نبی نہیں بن سکتا۔ بتا دیا کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ قادر و مختار ہے۔ جس کو چاہے اپنے فضل سے سرفراز فرما دے۔ نہ کوئی اس کو ایسا کرنے سے منع کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کی اس عطا پر معترض ہونے کا اختیار ہے۔ اُس نے اپنی مہربانی سے اُمّیین میں ایسا جلیل القدر، رفیع الشان رسول مبعوث فرمایا جس کی خیرات و برکات کا یہاں ذکرِ خیر ہو رہا ہے۔ جو آیاتِ ربانی پڑھ کر سناتا ہے۔ یہ وہ مینار ہے جس سے تا ابد رُشد و ہدایت کی شعاعیں نکلتی رہیں گی۔ اس کا فیضانِ نگاہ اس کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ فیضان کا یہ چشمہ قیامت تک جاری رہے گا۔ جو خوش نصیب اس کی بارگاہ میں دامنِ طلب پھیلائے گا، بامراد واپس آئے گا۔

مشرکینِ عرب کے علاوہ یہودی بھی اسلام کی عداوت میں پیش پیش تھے۔ وہ ہر وقت اسی اُدھیڑ بن میں مصروف رہتے کہ اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کی چٹانیں کھڑی کر دیں۔ بلکہ ان کا بس چلے تو باعثِ ایجادِ عالم محبوبِ رب العلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

1۔ روح المعانی، جز28، ص92 2۔ ایضاً 3۔ طبقات کبریٰ، ج4، ص327

4۔ سیرت ابن ہشام، ج3، ص378۔ طبقات کبریٰ، ج2، 106

شمعِ حیات کو ہی گل کر دیں۔ ان کے بارے میں بتا دیا کہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ موسیٰ کلیم اللہ کی اُمّت ہیں۔ اُن کے پاس تورات جیسا آسمانی صحیفہ موجود ہے۔ لیکن صد حیف! انہیں اس سے استفادہ کی توفیق کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اس کی آیتیں بیچ کر متاعِ دنیا جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اُن کی مثال اُس گدھے کی ہے جس پر قیمتی علمی کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو، لیکن اسے یہ خبر نہ ہو کہ اس میں علم و حکمت کے کتنے قیمتی موتی موجود ہیں۔

ایک اور غلط فہمی بھی ان کی بدنصیبی کا باعث تھی۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کا لاڈلا خیال کرتے تھے۔ کسی غیر اسرائیلی کا اتباع ان کے نزدیک ان کی توہین اور ہتک کا باعث تھا۔ بتا دیا کہ تمہارا یہ گمان سراسر غلط ہے۔ دل کی گہرائیوں میں تم بھی اسے غلط سمجھتے ہو، ورنہ تم موت سے نہ ڈرتے۔ تمہارے خیال کے مطابق تو چاہیے تھا کہ تم موت کے خواہاں ہوتے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے لاڈلوں کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا۔ تمہاری بزدلی کا تو یہ عالم ہے کہ خیبر جیسے مستحکم قلعے اور جنگی ہتھیاروں کے انبار بھی تمہیں مردِ میدان بننے کی عزت نہ بخش سکے۔

دوسرے رکوع کے مدنی ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں، لیکن بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ اس کا نزول ہجرت کے فوراً بعد ہوا جب کہ مسلمانوں کو اجتماعی عبادتوں کی تربیت دینے کی ضرورت تھی۔ یہاں مسلمانوں کو نمازِ جمعہ کے آداب سکھائے جا رہے ہیں اور تاکید کی جا رہی ہے کہ جب اللہ کا حبیب خطبہ ارشاد فرما رہا ہو تو کسی دنیوی مقصد کے حصول کی خاطر وہاں سے اٹھ کر چلے نہ جایا کرو۔ البتہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کسبِ معاش کے لیے اللہ کی زمین میں پھیل جاؤ اور ہر حالت میں کثرت سے اپنے اللہ کریم کا ذکر کیا کرو۔

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الجمعہ مدنی ہے اور اس کی ۱۱ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ

اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے، جو بادشاہ ہے، نہایت مقدّس ہے،

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

زبردست ہے، حکمت والا ہے ۱؎ وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا اُمّیوں میں ایک رسول انہیں میں سے

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَ

جو پڑھ کر سُناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت۔

۱؎ اس سے پہلی سورت میں سَبَّحَ ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یہاں يُسَبِّحُ مضارع کا صیغہ ذکر ہوا جو حال و مستقبل دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اس کی تسبیح زمانی حدود کی پابند نہیں۔ ازل سے کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے اور ابد تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اپنی استعداد، اپنی مخصوص زندگی اور شعور کے مطابق اسی کی تسبیح بیان کرنے میں منہمک ہے۔

اس کے بعد چند اسمائے حسنہ ذکر کر دیئے گئے تاکہ اس ہمہ گیر تسبیح کی وجہ بتا دی جائے۔ وہ کائنات کا حقیقی بادشاہ اور فرمانروا ہے۔ جہانِ ہست و بود اور اس سے ماوراء اسی کی سلطانی کا ڈنکا بج رہا ہے۔ وہ قدّوس ہے، ہر نقص سے پاک، بالکل پاک۔ نہ وہاں عجز کا شائبہ ہے، نہ وہاں ظلم و تعدی کا احتمال ہے۔ وہ عزیز ہے۔ اس کا فیصلہ اٹل ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اسے ٹال سکے یا مسترد کر سکے۔ وہ ان جملہ صفات کمال سے متصف ہونے کے باوجود حکیم ہے۔ اس کے سارے کام عین حکمت، عین صواب ہیں۔

اس آیت کے بعد محبوبِ رب العالمین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مبارکہ کا ذکر آرہا ہے اس لیے اپنی صفاتِ جمال و جلال کو پہلے بیان کر دیا تاکہ کوئی کم فہم اس رسول کی شانِ رحمۃ للعالمینی کی وسعتوں کا انکار نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کو بھیجنے والا وہ خداوندِ جلّ وعلا ہے جس کی صفات کا یہ عالم ہے۔

اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ﴿۲﴾ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا

اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ۲؎ اور دوسرے لوگوں کا بھی ان میں سے (تزکیہ کرتا ہے تعلیم دیتا ہے) جو

۲؎ اسی خداوند عالم نے جو ان صفاتِ جمیلہ وجلیلہ سے متصف ہے، ان اُمیوں میں سے ایک گرامی منزلت رسول مبعوث فرمایا۔ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کی تشریح کرتے ہوئے علمائے تفسیر نے لکھا ہے: اَیْ مِنْ جُمْلَتِهِمْ اُمِّیًّا مِّثْلَهُمْ (مظہری۔ روح المعانی وغیرہ)(1) یعنی حضورؐ انہی میں سے تھے اور ان کی طرح اُمّی تھے۔

لفظ امی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: وَالْاُمِّیُّ الَّذِیْ لَا یَكْتُبُ قَالَ الزُّجَاجُ: الْاُمِّیُّ الَّذِیْ عَلٰی خِلْقَةِ الْاُمَّةِ لَمْ یَتَعَلَّمِ الْكِتَابَ فَهُوَ عَلٰی جِبِلَّتِهٖ وَقِیْلَ لِلْعَرَبِ الْاُمِّیُّوْنَ لِاَنَّ الْكِتَابَةَ كَانَتْ فِیْهِمْ عَزِیْزَةً اَوْ عَدِیْمَةً (2)۔ یعنی اُمّی وہ ہے جو لکھ نہ سکے۔ زجاج کہتے ہیں کہ امی اس کو کہتے ہیں جو اپنی پیدائش کے وقت کی حالت پر رہے، جس نے لکھنا نہ سیکھا ہو۔ اہلِ عرب کو بھی امیین کہا جاتا کیونکہ ان میں لکھنا نادر بلکہ معدوم تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امی مبعوث کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ کسی کے سینے کو علوم ومعارف سے لبریز کرتا ہے تو اسے تحصیل علم کے مروّجہ طریقوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ اِشَارَةٌ اِلٰی عَظِیْمِ قُدْرَتِهٖ عَزَّوَجَلَّ وَاَنَّ اِفَاضَةَ الْعُلُوْمِ لَا تَتَوَقَّفُ عَلَى الْاَسْبَابِ الْعَادِیَةِ (3)۔ اسی کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں: امی ولی بھی ہوسکتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اس کی روح ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہوجاتی ہے تو اس کے دل پر انوارِ الٰہیہ کا القا کیا جاتا ہے اور انہیں انوار سے وہ علومِ ربانیہ اور معارفِ لدنیہ کا ادراک کرسکتا ہے۔ وَمَنِ انْقَطَعَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَخَلَصَتْ رُوْحُهٗ اُفِیْضَ اِلٰی قَلْبِهٖ اَنْوَارُ اِلٰهِیَّةٌ تَهَیَّاَتْ بِهَا بِاِدْرَاكِ الْعُلُوْمِ الرَّبَّانِیَّةِ وَالْمَعَارِفِ اللَّدُنِّیَّةِ (4)۔

علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے: لَمْ یَحْتَجَّ اِلَیْهِ مَنْ كَانَ الْقَلَمُ الْاَعْلٰی یَخْدِمُهٗ وَاللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ مُصْحَفُهٗ وَمَنْظَرُهٗ۔ وَعَدَمُ كِتَابَةٍ مَعَ عِلْمِهٖ بِهَا مُعْجِزَةٌ بَاهِرَةٌ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ (5)

یعنی قلمِ اعلیٰ جس کا خادم ہو اور لوح محفوظ جس کی نگاہوں میں ہو اس کو نوشت وخواند کی کیا ضرورت؟ اور جاننے کے باوجود نہ لکھنا یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روشن معجزہ ہے۔ کسی عارف نے لکھا ہے۔

فیض ام الکتاب پرورش   لقب امی ازاں خدا کردش
لوحِ تعلیم نا گرفتہ بہ بر   ہمہ ز اسرارِ لوح دادہ خبر
برخط اوست انس و جاں راسر   کہ نہ خواند ست خط ازاں چہ خطر (6)

ترجمہ: ام الکتاب (قرآن شریف) کے فیض نے کیونکہ آپ کی پرورش کی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا لقب امی رکھا ہے اگرچہ آپ نے علم سیکھنے کی تختی اپنی بغل میں نہیں پکڑی لیکن لوح محفوظ کے تمام رازوں سے خبر دی ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص275۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز28، ص93   2۔ لسان العرب، ج12، ص34

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز28، ص107   4۔ ایضاً   5۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج9، ص14-513   6۔ ایضاً، ص514

انس وجن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط پر اپنے سر رکھ دیئے ہیں۔ اگر ظاہری خط نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امی مبعوث کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی شخص حضور پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ جو حکیمانہ کلمات اور پاکیزہ تعلیمات آپ سکھا رہے ہیں وہ حکماء کی کتابوں کے طویل اور عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

جب اہل نظر یہ دیکھیں گے کہ اس ہستی نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمیذ تہ نہیں کیا۔ کبھی نہ کچھ لکھا اور نہ کچھ پڑھا، تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ جو حکیمانہ کلام آپ سناتے ہیں یہ آپ کا کلام نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے فرائض کو اس آیت میں بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ کا پہلا فریضہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات طیبات کو اپنی پاکیزہ زبان سے تلاوت فرمائیں تاکہ وہ دلوں میں اُترتی چلی جائیں۔ صرف ان آیات کی تلاوت پر بس نہ کریں بلکہ اس کتاب کی انہیں تعلیم بھی دیں۔ اس کی حکمتوں اور اس کے اسرار و معارف سے آگاہ بھی کریں۔ صرف تلاوت آیات اور تعلیم کتاب وحکمت سے ہی فریضۂ رسالت ادا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اپنی نگاہِ رحمت سے دلوں کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک اور مطہر کر دیں۔ رسالت محمدیہ علیٰ صاحبہا اجمل الصلوٰۃ واطیب السلام کی شان کا پتہ اسی وقت چلتا ہے جب انسان اس معاشرہ پر نظر ڈالتا ہے جو حضور کے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف ہوا۔ وہ لوگ پہلے کھلی گمراہیوں میں بھٹک رہے تھے۔ لیکن حضور کے فیضِ نظر سے ریگزارِ عرب کے حقیر ذرّے آفتاب ومہتاب بن کر چمکنے لگے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

اُمیٔ بود کہ ما از اثرِ حکمتِ او واقف از سرِ نہاں خانۂ تقدیر شدیم (1)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ سے اُس استفادے کی طرف اشارہ کیا گیا جو زبانِ قال سے صحابہ کو نصیب ہوا اور يُزَكِّيْهِمْ سے اس قلبی فیضان کی طرف اشارہ فرما دیا جو نبوت کی نگاہ فیض اثر اور توجہ باطنی سے انہیں میسر آتا تھا۔ اولیائے کرام اپنے مریدین پر اسی سنت نبوی کے مطابق انوار کا القا کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دل اور ان کے نفوس پاک اور طاہر بن جاتے ہیں۔

علامہ مذکور فیضان نگاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَمَعَ هٰذَا لَا اُنْكِرُ بَرَكَةَ كُلٍّ مِّنَ الْاَمْرَيْنِ التَّوَجُّهِ وَالرَّابِطَةِ وَقَدْ شَاهَدْتُّ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ۔ مرشد کامل کی توجہ اور تعلق خاطر کی برکت کا میں انکار نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ (روح المعانی) (2)

بعض یہود نے اس آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف امیین یعنی اہل عرب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ لیکن یہ استدلال سراسر باطل ہے۔ اگر قرآن کریم میں اِلَى الْاُمِّيّٖنَ ہوتا تو ان کے قول میں کچھ وزن ہوتا۔ یہاں تو فی الامیین کے الفاظ ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ حضورؐ کی بعثت امیین میں ہوئی۔ لیکن آپ کی بعثت ان امیین تک محدود نہ تھی جس طرح قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تصریح کر دی گئی ہے۔ كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اَلْمَذْكُوْرُ فِى الْاٰيَةِ قَوْمُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجِنْسُ الَّذِيْنَ بُعِثَ فِيْهِمْ وَاَمَّا الْمَبْعُوْثُ اِلَيْهِمْ لَمْ يَتَعَرَّضْ لَهٗ فِيْهَا نَفْيًا اَوْ اِثْبَاتًا وَّقَدْ تَعَرَّضَ لِاِثْبَاتِهٖ فِىْ آيَاتٍ اُخَرَ ۔ (روح المعانی) (3)

نیز اس آیت کے متصل جو آیت ہے اس نے اس ضعیف احتمال کی بھی بیخ کنی کر دی ہے۔

1۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) ص 308۔ پیام مشرق، ص 138

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 107

3۔ ایضاً، ص 94

يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ

ابھی ان سے آکر نہیں ملے ۳ اور وہی سب پر غالب، حکمت والا ہے ۴ یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے اسے

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا

جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحبِ فضلِ عظیم ہے ۵ ان کی مثال جنہیں تورات کا

التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ

حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں ۶ (اس سے بھی زیادہ) بُری

۳ پہلے ذرا اس کے اعراب ملاحظہ فرمالیجیے۔ اگر اس کا معطوف علیہ امیین بنایا جائے تو اس صورت میں یہ فی کا مجرور ہوگا اور اگر اس کا معطوف علیہ یُعَلِّمُهُمْ میں ضمیر مفعول ہو تو اس صورت میں منصوب ہوگا۔ یعنی يُعَلِّمُهُمْ وَيُعَلِّمُ الْاٰخَرِيْنَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ یعنی حضور ان امیین کو بھی کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کے دلوں کو پاک کرتے ہیں نیز جو لوگ قیامت تک حضور کے دین حنیف کو قبول کریں گے وہ بھی فیوضِ نبوت سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ عوام بالواسطہ اور خواص بالواسطہ بھی اور براہِ راست اور بلا واسطہ بھی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اِشَارَةٌ اِلٰى عَدَمِ انْقِطَاعِ فَيْضِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اُمَّتِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَقَدْ قَالُوْا بِعَدَمِ انْقِطَاعِ فَيْضِ الْوَلِيِّ اَيْضًا بَعْدَ انْتِقَالِهٖ مِنْ دَارِ الْكَثَافَةِ وَالْفَنَاءِ اِلٰى دَارِ التَّجَرُّدِ وَالْبَقَاءِ(1)۔ یعنی اس سے یہ بھی پتہ چلا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض اپنی امت سے تا قیامت منقطع نہیں ہوگا اور صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ ولی کا فیض بھی دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف انتقال کرنے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتا۔

۴ آخر میں پھر بتا دیا کہ جس ربِّ کریم نے ذاتِ مصطفوی کو قیامت تک آنے والوں کے لیے منبعِ فیض اور مصدرِ رشد وہدایت بنایا ہے، جس نے اپنے محبوب کی ردائے رحمت کو اتنا وسیع کیا ہے کہ عالمین اس کے زیر سایہ ہیں، وہ الْعَزِيْزُ اور الْحَكِيْمُ ہے۔ ہے کوئی جو اس العزیز کے سامنے دم مار سکے؟ ہے کوئی جو اس الحکیم کے فیصلہ میں عیب نکال سکے؟

۵ اس مقام پر اس آیت کا نازل ہونا اپنے اندر معانی واسرار کا ایک جہان سمیٹے ہوئے ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ صاحبِ فضل عظیم پروردگار کے جود وکرم اور فضل وعطا کی بیکرانیوں کا اندازہ کچھ وہی خوش نصیب لگا سکتے ہیں جنہیں مقامِ محمدی کا عرفان بخشا گیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى حَبِيْبِكَ وَمَحْبُوْبِكَ حَامِلِ لِوَاءِ الْحَمْدِ صَاحِبِ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّهٗ وَاتِّبَاعَهٗ وَاحْشُرْنَا فِيْ زُمْرَتِهٖ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

۶ اس آیت میں ان یہودیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہیں تورات جیسی عظیم کتاب کا حامل بنایا گیا تھا۔ وہ ان کثیر التعداد پیشین گوئیوں سے آگاہ تھے جن میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ذکر تھا اور حضور پر ایمان لانے کی بار بار تاکید کی گئی تھی۔ اس کے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز28، ص108

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ

حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالموں کی

الظّٰلِمِیْنَ ۝۵ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ

رہنمائی نہیں کرتا ۷ آپ فرمائیے اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست

لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۶

ہو اور لوگ (دوست) نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو۔

وَ لَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ

اور (اے حبیب!) وہ اس کی تمنا کبھی نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو وہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب

بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۷ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ

جانتا ہے ظالموں کو ۸ آپ (انہیں) فرمائیے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی

باوجود وہ حضور پر ایمان لانے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ وہ کسی ایسے نبی کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو اسرائیلی نہ ہو، خواہ وہ خدا کا فرستادہ ہو۔ فرمایا: یہ لوگ گدھے کی مانند ہیں جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں لیکن وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر رہا ہو۔ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ اَیْ كُلِّفُوا الْعَمَلَ بِمَا فِیْهَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تورات پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ قَالَ الْجُرْجَانِیُّ وَهُوَ مِنَ الْحَمَالَةِ اَیِ الْكَفَالَةِ(1)۔ جرجانی کہتے ہیں: حُمِّلُوْا، حَمَالَہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی کفالہ یعنی ذمہ داری ہے۔ یعنی ان پر عمل کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی۔ لَمْ یَحْمِلُوْهَا اَیْ لَمْ یَعْمَلُوْهَا۔ یعنی انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا تھا۔ الاَسفار: اس کا واحد سِفْرٌ ہے۔ وَهُوَ الْكِتَابُ الْكَبِیْرُ یعنی ضخیم کتاب کو سِفْر کہتے ہیں۔

۷ یعنی جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی وہ گدھوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ گدھے علم اور سمجھ سے بے بہرہ ہیں اور یہ لوگ علم و فہم رکھتے ہوئے بھی آیاتِ ربّانی جھٹلا رہے ہیں۔ وَهُوَ اَنَّهُمْ كَذَّبُوْا عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى كَانَ فِیْ غَایَةِ الشَّرِّ وَالْفَسَادِ۔ (رازی)(2)

۸ یہود بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآءُهٗ: ہم خدا کے بیٹے اور لاڈلے ہیں۔ نیز کہتے: لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا یعنی جنت میں صرف وہی داخل ہو سکے گا جو یہودی ہے۔ اس زعم باطل کی قلعی کھولی جارہی ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 94

2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 15، جز 30، ص 6

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو۔ پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم

تَعْمَلُوْنَ ۝۸ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ ع ۸ ۱۱

کیا کرتے تھے ۹ے اے ایمان والو! جب (تمہیں) بُلایا جائے نماز کی طرف جمعہ

الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف ۱۰ے اور (فوراً) چھوڑ دو خرید و فروخت ۱۱ے یہ تمہارے لیے بہتر ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ تَمَنَّوُا الْمَوْتَ مَا بَقِيَ عَلٰى ظَهْرِهَا يَهُوْدِيٌّ اِلَّا مَاتَ (1)۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہتا۔

اس آیت میں حضور کا معجزہ بھی ہے۔ خبر دے دی کہ وہ موت کی تمنا کبھی نہ کریں گے اور واقعی وہ مرنے کی تمنّا کبھی نہ کر سکے۔

۹ے ان کا مرنا موت کی تمنا پر موقوف نہیں، وہ ہزار اس سے بھاگیں، وہ لاکھ اس سے بچنے کی کوشش کریں انہیں ضرور لامحالہ ایک روز موت کا پیالہ پینا ہی پڑے گا۔

۱۰ے اس رکوع میں نماز جمعہ کے احکام اور آداب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں مخاطب صرف فرزندان اسلام ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! جب تم نماز جمعہ کی اذان سنو تو جلدی سے اللہ کے ذکر کی طرف پہنچنے کی کوشش کرو اور اسی وقت خرید و فروخت بند کر دو۔ نُوْدِيَ سے مراد جمعہ کی اذان ہے اور احناف کے نزدیک یہ پہلی اذان ہے جو خطبہ سے کچھ دیر پہلے دی جاتی ہے۔ اِسْعَوْا کا معنی دوڑنا یا بھاگنا نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھاگ کر نماز میں شرکت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فَلَا تَأْتُوْهَا وَاَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَلٰكِنِ ائْتُوْهَا وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةَ وَالْوَقَارَ وَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ اَتِمُّوْا (2)۔ یعنی سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا: نماز کی اقامت سنو تو بھاگ کر نہ آؤ بلکہ بڑے سکون اور وقار کے ساتھ نماز کی طرف آؤ۔ جو رکعتیں مل جائیں وہ امام کے ساتھ پڑھو اور جو فوت ہو جائیں انہیں سلام کے بعد پورا کرو۔

اس لیے علماء نے سعی کا معنی یہ کیا ہے: اِخْلَاصُ النِّيَّةِ وَالْعَمَلُ۔ یعنی ارادہ کر لو اور وہاں جانے کی تیاری شروع کر دو۔

۱۱ے صرف خرید و فروخت کو ختم کرنے یا بند کرنے کا حکم نہیں بلکہ تمام وہ مشاغل جو جمعہ کی حاضری میں رکاوٹ بن سکیں تمام کو ترک کرنا ضروری ہے اور خرید و فروخت کا خصوصی ذکر اس لیے ہوا کہ جمعہ کے روز لوگ باہر سے آتے اور بیچنے کے لیے اپنا سامان بھی لاتے اور شہر سے اپنی ضروریات خرید کر بھی لے جاتے۔ ملحقہ بستیوں کے لوگوں کے آنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بڑی چہل پہل ہو جاتی اور خرید و فروخت کا بازار خوب گرم ہو جاتا اس لیے خصوصیت سے وَذَرُوا الْبَيْعَ کا حکم فرمایا گیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 96

2۔ مسند امام احمد، ج 2، ص 460

اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹﴾ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِى

اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو ۱۲؎ پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ

۱۲؎ یعنی خرید و فروخت اور جملہ مشاغل کو پسِ پشت ڈال کر مکمل تیاری سے نمازِ جمعہ میں حاضری تمہارے لیے تمام چیزوں سے زیادہ سُود مند اور نفع بخش ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ، اس کی ابتداء اور جمعہ کے بارے میں چند ضروری مسائل بالاختصار ذکر کر دیئے جاتے ہیں:

زمانۂ جہالت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ حضور کے جدِ امجد کعب ابن لوی اس روز قریش کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا کرتے تھے اور انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری سناتے اور انہیں تاکید کرتے کہ حضور پر ایمان لائیں اور حضور کی نصرت میں غفلت سے کام نہ لیں۔ ان کا ایک شعر بھی مشہور ہے۔

یَا لَیۡتَنِیۡ شَاهِدٌ اَنۡجوِیۡ دَعۡوَتَهٗ اِذَا قُرَیۡشٌ تَبۡتَغِ الۡحَقَّ خِذۡلَانَ

”کاش! میں حضورؐ کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا۔ جب قریش حق کو ناکام بنانے کی کوشش کر رہے ہوتے“۔ حضرت کعب نے ہی اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا لیکن اس نام کو شہرت نہ ہوئی۔ اہل عرب اسے یوم العروبہ ہی کہتے رہے۔ کعب ابن لوی اور حضورؐ کی بعثت کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تشریف آوری سے پہلے حضرت مصعب ابن عمیر کو تبلیغ کیلئے یثرب روانہ کیا تھا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے یثرب کے کافی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہفتہ میں یہودی ایک دن (یوم سبت) مل کر عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ اتوار کو اجتماع کرتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہفتہ میں کوئی دن مقرر کریں۔ اس دن سب چھوٹے بڑے اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت کریں اور اس کا شکر ادا کریں۔ انہوں نے اپنے اس اجتماع کے لیے عروبہ کا دن منتخب کیا۔ چنانچہ اس روز یثرب کے سارے مسلمان اکٹھے ہوئے اور حضرت اسعد ابن زرارہ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو ادا کیا گیا۔ حضرت کعب ابن مالک جب جمعہ کی اذان سنتے تو دعا مانگتے کہ اے اللہ! سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ چنانچہ ان مسلمانوں کی ایمانی بصیرت نے دو چیزوں کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ ایک یہ کہ انہیں ہفتہ میں ایک روز عبادت، ذکر اور شکر کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔ دوسری یہ کہ وہ دن ہفتہ اور اتوار نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور دن مقرر کرنا چاہیے۔ تاکہ ہماری ملی انفرادیت برقرار اور نمایاں ہو۔ یہ فیصلہ انہوں نے از روئے اجتہاد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اجتہاد پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس وقت سے اس دن کا نام عروبہ سے یوم الجمعہ ہو گیا اور اسی نام کو پھر مقبولیت عام اور شہرتِ دوام حاصل ہو گئی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے تو چند روز یثرب کی نواحی بستی قبا میں قیام فرمایا اور مسجدِ قبا کی بنیاد رکھی۔ سوموار، منگل، بدھ، جمعرات قبا میں ہی ٹھہرے اور جمعہ کے روز وہاں سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اسے مدینہ طیبہ بننے کا شرف عطا فرمائیں۔ بنی سالم بن عوف کی وادی پہنچے تو نمازِ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہیں توقف فرمایا، خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ ہے جو حضور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا کیا۔ (1)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص 278-80

چند مسائل

جمعہ فرض عین ہے۔ اس کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت جمعہ کی فرضیت کی محکم دلیل ہے۔ ارشاد ہے کہ جب نماز جمعہ کی اذان سنو تو سب کا روبار فوراً چھوڑ دو اور تیزی سے اس کو ادا کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

سعی کا حکم اور خرید وفروخت چھوڑ دینے کا امر اس کی فرضیت پر واضح دلالت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ بکثرت احادیث موجود ہیں جن سے اس کی فرضیت کا پتہ چلتا ہے۔ عَنْ اَبِیْ عُمَرَ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَلٰی اَعْوَادِ الْمِنْبَرِ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ عَلٰی وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَیَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَیَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِیْنَ۔ (رواہ مسلم)(1)

حضرت ابو عمر اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر بیٹھے ہوئے یہ فرماتے سنا جو لوگ جمعہ ترک کرتے ہیں وہ اس سے ضرور باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ غافل ہو جائیں گے۔

عَنْ اَبِی الْجَعْدِ الضَّمْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قَلْبِهٖ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)(2)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز جمعہ کو معمولی اور حقیر سمجھتے ہوئے تین جمعے ترک کیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَیْهِ الْجُمُعَةُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا مَرِیْضٌ اَوْ مُسَافِرٌ اَوِ امْرَأَةٌ اَوْ صَبِیٌّ اَوْ مَمْلُوْكٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰی بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَی اللّٰهُ عَنْهُ۔ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ (الدار قطنی)(3)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے سوائے مریض، مسافر، عورت، نابالغ اور غلام کے۔ جو شخص کسی لہو ولعب یا تجارت کے باعث اس سے بے پرواہی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہی کرے گا اور اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔

علامہ پانی پتی یہ احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: فَاَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ اَنَّهٗ فَرْضٌ عَلَی الْاَعْیَانِ وَغَلَطَ مَنْ قَالَ اِنَّهَا فَرْضُ كِفَایَةٍ۔ (مظہری)(4)

ان تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر جمعہ فرض ہے اور جس نے اس کو فرضِ کفایہ کہا ہے وہ بالکل غلط ہے۔

مسئلہ: جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں ہے یہ اگر ادا کریں گے تو ہو جائے گا۔ نابینا شخص جس کو پکڑ کر مسجد تک لے جانے والا کوئی نہ ہو اس کا شمار بھی بیماروں میں ہے، اس پر جمعہ فرض نہیں۔

مسئلہ: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ صحرا میں جمعہ جائز نہیں اور جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے۔ اس کے بعد اب اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جمعہ کس مقام پر فرض ہے اور جمعہ کی جماعت میں کتنے لوگوں کی شرکت ضروری ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ ایسا قریہ جہاں چالیس آزاد عاقل بالغ مرد مستقل طور پر اقامت گزیں ہوں وہاں جمعہ کی اقامت واجب ہے اور ان کے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 282۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، فصل فی الخطبۃ، ج 1، ص 284

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 283۔ سنن ابن ماجہ، 3712، رقم الحدیث 1125، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ

3۔ سنن الدار قطنی، ج 2، ص 3، کتاب الجمعۃ

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 283

نزدیک جماعت میں ایسے ہی چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ قریہ جس میں مکانات متصل ہوں وہاں مسجد بھی ہو اور بازار بھی، وہاں جمعہ واجب ہے (1)۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصر جامع کے بغیر جمعہ صحیح نہیں اور مصر جامع کی یہ تعریف کی گئی ہے: اَلْمِصْرُ هُوَ كُلُّ بَلَدٍ فِيْهَا سِكَكٌ وَّاَسْوَاقٌ وَّلَهَا رَسَاتِيْقُ وَوَالٍ يُّنْصِفُ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الظَّالِمِ اَوْ عَالِمٌ يُّرْجَعُ اِلَيْهِ فِي الْحَوَادِثِ وَقِيْلَ مَالَا يَسَعُ اَكْبَرُ مَسَاجِدِهٖ اَهْلَهٗ مِصْرٌ (2)۔ یعنی مصر اس شہر کو کہتے ہیں جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوں۔ وہاں ایک والی ہو جو ظالم سے مظلوم کی دادرسی کرے یا وہاں ایسا عالم ہو کہ ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ بعضوں نے مصر کی یہ تعریف کی ہے کہ وہاں کی ساری آبادی وہاں کی مسجد میں نہ سما سکے۔

مسئلہ: مصر کے کسی حصہ میں جمعہ ادا کیا جا سکتا ہے اور وہ کھلا میدان جو اس شہر سے ملحق ہو وہاں بھی جمعہ جائز ہے۔ امام صاحب اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں صرف مسجد نبوی میں جمعہ ادا ہوتا تھا۔ اردگرد جو آبادیاں تھیں وہاں کے لوگ مدینہ آکر پڑھتے تھے۔ اگر دیہات میں جمعہ جائز ہوتا تو اہل قبا وہیں جمعہ ادا کرتے۔ مسجد نبوی کے علاوہ سب سے پہلے جہاں جمعہ قائم کیا گیا اس کے متعلق امام بخاری لکھتے ہیں: بِجَوَاثٰ قَرْيَةٍ بِالْبَحْرَيْنِ (3) کہ پہلا جمعہ جواث میں پڑھا گیا جو بحرین میں ایک قریہ ہے۔ اس سے ہر گاؤں میں جمعہ کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ قریہ کا استعمال مصر پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ یہاں مکہ اور طائف کو قریہ کہا گیا ہے، حالانکہ طائف کے مصر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ نیز جواث کوئی ایسا دیہات نہ تھا جس پر مصر کی تعریف نہ صادق آتی ہو۔ علامہ جوہری نے الصحاح میں لکھا ہے: اِنَّ جَوَاثَ حِصْنٌ بِالْبَحْرَيْنِ کہ بحرین میں ایک قلعہ ہے جس کا نام جواث ہے۔ اور جہاں قلعہ ہوتا ہے وہاں حاکم بھی ہوتا ہے اور عالم بھی۔ وَفِي الْمَبْسُوْطِ اَنَّهَا مَدِيْنَةٌ بِالْبَحْرَيْنِ۔

امام یوسف، امام محمد اور امام اوزاعی کے نزدیک امام سمیت تین آدمیوں کا جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے۔ امام صاحب کے نزدیک امام سمیت چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ: امام صاحب کے نزدیک والی کا ہونا یا اس کا اذن جمعہ کی صحت کے لیے شرط ہے اور امام مالک، شافعی اور امام احمد کے نزدیک شرط نہیں۔ (4)

مسئلہ: امام صاحب کے نزدیک جمعہ کی ادائیگی کے لیے اذن شرط ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی گاؤں میں مقیم ہے، کیا اس پر واجب ہے کہ وہ شہر میں جا کر جمعہ ادا کرے؟ امام صاحب اور امام محمد صاحب کے نزدیک اس پر شہر میں آکر جمعہ ادا کرنا واجب نہیں۔ البتہ امام ابو یوسف، امام شافعی، امام احمد اور اسحق کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر اس گاؤں تک شہر کے مؤذن کی آواز پہنچتی ہے تو اس پر جمعہ فرض ہے ورنہ نہیں (5)۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

مسئلہ: امام شمس الائمہ سرخسی کہتے ہیں کہ حضرت امام صاحب کے مذہب کے مطابق ایک شہر میں متعدد مقامات پر نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے۔ ابنِ ہمام کہتے ہیں: وَبِهٖ نَأْخُذُ۔ ہمارا اسی پر عمل ہے، لیکن یہ خیال رہے کہ بلا ضرورت ہر جگہ جمعہ کی نماز ادا کرنا اس حکمت کے منافی ہے جس کے لیے جمعہ جاری کیا گیا تھا۔ قَالَ سَرَخْسِيٌّ اَلصَّحِيْحُ مِنْ مَّذْهَبِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ جَوَازُ اِقَامَتِهَا فِيْ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 287

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً، ص 288

4۔ ایضاً، ص 289

5۔ ایضاً، ص 290

مِصْرٍ وَّاحِدٍ فِيْ مَسْجِدَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ وَقَالَ ابْنُ هُمَامٍ وَبِهٖ نَأْخُذُ۔ (1)

مسئلہ: علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ اگر لوگوں پر جمعہ کی شرائط کا پایا جانا مشتبہ ہو جائے تو انہیں چاہیے کہ نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھیں اور اس کی نیت یوں کریں۔ آخری فرض ظہر جس کا وقت میں نے پایا ہے اور اس کو ادا نہیں کیا اس کو ادا کر رہا ہوں۔ اگر وہاں جمعہ کی شرائط فی الواقع پائی جاتی ہوں گی تو یہ نفل ہو جائے گی اور اگر کوئی شرط مفقود ہو گی تو یہ ظہر کے قائم مقام ہو جائے گی۔ قَالَ ابْنُ هُمَامٍ اِذَا شُبِّهَ عَلَى النَّاسِ وُجُوْدُ شَرَائِطِ الْجُمُعَةِ يَنْبَغِيْ اَنْ يُّصَلِّيَ اَرْبَعًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ يَنْوِيْ بِهَا اٰخِرَ فَرْضِ ظُهْرٍ اَدْرَكْتُ وَقْتَهٗ وَلَمْ اُؤَدِّ بَعْدُ۔ (2)

مسئلہ: انعقاد جمعہ کے لیے خطبہ شرط ہے۔ خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں ہو سکتا۔ خطبہ میں پانچ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ حمد باری تعالیٰ، درود و سلام، تقویٰ کی وصیت، قراءت قرآن اور اہل ایمان کے لیے دعا (3)۔

خطبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا ذکر سب ذکر الٰہی میں داخل ہیں، لیکن اس میں ظالم بادشاہوں یا اُمرا کا ذکر، ان کے القاب، ان کی ثنا اور ان کی مدح کا اللہ کے ذکر کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں۔ اَمَّا ذِكْرُ الظَّلَمَةِ وَاَلْقَابُهُمْ وَالثَّنَاءُ عَلَيْهِمْ وَالْمَدْحُ لَهُمْ فَهُوَ بَعِيْدٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ بِمَرَاحِلَ مَعَاذَ اللّٰهِ۔ (4)

مسئلہ: اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کوئی آدمی شریک ہو جائے گا تو وہ اٹھ کر دو رکعت ہی پڑھے گا۔ امام صاحب کے نزدیک اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی۔ بعض ائمہ فقہ کے نزدیک اگر نماز جمعہ کی ایک رکعت امام کے ساتھ پا لے گا تو اس کی نماز جمعہ ہو گی ورنہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ظہر کی چار رکعتیں ادا کرے گا۔

چند چیزیں نماز جمعہ کے لیے مسنون ہیں۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ جمعہ کے روز غسل کرے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ۔ (5) (متفق علیہ) جب کوئی شخص نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے آئے تو غسل کرے، نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہننا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا مسنون ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاسْتَنَّ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ اِنْ كَانَ عِنْدَهٗ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ لِبَاسِهٖ ثُمَّ خَرَجَ حَتّٰى يَاْتِيَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يَتَخَطَّ رِقَابَ النَّاسِ ثُمَّ رَكَعَ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّرْكَعَ فَاَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ كَانَتْ كَفَّارَةً مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِيْ قَبْلَهَا۔ (ابوداؤد) (6)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، مسواک کرے، اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ لگائے اور اچھا لباس پہنے، پھر گھر سے نکل کر مسجد کی طرف آئے پھر لوگوں کی گردنوں کو پھاندتا ہوا آگے نہ جائے اور پھر اللہ کی توفیق سے نفل پڑھتا رہے اور جب امام خطبہ دینے کے لیے آئے تو خاموشی سے بیٹھ جائے تو اس کا یہ عمل کفارہ بن جائے گا ان کوتاہیوں اور غفلتوں کا جو گزشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک اس سے سرزد ہوئی ہیں۔

جمعہ کے دن کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث مذکور ہیں۔ ان میں سے چند آپ بھی سماعت فرمائیے۔ عَنْ اَوْسِ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص292 2۔ ایضاً، ص293 3۔ ایضاً، ص285 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج18، ص107 وروح البیان، زیر آیت ہذا، ج9، ص523 5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص293۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، ج1، ص280

6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص95-294۔ المستدرک للحاکم، ج1، ص283، مکتبۃ النصر الحدیثۃ

الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے ۱۳ اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو ۱۴

بْنِ اَوْسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ السَّاعَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَّعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اُرِمْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) (1)

اوس بن اوس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن وفات پائی، اسی دن صور پھونکا جائے گا۔ مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وصال کے بعد حضور پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ خاک میں مل چکے ہوں گے؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

اس ارشاد سے حضور نے صحابہ کی اس غلطی کی اصلاح کردی۔ ایک دوسری حدیث سماعت فرمائیے۔ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ يَّشْهَدُهُ الْمَلٰئِكَةُ۔ وَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ يُصَلِّ عَلَيَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا۔ قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُّرْزَقُ۔ (رواہ ابن ماجہ) (2)

''حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن کثرت سے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کے فارغ ہونے سے پہلے وہ درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا: وفات کے بعد بھی؟ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجساد کو حرام کردیا ہے۔ پس اللہ کا نبی (اپنے مزار میں) زندہ ہے، اسے رزق دیا جاتا ہے''۔ اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہوتا ہے قبر کے فتنے سے اللہ پاک اسے محفوظ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ مزید مسائل کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔

۱۳ ارشاد ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہے۔ کیونکہ جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار سے منع کردیا گیا تھا اب اس کی اجازت دی گئی ہے۔ اور کئی سلف صالحین کا یہ معمول تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس حکم کی تعمیل میں بازار کا چکر لگایا کرتے تھے تاکہ اس حکم کی تعمیل ہو جائے۔ (3)

۱۴ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو صرف نماز تک محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ جب بھی موقع ملے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ آپ کوئی کام کر

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تفریع ابواب الجمعہ، ج 1، ص 150۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 296

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 296۔ کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ۔ المستدرک للحاکم، ج 2، ص 421، مکتبۃ النصر الحدیثۃ

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 4-103

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا

تاکہ تم فلاح پاؤ ف۱۵ اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بکھر گئے اس کی طرف

وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ

اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ (اے حبیبؐ! انہیں) فرمائیے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لہو اور

التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪ ع

ع ۲ ۳ ۱۲

تجارت سے۔ اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے ف۱۶

رہے ہوں اس وقت بھی آپ کو اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو تر و تازہ رکھنا چاہیے۔

ف۱۵ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کے ذکر کی کثرت سے ہی فلاح دارین نصیب ہو سکتی ہے۔

ف۱۶ اس آیت میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا جو ہجرت کے فوراً بعد پیش آیا تھا اور اس کے ذکر سے مسلمانوں کی تربیت فرما دی کہ آئندہ ان سے ایسی حرکت ہرگز سرزد نہ ہو۔

مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑا۔ اشیائے خوردنی نایاب اور گراں ہو گئیں۔ لوگ اس سلسلے میں بہت پریشان ہو گئے۔ اچانک جمعہ کے روز جبکہ حضور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، دحیہ کلبی ابنِ خلیفہ سامان تجارت لے کر شام سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ ابھی یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع اہلِ شہر کو دینے کے لیے ڈھول بجانے شروع کر دیئے۔ جب حاضرینِ مسجد نے ڈھولوں کی آواز سنی اور دحیہ کی واپسی کا علم ہوا تو اس اندیشہ سے کہ اگر وہ نماز میں مشغول رہے تو سامانِ خور و نوش دوسرے لوگ خرید لیں گے اس لیے وہ فوراً وہاں پہنچے اور حضور کی خدمت میں صرف بارہ آدمی رہ گئے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی مرتضیٰ شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی یہ حرکت سخت ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس میں ان کو اس حرکت کی قباحت کی طرف متوجہ کیا گیا اور انہیں آئندہ اس سے باز رہنے کا تاکیدی حکم دیا گیا۔ انہیں یہ بتایا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس نعمتوں کے جو خزانے ہیں وہ اس لہو و لعب اور اس تجارت سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ رزق کے خزانے اس کے دستِ قدرت میں ہیں تمہیں اپنا رزق اس سے طلب کرنا چاہیے۔(1)

آخر میں ایک اعتراض اور اس کے جواب کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

شیعہ کی طرف سے صحابہ کرام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے لہو و تجارت کے لیے نماز جمعہ ترک کر دی اور اس حال میں مسجد سے نکل کھڑے ہوئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے دل

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 109

میں دین و آخرت سے دنیا اور سامانِ رزق کی قدر و منزلت بہت زیادہ تھی۔ اسی لیے تو وہ حضور کو مسجد میں کھڑے چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اکابر صحابہ جن میں خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ تھے وہ سب حاضر رہے۔ چنانچہ باقی رہنے والوں میں ان کے اسماء صراحت سے درج ہیں۔ نیز یہ واقعہ ہجرت کے بعد بالکل قریبی دور کا ہے جبکہ لوگوں کو صحبتِ نبوی سے فیض یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا تھا۔ اور یہ کمال تو حضور کی چشمِ کرم کا تھا کہ ان کے دلوں میں بجز اللہ تعالیٰ کی یاد کے اور کسی قسم کی حسرت باقی نہ رہی تھی۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے تربیت کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے وقت درکار تھا۔ اس اثنا میں ان سے لغزش کے صدور کا قوی امکان تھا۔ جب کبھی ان سے ایسی لغزش ہوئی فوراً اس پر انہیں متنبہ کر دیا گیا اور ان کی اصلاح کر دی گئی۔ اس پیہم تربیت اور فیضِ صحبت نے وہ اثر دکھایا کہ انہوں نے جانبازی اور سرفروشی کے میدان میں ایسے عدیم المثال کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ آسمان کے ستارے، عالم بالا کے ملائک اور بہشت بریں کی بہاریں جھوم اٹھیں۔ سروش غیب نے انہیں لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ کا مژدہ جانفزا سنایا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کی ایمان افروز نوید فردوسِ گوش بنی۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کے طالب علمی کے زمانہ کی کوتاہیاں بیان کر کے اس کی علمی بزرگی اور اخلاقی فضیلت پر زبانِ طعن دراز کی جائے۔ یہ کس نے کہا کہ صحابۂ کرام اس اسلامی تربیت سے پہلے ہی ہمہ صفت موصوف تھے؟ یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ آغوش رسالت کی برکتوں کے بغیر ہی ان میں للّٰہیت و ایثار، خلوص اور تقویٰ کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ یہ سب کمالات قرآن کریم، حاملِ کتابِ مبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہ کیمیا اثر کا نتیجہ ہیں۔

OOOOO

اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الشُّكْرُ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ سَیِّدِیْ وَمَوْلَائِیْ وَحَبِیْبِیْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

تعارف سُورۃ المُنافِقون

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: پہلی آیت کی ابتدا میں المنافقون کا لفظ ہے۔ نیز اس سورت میں منافقین کے احوال ہی بیان کیے گئے ہیں اس لیے اس کا نام المنافقون رکھا گیا۔ اس میں دو رکوع، گیارہ آیتیں، ایک سو اسّی کلمے اور نو سو تہتر حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: غزوۂ بنی مصطلق ۶ ھ میں واقع ہوا(1)۔ یہ سورت ایک ایسے حادثہ کے بارے میں نازل ہوئی جو اس وقت پیش آیا جب مسلمان اس غزوہ میں فتح یاب ہونے کے بعد مریسیع نامی ایک کنوئیں پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس لیے اس سورت کے بارے میں وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال جنگ سے واپسی کے سفر میں یا مدینہ طیبہ میں پہنچنے کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا۔

فِتنۂ نفاق کا تاریخی جائزہ: اس واقعہ کے اسباب وعلل کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ہمیں فتنہ نفاق کی تاریخ کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ تب ہی ہم اس واقعہ کی سنگینی کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ یثرب میں دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ ان میں دیرینہ رنجشیں اور رقابتیں تھیں، جو معمولی بات پر جنگ کے شعلوں میں بدل جاتیں اور جب ایک مرتبہ جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھتے تو پھر برسوں بجھنے کا نام نہ لیتے۔ مسلسل خانہ جنگی کے باعث دونوں قبیلے کمزور ہو گئے تھے، صُلح و امن سے زندگی بسر کرنے کی خواہش ان کے دلوں میں چٹکیاں لینے لگی تھی، لیکن ان میں کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جو دونوں قبیلوں کے لیے قابلِ قبول ہو۔ آخر کار عبداللہ ابن ابی جو خزرجی تھا، وہ ایک ایسے قائد کی حیثیت سے اُبھرا جس کی قیادت پر دونوں قبیلے متفق ہو گئے۔ اُس کی تاجپوشی کی رسم ادا ہونے والی تھی۔ اُس کے لیے تاج سُنار کے پاس بن رہا تھا۔ اس اثنا میں یثرب کی فضا میں اسلام کے اثرات بڑی قوت سے نمودار ہونے لگے۔ عقبۂ اُولیٰ میں چند یثربی مشرف باسلام ہوئے۔ واپس آکر انہوں نے بڑی گرمجوشی سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ دوسرے سال اسی موقع پر دونوں قبیلوں کے پچھتر افراد مکہ پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ حق پرست پر اسلام کی بیعت کی۔ ان میں سے حضرت عباس ابن عبادہ بن نضلہ انصاری بھی تھے۔ اُن کی رائے یہ تھی کہ ابھی بیعت نہ کی جائے۔ عبداللہ ابن ابی کو بھی اس میں شریک کر لیا جائے تا کہ اتحاد و تعاون کی جو فضا یثرب میں بڑی مدّت کے بعد پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی بدمزگی رُونما نہ ہو۔ لیکن دوسرے ساتھیوں نے ان کی اس تجویز کو کوئی اہمیت نہ دی اور سب نے شرفِ بیعت حاصل کر لیا۔ جب یہ قافلہ واپس یثرب پہنچا اور عبداللہ بن ابی اور اس کے حواریوں کو اس کا علم ہوا تو اُن کے غم وغصّہ کی کوئی حد نہ رہی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اس کی تاجپوشی کی رسم اب کبھی ادا نہ ہوگی۔ یہاں کے مسلمان جن میں اوس و خزرج کے رؤساء بھی شامل تھے، حضور سرور عالم ﷺ کو چھوڑ کر کسی

1۔ سیرت ابن ہشام، ج 3، ص 333

دوسرے کو اپنا رئیس بنانا ہرگز پسند نہ کریں گے۔ معاہدہ کے مطابق مکہ سے ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کچھ عرصہ کے بعد ہجرت کر کے یثرب تشریف لے گئے۔ حضور کے قدم رنجہ فرمانے سے یثرب مدینۃ النبی بن گیا۔ عبد اللہ اور اس کے ہمراز ساتھیوں نے جب اپنے آقا کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ محبت کو دیکھا تو انہوں نے اپنا بھلا اسی میں سمجھا کہ وہ بھی مسلمانوں میں شامل ہو جائیں۔ ظاہری طور پر انہوں نے کلمۂ شہادت بھی پڑھ لیا، نمازوں میں بھی حاضر ہوتے، بادل نخواستہ زکوٰۃ بھی دیا کرتے، لیکن حضور اور اسلام کے بارے میں بغض و عناد کے جذبات شدّت اختیار کرتے گئے۔ وہ اس گھات میں رہتے کہ مسلمانوں میں کوئی فتنہ کھڑا کر کے ان کی جمعیت کو منتشر و پراگندہ کر دیں اور دوبارہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ اوس و خزرج دونوں قبیلے حضور سے مایوس ہو کر عبد اللہ ابن ابی کو اپنا قائد اور رئیس تسلیم کر لیں۔ لیکن عبد اللہ تھا بڑا عیار۔ جب بھی اسے موقع ملتا وہ اپنی جھوٹی عقیدت کو بڑے زوردار الفاظ سے ظاہر کرتا تاکہ اس کے دل کا کھوٹ لوگوں پر عیاں نہ ہونے پائے۔ اُس نے یہ معمول بنا رکھا تھا کہ جمعہ کے روز جب مدینہ اور مضافات کے تمام مسلمان اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے جمع ہوتے تو یہ بھرے مجمع میں اٹھ کر یہ اعلان کرتا: بھائیو! یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے درمیان جلوہ فرما ہیں۔ ان کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت اور شرف بخشا ہے۔ آپ لوگ دل و جان سے ان کی تائید کریں۔ ان کے ہر ارشاد کو گوشِ ہوش سے سُنا کریں۔ اور جو حکم دیں اُس کی تعمیل کیا کریں۔ (1)

اس کے باوجود بسا اوقات اُس کے دل میں چھپا ہوا بغض آشکارا ہو جاتا۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں اس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اُس نے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے سعد ابن عبادہ کو بُلا کر شکایت کی۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ شخص قابلِ رحم ہے۔ حضور کی آمد سے پہلے اس کے لیے تاج بن رہا تھا اور اس کی تاجپوشی کی تقریب منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حضور کے آنے سے اس کے سارے خواب پریشان ہو گئے اور اس کے پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔ یہ تو سمجھتا ہے کہ حضور نے اس کا تاج اور تخت چھین لیا ہے۔ اس لیے اس سے نرمی کا برتاؤ ہی بہتر ہے۔

جنگ بدر کے بعد یہودی قبیلہ بنی قینقاع نے عہد شکنی کی تو حضور نے اُن کی گوشمالی کے لیے ان پر چڑھائی کا ارادہ فرمایا۔ یہ منافق اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور ان کی حمایت کے لیے تیار ہو گیا اور حضور کی زرہ کے دامن کو پکڑ کے کھینچ کر کہنے لگا۔ یہ قبیلہ سات سو جنگجو مردوں پر مشتمل ہے۔ یہ میرے حلیف ہیں، میرے اشارہ پر سربکف میدان میں آ کودتے ہیں۔ کیا آپ میرے حلیفوں کو ایک دن میں ہی قتل کر دینا چاہتے ہیں؟ (2)

جنگ احد کا معرکہ مسلمانوں کے لیے انتہائی کرب و اضطراب کا باعث تھا۔ کفّارِ مکّہ تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مدینہ طیبہ پر دھاوا بولنے کے ارادہ سے بڑھے آ رہے تھے۔ مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف ایک ہزار تھی۔ مدینہ کی چھوٹی سی بستی سے اس سے زیادہ جنگجو افراد کا ملنا ممکن نہ تھا۔ ان میں سے تین سو عبد اللہ ابن ابی کے حواری تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہزار کے لشکر کو لے کر میدانِ اُحد کی طرف روانہ ہوئے تو عبد اللہ اپنے تین سو حواریوں سمیت الگ ہو گیا اور مدینہ واپس لوٹ آیا (3)۔ آپ خود

1۔ سیرت ابن ہشام، ج3، ص57

2۔ السیرۃ النبویۃ، از ابن کثیر، ج3، ص6

3۔ سیرت ابن ہشام، ج3، ص8

اندازہ لگائیے کہ مسلمانوں پر کیا گزری ہوگی۔ پہلے ہی مسلمانوں کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ عین لڑائی کے وقت تین سو ساتھیوں کا الگ ہو جانا مسلمانوں کے صبر و شکیب کی بڑی سخت آزمائش تھی، لیکن اس ظالم کو ایسی بے وفائی سے ذرا شرم نہ آئی۔

اس کا نفاق جس کو وہ اب تک بڑی ہوشیاری اور عیاری سے چھپائے ہوئے تھا، مسلمانوں پر ظاہر ہو گیا۔ جنگِ اُحد کے بعد نماز جمعہ کے لیے لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو حسب معمول اس نے وہی جملے دہرانے چاہے جو ہر جمعہ کو وہ دہرایا کرتا تھا تو ایک مسلمان نے اُسے جھڑک کر کہا: کم بخت بیٹھ جا۔ تمہیں ایسی باتیں اب زیب نہیں دیتیں۔ اس نے اس چیز کو اپنی توہین خیال کیا اور بڑبڑاتا ہوا لوگوں کے سروں سے پھلانگتا ہوا مسجد سے نکل گیا۔ مسجد کے دروازہ پر بعض انصار نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا اور اُسے نصیحت کی کہ ابھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس غلطی کی معافی مانگ لو! وہ بگڑ کر بولا: مَیں ان سے معافی مانگنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں (1)۔ (ابن ہشام)

غزوۂ بنی نضیر کے بارے میں آپ سورۂ حشر کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں۔ اس موقع پر بھی اُس کا نفاق کُھل کر سامنے آ گیا۔ بنی نضیر کی عہد شکنی اور غداری کی سزا دینے کے لیے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تو اس خبیث نے انہیں کہلا بھیجا کہ گھبراؤ مت۔ میں اور میرے ساتھی تمہارے ساتھ شانہ بشانہ میدان جنگ میں مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے اور مسلمانوں کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ اور اگر ہمیں شکست ہوئی اور تمہیں یہاں سے جلاوطن ہونا پڑا تو تنہا تم ہی مدینہ کو نہیں چھوڑو گے ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ سے چلے جائیں گے۔ ان کی اس سازش سے یہود کے حوصلے کتنے بلند ہو گئے ہوں گے اور مسلمانوں کو کتنی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہوگا؟ اس کا اندازہ بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کی اس سازش سے مطلع فرما دیا۔ اس طرح ان کی منافقت کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ ڈالا۔

اگرچہ حضور علیہ السلام اور سارے مسلمانوں پر ان لوگوں کی منافقت ظاہر ہو چکی تھی، لیکن مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو کلیتاً اسلام سے خارج کرنے کا اعلان نہ کیا جائے۔ بیرونی دشمنوں سے جنگوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس لیے مدینہ کے اندر ایک دوسرے محاذ پر جنگ کا آغاز مناسب نہ تھا۔ نیز عبداللہ کے حواریوں میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے ذی اثر لوگ کافی تعداد میں تھے۔ اِن حالات میں ان سے لڑائی بڑے خلفشار کا باعث بن سکتی تھی۔ دوسری طرف عبداللہ اور اس کے ساتھی بھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اعلانیہ جنگ کر سکیں۔ انہوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں۔ اس طرح وہ مسلمانوں سے ہر طرح کا مفاد بھی حاصل کر سکتے تھے اور انہیں مناسب موقع پر مؤثر طریقہ سے گزند بھی پہنچا سکتے تھے۔

یہی حالات تھے جب غزوہء بنی مصطلق کی نوبت پیش آئی اور دوسرے اہل ایمان کے ساتھ عبداللہ اور اس کی پارٹی کے لوگوں کو بھی شرکت کا موقع مل گیا۔ اس سفر کے دوران رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے مسلمانوں پر دو ایسے مہلک وار کیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم مسلمانوں کی دستگیری نہ فرماتا تو مسلمان ان مہلک واروں سے جانبر نہ ہو سکتے۔ ایک واقعۂ افک

1۔ سیرت ابن ہشام، ج 3، ص 57

جس کے متعلق آپ سورۂ نور میں پڑھ چکے ہوں گے۔ دوسرا یہ واقعہ جس کی تفصیل اب پیش خدمت کی جا رہی ہے۔

بنو مصطلق کا قبیلہ قدید کی سمت میں ساحلِ سمندر کے قریب آباد تھا۔ حضور کو اطلاع ملی کہ اس کا سردار حارث ابن ضرار اپنے قبیلہ کے جنگ جو بہادروں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھا کر رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید ابن حارثہ اور بقول ابن ہشام ابوذر غفاری کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود بنی مصطلق کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ مریسیع کے کنوئیں کے قریب دونوں لشکروں میں سخت لڑائی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بنو مصطلق شکست کھا کر وہاں سے بھاگے، بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

فتح کے بعد حضور نے چند روز اُسی جگہ پر قیام فرمایا تاکہ مسلمان مجاہد جنگ کی تھکاوٹ کو دور کر لیں اور واپسی کے سفر سے پہلے تازہ دم ہو جائیں۔ اسی اثنا میں ایک خطرناک واقعہ رُونما ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہجاہ ابن مسعود غفاری کو بطور خدمت گار اپنے ہمراہ لے گئے تھے تاکہ آپ کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرے۔ جہجاہ کنوئیں پر پانی لینے کے لیے گئے تو ان کا ایک شخص سنان بن وبرہ الجُہنی سے پانی بھرنے پر جھگڑا ہو گیا۔ بات بڑھ گئی اور ہاتھا پائی تک نوبت جا پہنچی۔ جہجاہ کی ایک ضرب سے سنان کو زخم آ گیا اور خون بہنے لگا۔ اُس نے زمانہء جاہلیت کے دستور کے مطابق زور سے پکارا: یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ (اے انصار! میری مدد کو پہنچو) چونکہ اس کا قبیلہ انصار کا حلیف تھا۔ جہجاہ نے اپنے بچاؤ کے لیے یَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِیْنَ (اے مہاجرین! میری مدد کو پہنچو) کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں طرف سے لوگ ہتھیار لیے ہوئے اپنے اپنے ساتھی کی مدد کو پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں جنگ چھڑ جاتی اور بنی مصطلق پر انہیں جو فتح حاصل ہوئی تھی وہ شکست میں بدل جاتی۔ حضور اپنے خیمہ سے جلدی جلدی تشریف لے آئے اور دونوں فریقوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟ مَا لَكُمْ وَلِدَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ۔

''یہ تم نے جاہلیت کے نعرے لگانے کیسے شروع کر دیئے ہیں؟ اسلام قبول کرنے کے بعد جاہلیت کی پکار بڑی بُری بات ہے۔ یہ بڑی گندی چیز ہے''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مداخلت سے فتنہ وفساد کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد ہو گئے۔ سنان نے جہجاہ کو معاف کر دیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ مُنافقین تو اس واقعہ سے بہت خوش تھے۔ یکایک یہ آگ بجھ گئی، تو ان کے دلوں میں حسد کی جو چنگاریاں سلگ رہی تھیں وہ بھڑک اٹھیں۔ ایک ایک کر کے عبداللہ کے پاس پہنچے اور اس پر برس پڑے کہ تو نے اس موقع پر ہماری کوئی امداد نہیں کی۔ اگر تو ذرا بھی گرمجوشی کا مظاہرہ کرتا تو آج ہم ان بھکھ منگوں کا کچومر نکال دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اَب اُن کے طرفدار بن گئے ہو، اور ہماری وہ توقعات جو ہم نے تم سے وابستہ کر رکھی تھیں ان پر تم نے پانی پھیر دیا ہے۔ وہ نابکار پہلے ہی غُصّہ سے بھرا بیٹھا تھا۔ ان کا یہ طعنہ سُن کر وہ پھٹ پڑا اور کہنے لگا: یہ سب تمہارے اعمال کا پھل ہے۔ اب اسے چکھو! تم نے ان مہاجروں کو آنکھوں پر بٹھایا، ان کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے۔ ان کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دیئے۔ اب وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہیں تو ہمیں گھورنے لگے ہیں۔ تمہاری مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی نے کہا ہے:

سَمِّنْ كَلْبَكَ يَاْكُلْكَ(1) (اپنے کتے کو پال کر موٹا کرو تا کہ وہ تمہیں ہی کاٹنے لگے)۔ اگر تم ان لوگوں کو اپنا بچا کھچا کھانا دینا بند کر دو تو دو دن میں اُن کے دماغ درست ہو جائیں اور بھوک سے تنگ آ کر (حضور کا اسم گرامی لے کر کہنے لگا) اس کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ مجھے مدینہ واپس جانے دو، پھر تم تماشا دیکھنا۔

اِنَّا وَاللّٰهِ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔(2)

''اگر ہم مدینہ واپس پہنچ گئے تو بخدا! عزت والا وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا''۔

الاعز سے اس نے اپنے آپ کو مراد لیا اور دوسرے لفظ (اذل) سے حضور کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت زید ؓ ابن ارقم بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ یارائے ضبط نہ رہا، تڑاخ سے بولے:

اَنْتَ وَاللّٰهِ الذَّلِيْلُ الْقَلِيْلُ الْمُبْغَضُ فِيْ قَوْمِكَ وَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ عِزٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ وَمَوَدَّةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ(3) (بخدا! تو ذلیل ہے، تو قلیل ہے تو اپنی قوم میں مبغوض ہے اور ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خداوند رحمٰن نے عزتیں بخشی ہیں اور اہل ایمان اُن سے والہانہ محبّت کرتے ہیں۔)

ابنِ اُبی بولا خاموش ہو جاؤ میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا۔ حضرت زید غُصّہ سے کانپتے ہوئے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضور کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی۔ رُخِ انور کا رنگ بدل گیا۔ بات ٹالنے کے لیے حضور نے فرمایا: اے نوجوان! شاید تم اُس کے بارے میں غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ شاید تمہیں شُبہ ہوا ہو۔ شاید تیرے کانوں نے سننے میں غلطی کی ہو۔ ہر بار زید نے عرض کیا: وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! (خدا کی قسم اے اللہ کے رسول! میں صحیح عرض کر رہا ہوں)۔ سارے لشکر میں یہ بات پھیل گئی۔ انصار کے ایک گروہ نے بھی زید کو ملامت کرنا شروع کی کہ ناسمجھ بچے نے خواہ مخواہ ہمارے سردار پر الزام لگایا اور اُسے بدنام کیا ہے۔ حضرت زید نے کہا: بخدا! جو مَیں نے اپنے کانوں سے سنا ہے وہی بتایا ہے۔

حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: میرے آقا! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ اگر میرا اُس کو قتل کرنا مصلحت کے خلاف ہے تو خود انصار میں سے معاذ ابنِ جبل یا عبّاد ابنِ بشر یا سعد ابنِ معاذ یا محمد ابنِ مُسلمہ کو حکم فرمائیے کہ وہ اس کا سر قلم کر دیں۔ اللہ کے محبوب نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو۔ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے''۔ اس کے بعد حضور نے فوراً کوچ کا حکم دیا اور تیس گھنٹے تک لگاتار سفر جاری رہا۔ نہ رات کو آرام، نہ دن کو قیلولہ۔ لوگ تھک کر چُور ہو گئے۔ جب حضور نے ایک جگہ قیام فرمایا تو لوگ سواریوں سے اُترتے ہی زمین پر لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ مریسیع کے کنویں پر جو سانحہ ہوا تھا لوگوں کی توجّہ اس طرف سے ہٹ جائے۔ راستے میں حضرت اُسید بن حُضیر نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اس بے وقت سفر کا سبب کیا ہے؟ پہلے تو حضور کا یہ معمول نہ تھا''۔ ارشاد فرمایا: ''تمہیں علم نہیں کہ عبد اللہ ابن ابی نے کیا گل کھلایا ہے؟'' انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو حضور نے اُس منافق کی زبان سے نکلا ہوا جملہ دہرایا۔ وہ بصد ادب عرض پرداز ہوئے: یا رسول اللہ! خدا کی قسم! عزت والے تو آپ ہیں اور وہ ذلیل ہے۔ آپ

1۔ تفسیر مظہری، ج9، ص302
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً

جب چاہیں اُسے نکال سکتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس بات کا چرچا سارے لشکر میں ہوگیا۔ تمام انصار کو بھی اس کی گستاخی کا علم ہوگیا۔ اُن کے غصّہ کی حد نہ رہی۔ بعض لوگوں نے از راہ خیر خواہی عبد اللہ کو کہا: جاؤ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لو، حضور کریم ہیں تیری خطا بخش دیں گے۔ وہ بے حیا جھٹ سے بولا: ''تم نے کہا ان پر ایمان لے آؤ، میں ایمان لے آیا۔ تم نے کہا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ دو، مَیں نے تمہاری یہ بات بھی مان لی اور زکوٰۃ دیتا رہا۔ اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمد کو سجدہ کروں''۔ اس کا یہ گستاخانہ جواب سن کر سارے مجاہدین غصّہ سے بے تاب ہوگئے۔ اور سب کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ جب یہ لشکر مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگا تو عبد اللہ ابن ابی کا لڑکا (ان کا نام بھی عبد اللہ تھا) تلوار کو بے نیام کر کے اپنے باپ کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا اور بولا: اے باپ! تم نے کہا ہے کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا۔ اب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون ہے؟ خدا کی قسم! تم اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں اجازت نہ دیں۔

اپنے بیٹے کے منہ سے یہ الفاظ سن کر عبد اللہ چلاّ اُٹھا: اے خزرج کے لوگو! ذرا دیکھو! میرا بیٹا مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔ یہ خبر جب نبی کریم کو ملی تو حضور نے فرمایا: ''عبد اللہ سے کہو کہ اپنے باپ کو گھر آنے سے نہ روکے''۔ عبد اللہ نے کہا: اگر میرے آقا کا یہ حکم ہے تو اب میں اپنے باپ کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہوں۔

اس وقت حضور نے حضرت عمر کو فرمایا: ''اے عُمر! اگر تم اس وقت اس کو قتل کر دیتے تو انصار کے کئی لوگ ناراض ہوتے۔ آج اگر میں چاہوں تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے اور اس پر کوئی معترض بھی نہ ہوگا''۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: خدا کی قسم! اب مجھے معلوم ہوگیا کہ اللہ کے رسول کی بات میری بات سے بہت زیادہ مبنی بر حکمت تھی۔ (1)

یہ حالات تھے جن میں اس سورۂ پاک کا نزول ہوا۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر اگر آپ سورت کا مطالعہ کرینگے تو اس کے مندرجات سمجھنے میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔

1۔ تفسیر مظہری، ج9، ص 301-05 (ملخصاً)

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المنافقون مدنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ

(اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی

يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾

وقف لازم

جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں [1]

[1] علامہ ابن منظور لفظ منافق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يُسَمَّى الْمُنَافِقُ مُنَافِقًا لِلنَّفَقِ وَهُوَ السَّرَبُ فِي الْاَرْضِ وَقِيْلَ اِنَّمَا سُمِّيَ مُنَافِقًا لِاَنَّهٗ نَافَقَ كَالْيَرْبُوْعِ وَهُوَ دُخُوْلُهٗ نَافِقَاءَهٗ وَلَهٗ جُحْرٌ اٰخَرُ يُقَالُ لَهُ الْقَاصِعَاءُ۔ وَهُوَ يَدْخُلُ فِي النَّافِقَاءِ وَيَخْرُجُ مِنَ الْقَاصِعَاءِ اَوْيَدْخُلُ فِي الْقَاصِعَاءِ وَيَخْرُجُ مِنَ النَّافِقَاءِ۔ (لسان العرب)(1)

یعنی منافق، نفق سے ماخوذ ہے جس کا معنی سُرنگ ہے اور بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لومڑی اپنی بِل کے دو منہ رکھتی ہے، ایک کا نام نافقاء اور دوسری کا نام قاصعاء ہے۔ ایک طرف سے وہ داخل ہوتی ہے جب کوئی شکاری اس سے اس کا تعاقب کرتا ہے تو دوسری طرف سے نکل جاتی ہے اور اگر دوسری جانب سے اس کا کوئی تعاقب کرتا ہے تو پہلے سوراخ سے نکل جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے بل کی ایک طرف کا نام نافقاء ہے اسی سے منافق ماخوذ ہے۔ اس کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک کفر جو اس کے دل میں ہے، دوسرا ایمان جو اس کی زبان پر ہے۔ اگر کفر سے اسے کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگتا ہے اور اگر اسلام کے باعث اسے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو تو فوراً اپنے کافر ہونے کا اعلان کر دیتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں تو دو ہی قسم کے لوگ تھے کافر اور مومن۔ منافقین کا وہاں کوئی وجود نہ تھا کیونکہ وہاں ظاہری غلبہ کفار کو حاصل تھا۔ اسلام لانا تو اپنے آپ کو طرح طرح کی پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دینے کے مترادف تھا۔ کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایسا دین قبول کر کے اپنے آپ کو گوناگوں اذّیتوں اور رُسوائیوں کا ہدف بنا دے جس دین پر اس کا ایمان نہیں۔ اس وقت تو صرف وہی مردان وفا کیش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے زُمرے میں اپنے آپ کو شامل کرتے تھے جو سچے دل سے اسلام کی صداقت کو تسلیم کرتے تھے اور اس کے لیے ہر قسم کے مصائب و آلام کو بخوشی برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہوا کرتے تھے۔ لیکن مدینہ طیبہ میں

1۔ لسان العرب، ج10، ص359

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اسی طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ؎۲ بے شک یہ لوگ بہت بُرے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى

کرتوت ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔ (ان کا) یہ (طریقِ کار) اس لیے ہے کہ وہ (پہلے) ایمان لائے پھر وہ کافر بن گئے ؎۳ پس مہر لگادی گئی ان کے

حالات بڑے مختلف تھے۔ یہاں اوس وخزرج کے بیشتر افراد کے مشرف باسلام ہونے اور مہاجرین کے وہاں اکٹھے ہوجانے کے بعد اسلام ایک عظیم قوت کی حیثیت سے ابھر رہا تھا۔ ادنیٰ سُوجھ بُوجھ رکھنے والا بھی اس کے مستقبل کے بارے میں حُسن ظن سے کام لے سکتا تھا۔ اس لیے ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا تھا جن کے دل میں تو کفر کا کھوٹ تھا لیکن اپنی مصلحت بینی کے باعث وہ بظاہر اسلام سے اپنا رابطہ قائم رکھنا چاہتے تھے تاکہ اگر اسلام کو غلبہ نصیب ہو تو وہ بھی اس میں برابر کے حصہ دار ہوں۔ باوجود ہزار کوشش کے دل کا کفر کسی نہ کسی شکل میں ان کی زبان پر آہی جاتا تھا اور ان کے نفاق کا پردہ فاش ہوجاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت سے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آگاہ فرما رہا ہے کہ اے حبیب! یہ منافق جب تیری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو بڑے جوش وخروش سے آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ اے حبیب! اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ واقعی اس کے رسول ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس بات کی بھی شہادت دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔ زبان سے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں ان کے دل اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ بتادیا کہ مشہود بہ (آپ کی رسالت) تو سچ ہے، لیکن ان کی شہادت جھوٹی ہے کیونکہ ان کے دل اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

؎۲ جھوٹا شخص جانتا ہے کہ لوگ میری بات نہیں مانیں گے، اپنے آپ کو سچا ظاہر کرنے کے لیے وہ ضرورت وبلاضرورت قسمیں اٹھاتا ہے۔ یہی حالت ان منافقین کی بھی تھی۔ ہر بات پر قسمیں اٹھانے اور اپنے آپ کو پکے اور سچے مومن ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہوا ہے اور اس کی آڑ میں وہ طرح طرح کے فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان ان سے وہی سلوک روا رکھیں جو اہلِ ایمان کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ ان کے مال اور جان کی حفاظت کی جائے۔ مال غنیمت سے انہیں حصہ ملتا رہے اور کئی طرح سے ان کی ناز برداریاں کی جائیں۔ اس کے علاوہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان سے اس بارے میں مشورہ طلب کرتا ہے تو اسے اسلام سے یہ کہہ کر متنفر کرتے ہیں کہ ہم تو خود بڑے شوق سے اس دین میں شامل ہوئے تھے۔ کئی سال گزر چکے ہیں، ہمیں تو آج تک اس میں کوئی اچھی چیز نظر نہیں آئی۔ ہم تو خود بڑے دل برداشتہ ہیں۔ خبردار! تم اس جال میں نہ پھنس جانا۔ اس طرح ان قسموں کی آڑ میں شکار کھیلتے۔

صَدُّوْا: لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ خود رکتے ہیں اور اسلام سے منہ موڑتے ہیں یا لوگوں کو اسلام سے باز رکھتے ہیں۔ (1)

؎۳ اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان سے تو وہ ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اسلامی برادری میں شامل کرکے طرح

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 110

قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ

دلوں پر ۴ تو (اب) وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما معلوم ہوں گے

وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ

اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجّہ سے آپ ان کی بات سنیں گے ۵ (درحقیقت) وہ (بیکار) لکڑیوں کی مانند ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی گئی ہوں۔

طرح کے فائدے اٹھاتے ہیں لیکن جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو پھر کفر کرنے لگتے ہیں۔ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (۲:۱۴)(1)

۴ اس منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی اور ان سے حق پذیری کی استعداد چھین لی اور ان کے دل کی وہ آنکھ ہی اندھی کر دی جو نورِ حق کو دیکھ سکتی ہے اور دیکھ کر پہچان سکتی ہے۔ بے شک دیدۂ حق شناس اللہ تعالیٰ کی گراں بہا نعمت ہے اور اس کی یہ سنت ہے کہ جو لوگ اس کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے اور ناشکری کرتے ہیں ان سے وہ نعمتیں واپس لے لی جاتی ہیں۔ آیت کا مقصد یہ نہیں کہ ان کے دلوں پر پہلے ہی مہر لگادی گئی تھی اس لیے وہ حق کو قبول نہ کر سکے اور کفر سے چمٹے رہے، بلکہ مدعا یہ ہے کہ انہیں حق قبول کرنے کی صلاحیت بخشی گئی تھی، لیکن جب وہ جان بُوجھ کر حق سے رُوگردانی کرتے رہے تو انہیں اس صلاحیت سے محروم کر دیا گیا۔

۵ عبداللہ بن اُبی، جدّ بن قیس اور مُعتب بن قُشیر شکل وصورت کے اعتبار سے بڑے خوبصورت تھے۔ نگاہیں ان کے چہروں پر جم کر رہ جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پرلے درجے کے باتونی اور چرب زبان تھے۔ ان کی گفتگو سن کر انسان عش عش کر اٹھتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے جسموں کو دیکھا جائے تو بڑے دل کش معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو سنی جائے تو اس میں بڑی جاذبیت اور اثر ہوتا ہے۔ لیکن اگر ان کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جمالی خربوزے ہیں، باہر سے خوبصورت، اندر سے پھیکے۔ اسلامی کمالات تو کجا ان میں تو انسانی خوبیوں کا نام ونشان تک بھی نہیں۔ قرآن کریم نے ان کو خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ سے تشبیہ دے کر ان کی لغویت کو عیاں کر دیا۔ خشب کا معنی لکڑی، مسنّدۃ کا معنی جسے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا ہو۔ جب تک لکڑی کارآمد ہوتی ہے اس سے شہتیر، کڑی یا کواڑ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ صرف بے کار لکڑی کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ آگ جلانے کے کام آسکتی ہے۔(2)

1۔ سورۃ البقرہ: 14

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 25-124

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ

گمان کرتے ہیں کہ ہر گرج ان کے خلاف ہی ہے ؎٦ یہی حقیقی دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہیے ؎٧ ہلاک کرے انہیں

اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ

اللہ تعالیٰ ؎٨ کیسے سرگرداں پھرتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت طلب

اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ⑤

کرے تو (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (حاضری سے) رُک رہے ہیں تکبّر کرتے ہوئے ؎٩

؎٦ ان کی بزدلی کا بیان ہو رہا ہے۔ مدینہ کے کسی سمت میں کوئی آواز کسی وجہ سے بلند ہو ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ان کی اسلام دشمنی کسی وجہ سے بے نقاب ہو گئی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تہ تیغ کرنے کا حکم صادر فرما دیا ہے۔

؎٧ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مطلع فرماتے ہیں کہ یہ منافق اسلام کے اور آپ کے حقیقی دشمن ہیں۔ ان سے محتاط رہیے۔ گویا دشمن سے محتاط اور ہوشیار رہنا قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ ایسی سادگی اور بھولے پن کی اسلام اجازت نہیں دیتا کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا دشمن کے دامِ فریب میں پھنستا رہے۔

؎٨ یہ بد دعائیہ فقرہ ہے جس میں ان کی مذمت بھی ہے اور زجر و توبیخ بھی۔ كَلِمَةُ ذَمٍّ وَّ تَوْبِيْخٍ ۔ يُؤْفَكُوْنَ، قتادہ: يَعْدِلُوْنَ عَنِ الْحَقِّ ۔ الحسن: مَعْنَاهُ يُصْرَفُوْنَ عَنِ الرُّشْدِ یعنی حق سے روگردانی کرنے اور راہ ہدایت سے منہ موڑنے کو افک کہتے ہیں۔ اَنّٰى بمعنی کیف۔ اظہار تعجب کے لیے ہے کہ اتنی روشن دلیلوں کے باوجود وہ حق سے رُوگرداں ہیں آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے کے بعد بھی وہ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ (1)

؎٩ منافقوں کی ایک اور علامت بتائی جا رہی ہے۔ حالات نے ان کے نفاق کا پردہ جب چاک کر دیا اور لوگوں کو ان کے خبث باطن پر آگاہی ہو گئی تو ان کے دوستوں نے انہیں کہا کہ تم ساری عمر کفر کرتے رہے، نفاق کا نقاب اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلاتے رہے۔ اسلام کو نقصان پہنچانے میں تم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اب تو تمہارا نفاق ظاہر ہو گیا ہے۔ چلو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں اور جا کر معافی مانگو۔ حضور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہاری عاقبت سنور جائے گی۔ قسمت اچھی ہوتی، بخت بیدار ہوتا تو رحمۃ للعالمین کی خدمت میں حاضر ہو جاتے، نبی رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کی مغفرت کے لیے دعا مانگتے تو اللہ تعالیٰ ضرور کرم فرما دیتا اور ان کے گناؤنے ماضی پر قلم عفو پھیر دیتا۔ لیکن ان ازلی بدبختوں نے جب اپنے دوستوں کا یہ مشورہ سُنا تو بڑے غرور اور گھمنڈ سے سروں کو گھمانا شروع کر دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنے گناہوں کی آمرزش کے لیے ان کے پاس تو کسی قیمت پر نہیں جائیں گے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 126

سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ

یکساں ہے ان کے لیے کہ آپ طلبِ مغفرت کریں ان کے لیے یا طلبِ مغفرت نہ کریں ان کے لیے ن۱ اللہ تعالیٰ ہرگز

علامہ قرطبی نے ایک بڑی بصیرت افروز بات لکھی ہے کہ عبداللہ بن اُبیّ کو جب اُس کے قبیلہ والوں نے سمجھایا کہ اب بھی حاضرِ خدمت ہوکر معافی مانگ لو۔ حضور تیری بخشش کے لیے دعا فرمائیں گے۔ تیری شقاوت، سعادت سے بدل جائے گی تو اس نے ازراہِ کبر ونخوت نفی میں سر ہلایا اور کہنے لگا: اَمَرۡتُمُوۡنِیۡ اَنۡ اُؤۡمِنَ فَقَدۡ اٰمَنۡتُ وَاَنۡ اُعۡطِیَ زَکٰوۃَ مَالِیۡ فَقَدۡ اَعۡطَیۡتُ فَمَا بَقِیَ اِلَّا اَنۡ اَسۡجُدَ لِمُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) یعنی تم نے مجھے ایمان لانے کا حکم دیا تو میں ایمان لے آیا۔ تم نے مجھے اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو میں نے زکوٰۃ بھی ادا کر دی۔ اب ایک ہی بات باقی ہے کہ میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو سجدہ کروں (1)۔ یہ میں نہیں کروں گا۔ اس روایت میں آپ غور کریں۔ منافق کا ذہن کس طرح غلط راہ پر چلتا ہے۔ اس کی سوچ میں کس قدر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہِ نبوت میں حاضری اور اللہ تعالیٰ کے محبوب سے اپنی مغفرت کی دعا کرانے میں اس کو صریح شرک نظر آنے لگتا ہے۔ وہ اپنے اعمال، نماز، زکوٰۃ وغیرہ پر ہی نازاں رہتا ہے اور یہ ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب کے درِ کرم پر حاضر ہوکر اس کی رحمتوں سے اپنے دامن کو لبریز کرے۔ اس زمانہ میں بھی ہمیں ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہیں بارگاہِ رسالت میں حاضری شرک اور بدعت معلوم ہوتی ہے۔ خود بھی اس سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوتے اور لوگوں کو بھی محروم رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور اس کو اپنے موحد ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں۔ وہ ذرا اس آیت میں اور اس روایت میں تو غور کریں کہیں ان کا رویہ منافقین کے رویہ سے مشابہت تو نہیں رکھتا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے حجابوں سے بچائے، اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کی سعادت نصیب فرمائے، حضور کی دعا کی برکت سے ہمارے گناہوں کو بخشے اور ہمیں دونوں جہان کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو سراپا کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا(2)

ن۱ یہ منافق جن کی زبان پر تو اسلام کا دعویٰ ہے لیکن ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن نہیں، جو قدم قدم پر اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور آپ کے دین کو ناکام کرنے کے لیے سازشوں کے جال بُنتے رہتے ہیں اور آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے سے روکتے ہیں، وہ پرلے درجے کے فاسق ہیں اور ایسے فسّاق کے لیے آپ بھی اگر مغفرت کی دعا مانگیں گے تو ہم انہیں نہیں بخشیں گے۔ جو تیرے دربار میں حاضر ہونے سے انکار کرے وہ بخشا جائے، یہ میرے قانون کے خلاف ہے۔ میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہدایت کی نعمت نہیں بخشا کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمت اور رأفت کا تقاضا یہی تھا کہ کوئی بھی گمراہ نہ رہے۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہ رہے۔ اسی لیے حضور اپنی جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے لیے بھی دعا فرمایا کرتے اَللّٰهُمَّ اهۡدِ قَوۡمِیۡ فَاِنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ۔ الٰہی! میری قوم کو ہدایت دے، وہ نادان ہیں۔ حضور پر سچے دل سے ایمان لانے والے جب اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بصد ادب و نیاز حاضر ہوتے ہیں اور اپنے عمر بھر کے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا کی التجا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 128

2۔ حدائقِ بخشش، ج 2، ص 49، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور

اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٦ هُمُ الَّذِيْنَ

نہ بخشے گا انہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔ یہی لوگ ہیں

يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ

جو کہتے ہیں نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ بھوک سے تنگ آکر تتر بتر ہو جائیں [11]

کی رحمت جوش میں آجاتی ہے اور انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنایا جاتا ہے۔ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ یعنی اے ساری عمر اپنی جانوں پر ظلم توڑنے والو! تم میرے محبوب کے درِ کرم پر حاضر ہو گئے ہو اور اس نے تمہاری مغفرت کے لیے درخواست کی ہے۔ سن لو اللہ تعالیٰ کو تم توبہ قبول کرنے والا اور بے حد رحمت کرنے والا پاؤ گے۔

الٰہی! ہمیں ان بدبختوں میں سے نہ کر جو تیرے پیارے رسول کی بارگاہ میں طلب استغفار کے لیے حاضر نہیں ہوتے بلکہ اس کو کفر و شرک کہنے پر مُصِر ہیں۔ اِلٰہ العالمین! ہمیں ان خوش نصیبوں میں کر جن کے دل نور ایمان سے مُنوّر ہیں۔ جو تیرے حبیب کی بارگاہ میں حاضری کو اپنے لیے باعث ہزار سعادت یقین کرتے ہیں۔ آمین ثم آمین!

[11] یہی بد بخت منافق اپنے قبیلہ والوں، اپنی پارٹی والوں اور اپنے چیلوں کو کہتے ہیں کہ حضور کے اردگرد مفت خوروں کا جو جمگھٹا تمہیں دکھائی دیتا ہے یہ تمہارے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔ تم آج اگر ان کی روٹی بند کر دو اور چندہ دینے سے باز آجاؤ تو یہ بھوک سے تنگ آکر خود بخود تتر بتر ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے منافقو! تم میرے رسول کے رزاق ہو اور نہ میرے رسول کے ان نیاز مند غلاموں کے رزاق ہو۔ زمین و آسمان کے سارے خزانے میرے ہیں۔ جب مَیں ان کا ہوں اور وہ میرے ہو گئے ہیں تو میں انہیں تمہارا محتاج نہیں ہونے دوں گا۔ تم اپنے چندے اور اپنی اعانتیں بند کر کے دیکھ لو۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں انہیں کس طرح اپنے بھرپور خزانوں سے مالامال کرتا ہوں۔ اس آیت کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

بنو مصطلق، ساحل کے قریب مُریسیع نامی چشمہ پر اقامت گزین تھے۔ مدینہ طیبہ میں اطلاع پہنچی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کریں، بلکہ خود پیش قدمی فرماتے ہوئے ان پر دھاوا بول دیا جس میں انہیں بُری طرح شکست ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح مبین اور مال غنیمت بکثرت دستیاب ہوا۔ اسی اثنا میں ایک ناخوشگوار واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کا خادم جہجاہ اور عبداللہ بن ابی کا حلیف سنان، مشلل چشمہ پر اکٹھے ہوئے۔ ان میں پانی لینے پر تلخ کلامی ہوئی۔ معاملے نے طول پکڑا۔ سنان نے انصار کو پکارا، جہجاہ نے مہاجرین کو پکارا۔ قریب تھا کہ باہمی قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا، حضورؐ خود تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ دَعُوْهَا فَاِنَّهَا فِتْنَةٌ وَلْيَنْصُرِ الرَّجُلُ اَخَاهُ ظَالِمًا كَانَ اَوْ مَظْلُوْمًا اِنْ كَانَ ظَالِمًا فَلْيَنْهَهُ فَاِنَّهُ نَاصِرٌ وَاِنْ كَانَ مَظْلُوْمًا فَلْيَنْصُرْهُ۔

ترجمہ: تم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے اپنے قبیلوں کو مدد کے لیے کیوں بلاتے ہو؟ اس طرح کی للکار کو ترک

کر دو۔ اس میں سراسر فتنہ ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم کی مدد کا تو یہ طریقہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کی مدد کا یہ طریقہ ہے کہ اس کی اعانت کرو تا کہ اس کی دادرسی ہو جائے۔

نبی کریم کی تشریف آوری سے یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی کے حلیف سنان کو جہجاہ نے طمانچہ مارا تھا۔ اپنی جماعت میں جب وہ آ کر بیٹھا تو غصہ سے اس کے نتھنے پھولے ہوئے تھے۔ کہنے لگا: ہم نے ان لوگوں کو پناہ دی۔ ان کی خورونوش کا سارا انتظام کیا۔ آج یہ ہم پر دھونس جمانے لگے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے مثل مشہور ہے کہ سَمِّنْ کَلْبَكَ یَاکُلُكَ ”تم اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے“۔ تم ان کا کھانا بند کر دو۔ ان پر آئندہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرو۔ ان کا دماغ خود بخود درست ہو جائے گا اور بھوک سے تنگ آ کر یہ منتشر ہو جائیں گے۔ پھر کہنے لگا: ہمیں ذرا سفر سے واپس مدینہ جا لینے دو۔ پھر جو طاقتور اور معزز ہے (یعنی وہ خود) کمزور اور ذلیل کو اس شہر سے باہر نکال دے گا۔ زید بن ارقم ایک نوجوان بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اگرچہ ابن ابی کی پارٹی کا آدمی تھا لیکن یہ بکواس سن کر اسے یارائے ضبط نہ رہا۔ کہنے لگا: اے ابنِ اُبی! بخدا! تو ذلیل و خوار ہے اور اپنی قوم میں تیری کوئی وقعت نہیں۔ خداوند رحمٰن نے ساری عزتیں اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخشی ہیں اور مسلمان آپ کے عشق میں وارفتہ ہیں۔ تیری اس بیہودہ گفتگو کے بعد میری تیری دوستی ختم۔ عبداللہ نے زید کو کہا برخوردار! چپ رہو میں تو صرف دل لگی کر رہا تھا۔

زید ابن ارقم نے اپنے چچا کو ساری بات بتا دی۔ انہوں نے حضور کے گوش گزار کر دیا۔ حضور نے ابنِ اُبی کو بلا کر پوچھا تو صاف مکر گیا اور قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں نے ہرگز ایسی بات نہیں کی۔ زید نے جھوٹ بولا ہے اور اپنی طرف سے یہ سارا قصہ گھڑ کر پیش کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی قسموں کی وجہ سے اس سے درگزر فرمایا۔ زید کہتے ہیں۔ مجھے بڑی ندامت ہوئی۔ اس صدمہ سے میں نڈھال ہو گیا(1)۔ امام ترمذی کے الفاظ میں بقیہ واقعہ سنیے:

زید کہتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کے ہمراہ تھا لیکن بارِ ندامت سے میرا سر جھکا ہوا تھا۔ پیچھے سے دلنواز آقا تشریف لائے، محبت سے میرا کان مروڑا اور میری طرف رُخِ انور کر کے ہنس دیئے۔ اس عنایتِ خصوصی سے مجھے اتنی مسرت ہوئی کہ اگر مجھے ابدی زندگی مل جاتی تب بھی مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اِذْ اَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَكَ اُذُنِیْ وَضَحِكَ فِیْ وَجْهِیْ فَمَا كَانَ یَسُرُّنِیْ اَنَّ لِیْ بِهَا الْخُلْدُ فِی الدُّنْیَا۔ حضرت ابو بکر پیچھے سے آئے۔ پوچھا کہ حضور نے کیا ارشاد فرمایا؟ میں نے ساری بات بتائی تو صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَبْشِرْ۔ مبارک باد۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ پہنچے۔ واقعہ سن کر انہوں نے بھی بشارت دی۔ جب رات گزر گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے روز صبح سورۃ المنافقون کی تلاوت فرمائی۔ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

جب عبداللہ ابنِ اُبی کی یہ گفتگو حضور کی خدمت میں بیان کی گئی تو حضرت فاروق اعظم بھی وہاں حاضر تھے۔ عرض کیا: دَعْنِیْ اَضْرِبْ عُنُقَهٗ۔ مجھے اجازت فرمایئے میں اس مردود کی گردن اڑا دوں۔ حضور نے جو جواب ارشاد فرمایا وہ تمام اہلِ ایمان خصوصاً کارپردازانِ حکومت کے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ فرمایا وَكَیْفَ یَا عُمَرُ اِذَا یُحَدِّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا یَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ۔ اے عمر! یہ اجازت کیسے دے دوں۔ لوگ باتیں بنائیں گے کہ ذرا دیکھو کہ اب اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔(2)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص2-301۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج9، ص38-537

2۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر سورۃ المنافقون، ج2، ص165

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

اور اللہ کے لیے ہی ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس حقیقت کو)

لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٧﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ

سمجھتے ہی نہیں۔ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت

الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ

والے وہاں سے ذلیلوں کو ۱۲؎ حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے

لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ ع ٨ ١٢

لیے ہے مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں ۱۳؎ اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں

اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے ۱۴؎ اور جنہوں نے ایسا کیا

۱۲؎ آیت کے اس حصہ میں فرما دیا گیا کہ کفار و منافقین کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز و محترم خیال کرنے لگیں۔ حقیقی عزت کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے یا اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اس کے ماننے والے جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت و کرامت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے۔ کفار و منافقین جو کفر و نفاق کی ذلتوں میں گرفتار ہیں، بزدلی کے باعث کھل کر سامنے نہیں آسکتے، جھوٹی قسمیں کھانے سے باز نہیں آتے معمولی سے دنیوی فائدہ کے لیے اپنے نظریات کا صاف صاف انکار کر دیتے ہیں مسلمانوں کے دامنِ شفقت میں آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود جب موقع ملے تو انہیں ڈسنے سے باز نہیں آتے۔ جن لوگوں کا یہ کردار ہو کیا انہیں یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز اور محترم کہیں؟ انسانی عزت مال وجاہ سے نہیں، زرق برق لباس میں نہیں۔ انسان کی عزت و وقار کا راز تو اس کے بلند کردار، اس کی بے داغ سیرت اور مکارم اخلاق میں مضمر ہے جس سے یہ لوگ کوسوں دور ہیں۔

۱۳؎ لیکن اس حقیقت کا منافقوں کو علم نہیں۔ وہ تنگ نظر اسی کو عزت سمجھتے ہیں کہ جنہیں پہننے کے لیے خوبصورت لباس، کھانے کے لیے لذیذ کھانے اور رہنے کے لیے شاندار محلات حاصل ہوں وہی محترم و مکرم ہیں۔

۱۴؎ فرزندانِ اسلام کو منافقین کے طریقۂ کار سے اجتناب کی تاکید فرمائی جا رہی ہے کہ ان لوگوں کو تو ان کے اموال نے اور ان کی اولاد نے اپنے خالق کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ اے مسلمانو! تم ایسا نہ کرنا۔ جس شخص کو دنیا کی دلچسپیاں اپنے پروردگار کی

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑨ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ

تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے اور خرچ کرلو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ

اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ

آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لیے کیوں

قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ⑩ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ

مہلت نہ دی تاکہ میں صدقہ (وخیرات) کرلیتا اور نیکوں میں شامل ہوجاتا ۱۵ اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا

نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪ ۲ ع ۳ ۱۴

کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آجائے ۱۶ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو ۱۷

بندگی اور اطاعت سے محروم کر دیتی ہے وہ انسان سراسر خسارے اور گھاٹے میں ہے۔ حقیقی نفع حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی فانی زندگی کے لمحات اپنے رب کی یاد اور اپنے پیارے رسول کی غلامی اور محبت میں بسر کر دیتے ہیں۔

۱۵ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تم کو عطا فرمائی ہیں انہیں اس کی راہ میں خرچ کرو اور خرچ کرنے میں لیت و لعل اور تاخیر سے کام نہ لو۔ ایسا نہ ہو کہ موت کا وقت آجائے اور تم کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ۔ اس وقت تمہاری آنکھیں کھلیں اور اس طویل سفر کے لیے کوئی زادِ راہ مہیا نہ کرنے کا تمہیں احساس ستانے لگے۔ تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر التجائیں کرو کہ ایک مرتبہ یہ موت ٹل جائے، تھوڑا سا وقت مل جائے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جی بھر کر اپنا مال لٹا لوں اور اس کے نیک بندوں میں شامل ہو جاؤں، پھر موت آجائے، میں بصد مسرت پیامِ اجل کو قبول کرلوں گا۔

۱۶ سن لو! اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جب کسی کی موت کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر اس میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کی جاتی۔ جب تم جانتے ہو کہ موت نے بہر حال آنا ہے تو قرین دانشمندی یہی ہے کہ آج ہی سے اس کے لیے تیاری شروع کر دو۔

۱۷ کسی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ خلوت اور جلوت سب اس کے نزدیک یکساں اور عیاں ہے۔

OOOOOOOO

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَبِيْرٌۢ بِمَا نَعْمَلُ فَوَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِيْٓ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى نَبِيِّكَ وَحَبِيْبِكَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاَوْلِيَآءِ اُمَّتِهٖ وَعُلَمَآءِ مِلَّتِهٖ وَسَآئِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ وَيَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

تعارف
سُورۃ التغابُن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کی آیت نمبر ۹ میں ''التغابن'' کا کلمہ ہے یہی اس کا نام تجویز کیا گیا۔ اس میں دو رکوع، اٹھارہ آیتیں، دو سو انتالیس کلمے، ایک ہزار ستر حروف ہیں۔

نزول: اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے یہی قول نقل کیا ہے۔ ابن الزبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین اسے مکی کہتے ہیں لیکن پہلا قول راجح ہے۔ (1)

مضامین: پہلی چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اِن صفات کا جو تعلق کائنات کی تخلیق خصوصاً انسان کی تخلیق سے ہے، اسے ساتھ ساتھ واضح کر دیا گیا ہے۔ بتایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ بلندیوں اور پستیوں میں اسی کی حکمرانی ہے۔ ہر قسم کی تعریف کا وہی حقدار ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ انسان کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ بعض خوش نصیب وہ ہیں جنہوں نے اپنے خالق کو پہچانا اور اس کی وحدانیت پر ایمان لے آئے ہیں اور اس کے انعامات پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے بدنصیب ہیں جو اس سعادت سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہمہ دانی کا یہ حال ہے کہ کوئی چیز اُس سے مخفی نہیں۔

حمدِ الٰہی کے بعد گزشتہ زمانوں کے کفار کا حال بیان کیا کہ انہوں نے اپنے ربّ کا انکار کیا اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تکذیب کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ اے لوگو! تم اُن سے عبرت پکڑو اور ایسی راہ اختیار نہ کرو جس کا انجام تباہی ہو۔

آیت نمبر ۱۴ اور ۱۵ میں اہلِ ایمان کو ایک اہم خطرے سے متنبہ کر دیا تا کہ وہ اس سے بچتے رہیں۔ بیوی اور اولاد کی محبت انسان کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے۔ لوگ اپنی بیویوں کو خوش کرنے اور اپنی اولاد کو خوشحال دیکھنے کے جنون میں کیا کچھ نہیں کر گزرتے۔ ہر شخص یہ سمجھ لے کہ اس کی حسین و جمیل بیوی جس کی ایک ادا پر وہ سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے یا اس کی پیاری اولاد جس کو خوش و خرم دیکھنے کا وہ از حد متمنی ہے، اگر اس نے فرزند و زن کے لیے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی تو اس کی عاقبت برباد ہو جائے گی۔ یہ بیوی، یہ بچے کسی کام نہ آئیں گے۔ اس وقت اسے پتہ چلے گا کہ یہ اس کے دشمن تھے۔ تم اب چوکنے رہو اور ان کی ناجائز ناز برداری سے اجتناب کرو تا کہ تمہیں قیامت کے روز پچھتانا نہ پڑے۔

آخر میں یہ ہدایت فرما دی کہ جہاں تک تمہارے امکان میں ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بنا لو۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں فیاضی سے کام لو۔ اس کا وہ تمہیں اتنا اجر دے گا جس کا ابھی تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

1۔ الدر المنثور، ج 6، ص 342

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ التغابن مدنی ہے اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ

اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے ۱؎ اسی کی حکومت ہے اور

لَهُ الْحَمْدُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۲؎ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مؤمن ہیں ۳؎ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔

۱؎ اس سورت میں جو معارف و مطالب بیان کیے گئے ہیں ان کا آغاز اس آیت سے زیادہ موزوں نہیں ہو سکتا۔ انسان کی تخلیق، اس میں متعدد اور متضاد نوعیت کی صلاحیتوں کا ودیعت کیا جانا، اس کی صورت کا حسین و جمیل ہونا، آسمانوں اور زمین کا اور ان میں جو کچھ ہے اس کا حق کے ساتھ پیدا کیا جانا، یہ ساری چیزیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ان کا خالق تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے اور ہر عیب و نقص سے مبرا اور منزہ ہے۔ بلندیوں، پستیوں میں حقیقی فرمانروائی اسی کی ہے۔ ہر خوبی اور ہر کمال جہاں کہیں دکھائی دیتا ہے وہ اسی کا ہے یا اس کا بخشا ہوا ہے، اس لیے ہر حمد کا وہی مستحق ہے۔

۲؎ جب ہر چیز ممکن ہے، اس کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف یکساں ہے تو اس کی قدرت کی نسبت بھی ہر چیز سے مساوی ہو گی (1)۔

۳؎ جبر و قدر کے نظریات نے عرصہ تک لوگوں کو پریشان رکھا۔ اس افراط و تفریط کے درمیان اہلِ سنت نے راہِ اعتدال اختیار کی۔ نہ ہم انسان کو جمادات کی طرح مجبورِ محض سمجھتے ہیں اور نہ اسے مختارِ مطلق مانتے ہیں کہ جو چاہے وہ کرے اور جو اس کی مرضی ہو وہ ہوتا چلا جائے۔ اس کا اور اس کی جملہ صلاحیتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانا، اچھے یا برے انداز سے ان کو استعمال کرنا یہ انسان کا فعل اور کسب ہے۔ اسی کسب کے باعث وہ جزا و سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ تمہیں نیست

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 311

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ

اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا ۴

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ

اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ جانتا ہے

سے ہست کرنے والا، تم میں گوناگوں صلاحیتیں پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر کسی نے اس نعمت وجود کو پہچانا، اس کا اعتراف کیا اور اپنے منعم کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی توحید کو تسلیم کیا۔ کسی نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور نفس وشیطان کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن رہا اور اپنے رب کا انکار کرتا رہا۔ انسان کو، اس کی صلاحیتوں کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے لیکن انہیں صحیح یا غلط انداز سے استعمال کرنا انسان کا فعل ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زجاج نے کہا: هِيَ أَحْسَنُ الْأَقْوَالِ کہ یہ رائے ہی تمام آراء سے بہتر ہے۔ (1)

۴ آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا مطلب متعدد مقامات پر بیان کیا جا چکا ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ ہر چیز کو ربّ کریم نے اس طرح بنایا جس طرح اسے بنایا جانا چاہیے تھا تاکہ وہ اپنی تخلیق کے مقاصد کو صحیح طریقہ سے انجام دے سکے۔ کائنات کی کسی چھوٹی یا بڑی چیز میں آپ غور کریں، آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ چیونٹی کا ننھا سا جسم، اس کی باریک باریک ٹانگیں اور اس کے بقیہ جسم کی ساخت ایسی ہی ہونی چاہیے تھی جیسے ہے۔ ہاتھی کا یہ بھاری بھرکم جثہ، اس کی موٹی موٹی مضبوط ٹانگیں، اس کے چوڑے چوڑے کان، اس کی لمبی سوراخ دار سونڈ، ایسی ہی ہونی چاہئے تھی جیسے ہمیں نظر آرہی ہے۔ ہوا میں جو خوبیاں ہیں، پانی کی جو خصوصیتیں ہیں ان میں ردوبدل کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو بنایا ہے، جیسے بنایا ہے وہی حق اور درست ہے۔ اس میں رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی بڑے سے بڑا انجینئر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کے شاہکار حضرت انسان کا خصوصی طور پر ذکر فرمادیا کہ دیکھو! ہم نے اسے بنایا اور کتنا خوبصورت بنایا۔ اس کا قد زیبا، اس کے ہاتھ اور اس کے بازو کتنے متناسب ہیں۔ اگر پانچ کے بجائے ہاتھ میں سات انگلیاں ہوتیں یا چار ہوتیں تو کیا وہ کام تم اس خوبی سے انجام دے سکتے جیسے اب دے رہے ہو۔ پھر اس کے چاند سے چہرے کی طرف دیکھو! آنکھیں، کان، ناک، منہ کتنے قرینے سے سجائے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی کو آگے پیچھے یا اوپر نیچے کر کے تصور کرو کتنی خوفناک اور بھیانک صورت رونما ہو جائے گی۔ پھر صرف اس کا ظاہر ہی حُسن ودل کشی کا مرقع نہیں بلکہ اس کا باطن بھی گوناگوں خوبیوں کا مخزن ہے۔ اس مشتِ خاک میں فضا کو مسخر کرنے، سمندروں کو کھنگال دینے کی قوتیں کس نے اکٹھی کی ہیں؟ اسے نیک وبد کے درمیان تمیز کی استعداد کس نے بخشی ہے؟ وہ ہمتِ بلند جس کے زور سے وہ مادی دنیا کی زنجیروں کو توڑ کر سدرة المنتہیٰ پر اپنا آشیانہ بناتا ہے وہ کس کا عطیہ ہے؟ اس کو ارادہ وعمل کی گوناگوں آزادی دے کر چمنِ ہستی کی حنابندی کا کیا حیران کن اہتمام کر دیا گیا ہے۔

کوئی لاکھ دور بھاگے، کوئی لاکھ سرکشی کرے، کوئی اپنی خودی کے خمار میں کتنا سرمست رہے آخر کار سب نے اسی کے دربار

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 133

مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو ۵ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؗ فَذَاقُوْا وَبَالَ

کیا نہیں آئی تمہارے پاس ان کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کام (یعنی کفر)

اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

کا وبال اور ان کے لیے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے ۶ اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس

میں لوٹ کر جانا ہے۔

۵ اس کی بے پایاں قدرت میں اس کی حکمت کے جلوے قدم قدم پر ع نظارہ دامن دل میکشد کہ جا ایں جاست، کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ یہاں اس کے علم کی گیرائی اور وسعت کا اندازہ بھی ممکن نہیں۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی حقیر سے حقیر چیز بھی ایسی نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ اگر اس کو خشخاش کے باریک سے دانے کا علم نہ ہو جو زمین کے تاریک شکم میں بو دیا جاتا ہے تو وہ اُگے کیسے، بڑا کیسے ہو، اس پر پھول کیسے آئیں اور وہ پک کر تیار کیسے ہو؟

انسان کا مقام ساری مخلوقات میں اعلیٰ وارفع ہے، اس لیے اس کا ذکر ہر موقع پر خصوصیت سے کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جاننے والا، اے انسان! تجھے بھی جانتا ہے اور کوئی فعل اس سے مخفی نہیں۔ تو ہزار پردوں کے پیچھے چھپ کر بھی کوئی کام کرے گا تب بھی اس کو اس کا علم ہے۔ بلکہ جو خیال تیرے نہاں خانہء دل میں ابھی انگڑائیاں لے رہا ہے اس سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہے۔ اس لیے سرکشی کا انداز ترک کر دو۔ اطاعت و انقیاد کو اپنا شعار بنا لو۔ اسی میں تمہاری بھلائی اور دونوں جہانوں کی فلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم ہر مناسب مقام پر انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ تو اشرف المخلوقات ہے۔ جو شکل و صورت تجھے دی گئی ہے وہ بھی بے نظیر ہے، جو فہم و شعور تجھے بخشا گیا ہے اس کی بھی مثال نہیں۔ فعل و ترک کی جو آزادی تجھے دی گئی ہے کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی۔ اب تیرا بھی فرض ہے کہ اپنے کریم رب کو پہچان، اپنی زندگی کو اس کے احکام کے سانچے میں ڈھال، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔ اس سے دو مقصد پورے ہو جائیں گے، تیرا خدا بھی راضی ہو جائے گا اور تیری شخصیت کو بھی چار چاند لگ جائیں گے اور تو اپنے مقصد حیات کو بھی عمدہ طریقہ سے انجام دے سکے گا۔

۶ جن لوگوں نے اس حقیقت کو نہ پہچانا اور اپنے رب کا شکر ادا کرنے کی بجائے سرکشی کی راہ پر چل نکلے اور کفر و شرک اور فسق و فجور کے خارزاروں میں پھنس کر رہ گئے ان کے دردناک انجام کی خبریں زبان زد عوام ہیں۔ تم نے بارہا سنی ہوں گی۔

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا

ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے ۔ پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ

اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا ۷ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، سب خوبیوں سراہا ہے۔ گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ

لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ

زندہ نہ کیا جائے گا۔ فرمائیے کیوں نہیں میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا ۸ پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے ۔

وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ

اور یہ اللہ کے لیے بالکل آسان ہے ۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے

۷ ان کی گمراہی کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ ہم نے ان کو عقل وفہم بھی عطا کیا ہے۔ مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کی طرف اپنے رسول مبعوث کیے جو انہیں راہ حق دکھائیں اور ان پیغمبروں کو معجزے بھی دیئے تا کہ وہ ان کو پہچان سکیں لیکن ان احمقوں نے یہ کہہ کر ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم اپنے جیسے انسانوں کا اتباع نہیں کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی طرف سے بے پروائی اختیار کر لی اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کی ضرورت ہے۔ وہ بندوں کے سجدوں اور عبادتوں کا محتاج نہیں۔ اس کی کوئی بھی تعریف نہ کرے پھر بھی وہ غنی اور حمید ہے۔

۸ کفار کو اس بات کا یقین تھا کہ قیامت ہرگز نہیں آئے گی، بلکہ آ سکتی ہی نہیں۔ اس لیے وہ بڑے دعوے سے کہتے تھے لَنْ يُّبْعَثُوْا۔ انہیں قبروں سے زندہ کر کے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ ان کے اس بے جا دعوے کے رد میں ان کے اندازِ گفتگو لَنْ يُّبْعَثُوْا سے بھی صدہا گنا پُرزور انداز میں وقوعِ قیامت کے بارے میں اعلان فرمانے کا اپنے رسول کو حکم دیا: اے حبیب! آپ فرمائیے: اے کافرو! تمہارا یہ خیال سراسر باطل ہے کہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ تمہاری زندگی کا سارا دفترِ عمل تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا اور تم میں یہ طاقت نہ ہو گی کہ تم کسی ایک بات کا بھی انکار کرو۔ ایسا کرنا میرے رب کے لیے قطعاً دشوار نہیں۔ جس طرح اس نے کائنات کی تخلیق کے وقت فرمایا: ''کُنْ'' اور یہ سارا جہان اپنی بوقلمونیوں کے ساتھ نیست سے ہست ہو گیا، اسی طرح اس وقت بھی اس کا ایک اشارہ ہو گا اور تم سر جھکائے قبروں سے نکل کھڑے ہو گے۔ تمہارے لیے تو واقعی بکھرے ہوئے ذروں کو یکجا کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے لیکن میں تو اپنے رب کی بات کر رہا ہوں جو عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے۔

اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ⑧ یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ

نازل کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے ٩ جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن ١٠

ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ

یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے ١١ اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دُور فرما دے گا

٩ کفر و انکار انسان کو جن ہلاکتوں سے دوچار کر دیتا ہے پہلے ان کا ذکر کیا، پھر قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا حتمی اعلان کرایا۔ اب ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری سلامتی اور بہتری اسی میں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور قرآن کریم جو سراسر نورِ ہدایت ہے اس کو اللہ کا سچا کلام تسلیم کر لو۔ یہ نور تمہاری زندگی کے گوشہ گوشہ کو منور کر دے گا۔ اس کی چمک سے تمہارے تصورات کے ظلمت کدہ میں اجالا ہو جائے گا۔ حق اور باطل میں تم باسانی امتیاز کر سکو گے۔ تمہاری معاشی خوشحالی، تمہاری اخلاقی برتری اور تمہاری روحانی ترقی کی منزل کی طرف یہی نور تمہاری رہنمائی کرے گا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ فَاِنَّهٗ بِاِعْجَازِهٖ بَیِّنٌ بِنَفْسِهٖ مُبَیِّنٌ لِغَیْرِهٖ كَمَا اَنَّ النُّوْرَ كَذٰلِكَ (روح المعانی) (1) یعنی یہاں نور سے مراد قرآن کریم ہے، کیونکہ وہ اپنے اعجازِ بیان کے باعث خود بھی روشن ہے اور دوسرے حقائق کو بھی آشکارا کرنے والا ہے۔

١٠ یَوْمَ، لَتُنَبَّؤُنَّ کا ظرف ہے۔ اس لیے منصوب ہے، قیامت کو یَوْمَ الْجَمْعِ: اکٹھے ہونے یا اکٹھا کیے جانے کا دن کہا گیا ہے، کیونکہ ابتدائے آفرینش سے قیامِ قیامت تک ساری مخلوق وہاں جمع ہو گی تاکہ ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جا سکے۔ (2)

١١ فرمایا: یوم الجمع یعنی جمع ہونے کا دن ہی حقیقت میں یوم التغابن ہوگا۔ علامہ راغب نے اختصار کے ساتھ بڑی جامع اور واضح تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں: اَلْغَبْنُ اَنْ یُّبْخِسَ صَاحِبُكَ فِیْ مُعَامَلَةٍ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ بِضَرْبٍ مِّنَ الْاِخْفَاءِ (مفردات) (3) یعنی پوشیدہ طور پر اپنے ساتھی کو باہمی معاملہ میں نقصان پہنچانے کو غبن کہتے ہیں۔ اگر یہ نقصان مالی ہو تو اس کا ماضی غَبَنَ مفتوح العین ہوگا اور اگر اس کی رائے اور فہم میں ہو تو غَبِنَ مکسور العین ہوگا۔ قیامت کو یوم التغابن کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عمر بھر جس فانی کاروبار میں وہ ہمہ تن مصروف رہے، اس کے نتائج کھل کر ان کے سامنے آ جائیں گے اور انہیں علم ہو جائے گا کہ انہوں نے کتنے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انہوں نے اپنے آپ کو نعیمِ جنت سے محروم کیا اور نفس و شیطان کی پیروی کر کے اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنایا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ باب تفاعل ہے، اس میں دو یا دو سے زائد آدمیوں کی شرکت ضروری ہے۔ اس لیے انہوں نے یوم التغابن کی تشریح یوں کی ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں اپنے محلات کے علاوہ ان لوگوں کے محلات بھی مرحمت فرما دیئے جائیں گے جنہوں نے غلط روی کے باعث اپنے آپ کو جہنم کا سزاوار بنایا۔ اور جہنمی جب دوزخ میں پھینکے جائیں گے تو انہیں اپنے ٹھکانوں کے علاوہ ان لوگوں کے ٹھکانے بھی دے دیئے جائیں گے جو راہِ راست پر گامزن ہونے کے باعث دوزخ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 123
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 313
3۔ مفردات راغب، ص 602

کے عذاب سے نجات پا گئے۔ گویا اس روز دوزخی اور جنتی آپس میں لین دین کریں گے۔ اہلِ جنت اپنے دوزخ کے ٹھکانے جہنمیوں کو دے دیں گے اور ان کے عوض جنت میں دوزخیوں کے لیے جو ایوان آراستہ کیے گئے تھے وہ انہیں مل جائیں گے۔ اس روز دوزخی بآسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ زندگی کے میدان میں کون جیتا اور کون ہارا۔ اس کاروبار میں انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ (1)

بخاری شریف کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ حضور نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا اُرِیَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ لَوْ اَسَاءَ لِیَزْدَادَ شُكْرًا وَّمَا مِنْ عَبْدٍ یَّدْخُلُ النَّارَ اِلَّا اُرِیَ مَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ اَحْسَنَ لِیَزْدَادَ حَسْرَةً (2)۔ یعنی ہر جنتی جب جنت میں داخل ہوگا تو اسے جہنم میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ بدکار ہوتا تو اس کو ملتی۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کرے اور دوزخی کو جنت میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ نیک ہوتا تو اس کو ملتی تاکہ اس کی حسرت میں مزید اضافہ ہو۔

صحیح مسلم اور ترمذی کی ایک حدیث بھی مطالعہ فرمایئے تاکہ آپ کو پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان کس طرح عدل فرمائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ قَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِیَامٍ وَّزَكٰوةٍ وَّیَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا۔ فَیُعْطٰی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ وَطُرِحَتْ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ (3)۔

ترجمہ: ایک روز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے لوگو! تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم تو اس کو مفلس کہتے ہیں جس کے پاس نہ روپیہ ہو، نہ ساز و سامان۔ فرمایا: میری امت کا مفلس وہ ہے جو روزِ حشر آئے گا۔ اس کے ساتھ اس کی نمازیں، اس کے روزے اور اس کی زکوٰۃ ہوگی۔ نیز وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی نکالی ہوگی، کسی پر بہتان باندھا ہوگا، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ ان مظلوموں کی دادرسی کرنے کے لیے اس کی نیکیاں ان لوگوں میں بانٹی جائیں گی اور اگر مظلوموں کی حق رسی سے پہلے اس کی نیکیوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس کے سر پر لاد دیئے جائیں گے اور پھر اسے دھکا دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور نصیحت آموز ارشاد بھی سنتے جایئے۔

قَالَ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ مَظْلَمَةٌ لِّاَخِیْهِ فَلْیُحَلِّلْهُ مِنْهَا فِی الدُّنْیَا فَاِنَّهٗ لَیْسَ ثَمَّةَ دِیْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدَرِ مَظْلَمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَیِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَیْهِ۔ (بخاری شریف) (4)

ترجمہ: یعنی اگر کسی نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہے تو اس دنیا میں ہی وہ اسے معاف کرا لے۔ کیونکہ قیامت کے روز دینار و درہم نہیں ہوں گے۔ اگر اس ظالم نے کچھ نیک اعمال کیے ہوں گے تو وہ لے کر اس مظلوم کو دے دیئے جائیں گے اور اگر اس کے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 123

2۔ ایضاً صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار، ج 2، ص 972

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 313۔ جامع ترمذی، ابواب صفۃ القیامہ، ج 2، ص 64، وزارت تعلیم

4۔ تفسیر مظہری زیر آیت ہذا، ج 9، ص 313۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیامۃ، ج 2، ص 967

عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اس سے اس کے گناہوں کو ۱۲ اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے ۱۳ اور یہ بہت بری

پاس صالح اعمال کا ذخیرہ نہ ہوگا تو مظلوم کے گناہ اس کے سر پر لاد دیئے جائیں گے۔

وہ لوگ جو تلاش زر میں آج دیوانے بنے پھرتے ہیں، حلال و حرام، جائز و ناجائز کی تمیز بھی نہیں کرتے، جو لوگ اپنے کارخانوں کی اونچی اونچی چمنیوں سے سیاہ دھواں نکلتا دیکھ کر پھولے نہیں سماتے، جو آج اپنے کروفر میں اتنے مست ہیں کہ انہیں راہ حق پر ایک قدم چلنا بھی گوارا نہیں، انہیں اگر فرصت ملے تو وہ یوم التغابن کا بھی تصور کریں۔ جب انہیں خالق کائنات کے حضور لاکر کھڑا کر دیا جائے گا اس وقت ان کی آنکھ کھلے گی اور انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوگا۔ اس روز انہیں پتہ چلے گا کہ جس کاروبار کو بڑا نفع بخش سمجھ رہے تھے، وہ درحقیقت سراسر گھاٹے کا کاروبار تھا۔

علامہ ابن منظور نے حضرت حسن بصری سے تغابن کا ایک اور مفہوم نقل کیا ہے۔

سُئِلَ الْحَسَنُ عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ فَقَالَ غَبَنَ اَهْلُ الْجَنَّةِ اَهْلَ النَّارِ اَیِ اسْتَنْقَصُوْا عُقُوْلَهُمْ بِاِخْتِيَارِهِمُ الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ (لسان العرب) (1) یعنی حضرت حسن بصری سے یوم التغابن کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: اس روز اہل جنت دوزخیوں کے فہم وخرد کی تنقیص کریں گے کہ تم لوگ کتنے احمق تھے! تم نے ایمان کو چھوڑ دیا اور کفر کو اختیار کر لیا۔ تمہاری دانش مندی نے تمہیں یہ بیّن حقیقت بھی نہ سمجھائی کہ دانا باقی کے بدلے فانی نہیں لیا کرتے۔ اس صورت میں تغابن، غبن سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی عقل ورائے میں نقصان ہے۔

۱۲ یوم التغابن کے ذکر کے بعد پھر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جو شخص ایمان لائے گا اور ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اعمالِ حسنہ سرانجام دے گا اللہ تعالیٰ اس کی سابقہ خطائیں دور کر دے گا۔ اس کے نامۂ اعمال میں کوئی ایسا نقص نہیں رہے گا جس سے قیامت کے دن اس پر فردِ جرم عائد کی جاسکے اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ علامہ جوہری كَفَّرَ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں: اَلتَّكْفِيْرُ فِي الْمَعَاصِيْ كَالْاِحْبَاطِ فِي الثَّوَابِ (صحاح) (2) اعمالِ صالحہ کا ثواب ضائع ہو جائے تو اس کے لیے حبوط کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور گزشتہ گناہ کالعدم کر دیئے جائیں تو اس کے لیے تکفیر کا کلمہ استعمال ہوتا ہے۔

۱۳ لیکن جو بدبخت اتنی نصیحتوں کے باوجود کفر پر اڑے رہے اور آیاتِ ربانی کی تکذیب کرتے رہے ان کا دردناک انجام بھی

1۔ لسان العرب، ج13، ص310 2۔ الصحاح، ج2، ص808

الْمَصِيْرُ ﴿١٠﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ ع ۱ ۱۵

پلٹنے کی جگہ ہے۔ نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مصیبت بجز اللہ کے اذن کے ۱۴ اور جو شخص

بتا دیا تاکہ وہ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔

۱۴ یہ دنیا دار المحن ہے۔ مصائب و آلام سے کسی کو مفر نہیں۔ بیماری، صدمے، تجارت وزراعت میں خسارہ، کسی عزیز ترین مقصد میں انتہائی مساعی کے باوجود ناکامی، یہ ایسے حالات ہیں جن سے کم وبیش ہر شخص کو واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن آلام ومصائب کے ہجوم میں ہر شخص کا ردِ عمل یکساں نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جن کا خدا کی ذات پر ایمان نہیں ہوتا وہ اپنے آپ کو ان حالات میں ایک بے بس تنکا محسوس کرتے ہیں جسے ہوا کے جھونکے اِدھر سے اُدھر پھینک رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت جس ذہنی پستی اور اخلاقی انحطاط کا یہ لوگ مظاہرہ کرتے ہیں اسے دیکھ کر شرافت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور آنکھیں فرط ندامت سے جھک جاتی ہیں۔ لیکن جن کو خدا پر ایمان ہوتا ہے اور ایمان بھی ایسا مستحکم اور استوار کہ اس میں ذرا برابر لچک نہیں ہوتی ان کی شان اس وقت دیدنی ہوتی ہے۔ شیروں کے نرغے میں بھی وہ مسکرا رہے ہوتے ہیں۔ بے رحم طوفانوں میں بھی ان کے یقین کی شمع فروزاں رہتی ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ بے آسرا نہیں۔ خدا کی ذات ان کا آسرا ہے اور یہ بہت بڑا آسرا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ ان کے پروردگار کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اگر اس نے انہیں کسی آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تو یہ اس کا ظلم یا بے انصافی نہیں یا اپنے فرمانبردار بندے سے اس کا تغافل اور اس کی بے رُخی نہیں، بلکہ اسی میں ان کی بہتری اور بھلائی ہے۔ یہی عین مصلحت ہے۔ اس طرح ان کے دل مضطرب اور بے چین نہیں ہوتے۔ آزمائش کی اس پُرخار وادی کو بڑے صبر وتحمل اور سکون ووقار کے ساتھ طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

ایمان باللہ میں کس بلا کی قوت ہے۔ اس قوت کے بل بوتے پر انسان کس طرح ثابت قدمی اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتا ہے اس کے لیے آپ فرعون کے ساحروں کے رویہ پر نظر ثانی کیجیے۔ فرعون انہیں دھمکیاں دے رہا ہے۔ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا، تمہیں سولی پر چڑھادوں گا۔ انہیں اس کا بخوبی علم تھا کہ یہ ظالم ایسا کر کے رہے گا، لیکن وہ ایمان جو ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا وہ انہیں ثابت قدم رکھتا ہے، ان میں لغزش نہیں آنے دیتا۔ وہ بھرے دربار میں یہ اعلان کرتے: فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ۔ اے فرعون! جو تیرا جی چاہے کر گزر۔ ہم اس نعمت ایمان کو ہرگز اپنے ہاتھوں سے نہیں جانے دیں گے۔

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر، اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ پر یقین راسخ نصیب ہوتا ہے تو ان زہرہ گداز حالات میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو صبر ورضا اور تسلیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ میں اسی خصوصی عنایت کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں علامہ ابن کثیر نے ایک حدیث لکھی ہے جو صحیحین سے منقول ہے۔ آپ بھی اسے غور سے پڑھیے اور اسے یاد رکھیے تاکہ زندگی کا کارواں جب لالہ زاروں اور مرغزاروں سے نکل کر خارزاروں اور اداس وویران ریگزاروں سے گزرنے لگے تو آپ کے چہرے پر اس وقت بھی طمانیت کا نور جھلک رہا ہو۔ تمہارے دل میں اضطراب و پریشانی کی کوئی علامت موجود نہ ہو۔ آپ کے آقا ومولا، مرشدِ برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: عَجَبًا لِّلْمُؤْمِنِ لَا يَقْضِي اللّٰهُ قَضَاءً اِلَّا كَانَ خَيْرًا لَهٗ اِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ۔ (1)

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 375

يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۱۱) وَاَطِيْعُوا

اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۱۵ اور اطاعت کرو

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی ۱۶ پھر اگر تم نے روگردانی کی (تو تمہاری قسمت) ہمارے رسول کے ذمہ فقط کھول کر (پیغام)

الْمُبِيْنُ (۱۲) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۳)

پہنچانا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ پس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو ۱۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں

ترجمہ: یعنی مومن کی بھی عجیب حالت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو فیصلہ کرے وہی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچے اور اس پر وہ صبر کرے تو یہ تکلیف اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے مسرت ارزانی ہو اور وہ اس پر شکر کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ سعادت صرف مومن کے لیے مخصوص ہے۔

۱۵ یہ فرما کر اہلِ ایمان کو تسلی دے دی کہ تمہارا واسطہ اس خدا سے نہیں جس کو تمہاری حالت کی خبر نہ ہو۔ تم اس کے لیے ہلکان ہوتے رہو، نقصان پر نقصان اٹھاتے رہو، تکلیف پر تکلیف جھیلتے رہو اور اسے پتہ ہی نہ ہو کہ اس کے بندے اس کی راہ میں کن کن آفتوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اس کی راہ میں جو کانٹا تمہیں چبھتا ہے، گرم لُو کا جھونکا جو تمہارے جسم کو چھو کر نکل جاتا ہے، اسے اس کا بھی علم ہے، اس کا بھی وہ تمہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ تمہارا دشمن کتنا جابر و قاہر کیوں نہ ہو جب اس کی مدد آئے گی تو دشمن کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو۔ اس کی رحمت پر بھروسہ رکھو، حالات کا رخ پھیرنے میں اسے دیر نہیں لگتی۔ کس پیارے انداز سے اپنے محبّانِ دلفگار کی دلجوئی فرمائی جا رہی ہے۔

۱۶ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا شعار بنائے رکھو۔ اگر تم نے خوشی و آرام کے دنوں میں اس کو بھلا دیا یا غم واندوہ کی تاریک راتوں میں اس کی رحمت سے مایوس ہو کر بے راہروی اختیار کر لی تو یاد رکھو اس کا نقصان تمہیں ہی ہو گا۔ ہمارے رسول کی تو یہی ذمہ داری تھی کہ وہ تمہیں حق کا پیغام پہنچا دے۔ اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔

۱۷ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور اس پر توکّل بندۂ مومن کا طرۂ امتیاز ہے۔

فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

پس ہوشیار رہو ان سے ۱۸؎ اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور

رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ

رحیم ہے ۱۹؎ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں ۲۰؎ اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر

عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا

عظیم ہے ۲۱؎ پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے ۲۲؎ اور (اللہ کا فرمان) سنو اور اسے مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو

۱۸؎ راہِ حق کے مسافر کے لیے وہ لمحے بڑے خطرناک ہوتے ہیں جب اس کی محبوب بیوی یا پیاری اولاد سنگِ راہ بن کر سامنے آتی ہے۔ جب ایمان کے تقاضوں اور ان کے مطالبات میں تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے نازک لمحوں میں اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتا ہے۔ انہیں یہ بتاتا ہے کہ بے شک تیری بیوی تیری ارضی جنت کی حور ہے، اگرچہ تیری اولاد تیری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے لیکن اگر یہ تجھے راہِ راست سے بہکانے کی کوشش کرتے ہیں تو خبردار! یہ تیرے دشمن ہیں۔ تیری عاقبت کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تجھے اپنے مالک کی بغاوت پر اکساتے ہیں۔ ان کی ان چالوں سے ہوشیار رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی نازبرداریاں کرتے ہوئے اپنی متاعِ ایمان لٹا بیٹھو۔ یہ خسارہ ناقابل برداشت ہوگا۔

۱۹؎ ان کی کھلی عداوت کے باوجود ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور عفو و درگزر کا درس دیا جا رہا ہے۔ یہ وسیع القلبی اور تسامح اسلام کے بغیر آپ کو کسی اور دین میں نہیں ملے گا۔

۲۰؎ مال اور اولاد کی محبت اگر یادِ حق میں خلل انداز ہو تو یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ مومن کو چاہیے کہ ان کی محبت میں ایسا وارفتہ نہ ہو جائے کہ یادِ حق میں غفلت اور احکامِ شریعت کی پابندی میں تساہل ہونے لگے۔

مال اور اولاد اس اعتبار سے بھی آزمائش ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب یہ نعمتیں عطا فرماتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ ان کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہے یا نہیں۔ جب اولاد بخشتا ہے تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت میں اپنی ذمہ داری کس حد تک پوری کرتے ہیں؟ ان کو انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے متصف کرنے کی کہاں تک کوشش کرتے ہیں؟ اسے ایسا فرد بنانے میں ان کا کتنا حصہ ہے جو اپنے علم، اپنے عمل اور اپنی سیرت کے باعث اپنی قوم اور ملک کو چار چاند لگا دے؟ جو والدین اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہیں کرتے، انہیں علم کے جوہر سے مزین نہیں کرتے، ان کے کردار کو اعلیٰ سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کرتے وہ اس آزمائش میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس امتحان میں صرف وہی ماں باپ کامیاب ہوتے ہیں جو اپنی اولاد کو مومن کی صفاتِ جمیلہ کا پیکرِ جمیل بنا دیتے ہیں۔

۲۱؎ اگر تم اپنے اموال اور اپنی اولاد کے سلسلہ میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دو گے تو بارگاہِ الٰہی

خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾

یہ بہتر ہے تمہارے لیے ۲۳ اور جنہیں بچا لیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۲۴

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ

اگر تم اللہ تعالےٰ کو قرضِ حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا تمہارے لیے اور بخش دے گا تمہیں ۲۵ اور اللہ تعالیٰ

شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

ع ۲ ۸ ۱۶

بڑا قدردان (اور) بہت حلم والا ہے ۲۶ ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے، سب پر غالب، بڑا دانا ہے ۲۷

سے تم پر مزید فضل و احسان کی بارش کی جائے گی اور تمہاری اس عملی شکر گزاری کو مزید انعامات سے نوازا جائے گا۔

۲۲ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۲ میں ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا کہ اپنے اللہ سے ڈرو جتنا تمہارا مقدور ہے، جتنا تمہارے امکان میں ہے۔ اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی رقمطراز ہیں: اَشَارَ اِلَى الْفَرْقِ بَيْنَ الْاَبْرَارِ وَالْمُقَرَّبِيْنَ فِيْ حَالِ التَّقْوٰى وَقَوْلُهٗ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ نَاظِرٌ اِلَى الْاَبْرَارِ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ نَاظِرٌ اِلَى الْمُقَرَّبِيْنَ ۔ فَاِنَّ حَالَهُمُ الْخُرُوْجُ عَنِ الْوُجُوْدِ الْمَجَازِيِّ بِالْكُلِّيَّةِ وَهُوَ حَقُّ التَّقْوٰى۔ (1)

یعنی ابرار اور مقربین کے تقویٰ میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس آیت میں ابرار کی حالت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور پہلی آیت میں مقربین کے احوال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے وجود مجازی سے کلیۃً دستکش ہو جاتے ہیں اور یہی تقویٰ کا منتہائے کمال ہے۔

ہر شخص اولوا العزم نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص میں وہ صلاحیتیں نہیں پائی جاتیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اکابر صحابہ اور اکابر اولیاء کرام کو مشرف فرمایا۔ اس لیے سب کے لیے تقویٰ کا دروازہ کھول دیا۔ جتنی تمہاری بساط ہے، جتنی ہمت کے تم مالک ہو اتنا تقویٰ اختیار کرو۔ مزید مدارجِ تقویٰ کی توفیق وہ جب چاہے گا اپنی جناب سے تمہیں عطا فرمائے گا۔

۲۳ مزید ہدایات دے دیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے نبی کے ارشادات پوری توجہ سے سنو، اس کے احکام کو بجالاؤ اور اس کی راہ میں اس کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے رہو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ خیرًا، کَانَ مقدر کی خبر ہے (2)۔ یعنی تم ایسا کیا کرو۔ ایسا کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ يَكُوْنُ خَيْرًا لَّكُمْ۔

۲۴ اس کی تشریح سورۂ حشر کی آیت ۵۹ میں گزر چکی ہے۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 20

2۔ ایضاً، ج 10، ص 21

٢٥ اخلاص اور خوشی سے اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے جو شخص اپنا مال خرچ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ گویا قرض ہوگا اور وہ اسے کئی گنا کر کے دیتا رہے گا۔ ایک کا دس، بلکہ سات سو، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کے علاوہ اس کے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔

٢٦ شکور کا معنی ہے قدردان۔ بندہ تھوڑا سا کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے اللہ تعالیٰ بے حساب اسے اجر عطا فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ كَثِيْرُ الثَّنَاۗءِ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ (1)

حلیم: یعنی تم گناہ کرتے ہو وہ فوراً ہی پکڑ نہیں لیتا۔ اس کے حلم کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ (2)

٢٧ اس کا علم مکمل ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے پنہاں نہیں۔ اس کی قدرت عظیم ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ کو ٹال سکے اور اس کی قضاء کو مسترد کر سکے۔ ہمہ دان اور قادرِ مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حکیم ہے۔ اس کے ہر حکم میں، اس کے ہر فیصلہ میں اس کی حکمت کے جلوے نظر آرہے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَزْكٰهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَطْيَبَهَا وَ مِنَ التَّحِيَّاتِ اَسْنٰهَا عَلٰى حَبِيْبِكَ وَمَحْبُوْبِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 22

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 128

تعارف سُورۃ الطّلاق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت میں طلاق کے مسائل مذکور ہیں، اس لیے اس کا نام ”الطلاق“ تجویز ہوا۔ اس میں دو رکوع، بارہ آیتیں دو سو انچاس کلمے اور ایک ہزار ساٹھ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی (1)۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی وہ آیات جن میں طلاق، عدت کے احکام بیان ہوئے ہیں، ان آیات کے بعد یہ سورت نازل ہوئی۔

مضامین: عہد جاہلیت کا عرب معاشرہ از اوّل تا آخر بگڑ چکا تھا۔ لغو رسم و رواج کی پابندی نے اُن کی خانگی زندگی کو باہمی اعتماد اور سچی خوشیوں سے محروم کر دیا تھا۔ نکاح، طلاق، عدّت، نفقہ، رضاعت اور دوسرے مسائل جن کا عائلی زندگی سے گہرا تعلق ہے ہر قسم کی معقولیت سے عاری تھے۔ اسلام نے یک لخت پہلے نظام کو درہم برہم کر کے نہیں رکھ دیا بلکہ اس کی اصلاح کے لیے تدریجی اقدامات کیے تا کہ مقصد بھی پورا ہو جائے اور عجلت میں کی گئی اصلاحات سے جو مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے بھی کم سے کم سابقہ پڑے۔

پہلے شوہر اپنی بیوی کو اَن گنت طلاقیں دے سکتا تھا اور عدّت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا کرتا جس سے عورت کی زندگی اس کے لیے عذاب بن گئی تھی۔ سورۂ بقرہ کی آیت دو سو انتیس (۲۲۹) میں بتا دیا کہ شوہر زیادہ سے زیادہ تین طلاقیں دے سکتا ہے، اس کے بعد وہ رجوع نہیں کر سکتا۔

البقرہ کی آیت دو سو اٹھائیس (۲۲۸) میں مدخولہ عورت کی عدت بتا دی کہ تین حیض ہے۔ اسی آیت میں یہ بھی بتا دیا کہ رجعی طلاق کی صورت میں عدت ختم ہونے سے پہلے خاوند رجوع کر سکتا ہے اور تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔

البقرہ کی آیت دو سو تیس (۲۳۰) میں طلاقِ مغلظہ کی صورت میں دوبارہ نکاح کا حکم بیان کر دیا اور اسی سورت کی آیت دو سو چونتیس (۲۳۴) میں اس عورت کی عدت بتا دی جس کا خاوند فوت ہو جائے۔

عائلی زندگی سے متعلق ایک حکم سورۃ الاحزاب کی آیت انچاس (۴۹) میں بیان کر دیا کہ اگر نکاح کے بعد دخول سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو پھر مطلقہ کو عدّت گزارنے کی ضرورت نہیں، وہ اسی وقت نکاح کر سکتی ہے۔

لیکن عائلی زندگی کے متعلق کئی مسائل ایسے رہ گئے تھے جن کے جوابات مطلوب تھے، کئی دیگر احکامات کے بارے میں وضاحت کی ضرورت تھی تا کہ عمل کرنے والا منشائے الٰہی کے مطابق ان پر عمل کر سکے۔ اس سورت کو نازل فرما کر اس خلا کو پُر

1۔ روح المعانی، جز 28، ص 128

کر دیا۔ نیز طلاق جس کی اجازت اسلام نے صرف ناگزیر حالات میں دی ہے جب کہ میاں بیوی کے مل کر رہنے کا کوئی امکان نہ ہو اور اسے اَبْغَضُ الْمُبَاحَات قرار دیا ہے، اس کے لیے ایسی پابندی لگا دی کہ اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو طلاق کا وقوع بہت ہی کم ہو جائے۔

پہلے اس مطلقہ مدخولہ کی عدّت بیان کی گئی تھی جسے حیض آتا ہو۔ یہاں اُن مدخولہ عورتوں کی عدّت بیان کی جارہی ہے جنہیں حیض آنا ابھی شروع ہی نہ ہوا ہو یا وہ عمر کے اس حصہ میں پہنچ گئی ہوں جب حیض کا آنا بند ہو جاتا ہے۔

حاملہ عورت کو اگر خاوند طلاق دے دے یا اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اُسے کتنی عدّت گزارنی ہوگی؟ اس مسئلہ کی بھی یہاں تصریح کر دی۔

مطلقہ جب عدّت گزار رہی ہو تو اس کی سکونت اور نفقہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ شیر خوار بچے کی رضاعت کا انتظام اور اس کے اخراجات کون برداشت کرے گا؟ ان تمام مسائل کو یہاں تفصیلاً ذکر کر دیا۔

اس سورت کا ایک اور پہلو آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ بلاشبہ اس میں اہم اور دوررس نتائج کے حامل قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے باوجود قرآن کریم کی انفرادیت قائم ہے۔ یہ صرف قوانین کی کتاب نہیں جو متعدد دفعات پر مشتمل ہو اور جن سے سرتابی کرنے والا مختلف سزاؤں کا مستوجب قرار پاتا ہو بلکہ اس میں جگہ جگہ ان احکام کی بجا آوری کی ترغیب دینے کے لیے ایسے جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے جنہیں پڑھ کر ان پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ ان احکام کی پابندی تقویٰ ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی راہیں کھول دیتا ہے اور اُسے یوں رزق دیتا ہے جس کا اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

انسان جب ان آیات میں غور وفکر کرتا ہے اور اسے پتہ چلتا ہے کہ ان احکام پر عمل کرنے سے اس کا رب کریم اس پر راضی ہو جائے گا، تو پھر بڑی خوشدلی سے ان احکام کو بجا لاتا ہے، خواہ اسے کتنا مالی خسارہ بھی برداشت کرنا پڑے۔ یہی قرآن کریم کی وہ خصوصیت ہے جو اسے قوانین کا مجموعہ ہونے کے باوجود قوانین کی دیگر کُتب سے ممتاز کرتی ہے۔

دوسرے رکوع میں بتا دیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں ان کا انجام بڑا دردناک ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کے رسول کی لائی ہوئی ہدایات پر عمل کرتے ہیں انہیں ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر ایسی جگہ پہنچا دیا جاتا ہے جہاں حق کا آفتاب نور افشانی کر رہا ہوتا ہے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۷۔۴۔۷۷

سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ وَھِیَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِثْنَتَا عَشَرَۃَ اٰیَۃً فِیْھَا رُکُوْعَانِ

سورۂ طلاق مدنی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں بارہ آیات اور دو رکوع ہیں

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا

اے نبی (مکرم)! (مسلمانوں سے فرماؤ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو ۱ تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۲ اور شمار کرو

۱ اگرچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب سے مشرف فرمایا جارہا ہے لیکن حکم ساری امت کے لیے ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاُمَّتِكَ اِذَا طَلَّقْتُمُ الآیۃ۔ یعنی اے نبی! آپ اپنی امت کو حکم دیں کہ جب وہ طلاق دینے کا ارادہ کریں الخ۔ سردارِ قوم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس قوم کے افراد از خود اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے ایک اور نکتہ بیان کیا ہے کہ آیت میں طلاق دینے کا ذکر ہے جو ایک ناپسندیدہ فعل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو مخاطب فرمانے کے بعد طلاق دینے کی نسبت حضور کی طرف نہیں کی بلکہ افراد امت کی طرف کی ہے۔ اہل نظر غور کریں کہ رب العزت اپنے محبوب کی شانِ رفیع کا کس طرح پاس رکھتا ہے۔ لِمَا فِی الطَّلَاقِ مِنَ الْكَرَاهَةِ فَلَمْ یُخَاطَبْ بِهٖ تَعْظِیْمًا (روح المعانی) (1) یعنی کیونکہ طلاق میں ایک گونہ کراہت ہے اس لیے اپنے محبوب کی رفعت شان کا لحاظ رکھتے ہوئے اس سے خطاب نہیں فرمایا۔

اِذَا طَلَّقْتُمْ: اَلْمَعْنٰی اِذَا اَرَدْتُّمْ تَطْلِیْقَهُنَّ۔ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ جب تم طلاق دینے کا ارادہ کرو تو تم پر مندرجہ ذیل ہدایات کی پابندی ضروری ہے۔ تَنْزِیْلُ الْمُشَارِفِ اِلَی الْفِعْلِ مَنْزِلَةَ الشَّارِعِ فِیْهِ۔ (روح المعانی) (2) جو کام کو عنقریب شروع کرنے والا ہے اس کو اس شخص کی مانند خیال کر لیا جس نے کام شروع کر لیا ہے۔

۲ اسلام کے نزدیک رشتۂ ازدواج بڑا مقدس رشتہ ہے۔ صحت مند بنیادوں پر جتنا یہ مستحکم ہوگا خاندان اور معاشرہ دونوں اتنا ہی مسرتوں سے مالا مال ہوں گے اور خوشحالی کی فضا میں نشوونما پائیں گے۔ اسلام اس بات میں بڑا حریص ہے کہ اس رشتہ کا تقدس مجروح نہ ہونے پائے۔ اس رشتہ پر صرف مرد وزن کی خوشی اور آبادی موقوف نہیں بلکہ ان کی معصوم اولاد، فریقین کے قریبی رشتہ دار بلکہ سارے خاندان کا مفاد اس سے وابستہ ہے۔ اس لیے اسلام پوری کوشش کرتا ہے کہ یہ رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔ لیکن بعض حالات میں یہ تعلق وبال جان بن جاتا ہے۔ دونوں کی بھلائی اس میں ہوتی ہے کہ انہیں اس قید سے رہائی مل جائے۔ ان ناگزیر حالات میں اسلام نے اس کو ختم کرنے کی اجازت دی ہے اور وہ بھی بادل نخواستہ۔ ارشادِ نبوت ہے: اِنَّ مِنْ اَبْغَضِ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰهِ الطَّلَاقَ (3)۔ وہ حلال جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے وہ طلاق ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں: تَزَوَّجُوْا وَلَا تُطَلِّقُوْا فَاِنَّ الطَّلَاقَ یَهْتَزُّ مِنْهُ الْعَرْشُ (4)۔ شادی کیا کرو اور طلاق نہ دیا کرو کیونکہ طلاق سے اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔ اس لیے اسلام نے طلاق کا جو قانون پیش کیا ہے اس میں اس امر کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے کہ طلاق دینے والا جلد بازی میں طلاق نہ دے۔ کوئی وقتی رنجش یا عارضی نفرت اس کا باعث نہ ہو۔ طلاق دینے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 128 2۔ ایضاً، جز 28، ص 129 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 149 4۔ ایضاً

والا سوچ سمجھ کر، اس کے نتائج و عواقب کو مدنظر رکھتے ہوئے طلاق دے۔ چنانچہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ جب تم اپنی بیوی کو طلاق دو تو اس کی عدت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلاق حیض کی حالت میں نہ دی جائے۔ نیز ایسے طُہر میں بھی طلاق نہ دی جائے جس میں مباشرت ہو چکی ہو۔ کیونکہ ان دونوں طریقوں سے عدت میں طوالت ہو جائے گی اور مطلقہ کو تکلیف برداشت کرنا ہوگی۔ کیونکہ اگر اس نے حالت حیض میں طلاق دی تو وہ حیض تو عدت میں شمار نہیں ہوگا۔ اس حیض کے علاوہ تین مزید حیضوں کا اسے انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی طرح اگر ایسے طُہر میں اس نے طلاق دی جس میں مباشرت ہوئی ہو تو اس سے مرد و زن دونوں کو خبر نہیں کہ اس مباشرت سے حمل قرار پایا ہے یا نہیں۔ اس سے بھی عدت میں گڑبڑ ہو گی اور عورت کو ناروا زحمت اٹھانا پڑے گی۔ اس لیے مسنون طریقہ طلاق دینے کا یہ ہے کہ طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں عورت سے مقاربت نہ ہوئی ہو۔ حالت حیض میں طلاق دینا یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کی گئی ہو، گناہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کی خدمت عالیہ میں یہ واقعہ عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ عبداللہ اس طلاق سے رجوع کرے یہاں تک کہ اس کی بیوی پاک ہو جائے۔ طُہر کے بعد پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو۔ اب اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو مباشرت سے پہلے طلاق دے۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ اَنْ يَّمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي اَمَرَبِهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ یعنی حالتِ طہر میں مباشرت سے پہلے طلاق دے اور یہی وہ عدت ہے جس کی پابندی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (بخاری شریف) (1)

اس پابندی میں کئی اور حکمتیں بھی ہیں۔ حیض کی حالت میں عورت، مرد کے لیے مرغوبِ خاطر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی صفائی کی طرف سے بھی بے اعتنائی برتتی ہے۔ ان دنوں اس کی طبیعت بھی نڈھال اور مضمحل ہوتی ہے۔ اس لیے اگر اس حالت میں مرد طلاق دے دے تو ہو سکتا ہے کہ یہ عارضی بے رغبتی طلاق دینے میں محرک ہو اور جب یہ ایام گزر جائیں تو پھر اس کو اپنے کیے پر ندامت ہو اور ایسا طہر جس میں وہ مقاربت کر چکا ہو اس میں بھی عورت کی طرف کشش کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ اگر طلاق دینا ہی ہو تو ایسی حالت میں طلاق دو جبکہ رغبت اور کشش اپنے عروج پر ہو۔ ایسی حالت میں اگر تم طلاق دو گے تو سو مرتبہ پہلے سوچو گے اور تب یہ اقدام کرو گے۔ اس طرح تمہارا طلاق دینا حقیقی اسباب پر مبنی ہوگا۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فقہائے کرام نے طلاق کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) سُنّی: یعنی سنت کے مطابق اور (۲) بدعی۔ احناف نے سنی طلاق کی پھر دو قسمیں ذکر کی ہیں۔ (۱) احسن اور (۲) حسن۔ احسن طلاق تو یہ ہے کہ ایسے طہر میں جس میں اس نے مباشرت نہیں کی ایک مرتبہ طلاق دے اور پھر انقضائے عدت تک دوسری طلاق نہ دے۔ عدت پوری ہونے کے بعد سابقہ نکاح ٹوٹ جائے گا لیکن تجدید نکاح کا دروازہ کھلا ہوگا۔ طلاقِ حسن اس کو کہتے ہیں کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دے۔ ایک حیض گزرنے کے بعد جب وہ پاک ہو تو اسے دوسری طلاق دے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے۔ اس کے علاوہ طلاق کی ساری صورتیں طلاقِ بدعی شمار ہوں گی۔ اس طرح طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگرچہ بعض اکابر سے مروی ہے کہ ایسی طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقت کے لحاظ سے طلاق سنی اور بدعی ہوتی

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورۃ الطلاق، ج 2، ص 729۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 28، ص 129

الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا

عدت کو ۳ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ۴ نہ نکالو انہیں ان کے گھروں سے ۵ اور نہ

ہے، عدد کے لحاظ سے نہیں۔ یعنی ایسے طہر میں جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو، طلاق دینا سُنّی ہے۔ خواہ ایک طلاق دے، تین طلاقیں دے پھر بھی وہ سنی رہے گی لیکن اگر اس وقت میں طلاق نہ دے تو امام شافعی کے نزدیک وہ طلاق بدعی ہو گی۔ حنابلہ کے نزدیک طلاق کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔ اس کے بعد کوئی طلاق نہ دے یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے۔ اس کے علاوہ سب طلاقیں بدعی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اس عورت کی طلاق کی تفصیل ہے جو عورت بالغہ مدخولہ ہو اور سنِ ایاس کو نہ پہنچی ہوئی ہو اور جس کا حمل ظاہر نہ ہوا ہو۔ جس عورت سے خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی یا ابھی نابالغ ہے یا سنِ ایاس کو پہنچ چکی ہے اور حیض کا آنا ہمیشہ کے لیے منقطع ہو چکا ہے یا حاملہ ہے (1) ان عورتوں کی طلاق اور عدت کے احکام اپنے اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

۳ عدت کے ساتھ بہت سے فقہی مسائل وابستہ ہیں۔ ایامِ عدت میں عورت کا نفقہ اور سُکنیٰ مرد کے ذمہ ہے۔ ایامِ عدت میں اگر زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو دوسرا متوفی کا وارث ہوتا ہے۔ عدت گزرنے سے پہلے عورت کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت آزاد ہے، جس سے چاہے نکاح کرے۔ پہلا خاوند یا اس کے رشتہ دار اس کو روک نہیں سکتے۔ اس کے علاوہ کئی دیگر مسائل کا عدت سے گہرا تعلق ہے۔ اگر اس کو معمولی سی بات سمجھ لیا گیا، اس کی ابتدا اور انتہا کا پوری طرح خیال نہ کیا گیا تو طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ عدالت بھی اس وقت تک کوئی فیصلہ صادر نہ کر سکے گی جب تک عدت کی ابتدا اور انتہا کا صحیح علم نہ ہو جائے۔ اس لیے حکم دیا کہ عدت کو پوری احتیاط کے ساتھ شمار کرو۔ یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہی نہیں، عورتیں بھی اس میں داخل ہیں، کیونکہ دونوں کے متنوع قسم کے مفادات کا اس پر دارومدار ہے۔

۴ کیونکہ ان مسائل کا تعلق مرد اور عورت کی پرائیویٹ زندگی سے ہے۔ ان کا صحیح علم انہی کو حاصل ہے، دوسرے لوگ ان حالات پر آگاہ نہیں ہو سکتے، اس لیے یہاں خاص طور پر فریقین کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

۵ مردوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ طلاق دینے کے فوراً بعد وہ اپنی بیوی کو اس کی رہائش گاہ سے باہر نہ نکال دیں۔ اس کو یوں بے سہارا اور بے آسرا کر کے گھر سے نکال دینا بڑی سنگ دلی ہے۔ جب تک وہ عدت گزار رہی ہے اس کا نفقہ اور اس کی رہائش کا انتظام مرد کے ذمہ ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی حکم دیا کہ وہ طلاق مل جانے کے بعد اپنے اس پہلے گھر سے فوراً نہ نکل جائے بلکہ ایامِ عدت وہاں ہی پورے کرے۔ اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد کر دی گئی ہے اور اس کی رہائش کا انتظام بھی مرد کے ذمہ ہی ہے۔ اس کی حکمت آیت کے آخری جملہ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ الآیۃ میں بیان کی گئی ہے کہ طلاقِ رجعی کی صورت میں اگر وہ ایک جگہ رہیں گے تو عین ممکن ہے کہ خاوند کے دل میں اس کے بارے میں جو نفرت پیدا ہو گئی ہے وہ محبت سے بدل جائے۔ وقتی جوش میں آ کر اس نے جو اقدام کیا ہے اس پر وہ نظرِ ثانی کرے یا عورت اپنی کوتاہیوں پر نادم ہو کر اپنے خاوند کو راضی کر لے اور اس طرح ایک اجڑا ہوا گھر پھر آباد ہو جائے۔

آپ نے دیکھا اسلام آخری وقت میں بھی دلوں کو جوڑنے کی کس طرح کوشش کرتا ہے۔ بگڑے ہوئے حالات کو سنوارنے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 317

يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ

وہ خود نکلیں بجز اس کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا ٦ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں

اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ

ہیں ٧ اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدوں سے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تجھے کیا خبر

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کردے تو جب وہ پہنچنے لگیں اپنی میعاد کو

کا آخری موقع بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ (یہاں چند فقہی مسائل کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا)۔

(۱) وہ عورت جسے خاوند نے رجعی یا بائن طلاق دے دی ہو وہ اپنے گھر سے نہ دن کو نکل سکتی ہے نہ رات کو، البتہ بیوہ عورت کو ضروری کام کے لیے دن میں نکلنے کی اجازت ہے لیکن رات وہ اپنے گھر میں آ کر بسر کرے۔

(۲) اگر طلاق رجعی ہے تو پھر مرد اور عورت کے درمیان کسی حجاب کی ضرورت نہیں، بلکہ عورت کے لیے مستحسن ہے کہ وہ بناؤ سنگار کرے تاکہ دلوں کی کدورت دور ہو جائے۔

(۳) اگر طلاق بائن ہے تو پھر عورت کو مرد سے پردہ کرنا چاہیے۔ بہتر ہے کہ کوئی ایسی ثقہ عورت ان کے پاس رہے جس کی موجودگی میں یہ کوئی غیر شرعی حرکت نہ کر سکیں۔

(۴) اگر خاوند فاسق ہے یا مکان بہت تنگ ہے تو پھر مرد کو کہا جائے گا کہ وہ اس گھر سے نکل جائے۔

٦ ہاں عورت اگر حرام کاری کا ارتکاب کرتی ہے یا چوری چکاری سے باز نہیں آتی یا بڑی بدزبان ہے اور اپنے خاوند کے ماں باپ، بھائی بہن سے گالی گلوچ کرتی اور برا بھلا کہتی رہتی ہے یا اب بھی خاوند کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرتی ہے تو ان تمام صورتوں میں خاوند اسے اپنے گھر سے نکال سکتا ہے۔ یہ مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد علامہ جصاص لکھتے ہیں: هٰذِهِ الْمَعَانِي كُلُّهَا يَحْتَمِلُهَا اللَّفْظُ وَجَائِزٌ اَنْ يَّكُوْنَ جَمِيْعُهَا مُرَادًا۔ آیت کے الفاظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتے ہیں اور جائز ہے کہ آیت سے یہ تمام معانی مراد ہوں۔ (احکام القرآن للجصاص)(1)

٧ تنبیہ فرمادی کہ یہ مسائل ایسے نہیں کہ جن پر عمل کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی پر موقوف ہو، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو سراپا حکمت ہیں، تمہارے لیے اطمینان وسکون کا باعث ہیں۔ جو شخص ان کی پابندی سے گریز کرے گا، وہ اپنے آپ پر ظلم توڑے گا۔ اس کی زندگی سکون اور اطمینان سے محروم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا بھی وہ حقدار بن جائے گا۔

1۔ احکام القرآن از جصاص، ج 3، ص 454

فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّاَشۡهِدُوۡا ذَوَيۡ

تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا جدا کر دو انہیں بھلائی کے ساتھ ۸ اور گواہ مقرر کر لو دو

عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ

معتبر آدمی اپنے میں سے اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو ۹ ان باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو

يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۬ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ

ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور یومِ آخرت پر۔ اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لیے

۸ خاوند اگر ایک طلاق دے یا دو طلاقیں دے تو اسے رجوع کرنے کا حق ہے۔ بعض لوگ جو اس حق کو ناجائز طور پر استعمال کرتے ہیں وہ بظاہر رجوع کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کا ارادہ اسے آباد کرنے کا نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس کی عدت کی میعاد کو لمبا کر کے اس کو اذیت پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے تم یہ فیصلہ کر لو کہ آیا تم اس کو اپنی رفیقۂ حیات بنا کر اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو یا اس کو آباد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ پہلی صورت میں تمہیں اجازت ہے کہ تم رجوع کر لو اور حسبِ سابق اس کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرو اور اسے اپنی اہلیہ بنا کر رکھو اور اگر تمہارا یہ ارادہ نہیں تو صرف اس کو ستانے کے لیے رجوع مت کرو، بلکہ اس کو جدا کر دو۔ جدائی کا انداز بھی غیر شریفانہ نہ ہو کہ فریقین ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے ہوں، طعن و تشنیع کے تیر چل رہے ہوں۔ مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا۔ جب تم اسے جدا کر دو تو اس کی دلجوئی کرو، اس کی مالی امداد کرو، ضروریاتِ زندگی اس کو مہیا کر دو۔ اس طرح اس کے غم واندوہ کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے گا۔ موافقت کی صورت میں احسان و مروت ہر کوئی کرتا ہے لیکن عدمِ موافقت اور قطعِ تعلقات کے وقت بھی دلجوئی اور مروت کی تلقین اس دینِ رحمت کی خصوصیت ہے اور اس کے ماننے والوں کا شیوہ ہے۔

۹ اپنی بیوی کو طلاق دو یا رجوع کرو، دونوں صورتوں میں تمہیں دو معتبر گواہ مقرر کر لینے چاہئیں تاکہ اگر کسی وقت فریقین میں نزاع پیدا ہو جائے اور معاملہ عدالت تک پہنچے تو شہادت کی روشنی میں قاضی صحیح فیصلہ کر سکے۔ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔ ائمہ اربعہ کا یہ متفقہ قول ہے کہ طلاق و رجعت پر گواہ مقرر کرنا فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اگر بغیر گواہوں کے کسی نے طلاق دے دی تو وہ طلاق معتبر ہو گی یا اگر اس نے بغیر گواہوں کے رجوع کر لیا تو وہ رجوع بھی شرعاً معتبر ہو گا۔ البتہ گواہ بنانا افضل ہے اور تمہارے لیے بہتر ہے۔ اختلاف و نزاع کے سدباب کا یہ بڑا موثر طریقہ ہے۔ یہاں گواہ بنانے کا حکم ویسا ہی ہے جیسے اس آیت میں۔ وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَايَعۡتُمۡ الآیۃ کہ جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر تم نے گواہوں کی عدم موجودگی میں خرید و فروخت کی تو وہ جائز نہ ہو گی، بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم خرید و فروخت کے وقت گواہ بنا لیا کرو تاکہ اگر کبھی کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ (1)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 320

مَخْرَجًا ۙ② وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ

نجات کا راستہ ؎ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ

؎ طلاق، عدت، نفقہ، سکنیٰ وغیرہ جو احکام یہاں بیان کیے گئے ہیں ان کی پابندی میں خوفِ خدا کو جو اپنا شعار بنائے گا اور خلوص نیت سے ان کی پیروی کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا کر دے گا۔ یہ قاعدہ صرف ان احکام کی بجا آوری کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے۔ جو شخص تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے کسی قسم کے دباؤ میں آکر ارشاداتِ خداوندی سے سرمو انحراف نہیں کرتا، بڑی استقامت اور جوانمردی سے اوامر ونواہی کی پابندی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نجات کے اسباب یقیناً پیدا کر دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق مہیا کرتا ہے جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

ہماری حالت بھی عجیب ہے۔ عام حالات میں تو احکامِ شرعی کی ہم کچھ نہ کچھ پاسداری کرتے ہیں لیکن جب ہم کسی مشکل میں پھنس جاتے ہیں تو اس سے نکلنے کے لیے جائز وناجائز حرکات کے ارتکاب میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ غربت وافلاس کی گرفت سخت ہو جائے تو رشوت، چوری، لوٹ کھسوٹ اور حرام خوری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ کسی مقدمہ میں پھنس جائیں تو اس میں کامیاب ہونے کے لیے جھوٹی گواہی سے کام چلا لیتے ہیں۔ دشمن کا دباؤ بڑھ جائے تو جھوٹ اور مکر وفریب سے گلوخلاصی کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ درحقیقت یہ سب نفس کا فریب اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ ایسا کرنے سے مشکلیں گھٹتی نہیں، بڑھتی ہیں۔ مطلعِ حیات مزید ابر آلود ہو جاتا ہے۔ ناکامیاں اور رسوائیاں انسان کا مقدر بن جایا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس قرآن کریم نے مشکلات سے نجات پانے اور مصائب کے نرغے سے رہائی حاصل کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ وہ یہ کہ اپنے دل میں خوفِ خدا پیدا کر لو۔ جن کاموں سے اس نے روکا ہے بھولے سے بھی ان کے قریب مت پھٹکو۔ جن احکام کی بجا آوری کا اس نے حکم دیا ہے ان کی پوری طرح پابندی کرو۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر میں صدقِ دل سے مشغول ہو جاؤ۔ تم دیکھو گے کہ اس کا دستِ کرم کس طرح آگے بڑھ کر تمہاری چارہ سازی کرتا ہے۔ اس کی چشمِ رحمت کس طرح تمہاری بگڑی بناتی ہے۔ وہ اپنے خزانوں کے منہ تمہارے لیے کس طرح کھول دیتا ہے۔ اس آیت طیبہ میں بندۂ مومن کو اس کی یقینی نجات، حقیقی کامرانی اور سچی خوشی کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ کاش! ہم کان کھول کر سن لیں، دلوں میں اس کو جگہ دیں اور صدق دل سے اس پر عمل کریں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ قَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتْلُوْعَلَیَّ ھٰذِہِ الْاٰیَةَ وَمَنْ یَّتَقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ حَتّٰی فَرَغَ مِنَ الْاٰیَةِ ثُمَّ قَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ! لَوْ اَنَّ النَّاسَ کُلَّھُمْ اَخَذُوْا بِھَا کَفَتْھُمْ۔ (ابن کثیر) (1)

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے یہ آیت سناتے رہے اور جب فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: اے ابوذر! اگر سارے لوگ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو یہ آیت ان سب کے لیے کافی ہو جائے"۔

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ عوف بن مالک اشجعی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 379

عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ

کرتا ہے تو اس کے لیے وہ کافی ہے [۱۱] بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے [۱۲] مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے

یا رسول اللہ! میرے لڑکے کو دشمنوں نے قید کر لیا ہے اور اس کی ماں اس کی جدائی میں سخت بے چین ہے۔ مجھے حضور کیا فرماتے ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِتَّقِ اللّٰهَ وَاصْبِرْ وَ اٰمُرُكَ وَاِيَّاهَا اَنْ تَسْتَكْثِرَا مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (1) یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو۔ میں تجھے اور تیری بیوی کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت سے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا ورد کیا کرو۔ ارشادِ نبوی سن کر وہ اپنے گھر لوٹ آئے اور اپنی بیوی کو سارا ماجرا آ کر بتایا۔ وہ نیک بخت کہنے لگی۔ نِعْمَ مَا اَمَرَنَا بِهٖ۔ حضور نے جس چیز کا ہمیں حکم دیا ہے وہ بہت ہی عمدہ ہے۔ پھر ان دونوں میاں بیوی نے بکثرت وِرد شروع کر دیا، چنانچہ اس کی برکت سے دشمن ان کے بیٹے کی طرف سے غافل ہو گئے اور وہ ان کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلا اور ان کی بھیڑ بکریاں ہانکتا ہوا بخیر و عافیت اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ گیا۔

علامہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں اس آیت کے ضمن میں حل مشکلات کے لیے ایک وظیفہ لکھا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی اور دنیوی منافع کے حصول، دینی اور دنیوی مشکلات کے حل کے لیے یہ وظیفہ بتایا کہ ہر روز پانچ سو مرتبہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھے۔ اوّل و آخر ایک ایک سو مرتبہ درود پاک پڑھے۔ (2)

[۱۱] یعنی جو شخص اپنا کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے وہ اس کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ توکل کا معنی عمل سے لاتعلق ہو جانا ہے اور اسباب سے قطع نظر کرنا ہے۔ توکل کا یہ مقصد نہیں۔ بلکہ اس کا یہ مقصد ہے کہ اسباب بجا لائے لیکن نتائج کے ظہور کے لیے اسباب پر اعتماد نہ کرے۔ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرے۔ بے عملی اور جدوجہد سے بیزاری کا اسلام کے نظریۂ توکل سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

(۱) گر توکّل میکنی درکار کُن کشت کُن پس تکیہ برجبار کُن (3)
(۲) رمزِ اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ شنو از توکل در سبب کاہل مشو (4)

ترجمہ: (۱) یعنی اگر تو توکل کا دعویٰ کرتا ہے تو کام میں مشغول ہو جا۔ پہلے تخم ریزی کر پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر۔

(۲) اس حدیث میں جو رمز ہے اس کو سن! کہ کسب کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، توکّل کی وجہ سے اسباب کے فراہم کرنے میں سُستی مت کر۔

بلکہ سلف صالحین تو تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اِتَّجِرُوْا وَاكْتَسِبُوْا فَاِنَّكُمْ فِيْ زَمَانٍ اِذَا احْتَاجَ اَحَدُكُمْ كَانَ اَوَّلُ مَا يَأْكُلُ دِيْنَهٗ (5)۔ ترجمہ: کاروبار کرو اور رزقِ حلال کماؤ، کیونکہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جب کوئی شخص محتاج ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی متاعِ دین و ایمان کو بیچنا شروع کر دیتا ہے۔

[۱۲] اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ اس کو پورا کر کے رہتا ہے۔ کوئی چیز اس کے ارادے کے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 160
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 321
3۔ مثنوی معنوی، دفتر اول، ص 122
4۔ ایضاً، ص 119
5۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 33

شَیْءٍ قَدْرًا ۝③ وَالّٰٓـئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ

لیے ایک اندازہ۔ اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ۱۳؎ اگر

۱۳؎ وہ مطلقہ جس کو حیض آتا ہو، اور وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، ان کی عدت کے احکام سورہ بقرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں ان عورتوں کی عدت بیان کی جا رہی ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو۔ ان کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ عورتیں جو سنِ ایاس کو پہنچ چکی ہوں۔ جن کو حیض آنے کی قطعاً امید نہ ہو۔ بعض علماء نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ سال کی عمر کو سن ایاس کہا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جس عمر میں حیض کا آنا یقیناً بند ہو جائے۔ (۲) وہ عورتیں جو ابھی نابالغ ہوں یا جن کو حیض تو نہیں آیا لیکن وہ عمر کے اعتبار سے بالغ ہو گئی ہوں۔ (۳) جو حاملہ ہوں۔

پہلی دو قسموں کی عدت تین ماہ ہے۔ آیسہ طلاق کے بعد تین ماہ گزارے۔ اسی طرح نابالغہ۔

حاملہ کی عدت کا ذکر بعد میں آ رہا ہے۔

وہ عورتیں جن کا حیض کسی عارضہ کی وجہ سے بند ہو گیا ہو ان کی عدت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرات عثمان، علی، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے یہ ہے کہ یہ عورت انتظار کرے، یہاں تک کہ سن ایاس کو پہنچ جائے اور اس کے بعد تین ماہ عدت گزارے۔ اگر اس عورت کو پھر حیض شروع ہو جائے تو پھر تین حیض عدت گزارے۔ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ امام ثوری، لیث اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔ (1)

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت نو ماہ انتظار کرے۔ اگر اس اثنا میں اسے حیض نہ آئے تو تین ماہ عدت گزارے اور اگر نو ماہ میں حمل کے آثار ظاہر ہوں تو پھر اس کی عدت وضعِ حمل ہو گی۔ حضرت ابنِ عباس کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک کا یہی مسلک ہے۔

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی جوان بیوی کو طلاق دی اور اسے حیض آنا بند ہو گیا تو پورا سال عدت گزارے۔ (2)

امام حسن بصری کہتے ہیں کہ وہ سال بھر انتظار کرے۔ اگر اس عرصہ میں حیض نہ آئے تو پھر تین ماہ عدت گزارے۔ یہاں تین ماہ سے مراد قمری مہینے ہیں۔ اگر پہلی تاریخ کو طلاق ہوئی تو تین چاند شمار ہوں گے۔ انتیس کے ہوں یا تیس کے۔ اور اگر درمیان میں طلاق ہوئی تو پھر اس تاریخ سے نوے دن گنے جائیں گے۔ صاحبین کے نزدیک وہ مہینہ تیس کا شمار ہو گا۔ اس کے بعد دو مہینے چاند کے حساب سے شمار ہوں گے۔ یہ حکم مطلقہ کے لیے ہے۔ لیکن جس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حاملہ نہ ہو تو پھر ہر حال میں چار ماہ دس دن عدت گزارے گی خواہ وہ صغیرہ ہو، آیسہ ہو یا جوان ہو۔ (3)

یہ آیت اگرچہ عام ہے، مطلقہ اور بیوہ دونوں کو شامل ہے لیکن اجماع سے اس عموم کی تخصیص ہو گئی۔

(تفسیراتِ احمدیہ، ملا جیون۔ احکام القرآن للجصاص)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 323

2۔ احکام القرآن از جصاص، ج 3، ص 457

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 234

ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ

تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں ۔ اور

الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ

حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچہ جننے تک ہے ۱۴؎ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو وہ

۱۴؎ اب حاملہ عورت کی عدت بیان کی جا رہی ہے۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت کیا ہو گی؟ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی ایک آیت میں مطلق بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے اور یہاں مطلق حاملہ کی عدت وضعِ حمل بتائی گئی ہے۔ اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق چار ماہ دس دن ہو گی۔ اور اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق وضعِ حمل ہو گی۔ لیکن اگر بیوہ ہو اور حاملہ بھی ہو تو اس کی عدت میں اختلاف ہے۔ حضرت سیدنا علی، حضرت ابنِ عباس کے نزدیک دونوں آیتوں پر عمل کرتے ہوئے اَبْعَدُ الْاَجَلَیْنِ عدت ہو گی۔ یعنی اگر خاوند کی وفات کے فوراً بعد بچہ پیدا ہوا تو چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اگر مدتِ حمل چار ماہ دس دن سے تجاوز کر گئی تو پھر وضعِ حمل کے وقت اس کی عدت ختم ہو گی۔

لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے اس لیے یہ آیت پہلی آیت کی مخصص ہو گی۔ گویا چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہو گی جو حاملہ نہ ہو اور جو حاملہ ہو خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ، اس کی عدت وضعِ حمل تک ہو گی۔ اس قول کی تائید متعدد صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ امام مالک نے اپنے مؤطا میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ اس مسئلہ پر حضرت ابن عباس اور عبدالرحمٰن ابن عوف کے صاحبزادے ابوسلمہ کے درمیان گفتگو ہوئی۔ ابن عباس ابعد الاجلین کے قائل تھے اور ابوسلمہ وضع حمل کو عدت کی انتہا کہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ میں اس مسئلہ میں اپنے بھتیجے ابوسلمہ کی تائید کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابنِ عباس کے غلام کُریب کو حضرت ام المومنین امِ سلمہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ ام المومنین نے بتایا کہ سُبَیعہ اسلمیہ کا خاوند فوت ہوا۔ وہ حاملہ تھیں۔ چند روز کے بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ سبیعہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنی عدت کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اب تو حلال ہو گئی۔ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ (1)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہی حدیث سبیعہ اسلمیہ کی زبانی روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں سعد بن خولہ کی بیوی تھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر انہوں نے وفات پائی۔ میں اس وقت حاملہ تھی۔ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ مجھے ایک آدمی نے بتایا کہ تمہیں چار ماہ دس دن عدت پوری کرنی ہو گی تب تم نکاح کر سکتی ہو۔ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنا ماجرا بیان کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم آزاد ہو۔ اگر کسی سے نکاح کرنا چاہو تو کر سکتی ہو۔ (2)

1۔ مؤطا امام مالک، باب عدۃ المتوفی عنہا زوجہا اذا کانت حاملاً، ص 530

2۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب جواز خروج المعتدۃ البائن والمتوفی عنہا زوجہا فی النہار لحاجتہا، ج 1، ص 486 (ماخوذ)

لَهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝٤ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ

اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے ۱۵؎ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے

اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝٥ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ

اللہ تعالیٰ دُور کر دیتا ہے اس کی بُرائیوں کو اور (روزِ قیامت) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا۔ انہیں ٹھہراؤ جہاں تم

حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا

خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ تم انہیں

عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى

تنگ کرو ۱۶؎ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک

صحابہ کرام کی کثیر تعداد کا یہی مسلک ہے۔ ائمہ اربعہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔

مسئلہ: اگر پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو عدت آخری بچے کی پیدائش کے وقت ختم ہوگی۔

مسئلہ: اگر حمل ساقط ہو جائے اور یہ یقین ہو کہ جو چیز نکلی ہے وہ حمل ہی ہے تو اس وقت بھی عدت ختم ہو جائے گی۔

۱۵؎ یہاں پھر تنبیہ فرما دی کہ ان ارشادات خداوندی کی تعمیل میں غفلت نہ برتنا اور اس سے ڈرتے رہنا۔ اگر تم نے تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیا تو وہ تمہاری مشکلات کو آسان فرما دے گا اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو مٹا دے گا اور اس کو قیامت کے دن اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

۱۶؎ جو عورتیں عدت گزار رہی ہوتی ہیں ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ خاوند نے اسے طلاقِ رجعی دی ہے اور وہ حاملہ نہیں۔ خاوند نے اسے طلاق رجعی دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے۔ خاوند نے اسے طلاق مغلّظہ دی ہے اور وہ حاملہ نہیں۔ خاوند نے اسے طلاقِ مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے۔ اس میں سب ائمہ متفق ہیں کہ اگر عورت طلاقِ رجعی کی عدت گزار رہی ہے تو نفقہ اور سکنٰی دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جو عورت طلاقِ مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے اور حاملہ بھی ہے تو اس کا نفقہ اور سکنٰی بھی مرد کے ذمہ ہوگا۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ عورت غیر حاملہ ہے اور طلاق مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے، کیا اس صورت میں نفقہ اور سکنٰی دونوں خاوند کے ذمہ ہونگے یا صرف سکنٰی خاوند کے ذمہ ہوگا، یا خاوند نفقہ اور سکنٰی دونوں سے بری الذمہ ہوگا؟ حضرات سیدنا عمر، ابن مسعود، امام زین العابدین، قاضی شریح اور ابراہیم نخعی کا قول یہ ہے کہ اس عورت کے نفقہ اور سکنٰی دونوں کی ذمہ داری مرد پر ہوگی اور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

حضرات سعید بن مسیّب، سلیمان بن یسار، امام مالک، امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اس کا سکنٰی تو مرد کے ذمہ ہے لیکن نفقہ اس کے ذمہ نہیں۔

تیسرا گروہ جس کے سرخیل امام حسن بصری اور حماد ہیں ان کے نزدیک ایسی عورت کا نفقہ اور سکنٰی مرد کے ذمہ نہیں (1)۔

احادیثِ صحیحہ سے پہلے مسلک کی ہی تائید ہوتی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اَلْمُطَلَّقَةُ ثَلَاثًا لَّهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ (دارقطنی) (2) ''جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، عدت کے دوران اس کا نفقہ اور سکنی مرد کے ذمہ ہوگا''۔ اس سے بھی زیادہ اصح اور اقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ارشاد ہے جو حضرت فاروق اعظم سے مروی ہے۔ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ(3)۔ حضرت عمر فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایسی عورت کو سکنٰی اور نفقہ مہیا کیا جائے گا۔

ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جن عورتوں کو عدت میں نفقہ دیا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس لیے کہ وہ حاملہ ہیں؟ ایسا تو نہیں۔ کیونکہ مطلقہ رجعیہ غیر حاملہ کو سب کے نزدیک نفقہ دیا جاتا ہے۔ کیا اس لیے کہ بعض مصلحتوں کے پیش نظر وہ عورتیں اپنے سابقہ خاوندوں کے گھروں میں رہنے پر مجبور ہیں؟ اس لیے ان کا نفقہ خاوند پر لازم ہے۔ تو یہ علت، مطلقہ مغلظہ میں بھی پائی جاتی ہے، اس لیے جب نفقہ کی علت موجود ہے تو نفقہ خاوند کو ادا کرنا پڑے گا۔

جن حضرات نے نفقہ اور سکنی دونوں کا انکار کیا ہے یا صرف نفقہ کا انکار کیا ہے وہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتی تھیں کہ مجھے خاوند نے طلاقِ مغلّظہ دی تھی اور حضور نے مجھے نہ نفقہ دیا تھا اور نہ سکنٰی۔ لیکن یہ حدیث ایسی ہے جس پر صحابہ کرام نے عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت فاروقِ اعظم کے سامنے جب یہ روایت پیش کی گئی تو آپ نے بایں الفاظ اس کو رد کر دیا۔ لَسْنَا بِتَارِكِىْ اٰيَةً فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ وَقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَّعَلَّهَا اُوْهِمَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ۔ (4)

یعنی ہم آیتِ قرآن اور فرمانِ نبوی کو ایک عورت کے قول سے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ شاید وہ کسی وہم میں مبتلا ہوئی ہو۔ میں نے رسول کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مطلقہ مغلظہ کے لیے سکنٰی اور نفقہ دونوں ہیں۔

حضرت عائشہ، اسامہ (فاطمہ بنت قیس کے دوسرے شوہر) جب وہ یہ حدیث بیان کرتیں تو سخت برہمی کا اظہار کرتے۔

البتہ ایک بات ابھی تک خلش پیدا کر رہی ہے کہ اگر مبتوتہ غیر حاملہ کے لیے بھی نفقہ ہوتا تو پھر وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ میں حمل کو نفقہ کے لیے بطور شرط کیوں ذکر کیا گیا۔

علامہ جصاص لکھتے ہیں کہ کیونکہ حمل کی مدت طویل بھی ہو سکتی ہے، خاوند اتنی مدت کے لیے اس عورت کو خرچہ دینے پر بخوشی رضامند نہیں ہوتا جس سے اس کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے اس کو حالت حمل میں طلاق دے دی ہے، اس لیے اس آیت میں مزید تاکید فرما دی کہ مدت مختصر ہو یا طویل ہر حالت میں ایام عدت کا نفقہ تمہارے ذمہ ہی ہے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص325۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز28، ص139

2۔ سنن الدار قطنی، ج4، ص21

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز28، ص139

4۔ احکام القرآن از جصاص، ج3، ص460

يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا

کہ وہ بچہ جنیں ۔ پھر اگر وہ (بچے کو) دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو تم انہیں ان کی اجرت دو [١٧] اور (اجرت کے بارے میں)

اس عورت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور وہ حاملہ ہے؟ علامہ ابوبکر جصاص نے فقہاء کے متعدد اقوال لکھے ہیں جنہیں بالاختصار یہاں نقل کر رہا ہوں ۔

١ ۔ حضرات ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر، شُریح، ابو العالیہ، شعبی اور ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ شوہر نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس سے اس کا نفقہ ادا کیا جائے گا ۔

٢ ۔ حضرات جابر، ابن زبیر، حسن، ابن المسیب اور عطا رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ اس کے اپنے ذمہ ہے ۔ خاوند کے مال سے اس کو نفقہ نہیں ملے گا ۔ حضرت ابن عباس سے یہ قول بھی منقول ہے ۔

٣ ۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ شوہر کے مال سے جس طرح اس کا قرض ادا کیا جاتا ہے، عورت کا نفقہ بھی ادا کیا جائے گا ۔

٤ ۔ امام ملک کے نزدیک اس کے لیے نفقہ نہیں، البتہ سکنیٰ ہے ۔

٥ ۔ ٦ ۔ امام شافعی سے دو قول مروی ہیں: (١) اسے نفقہ اور سکنیٰ دونوں دیئے جائیں گے ۔ (٢) نہ اسے نفقہ ملے گا اور نہ سکنیٰ ۔

٧ ۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، اور امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ خاوند کے مال سے نہ نفقہ کا حق رکھتی ہے اور نہ سکنیٰ کا ۔ کیونکہ خاوند کی وفات کے بعد اس کا ملک ختم ہو گیا ۔ یہ سارا مال اب وارثوں کا ہے ۔ عورت بھی اس کی وارث ہے، اس لیے اپنے حصہ وراثت سے یہ اپنے اخراجات پورے کرے گی ۔ (1)

١٧ ۔ جب عدت گزارنے والی حاملہ بچہ جنے گی تو عدت ختم ہو جائے گی ۔ اب وہ اپنے پہلے خاوند سے بالکل اجنبی ہو گئی ۔ بچہ کو دودھ پلانا اور اس کو پالنا ماں کی نہیں، باپ کی ذمہ داری ہے ۔ اب تو نکاح کا رشتہ بھی ٹوٹ گیا ہے ۔ اس لیے باپ بچے کی ماں کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو ضرور دودھ پلائے ۔ ماں کا دل چاہے تو یہ خدمت انجام دے اور دل نہ چاہے تو انکار کر دے ۔ البتہ اگر بچہ ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ پیتا ہی نہیں یا کوئی دوسری دودھ پلانے والی ملتی ہی نہیں تو پھر ماں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ضرور دودھ پلائے کیونکہ بچے کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے ۔ اگر وہ دودھ پلانے پر رضامند ہو جائے تو خاوند پر لازم ہے کہ وہ اسے مناسب معاوضہ ادا کرے اور یہ معاوضہ باہمی مشورہ سے طے کیا جا سکتا ہے ۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ بخل سے کام نہ لے اور اپنی حیثیت کے مطابق فراخ دلی سے معاوضہ ادا کرے ۔ اسی طرح ماں کے لیے بھی مستحسن ہے کہ وہ سابق خاوند کو زیادہ اجرت دینے پر مجبور نہ کرے ۔

یہ مسئلہ زیر غور رہے کہ بے شک عورت پر بچے کی رضاعت کی ذمہ داری نہیں لیکن اگر وہ دودھ پلانے پر رضامند ہو جائے درآں حالیکہ وہ خاوند کے نکاح میں ہے یا ایام عدت گزار رہی ہے تو وہ رضاعت کا معاوضہ طلب نہیں کر سکتی ۔ ہاں اگر عدت گزار چکی ہے تو وہ معاوضہ کی مستحق ہوگی ۔

---

1 ۔ احکام القرآن از جصاص، ج3، ص462

بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ⑥ ط

آپس میں مشورہ کرلیا کرو دستور کے مطابق۔ اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے کوئی دوسری دُودھ پلائے ۱۸

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ

خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق۔ اور وہ، تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق

فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ط لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ط

تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے ۱۹ اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے۔

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ⑦ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ ع ۱ ۱۷

عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا ۲۰ کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے سرتابی کی

۱۸ علامہ ابن منظور تَعَاسَرَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ جب خرید و فروخت کرنے میں بائع اور مشتری کسی بات پر متفق نہ ہو سکیں تو اہل عرب کہتے ہیں: تَعَاسَرَ الْبَيِّعَانِ: لَمْ يَتَّفِقَا۔ اسی طرح میاں بیوی بھی اگر کسی متفقہ فیصلہ پہ نہ پہنچیں اور کشاکش باقی رہے تو کہا جاتا ہے تَعَاسَرَ الزَّوْجَانِ۔ (لسان العرب) (1) اس تشریح کے پیش نظر ان تعاسرتم کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اجرت کے بارے میں اتفاق رائے نہیں ہوسکا، خاوند کم دینے پر مُصِر ہے یا ماں زیادہ کا مطالبہ کررہی ہے تو پھر کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کر دیا جائے۔ صاحب قاموس اس لفظ کے ضمن میں لکھتے ہیں: تَعَسَّرَ عَلَيَّ الْاَمْرُ وَ تَعَاسَرَ وَاسْتَعْسَرَ اشْتَدَّ وَالْتَوٰى۔ یعنی جب کوئی کام سخت پیچیدہ ہو جائے اور الجھ جائے تو عرب کہتے ہیں۔ تَعَاسَرَ عَلَيَّ الْاَمْرُ۔ (2)

مسئلہ: اگر ماں اتنی اجرت کا ہی مطالبہ کرتی ہے جو خاوند ایک اجنبیہ کو دے رہا ہے تو ماں کا حق زیادہ ہے۔

۱۹ باپ کو نصیحت کی جارہی ہے کہ اگر وہ خوش حال ہے تو فراخ دلی سے اپنے بچے کی رضاعت کا معاوضہ ادا کرے۔ بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے۔ لیکن اگر وہ مفلس ہے تو پھر حسب توفیق جو وہ دے گا وہی کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

۲۰ یعنی اگر کسی وقت غربت اور تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑے تو گھبراؤ نہیں۔ جی لگا کر محنت کرو۔ صبر کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی بعید نہیں کہ وہ تمہیں بہت جلد خوش حال اور متموّل کردے۔

۲۱ بہت سے ایسے احکام مذکور ہوئے ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کی ازدواجی زندگیوں سے ہے۔ مناسب طور پر ان احکام کی بجا

1۔ لسان العرب، ج4، ص564

2۔ القاموس المحیط، ج1، ص614

عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا

اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں (کے فرمان) سے تو ہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا ۲۱ اور ہم نے

عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا

انہیں بھاری سزا دی۔ پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام بڑا

خُسْرًا ۝۹ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي

خسارہ تھا ۲۲ تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک سخت عذاب ۲۳ پس اللہ سے ڈرتے رہا کرو اے

الْاَلْبَابِ ۛۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰ رَّسُوْلًا　مع

دانشمندو! ۲۴ جو ایمان لائے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر۔ ایک ایسا رسول

آوری کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ اب بڑے کھلے الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اپنی پسند اور ناپسند کو احکامِ الٰہیہ پر مقدم رکھا، اپنی نفسانی خواہشات کو ترجیح دی اور ارشاداتِ الٰہیہ کو پسِ پُشت ڈال دیا، تو اس کا انجام بڑا عبرت ناک ہوگا۔ ذرا ان قوموں کی تاریخ پڑھو اور ان برباد شدہ شہروں اور بستیوں کی درد بھری داستانیں سنو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت سے منہ موڑا، جنہوں نے تمرد و سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے ان سے بڑی شدید باز پرس کی اور ان پر ایسا عذاب نازل کیا جس نے ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

۲۲ اس دنیا ہی میں ان کو ان کے کرتُوتوں اور بداعمالیوں کا مزہ چکھا دیا گیا۔ انہوں نے جیتے جی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سرکشی کی جو روش انہوں نے اختیار کی اس کا انجام کتنا خوفناک تھا۔ وہ تو اپنی عیاریوں اور نوسربازیوں سے بڑی منفعتوں کی آس لگائے بیٹھے تھے لیکن یہ سب ان کی حماقت اور نادانی تھی۔ انجام کار انہیں گھاٹا ہی گھاٹا ہوا۔ انہیں ایسا خسارہ ہوا جس کی تلافی کی کوئی صورت ہی نہیں۔

۲۳ اس رسوائی اور ذلت سے تو انہیں دنیا میں دوچار ہونا پڑا، روزِ محشر جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اپنے لیے ایسا دردناک عذاب تیار پائیں گے جس کا ابھی وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

۲۴ اس سرزنش کے بعد اہل خرد کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فرما کر اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ دانا لوگ وہ نہیں جو علوم و فنون میں ماہر ہوں، جو بڑے چالباز اور سیاستدان ہوں، بلکہ حقیقی دانشمند تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان کا چراغ ضوفشاں ہے۔

يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں اللہ کی روشن آیتیں ٢٥ تاکہ نکال لے جائے انہیں جو ایمان لے آئے اور

الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ

نیک عمل کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف ٢٦ اور جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور نیک عمل

صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

کرتا ہے ٢٧ تو وہ اس کو داخل فرمائے گا باغات میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں جن میں وہ لوگ تا ابد

٢٥ ذِكْرًا اور رَّسُوْلًا کا باہمی تعلق کیا ہے؟ بعض علماء نے لکھا ہے کہ رَّسُوْلًا سے پہلے وَاَرْسَلَ مقدر ہے اور ذکر سے مراد قرآن ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا اور اپنا رسول بھیجا (1)۔ اور علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ذکر سے مراد بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور رَّسُوْلًا اس کا بدل ہے۔ ذِكْرًا هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُبِّرَ بِهٖ عَنْهُ لِمُوَاظَبَتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ الَّذِيْ ذِكْرًا وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى رَسُوْلًا بَدَلًا مِّنْهُ۔ (2)

٢٦ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ رسول جو سراپا ذکر ہے تمہاری طرف اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ اہلِ ایمان کو اور نیک عمل کرنے والوں کو طرح طرح کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نورِ تاباں تک پہنچائیں۔

اس سباق میں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو عائلی قوانین اور ازدواجی زندگی کے بارے میں ضوابط حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو عطا فرمائے ہیں ان کی برکت سے یہ امت گمراہی کے ان اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں پہنچ گئی ہے جن اندھیروں میں ابھی تک اقوامِ عالم بھٹکتی پھر رہی ہیں۔ آپ کو فرصت ملے تو آپ اسلام کے عائلی قوانین کا دنیا بھر کی اقوام کے جدید و قدیم عائلی قوانین سے موازنہ کریں، آپ کو اس قول کی صداقت کا یقین آ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم شرح صدر سے ان قوانین کو اپنائیں جو ہماری بہتری اور بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف نازل کیے ہیں۔

٢٧ یہ بتانے کے بعد کہ میرا رسول اہلِ ایمان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لا رہا ہے، اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک ہوگا۔ انہیں ان باغات میں بسایا جائے گا جہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی ندیاں بہ رہی ہیں۔ وہاں ان کا قیام عارضی نہیں، ابدی ہوگا۔ وہاں سے ان کو نکالا نہیں جائے گا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج9، ص333

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز28، ص141

أَبَدًا ۭ قَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ⑪ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ

رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اس (مومن) کو بہترین رزق عطا فرمایا۔ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور

مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي

زمین کو بھی انہی کی مانند ۲۸؎ نازل ہوتا رہتا ہے حکم ان کے درمیان ۲۹؎ تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫ ع ۲ ع ۵ ۱۸

کامل قدرت رکھتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔

۲۸؎ اس سورت کا اختتام اس آیت سے ہو رہا ہے۔ اس میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اسی طرح زمین کی بھی تخلیق کی۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کی شانِ کبریائی کی جلوہ گاہ ہے اور اس کی عظمت اور بڑائی پر گواہی دے رہا ہے۔

وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ میں مماثلت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) آسمان بھی سات پیدا فرمائے اور زمینیں بھی سات پیدا فرمائیں۔

(۲) یعنی جس طرح آسمان کی اس نے تخلیق کی ہے اسی طرح زمین کی بھی اسی نے تخلیق کی ہے۔ اگر زمینوں کی تعداد بھی سات مانی جائے تو امام رازی نے کہا ہے کہ سات زمینوں سے مراد وہ سات براعظم ہیں۔ جنہیں بڑے بڑے سمندر ایک دوسرے سے جدا کیے ہوئے ہیں، یا سات زمینوں سے مراد سات کواکب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اس مقام پر بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس سے ایک قول نقل کیا ہے۔ آپ نے کہا:

فِيْ كُلِّ اَرْضٍ آدَمُ كَآدَمَ وَ نُوْحٌ كَنُوْحٍ وَنَبِيٌّ كَنَبِيِّكُمْ۔ اس کے متعلق علامہ ابو الحیان اندلسی بحرِ محیط میں لکھتے ہیں وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مِّنْ رِّوَايَةِ الْوَاقِدِيِّ الْكَذَّابِ وَهٰذَا حَدِيْثٌ لَا شَكَّ فِيْ وَضْعِهٖ (1) کہ یہ قول واقدی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور واقدی کذّاب ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

۲۹؎ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے لاتعلق نہیں ہو گیا بلکہ ہر لحظہ اس کے احکام و اوامر کا ان میں نزول ہو رہا ہے اور ہر جگہ انہیں کی تعمیل ہو رہی ہے۔ موت و حیات، غنیٰ و فقر، عزت و ذلت، بناؤ اور بگاڑ غرضیکہ جو تغیّرات اور انقلابات آپ بلندیوں اور پستیوں میں مشاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حسنِ تدبیر کی جلوہ نمائی ہے۔ اَيْ يَجْرِيْ اَمْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقَضَاؤُهٗ وَ قَدَرُهٗ عَزَّوَجَلَّ بَيْنَهُنَّ۔ (روح المعانی) (2) اگر تم ان میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔

1۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 287

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 145

جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔ اور تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اس کا علم کائنات ارضی و سماوی کے ذرہ ذرہ کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بے شک وہی ذات اقدس معبود برحق اور مسجودِ برحق ہونے کے لائق ہے جس کی قدرت بھی بے پایاں ہے اور جس کا علم بھی بے کراں ہے۔ یہ بُت جن کی مشرکین پُوجا کرتے ہیں اور انہیں اپنا کارسازِ حقیقی خیال کرتے ہیں، عاجز ہیں، ان میں کچھ طاقت نہیں، جاہل ہیں انہیں کسی چیز کی خبر نہیں۔ بھلا ان کو اپنا خدا اور معبود تسلیم کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟

OOOOO

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِنَا الْمُكَرَّمِ وَشَفِيْعِنَا الْمُعَظَّمِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

تعارف سُورۃ التحریم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام ''التحریم'' ہے۔ جو پہلی آیت کے کلمہ لِمَ تُحَرِّمُ سے ماخوذ ہے۔ اس کی بارہ آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد ۲۴۷ اور حروف کی تعداد ۱۰۶۰ (ایک ہزار ساٹھ) ہے۔

زمانۂ نزول: یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ سالِ نزول ۷ھ یا ۸ھ ہے کیونکہ حضرت حاطب ؓ سات ہجری میں حضور نبی کریم ﷺ کا دعوت نامہ لے کر مقوقس والیٔ اسکندریہ کے پاس گئے۔ اس نے ماریہ قبطیہ اور ایک دوسری خاتون سیرین نامی کو بطور ہدیہ حضور کی خدمت میں بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ماریہ کو شرف زوجیت بخشا۔ ان کے بطن سے ۸ھ کے آخری ماہ میں حضرت ابراہیم تولد ہوئے۔ کیونکہ اس سورت کا اس واقعہ سے بھی تعلق ہے اس لیے زمانہ نزول ۷ھ یا ۸ھ ہی بنتا ہے۔

مضامین: (۱) حضور سرورِ عالم ﷺ نے ایک موقع پر ایک حلال چیز سے اجتناب کرنے کی قسم کھالی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اگر وہ پابندی برقرار رہتی تو حضور کو تکلیف ہوتی۔ نیز اُمت کے لوگ ایسا کرنے کو سُنّتِ نبوی سمجھ لیتے اور اپنے اوپر ناروا پابندیاں عائد کرنے کو اعمالِ صالحہ میں شمار کرنے لگتے۔ اس طرح اسلامی معاشرہ رفتہ رفتہ خود پیدا کردہ مشکلات اور محرومیوں کے دلدل میں پھنس کر رہ جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قسم کا کفارہ ادا کردیں اور اس پابندی سے رستگاری حاصل کریں۔ آپ کی اور آپ کی اُمّت کی تکلیف اور مشقت رحمت الٰہی کو گوارا نہیں۔

یہاں تحریم سے مراد شرعی تحریم نہیں کہ کسی حلال چیز کو انسان حرام اعتقاد کرنے لگے بلکہ کسی چیز کے استعمال سے اجتناب و احتراز مراد ہے۔ تفصیل آیت کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) ازواجِ مطہرات کے دلوں میں حضور ﷺ کی جو بے پناہ محبت تھی وہ بعض اوقات رقابت کے جذبہ کو بھڑکا دیتی اور ایسی صورتِ حال پیدا ہوجاتی جو حضور کے لیے خاصی پریشان کُن ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ازواجِ مطہرات کی تادیب فرمائی کہ وہ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ کریں جو حضور کے خاطرِ عاطر پر بار ہو خواہ اس کا محرّک تمہارا والہانہ جذبۂ محبت ہی کیوں نہ ہو۔ تمہاری محبت کو خودسر نہیں ہونا چاہیے بلکہ رضائے حبیب کا حلقہ بگوش ہونا چاہیے۔ تمہارے جذباتِ شوق کے تقاضے کچھ ہوں انہیں ہر حال میں میرے نبی کی پسند اور ناپسند کا پابند ہونا چاہیے۔

(۳) ایک زوجۂ مکرّمہ افشائے راز کر بیٹھیں، انہیں سرزنش فرمادی۔ اس سے اُمّت کی خواتین کو بھی سبق مل گیا کہ وہ بھی اپنے شوہروں کے رازوں کو محفوظ رکھا کریں، ورنہ ان کی معمولی سی غفلت ان کے لیے، ان کے خاندان کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھر والیوں کی اصلاح کے بعد اب غلامانِ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ خود بھی دوزخ کا ایندھن بننے سے بچیں اور اپنے اہل و عیال کی بھی ایسی صحیح تربیت کریں کہ وہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ گویا ماں باپ پر فرض کر دیا کہ وہ اپنے بچوں کے اخلاق کی کڑی نگرانی کریں۔

(۵) انسانوں سے گناہوں اور خطاؤں کا صدور ہوتا ہی رہتا ہے، اس لیے **تَوْبَةً نَّصُوْحًا** یعنی خالص توبہ کرنے کی تلقین فرمائی تاکہ ہمارا دامنِ عمل ان بدنما داغوں سے پاک ہو جائے۔

(٦) آخر میں دو مثالیں ذکر فرمائیں، ایک کفار کے لیے اور ایک اہلِ ایمان کے لیے، تاکہ دونوں گروہوں کو اپنی حیثیت کا پورا علم ہو جائے۔ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔ ایمان اور محبتِ الٰہی کمزور سے کمزور انسان کو کس طرح ناقابلِ تسخیر بنا دیتی ہے اس کو ذہن نشین کرانے کے لیے حضرت آسیہ کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کا ذکر کر کے مسلم خواتین کو ترغیب دلائی کہ وہ بھی اپنے گوہرِ عصمت کی حفاظت کریں۔ اسے کسی قیمت پر بے آبرو نہ ہونے دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے انہیں بھی کسی نیک بخت اور نامور فرزند کی ماں بننے کا شرف بخش دے۔

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ التحریم مدنی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی آیات ۱۲ رکوع ۲

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ

اے نبی (مکرم!) آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے۔ (کیا یوں) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں ۱

۱ اس سے پہلی سورت میں اہل ایمان کی ازدواجی زندگی سے متعلق احکام وہدایات کا ذکر ہوا۔ اس سورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی کے کچھ حالات بیان ہو رہے ہیں تاکہ امت اپنے نبی کریم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر سکے۔

ان آیات کے شانِ نزول کے بارے میں دو روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ پہلے میں اس روایت کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ نمازِ عصر کے بعد ازواجِ مطہرات کے حُجروں میں تشریف لے جاتے اور تھوڑا تھوڑا وقت ہر رفیقۂ حیات کے پاس تشریف رکھتے۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے شہد تحفۃً بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ان کے کاشانۂ اقدس میں رونق افروز ہوتے تو وہ بڑے اہتمام سے شہد پیش کرتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبعی طور پر شہد بہت پسند تھا۔ اس لیے شوق فرماتے۔ اس طرح حضرت زینب کے ہاں معمول سے زیادہ قیام ہو جاتا۔ حضرت زینب کی مسرت کی حد نہ تھی۔ انہیں اللہ کے محبوب اور اپنے سرتاج کے روئے زیبا کے دیدار کا موقع زیادہ ملتا۔ لیکن جن اُمہات المومنین کے حصہ سے یہ لمحے صَرف ہوتے، ان کے لیے یہ صورتِ حال ناقابل برداشت ہوتی گئی۔ محبت جتنی زیادہ ہوتی ہے رقابت کا جذبہ اتنا ہی قوی ہوتا ہے۔ آخر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ضبط نہ ہو سکا۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زینب کے پاس سے اٹھ کر ان میں سے جس کے ہاں آئیں وہ یہ کہے کہ حضور! آپ کے دہنِ مبارک سے مغافیر کی بُو آرہی ہے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغافیر تناول فرمایا ہے؟ (مغافیر: عرفط درخت کی گوند جس میں خفیف سی بساند ہوتی ہے) انہیں علم تھا کہ حضورؐ اپنی نفاستِ مزاج کے باعث بدبو کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے مغافیر تو نہیں کھایا البتہ زینب کے ہاں شہد نوش کیا ہے۔ اس کے بعد میں شہد نہیں پیوں گا۔ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ فَلَنْ اَعُوْدَ لَهٗ فَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِيْ بِذٰلِكَ اَحَدًا۔ (1) اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف ممالک کے سربراہوں کو اسلام قبول کرنے کے دعوت نامے بھیجے تو حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورؐ کا گرامی نامہ لے کر اسکندریہ کے والی مقوقس کے پاس گئے۔ اس نے قاصد کی بڑی تکریم کی اور جب وہ واپس روانہ ہوئے تو مقوقس نے ایک عریضہ بھی حضورؐ کی خدمت میں ارسال کیا اور دو اعلیٰ خاندان کی لڑکیاں بھی بھیجیں جن میں سے ایک کا نام سیرین اور دوسری کا نام ماریہ (MARY) تھا۔ حضرت حاطبؓ کی تبلیغ وتلقین سے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 184۔ روح المعانی زیر آیت ہذا، جز 28، ص 146۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ التحریم، ج 2، ص 729

دونوں نے مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے سیرین نامی لڑکی حضرت حسانؓ بن ثابت کو مرحمت فرما دی اور ماریہ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ انہیں کے بطن سے ذی الحجہ ۸ ھ میں حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے جو بعد میں ۱۸ ماہ کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ ایک روز ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری تھی۔ حضور سے اجازت لے کر وہ اپنے والد حضرت عمرؓ سے ملنے چلی گئیں۔ وہیں حضرت ماریہ آ گئیں اور تخلیہ میں حضور کے ساتھ رہیں۔ ابھی دروازہ بند تھا کہ حضرت حفصہ بھی واپس آ گئیں اور باہر بیٹھ کر انتظار کرنے لگیں: جب حضورؐ نے دروازہ کھولا اور حضرت حفصہؓ نے ماریہؓ کو اپنے حجرے میں دیکھا تو انہیں سخت ناگوار گزرا اور یوں شکوہ کرنے لگیں۔ میری باری، میرا حجرہ، میرا بستر اور ماریہ! یا رسول اللہ! آپ مجھے حقیر سمجھتے ہیں، اس لیے آپ نے ایسا کیا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی جاں نثار زوجہ کی غمزدگی اور پریشانی برداشت نہ کر سکے اور قسم کھائی کہ آئندہ ماریہ سے ازدواجی تعلق نہ رکھیں گے اور حضرت حفصہ کو تاکید فرمائی کہ وہ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں۔ (1)

واقعے یہ دو ہیں لیکن روایات میں بڑا اختلاف اور تعارض ہے۔ کہیں کسی کا نام ہے کہیں کسی کا۔ اس لیے ان واقعات کی مختلف روایتیں نقل کرنے کے بعد امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں اپنی رائے ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

وَالصَّوَابُ مِنَ الْقَوْلِ فِيْ ذٰلِكَ اَنْ يُّقَالَ كَانَ الَّذِيْ حَرَّمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى نَفْسِهٖ شَيْئًا كَانَ اللّٰهُ قَدْ اَحَلَّ لَهٗ (2)۔ یعنی میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوپر ایک ایسی چیز کو حرام کر دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کیا تھا۔

قَالَ النَّوَوِيُّ فِيْ شَرْحِ مُسْلِمِ الصَّحِيْحُ اَنَّ الْاٰيَةَ فِيْ قِصَّةِ الْعَسَلِ لَا فِيْ قِصَّةِ مَارِيَةَ الْمَرْوِيَّةِ فِيْ غَيْرِ الصَّحِيْحَيْنِ وَلَمْ تَاْتِ قِصَّةُ مَارِيَةَ فِيْ طَرِيْقٍ صَحِيْحٍ (3)۔ صحیح مسلم کی شرح میں امام نووی کہتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ یہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی اور ماریہؓ کے واقعہ میں نازل نہیں ہوئی۔ جیسا غیر صحیحین میں مذکور ہے اور ماریہ کا واقعہ کسی صحیح سند سے مروی نہیں۔

یہ آپ سن چکے۔ آیئے اب آیاتِ طیبہ میں غور و فکر کریں۔

زمخشری معتزلی اور اس کے پیروکاروں نے یہاں بڑی ٹامک ٹوئیاں ماری ہیں اور ایسی باتیں لکھی ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامنِ عصمت پر حرف آتا ہے۔ آپ ائمہ اہل سنت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حق فہمی اور محبت مصطفوی دونوں نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے۔

علامہ ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' میں تحریر فرماتے ہیں: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ نِدَاءُ اِقْبَالٍ وَّ تَشْرِيْفٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ سے خطاب فرما کر اپنے حبیبؐ کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور شرفِ ندا سے سرفراز فرمایا ہے۔ لِمَ تُحَرِّمُ سُؤَالُ تَلَطُّفٍ۔ یعنی از راہِ لطف و محبت دریافت کیا ہے کہ اے حبیب! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا قرینہ یہ ہے کہ پہلے بڑے احترام سے خطاب فرمایا پھر سوال کیا۔ جس طرح عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ میں ہے۔ پھر فرماتے ہیں: تحریم سے مراد تحریمِ شرعی نہیں۔ یعنی جس طرح وحی الٰہی سے کسی چیز کو جو پہلے حلال تھی حرام کر دیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے، بلکہ یہاں تحریم سے مراد امتناع ہے۔ یعنی کسی چیز کے استعمال سے رک جانا (4)۔ جیسے کوئی شخص کسی حلال اور

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 48-47، تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 9، ص 336

2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 28، ص 102

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 147

4۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 289

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ج

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۲؎ بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کردیا ہے تمہارے لیے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ (یعنی کفارہ)

مباح چیز کے استعمال کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھ لیتا ہے اور کبھی یہ امتناع کسی کی دلجوئی کے لیے ہوتا ہے جس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ ہم زمخشری کی عبارت نقل کرنے سے دانستہ گریز کر رہے ہیں کیونکہ اس نے ایسی باتیں لکھی ہیں جو عصمتِ نبوت کے لائق نہیں۔

علامہ آلوسی نے بھی تحریم کا مفہوم امتناع ہی بیان کیا ہے۔ وَالْمُرَادُ بِالتَّحْرِيْمِ الْاِمْتِنَاعُ (روح المعانی) (1) مطلب یہ ہے کہ آپ ایک حلال چیز کو استعمال کرنے سے کیوں اجتناب کرتے ہیں؟

۲؎ علامہ سید آلوسی اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فِيْهِ تَعْظِيْمُ شَانِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّ تَرْكَ الْاَوْلٰى بِالنِّسْبَةِ اِلٰى مَقَامِهِ السَّامِيْ الْكَرِيْمِ يُعَدُّ كَالذَّنْبِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ نَفْسِهٖ كَذٰلِكَ (2)۔ یعنی اگرچہ آپ نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، زیادہ سے زیادہ اولیٰ کا ترک ہوا، لیکن آپ کے عالی اور کریم مقام کے لیے یہ بھی مناسب نہ تھا۔ لیکن ہم غفور ہیں ہم نے معاف کردیا۔ مزید فرماتے ہیں کہ آیت میں جو عتاب ہے وہ کسی ناراضگی کی وجہ سے نہیں بلکہ مزید اعتنا کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی ہر ہر ادا کا خیال ہے۔ اسے یہ گوارا نہیں کہ آئینۂ نبوت پر ادنیٰ سا غبار بھی پڑے۔ زمخشری کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا قدم حسب عادت یہاں بھی پھسل گیا ہے۔ اس نے تحریم سے مراد شرعی تحریم لی ہے جو گناہ ہے اور غفور میں اسی گناہ کی آمرزش کی طرف اشارہ ہے۔ آلوسی کہتے ہیں کہ ابن منیر نے یہاں زمخشری کے خوب بخیے ادھیڑے ہیں۔ مَاحَاصِلُهٗ اَنَّ مَا اَطْلَقَهٗ فِيْ حَقِّهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تَقَوُّلٌ وَّ افْتِرَاءٌ وَّ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنْهُ بُرَاءٌ (3)۔ ابن منیر کی تنقید کا حاصل یہ ہے کہ زمخشری نے حضور کے حق میں جو کچھ کہا ہے وہ اس کا اپنا گھڑا ہوا افترا ہے اور حضور کی ذاتِ اقدس اس سے بری ہے۔ کیونکہ حلال کی تحریم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حلال چیز کو حرام اعتقاد کر لیا جائے۔ یہ ممنوع ہے بلکہ کفر ہے اور نبی معصوم سے اس کا صدور ممکن نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حلال کو حلال ہی سمجھا جائے لیکن اس کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔ ایسا کرنا مباح اور حلال ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریم کی یہی صورت تھی۔ اِنَّمَا عَاتَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ رِفْقًا بِهٖ وَتَنْوِيْهًا بِقَدْرِهٖ وَاِجْلَالًا لِّمَنْصَبِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَنْ يُّرَاعِيَ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِهٖ بِمَا يَشُقُّ عَلَيْهِ جَرْيًا عَلٰى مَا اُلِفَ مِنْ لُّطْفِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِهٖ (4)۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے عتاب کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنی ازواج کی خوشنودی کے لیے اپنے اوپر پابندی عائد کر لی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ اس کے محبوب کو تکلیف پہنچے۔ اس لیے فرمایا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ کو اپنی ازواج کی خوشنودی مطلوب ہے تو مجھے آپ کا آرام اور آپ کی راحت مرغوب ہے۔ ایسی ناروا پابندیوں کی اجازت میں آپ کو کیوں کر دے سکتا ہوں۔

یہاں اس امر کا ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ یورپ کے کئی متعصب مصنّفین نے حضرت ماریہؓ قبطیہ کے واقعہ کی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز28، ص147

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً، ج28، ص148

وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى

اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے ۳؎ اور وہی سب کچھ جاننے والا، بہت دانا ہے۔ اور (یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے) جب نبی کریم نے

آڑے کر شانِ رسالت میں بڑی گستاخیاں کی ہیں اور ان کی تحریروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے ان کی عداوت نے ان کو اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔ نہ صدائے حق کو وہ سن سکتے ہیں اور نہ نورِ حق انہیں دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ماریہؓ کوئی اجنبی عورت نہ تھیں جن سے خلوت شرع اور عقل کی نظر میں حرام ہوتی۔ وہ حضورؐ کی ازواجِ مطہرات میں سے ایک تھیں۔ مقوقس والیٔ اسکندریہ نے انہیں حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضورؐ نے انہیں آزاد فرمایا اور اپنی زوجیت کا شرف بخشا تھا۔ خاوند کا اپنی بیوی سے خلوت کرنا کسی قانون، کسی شریعت اور کسی نظامِ حیات میں قبیح نہیں۔ اس کو غلط رنگ دے کر پیش کرنا علم اور دیانت کا منہ چڑانا ہے اور اس کے ساتھ اپنی شقاوت پر مُہر ثبت کرنا ہے۔ یہ تو بیگانے لوگ تھے جن کے دلوں میں اسلام کے متعلق گونا گوں عداوتیں تھیں لیکن تعجب بلکہ ندامت اس وقت ہوتی ہے جبکہ کئی مدعیانِ علم ممبروں پر کھڑے ہو کر اس واقعہ کو بیان کر کے تنقیصِ شانِ رسالت کا پہلو نکالتے ہیں۔ کبھی حضور کے خداداد علم پر انگشت نمائی کی جاتی ہے، یہ دیکھو فلاں چیز کا علم نہ تھا۔ کبھی حضور کی شان کا انکار کیا جاتا ہے، یہ دیکھو حضورؐ حلال کو حرام نہیں کر سکتے، معلوم ہوا کہ حضور کو کوئی اختیار نہیں، اپنی امت کو اور اپنے غلاموں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کج فہمی سے بچائے۔ وہ اتنا بھی نہیں جانتے یا جانتے ہیں تو دانستہ اغماض کرتے ہیں کہ اللہ کا رسول اس لیے مبعوث نہیں کیا جاتا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو از خود حرام کر دے۔ یہ ممنوع ہے بلکہ کفر ہے۔ یہاں تحریم سے مراد کسی حلال چیز کو حلال اعتقاد کرتے ہوئے اس سے اجتناب کرنا ہے۔ جس کی تفصیل آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اور شہد کو حرام کرنا اس لیے نہیں کہ آپ کو علم نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ خود قرآنِ کریم نے بتا دی، **تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ** کہ آپ اپنی ازواجِ مطہرات کی دلجوئی کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی وجہ کو پس پشت ڈال کر اپنی طرف سے عدمِ علم کو اس کا سبب قرار دینا ایک مومن کو تو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ حق فہمی کی صلاحیت سلب کر لیتا ہے تو اسی قسم کے دلخراش الفاظ انسان کی زبان سے نکلتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ سُخْطِكَ وَسُخْطِ نَبِيِّكَ الْمُكَرَّمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

۳؎ تَحِلَّةٌ کا وزن تَفْعِلَه ہے۔ یہ باب تفعیل کا دوسرا وزن ہے۔ کَرَّمَ سے تَكْرِيْمٌ اور تَكْرِمَةٌ۔ كَمَّلَ سے تَكْمِيْلٌ اور تَكْمِلَةٌ دونوں وزن آتے ہیں۔ یہ بھی حَلَّلَ۔ تَحْلِيْلًا کا دوسرا مصدر ہے۔ علامہ راغب نے قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ کا یہ معنی لکھا ہے اَیْ بَيَّنَ مَا تَنْحَلُّ بِهٖ عُقْدَةُ اَيْمَانِكُمْ مِنَ الْكَفَّارَةِ۔ یعنی اللہ نے وہ چیز بیان کر دی جس سے تمہاری قسموں کی گرہ کھل جاتی ہے یعنی کفارہ۔ یعنی قسم کھا کر جو گرہ تم نے ڈال لی تھی اس کے کھولنے کا طریقہ تمہیں بتا دیا کہ کفارہ ادا کرو اور پابندی سے آزاد ہو جاؤ۔(1)

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے حرام کیا تو اس پر کیا اثر مرتب ہوگا؟ اس میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں۔ میں یہاں صرف حضرت امام اعظمؒ کا قول نقل کروں گا۔

علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں رقمطراز ہیں کہ ہمارے علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حرام کہتا ہے تو وہ قسم ہوگی

1۔ مفرداتِ راغب، ص 251

بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ

رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی ۴۵ پھر جب اس نے (دوسری کو) راز بتا دیا (تو) اللہ نے آپ کو اس پر آگاہ

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ

کر دیا آپ نے (اس بیوی کو) کچھ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی۔ پس جب آپ نے اس کو اس پر آگاہ کیا تو اس نے پوچھا

گویا اس نے یوں کہا: وَاللّٰهِ لَآ اَقْرَبُكِ۔ بخدا میں تمہارے قریب نہیں جاؤں گا۔ اس صورت میں وہ مُولی ہوگا اور اگر اس نے یہ الفاظ کہے اور طلاق کی نیت کی تو وہ طلاق ہوگی۔ اگر ایک طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو طلاقِ مغلّظہ۔ (1)

۴۵ وہ بات کیا تھی جو حضورؐ نے رازداری سے اپنی ایک رفیقۂ حیات کو بتائی تھی اور منع فرمایا تھا کہ کسی دوسری سے وہ اس کا ذکر کرے۔ جن علماء نے حدیثِ عسل کو ان آیات کے نزول کا سبب تسلیم کیا ہے ان کے نزدیک وہ راز یہ تھا کہ حضورؐ نے فرمایا میں پھر شہد نہیں کھاؤں گا اور تم یہ کسی کو نہ بتانا کہ مَیں نے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی ہے۔ اور جن علماء کے نزدیک اس کی شانِ نزول ماریہؓ قبطیہ کا واقعہ ہے تو انہوں نے اس راز سے یہ مراد لیا ہے کہ وہ کسی کو نہ بتائیں گی کہ حضورؐ نے ماریہؓ سے آئندہ مقاربت نہ کرنے کا حلف اٹھایا ہے۔

اگر علامہ ابن جریر کے قول کو ترجیح دی جائے تو کسی راز کے تعین کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہمارے لیے اتنا سمجھنا ہی کافی ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو حضورؐ نے اپنی ایک زوجہ کو بتائی اور انہیں تاکید کر دی کہ کسی دوسری کو اس کا پتہ نہ چلے لیکن وہ اس راز کو افشا کر بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو آگاہ کر دیا کہ آپ کی اہلیہ نے وہ راز افشا کر دیا ہے۔ حضورؐ نے جب اس کو بتایا کہ اس نے یہ راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران رہ گئیں اور خیال کیا کہ شاید دوسری بیوی نے بتایا ہوگا۔ پوچھا حضور آپ کو کس نے آگاہ کیا ہے کہ میں نے یہ راز فاش کر دیا؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے خبر دی ہے جو سب کچھ جاننے والا اور ہر راز سے باخبر ہے۔

بعض روایات میں منقول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت ماریہؓ کے بارے میں حضرت حفصہؓ کو ملول اور رنجیدہ پایا تو ماریہؓ کو اپنے اوپر حرام کر دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد ابو بکرؓ اور ان کے بعد تمہارے والد عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔ یہ وہ راز تھا جو حضرت حفصہؓ چھپا نہ سکیں اور حضرت عائشہؓ سے بھی اس کا ذکر کر دیا (2)۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

(۱۔۲) اَخْرَجَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسَرَّ اِلٰى حَفْصَةَ تَحْرِيْمَ مَارِيَةَ وَاَنَّ اَبَا بَكْرٍ وَّ عُمَرَ يَلِيَانِ النَّاسَ بَعْدَهٗ (3)۔ ترجمہ: ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے اور حضرت ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رازداری سے یہ بات کہی کہ ماریہ مجھ پر حرام ہے اور میرے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ لوگوں کے والی ہوں گے۔

(۳) ابن مردویہ نے متعدد طریقوں سے حضرت سیدنا علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا۔ اَنَّ اِمَارَةَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ لَفِيْ كِتَابِ اللّٰهِ۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا قَالَ لِحَفْصَةَ

1۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 66-465

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 147

3۔ ایضاً، جز 28، ص 151

مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَی

آپ کو اس کی خبر کس نے دی ہے۔ فرمایا مجھے اس نے آگاہ کیا ہے جو علیم و خبیر ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو (تو تمہارے

اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ

دل بھی (توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہیں (تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) ۵ اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو (خوب جان لو) کہ اللہ تعالیٰ آپ

اَبُوْكِ وَاَبُوْ عَائِشَةَ وَالِیَا النَّاسَ بَعْدِیْ فَاِیَّاكِ اَنْ تُخْبِرِیْ اَحَدًا (1)۔ ترجمہ: ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت تو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ الخ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت حفصہؓ کو فرمایا کہ تیرا باپ اور عائشہ کا باپ میرے بعد لوگوں کے امیر ہوں گے۔ خبردار! یہ راز کسی کو نہ بتانا۔

(۴۔۵) وَاَخْرَجَ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِیْ فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ عَنِ الضَّحَاكِ اَنَّهٗ قَالَ فِی الْاٰیَةِ اَسَرَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی حَفْصَةَ اَنَّ الْخَلِیْفَةَ مِنْ بَعْدِیْ اَبُوْ بَكْرٍ وَّمِنْ بَعْدِ اَبِیْ بَكْرٍ عُمَرُ۔ (2)

(٦) وَاَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ نَّحْوَهٗ۔ ترجمہ: ابونعیم نے فضائل الصحابہ میں ضحاک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس آیت کا راز یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد عمر۔

ابن ابی حاتم نے بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔

یہ تو اہل سنت کی کتب کے حوالے تھے۔ شیعہ کے جلیل القدر علماء نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں زجاج سے روایت کرتے ہیں۔ قَالَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَارِیَةَ الْقِبْطِیَّةَ اَخْبَرَاَنَّهٗ یَمْلِكُ مِنْ بَعْدِیْ اَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرُ فَعَرَّفَهَا بَعْضَ مَا اَفْشَتْ مِنَ الْخَبَرِ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ یَمْلِكَانِ مِنْ بَعْدِیْ وَقَرِیْبًا مِّنْ ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ الْعَیَاشِیُّ بِالْاِسْنَادِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الْعَطَاءِ الْمَكِّیِّ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ (3)۔ ترجمہ: جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماریہ قبطیہ کو حرام کیا تو یہ بھی بتایا کہ آپ کے بعد ابوبکر اور عمر والی ہوں گے اور اسی کے ہم معنی وہ روایت بھی ہے جو عیاشی نے عبداللہ ابن العطاء کے واسطہ سے حضرت امام باقر سے روایت کی ہے۔ یہاں ایک بات توجہ طلب ہے۔

قرآن کریم میں صراحت سے اس راز کو بیان نہیں کیا گیا، لیکن راز کے افشا ہونے اور اس پر افشا کرنے والی کو سرزنش کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے اہل خانہ سے راز کی بات کہنا درست ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس کو رازدار بنایا جائے وہ اس راز کی پوری پوری نگہداشت کرے۔ خصوصاً ان لوگوں کے اہل خانہ جو اہم ملکی اور ملی مہمات کو انجام دینے کے لیے مقرر ہیں۔ اگر ان کی بیویاں یا دوسرے مقرب ان کے رازوں کی حفاظت نہیں کریں گے بلکہ افشا کر دیا کریں گے تو دشمن ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا سکتا ہے اور انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

۵ تَتُوْبَاۤ کا فاعل حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جب حضرت فاروق اعظمؓ سے اس آیت کا مصداق پوچھا تو آپ نے ان ہی دو کا نام لیا۔ توبہ کی وجہ بتا دی فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ صغیٰ کا معنی ہے مائل ہونا، جھک

1۔ احکام القرآن از جصاص، زیر آیت ہذا، ج 3، ص 66-465

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 151

3۔ مجمع البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 314

مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ

کامددگار ہے ، جبریل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں ؀٦ اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے

ظَهِيْرٌ ﴿٤﴾ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا

والے ہیں ؀٧ کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیبیاں عطا فرما دے جو تم سے

جانا۔ جب ستارے ڈوبنے لگتے ہیں تو عرب کہتے ہیں: صَغَتِ النُّجُوْمُ۔ آیت کا مطلب ہوگا کہ تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں۔ کدھر مائل ہو گئے ہیں؟ اس کی تشریح علامہ آلوسی نے بایں الفاظ بیان کی ہے: مَالَتْ عَنِ الْوَاجِبِ مِنْ مُّخَالَفَتِهٖ بِحُبِّ مَا يُحِبُّهٗ وَكَرَاهَةِ مَا يَكْرَهُهٗ اِلٰى مُخَالَفَتِهٖ (1)۔ تم پر واجب تو یہ تھا کہ ہر بات میں حضور کی موافقت کرتیں۔ جو چیز حضور کو پسند ہوتی تم بھی اس کو پسند کرتیں، جو چیز حضور کو ناپسند ہوتی تم بھی اسے ناپسند کرتیں۔ لیکن تم نے ایسا نہ کیا۔ تمہارے لیے یہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اس لیے اس فروگزاشت سے جتنی جلد توبہ کرو گی تمہارے لیے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے جب زَاغَتْ (جس کا معنی ٹیڑھا ہونا یا کج ہونا ہے) کا لفظ استعمال نہیں کیا، بلکہ صَغَتْ کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کا ترجمہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں یا ٹیڑھے ہو گئے ہیں یا سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں، کسی طرح مناسب نہیں۔

؀٦ یہ مخاطب ہی کا صیغہ ہے۔ اصل تَتَظَاهَرَا ہے۔ ایک تا کو حذف کر دیا تَظَاهَرَا ہو گیا۔ اس کا معنی ہے تَعَاوَنَا۔ یعنی ایک دوسرے کی اعانت کرنا، پشت پناہی کرنا، ایکا کرنا۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تم نے میرے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے پر ایکا کر لیا تو تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی۔ کیونکہ آپ کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ کروبیین کا سردار جبریل اور نیک بخت اہل ایمان آپ کے مددگار ہیں۔ ان کے علاوہ فرشتوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ آپ کی اعانت کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ جس کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہو، جس کی نصرت و تائید کرنے والے ایسے جلیل القدر لوگ ہوں اسے بھلا کوئی زک پہنچا سکتا ہے؟ یہاں مَوْلٰى کا معنی ناصر ہے اور تمام کے لیے یہی معنی درست ہے۔ لَا مَانِعَ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ الْمَوْلٰى فِى الْجَمِيْعِ بِمَعْنَى النَّاصِرِ كَمَا لَا يَخْفٰى۔ (روح المعانی) (2) یعنی اللہ تعالیٰ بھی حضور کا مددگار ہے، جبریل اور صالح المومنین بھی حضور کے مددگار ہیں۔ صالح بظاہر واحد ہے لیکن اس سے مراد جنس ہے جس کا قلیل اور کثیر سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ اصل میں صَالِحُوْنَ جمع تھا۔ اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ صَالِحُوا الْمُؤْمِنِيْنَ ہو گیا، لیکن یہاں واؤ کا تلفظ نہیں کیا جاتا اس لیے کاتبانِ قرآن نے واؤ کی کتابت بھی ترک کر دی اور صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ لکھنے پر اکتفا کیا۔ اس قسم کے شواہد قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ١١ میں وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ مکتوب ہے۔ اصل میں وَيَدْعُوْ ہے لیکن کیونکہ واؤ کا تلفظ نہیں اس لیے کتابت بھی ترک کر دی گئی۔

؀٧ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں: ظَهِيْرٌ کَاَمِيْرٍ: اَلْمُعِيْنُ الْوَاحِدُ وَالْجَمِيْعُ فِىْ ذٰلِكَ سَوَاءٌ وَاِنَّمَا لَمْ يُجْمَعْ ظَهِيْرٌ لِاَنَّ فَعِيْلًا وَفَعُوْلًا قَدْ يَسْتَوِىْ فِيْهِمَا الْمُذَكَّرُ وَالْمُؤَنَّثُ وَالْجَمْعُ كَمَا قَالَ عَزَّوَجَلَّ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَالْمَلٰئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (تاج العروس) (3) یعنی ظہیر بروزن امیر اس کا معنی معین و مددگار ہے۔ واحد اور جمع کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ظہیر کو جمع

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 152 (ماخوذ)
2۔ ایضاً، جز 28، ص 153
3۔ تاج العروس، ج 3، ص 373

مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ

بہتر ہونگی پکی مسلمان ، ایمان والیاں ، فرمانبردار ، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار ، روزہ دار ،

ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ﴿۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ

کچھ پہلے بیاہیاں اور کچھ کنواریاں ٨ اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو

نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے ٩ اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو، سخت مزاج ہیں

ذکر نہیں کیا کیونکہ فعیل اور فعول کبھی کبھی مذکر اور مؤنث اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رسول تثنیہ ہونا چاہیے تھا کیونکہ کہنے والے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں، لیکن فعول کا وزن ہونے کی وجہ سے یہ لفظ تثنیہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اور ظہیر فعیل کے وزن کے باعث جمع پر بھی دلالت کرتا ہے۔

٨ ازواجِ مطہرات کو تادیب کی جا رہی ہے کہ بے شک تمہاری بڑی شان ہے۔ تم معزز خاندانوں کی چشم و چراغ ہو، لیکن اگر تم نے میرے نبی مکرم کی خوشنودی حاصل نہ کی اور تمہاری کسی غلطی سے ناراض ہو کر آپ نے تمہیں اپنے شرفِ زوجیت سے محروم کر دیا تو گھاٹا تمہیں ہی ہوگا۔ انہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ہم ان کی زوجیت کے لیے ایسی بیبیاں فراہم کر دیں گے جو تم سے بہتر ہوں گی اور ان تمام مذکورہ خوبیوں سے بدرجۂ اتم موصوف ہوں گی جن کا نبیٔ آخر الزمان کی ازواجِ مطہرات میں پایا جانا ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ کے معانی تو واضح ہیں۔ سَائِحَات کا معنی عام طور پر صَائِمَات کیا جاتا ہے، یعنی روزہ رکھنے والیاں۔ لیکن اس کا دوسرا معنی مہاجرات بھی کیا گیا ہے۔ کیونکہ سائح سیاحت سے ہے اور اسلام میں سیاحت صرف ہجرت ہی ہے۔ قَالَ ابْنُ زَيْدٍ لَيْسَ فِي الْاِسْلَامِ سِيَاحَةٌ اِلَّا الْهِجْرَةَ (1)۔

ثَيِّبَة: اس عورت کو کہتے ہیں جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو اور بعد میں اسے طلاق دے دی گئی ہو یا اس کا خاوند فوت ہو چکا ہو۔ (2)

٩ اہل ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو آتش جہنم سے بچائیں لیکن ان کی ذمہ داری اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی عذاب دوزخ سے بچانے کی پوری کوشش کرنا ان پر لازم ہے۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نَقِيْ اَنْفُسَنَا فَكَيْفَ لَنَا بِاَهْلِيْنَا۔ اے اللہ کے رسول! اپنے آپ کو تو دوزخ سے بچانے کا مفہوم سمجھ میں آ گیا، ہم اپنے اہل و عیال کو کیونکر دوزخ سے بچا سکتے ہیں؟ فَقَالَ تَنْهَوْنَهُمْ عَمَّا نَهَاكُمُ اللّٰهُ وَتَامُرُوْنَهُمْ بِمَا اَمَرَ اللّٰهُ۔ فرمایا: تم اس طرح ان کو بچا سکتے ہو کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے اہل و عیال کو بھی ان سے روکو اور جن کاموں کو بجا لانے کا اس نے حکم دیا تم انہیں حکم دو کہ وہ بھی بجا لائیں۔

مقاتل کہتے ہیں ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو، اپنی اولاد، اپنی بیوی اور اپنے خدام کو عذاب جہنم سے بچانے کی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 155

2۔ ایضاً

لَّا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝٦ يٰٓاَيُّهَا

نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجالاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے نلہ اے

کوشش کرے۔ علامہ قرطبی نے الکیا کا قول نقل کیا ہے۔ وَعَلَيْنَا تَعْلِيْمُ اَوْلَادِنَا وَاَهْلِيْنَا الدِّيْنَ وَالْخَيْرَ وَمَا لَا يُسْتَغْنٰى عَنْهُ مِنَ الْاَدَبِ (1)۔ یعنی ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی اولاد اور اہل خانہ کو دین کی تعلیم دیں، اچھی باتیں سکھائیں اور وہ ادب و ہنر جس کے بغیر چارہ نہیں اس کی تعلیم دیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے: حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُّحْسِنَ اسْمَهٗ وَيُعَلِّمَهُ الْكِتَابَةَ وَيُزَوِّجَهٗ اِذَا بَلَغَ (2) یعنی باپ پر اولاد کا حق یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوں تو ان کے لیے عمدہ نام تجویز کرے۔ جب وہ بڑے ہوں تو انہیں تعلیم دے۔ اور جب وہ بالغ ہوں تو ان کی شادی کرے۔

دوسرا فرمان نبوی ہے: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَّلَدًا اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ (3)۔ کسی باپ نے اپنے بچے کو حسن ادب سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا۔ دینی تعلیم اور عملی تربیت کا آغاز بچپن سے ہی ہو جانا چاہیے۔ اوائل عمر میں جو سبق دیا جاتا ہے تادم واپسیں وہ یاد رہتا ہے۔ جس کام کی عادت بچپن میں پڑ جاتی ہے وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ جو والدین بچپن میں اپنے بچوں کو اطاعت خداوندی کی طرف راغب نہیں کرتے ان کی اولاد عموماً راہ حق سے بھٹک جایا کرتی ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا۔ مُرُوْا اَبْنَاءَكُمْ بِالصَّلٰوةِ لِسَبْعٍ وَّ اضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرٍ وَّفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِى الْمَضَاجِعِ (4)۔ جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں مار کر پڑھاؤ اور اسی عمر میں ان کی خواب گاہیں جدا کر دو۔

کاش! ہم اس فرمانِ خداوندی اور ان ارشادات نبوی کی روشنی میں اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیں تو ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں سے بے راہ روی اور آوارہ مزاجی کا شکوہ نہ رہے۔ آج جبکہ درس گاہوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم و تربیت کا کوئی مؤثر اور حکیمانہ اہتمام نہیں، بلکہ یہ درس گاہیں لادینی نظریات اور ملحدانہ افکار کی رزم گاہیں بن چکی ہیں، جب معاشرے کی وہ حس تیزی سے کند ہوتی جارہی ہے جو کسی نازیبا حرکت پر آتش زیر پا ہو جایا کرتی تھی اور ایسا کرنے والے کے خلاف احتجاج کی ایک تیز و تند لہر بن کر ابھرتی تھی، آج جب سینما اور ٹی۔وی کے مخربِ اخلاق پروگرام رہی سہی کسر بھی نکال دینے کے درپے ہیں، اس وجہ سے ماں باپ کی ذمہ داریاں دہ چند ہو گئی ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی سخت نگرانی کریں۔ اور اس سے بھی اہم یہ کہ اپنے حسن عمل اور اچھے نمونہ سے ان کے دلوں میں نیکیوں اور بھلائیوں سے ایک والہانہ محبت پیدا کر دیں۔ اگر ہماری بے حسی کے باعث لادینی کی بپھری ہوئی موجوں نے ہمارے گھر کا مورچہ بھی سر کر لیا تو پھر آنے والی نسلوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

نلہ اس آگ پر فرشتوں کو بطور داروغہ مقرر کیا گیا ہے۔ وہ فرشتے بڑے تندخو اور سخت مزاج ہیں۔ کوئی گریہ وزاری کر کے ان کو متاثر نہیں کر سکتا۔ وہ بڑے قوی اور توانا ہیں۔ کوئی ان کی گرفت سے بھاگ نہیں سکتا۔ ان کا کام صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری ہے۔ نہ ان سے تعمیل حکم میں سُستی ہو سکتی ہے اور نہ وہ نافرمانی کر سکتے ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 95-194

2۔ ایضاً، صفحہ 195

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً

الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَعۡتَذِرُوا الۡیَوۡمَ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ⑦ ع

ع ۱ ۱۹

کفار! آج بہانہ نہ بناؤ ۱۱ تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو (کرتوت) تم کیا کرتے تھے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمۡ

اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو ۱۲ امید ہے تمہارا رب

۱۱ اے کفار! قیامت کے دن بہانہ سازی کام نہ آئے گی۔ عذر اور مجبوریاں پیش کرنے سے چھٹکارا نہ ہوگا۔ اس دن تمہیں ان کرتوتوں کی سزا ضرور ملے گی جو منع کرنے کے باوجود تم کرتے رہے اور کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت کو تم نے قبول نہ کیا بلکہ ان کے درپئے آزار رہے۔

۱۲ آیت میں اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر اس سے پہلے جہالت، کم فہمی یا بشری کمزوری کی وجہ سے تم سے غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں تو وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور میں صدق دل سے توبہ کرو تاکہ تمہارا رحیم و کریم خدا تمہارے گناہوں کے بدنما داغوں کو اپنے دامنِ کرم میں یوں چھپا لے کہ کسی کو ان کا اتہ پتہ بھی معلوم نہ ہو سکے۔ روزِ محشر فرشتے بھی تمہارے نامہء اعمال سے کوئی ایسی چیز پیش نہ کر سکیں جو تمہاری رسوائی کا باعث ہو۔ توبہ کرنے کے ساتھ توبہ کی قسم بھی بتا دی۔ فرمایا توبہ کرو تو تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا کرو۔

تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا کی تشریح میں علماء کے کم و بیش بائیس تیئیس اقوال منقول ہیں جن سے چند پیش خدمت ہیں اور آپ کے لیے انہی میں کفایت ہے۔

(۱) وہ شہد جس کو موم اور دیگر آلائشوں سے پاک کر دیا گیا ہو اسے عَسَلٌ نَّاصِحٌ (شہدِ خالص) کہتے ہیں۔ اگر نَصُوۡحًا اس سے ماخوذ ہو تو مقصد یہ ہوگا کہ تمہاری توبہ نفاق، ریا اور کاہلی کی آلائشوں سے پاک ہونی چاہیے۔

(۲) پھٹے ہوئے کپڑے کو مرمت کرنا، چاکوں کو رفو کرنا، نَصَاحَةُ الثَّوۡبِ کہلاتا ہے۔ اگر نصوحا کا یہ ماخذ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح گناہوں سے تم نے اپنے ایمان کا لباس تار تار کر دیا ہے اور اپنے تقویٰ کے پیرہن میں چاک ڈال دیئے ہیں، اب ایسی توبہ کرو کہ وہ چاک رفو ہو جائیں اور ان کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے۔

(۳) نَّصُوۡحًا کی اصل نصیحت ہے۔ اس وقت اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایسی توبہ کرو کہ اس کے آثار تم میں نمایاں ہو جائیں۔ تم میں نمودار ہونے والی خوش آئند تبدیلی کو دیکھ کر دوسرے گناہ گار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور وہ بھی اپنی غفلت و عصیاں سے آلودہ زندگی کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں (1)۔ یہ تشریح لغوی معانی کے اعتبار سے ہے۔ اب زبانِ نبوت سے اس کا مفہوم سنیے:

حضرت معاذ ابن جبل ؓ نے عرض کیا: یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ مَا التَّوۡبَةُ النَّصُوۡحُ۔ اے جانِ عالم! توبہء نصوح کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: اَنۡ یَّنۡدَمَ الۡعَبۡدُ عَلَی الذَّنۡبِ الَّذِیۡ اَصَابَ فَیَعۡتَذِرَ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی ثُمَّ لَا یَعُوۡدُ اِلَیۡهِ کَمَا لَا یَعُوۡدُ اللَّبَنُ اِلَی الضَّرۡعِ (2)۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 58-157

2۔ ایضاً، ج 28، ص 157

اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

دور کردے گا تم سے تمہاری برائیاں ۱۳؎ اور تمہیں داخل کرے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں

یعنی جو گناہ بندے سے سرزد ہو اس پر نادم اور شرمسار ہو، بارگاہِ الٰہی میں معذرت طلب کرے۔ جس طرح دودھ کھیری میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا، پھر اس سے یہ گناہ صادر نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں سچی توبہ وہ ہے جس میں تین چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اس گناہ کو ترک کردے۔ (۲) جو گناہ کر بیٹھا ہے اس پر دل میں ندامت اور شرمندگی محسوس کرے۔ (۳) پختہ عزم کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا۔ (1)

حضرت سیدنا علی کرم الله وجہہ نے ایک اعرابی کو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ یا الله! میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ فرمایا: اے اعرابی! یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے۔ عرض کیا: فرمایئے سچوں کی توبہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس توبہ میں یہ چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہوتی ہے۔ (۱) جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں ان پر ندامت (۲) جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا (۳) کسی کا حق غصب کیا ہے تو اسے لوٹا دے۔ (۴) جس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا ہے اس سے معافی لے لے۔ (۵) پختہ عزم کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا۔ (۶) جس طرح پہلے تو نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے فربہ کیا ہے اب اطاعت الٰہی میں اس کو گلا دے۔ (2)

یہ سچوں کی توبہ ہے، یہ کاملین کی توبہ ہے۔ الله تعالیٰ ہمیں ایسی ہی توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

توبہ چوں باشد پشیماں آمدن بر درِ حق نو مسلماں آمدن
خدمتے از سر گرفتن بانیاز باحقیقت روئے کردن از مجاز (3)

یہ یاد رہے کہ گناہوں پر کبھی ندامت، کبھی افسوس اس لیے ہوتا ہے کہ ان سے صحت تباہ ہو گئی، مال برباد ہو گیا، عزت خاک میں مل گئی۔ اگر کوئی شخص ان وجوہات سے اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے تو اسے توبہ نہیں کہا جائے گا۔ توبہ اس وقت ہو گی جب اسے اس بات پر ندامت ہو کہ اس نے اپنے رب کریم کی حکم عدولی کی ہے، اپنے نفس امارہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ایسا کر کے اس نے اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہے۔

۱۳؎ یعنی اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے تو الله تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ تمہارے گناہوں کو اپنے دامن کرم سے ڈھانپ دے اور اس طرح ڈھانپ دے کہ ان کا سراغ ہی نہ ملے۔ علامہ راغب اصفہانی کَفَّرَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلتَّكْفِيْرُ سَتْرُهٗ وَ تَغْطِيَتُهٗ حَتّٰى يَصِيْرَ بِمَنْزِلَةِ مَالَمْ يُعْمَلْ (4)۔ یعنی کسی گناہ کو یوں ڈھانپ دینا اور اس پر یوں پردہ ڈال دینا کہ وہ ایسا نسیاً منسیاً ہو جائے جیسے یہ ہوا ہی نہ تھا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ بابِ تفعیل ہے اور بابِ تفعیل کبھی مجرد کے معنی کے ازالہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے مَرِضَ کا معنی بیمار ہونا اور مَرَّضَ۔ تَمْرِيْضًا تیمارداری کرنا، بیماری کو دور کرنا۔ قَذَا کا معنی ہے آنکھ میں تنکا پڑ جانا۔ تَقْذِيَة کا معنی ہے تنکا نکال دینا۔ یہاں بھی کَفَّرَ کا معنی اگر یہ لیا جائے کہ کفر یا کفران کا ازالہ تو بھی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 158 2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 61 3۔ ایضاً، ج 10، ص 62 4۔ مفرداتِ راغب، ص 717

الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ

بہ رہی ہوں گی اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ١٤ (اس روز) ان کا نورِ

يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

ایمان دوڑتا ہوگا ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب ١٥ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! مکمل فرما دے

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٨ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ

ہمارے لیے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں۔ بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ اے نبی! کفار اور

درست ہے۔ تاج العروس میں ازہری کا یہ قول منقول ہے: اَصْلُ الْكُفْرِ تَغْطِيَةُ الشَّيْءِ تَغْطِيَةً تَسْتَهْلِكُهٗ (1): کسی چیز کو ایسا ڈھانپ دینا کہ اس کا نام ونشان ہی باقی نہ رہے۔

جوہری فرماتے ہیں کہ ثواب مٹ جائے تو اس کے لیے احباط کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر گناہ معاف کر دیئے جائیں تو ان کے لیے تکفیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اَلتَّكْفِيْرُ فِي الْمَعَاصِيْ كَالْاِحْبَاطِ فِي الثَّوَابِ۔ (الصحاح) (2)

١٤ کفار کو اپنی ثروت اور اپنی سروری پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے اور اہلِ حق کی غربت اور بے بسی کو دیکھ کر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جس طرح آج ہم معزز اور سرفراز ہیں اور یہ لوگ کمزور اور بے نوا ہیں۔ پہلے تو قیامت آئے گی ہی نہیں اور اگر برپا ہو بھی گئی تو وہاں بھی بعینہٖ یہ حالات ہوں گے۔ ہماری ہی عزت افزائیاں ہوں گی۔ ہم پر ہی انعام واکرام کی بارش ہوگی اور یہ مسلمان اس دن بھی اسی کس مپرسی کے عالم میں ہوں گے۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کا دن ہمارے محبوبِ مکرم اور اس کے غلاموں کی عزت وسرفرازی کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی شان کو بلند کرے گا۔ مقامِ محمود پر آپ جلوہ افروز ہوں گے۔ لواء الحمد آپ کے دستِ مبارک میں ہوگا۔ جملہ انبیاء آپ کے ظلِ ہمایوں میں پناہ لیے ہوں گے اور وہ مسلمان جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ان کی شان ہی نرالی ہوگی۔ بارگاہِ الٰہی سے انہیں گوناگوں انعامات بخشے جائیں گے۔ انہیں اذن ملے گا کہ اپنے ماں باپ، بیویوں، بچے بچیوں، بھائی بہنوں اور دوست واحباب کی شفاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے نبی کو اور اس کے غلاموں کو رسوا ہرگز نہیں کرے گا۔ یہ کفار کی غلط فہمیاں ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

١٥ اہلِ ایمان میدانِ حشر میں بالکل ممتاز ہوں گے۔ ان کے آگے ان کا نورِ ایمان چمک رہا ہوگا۔ ان کی دائیں جانب بھی روشنی ہی روشنی ہوگی اور دوسرے لوگ اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے۔ مومن عرض کریں گے کہ اے رب! ہمارے نور کو اور تابانیاں بخش۔ ایسا نہ ہو کہ راستہ میں بجھ جائے۔ الٰہی! جنت کا جو سفر ہمیں درپیش ہے اس میں یہ شمع روشن رہے، یہ چراغ جلتا رہے۔ ہمیں بخش دے۔ بے پایاں رحمتوں کے باوجود ان کے عجز ونیاز کا یہ عالم ہوگا۔ اہل حق کی یہی امتیازی شان ہے۔

1۔ تاج العروس، ج3، ص525 2۔ الصحاح، ج2، ص808

الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو ۱۶؎ اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ لوٹ کر

الْمَصِيْرُ ﴿۹﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ

آنے کی بہت بری جگہ ہے۔ بیان فرمائی ہے اللہ نے کفار کے لیے نوحؑ کی بیوی اور

امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

لوطؑ کی بیوی کی مثال ۱۷؎ وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں

۱۶؎ حکم ہو رہا ہے کہ اے میرے نبی! کفار و منافقین سے جہاد جاری رکھو۔ کبھی شمشیر و سناں سے، کبھی نوکِ قلم اور قوتِ بیان سے، کبھی میدانِ کارزار میں، کبھی افکار و نظریات کی رزم گاہ میں تمہارا نعرۂ اللہ ھو بلند ہوتا رہے۔ مخالفت کے طوفانوں میں بھی حق کا چراغ روشن رہے۔ تمہاری جوانمردیاں اور عالی ظرفیاں باطل کا تعاقب کرتی رہیں۔ تمہاری شدت اور سختی سے کفر پر لرزہ طاری رہے۔ لوگوں کو حلم اور نرمی کی تلقین کی جاتی ہے لیکن حضور کا حلم اور شانِ رحمت اتنی عمیق ہے کہ حضورؐ کو وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کا حکم دیا جاتا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے ضیاء القرآن جلد دوم سورۂ توبہ آیت نمبر ۷۳ کا حاشیہ)

۱۷؎ مشرکین مکہ کہا کرتے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ دار اور ہمسائے ہیں۔ ہمیں ایمان لانے اور جان جوکھوں میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر قیامت آ ہی گئی تو حضور ہماری شفاعت کریں گے اور کفر کے باوجود ہم بخش دیئے جائیں گے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے یہ پہلی مثال دی کہ بیوی کا اپنے خاوند سے بڑا قریبی اور گہرا تعلق ہوتا ہے۔ دنیوی اعتبار سے دونوں کی خوشی اور دکھ، دونوں کی راحت اور تکلیف، دونوں کی خوشحالی اور محرومی یکساں ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تعلق بھی اس وقت تک بے معنی ہے جب تک بیوی رشتہء اسلام میں منسلک نہ ہو۔ یہ سمجھانے کے لیے کسی ولی، کسی عالم، کسی بزرگ کی بیوی کی مثال پیش نہیں کی بلکہ جلیل القدر انبیاء کی بیویوں کی مثال پیش کی ہے۔ ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی۔ ان کے دلوں میں نفاق اور کفر تھا۔ وہ اپنے نامدار شوہروں کی رسالت پر ایمان نہ رکھتی تھیں۔ بلکہ ان کا مذاق اڑاتی تھیں۔ ان کی غیبت کیا کرتیں اور ان کا دل دکھایا کرتیں۔ اس لیے چونکہ وہ کافر تھیں، ایمان سے محروم تھیں، ان کا پیغمبروں کی بیویاں ہونا انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکا اور انہیں دوسرے جہنمیوں کے ساتھ جہنم رسید کر دیا گیا۔ اے کفارِ مکہ! تم یہ غلط فہمی اپنے دلوں سے نکال دو۔ جب تک تم کفر و شرک سے توبہ کر کے ایمان سے بہرہ ور نہ ہو گے، کسی کی شفاعت تمہارے کام نہیں آئے گی بلکہ تمہارے لیے شفاعت کرنے کی کسی کو اجازت ہی نہ ہو گی۔ متعدد مقامات پر تفصیلاً بتایا جا چکا ہے کہ شفاعت مومن گناہ گار کے لیے ہے۔ کفار و مشرکین اور منافقین کے لیے نہیں۔ بکثرت ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن سے صراحۃً پتہ چلتا ہے کہ حضور سرورِ عالم شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم گناہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ حضور کی امت کے اولیاء، شہداء اور علماء بھی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمۡ يُغۡنِيَا عَنۡهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا وَّقِيۡلَ ادۡخُلَا النَّارَ

نے ان دونوں سے خیانت کی ۱۸ پس وہ دونوں (نبی ان کے شوہر) اللہ کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اور انہیں حکم ملا تم دونوں داخل

مَعَ الدّٰخِلِيۡنَ ﴿۱۰﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا امۡرَاَتَ

ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ اور اسی طرح اللہ نے اہلِ ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال

فِرۡعَوۡنَ ۘ اِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ابۡنِ لِىۡ عِنۡدَكَ بَيۡتًا فِى الۡجَـنَّةِ وَنَجِّنِىۡ

وقف لازم

پیش فرمائی ۱۹ جب کہ اس نے دعا مانگی اے میرے رب! بنا دے میرے لیے اپنے پاس ایک گھر جنت میں اور بچا لے مجھے

۱۸ یعنی حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی۔ ان کی خیانت کی نوعیت یہ تھی کہ دونوں کافرہ تھیں۔ دلوں میں نفاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حضرت نوحؑ کی بیوی آپ کو مجنوں اور دیوانہ کہتی اور مذاق اڑاتی۔ حضرت لوطؑ کی بیوی آپ کے دشمنوں کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ جب بھی آپ کے ہاں کوئی مہمان آتا تو وہ انہیں اطلاع کر دیتی اور وہ بے غیرت دندناتے ہوئے حضرت لوطؑ کے مہمان خانہ پر ہلّہ بول دیتے۔(1)

خیانت سے مراد بدکاری نہیں کیونکہ ہر نبی کی بیوی اس عیب سے ہمیشہ پاک ہوتی ہے۔

۱۹ فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا۔ بہتے دریا سے حضرت موسیٰؑ کا صندوق اسی نے نکالا تھا اور حضرت موسیٰؑ کی پرورش کا اہتمام کیا تھا۔ بعد میں آپ کے معجزات کو دیکھ کر مسلمان ہو گئی تھیں اور ہمیشہ فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ کی طرف داری کیا کرتی تھیں۔ آخر فرعون کو پتہ چل گیا کہ آسیہ اسے خدا نہیں تسلیم کرتی اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی ہے اور موسیٰ کے خدا کو ہی اپنا خدا مانتی ہے۔ چنانچہ اس ظالم نے آپ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں ٹھونک دیں اور چلچلاتی دھوپ میں ڈال دیا۔ لیکن آپ کی استقامت اور پامردی کا یہ عالم تھا کہ اس وقت بھی مسکراتی رہیں۔ فرعون نے جب انہیں مسکراتے دیکھا تو کہنے لگا: یہ تو پاگل اور دیوانی ہو گئی ہے۔ اس حالت میں یہ مؤمنہ صادقہ اپنے رب کی جناب میں دامن طلب پھیلا دیتی ہے اور عرض کرتی ہے: الٰہی! میرے لیے اپنے حریم قرب میں ایک محل تعمیر فرما دے۔ فرعون کے منحوس وجود، اس کی بداعمالیوں اور ستم رانیوں کی نحوست سے مجھے بچا لے اور یہ ظالم قوم جو اپنے مالکِ حقیقی کو چھوڑ کر اس فانی انسان کو اپنا خدا ماننے لگی ہے ان کے شر سے بھی مجھے محفوظ رکھ۔ احادیث میں آیا کہ جب حضرت آسیہ کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑ دی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جنت کے محل کو منکشف کر دیا جس سے ان کی ساری تکلیفیں دور ہو گئیں اور اپنے رب کے اس لطف و کرم کو دیکھ کر وہ مسکرانے لگیں (2)۔ دعا میں عِنۡدَكَ کا کلمہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ اہل محبت جنت کے طلبگار نہیں ہوتے، مہکتے ہوئے پھولوں، لذیذ پھلوں، مست خرام ندیوں اور آرام و آسائش کی تمنا ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں پاتی۔ وہ تو صرف اپنے محبوب حقیقی کے دیدار کے متمنی ہوا کرتے ہیں۔ وہ جنت جو انہیں کوچۂ دلدار سے دور کر دے ان کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ وہ تو اپنے محبوب کے سایۂ دیوار پر فردوسِ بریں کی ہزاروں

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 162

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 3-202 (ماخوذ)

مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ

فرعون سے اور اس کے (کافرانہ) عمل سے اور مجھے اس ستم پیشہ قوم سے نجات دے۔ اور (دوسری مثال)

ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا

مریم دختر عمران کی ہے ؎۲۰ جس نے اپنے گوہرِ عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے رُوح

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ ۲ ع۵ ۲۰

اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھی۔

نکہتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ عِنْدَكَ: اپنے پاس، اپنے قریب، بالکل قریب۔ شوق کی یہی بے تابیاں اور جذب کی یہی سرمستیاں عشق کی سرخروئی کا عنوان ہیں اور ان سے صرف وہی آشنا ہوتے ہیں جن کو محبت کے بادۂ گلفام کا کوئی جام پلایا جاتا ہے۔

حسن می گفت کہ شامے نہ پذیرد سحرم　　　عشق می گفت تب و تابِ دوامے دارم (1)

عِنْدَكَ کا معنی کیا گیا ہے اَعْلٰى دَرَجَاتِ الْمُقَرَّبِيْنَ (2)۔ بعض نے عندك کا معنی یہ لکھا ہے: محض اپنے فضل سے، بغیر کسی استحقاق کے مجھ پر یہ کرم فرما۔ دعا میں بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ سے عِنْدَكَ کو مقدم کیا ہے۔ صرف اہلِ محبت ہی اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

؎۲۰ آخر میں حضرت مریم دخترِ عمران علیہا السلام کے ذکرِ مبارک سے اس سورت کا اختتام کیا۔ مریم جو ایک پارسا والدین کی بیٹی تھی۔ جنہوں نے اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ عمر بھر سب لوگوں سے الگ ایک حجرہ میں ذکر و فکر میں مشغول رہی جس کی نگرانی اللہ کے پیارے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد تھی۔ اسے کنوارپنے میں حاملہ کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاں ایک خوبرو اور صحت مند بچہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے تو طوفان برپا کر دیا۔ طعن و تشنیع کے تیروں کی ہر طرف سے بارش برسنے لگی۔ لیکن اللہ کی یہ بندی پیکرِ تسلیم و رضا بنے اپنے رب کی مشیت کو پورا ہوتے دیکھتی رہی۔ ایسی آزمائش میں پورا اترنا مریم کا ہی کام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس میں اس کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ فرمایا: وہ بڑی عفیفہ تھی۔ اس نے اپنے گوہرِ عصمت کی پوری پوری حفاظت کی۔ ہم نے اپنی طرف سے ایک خاص روح اس میں پھونک دی جو عیسیٰ بن مریم کے پیکر میں نمودار ہوئی۔ علیہ وعلیٰ امہ صلوٰتہ وسلامہ۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے تمام ارشادات اور تمام نازل شدہ آسمانی کتب کی تصدیق کی اور اس کا شمار ان خوش نصیب لوگوں کے زمرہ میں ہے جو ہمیشہ اپنے رب کی عبادت و طاعت میں سرگرم رہتے ہیں۔ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا کی تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن جلد اول سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۷۱ کے حواشی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِىْ بِتَوْفِيْقِهٖ تَتِمُّ الطَّاعَاتُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِنَا وَشَفِيْعِنَا مُحَمَّدِنِ الَّذِىْ بِجَاهِهٖ تُقْبَلُ الطَّاعَاتُ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

1۔ کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص 334، پیامِ مشرق، ص 164

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 28، ص 163

تعارف سُورۃ المُلک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: پہلی آیت میں ''الملک'' کا کلمہ ہے اسی کو اس کا عنوان مقرر کر دیا گیا۔ اس کی ۳۰ آیتیں ہیں۔ یہ تین سوتیس کلموں اور ایک ہزار تین سوتیرہ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول: اس کے مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ نبوت کے آغاز میں اس کا نزول ہوا۔ اس زمانہ میں نازل شدہ دوسری سورتوں کی طرح یہاں بھی انسان کو بار بار غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی کے تکوینی دلائل بڑے مؤثر انداز میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ متعدد سوالات اُٹھا کر ان کے جوابات کی ذمہ داری لوگوں کے فہم سلیم کے سپرد کر دی گئی ہے۔ غور وتدبر کے نئے افق اس کے سامنے کُشادہ کر دیئے گئے ہیں اور خداداد قوتوں سے کام لینے کی دعوت دی گئی ہے۔

مضامین: اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے ذکر سے کی جا رہی ہے اور اس کا ذکر خود زبانِ قدرت سے ہو رہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اسے ہی زیب دیتا ہے کہ اپنی حمد وثنا کرے۔

یہ بتا کر کہ حیات وموت کا تسلسل اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے فوراً انسان کی توجہ اس کی حکمت کی طرف موڑ دی کہ اس سے مقصد صرف تمہارا امتحان ہے کہ تم میں سے کون اپنی زندگی اچھے بلکہ اچھے سے اچھے کاموں کے لیے وقف کرتا ہے۔ اسکے بعد اپنی قُدرت وحکمت کے ثبوت کے لیے اپنی کائنات کو پیش کیا اور دنیا بھر کے نقادوں کو بار بار دعوت دی کہ اس میں کوئی عیب تلاش کریں یا اس سے بہتر کوئی اور نقشہ تجویز کر کے دکھائیں۔ جب کسی کو جرأت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر انگشت نمائی کر سکے، اس سے بہتر تو کُجا، اس کا متبادل بھی پیش کرنے سے ساری دنیا کے ماہرین عاجز ہیں تو پھر نادان نہ بنو، اپنے سروں کو اس کے سامنے جھکا دو، اس کی وحدانیت اور اس کی تمام صفات کمال پر ایمان لے آؤ۔ ورنہ انجام بڑا اندوہناک ہوگا۔ ایسے دوزخ میں پھینک دیئے جاؤ گے جس کے شُعلے غیظ وغضب سے گرج رہے ہونگے۔ اس وقت تم اپنی غلطیوں کا اعتراف کرو گے لیکن اس وقت اعترافِ جرم کا تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اسی ضمن میں بتا دیا کہ سب انسان حق ناشناس نہیں۔ کچھ وہ بھی ہیں جو اپنے رب کو بن دیکھے مانتے ہیں، اور اس کی ناراضگی سے ہر وقت لرزاں ترساں رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے اور انہیں اجرِ کبیر عطا فرمایا جائے گا۔

اس کے بعد اپنی قدرت کی کئی اور نشانیوں کو ذکر کیا۔ پھر انہیں جھنجھوڑا کہ اگر تم نے انکار کی یہ روش نہ بدلی، تو اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا پتھر برسا کر تمہیں فنا کر دے۔

حسبِ عادت بطور استہزاء انہوں نے وقوعِ قیامت کے بارے میں سوال کیا۔ اس کا جواب دیا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے

پاس ہے۔ جب اس کا مقررہ وقت آجائے گا اور وہ برپا ہوگی تو اس وقت تمہارے چہرے مسخ ہوجائیں گے۔

آخر میں ان سے ایک اہم سوال کر کے جس کا ان کی روزمرّہ کی زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے ان کے معبودوں کی بے بسی کو آشکارا کردیا تاکہ وہ غور کریں اور سمجھیں اور اپنے قادرِ مطلق پروردگار کی جناب پاک میں جبین نیاز جھکا دیں اور اس کے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کر کے سعادت دارین کے مستحق ہوجائیں۔

آخر میں چند احادیث لکھ رہا ہوں جن میں اس سورت کی قدرومنزلت بیان کی گئی ہے۔ خدا کرے قارئین کرام انہیں غور سے پڑھیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔

۱۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔

قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهٗ عَلٰى قَبْرٍ وَّهُوَ لَا يَحْسِبُ اَنَّهٗ قَبْرٌ فَاِذَا قَبْرُ اِنْسَانٍ يَّقْرَأُ سُوْرَةَ الْمُلْكِ حَتّٰى خَتَمَهَا فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (اخرجه الترمذی وغیره)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر نصب کیا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے۔ پس اچانک اُنہوں نے سُنا کہ کوئی آدمی سورۂ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اس سورت کو ختم کیا۔ وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کے عذب کو روکنے والی ہے۔ یہ سورت اپنے قاری کو عذاب قبر سے نجات دلانے والی ہے۔

۲۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ سُوْرَةً مِّنْ كِتَابِ اللهِ مَا هِيَ اِلَّا ثَلٰثُوْنَ آيَةً شَفَّعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَه۔

(ابوداؤد، ترمذی وغیرہما)

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ تَبٰرَكَ الَّذِيْ الخ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس کی صرف تیس آیتیں ہیں۔ اس نے ایک آدمی کے لیے شفاعت کی یہاں تک کہ اسے بخش دیا گیا۔

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ الٓمّٓ تَنْزِيْلِ السَّجْدَةِ وَتَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ كُلَّ لَيْلَةٍ لَّا يَدَعُهُمَا فِيْ سَفَرٍ وَّلَا حَضَرٍ۔

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر رات سفر و حضر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک پڑھا کرتے۔

۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کہا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسا تحفہ نہ دوں جس سے تم خوش ہوجاؤ۔ اس نے عرض کی: بڑی مہربانی! آپ نے فرمایا:

اِقْرَأْ تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَعَلِّمْهَا اَهْلَكَ وَجَمِيْعَ وَلَدِكَ وَصِبْيَانَ بَيْتِكَ وَجِيْرَانَكَ فَاِنَّهَا الْمُنْجِيَةُ وَالْمُجَادِلَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّهَا لِقَارِئِهَا۔ (1)

آپ نے فرمایا کہ سورۂ ملک پڑھا کرو۔ اپنی بیوی کو بھی سکھاؤ۔ اپنی ساری اولاد، اپنے گھر کے بچوں اور اپنے پڑوسیوں کو بھی سکھاؤ۔ کیونکہ یہ نجات دینے والی ہے۔ یہ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور میں اپنے قاری کے لیے جھگڑا کرے گی اور اسے عذاب سے بچالے گی۔

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے:

لَوَدَدْتُ اَنَّهَا فِىْ قَلْبِ كُلِّ اِنْسَانٍ مِّنْ اُمَّتِىْ۔ (2)

میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میری اُمّت کے ہر مرد وزن کو یہ سورت یاد ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی تلاوت کی، اس کے معانی واثرات سے بہرہ ور ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

1۔ روح المعانی، ج 29، ص 3

2۔ الدر المنثور، ج 6، ص 380

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الملک مکی ہے، اس کی ۳۰ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨ ۙ ①

منزہ و برتر ہے ۱ وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے ۲ اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے ۳

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ

جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے ۴

۱ تَبٰرَكَ کا ماخذ برکۃٌ ہے۔ تمام اہل لغت کہتے ہیں اَلْبَرَكَةُ: النَّمَآءُ وَالزِّيَادَةُ۔ (لسان۔ تاج۔ صحاح) (1) یعنی برکت کا معنی ہے نشوونما پانا اور زیادہ ہونا۔ اسی سے تَبٰرَكَ مشتق ہے۔ یہ باب تفاعل ہے جو مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ علامہ ابن منظور تَبَارَكَ اللّٰهُ کا مفہوم بیان کرتے ہیں: تَقَدَّسَ وَتَنَزَّهَ وَ تَعَالٰى وَتَعَاظَمَ لَا تَكُوْنُ هٰذِهِ الصِّفَةُ لِغَيْرِهٖ (2): وہ پاک ہے، منزّہ ہے، اعلیٰ ہے اور عظیم ہے۔ اس کے سوا یہ صفت کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ میں نے اپنے ترجمہ میں (منزہ و برتر ہے) ان تمام معانی کو سمونے کی کوشش کی ہے۔

اس کا دوسرا معنی کثرتِ خیر اور دوامِ خیر بھی کیا گیا ہے۔ اس صورت میں تَبٰرَكَ الَّذِيْ کا مفہوم یہ ہوگا بِاعْتِبَارِ كَثْرَةِ مَا يَفِيْضُ مِنْهُ سُبْحَانَهٗ عَلٰى مَخْلُوْقَاتِهٖ مِنْ فُنُوْنِ الْخَيْرَاتِ (روح المعانی) (3) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر گوناگوں خیرات و برکات کی بارش اس کثرت سے کرتا ہے کہ اس کا شمار ممکن نہیں ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تَبٰرَكَ کا کلمہ اللہ جل مجدہ کے لیے مستعمل ہوا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۃ الفرقان آیت نمبر ۱ کا حاشیہ۔

۲ یعنی منزہ و برتر ہے وہ ذات، جس کے قبضۂ قدرت میں سارے جہانوں کی سلطانی اور فرمانروائی ہے۔ بلندیاں ہوں یا پستیاں، آسمان ہو یا زمین، ہر طرح کی مخلوقات، ہر قسم کے شئون، حالات، واقعات سب اسی کے تصرف میں ہیں۔ فرازِ عرش سے تحت الثریٰ تک، ازل سے ابد تک، اسی کی بادشاہی کا سکہ چل رہا ہے۔ یَدٌ کا معنی یہ جسمانی ہاتھ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیات سے پاک ہے۔ اس کا معنی قبضہ اور تصرف ہے (4) اور ہم اپنی زبان میں ہاتھ کا لفظ قبضۂ قدرت کے معنی میں بے تکلف استعمال کرتے رہتے ہیں۔ المُلک پر الف لام، جنسی بھی ہوسکتا ہے اور استغراقی بھی۔ مدّعا یہی ہے کہ ہر طرح کی سلطانی، ہر جگہ کی بادشاہی، ہر چیز پر تصرف اسی کو حاصل ہے۔

۳ پہلے بتایا کہ تمام موجودات اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اس جملہ سے اس امر کی تصریح فرما دی کہ جو ممکنات ابھی

1۔ لسان العرب، ج10، ص395، تاج العروس، ج7، ص105، الصحاح، ج4، ص1575

2۔ لسان العرب، ج10، ص396

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج15، ج29، ص3

4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص73

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ﴿٢﴾ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا

اور وہی دائمی عزت والا، بہت بخشنے والا ہے۔ جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے ۵

مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ

تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل۔ ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ، کیا

موجود نہیں، وہ بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

۴ یہ آیت یا تو پہلے موصول اَلَّذِیْ بِیَدِهِ کا بدل ہے یا هُوَ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ بِيَدِهِ الْمُلْكُ دعویٰ ہے۔ اب اس کے دلائل و شواہد پیش کیے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے فرمایا کہ موت اور حیات کا تسلسل قائم کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کے حکم سے کوئی چیز معرض وجود میں آتی ہے اور اسی کے حکم سے نیست و نابود ہوتی ہے۔ کوئی چیز نہ خود بخود موجود ہو سکتی ہے اور نہ از خود معدوم ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اس سے مقصد تمہارا امتحان لینا ہے کہ ہم نے سمع و بصر، فہم و تدبر کی جو بے پناہ صلاحیتیں تمہیں عطا فرمائی ہیں، پھر اس نظام کائنات میں تمہیں اعلیٰ و ارفع مقام بخشا ہے اور تمہاری رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ ان نعمتوں کی تم قدر پہچانتے ہو اور ان قوتوں کو اپنی خوشی سے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے صرف کرتے ہو یا دولت اور اقتدار، جوانی اور صحت کا نشہ تمہیں بدمست کر دیتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنی قوتیں اور اپنا وقت عزیز خرچ کرتے ہو۔

انسان اگر آیت کے صرف اسی حصہ میں غور کرے لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تو اس کی ہدایت پذیری کے لیے کافی ہے۔ اس کے دل میں یہ احساس پختہ ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا اس کے لیے امتحان گاہ ہے۔ یہ حیات مستعار اس کے لیے امتحان کی مدّت ہے اور امتحان وہ لے رہا ہے جو ظاہر و باطن، خفی و جلی، غیب و شہادت کا جاننے والا ہے۔ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر کیا مجال کہ انسان گناہوں سے اپنا دامنِ حیات ملوث کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اس حقیقت کی طرف بڑے دل نشیں انداز میں متوجہ فرمایا۔ ایک ارشادِ گرامی آپ بھی سن لیں۔ ایک مرتبہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ان الفاظ سے نصیحت فرمائی۔ خُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسُقْمِكَ وَمِنْ شَبَابِكَ لِهَرَمِكَ وَمِنْ فَرَاغِكَ لِشُغْلِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اسْمُكَ غَدًا (1)۔ ترجمہ: ’’اپنی صحت کی حالت میں بیماری کے لیے، اپنی جوانی کی حالت میں بڑھاپے کے لیے، اپنے فرصت کے لمحات میں مصروفیت کے لیے اور جب تک زندگی کی شمع روشن ہے موت کے لیے ذخیرہ جمع کر لو۔ تو نہیں جانتا کہ کل تیرا کیا نام ہوگا‘‘۔

۵ اس کی ترکیب میں بھی تین قول ہیں۔ (۱) یہ هُوَ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ (۲) یا اَلْغَفُوْرُ کی صفت ہے۔ (۳) یا پہلے موصول کا بدل ہے۔ (2)

طِبَاق کا معنی ہے۔ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (3) ’’ایک دوسرے کے اوپر تہہ بہ تہہ‘‘ اس کے منصوب ہونے کی دو وجہیں ہو سکتی

1۔ ریاض الصالحین، حدیث 469، ص 227، مطبوعہ فرینڈ اون پریس راولپنڈی۔ شعب الایمان، حدیث 10543، ج 7، ص 349

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 21

3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 78

تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ

تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈالو لوٹ آئے گی تیری طرف

الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

(تیری) نگاہ ناکام ہو کر دراں حالیکہ وہ تھکی ماندی ہو گی ٦ اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے ٧

ہیں۔ یا تو یہ سَبْعَ کی صفت ہے اور کیونکہ یہ مصدر ہے اس لیے جمع کی صفت واقع ہو سکتی ہے یا خَلَقَ کا مفعول ثانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی ایک اور دلیل پیش کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس کی قدرتِ کاملہ اور ہمہ دانی کا کرشمہ آپ کو آسمانوں کی تخلیق میں صاف نظر آرہا ہے۔ سات آسمان بنائے، بے ہنگم اور بکھری ہوئی صورت میں نہیں بلکہ ایسی عمدگی سے انہیں ترتیب دی گئی ہے کہ ایک دوسرے کے اوپر منطبق نظر آتے ہیں۔

٦ پھر دنیا بھر کے نقّادوں اور انجینئروں اور علومِ لطیفہ کے ماہرین کو دعوت دی جارہی ہے کہ جو کچھ ہم نے پیدا کیا ہے آسمان، زمین، پہاڑ، ہر قسم کی بے جان اور جاندار مخلوق، سب کو دیکھو، غور سے دیکھو، تنقیدی نگاہ سے دیکھو، ایک بار نہیں بار بار دیکھو اور بتاؤ تمہیں اس میں کوئی نقص، کوئی عیب، کوئی رخنہ، کوئی شگاف یا ترتیب وتناسق میں کوئی کوتاہی نظر آتی ہے؟ تم عمر بھر کسی نقص کی تلاش میں سرگرداں رہو، تمہاری نگاہیں تھک کر چُور ہو جائیں گی لیکن انہیں کوئی عیب تلاش کرنے میں کامیابی نہیں ہوگی۔ جو ہم نے بنا دیا ہے، جیسا بنا دیا ہے، اس سے بہتر کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آسمان کی اتنی بلندی اور اتنا پھیلاؤ نہیں ہونا چاہیے تھا اور اس کی فضا میں جو اربوں تارے جگمگا رہے ہیں ان کی ترتیب درست نہیں ہے، یا جس طرح زمین کو بنایا گیا ہے، اس میں ردوبدل کی گنجائش ہے۔ ان بڑی بڑی چیزوں کو رہنے دو۔ ذرا اپنے انسانی پیکر میں غور کرو اور اس کے نقشہ میں کوئی ترمیم پیش کرو۔ چہرے پر ناک، منہ، آنکھیں، ہونٹ، دانت، زبان اور جو کچھ بنایا ہے اس میں کوئی تبدیلی کر کے دکھاؤ۔ اگر کوئی ترمیم، کوئی تجویز، کوئی ردوبدل ممکن ہی نہیں۔ جو بنا دیا وہی حرفِ آخر ہے تو پھر تمہیں ضد نہیں کرنی چاہیے بلکہ سچے دل سے مان لینا چاہیے کہ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ۔

ان آیات کے چند الفاظ: مِنْ تَفٰوُتٍ۔ مِنْ زائدہ ہے یا بیانیہ۔ تَفٰوُتٌ: اِعْوِجَاجٌ، اختلاف۔ فُطُوْرٍ: شگاف، رخنہ۔ كَرَّتَيْنِ: اگرچہ یہ كَرَّةٌ کا تثنیہ ہے لیکن تکثیر کے لیے ہے یعنی بار بار۔ اَلتَّثْنِيَةُ لِلتَّكْثِيْرِ اَیْ كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ كَمَا فِیْ لَبَّيْكَ۔ (مظہری) (1) وَالْمُرَادُ بِكَرَّتَيْنِ هٰهُنَا التَّكْثِيْرُ (قرطبی) (2) خَاسِئًا: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلْخَاسِیْ: اَلَّذِیْ لَمْ يَرَ مَا يَهْوٰى۔ یعنی جس کو وہ چاہتا تھا وہ نظر نہیں آیا۔ حَسِيْرٌ: قَدْ بَلَغَ غَايَةً فِی الْاِعْيَاءِ۔ حد درجہ کی تھکاوٹ اور درماندگی۔ (قرطبی) (3)

٧ اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی ایک اور دلیل پیش کی جارہی ہے۔ الدُّنْيَا: ادنیٰ کا مؤنث ہے جس کا معنی قریب تر ہے۔ یہ السَّمَآءَ کی صفت ہے۔ وہ آسمان جو زمین کے قریب تر ہے، یعنی آسمانِ اول۔ مَصَابِيْحُ: مِصْبَاحٌ کی جمع ہے چراغ۔ مطلب یہ ہے کہ ذرا آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھو، کروڑوں اربوں ستارے تمہیں نظر آئیں گے گویا انہیں گنبد نیلوفری میں بڑے سلیقے اور مہارت سے آویزاں کر دیا گیا ہے۔ ان سے رات کے اندھیروں میں تم روشنی بھی حاصل کرتے ہو اور لق ودق صحراؤں اور بے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص22 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز18، ص210 3۔ ایضاً، جز18، ص10-209

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤

اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ ٨ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب ٩

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥

اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لیے عذاب جہنم ہے۔ اور جہنم بڑی بُری لوٹنے کی جگہ ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۙ⑦ تَكَادُ تَمَيَّزُ

جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی ١٠ (ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا مارے غضب

کراں سمندروں میں سفر کرتے ہوئے ان کے ذریعہ ہی تم اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہو۔ مزید برآں ان کی وجہ سے جو حسن، جو رعنائی اس کائنات کو نصیب ہے اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا تصور کرو، اگر فضا میں کوئی چاند، کوئی تارا، کوئی کہکشاں رات کے وقت نظر نہ آتی تو یہ منظر کتنا ہولناک اور ڈراؤنا ہوتا۔ وہ خود جمیل ہے۔ اس کی تخلیقات کے گوشہ گوشہ میں حسن و جمال کے گلشن آباد ہیں جنہیں دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے: تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

٨ رُجُوْم جمع ہے۔ اس کا واحد رَجْم ہے جو مصدر ہے۔ لیکن اس کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس سے مارا جاتا ہے۔ اسی استعمال کے باعث اس کی جمع رجوم بنی ورنہ مصدر کی جمع نہیں ہوتی۔ پہلے بتایا یہ ستارے چراغوں کی طرح روشنی پھیلا رہے ہیں اور مسافروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس جملہ میں ان کے ایک دوسرے فائدے کا بھی ذکر کر دیا کہ ان سے شیطانوں پر بھی سنگباری کی جاتی ہے تاکہ وہ اسرارِ الٰہیہ کا سراغ نہ لگا سکیں۔ علمائے کرام نے صراحۃً لکھا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہی ستارے اپنی جگہ سے اکھیڑ کر شیاطین پر دے مارے جاتے ہیں بلکہ ان سے جو شہاب اور شعلے پیدا ہوتے ہیں وہ شیاطین پر برسائے جاتے ہیں (1)۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: لَا يَزُوْلُهَا مِنْ مَّكَانِهَا بَلْ بِانْتِقَاضِ الشُّهُبِ فِيْهَا۔ (مظہری) (2) علامہ قرطبی لکھتے ہیں: وَلَا يَسْقُطُ الْكَوْكَبُ نَفْسُهٗ اِنَّمَا يَنْفَصِلُ مِنْهُ شَيْءٌ يُرْجَمُ بِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ ضَوْءُهٗ وَلَا صُوْرَتُهٗ (قرطبی) (3) دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ ستارے اپنی جگہ سے نہیں گرتے بلکہ ان سے ایک شعلہ سا جدا ہوتا ہے جو ان شیاطین پر پھینکا جاتا ہے۔ اس شعلہ کی جدائی سے نہ ان کی روشنی میں کمی ہوتی ہے اور نہ ان کی صورت میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے بھی اس چیز کو وضاحت سے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا الخ کا ایک اور مفہوم بھی ذکر کیا گیا ہے کہ شیاطین سے مراد شیاطینِ انس ہیں جو ستاروں کی حرکات و سکنات کو مدنظر رکھ کر مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے ہیں۔ اور غیب دانی کا دعویٰ کر کے سادہ لوح عوام بلکہ خواص کا بھی مال لوٹتے ہیں اور رجوم سے مراد ظنون ہیں۔ مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے ان ستاروں کو پیدا کیا اور نجومیوں کے لیے ظنون و گمان کا ایک سبب بنا دیا۔ اَلْوَجْهُ الثَّانِيْ اِنَّا جَعَلْنَاهَا ظُنُوْنًا وَّ رُجُوْمًا بِالْغَيْبِ لِشَيَاطِيْنِ الْاِنْسِ وَهُمُ الْاَحْكَامِيُّوْنَ مِنَ الْمُنَجِّمِيْنَ۔ (4) (رازی) مزید

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 8-9

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 22

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 211

4۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 15، جز 29، صفحہ 61

مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ

کے پھٹا چاہتی ہے ۔ جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا

نَذِيْرٌ ۝٨ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ

نہیں آیا تھا ۱۱ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف صاف) کہہ دیا

اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝٩ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا

کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری۔ تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی نصیحت کو)

تشریح کے لیے ملاحظہ فرمایئے ضیاء القرآن سورۃ الحجر آیت ۱۸ کا حاشیہ۔

۹ ہر کافر کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے خواہ وہ جن ہو یا انسان ہو یا شیطان۔

۱۰ اب وہ منظر بیان کیا جا رہا ہے جب کفار کو دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ فرمایا: اس وقت جہنّم کی آگ بھڑک رہی ہوگی۔ اس کے شعلے جوش مار رہے ہوں گے۔ اس سے ایک شدید، ہولناک اور مکروہ شور اٹھ رہا ہوگا۔ دیکھنے والے کو یوں محسوس ہوگا گویا دوزخ کے شعلے اور دہکتے ہوئے انگارے غصہ سے بے قابو ہو رہے ہیں اور شدتِ غضب سے ابھی پھٹا چاہتے ہیں۔ آگ کا عذاب ویسے ہی ناقابل برداشت حد تک اذیت ناک ہوتا ہے، لیکن جب اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں اور جوش مارتے ہوئے انگاروں کا یہ حال ہو کہ ان سے خوفناک شور بلند ہو رہا ہو تو پھر اس کے عذاب کی اذیت ناکی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے اور کون ہے جو اپنے آپ کو ان کے چنگل میں پھنسانے کا خطرہ مول لے۔

چند الفاظ کی تشریح: اَلشَّهِيْقُ: اَقْبَحُ الْاَصْوَاتِ ۔ قَالَ الزُّجَاجُ الزَّفِيْرُ وَالشَّهِيْقُ مِنْ اَصْوَاتِ الْمَكْرُوْبِيْنَ۔ قَالَ وَالزَّفِيْرُ مِنْ شَدِيْدِ الْاَنِيْنِ وَكَبِيْرُهٗ۔ وَالشَّهِيْقُ: اَلْاَنِيْنُ الشَّدِيْدُ الْمُرْتَفِعُ جِدًّا (1)۔ سخت، قبیح اور ناگوار آواز کو شہیق کہتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں: عذاب میں مبتلا لوگوں سے جو آوازیں نکلتی ہیں ان کی یہ دو قسمیں ہیں: زجاج کہتے ہیں سخت قسم کی آہ وزاری کو زفیر کہتے ہیں اور جو فریاد سخت اور بہت اونچی ہو اس کو شہیق کہا جاتا ہے۔ تَفُوْرُ: تَغْلِيْ كَغَلْيَانِ الْمِرْجَلِ (2)۔ ہانڈی کی طرح اُبلنا، جوش مارنا۔ تَمَيَّزُ اَيْ تَنْشَقُّ: پھٹ جانا، پارہ پارہ ہونا۔

۱۱ دوزخ کے محافظ فرشتے اپنی بے علمی دور کرنے کے لیے یہ سوال ان سے نہیں پوچھیں گے بلکہ اس سے مقصد ان کفار کی سرزنش اور توبیخ ہوگا۔ اس وقت وہ بدنصیب تسلیم کریں گے کہ یہ اندوہناک عذاب ہماری حماقت اور غلط کاریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں سمجھانے کے لیے اور گمراہی کی راہ کو چھوڑ کر ہدایت کی شاہراہ پر چلنے کے لیے پورا اہتمام فرمایا۔ انبیاء بھیجے، رسول مبعوث فرمائے۔ ان انبیاء و رسل نے اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر ہمیں سنایا۔ عظیم معجزات سے اپنی دعوت کی سچائی کو ثابت کیا، دلائل و بینات سے ہمارے شکوک و شبہات کو دور کیا لیکن صد حیف! ہم اس دعوت کو قبول کرنے سے محروم رہے۔ اپنی شقاوت اور بدبختی کے باعث ہم ان کا تمسخر اڑاتے رہے۔ بڑی بے حیائی سے انہیں دوٹوک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی وحی نازل نہیں کی۔ یہ سب

1۔ لسان العرب، ج10، ص191

2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص83

نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۱۰ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ

سُننتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے ۱۲ پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے ۱۳

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۱۱ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ

تو پھٹکار ہو اہلِ جہنّم پر ۱۴ بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ۱۵

کچھ تم اپنے پاس سے گھڑ کر پیش کرتے ہو۔ ہم نے انہیں کہا کہ اے نبیو! تم ہمیں گمراہ کہتے ہو۔ ہم تو بڑے زیرک اور ذی فہم لوگ ہیں۔ اپنی زندگی کے لیے جو راستہ ہم نے تجویز کیا ہے وہ غلط راستہ نہیں ہوسکتا۔ دیکھو یہ دولت کی ریل پیل، ہمارے یہ قصور و محلات، ہمارا یہ جاہ و طمطراق، کیا ہمارے ہدایت یافتہ ہونے کے ناقابل تردید دلائل نہیں ہیں۔ گمراہ ہم نہیں، گمراہ تم ہو۔ تمہارے مقدّر میں بھوک ہے، افلاس ہے، محرومیاں ہیں اور رسوائیاں ہیں۔ جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہو۔

۱۲ لیکن آج حقیقت آشکارا ہوگئی کہ گمراہ وہ نہ تھے جو اپنے رب پر ایمان رکھتے تھے۔ خود بھی حق پر تھے اور ہمیں بھی راہِ حق پر چلنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ گمراہ، بدبخت اور شقی تو ہم تھے کہ جان بُوجھ کر ان کا انکار کرتے رہے۔ ان کے روشن معجزات دیکھ کر بھی مدہوش بنے رہے، ان کے دل گداز مواعظ کو سن کر بھی حق کی طرف مائل نہ ہوئے۔ کاش! ہم ان کے ارشادات کو گوشِ ہوش سے سنتے اور ان کی دعوت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو آج ہماری یہ درگت نہ بنتی اور اس کربناک انجام سے دوچار نہ کر دیئے جاتے۔

سمع کو عقل پر مقدم کیا تا کہ دلائلِ سمعیہ کی اولیت کا احساس ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ عقل بغیر دلائلِ سمعیہ کی تائید کے قابل اعتماد نہیں۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عقلِ سلیم، نقلِ صحیح کے مخالف نہیں ہوا کرتی بلکہ ان میں یکسانیت ہوا کرتی ہے۔

۱۳ جہنم کے محافظوں کے اس سوال کا مقصد یہی تھا کہ وہ اپنے جُرموں کا اعتراف اپنی زبان سے کر لیں تا کہ انہیں پتہ چل جائے کہ ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی، انہیں بلاوجہ اس عذابِ الیم میں جھونک نہیں دیا گیا۔

۱۴ مفعول مطلق ہے، اس کا فعل محذوف ہے۔ فَاَسْحَقَهُمُ اللّٰهُ سُحْقًا (1)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت وعنایت سے دور کر دیا اور وہ راندۂ درگاہ بنا دیئے گئے۔

۱۵ بدنصیبوں اور ازلی محروموں کے عبرت ناک احوال بیان ہو چکے۔ اس آیت میں سعادت مند اور خوش نصیب بندوں کا فرحت انگیز اور حوصلہ بخش ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ ان کی ایک خاص صفت بیان کی کہ یہ لوگ اپنے رب کو دیکھے بغیر اس سے ہر حالت میں لرزہ براندام رہتے ہیں۔ مجمعِ عام ہو یا کنجِ عزلت، ان کا کوئی ذاتی معاملہ ہو یا اجتماعی مسئلہ، ان کا دنیاوی مفاد وابستہ ہو یا ان کی عزت و آبرو کا سوال ہو، ہر حالت میں وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ کوئی ایسا بول اپنی زبان سے نہیں نکالتے، کوئی قدم اس راہ پر نہیں اٹھاتے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔ آپ سوچیے! جس بندے کے دل میں اپنے رب کا خوف اس حد تک گھر کر چکا ہو کیا وہ کسی کی عزت و آبرو، جان و مال پر دست درازی کر سکتا ہے؟ کیا جبر و ظلم کا صدور اس سے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان کی اصلاح اور تربیت کا مؤثّر طریقہ جو قرآنِ کریم نے اختیار کیا ہے وہ یہی ہے کہ بندے کے دل میں اس کے خالق و مالک کی خشیت پیدا کر دی جائے، اس

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص24

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ

ان کے لیے (اللہ کی) مغفرت اور اجرِ عظیم ہے ١٦ تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) بے شک

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ

وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے ١٧ (نادانو!) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا ہے ١٨ وہ بڑا باریک بین

کے شعور میں یہ چراغ روشن ہو جائے تو اس کی عمل کی دنیا میں کوئی تاریک گوشہ باقی ہی نہیں رہتا جس میں چھپ کر وہ کوئی گناہ کر سکے۔ وہ چاہے بھی تو گناہ نہیں کر سکتا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے میں اس کا خوف پیدا کر دیں، پھر بے شک اسے آزاد چھوڑ دیں اور یقین رکھیں کہ اس کی ساری قوتیں، اس کے سارے وسائل، اس کی جملہ صلاحیتیں خیر کو فروغ دینے اور شر کا قلع قمع کرنے کے لیے وقف رہیں گی۔ اس کے اثر و نفوذ کا حلقہ جتنا وسیع ہوگا، اتنا ہی لوگوں کے اطمینان، مسرت و خوش حالی میں اضافہ ہوگا، جتنا ہی وہ طاقتور ہوگا باطل کو اتنی ہی فیصلہ کن شکست دے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے حبیب اور برگزیدہ بندے اور اس کی ساری کائنات کے محبوب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللهِ (1)۔ ”اللہ تعالیٰ کا خوف، حکمت و دانائی کا سر چشمہ ہے“۔

فلسفی بھی مغز ماری کرتا ہے کہ لوگوں کو محاسنِ اخلاق کا گرویدہ بنائے اور حق کی بالا دستی قائم کرے۔ لیکن اس کی مصلحت بین عقل اور مفاد پرست ذہن خود محاسنِ اخلاق سے بے بہرہ اور حق سے کوسوں دور ہے۔ وہ دوسرے کی رہنمائی کیسے کر سکتا ہے؟ جو نظریات ہر لحظہ بدلتے رہتے ہیں، ان میں اتنی سکت کہاں کہ ذاتی اغراض اور عیش و عشرت کی ہوس کا مقابلہ کر سکیں؟ انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لیے فقط قانون پر ہی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک تو قانون ساز انسان ہیں، غلطی کر سکتے ہیں، اس کو ہر وقت بدلا جا سکتا ہے، اس کو نافذ کرنے والے اس کے نفاذ میں غافل ہو سکتے ہیں، انہیں فریب دیا جا سکتا ہے، انہیں مرعوب کیا جا سکتا ہے۔ اصلاحِ احوال کے لیے ان پر کلّی اعتماد بھی کوئی عقلمندی نہیں۔ مزید دشواری یہ ہے کہ قانون کی عملداری، انسانی زندگی کے ایک محدود حلقہ تک ہے۔ انسانی زندگی کے بیشتر گوشے ایسے ہیں جہاں قانون کا کوئی پاسبان قدم نہیں رکھ سکتا، بلکہ ان میں جھانک تک نہیں سکتا۔ اس لیے اگر آپ سچے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ انسانی معاشرہ میں نیکی کی بالا دستی ہو اور برائی کا خاتمہ ہو تو اس کا یہی ایک قابلِ اعتماد اور مؤثر طریقہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کیا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے: اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ⑩ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (٧٩:٤٠، ٤١) یعنی جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔

١٦ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو دو انعاموں سے نوازا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر بشری کمزوری کے باعث ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اور جو نیک اعمال انہوں نے کیے ہیں ان پر انہیں اجر کبیر مرحمت فرمایا جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی کبیر کی تشریح کرتے ہیں: يَصْغُرُ بِالنِّسْبَةِ اِلَيْهِ كُلُّ مَا يَخْطُرُ بِالْبَالِ مِنَ اللَّذَّةِ (2)۔ یعنی دل میں جس لذت و سرور کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ بھی اس کے اجر کے سامنے ہیچ ہوگا۔

١٧ کوئی چھپ کر بات کرے یا بلند آواز سے، اللہ تعالیٰ کے سامنے سب یکساں ہیں۔ وہ سب کو جانتا ہے۔ بلکہ تمہارے دل

1۔ شعب الایمان، ج 1، ص 470، رقم الحدیث 742

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 24

ع۱ الْخَبِيرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا

ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لیے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر

وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿۱۵﴾ ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن

اور کھاؤ اس کے (دیے ہوئے) رزق سے ۱۹ اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے ۲۰ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ

کے نہاں خانہ میں جو خیالات وافکار انگڑائیاں لے رہے ہیں ان سے بھی وہ آگاہ ہے۔ اہلِ ایمان اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور کفار اسے تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں۔

۱۸ اس آیت سے کفار کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کارستانیوں پر مطلع نہیں۔ فرمادیا کائنات کی ہر چیز کا جب وہ خالق ہے، ہر چیز میں حسبِ حالات مختلف صلاحیتیں، خاصیتیں اور اثرات اسی نے ودیعت کیے ہیں تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ اسے خبر بھی نہ ہو کہ کوئی کیا کر رہا ہے، اس کی دی ہوئی قوتوں سے کس طرح کام لے رہا ہے؟ یہ بڑے اچنبھے کی بات ہے۔ عقلِ سلیم اس کو تسلیم نہیں کرتی۔ پھر یہ سوچو کہ وہ اللطیف ہے۔ باریک سے باریک بات کو بھی وہ جانتا ہے۔ وہ الخبیر ہے۔ ہر چیز سے وہ باخبر ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جس کی یہ شان ہو اور یہ صفات ہوں، وہ اپنی مخلوق کے احوال سے کیونکر بے خبر ہو سکتا ہے۔

۱۹ فرمانبردار اونٹنی جس پر آسانی اور سہولت سے سواری کی جاسکے، عرب اسے نَاقَةٌ ذَلُوْلٌ کہتے ہیں (1)۔ اس آیت میں ذلول کو زمین کی صفت ذکر کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح بنایا ہے کہ انسان اس پر آسانی اور سہولت کے ساتھ چل سکتا ہے۔ نہ تو ساری سخت پتھریلی ہے اور نہ دلدل ہے کہ اس پر چلنا دشوار ہو جائے۔ اس خالق کریم نے اَن گنت مصلحتوں کے باعث زمین پر جگہ جگہ پہاڑوں کے فلک بوس سلسلے کھڑے کر دیئے ہیں۔ ان کو بھی ناقابل عبور نہیں رہنے دیا۔ مناسب مسافتوں پر ایسے درّے بنادیئے ہیں جہاں سے انسانوں کے قافلے اور مویشیوں کے گلّے آسانی سے گزر سکتے ہیں۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اس ربّ کریم نے ہر جگہ تمہارے رزق کا سامان بھی مہیا کر دیا ہے۔ جہاں سے گزرو گے اس کے لطف و کرم کا وسیع دسترخوان بچھا ہوا پاؤ گے، جس میں کھانے کی رنگ برنگی ذائقہ دار چیزیں سجی ہوں گی۔ بتاؤ تم اس کی کس کس نعمت کا شکر ادا کر سکتے ہو؟ اگر ساری زمین دلدل ہوتی تو کیا تم اس میں سے بآسانی گزر سکتے۔ اگر اس نے اپنے دستِ قدرت سے گزرگاہیں نہ بنائی ہوتیں اور تمہیں ان کی برف پوش چوٹیوں کو عبور کر کے آنا جانا پڑتا تو تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آجاتا۔ میدانوں میں دریا بہہ رہے ہیں، نشیبی علاقوں میں بھی پانی کے زیرزمین ذخائر موجود ہیں۔ جب بلند پہاڑوں پر تم جاتے ہو تو وہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے تمہاری تشنہ لبی کا مداوا کرنے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ اگر وہاں تمہیں کنواں کھود کر پانی نکالنا پڑتا تو تمہیں دن کو تارے نظر آنے لگتے۔ الغرض اس کے لطف و کرم کے بغیر تم جادۂ زیست پر ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے۔ کیوں جاہل بنتے ہو اور اس کی وحدانیت کا انکار کرتے ہو؟ ذَلُوْلٌ: سَهْلٌ۔ مَنَاكِب: مَنْكَب کی جمع ہے۔ منکب کندھے کو کہتے ہیں۔ یہاں پہاڑوں کے وہ کنارے مراد ہیں جہاں قدرتی درّے بنے ہوتے ہیں۔ (2)

۲۰ یاد رکھو یہ دنیا اور اس کا مال و متاع سب فانی ہے۔ ایک روز آئے گا اور یقیناً آئے گا جب تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص24 2۔ ایضاً

يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۙ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ

وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے ۲۱ اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے

اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ

کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے اور جو

جاؤ گے اور تم سے حساب لیا جائے گا۔ کیا تم نے اس روز کے لیے کچھ تیاری کر لی ہے؟

۲۱ پہلے اپنے الطاف و احسانات کا ذکر کر کے انہیں راہِ ہدایت کی طرف راغب کیا گیا۔ اب اپنے قہر و جلال سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ یعنی تم جو اس دیدہ دلیری سے کفر و شرک پر اڑے ہوئے ہو، بڑی بے باکی اور بے حیائی سے فسق و فجور کا بازار گرم کیے ہوئے ہو، تمہیں کبھی یہ خوف نہیں آیا کہ آسمانوں کا خالق اگر تمہارے کرتوتوں کے باعث ناراض ہو گیا اور اس نے تمہیں زمین میں غرق کر دیا تو پھر تمہارا کیا حال ہو گا؟ زمین تھر تھر کانپ رہی ہو گی۔ تم زمین کی گہرائیوں میں جذب ہوتے چلے جا رہے ہو گے۔ ہوش میں آؤ۔ آنکھیں کھولو اور اس سے قبل کہ تمہاری بربادی کے حتمی احکام صادر ہو جائیں، تلافیٔ مافات کر لو۔ تمہیں کیفرِ کردار کو پہنچانا کون سا مشکل کام ہے؟ اگر تیز جھکڑ چلنے لگیں اور پتھر اور سنگریزے اُڑ اُڑ کر تم پر برسنے لگیں تو تمہارا ستیاناس ہو جائے۔ تمہارا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ پدّی جتنی تمہاری اوقات ہے اور لگے ہو مالك الملك، بيده الملك، وهو علىٰ كل شیء قدير کی شان والے کی نافرمانی اور حکم عدولی کرنے۔ تم نے غور و فکر کے سارے دیئے کیوں بجھا دیئے ہیں؟

تَمُوْرُ: تَرْتَجُّ وتَهْتَزُّ(1)۔ زمین کا ہچکولے کھانا اور تھر تھرانا۔ جہاں کہیں زلزلہ آیا ہو وہاں کے لوگوں سے پوچھو کہ جب بھونچال آتا ہے تو زمین، اونچے پہاڑ اور بلند ماڑیاں کس طرح لرزتی اور کانپتی ہیں۔ حَاصِبٌ: رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ تَحمِلُ التُّرابَ وَالْحَصْبَاءَ (لسان العرب)(2) وہ تُند آندھی جو گرد و غبار اور سنگریزوں کو اپنے ساتھ اُڑا لے جاتی ہے۔

ان دو آیتوں میں مَنْ فِي السَّمَآءِ کے کلمات مذکور ہیں جن کا لفظی معنی یہ ہے کہ ”جو آسمان میں ہے“۔ کیا ان آیات سے کوئی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں مقیم ہے؟ اگر ایسا نہیں تو پھر ان کلمات کا مفہوم کیا ہو گا؟ گزارش ہے کہ یہ آیتیں متشابہات میں سے ہیں۔ یعنی ان کے الفاظ کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوتا۔ اس لیے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے مقیم ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ آسمانوں کو اس نے پیدا کیا ہے۔ یہ سب حادث ہیں۔ جب یہ نہیں تھے تو وہ کہاں تھا؟ نیز اللہ تعالیٰ مکان و مکانیات سے منزہ ہے۔ وہ کسی ایک جگہ یا ایک جہت میں قیام پذیر نہیں، بلکہ وہ تو ہر جگہ ہے۔ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ۔ جدھر بھی تم رخ کرو گے وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہو گی۔ اس لیے ایسی آیات کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں:

(۱) ایک اسلافِ کرام کا (۲) دوسرا متاخرین کا۔ متاخرین ایسی آیات کی تاویل کرتے ہیں۔ ان کا ایسا محمل بیان کرتے ہیں جو آیات محکمات سے بھی موافقت رکھتا ہو اور شانِ خداوندی کے بھی شایان ہو۔ لیکن اسلاف اس کی تاویل نہیں کرتے۔ الفاظ کو اپنے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 16

2۔ لسان العرب، ج 1، 320

كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ⑱ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ

لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان پر) میرا عذاب کتنا سخت تھا ۲۲ کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر اُڑتے (

ظاہر پر رکھتے ہیں لیکن اس کے مفہوم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ متاخرین کے نزدیک مَنۡ فِي السَّمَآءِ کی یہ تاویل ہوگی کہ وہ فرشتے جنہیں احکام تکوینی کی تنفیذ کا کام سپرد کیا گیا ہے وہ آسمان میں ہیں۔ مَنۡ فِي السَّمَآءِ سے مراد یہ فرشتے ہیں۔ دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ قضا وقدر اور احکامِ الٰہی کا مخزن آسمانوں میں ہے، لیکن سلفِ صالحین ایسی تاویلیں نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں مَنۡ فِي السَّمَآءِ کا معنی ہے کہ ''جو آسمان میں ہے'' اور اس سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن وہ آسمان میں کس طرح ہے؟ جس طرح مکین، مکان میں یا مظروف، ظرف میں؟ وہ کہتے ہیں: ہم اس کا یقین نہیں کر سکتے۔ وہ ہے آسمان میں، لیکن اس طرح ہے جس طرح اس کی شانِ تنزیہ کے شایان ہے۔ اہلِ تحقیق نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ نیز یہ بھی ایک طبعی بات ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں، فریاد کرتے ہیں، اس سے کوئی سوال کرتے ہیں تو بے ساختہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں، زمین کی طرف نہیں جاتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ذات عظمت، بلندی اور کبریائی سے موصوف ہے۔ اس کے ذکر کے وقت آسمان کی طرف آنکھوں کا اٹھ جانا ایک قدرتی امر ہے۔ شاید اسی لیے مَنۡ فِي السَّمَآءِ فرمایا گیا ہے (1)۔ اَللّٰهُ تَعَالٰى وَرَسُوۡلُهُ الۡمُكَرَّمُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حبشن لونڈی لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ پر ایک مومن غلام آزاد کرنا واجب ہو گیا ہے۔ کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر کے بری الذمہ ہو سکتا ہوں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لونڈی سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ حضورؐ نے پھر پوچھا: اور میں کون ہوں؟ اس نے پہلے حضور کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا: اسے آزاد کر دو۔ یہ مومنہ ہے۔ (2)

۲۲ یعنی تم ہی پہلے لوگ نہیں ہو جنہوں نے کفر وشرک اختیار کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کو اپنا شعار بنایا ہو، تاکہ تمہارے انجام کے بارے میں شک وشبہ کی گنجائش ہو کہ یہ ایک نئی جماعت ظہور پذیر ہوئی ہے جن کے انداز بڑے نرالے ہیں، دیکھیے ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ یوں نہیں ہے، بلکہ تمہارے جیسے نابکار پہلے بھی گزرے ہیں اور اپنی بداعمالیوں کے فطری انجام سے دوچار ہو چکے ہیں۔ تم بابل ونینوا کے شکستہ کھنڈروں سے پوچھو کہ تمہارے بسانے والوں پر کیا بیتی؟ تم موہنجوڈارو اور ہڑپہ سے برآمد ہونے والی ٹوٹی پھوٹی دیواروں سے پوچھو کہ تمہارے مکینوں پر کیا افتاد پڑی؟ اتنی عظیم ثقافت اور اتنے اعلیٰ تمدن کے باوجود انہیں لوحِ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح کیوں مٹا دیا گیا؟ وہ تمہیں بتائیں گے کہ ہمارے بسانے والوں نے اپنے خالقِ حقیقی سے منہ موڑ لیا تھا، انہوں نے حق کا دامن چھوڑ دیا تھا، ظلم وطغیان اور فسق وفجور کو انہوں نے اختیار کر لیا تھا۔ خدا کا غضب ان پر نازل ہوا اور وہ نیست ونابود کر دیئے گئے۔

برباد شدہ قوموں کی ان رُوح فرسا داستانوں میں اگر عبرت کا پہلو تمہیں نظر آتا ہے تو عبرت حاصل کر لو۔ یوں نہ ہو کہ تمہیں بھی پیہم سرتابیوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں تہس نہس کر دیا جائے۔ كَيۡفَ نَذِيۡرِ اصل میں كَيۡفَ نَذِيۡرِيۡ اور كَيۡفَ نَكِيۡرِ اصل

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 215

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تشمیت العاطس فی الصلاۃ، ج 1، ص 134

وقف لازم اختلاف
وقف غفران وقف منزل

فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقْبِضْنَ ؕۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ

کبھی نہیں دیکھا پَر پھیلائے ہوئے اور کبھی پَر سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمٰن کے ؎۲۳ بے شک وہ ہر چیز کو خوب

بَصِیْرٌ ⑲ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ

دیکھنے والا ہے ؎۲۴ (اے منکرو!) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خداوندِ) رحمٰن کے

الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۚ ⑳ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ

علاوہ ؎۲۵ بے شک منکرین دھوکا میں مبتلا ہیں۔ کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے

اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ㉑ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا

اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے ؎۲۶ لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دُور نکل گئے ہیں ؎۲۷ کیا وہ شخص جو منہ کے بَل گرتا پڑتا

میں کَیْفَ نَکِیْرِیْ تھا۔ (1)

؎۲۳ اب اپنی قدرت کی ایک ایسی نشانی کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جس کا مشاہدہ ہر شخص دن میں کئی کئی بار کرتا ہے۔ پرندے ہوا میں اڑ رہے ہوتے ہیں، اثنائے پرواز وہ کبھی اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں اور کبھی ان کو سکیڑ لیتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ اس پرندہ کو اُڑنے کے لیے موزوں پَر کس نے دیئے ہیں اور اس کو اڑنے کا ڈھنگ کس نے سکھایا ہے؟ ہوا میں اگر ایک چھٹانک وزنی روڑا پھینکا جائے تو وہ چشم زدن میں نیچے گر پڑتا ہے۔ اس ہوا میں یہ صلاحیت کس نے پیدا کی ہے کہ کئی سیر وزنی پرندہ اس میں پہروں مصروف پرواز رہتا ہے اور گرتا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کون ہے جس نے یہ سارے انتظامات کر دیئے ہیں؟ انسان کے لیے زمین کو مسخر کر دیا اور پرندوں کے لیے ہوا کو فرمانبردار بنا دیا۔ صَآفّٰتٍ: بَاسِطَاتٍ اَجْنِحَتَهُنَّ فِی الْجَوِّ عِنْدَ طَیَرَانِهَا (2)۔ یعنی اڑتے وقت فضا میں پرندوں کا اپنے پروں کو پھیلا دینا۔ یَقْبِضْنَ: اَجْنِحَتَهَا اِلٰی جُنُوْبِهِنَّ (3)۔ یعنی اپنے پروں کو پہلوؤں کے ساتھ سکیڑ لینا۔

؎۲۴ وہ صرف پرندوں کی رکھوالی نہیں کرتا۔ کائنات کی ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے اور وہ ان کی نگہبانی کر رہا ہے۔

؎۲۵ یعنی وہ لوگ جو نافرمانی کی راہ پر گامزن ہیں کیا ان کے پاس کوئی ایسی فوج ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہو تو وہ ان کی مدد کر سکے اور آگے بڑھ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا سکے؟ ہرگز نہیں۔ یہ کفار تو شیطان کے دامِ فریب میں پھنس چکے ہیں۔ اتنی کھلی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ دنیا میں ایسی کوئی طاقت نہیں جو انہیں عذابِ الٰہی سے بچا سکے۔

؎۲۶ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے رزق کے دروازے ان پر بند کر دے تو انہیں ایک دانہ بھی دستیاب نہ ہو اور بھوک سے بلک بلک کر لقمۂ اجل بن جائیں۔ لیکن ایسی بے بسی اور بے کسی کے باوصف یہ لوگ ہیں کہ سرکشی اور حق سے گریز کرنے میں حد سے بڑھ چکے ہیں۔

1۔ تفسیر مغربی، زیر آیت ہذا، ج 29، ص 15، مطبوعہ المطبعۃ الامیریۃ بالقاہرہ
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 26
3۔ ایضاً

عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٢﴾

چلا جا رہا ہے وہ راہِ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہے ۲۸

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ

آپ فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے ۲۹

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ

(لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو ۳۰ آپ فرمائیے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے ۳۱ زمین میں اور (روزِ حشر)

۲۷ مشکل الفاظ کی تشریح۔ عُتُوٍّ: طُغْيَانٍ۔ یعنی سرکشی۔ نُفُوْرٍ عَنِ الْحَقِّ۔ حق سے نفرت و بیزاری۔ لَجُّوْا: تَمَادَوْا وَاَصَرُّوْا: کسی چیز پر اڑ جانا۔ کسی چیز سے چمٹ جانا۔ (1)

۲۸ کافر کی حالت کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دی جا رہی ہے جو سر اوندھا کیے کسی راستہ پر چل رہا ہے۔ نہ دائیں دیکھتا ہے اور نہ بائیں اور نہ سامنے اس کی نظر پڑتی ہے۔ کسی وقت بھی وہ شخص، کسی چیز سے ٹکرا کر اپنا حلیہ بگاڑ سکتا ہے۔ دائیں بائیں کسی گڑھے میں گر کر اپنی ہڈی پسلی توڑ سکتا ہے۔ ایسے شخص کا منزل مقصود تک پہنچنا بعید از امکان ہے۔ اور مومن کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو سیدھا ہو کر سر اٹھائے چل رہا ہے۔ دور دور تک آگے بھی اسے صاف نظر آ رہا ہے اور دائیں بائیں ہر طرف بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ ایسا شخص جب چلتا ہے تو راستہ کو دیکھ کر چلتا ہے۔ راہ میں کوئی گڑھا ہو، کوئی درخت ہو، کوئی اور چیز حائل ہو تو وہ اس سے بچ کر نکل سکتا ہے۔ دائیں بائیں سے اگر اس پر کوئی ہلہ بولے تو وہ اس سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔ ایسے شخص کا اپنی منزل پر پہنچنا یقینی ہے۔ اب تم خود فیصلہ کرو کہ صحیح راہ پر کون گامزن ہے (2)۔ کتنی پیاری، واضح اور دل نشیں مثال ہے۔

۲۹ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح انسان کی تخلیق بھی اسی نے کی ہے۔ لیکن اسے چند مزید صلاحیتیں ارزانی فرمائی ہیں جو اور کسی کو نہیں بخشی گئیں۔ اسے ایسے کان دیئے ہیں جن سے وہ دعوت حق کو سن سکتا ہے۔ اسے ایسی آنکھیں بخشی ہیں جن سے وہ نور حق کو دیکھ سکتا ہے۔ مزید برآں اسے ایسا دل عطا فرمایا ہے جو ان دلائل و بینات میں غور و تدبر کر سکتا ہے اور حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ پھر اسے اختیار ہے کہ اپنی مرضی سے حق کو قبول کرے اور باطل کو مسترد کر دے۔ جس مخلوق کو ایسی صلاحیتیں بخشی گئی ہوں وہ اگر انہیں ایسے مسئلہ کے سمجھنے میں استعمال نہ کرے جس پر اس کی ابدی فلاح کا انحصار ہے تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے۔

۳۰ بتا دیا کہ بہت کم ایسے انسان ہیں جو ان نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال کر کے شکر گزاری کا حق ادا کرتے ہیں۔

۳۱ ذَرَاَ کے دو معنی ہیں: پیدا کرنا اور پھیلا دینا (3)۔ دونوں درست ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 218 2۔ ایضاً، جز 18، ص 219 3۔ ایضاً، جز 18، ص 220

اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۵﴾

تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔ (کفار ازراہِ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ۳۲

قُلۡ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۖ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوۡهُ

آپ فرمائیے (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں ۳۳ پھر جس وقت اسے قریب

زُلۡفَةً سِيۡٓـئَتۡ وُجُوۡهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَقِيۡلَ هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ

آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار

بِهٖ تَدَّعُوۡنَ ﴿۲۷﴾ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَهۡلَـكَنِىَ اللّٰهُ وَمَنۡ مَّعِىَ اَوۡ

مطالبہ کرتے تھے ۳۴ آپ فرمائیے (اے منکرو!) ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں، کو ہلاک کر دے یا

۳۲ کفار بار بار پوچھتے تھے کہ بتاؤ قیامت کب برپا ہوگی؟ لیکن ان کے پوچھنے کا مقصد یہ نہ تھا کہ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ قیامت کس سال، کس تاریخ کو، کتنے بجے قائم ہونے والی ہے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ اب تک جو وہ قیامت پر ایمان لانے سے گریز کر رہے ہیں اس کی محض یہ وجہ ہے کہ انہیں سال اور تاریخ نہیں بتائی گئی۔ ان کی یہ غرض نہ تھی بلکہ محض استہزا و تمسخر کے لیے وہ یہ سوال کیا کرتے تھے کہ صدیاں گزر گئیں، جو پیغمبر بھی آیا وہ اپنی قوم کو قیامت سے ڈراتا رہا۔ ابھی تک وہ آئی نہیں اور اگر آپ بھی اس کے لیے کوئی حتمی تاریخ مقرر نہیں کر سکتے، تو ہم یہ باور کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ محض گپ ہے، کھوکھلی دھمکی ہے جو سادہ لوح عوام کا استحصال کرنے کے لیے مذہبی لیڈر ہر زمانہ میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ اگر قیامت کو آنا ہوتا تو وہ کب کی آچکی ہوتی۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو آپ ہمیں اس کی معین تاریخ بتا دیتے۔ اس قسم کے خیالات محض ان کی حماقت کا اظہار تھا۔ جس واقعہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر دیا ہے، جب تک وہ گھڑی نہ آجائے قیامت کیسے برپا ہو سکتی ہے۔

۳۳ اس کا علم اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ مجھے تو اس لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے کہ میں تمہیں قبل از وقت خبردار کر دوں تا کہ تم توبہ کر لو اور قیامت کے دن رسوائی کے عذاب سے اور آتش جہنم سے بچ جاؤ۔ علم قیامت کے بارے میں متعدد مقامات پر بحث گزر چکی ہے۔

۳۴ آج تو تم قیامت کے لیے جلدی مچا رہے ہو۔ جب وہ برپا ہوگی تو تمہاری حالت دیدنی ہوگی۔ مارے خوف کے چہرہ بگڑ جائے گا۔ رخساروں کی سرخی غائب ہو جائے گی، ہونٹ لٹکنے لگیں گے، زبان باہر نکل آئے گی، آنکھیں اندر دھنسی جا رہی ہوں گی، حواس باختہ ہوں گے، دماغی توازن کھو بیٹھو گے۔ اس وقت تمہارے پاس اتنی ہوش کب ہوگی کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اگر

رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ

ہم پر رحم فرمادے تو کون بچالے گا کافروں کو دردناک عذاب سے ف۳۵ فرمایئے وہ (میرا خالق)

الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ

بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکّل کیا ہوا ہے۔ پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ

گمراہی میں کون ہے ف۳۶ آپ پوچھیے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں

يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲ ۱۶

میٹھا صاف پانی کون لا دے گا؟ ف۳۷

ایمان لے بھی آئے تو اس وقت کا ایمان بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں ہوگا۔ اس وقت تمہیں کہا جائے گا یہ لو! وہ قیامت آگئی جس کا تم بڑی شدت اور اصرار سے مطالبہ کیا کرتے تھے۔

ف۳۵ یعنی ہمارے ساتھ تو جو ہو گی تم اس کی فکر نہ کرو۔ تم اپنی خیر مناؤ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تم ایمان نہیں رکھتے۔ جب اس نے تمہیں پکڑ لیا تو تمہیں کون آکر نجات دے گا؟ تمہارا سارا وقت ہم پر زبانِ طعن دراز کرنے میں گزر جاتا ہے۔ شب و روز تم ہم پر تنقید کے تیر برساتے رہتے ہو۔ کبھی اپنے گریبان میں بھی جھانک لیا کرو اور اپنے انجام کے بارے میں بھی سوچ لیا کرو۔

ف۳۶ ہم تو اپنے پروردگار پر جو رحمٰن ہے، صدقِ دل سے ایمان لے آئے ہیں۔ اسی پر ہمارا بھروسہ ہے کہ اس دنیا میں بھی وہ ہمیں کامیاب و کامران فرمائے گا، دین کا ڈنکا چاردانگِ عالم میں بجنے لگے گا اور آخرت میں بھی وہ اپنی رحمت اور رأفت سے نوازے گا۔ تم بتاؤ جن کا رحمٰن اور رحیم خدا پر نہ ایمان ہے، نہ اس پر بھروسہ ہے، تمہارا انجام کیا ہوگا؟ تمہارے یہ بے جان بت، تمہارے کیا کام آئیں گے؟ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ گمراہ کون ہے؟ خداوندِ رحمٰن پر ایمان لانے والے، یا اس کا انکار کر کے بتوں کو خدا بنانے والے؟ اس قادر و توانا پر توکل کرنے والے، یا اصنام و اوثان پر تکیہ رکھنے والے؟

ف۳۷ غَوْرٌ بمعنی غَائِرٌ: یعنی پانی کا زمین میں اتنا گہرا چلا جانا کہ ڈول بھی وہاں نہ پہنچ سکیں۔ اَیْ ذَاهِبًا فِی الْاَرْضِ لَا تَنَالُهُ الدِّلَاءُ۔ (1)

پانی کی ویسے ہی سارے حجاز میں قلت تھی۔ دو تین چشمے تھے یا بارش کا پانی کہیں کہیں حوضوں میں اکٹھا کر لیا جاتا تھا۔ انہی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 222

پر ان کی گزر اوقات ہوتی تھی۔ اگر بارش کچھ عرصہ نہ ہوتی اور وہ حوض خشک ہونے لگتے تو ان کی جان پر بن آتی۔ آخری آیت میں ان کی دکھتی رگ کو چھیڑا گیا ہے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ جن کو تم اپنا معبود اور خدا سمجھ رہے ہو، کیا ان میں اتنی طاقت ہے کہ اگر تمہارے یہ دو چار چشمے سوکھ جائیں یا ان کا پانی زمین میں جذب ہو جائے تو وہ ان کو از سر نو جاری کر سکیں۔ اگر ان میں یہ قوت نہیں اور تمہیں بھی تسلیم ہے کہ نہیں، تو پھر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس ذاتِ اقدس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں زندگی بخشی اور تمہیں زندہ رہنے کے لیے بن مانگے ساری ضروریات مہیا کیں، پانی، جس کے بغیر تم اور تمہارے سارے مویشی زندہ نہیں رہ سکتے، اس کا تمہارے لیے انتظام فرمایا۔ ایسے کریم، حکیم اور رحیم پروردگار پر تو تم ایمان نہیں لاتے، اس کے حضور میں تو سر نہیں جھکاتے اور ان پتھر کے بے جان، بے علم اور بے اختیار بتوں سے ہر وقت چمٹے رہتے ہو۔ کبھی ان کو سجدہ کرتے ہو، کبھی ان کا طواف کرتے ہو۔ اشرف المخلوقات انسان ہو کر تمہاری یہ حرکتیں بڑی افسوسناک ہیں۔ یاد رکھو! کہ پانی کے یہ چشمے اسی رحمان نے جاری کیے ہیں جو میرا رب ہے۔ اسی نے بارش برسا کر تمہارے حوضوں کو پانی سے لبریز کر دیا ہے۔ اگر یہ حوض خشک ہو جائیں یا ان چشموں کا پانی زمین میں جذب ہو جائے تو اس میں اور صرف اس میں یہ قدرت ہے کہ وہ چشم زدن میں ان چشموں کو از سر نو جاری کر دے جن سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی بکثرت بہنے لگے۔

بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب یہ آیت پڑھے تو دل میں کہے اللہ رب العلمین۔ تاکہ سوال کا صحیح جواب آ جائے۔

○○○○○○○○○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهِ الْمُصْطَفٰى وَرَسُوْلِهِ الْمُرْتَضٰى سَيِّدِ الْخَلْقِ مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ اَحَبَّهٗ وَاَتْبَعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

تعارف سورۃ القلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: یہ سورت دو ناموں سے زیادہ مشہور ہے۔ سورۂ ''ن'' اور ''القلم'' یہ دو رکوعوں، باون آیتوں، تین سو کلمات اور ایک ہزار دو سو چھپن حروف پر مشتمل ہے۔

نزول: باتفاقِ علماء اس کا نزول مکّہ مکرّمہ میں ہوا۔ (1)

مضامین: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت و ارشاد کا سلسلہ بڑی گرمجوشی سے شروع کر دیا ہے۔ قرآن کریم کی جو سورتیں یا آیات نازل ہوتی ہیں، حضور اپنے کیف آگیں لہجہ میں اُس کی تلاوت کرتے ہیں اور لوگوں کو سناتے ہیں۔ احکامِ الٰہیہ کی خود بھی پابندی فرماتے ہیں اور دامنِ رحمت سے جو وابستہ ہو جاتا ہے وہ بھی سرخوشی سے ان پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ سارا مکّہ بھڑک اُٹھتا ہے۔ ظلم و ستم کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اللہ کے بندے اپنے اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر بڑی جوانمردی سے گامزن ہیں۔ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس والہانہ جوش و خروش کو دیکھ کر تصویرِ حیرت بن جاتے ہیں اور آخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے، اس کا دماغ ناکارہ ہو گیا ہے۔ سود و زیاں میں تمیز کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ قسم اُٹھا کر کفّار کے ان الزامات کی تردید کرتے ہیں کہ میرا محبوب دیوانہ نہیں ہے بلکہ اخلاقِ عالیہ کی اُن رفعتوں پر فائز ہے جہاں کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جس کا کردار اتنا بلند ہو، جس کی سیرت اتنی بے داغ اور جس کے اعمال سراپا نور ہوں، بھلا اس کو مجنون کہنا کس طرح روا ہے؟

اس کے بعد فرمایا کہ اے حبیب! وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ اُن کے ساتھ مداہنت سے کام لیں اور مصالحت کا رویہ اختیار کریں تو وہ بھی آپ کے ساتھ سختی کا سلوک ترک کر دیں۔ لیکن آپ کا یہ شیوہ ہی نہیں، وہ لوگ جو اپنے معاشرہ کے رؤسا ہیں، اپنے شرکیہ عقائد کے سرغنے ہیں، ذرا اُن کے اعمال پر تو نظر ڈالو۔ ہر قسم کی اخلاقی برائیوں کے وہاں ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ نیکی کی کوئی کِرن بھی تو وہاں نظر نہیں آتی۔ تیرے جیسا مرقعِ دلبری و زیبائی بھلا اُن کی پیروی کیسے کر سکتا ہے؟ جس دولت و ثروت اور جاہ و منصب پر یہ اترا رہے ہیں، تیرے رَبّ کی جناب میں تو اُس کی کوئی وقعت نہیں۔

پھر مادہ پرستانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی ایسی صحیح تصویر کھینچ کر رکھ دی کہ جسے دیکھ کر طبیعت میں ایسی ذہنیت سے خود بخود نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو شخص دولت کی فراوانی کے باوجود کسی غریب کو ایک حبّہ تک دینے سے گریزاں ہو اُس سے بُرا انسان اور کون ہو سکتا ہے؟ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ متقی لوگوں کے لیے جنّت ہے اور اُن کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے گا وہ اس سے بالکل الگ ہو گا جو معاملہ مجرموں کے ساتھ روا رکھا جائے گا۔ خوابِ غفلت میں بے سُدھ پڑے رہنے والوں کو بتا دیا کہ اب وقت ہے،

1۔ تفسیر قرطبی، جز 18، صفحہ 222

جبین نیاز اپنے پروردگار کے حضور جھکا لو، ورنہ قیامت کے دن تم چاہو گے کہ سجدہ کر سکو لیکن ہزار کوشش کے باوجود تم ایسا نہیں کر سکو گے، تمہاری پشت اور گردن اکڑ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آخر میں اپنے حبیب کو تسلّی دے رہا ہے کہ یہ سرکش ہمیشہ دندناتے نہ پھریں گے۔ ہم انہیں یوں بربادی کے گڑھے میں دھکیل دیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہو گی۔

آخر میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کی تلقین فرما دی گئی۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۱۶۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ القلم مکی ہے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اس میں ۵۲ آیتیں اور دو رکوع ہیں

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ②

ن، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں ۱ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں ۲

۱ نٓ، حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ ان کے بارے میں تحقیق پہلے گزر چکی ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول مکرم کے درمیان راز ہیں اور اولیائے کاملین کو ان کا علم بارگاہِ رسالت سے ارزانی ہوتا ہے۔

یہاں ایک اور توجیہہ بھی قابلِ غور ہے جو سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے۔ وہ اپنی کتاب التعریفات میں لکھتے ہیں۔ اَلنُّوْنُ: اَلْعِلْمُ الْاِجْمَالِيُّ يُرِيْدُ بِهِ الدَّوَاةَ فَاِنَّ الْحُرُوْفَ الَّتِيْ هِيَ صُوَرُ الْعِلْمِ مَوْجُوْدَةٌ فِيْ مِدَادِهَا اِجْمَالًا وَّفِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى نٓ وَالْقَلَمِ: هُوَالْعِلْمُ الْاِجْمَالِيُّ فِي الْحَضْرَةِ الْاَحَدِيَّةِ وَالْقَلَمُ حَضْرَةُ التَّفْصِيْلِ۔ (1)

النون سے مراد دوات ہے جو علم اجمالی سے عبارت ہے، کیونکہ حروف جو علم کی صورتیں ہیں بالا جمال اس میں موجود ہیں اور (نٓ وَالْقَلَمِ) میں نٓ سے مراد علم اجمالی ہے جو مرتبۂ احدیت میں ہوتا ہے اور الْقَلَمِ تفصیل کا مرتبہ ہے۔ واؤ، قسم کے لیے ہے۔ القلم سے بعض حضرات نے وہ قلم مراد لیا ہے جس نے امرِ الٰہی سے تقادیرِ عالم کو لوحِ محفوظ میں تحریر کیا۔ جس کی ماہیت سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ القلم سے مراد جنس قلم ہے اور اسی کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ علوم وفنون، نظریات و افکار کی تعلیم اور اشاعت میں بے شک زبان کی قوت بیانیہ کا بڑا حصہ ہے لیکن اس کی افادیت زمان ومکان کی حدبندیوں میں محصور ہے۔ قلم، ایک ایسا آلہ ہے جو زمان ومکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ گزشتہ صدیوں کے علوم وفنون سے حال و مستقبل کو روشن کرتا ہے اور دور دراز علاقوں میں پیدا ہونے والے اولوالعزم حکماء وفضلاء کے افکار ونظریات کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچاتا ہے۔

قرآنِ حکیم، جو علم وحکمت کی برتری کا علمبردار ہے جس نے آدم خاکی کی عظمت کا راز اس بات کو قرار دیا ہے کہ اس کا سینہ علوم وفنون کا گنجینہ تھا، کوئی مخلوق حتیٰ کہ نوری فرشتے بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اس لیے قرآن کریم نے قلم کو جو علم کی نشر واشاعت کا مؤثر اور بے مثال ذریعہ ہے، اسکی جلالتِ شان کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی قسم کھائی تا کہ اس قرآن کریم کے ماننے والے قیامت تک حکمت ودانش کے کارواں کی قیادت کرتے رہیں۔ اس کے حصول کے لیے پیہم جدوجہد سے اکتا نہ جائیں اور دنیا کے گوشہ گوشہ کو اس کی روشنی سے منور کرنے کے لیے اپنی ہر امکانی کوشش کریں۔ صرف قلم کی قسم کھا کر اس کی عزت افزائی نہیں کی گئی بلکہ وَمَا يَسْطُرُوْنَ فرما کر علم کے ان جواہر پاروں کی بھی قسم کھائی گئی ہے جو نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس کی زینت بنتے ہیں اس طرح ان کی شان کو بھی دوبالا کر دیا۔

۲ یہ جوابِ قسم ہے (2)۔ کفار ومشرکین، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنون کا بہتان لگاتے تھے۔ ان کے اس جھوٹے الزام کی تردید خود خالق دو جہاں قسم اٹھا کر کر رہا ہے۔ فرمایا: قسم ہے قلم اور مَا يَسْطُرُوْنَ کی۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس

1۔ حاشیہ تفسیر مغربی، ج 29، ص 28 بحوالہ التعریفات

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 24

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿٣﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿٤﴾

اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا ٣ اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں ٤

ذات پاک کے بارے میں یہ ایسی لغو باتیں کرتے ہیں، وہ تو ایسی ستودہ صفات ہستی ہے کہ قلم کو اس کی تعریف وثنا سے فرصت نہ ملے گی۔ وہی تحریریں علمی دنیا کے لیے باعث عز وافتخار ہوں گی جن میں اس محبوبِ دلربا کا ذکر پاک ہوگا۔ اس پر تو اس کے رب نے فضل وکرم فرمایا ہے۔ اس کے رُوئے زیبا کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہوتی ہیں، اس کی حکمت بھری باتیں سن کر دلوں کے ویرانوں میں بہار آجاتی ہے۔ بدبخت، اس کی صحبت میں پل برابر بیٹھیں تو انہیں ابدی سعادت کا تاج پہنا دیا جاتا ہے۔ اس کے نامِ مبارک پر جو لوگ اپنا سَر کٹا دیتے ہیں انہیں حیات سرمدی سے سرفراز کر کے شہادت کے منصب عالی پر فائز کیا جاتا ہے۔ ہر سچائی، ہر صداقت کے لیے اس کا قول وفعل شاہد عادل تسلیم کیا جاتا ہے۔ خود سوچو، جس کا خُلق عظیم ہو، جس کا علم بیکراں ہو، جس کا گلشن حکمت سدا بہار ہو، جس کی برکات بے شمار اور خوبیاں اَن گنت ہوں، جس کی فصاحت وبلاغت کا دنیا بھر میں کہیں جواب ہی نہ ہو، کیا اس کو مجنوں کہنا روا ہے؟ جو اس مرقعِ زیبائی ودلبری کو مجنون کہتا ہے اس سے بڑا دیوانہ، اس سے بڑا پاگل کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت علامہ عارفِ ربانی اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا ایک دوسرا مفہوم ذکر کرتے ہیں:

وَفِی التَّاوِيْلَاتِ النَّجْمِيَّةِ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَسْتُوْرٍ عَمَّا كَانَ مِنَ الْاَزَلِ وَمَا سَيَكُوْنُ اِلَى الْاَبَدِ۔ لِاَنَّ الْجِنَّ هُوَ السَّتْرُ وَمَا سُمِّيَ الْجِنُّ جِنًّا اِلَّا لِاسْتِتَارِهٖ مِنَ الْاِنْسِ بَلْ اَنْتَ عَالِمٌ لِّمَا كَانَ وَ خَبِيْرٌ لِّمَا سَيَكُوْنُ وَيَدُلُّ عَلٰى اِحَاطَةِ عِلْمِهٖ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَوَضَعَ كَفَّهٗ عَلٰى كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُّ بَرْدَهٗ بَيْنَ ثَدْيَيَّ وَعَلِمْتُ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ۔(1)

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ مجنون کا معنی مستور ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے: اے حبیب! اللہ تعالیٰ کی نعمت سے آپ پر جو ازل میں ہو چکا، یا جو ابد تک ہونے والا ہے وہ مستور، پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ مجنون، جِن سے ہے اور اس کا معنی پردہ ہے اور جن کو بھی جِن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہوتا ہے۔ بلکہ آپ جو کچھ ہو چکا اس سے بھی واقف ہیں اور جو ہوگا اس سے بھی خبردار ہیں اور حضور کے اس علم کامل پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں پایا۔ پس مَیں نے ماکان وما یکون کو جان لیا۔

یہ اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جو امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کی سند کے بارے میں لکھا ہے: حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔ فَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيَّ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ(2)۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔
(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۃ النمل آیت ٦٥ کا حاشیہ)

٣ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نبوت کے اس بارِ گراں کو جس خوبی سے آپ نے اٹھایا ہے، میرے دین کی تبلیغ واشاعت میں جس استقامت اور عزیمت کا مظاہرہ آپ نے کیا ہے، میری مخلوق کے قلوب واذہان کو میرے نورِ توحید سے جس طرح آپ نے روشن کیا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔ یہ آفتابِ صداقت ابد تک درخشاں وتاباں ہی رہے گا۔ توحید کے یہ دل نشیں نغمے بلند ہوتے ہی

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 5-104 2۔ حاشیہ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ج 2، ص 156۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، ص 72

رہیں گے۔ قیامت تک آنے والے انسان اس سے فیضیاب ہوں گے۔ اس لیے آپ کا اجر بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ مَمۡنُوۡن: مَقۡطُوۡع: کٹ جانا، ٹوٹ جانا، منقطع ہونا۔ (1)

۴ خالق کی زبان، اپنی تخلیق کے شاہکار کی توصیف فرما رہی ہے۔ اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے آپ کو ذرا صبر سے کام لینا ہوگا۔ اس آیت کا ہر کلمہ اپنے اندر معانی و معارف کی ایک دنیا لیے ہوئے ہے۔ اس لیے ہر کلمہ کا دقتِ نظر سے مطالعہ کرنا پڑے گا۔ شاید لطفِ خداوندی پردے کو سرکا دے اور شاہدِ معنی کی ایک جھلک نصیب ہو جائے۔

پہلے یہ سمجھیے کہ خلق کس کو کہتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اَلۡخُلُقُ مَلَکَۃٌ نَّفۡسَانِیَّۃٌ یَّسۡھُلُ عَلَی الۡمُتَّصِفِ بِھَا الۡاِتۡیَانُ بِالۡاَفۡعَالِ الۡجَمِیۡلَۃِ (2)۔ یعنی خلق، نفس کے اس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے، اس کے لیے افعالِ جمیلہ اور خصالِ حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان اور سہل ہو جائے۔

پھر فرماتے ہیں: کسی اچھے اور خوبصورت فعل کا کرنا الگ چیز ہے، لیکن اس کو سہولت اور آسانی سے کرنا الگ چیز ہے۔ کوئی کام خُلق اسی وقت کہلائے گا جب اس کے کرنے میں تکلّف سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔ (کبیر) یعنی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے، کان بے تکلف سنتے ہیں، زبان بے تکلف بولتی ہے اسی طرح سخاوت، شجاعت، حیا، حق گوئی، تقویٰ وغیرہ تجھ سے کسی تردّد اور توقف کے بغیر صدور پذیر ہونے لگیں تو اس وقت ان امور کو تیرے اخلاق شمار کیا جائے گا۔

عظیم: بہت بڑا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اَیۡ لَایُدۡرِکُ شَأۡوَہٗ اَحَدٌ مِّنَ الۡخَلۡقِ (3)۔ مخلوق میں سے جس کی سرعتِ رفتار یا عزمِ بلند کو کوئی نہ پا سکے، اسے عظیم کہتے ہیں۔

علیٰ: استعلاء کے لیے ہے (4) یعنی کسی پر حاوی ہونا، چھا جانا اور قابو پا لینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت یوں نہیں ہے وَاِنَّ لَکَ خُلُقًا عَظِیۡمًا۔ بلکہ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اخلاق حمیدہ اور افعال پسندیدہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قبضہ ہے۔ یہ سب زیر فرمان ہیں۔ یہ سب مَرۡکَب ہیں، حضورؐ ان کے راکب اور شہسوار ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان امور کے لیے کسی تکلف اور بناوٹ کی ضرورت نہیں۔ آفتابِ ذاتِ محمدی سے صفاتِ محمدیہ اور کمالاتِ احمدیہ کی کرنیں خود بخود پھوٹتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دیا مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَکَلِّفِیۡنَ۔ اے حبیب! آپ اعلان کر دیں کہ میں تم لوگوں سے نہ کسی اجر کا مطالبہ کرتا ہوں اور نہ میں تکلف اور بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ فرما کر بتا دیا کہ حضورؐ کی ذات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہ کمالات جو پہلے نبیوں اور رسولوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے، وہ مجموعی طور پر اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اس ذات اقدس و اطہر میں موجود ہیں۔ شکرِ نوح، خُلّتِ ابراہیم، اخلاصِ موسیٰ، صدقِ اسماعیل، صبرِ یعقوب، تواضعِ سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام سب یہاں جمع ہیں۔

حسن یوسف، دمِ عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری (5)

امام شرف الدین بوصیری نے اپنے مخصوص انداز میں کیا خوب فرمایا ہے ؎

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 29، ص 25
2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 15، جز 29، ص 82
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 29، ص 25
4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 105
1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 108

فَاقَ النَّبِيِّنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمٍ
فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِيْ ظُلَمٍ (1)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ظاہری شکل وصورت اور سیرت واخلاق کے اعتبار سے تمام انبیاء سے برتر ہیں۔ کوئی نبی آپ کے مقام علم اور شان کرم کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حضور کی ذات بزرگی کا آفتاب ہے۔ سارے انبیاء آپ کے ستارے ہیں اور وہ ستارے عہد جاہلیت کے اندھیروں میں آپ کے انوار اور تابانیوں کو ظاہر کرتے رہے ہیں۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب کسی نے خُلقِ مصطفوی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مختصر اور جامع جواب دیا۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (2)۔ حضور کا خلق قرآن تھا۔ یعنی جن محاسنِ اوصاف اور مکارمِ اخلاق کو اپنانے کا قرآن نے حکم دیا ہے حضور ان سے کمال درجہ متصف تھے اور جن لغو باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کی ترغیب دی ہے، حضور ان سے پوری طرح منزہ ومبرا تھے۔ ایک دوسرے شخص نے جب یہی سوال کیا تو ام المومنین نے فرمایا: سورۃ المومنون، کی پہلی دس آیتیں پڑھ لو ان میں ہی حضور کے خلق کی صحیح تصویر ہے۔ محمد بن حکیم ترمذی قدس سرہ فرماتے ہیں: ''ہیچ خلق بزرگ تر از خلق محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نبودہ چہ ز مشیت خود دست باز داشت وخود را کلی باحق گزاشت'' (3)۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق سے کسی کا خلق اعلیٰ نہیں کیونکہ حضور اپنی مرضی اور مشیت سے دستکش ہو گئے اور اپنے آپ کو کلیۃً حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

امام قشیری کا ارشاد ہے: ''نہ از بلا منحرف شد ونہ از عطا منصرف گشت''۔ (4) (روح البیان) یعنی نہ آلام ومصائب کے باعث شاہد حقیقی سے منہ موڑا اور نہ جود وعطا سے دامن بھر لینے کے بعد اس سے بے رُخی برتی۔

حضرت جنیدؒ کی رائے ملاحظہ ہو: سُمِّيَ خُلُقُهٗ عَظِيْمًا لِاَنَّهٗ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ هِمَّةٌ سِوَى اللّٰهِ تَعَالٰى (قرطبی) (5) حضور کے خُلق کو عظیم اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر حضور کی کوئی خواہش نہ تھی۔ حضرت حسّانؓ نے کیا خوب ترجمانی کی ہے۔

لَهٗ هِمَمٌ لَّا مُنْتَهٰى لِكِبَارِهَا وَهِمَّتُهُ الصُّغْرٰى اَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ (6)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہمتیں اور حوصلے بے شمار ہیں۔ جو ان میں سے بڑے حوصلے ہیں ان کی تو حد ہی نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹی سے چھوٹی ہمت اور حوصلہ، زمانہ سے بزرگ تر ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے: اَدَّبَنِيْ رَبِّيْ تَاْدِيْبًا حَسَنًا (7)۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اس کا ادب سکھانا بہت خوب تھا۔ جب اس عبدِ کریم کا مؤدِّب، مربّی اور معلّم خود رب العالمین ہے تو پھر اس تلمیذِ ارشد کے حسنِ ادب، حسنِ تربیت اور کمالِ علم کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے لگاتار دس سال حضور کی خدمت کی۔ حضور نے مجھے کبھی اُف نہیں کہا۔ جو کام میں نے کیا اس کے متعلق کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ کیوں نہیں کیا (8)۔

1۔ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ، ص 100، دوسرا شعر ص 130، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
2۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ اللیل، ج 1، ص 256، کنز العمال، ج 7، ص 137، رقم الحدیث 18378
3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 107
4۔ ایضاً
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 227
6۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 107
7۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 228
8۔ جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی خلق النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ج 2، ص 22

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن و جمال میں بھی تمام لوگوں سے برتر تھے۔ میں نے کسی اطلس یا ریشم کو حضور کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ کوئی مشک، کوئی عطر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسینے سے زیادہ خوشبودار میں نے نہیں سونگھا۔

شاہِ خوباں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف خود ہی ہر کمال، ہر جمال کے پیکرِ رعنا اور تصویر جمیل نہ تھے بلکہ اپنے نیاز مندوں کو بھی ان نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ ان کی ایسی تربیت فرمائی کہ آنے والی نسلِ انسانی کے لیے وہ ایک دل کش نمونہ بن گئے۔ بے شمار ارشاداتِ نبوی میں سے صرف چند آپ بھی سنیے جن میں صحابہء کرام کو اخلاقِ حسنہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

(۱) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَّضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔ (ترمذی، حسن صحیح) (1)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرو۔ وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ حسنِ خُلق سے پیش آیا کرو۔

(۲) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَا شَیْءٌ اَثْقَلَ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ (2)۔ فرمایا: قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسن خلق سے زیادہ وزنی اور کوئی چیز نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش کلام کرنے والے بدزبان سے بغض رکھتا ہے۔

(۳) وَعَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ شَیْءٍ یُوْضَعُ فِی الْمِیْزَانِ اَثْقَلَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَاِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَیَبْلُغُ بِہٖ دَرَجَۃَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوۃِ (3)۔ فرمایا: میزانِ عمل میں جتنی چیزیں رکھی جائیں گی، ان میں حسن خلق زیادہ وزنی ہوگا اور اچھے اخلاق کا مالک اپنے حُسنِ خُلق کے باعث نماز پڑھنے والے، روزہ رکھنے والے کے مرتبہ کو پالیتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث خصوصی توجہ سے پڑھیے:

عَنْ جَابِرٍ رَّضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِّنِّیْ مَجْلِسًا یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا ..... قَالَ اِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَ اَبْعَدَکُمْ مِّنِّیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَیْھِقُوْنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ فَمَا الْمُتَفَیْھِقُوْنَ قَالَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ۔ (4)

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے حضور نے فرمایا: میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور روزِ قیامت تم میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے۔ پھر فرمایا: میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور قیامت کے دن تم میں سے مجھ سے سب سے زیادہ دور بیہودہ باتیں کرنے والے، زبان دراز اور متفیھقون ہوں گے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! پہلے دو لفظوں کا مطلب ہماری سمجھ میں آ گیا، تیسرے لفظ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: متکبر لوگ۔

روح البیان میں علامہ اسماعیل حقی نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلق کی تین سو ساٹھ صورتیں ہیں۔ جس میں توحید کے ساتھ ان میں سے ایک صورت بھی پائی گئی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ھَلْ فِیَّ مِنْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ صدیق نے عرض کی: یا رسول اللہ! ان میں سے کوئی چیز مجھ میں بھی پائی جاتی

1- جامع ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی معاشرۃ الناس، ج2، ص20

2- ایضاً، باب ماجاء فی حسن الخلق، ج2، ص21

3- ایضاً

4- ایضاً، باب ماجاء فی معانی الاخلاق، ج2، ص22

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿٥﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے ۵ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٧﴾ فَلَا تُطِعِ

ان کو جو اس کی راہ سے بہک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں ۶ پس آپ بات نہ مانیں

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ

(ان) جھٹلانے والوں کی۔ وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں ۷ اور نہ بات مانیے کسی (جھوٹی) قسمیں

ہے؟ قَالَ كُلُّهَا فِيْكَ يَا اَبَا بَكْرٍ وَّ اَحَبُّهَا اِلَى اللّٰهِ السَّخَاءُ۔ حضور نے فرمایا: اے ابوبکر! تم میں حُسنِ خُلق کی سب صورتیں موجود ہیں اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخاوت بہت محبوب ہے۔(1)

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل ہمیں بھی اخلاق حسنہ کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین!

۵ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کا معنی بیان کرتے ہیں: فَسَتَعْلَمُ وَيَعْلَمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(2)۔ یعنی آج تو تم جو جی میں آتا ہے کہہ دیتے ہو۔ حقیقت سے پردہ اس وقت اٹھے گا جب حشر بپا ہوگا۔ اس روز تمہیں پتہ چلے گا کہ دیوانہ کون تھا؟ خدا کو وحدہٗ لاشریک لہٗ ماننے والا، اس کے احکام کی تعمیل کرنے والا، اس سے ہر وقت ڈرنے والا، یا بتوں کی پوجا کرنے والے، نفس امّارہ کی فرمانبرداری کرنے والے، قیامت کا انکار کرنے والے؟

اَلْمَفْتُوْنُ: اَلْمَجْنُوْنُ الَّذِيْ فَتَنَهُ الشَّيْطَانُ(3)۔ یعنی وہ دیوانہ جس کو شیطان نے گمراہ کر دیا ہو۔

۶ آپ کا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ راہِ حق سے کون منحرف ہو گیا اور صراطِ مستقیم پر ہمت و جوانمردی سے کون قدم بڑھاتا ہوا منزل کی طرف جا رہا ہے؟ نہ اسے اپنے آرام کا خیال ہے، نہ اسے لوگوں کی مخالفت کا اندیشہ ہے، نہ مصائب و آلام سے گھبراتا ہے، نہ طول سفر اور بُعد منزل سے دل برداشتہ ہوتا ہے۔ جب دونوں فریقوں کے حالات سے وہ واقف ہے تو وہی ان کو مناسب حال جزا بھی دے گا۔

۷ علامہ جوہری لکھتے ہیں: اَوَدُّ وَدًّا وَّ وُدًّا اَيْ تَمَنَّيْتُ (4)(صحاح) یعنی تمنا کرنا۔ اَلْاِدْهَانُ: اَلتَّلْيِيْنُ لِمَنْ لَّا يَنْبَغِيْ لَهٗ التَّلْيِيْنُ(5)۔ یعنی اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا جو ایسے برتاؤ کے قابل نہ ہو۔

کفار کی تو یہ تمنا ہے کہ آپ دعوتِ حق اور ردِّ شرک میں کچھ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی آپ کی مخالفت میں سختی ترک کر دیں گے۔ چنانچہ ان نادانوں نے نبی برحق کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آؤ اس آئے روز کی مخالفت کو چھوڑ دیں، باہم مصالحت کر لیں۔ چند روز آپ (معاذ اللہ) ہمارے خداؤں کو پوج لیا کریں اور چند روز ہم آپ کے خدائے ذوالجلال کی عبادت کر لیا کریں گے۔ اسلام اس دورنگی کو کب برداشت کر سکتا ہے؟ اس سے صاف منع کر دیا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص107
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز18، ص229۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص108
3۔ ایضاً
4۔ الصحاح، ج1، ص546
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز18، ص230

حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (۱۰) هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ (۱۱) مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ

کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چین، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا،

اَثِيْمٍ (۱۲) عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ (۱۳) اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ (۱۴)

بڑا بدکار ہے۔ اکھڑ مزاج ہے، اس کے علاوہ بداصل ہے ۸ (یہ غرور و سرکشی) اس لیے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے ۹

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (۱۵) سَنَسِمُهٗ عَلَى

جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہم بہت جلد اس کی سُونڈ پر

الْخُرْطُوْمِ (۱۶) اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اِذْ اَقْسَمُوْا

داغ لگائیں گے ۱۰ ہم نے ان (اہل مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو ۱۱ جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ

۸ ان آیات میں دس عیوب شمار کیے گئے ہیں۔ عام لوگوں میں ان عیوب میں سے دو چار کا پایا جانا تو ممکن ہے لیکن سب میں ان تمام عیوب کا بیک وقت پایا جانا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ چنانچہ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ان آیات میں ایک خاص شخص کا ذکر ہو رہا ہے جس میں یہ تمام نقائص بدرجۂ اتم موجود تھے۔ وہ شخص کون تھا؟ اس سلسلہ میں تین کافروں کا نام لیا جاتا ہے۔ ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث اور اخنس بن شریق۔ اکثر کے نزدیک ولید بن مغیرہ مراد ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی: حَلَّافٌ: كَثِيْرُ الْحَلَفِ بِالْبَاطِلِ۔ کثرت سے جھوٹی قسمیں کھانے والا۔ مَهِيْنٌ: رَجُلٌ حَقِيْرٌ۔ حقیر اور ذلیل آدمی۔ هَمَّازٌ وَالْهَامِزُ: الْعَيَّابُ۔ عیب جو۔ نکتہ چیں۔ مَشَّآءٌۭ بِنَمِيْمٍ: جو چغلی کھانے کے لیے بکثرت چلتا پھرتا رہے۔ مُعْتَدٍ: مُتَجَاوِزٌ لِّلْحَدِّ۔ حد سے تجاوز کرنے والا۔ اَثِيْمٌ: كَثِيْرُ الْاِثْمِ۔ بڑا بدکار۔ عُتُلٌّ: اَلْجَافِي الْغَلِيْظُ۔ اکھڑ مزاج۔ اَلزَّنِيْمُ: اَلْمُلْصِقُ بِالْقَوْمِ الدَّعِيُّ۔ یعنی جو اس قوم سے نہ ہو لیکن زبردستی اسے اس میں شامل کیا گیا ہو۔ (1)

۹ وہ کمینہ اور رذیل شخص بارگاہِ رسالت میں اس لیے گستاخی کی جرأت کرتا ہے کہ اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے اور اس کے بہت سے بیٹے ہیں اور جب اسے میرا رسول، میری آیتیں سناتا ہے تو بڑی بے حیائی سے کہتا ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں، پہلے لوگوں کے مَن گھڑت قصے کہانیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہماری بزم عیش و طرب کو مکدر کرنے کے لیے یہ صاحب خواہ مخواہ یہ افسانے سنانے لگتے ہیں۔

۱۰ ہم ضرور اس کی سونڈ جیسی قبیح ناک پر داغ لگا دیں گے۔ ہر دیکھنے والا اس داغدار ناک والے کو دیکھ کر سمجھ جائے گا کہ مجسم شر، مجسم شقاوت یہ صاحب ہیں۔ جنگ بدر میں اس کی تھوتھنی پر تلوار کا ایک نشان لگا جو آخر دم تک رہا۔

۱۱ رُؤسائے قریش اور سردارانِ مکہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور عداوت میں پیش پیش تھے۔ ان کے بارے میں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 34

فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے انہیں فراواں دولت بخشی ہے۔ صاحب اولاد ہیں۔ کعبہ کے متولّی ہونے کی وجہ سے اہل عرب ان کی دل سے عزت کرتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکرادا کرتے، ہمارے نبی کی دعوت کو قبول کرتے لیکن یہ لوگ اس آزمائش میں پورے نہ اُترے۔ اس امتحان میں ناکام ہوگئے۔ انہوں نے شرک کرنا شروع کردیا۔ ہمارے نبی پر طرح طرح کے آوازے کسنے لگے۔ ہمارے کلام کو اساطیر الاوّلین کہا۔ ان سے پہلے بھی کئی لوگ گزرے ہیں۔ جب ہم نے اپنے انعامات سے ان کی آزمائش کی اور وہ آزمائش میں ناکام ہوگئے تو ہم نے ان سے وہ نعمتیں یکایک سلب کرلیں اور وہ ہمیشہ کے لیے قعر مذلّت میں گرادیئے گئے۔ اگر مکہ کے یہ رئیس باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی سابقہ ناشکروں کا سا ہوگا۔ چنانچہ ایک ایسی ہی جماعت کا ذکر کیا جارہا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یمن میں صنعاء کے قریب ایک نیک آدمی رہتا تھا۔ اس نے اپنی زمین میں باغ لگا رکھا تھا(1)۔ وہ اس باغ سے بڑی دریا دلی سے غریبوں مسکینوں کی خدمت کیا کرتا۔ وہ فوت ہوگیا اور اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑ گیا۔ بدقسمتی سے ان کے ذہن مادیت گزیدہ تھے۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ والد صاحب کے زمانے میں مال بافراط تھا اور اخراجات برائے نام تھے۔ اب ہم تین ہیں۔ ہمارا کثیر بال بچہ ہے۔ اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ آمدنی وہی سابقہ ہے۔ اب اس کے بغیر چارہ نہیں کہ خیرات وصدقات کا جو دروازہ ہمارے والد صاحب نے کھول رکھا تھا اسے بند کردیا جائے۔ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ان مفت خوروں میں نہ لٹائی جائے۔ ورنہ افلاس وغربت کی دلدل میں پھنس جاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا یہ معمول بنالیا کہ فصل بہت سویرے اندھیرے میں برداشت کرتے جبکہ کسی سائل کے آنے کا کوئی امکان بھی نہیں ہوتا تھا۔

ایک دفعہ ان کے باغ کا پھل پک کر تیار ہوگیا۔ انہوں نے اس کو کاٹنے کا پروگرام بنایا۔ رات کو مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ منہ اندھیرے جائیں گے اور سویرے سویرے پھل توڑ لیں گے۔ انہوں نے ان شاء اللہ کہنا بھی گوارا نہ کیا۔ جن کی آنکھ پہلے کھلی، انہوں نے سونے والوں کو جگایا اور جلدی جلدی اپنے باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں چپکے چپکے ایک دوسرے کو تاکید کرنے لگے کہ دیکھو آج تمہارے باغ میں کوئی غریب مسکین داخل نہ ہونے پائے۔ یہ لوگ خواہ مخواہ تنگ کرتے ہیں۔ مفت میں جھولیاں بھر کرلے جاتے ہیں۔ اس سے ہمیں بڑا نقصان ہوتا ہے۔ جب باغ کے قریب پہنچے تو وہاں منظر ہی اور تھا۔ ہرے بھرے درختوں اور پھلوں سے لدی پھندی ٹہنیوں کے بجائے سیاہ ٹُنڈ مُنڈ دکھائی دیئے جیسے کسی نے باغ کو جلا کر راکھ کردیا ہو۔ پہلے کچھ ٹھٹکے۔ خیال گزرا ہم راہ بھول گئے ہیں اور غلطی سے کسی اور جگہ پہنچ گئے ہیں، لیکن جب غور سے دیکھا تو چیخ نکل گئی۔ ہائے ہماری قسمت پھوٹ گئی! ہمارا باغ برباد ہوگیا۔ ان میں سے جو قدرے سیانا تھا اس نے کہا کہ میں تو تمہیں بار بار نصیحت کرتا تھا کہ اللہ عزوجل کی حمد وتسبیح کرو، اس کے دیئے ہوئے رزق میں سے غریبوں اور مسکینوں کو خوشی خوشی ان کا حق دو، لیکن تم نے میری ایک نہ مانی۔ اب چکھو اپنے کیے کا مزا۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تیرے غلط مشورے نے ہمیں اس انجام سے دوچار کیا ہے۔

ان آیات کے وضاحت طلب کلمات: **لَا يَسْتَثْنُوْنَ**: انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا۔ **طَآئِفٌ** سے مراد عذاب الٰہی ہے جو راتوں رات آیا اور ان کے ہرے بھرے باغ کو خاکِ سیاہ کرگیا(2)۔ **صَرِيْمٌ** کے کئی معانی مذکور ہیں۔ **اَلصَّرِيْمُ اَلْكُدْسُ الْمَصْرُوْمُ مِنَ الزَّرْعِ**(3)۔ کٹی ہوئی فصل کا گٹھا۔ **صَرِيْم**: **اَلرَّمَادُ الْاَسْوَدُ**(4)۔ سیاہ راکھ۔ ریت کا وہ ڈھیر الگ کردیا گیا ہو۔

1- روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز29، ص30-29　2- ایضاً، جز29، ص30　3- المنجد، ص423　4- تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز18، ص242

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ⑰ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ⑱ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ

ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے ۔ اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس چکر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا

مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ⑲ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ⑳ فَتَنَادَوْا

آپکے رب کی طرف سے دراں حالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے

مُصْبِحِيْنَ ۙ㉑ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ㉒

کو ندا دی صبح سویرے ۔ کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ㉓ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ

سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر

مِّسْكِيْنٌ ۙ㉔ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ㉕ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا

کوئی مسکین اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں ١٢ے پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالباً) ہم

لَضَآلُّوْنَ ۙ㉖ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ㉗ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ

راستہ بھول گئے۔ نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی ۔ ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں

لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ㉘ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ㉙

کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

١٢ے اس کی تشریح توجہ طلب ہے۔ حَرْد کا معنی قصد، ارادہ ہے (1)۔ یعنی انہوں نے جو یہ ارادہ کیا تھا کہ آج کسی غریب کو باغ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور باغ کا پھل کاٹیں گے وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ جو ارادہ اور قصد ہم نے کیا ہے ہم اس کو عملی جامہ پہنانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اَوْسَطُهُمْ کا معنی یا تو منجھلا بھائی ہے یا اَعْقَلُهُمْ: ان میں سب سے زیادہ زیرک اور عقل مند ہے (2)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 242

2۔ ایضاً، ج 18، ص 244

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا

پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے ۔ کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم

كُنَّا طٰغِیْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا

ہی سرکش تھے ۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں (اس کا) بدلہ دے گا جو بہتر ہوگا اس سے ہم (اب) اپنے رب کی طرف

رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

وقف لازم

رجوع کرنے والے ہیں ۱۳ (دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب ۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے ۱۴ کاش! یہ لوگ

یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۳۴﴾

ع ۳۴ ۲

(اس حقیقت کو) جانتے ۔ بے شک پرہیزگاروں کے لیے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں ۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ ؕ مَا لَكُمْ ٚ وقفة كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ج

کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں گے ۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ تم کیسے فیصلے کرتے ہو ۱۵

۱۳ جب انہوں نے اپنے باغ کی یہ حالت دیکھی تو غفلت کی پٹی، آنکھوں سے اتر گئی۔ انہیں یقین آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے سے نقصان نہیں ہوتا بلکہ اس کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے انسان اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ وہ صدقِ دل سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہوئے۔ اس کریم نے ان کی توقع سے بھی زیادہ اور بہت جلد انہیں اس کا نعم البدل عطا فرما دیا۔

۱۴ كَذٰلِكَ: مبتدائے مؤخر کی خبر ہے (1)۔ یعنی جو شکر نہیں کرتا دنیا میں ہم اس کو یوں سزا دیتے ہیں۔ کفرانِ نعمت پر جو عذاب انہیں قیامت کے دن ملے گا اس کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۱۵ کفار، اہل ایمان کو کہا کرتے کہ تم ہمیں قیامت سے خواہ مخواہ ڈرایا کرتے ہو۔ پہلے تو قیامت کا آنا ہی عقلاً محال ہے اور اگر بالفرض قیامت آ بھی گئی تو اس سے تم کو ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے انعامات، دولت، عزت، شہرت، اولاد وغیرہ سے ہمیں یہاں نوازا ہے، وہاں بھی ہمیں ہی اپنی رحمتوں سے سرفراز کرے گا اور جس طرح تم یہاں محرومی اور عسرت کی زندگی بسر کر رہے ہو، قیامت کے روز بھی تمہارا یہی حال ہوگا۔ ان کے اس زعمِ باطل کی تردید کی جا رہی ہے۔ تمہارا یہ خیال سراسر جہالت اور حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی تو نہیں کہ فرمانبردار اور نافرمان میں امتیاز ہی نہ کرے کہ جو لوگ ساری عمر اس سے ڈرتے رہے، اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے، انہیں تو وہ اپنی مہربانیوں سے محروم کر دے اور فاسقوں، فاجروں کو ان کے کفر اور کفرانِ نعمت کی یہ جزا دے کہ انہیں

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص38

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو کہ تمہارے لیے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو۱۶ کیا

لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا

تمہارے لیے قسمیں ہم پر (لازم) ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم

تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ ۚ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ ۛ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۛ

۵ مع

حکم کرو گے۔ ان سے پوچھیے ان میں سے کون ان (بے سروپا) باتوں کا ضامن ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی گواہ ہیں

فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ

اگر ہیں تو پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو۱۷ اگر وہ سچے ہیں۔ جس روز پردہ اٹھایا جائے گا

سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ ۙ خَاشِعَةً

ایک ساق سے تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۱۸ ندامت سے جھکی ہوں گی

جنت میں داخل کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں انصاف ہے، دھاندلی اور اندھیرا نہیں۔ کیا تمہاری عقلیں، تمہارے اس گمان کی تصدیق کرتی ہیں کہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے، کتنے نامعقول فیصلے تم کر رہے ہو۔

۱۶ تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل تو ہے نہیں جس سے اس زعم باطل کی تصدیق ہو سکے۔ تمہارے پاس اگر کوئی نقلی دلیل ہے تو وہ پیش کرو۔ کیا کسی آسمانی کتاب کا حوالہ پیش کر سکتے ہو جہاں لکھا ہو کہ فرمانبرداروں اور سرکشوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے گا؟ یا اس کتاب میں کہیں یہ لکھا ہوا دکھا دو کہ بارگاہِ الٰہی سے تمہیں صرف وہی چیزیں ملیں گی جو تم پسند کرو گے۔ جب تمہارے پاس نہ عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی تو پھر تم کس بنا پر اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہو؟

۱۷ ابھی یہ احتمال باقی تھا کہ وہ کہیں کہ زبانی زبانی ہمارے ساتھ خدا کے عہد و پیمان ہو چکے ہیں کہ وہ ہمیں کوئی عذاب نہ دے گا۔ اس احتمال کو بھی یہ فرما کر ختم کر دیا کہ اگر کوئی ایسا باہمی معاہدہ طے پا چکا ہے تو کوئی ضامن پیش کرو یا گواہ لاؤ جس کے روبرو یہ معاہدہ ہوا۔ اَلزَّعِيْمُ: اَلْكَفِيْلُ وَالضَّمِيْنُ۔ کفیل اور ضامن۔ شُرَكَاءُ اَیْ شُهَدَاءُ: گواہ۔ (قرطبی) (1)

۱۸ جب کوئی سخت تکلیف دِہ اور مصیبت کا وقت آ جاتا ہے تو اہل عرب یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ جب گھمسان کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں: شَمَّرَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقِهَا (2)۔ جنگ نے اپنی پنڈلی سے تہبند اوپر اٹھا لیا۔ راجز کہتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 48-247

2۔ ایضاً، جز 18، ص 248

أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ

ان کی آنکھیں ان پر ذلّت چھارہی ہوگی۔ حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف

وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۖ

جبکہ وہ صحیح سلامت تھے ۱۹؎ پس (اے حبیب!) آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے ۲۰؎

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَأُمْلِيْ لَهُمْ ۖ إِنَّ

ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا ۲۱؎ اور میں نے (سردست) انہیں مہلت دے رکھی ہے۔

قَدْ كَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا فَشُدُّوْا وَجَدَّتِ الْحَرْبُ بِكُمْ فَجِدُّوْا (1)

اے بہادرو! لڑائی نے اپنی پنڈلی ننگی کردی ہے تو سب زور سے حملہ کرو۔ جنگ زوروں پر ہے۔ اب تم بھی سنجیدگی سے دادِ شجاعت دو۔

جس سال قحط انتہا کو پہنچ جائے اس کا ذکر یوں کرتے ہیں: فِیْ سَنَةٍ قَدْ كَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا۔ یہ اس سال کی بات ہے جس نے اپنی پنڈلی ننگی کردی۔ اس محاورہ کے مطابق آیت کا معنی ہوگا: روزِ قیامت جب حالات بڑے تکلیف دِہ اور ہولناک ہو جائیں گے اور ہر شخص جلالِ خداوندی سے لرزہ براندام ہوگا، چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی، دل خوف سے دھڑک رہے ہوں گے، اس وقت لوگوں کے ایمان یا کفر، خلوص یا نفاق کو آشکارا کرنے کے لیے انہیں حکم دیا جائے گا کہ آؤ سب اپنے رب کو سجدہ کرو۔ جن کے دلوں میں ایمان اور اخلاص ہوگا وہ تو فوراً سربسجود ہوجائیں گے، لیکن کافر اور منافق بہت زور لگائیں گے کہ سجدہ کریں اور خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہوجائیں، لیکن ان کی کمر اکڑ جائے گی، بڑی کوشش کے باوجود سجدہ نہ کرسکیں گے۔ اس رسوائی پر آنکھیں جھک جائیں گی۔ سب کے سامنے ان کے کفر و نفاق کو ظاہر کردیا گیا۔ ان کے کھوکھلے دعووں کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا۔ ذلت و رسوائی کی گرد اُن کے چہروں پر پڑ رہی ہوگی۔

۱۹؎ آج وہ سجدہ کرنے سے کیوں محروم کردیئے گئے؟ اس کی وجہ بتادی کہ جب دنیا میں وہ صحیح وسالم تھے انہیں کہا گیا کہ سجدہ کرو، لیکن سجدہ کی توفیق نہ ہوئی، اسی حکم عدولی کی پاداش میں آج ان سے سجدہ کرنے کی قوت سلب کرلی گئی ہے۔

۲۰؎ اے محبوب! آپ انہیں میرے حوالے کردیجیے، میں ان سے نپٹ لوں گا۔ آپ کو ان کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔

۲۱؎ بسااوقات انسان غلطی کرتا ہے تو اسے کسی تکلیف میں مبتلا کردیا جاتا ہے جس سے اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ توبہ کرلیتا ہے لیکن بعض بدکاروں کے ساتھ عجیب طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ وہ جتنے گناہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم کی جناب میں جتنی گستاخیاں اور بےادبیاں کرتے ہیں، ان کی دولت، ان کی شہرت، ان کی عزت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ کمبخت اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ جو کچھ وہ کررہے ہیں یہ عین صواب ہے۔ یہاں تک کہ موت کا فرشتہ ان کو موت کا جام پلادیتا ہے۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں تو اپنے آپ کو وہ عذابِ الٰہی میں گرفتار پاتے ہیں۔ مجرموں اور نابکاروں کے ساتھ اس قسم کے سلوک کو قرآن کریم نے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 248

كَيْدِىْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ ج

میری (خفیہ) تدبیر بڑی پختہ ہے ۲۲ کیا آپ ان سے کچھ اُجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان (کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ

کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں ۲۳ پس انتظار فرمایئے اپنے رب کے حکم کا اور

لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ ط لَوْلَآ اَنْ

وقف لازم

نہ ہو جایئے مچھلی والے کی مانند ۲۴ جب اس نے پکارا اور وہ غم واندوہ سے بھرا ہوا تھا ۲۵ اگر اس کی

استدراج کہا ہے۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں: نُسْبِغُ عَلَيْهِمُ النِّعَمَ وَنُنْسِيهِمُ الشُّكْرَ (1)۔ یعنی ہم ان پر پے در پے نعمتیں کرتے ہیں اور شکر کرنا انہیں فراموش کرا دیتے ہیں۔ ابو ورق کہتے ہیں: اَىْ كُلَّمَا اَحْدَثُوْا خَطِيْئَةً جَدَّدْنَا لَهُمْ نِعْمَةً وَاَنْسَيْنَاهُمُ الْاِسْتِغْفَارَ (2)۔ جب وہ کوئی نئی خطا کرتے ہیں ہم ان کو نئی نعمت بخش دیتے ہیں اور استغفار کی توفیق سلب کر لیتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی بدکار نے کہا: يَا رَبِّ كَمْ اَعْصِيْكَ وَاَنْتَ لَا تُعَاقِبُنِىْ (3)۔ یا اللہ! میں تیری کتنی نافرمانی کرتا ہوں اور تو مجھے سزا ہی نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کو وحی کی کہ اس احمق سے کہو کہ میں نے تو تمہیں کئی سزائیں دی ہیں لیکن تمہیں ان کا شعور نہیں۔ اِنَّ جُمُوْدَ عَيْنِكَ وَقَسَاوَةَ قَلْبِكَ اِسْتِدْرَاجٌ مِّنِّىْ وَعُقُوْبَةٌ لَّوْ عَقَلْتَ (4)۔ اگر تجھے عقل ہوتی تو تیری آنکھوں کا آنسوؤں سے محروم ہو جانا اور تیرے دل کا سخت ہو جانا بہت بڑی سزا ہے اور میری طرف سے استدراج ہے۔

۲۲ گناہوں کے باوجود یہ لوگ دندناتے پھر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ اچھے کام کر رہے ہیں اور ہم ان سے خوش ہیں اور نہ یہ بات ہے کہ یہ ہمارے قابو سے باہر ہیں اور ہم ان کو سزا نہیں دے سکتے۔ درحقیقت ہم نے انہیں کچھ عرصے کے لیے ڈھیل دے رکھی ہے کہ جی بھر کر گناہ کر لو۔ جب ہم پکڑیں گے تو ان کی کیا مجال کہ کہیں بھاگ سکیں۔ اس وقت پکڑ کر شکنجہ میں کس دیئے جائیں گے۔

۲۳ بظاہر خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے، لیکن مقصد ان منکرین سے پوچھنا ہے کہ تم جو میرے رسول کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتے، بڑی کراہت اور ناگواری کا اظہار کرتے ہو، کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا نبی تم سے کچھ مانگتا ہے جس کی وجہ سے تم بوجھل بوجھل رہتے ہو یا تمہارے پاس غیب سے کوئی اطلاع آئی ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ نہیں۔ اگر کچھ نہیں تو پھر تمہارے بدکنے اور بھاگنے کی وجہ کیا ہے؟

۲۴ کفار کی ایذا رسانیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دیتے ہیں کہ آپ صبر کریں اور اپنے رب کے فیصلے کا انتظار کریں۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ ان منکرین کے ساتھ کس وقت، کس قسم کا سلوک کرنا چاہیے۔ آپ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیں کہ جنہوں نے ہمارے حکم کا انتظار کیے بغیر اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی اور ان پر عذاب نازل ہونے میں عجلت کی۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۂ یونس آیت نمبر ۹۸ کا حاشیہ، سورۂ انبیاء کی آیات

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 251
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً، ج 18، ص 252

تَدٰرَكَهٗ نِعۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ وَهُوَ مَذۡمُوۡمٌ ﴿۴۹﴾

چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان میں دراں حال کہ اس کی مذمت کی جاتی ۲۶

فَاجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنۡ يَّكَادُ الَّذِيۡنَ

پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے ۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ

كَفَرُوۡا لَيُزۡلِقُوۡنَكَ بِاَبۡصَارِهِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكۡرَ وَيَقُوۡلُوۡنَ

کفار پھسلا دیں گے آپ کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن ۲۷ اور وہ کہتے ہیں کہ

۸۷۔ ۸۸ کے حواشی، الصافات آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸ کے حواشی)

۲۵ جب یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تو وہاں آپ نے اپنے رب کے حضور میں فریاد کی۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ۖ اِنِّیۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ۔ (1)

۲۶ اگر اللہ تعالیٰ ان کی اس دعا کو قبول نہ فرماتا اور اس کی شانِ رحمت ان کی چارہ سازی نہ کرتی تو جب ان کو مچھلی نے چٹیل میدان میں اُگل دیا تو ان کی یہ کیفیت ہوتی کہ لوگ ان پر الزام لگاتے اور ملامت کرتے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری کی اور ان کو اپنے لیے منتخب کر لیا تو اب وہ قابل الزام اور لائق مذمت نہ رہے۔ فَنَبَذۡنٰهُ بِالۡعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيۡمٌ (2)۔ یعنی جب ان کو کھلے میدان میں ڈالا گیا تو وہ بیمار تھے۔ یعنی مذموم نہیں تھے۔

۲۷ کفار کے دلوں میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغض و عناد کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ خصوصاً اس وقت تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم پڑھ کر سنا رہے ہوتے اور وہ ایسی غضبناک نظروں سے گھور گھور کر دیکھتے۔ یوں محسوس ہوتا کہ اگر ان کا بس چلے تو کچا چبا جائیں اور آپ کی شمع حیات کو بجھا کر رہیں۔ ان کی اسی ناپسندیدہ ادا کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ علامہ زمخشری لَيُزۡلِقُوۡنَكَ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يَعۡنِیۡ اَنَّهُمۡ مِّنۡ شِدَّةِ تَحۡدِيۡقِهِمۡ وَنَظۡرِهِمۡ اِلَيۡكَ الشَّزۡرَاءَ بِعُيُوۡنِ الۡعَدَاوَةِ وَالۡبَغۡضَاءِ يَكَادُوۡنَ يُزِلُّوۡنَ قَدَمَكَ اَوۡ يُهۡلِكُوۡنَكَ مِنۡ قَوۡلِهِمۡ نَظَرَ اِلَیَّ نَظۡرًا يَّكَادُ يَصۡرَعُنِیۡ وَيَكَادُ يَاۡكُلُنِیۡ (3)۔ یعنی عداوت اور بغض بھری آنکھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں ٹکٹکی باندھ کر اور گھور گھور کر دیکھتے گویا وہ حضور کو اپنی جگہ سے پھسلا دینا چاہتے ہیں یا ہلاک کر دینا چاہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ فلاں نے میری طرف اس طرح دیکھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ مجھے گرا دیتا یا کھا جاتا۔ اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ آپ کو اپنی نظرِ بد سے تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں۔

بنی اسد قبیلہ میں کئی آدمی تھے جن کی نظر بد کبھی خطا نہ جاتی۔ اگر وہ کسی شخص کو یا کسی جانور کو ہلاک کرنا چاہتے تو تین دن فاقہ کرتے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص42

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص45

3۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج4، ص597

ع ۲ ۱۹ ۴

اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۵۲﴾ ع

یہ تو مجنون ہے۔ حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لیے وجہ عزّ و شرف ۲۸

اور پھر اس چیز کے پاس آکر کہتے کہ کتنی خوبصورت اور عمدہ چیز ہے۔ ایسی چیز تو آج تک ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ اتنا کہنے کی دیر ہوتی کہ وہ چیز تڑپنے لگتی اور تھوڑی دیر کے بعد دم توڑ دیتی۔ اگر کوئی موٹی تازہ گائے یا اونٹنی ان کے پاس سے گزرتی اور اس کو وہ نظرِ بد لگا دیتے (1) تو اسی وقت اپنی لونڈی کو کہتے کہ ٹوکری اٹھاؤ، پیسے لو اور اس گائے کا گوشت خرید لاؤ۔ تھوڑی دیر بعد پتہ چلتا کہ وہ جانور ذبح کر دیا گیا ہے۔ قریش نے بنی اسد میں سے کسی ایسے نظر باز کی خدمات حاصل کیں اور اسے اس امر کے لیے مقرر کیا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی نظرِ بد سے گزند پہنچائے۔ لیکن جس کا نگہبان خداوندِ رحمت ہو، یہ ہتھکنڈے اسے کیا اذیت پہنچا سکتے ہیں؟

علامہ ابن کثیر نے یہاں متعدد احادیث لکھی ہیں جن سے ثابت کیا ہے کہ نظرِ بد کا اثر ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں نواسوں سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو یہ کلمات پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّآمَّةٍ۔ (2)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے دونوں صاحبزادوں اسماعیل اور اسحاق علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ پڑھ کر دم کیا کرتے۔ حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جس کو نظرِ بد سے تکلیف پہنچے یہ آیت پڑھ کر اسے دم کیا جائے۔

۲۸ کفار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجنون کہتے تھے۔ ان کے اس الزام کی ابتدا میں بھی تردید کی اور آخری آیت میں بھی اس کا بطلان کیا۔ کہا جا رہا ہے کہ میرا رسول تو سارے جہانوں کے لیے سراپا نصیحت اور باعثِ صد عزّ و شرف ہے۔ اسے مجنون کہنے کی کون جرأت کر سکتا ہے؟ اس کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس کی باتیں سن کر دل میں اس کی محبت کی شمع فروزاں ہو جاتی ہے۔ وَقِيْلَ الضَّمِيْرُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَوْنُهٗ مُذَكِّرًا وَّشَرَفًا لِّلْعٰلَمِيْنَ لَارَيْبَ فِيْهِ (روح المعانی) (3) بعض کے نزدیک ھُوَ کا مرجع قرآن کریم ہے اور اس کے مذکّر ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں۔

OOOOOOOOO

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ عَلٰى مَا وَفَّقْتَنِيْ لِخِدْمَةِ هٰذَا الْكِتَابِ الْمَجِيْدِ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى حَبِيْبِكَ وَنَبِيِّكَ وَصَفِيِّكَ وَنَجِيِّكَ مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَاَصْحَابِهِ الْاَكْرَمِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهٗ وَاَحَبَّهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 597

2۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الطب، ما عوذ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وما عوذ بہ، ص 260

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 29، ص 39

تعارف سُورۃ الحاقہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام ''الحاقہ'' ہے۔ اس میں دو رکوع، باون آیتیں، دو سو چھپن کلمات اور ایک ہزار چار سو تیئس حروف ہیں۔

نزول: علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے مُسند امام احمد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں یہ نیت کر کے گھر سے نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جا کر پریشان کروں گا اور جس طرح بن پڑا اُن کا دل دکھاؤں گا۔ لیکن میرے پہنچنے سے پہلے حضور حرم میں داخل ہو چکے تھے اور نماز کی نیت باندھ لی تھی۔ یہ جاننے کے لیے کہ آپ کیا پڑھتے ہیں، میں قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت حضور سورۃ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میں اس کلامِ بلاغت نظام کو سن کر حیران و ششدر ہوتا جا رہا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ بخدا! آپ بڑے باکمال شاعر ہیں۔ اسی وقت حضور نے یہ آیت تلاوت کی۔ وَمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍؕ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ (یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے تم بہت کم ایمان لے آتے ہو۔) میرے دل میں گزرا کہ کاہن ہیں۔ میرے دل کے خیالات پر آگاہ ہو گئے ہیں۔ فوراً حضور نے یہ آیت پڑھی: وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ (یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں تم بہت کم غور کرتے ہو۔) حضرت عمر کہتے ہیں یہ سورت سن کر اسلام میرے دل کے رگ و ریشہ میں سما گیا۔ (1)

اس روایت سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہ سُورت مکّہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی جب کہ حضرت عمر ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ اس سورت کے سننے سے آپ کے دل میں اسلام کی عظمت کا پہلا نقش ثبت ہوا، جو رفتہ رفتہ پختہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ بہن اور بہنوئی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس نے تمام پَردے چاک کر دیئے اور آپ ایمان قبول کرنے کے لیے کشاں کشاں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔

ع گاہ بہ حیلہ می بُرد گاہ بہ زور می کشد (اقبال)

مضامین: حلف اُٹھا کر بیان کیا کہ قیامت ضرور واقع ہوگی۔ ساتھ ہی ثمود، عاد اور فرعون کا تذکرہ فرمادیا جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے عمر بھر سرکشی اور طغیانی کا راستہ اختیار کیے رہے جس کا نتیجہ انکی عبرتناک تباہی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیدۂ قیامت، افراد اور اقوام کی اصلاح میں کتنا مؤثر کردار انجام دیتا ہے۔

آیات ۱۳ تا ۱۷ میں قیامت کے روز برپا ہونے والے ہولناک حادثات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ آیت ۱۸ سے لے کر آیت ۳۷ تک میں یہ بتایا کہ جو لوگ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے پروردگار کے رُوبرو پیش کیے جائیں گے اور ان کا محاسبہ

1۔ روح المعانی، جز 29، ص 39

ہوگا اُن کو اس روز ان کا صحیفۂ عمل ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ان کی بڑی عزت وتکریم کی جائے گی۔ اور جو لوگ وقوعِ قیامت کے منکر تھے اور ساری عمر ہر قسم کی باز پُرس سے بے نیاز ہو کر دادِ عیش دیتے رہے ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں پکڑائیں گے۔ اُس وقت اُن کی حسرت اور ندامت قابلِ دید ہوگی۔ اور ان کے ساتھ جو خوفناک برتاؤ کیا جائے گا اس کا ذکر سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

دوسرے رکوع میں یہ بتایا کہ قرآنِ کریم کسی شاعر کی نغز بیانی اور قادر الکلامی کا کرشمہ نہیں اور نہ کسی کاہن کی تک بندی اور ہرزہ سرائی کا نتیجہ ہے بلکہ اس کو رب العٰلمین نے اپنے رسولِ کریم پر نازل فرمایا ہے۔ میرے رسول کی یہ مجال نہیں کہ اپنی طرف سے کچھ گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دے۔ (بفرضِ محال) اگر وہ اس سنگین جرم کا ارتکاب کرے گا تو اس وقت اس کی رگِ دل کاٹ کر رکھ دی جائے گی۔

سنٹرل جیل سرگودھا

۱۷۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثِنْتَانِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الحاقہ مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں ۵۲ آیات ۲ رکوع ہیں

اَلْحَآقَّةُ ① مَا الْحَآقَّةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ③ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

وہ ہو کر رہنے والی ۱؎ کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی ۲؎ اور اے مخاطب تم کیا سمجھو وہ ہو کر رہنے والی کیا ہے ۳؎ جھٹلایا ثمود اور

وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ④ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ⑤ وَاَمَّا عَادٌ

عاد نے ٹکرا کر پاش پاش کرنے والی کو ۴؎ پس ثمود، تو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے ۵؎ رہے عاد

۱؎ اس سے مراد قیامت ہے۔ یہ حَقَّ سے اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔ حَقَّ کا معنی ہے کسی چیز کا متحقّق ہو جانا۔ پایا جانا۔ قیامت کو الحاقہ کہنے کی متعدد وجوہات ہیں۔ یا تو اس لیے کہ اس کا پایا جانا ایک مسلّمہ صداقت اور اٹل حقیقت ہے جس میں قطعاً کوئی شک نہیں، یا اس لیے کہ اس میں تمام تصفیہ طلب امور کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی، یا اس لیے کہ اس روز سزا و جزا کا تحقق ہوگا۔ (مظہری) (1)

۲؎ جب اہلِ عرب کسی اہم چیز کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو بسا اوقات مخاطب سے کچھ سوال پوچھتے ہیں تا کہ وہ ہوشیار ہو جائے اور پورے دھیان سے بات کو سنے۔ اِلْاِسْتِفْهَامُ لِتَفَخُّمِ شَاْنِهَا۔ (مظہری) (2)

۳؎ یہ سوال قیامت کی ہولناکی کا تصوّر ذہن نشین کرانے کے لیے پوچھا جا رہا ہے کہ قیامت اتنی ہولناک اور خوفناک ہوگی کہ تمہاری عقلیں اس کی ہولناکی کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ یہ ان کی رسائی سے ماوراء ہے۔

۴؎ یہ بتانے سے پہلے کہ جب یہ "ہو کر رہنے والی" برپا ہوگی، اس وقت کیا حالات ہوں گے؟ مختلف اقوام کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا؟ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ قیامت پر ایمان لانا ابدی فلاح کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کی اصلاح کا دار و مدار اس کو صدقِ دل سے ماننے پر ہے۔ جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آ جاتے ہیں، اس کی یاد میں بڑے شوق سے محو رہتے ہیں۔ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، جن کے نزدیک قبر کا تاریک اور خاموش گڑھا، کاروانِ حیات کی آخری منزل ہے، وہ قدم قدم پر پھسلتے ہیں۔ ہر موڑ پر لپکتے ہیں۔ نفس امارہ کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑتے ہیں۔ اس کا نتیجہ خدا کا غضب اور اس کا انجام مکمل تباہی ہے۔ عاد و ثمود کی بربادی کا ذکر کیا اور وجہ یہ بتائی کہ وہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے، اس لیے راہ راست سے بھٹک گئے۔

اَلْقَارِعَةُ: اس سے مراد بھی قیامت ہے۔ قَرْعٌ کا معنی ہے ایک سخت چیز کو دوسری چیز سے ٹکرانا (3)۔ اَلْقَرْعُ: ضَرْبُ الشَّیْءِ الصَّلْبِ وَالنَّقْرُ عَلَیْهِ بِشَیْءٍ مِّثْلِهٖ (4)۔ کیونکہ جب قیامت برپا ہوگی، نظامِ کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا، سیارگان آپس میں ٹکرائیں گے اور اس ٹکر سے زہرہ گداز آوازیں پیدا ہوں گی، اس لیے اس دن کو ہی القارعۃ کہہ دیا۔ قیامت کے کئی نام ہیں۔ اَلطَّآمَّةُ، اَلصَّآخَّةُ، اَلْوَاقِعَةُ، اَلْقَارِعَةُ (5) وغیرہا۔ یہ نام قیامت کی مختلف صفات اور کیفیات پر دلالت کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص48

2۔ ایضاً

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز18، ص257

4۔ تفسیر مغربی، ج29، ص67

5۔ ایضاً، ج29، ص66

فَأُهۡلِكُوا بِرِيحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٍ ⑥ سَخَّرَهَا عَلَيۡهِمۡ سَبۡعَ لَيَالٍ

تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تُند تھی۔ اللہ نے مسلّط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات

وَثَمَٰنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الۡقَوۡمَ فِيهَا صَرۡعَىٰ كَأَنَّهُمۡ

اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قومِ عاد کو ان دنوں کہ وہ گرے پڑے ہیں ۶ گویا وہ

۵ ثمود اور عاد پر تفصیلی حواشی ضیاء القرآن سورۃ الاعراف نیز ضیاء القرآن سورۂ ہود اور الشعراء میں ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے ثمود کی ہلاکت کا ذکر کیا۔ بتایا کہ ثمود کو طَاغِيَه سے ہلاک کیا گیا۔ یہ طَغٰی سے مشتق ہے (1)۔ اس کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا (2)۔ اس کی جو شکل بھی تھی وہ شدت اور عنف میں تمام حدوں سے آگے نکلی ہوئی تھی۔ اس کے لیے مختلف مقامات پر صَيۡحَة (کڑک) رَجۡفَة (زلزلہ) صَاعِقَة (گرج) (3) کے الفاظ مذکور ہیں جو عذاب کی مختلف حالتوں کو بیان کرتے ہیں۔ ان میں تضاد نہیں۔

۶ عاد کو جھکڑ چلا کر ہلاک کیا گیا۔ اس جھکڑ کی کئی صفات ذکر کی گئی ہیں۔ اِسے صَرۡصَر، عَاتِيَه اور حُسُوۡمًا سے موصوف کیا گیا ہے۔ ان الفاظ کے معانی پر غور فرمائیے تا کہ اس عذاب کی قہرمانیوں کا آپ کچھ اندازہ کر سکیں۔ صَرۡصَر: قَالَ الۡاَزۡهَرِيُّ شَدِيۡدُ الۡبَرۡدِ جِدًّا وَّقِيۡلَ شَدِيۡدُ الصَّوۡتِ۔ (لسان) (4) ازہری کہتے ہیں اس کا معنی سخت ٹھنڈی ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ہوا جس میں بہت شور ہو۔ عَاتِيَةٌ: عَتَا عُتُوًّا۔ اِسۡتَكۡبَرَ وَتَجَاوَزَ الۡحَدَّ (5)۔ یعنی عاتیہ۔ عَتَا يَعۡتُوۡ سے اسم فاعل ہے۔ اس کا معنی ہے تکبّر کرنا، حد سے تجاوز کرنا۔ **حُسُوۡمًا**: علامہ راغب کہتے ہیں: اَلۡحَسۡمُ: اِزَالَةُ اَثَرِ الشَّيۡءِ يُقَالُ قَطَعَهٗ فَحَسَمَهٗ اَيۡ اَزَالَ مَادَّتَهٗ۔ فِي الۡاٰيَةِ حُسُوۡمًا قِيۡلَ حَاسِمًا اَثَرَهُمۡ۔ قِيۡلَ حَاسِمًا خَبَرَهُمۡ (مفردات) (6) یعنی کسی چیز کا نام و نشان مٹا دینا، کسی کے مادہ کو نابود کر دینا۔ آیت میں اس کا یہی معنی ہے کہ اس آندھی نے ان کا نام و نشان مٹا دیا، ان کی خبر کے حروف محو کر دیئے۔ مقصد یہ ہے کہ عاد پر ہمارا عذاب ایسی آندھی کی صورت میں نازل ہوا جو حد درجہ ٹھنڈی تھی، اس میں حد سے بڑھی ہوئی تندی اور سرکشی تھی جس نے ان کے تناور پیڑوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ ان کے پختہ مکانات کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہنے دیا۔ یہ سلسلہ ایک پہر، ایک دن نہیں رہا بلکہ پوری سات راتیں اور آٹھ دن آندھی لگاتار چلتی رہی۔ ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ٹھہری اور نہ اس کی تندی میں کمی آئی۔ خود سوچیے، اگر پچاس ساٹھ میل کی رفتار سے ایک گھنٹہ بھر طوفان چلے، تو کیا تباہی مچتی ہے اور جہاں ایک سو اسّی (۱۸۰) گھنٹے تک یہ محشر خیز، یخ بستہ تیز آندھی چلی ہوگی کیا وہاں زندگی کا نشان تک بھی باقی رہا ہوگا؟ وہ صحت مند قوم جو قد و قامت میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتی تھی، جب ہوا کے تیز جھونکوں نے ان کے لمبے تڑنگے جسموں کو زمین پر دے مارا ہوگا تو اس نے ان کا خون اور جسم کی تازگی بھی چاٹ لی ہوگی اور کھجور کے بوسیدہ مُڈھوں کی طرح راکھ بنے پڑے ہوں گے۔

صاحب لسان العرب نے **حُسُوۡمًا** کی تشریح کرتے ہوئے لکھا: هِيَ الۡمُتَوَالِيَةُ : قَالَ ابۡنُ سِيۡدِهٖ اُرَاهُ الۡمُتَوَالِيَةَ فِي الشَّرِّ خَاصَّةً (7)۔ یعنی **حُسُوۡمًا** کا معنی ہے لگاتار، مسلسل۔ ابن سیدہ کہتے ہیں: وہ تسلسل جو بُرے اور شر انگیز کاموں میں ہو اس کو **حُسُوۡمًا** کہتے

1۔ المنجد، ص 467 2۔ ایضاً 3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 131 (ماخوذ) 4۔ لسان العرب، ج 4، ص 450
5۔ القاموس المحیط، ج 2، ص 1716 6۔ مفرداتِ راغب، ص 235 7۔ لسان العرب، ج 12، ص 134

اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ⑦ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ⑧ وَجَآءَ

ٹُنڈ ہیں کھوکھلی کھجور کے۔ کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد ۷ اور

فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ⑨ فَعَصَوْا رَسُوْلَ

فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا ۸ پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب

رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ

کے رسولوں کی تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے ۹ ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتیوں

ہیں۔ اگر یہ دوسرا معنی لیا جائے تو پھر حُسُوْمًا کا تعلق لَيَالِ اور ایام سے ہوگا۔ یعنی یہ ٹھنڈی اور تند ہوا مسلسل سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی۔

۷ یعنی ان کی نسل ہی ختم کر دی گئی۔ سب کو یکبارگی موت کی نیند سلا دیا گیا۔ کیا تمہیں ان کی نسل کا ایک فرد بھی کہیں نظر آتا ہے؟

۸ اس آیت میں دو لفظ تشریح طلب ہیں: اَلْمُؤْتَفِكَاتُ اور اَلْخَاطِئَةُ۔ المؤتفكات جمع ہے۔ اس کا واحد مُؤْتَفِكَةٌ (1): جس کا معنی اَلْمُنْقَلِبَةُ (2) ہے۔ یعنی اُلٹے ہوئے۔ جب کوئی بستی اُلٹ دی جائے تو عرب کہتے ہیں: اِئْتَفَكَتِ الْبَلْدَةُ بِاَهْلِهَا اِذَا انْقَلَبَتْ (3)۔ اور اسی مادہ سے اَلْاِفْكُ ہے جس کا معنی جھوٹ ہے کیونکہ جھوٹا بھی حقیقت کو اُلٹا دیتا ہے (4)۔ اس سے مراد قوم عاد کی پانچ بستیاں ہیں جن کے نام یہ ہیں: سَدُوم۔ عَمُوْرَہ۔ اَدْمَہ۔ صَبُوْبِيْم۔ صَوْغَرَہ (5)۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا، تو ان پر آگ اور گندھک کا مینہ برسایا۔ زمین سے بدبودار بخارات نے اٹھ کر ان کو ڈھانپ لیا۔ پھر یہی بخارات پانی میں تحلیل ہو کر ایک بحیرہ کی شکل میں جمع ہو گئے۔ اسی کو آج بحیرۂ مُوت یا بحر میّت کہتے ہیں۔ اسی کی تہ میں عاد کی وہ الٹی ہوئی بستیاں ہیں جن پر مسلسل سات دن اور آٹھ رات آندھی چلتی رہی۔

اَلْخَاطِئَة: اگر یہ ثلاثی مجرد ہو تو پھر اس کا معنی ہے "جان بوجھ کر غلطی کرنا" اور اگر اس کا باب افعال بنایا جائے تو اس کا معنی ہے بھولے سے غلطی کرنا۔ قِيْلَ خَطِئَ اِذَا تَعَمَّدَ وَاَخْطَأَ اِذَا لَمْ يَتَعَمَّدْ (6)۔ اموی کہتے ہیں: اَلْمُخْطِئُ اسے کہا جاتا ہے جو نیکی کا ارادہ کرے لیکن اس سے غلطی ہو جائے اور خاطِئ اسے کہتے ہیں جو جان بوجھ کر نا مناسب بات کا ارتکاب کرے۔ الخاطئة کیونکہ مجرد ہے اس لیے اس کا معنی گناہ ہوگا۔ قرطبی لکھتے ہیں: اَلْخَاطِئَةُ: الذَّنْبُ الْعَظِيْمُ، بہت بڑا گناہ۔ (7)

آیت کا معنی یہ ہوا کہ جب فرعون اور اس سے پہلے گزری ہوئی قوموں نے اور ان الٹے ہوئے شہروں کے مکینوں نے جان بوجھ کر بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا تو ہم نے ان پر اپنا عذاب بھیجا۔

۹ مذکورہ بالا اقوام کی طرف اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے، ان لوگوں نے ان کی نافرمانی کی۔ ان کی مخلصانہ نصیحتوں کی پروانہ کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب مہلت کی مقررہ مدت ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک شدید عذاب جو اپنی شدّت میں بہت بڑھا ہوا

1۔ تفسیر مغربی، زیر آیت ہذا، ج 29، ص 73 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

5۔ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج 1، ص 333، مطبوعہ دار العلم للملایین بیروت 6۔ لسان العرب، ج 1، ص 67-66 7۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 262

فِي الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾

میں سوار کر دیا۔ تاکہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لیے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان ١٠

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَ

پھر جب پھونک ماردی جائے گی صور میں ایک بار اور زمین اور پہاڑوں

الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾

کو اٹھا کر دفعتہً چُور چُور کر دیا جائے گا ١١ تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَّالْمَلَكُ عَلَىٰٓ

اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل بودا ہوگا ١٢ اور فرشتے اس کے کناروں پر مقرر

أَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾

کر دیے جائیں گے ١٣ اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا ١٤

تھا، نازل کیا اور ان کو تباہ کر دیا۔ رَابِيَةٌ: رَبَا يَرْبُو: بڑھنا، زیادہ ہونا۔ اَیْ شَدِيْدَةٌ زَائِدَةٌ فِي الشِّدَّةِ۔ (قرطبی) (1)

١٠ ان دو آیتوں میں طوفانِ نوح کا ذکر ہے جس میں منکرین تو غرق ہو گئے لیکن جو مختصر گروہ حضرت نوح پر ایمان لایا تھا وہ کشتی میں سوار ہو کر ڈوبنے سے بچ گیا۔ اگرچہ اس کشتی میں سوار ہونے والے اہلِ مکہ نہ تھے جو مخاطب ہیں لیکن ان کے اجداد کو بچا کر اللہ تعالیٰ نے صرف ان پر احسان نہیں کیا بلکہ ان کی بعد میں آنے والی نسلوں پر بھی احسان فرمایا۔ اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو یہ کہاں سے پیدا ہوتے؟

١١ جب قیامت برپا ہوگی اور نظامِ عالم تہ وبالا ہونے لگے گا، اس کا ذکر ان آیات میں کیا جا رہا ہے۔ فرمایا: زمین اور اس میں فلک بوس پہاڑوں کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر کے ہموار کر دیا جائے گا۔ کوئی بلندی، کوئی پستی، کوئی ٹیلہ، کوئی گڑھا باقی نہ رہے گا۔ دَكٌّ کا مفہوم بیان کیا گیا ہے: دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا سُوِّيَ صُعُوْدُهَا وَهُبُوْطُهَا (2)۔ یعنی زمین کی بلندیوں اور پستیوں کو ہموار کر دینا۔

١٢ آسمان پھٹ جائے گا۔ امرِ الٰہی سے کشش کے ضابطے جو آج ہر سیارے کو اپنی اپنی جگہ روکے ہوئے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔ اَلْوَاهِيَةُ: بَالِيَةٌ مُّتَدَاعِيَةٌ لَّا تَمَاسُكَ فِيْهَا (3)۔ کسی چیز کا بوسیدہ ہو کر گر پڑنا جیسے اس کے اجزاء میں اب کوئی رابطہ باقی نہیں۔ صاحب قاموس وَهٰی کا معنی کرتے ہیں: تَخَرَّقَ وَانْشَقَّ وَاسْتَرْخٰی رِبَاطُهٗ (4): پھٹ جانا، شگاف پڑنا۔

١٣ وہ فرشتے جو آج اپنے قیام، رکوع، سجود سے آسمان کے چپہ چپہ کو مزین کیے ہوئے ہیں، جب آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا تو وہ کناروں پر صفیں باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 29، ص 74 2۔ لسان العرب، ج 10، ص 425 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 29، ص 77 4۔ القاموس المحیط، ج 2، ص 1760

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ

وہ دن جب تم پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا ۔ پس جس کو دے دیا گیا اس کا نامۂ عمل

بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ

دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرطِ مسرت سے) کہے گا لو پڑھو میرا نامۂ عمل ۱۵ مجھے یقین تھا کہ میں

مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِیْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِیْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾

اپنے حساب کو پہنچوں گا ۱۶ پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۔ عالیشان جنّت میں۔

۱۴ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر تشریف فرما ہوگا اور فرشتے اسے اٹھائے ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی مکان میں سما سکے۔ عرش کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے ہے کہ اس نسبت سے عرش کی شان بلند ہو۔ نیز یہ مقام اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات کی جلوہ گاہ ہے۔ اِضَافَةُ الْعَرْشِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى لِتَعْظِيْمِهٖ وَلِاخْتِصَاصِهٖ بِتَجَلِّیْ مَّخْصُوْصَةٍ۔ (1)

کائنات علوی و سفلی میں جس قسم کے تصرفات ہو رہے ہیں، جن تدبیروں کا ظہور ہو رہا ہے ان سب کا مرکز یہ مقام ہے جسے عرش کہا جاتا ہے۔ جس طرح بادشاہ اپنے فرائض جہانبانی اپنے تخت پر بیٹھ کر انجام دیتا ہے، اسی طرح عالم وجود میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا منبع اور مصدر یہ مقام ہے۔ اس لیے اسے عرش یعنی تختِ الٰہی کہا گیا ہے۔

آٹھ فرشتے اس کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے، ان کے قد و قامت، ان کے جسم اور ان کی شکل و صورت کی تفصیلات پر ایمان لانے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔ اس لیے ہم ان کی تفصیلات طے کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے فرما دیا وہ حق ہے۔ جو باتیں ہماری علمی سطح سے بلند ہوں ہم ان کو اس ذات کے علم کے سپرد کرتے ہیں جو علیم و خبیر ہے۔

۱۵ صالحین اور ابرار کو ان کا صحیفۂ عمل دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ یہ گویا اس امر کی علامت ہوگی کہ یہ لوگ جنتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے۔ اس وقت ان کی مسرت و شادمانی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے اور اپنے احباب اور اعزہ کو دعوت دیں گے کہ وہ ان کا صحیفۂ عمل خود پڑھ لیں تاکہ انہیں تسلّی ہو جائے۔

هَاؤُمُ اسم فعل بمعنی خُذُوْا (2)، لو پکڑ لو کے معنی میں ہے۔ كِتَابِيَهْ، حِسَابِيَهْ، سُلْطَانِيَهْ وغیرہ کے آخر میں ھا سکتہ کے لیے ہے۔ وقف کریں گے تو پڑھیں گے۔ وصل کی حالت میں اس کی قراءت ساقط ہو جائے گی (3)۔

۱۶ ظَنَنْتُ کا معنی عَلِمْتُ ہے۔ یعنی میں خوب جانتا تھا یا اپنے علم کو از راہ تواضع ظن کہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے علم کا دعویٰ کرے۔ اِسْتِحْقَارًا لِّنَفْسِهٖ عَنْ دَعْوَى الْعِلْمِ بِحَضْرَةِ ذِی الْجَلَالِ عَلَّامِ الْغُيُوْبِ۔ عَالِيَةٍ: رَفِيْعَةِ الرُّتْبَةِ (4)۔ یعنی وہ جنت جس کی شان بڑی اونچی ہوگی۔ قُطُوْفُهَا: یعنی اس کے خوشے اونچے نہیں ہوں گے کہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 52 2۔ ایضاً، ص 53 3۔ ایضاً، ص 54-53 4۔ ایضاً، ص 54

قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَآ أَسْلَفْتُمْ فِي

جس کے خوشے جھکے ہوں گے۔ (اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اُڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج

الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتٰبَهُ بِشِمَالِهِ ۙ فَيَقُولُ

دیئے گزشتہ دنوں میں ۱۷؎ اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامۂ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے

يٰلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتٰبِيَهْ ۚ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۚ ﴿٢٦﴾ يٰلَيْتَهَا

کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامۂ عمل۔ اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش!

كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۚ ﴿٢٧﴾ مَآ أَغْنٰى عَنِّي مَالِيَهْ ۚ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي

موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی

سُلْطٰنِيَهْ ۚ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۙ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۙ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِي

فنا ہو گئی ۱۸؎ (فرشتوں کو حکم ہوگا) پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر

ان کی دسترس سے باہر ہوں یا ان کو توڑنے میں انہیں زحمت اٹھانا پڑے، بلکہ نیچے جھکے ہوں گے۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، جس حال میں وہ ہوں گے ان کو تناول کر سکیں گے۔ (1)

۱۷؎ سلف اس چیز کو کہتے ہیں جو پہلے بھیج دی گئی ہو۔ اَلسَّلَفُ: اَلْمُتَقَدِّمُ مِنَ الشَّیْءِ (2)۔ یعنی جو اعمال صالحہ یہاں پہنچنے سے پہلے تم نے یہاں بھیج دیئے ہیں۔

۱۸؎ لیکن جس شخص کو اس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تڑپ اٹھے گا اور واویلا مچانا شروع کر دے گا۔ یہ جملے اس کے انتہائی قلق اور رنج واندوہ کے آئینہ دار ہوں گے۔ اے کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال دیا ہی نہ جاتا۔ کاش! مجھے اپنے حساب کی خبر ہی نہ ہوتی۔ جو موت مجھے آئی تھی وہی میرا قصہ تمام کر دیتی۔ میرا ذکر مذکور ہی باقی نہ ہوتا۔ مجھے دوبارہ زندہ ہی نہ کیا جاتا۔ کہاں گئے میری دولت کے انبار؟ کہاں گئی میری حکومت وسلطانی؟ کہاں مر گئے میرے درباری؟ آج کوئی بھی میرے کام نہیں آ رہا۔ سُلْطَانِیْ: مُلْکِیْ وَ تَسَلُّطِیْ (3)۔ یعنی میرا ملک اور اقتدار۔ سلطان کا ایک معنی دلیل اور بُرہان بھی ہے۔ اگر یہاں یہی معنی مقصود ہو تو آیت کا مطلب ہوگا کہ دنیا میں میری حجّت بازیاں مسلّم تھیں۔ ہر مسئلہ پر میرا ذہن دلائل کے انبار لگا دیا کرتا تھا۔ میری زبان قینچی کی طرح تیز چلتی تھی۔ آج تو میرا ذہن بانجھ ہو گیا ہے۔ میری زبان گونگی ہو گئی ہے۔ مجھے اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں سوجھتی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص54 2۔ ایضاً، ص54 3۔ ایضاً، ج10، ص55

سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿٣٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ

ستر گز لمبی زنجیر میں اس کو جکڑ دو ١٩ بے شک یہ (بدبخت) ایمان نہیں لایا تھا

بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ

اللہ پر جو بزرگ (و برتر) ہے۔ اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی ٢٠ پس

لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿٣٥﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿٣٦﴾

آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں۔ اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے ٢١

لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿٣٧﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَا ١ ع٤ ٥

جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطا کاروں کے۔ پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں

لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿٤٠﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ

تم نہیں دیکھتے ٢٢ بے شک یہ قول ہے ایک عزت والے رسول کا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔

١٩ فرشتوں کو حکم ملے گا کہ اس کو پکڑ لو۔ اس کے گلے میں آہنی طوق ڈال دو اور اسے جہنم میں پھینک دو اور وہاں اسے ستر گز لمبے زنجیر میں جکڑ دو۔ بھلا دیکھیں اب یہ کیسے بھاگتا ہے؟

٢٠ بتایا جا رہا ہے کہ دو جُرموں کی پاداش میں اسے یہ ہولناک سزا دی جا رہی ہے۔ ایک تو یہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان نہیں لایا تھا۔ دوسرا یہ کہ بڑا کنجوس اور سنگدل تھا۔ خود تو اپنے گھر سے کسی کو کھانا کھلانے کی اسے کبھی توفیق نہ ہوئی۔ مزید برآں اس نے کبھی کسی دوسرے کو بھی بھوکے غریب کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دی۔ صرف کنجوس ہی نہیں تھا بلکہ سنگدل بھی تھا۔ لِاَنَّ اَقْبَحَ الْقَبَائِحِ الْكُفْرُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَاَشْنَعَ الشَّنَائِعِ الْبُخْلُ وَقَسْوَةُ الْقَلْبِ (1)۔ قرآن کریم انسان کی مادی اور روحانی ضروریات کی طرف یکساں توجہ دیتا ہے۔ اس نے جہاں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی عبادت کرنے کی تاکید کی ہے، وہاں فقراء و مساکین کی ضروریات زندگی کو بہم پہنچانے کا بھی تاکیدی حکم دیا ہے۔

٢١ غِسْلِيْنٌ: صَدِيْدُ اَهْلِ النَّارِ (2)۔ وہ پیپ جو دوزخیوں کے زخموں سے رِس رِس کر ایک جگہ جمع ہوتی رہے گی۔ دوزخیوں کو جب بھوک تنگ کرے گی اور وہ کھانے کے لیے کوئی چیز مانگیں گے تو انہیں یہ کریہہ غذا دی جائے گی۔ اس روز ان کا کوئی ہمدرد اور دوست نہیں ہوگا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 56 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 273

قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

(لیکن) تم بہت کم ایمان لاتے ہو ۲۳ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو۔

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ

بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا۔ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری

الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾

طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگِ دل ۲۴

۲۲ کفار اس بات کا شدت سے انکار کیا کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے بلکہ وہ بضد تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود گھڑ کر یا کسی سے سُن کر ہمیں یہ کلام سُناتے ہیں۔ کیونکہ اس کلام کی فصاحت و بلاغت کا انکار وہ بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لیے کبھی آپ کو شاعر کہتے اور کبھی کاہن۔ ان کے ان الزامات کی تردید قسم کھا کر کی جارہی ہے۔ فرمایا: جو چیزیں تم کو نظر آتی ہیں، جن کا تم مشاہدہ کرتے ہو، ان کی بھی میں قسم اٹھاتا ہوں اور جو چیزیں تمہیں نظر نہیں آتیں ان کی بھی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یعنی ہر چیز کی قسم اٹھائی خواہ اس کا تعلق عالم شہادت سے ہو یا عالم غیب سے۔ یہ قول نہ کسی شاعر کا کلام ہے اور نہ کسی کاہن کا بلکہ ایک معزز و محترم رسول کا قول ہے۔ رسول کریم سے مراد حضور کی ذات مقدسہ ہے۔ یہاں نام نہیں لیا بلکہ وصف رسالت کو ذکر کیا تاکہ پتہ چل جائے کہ آپ کی حیثیت پیغامبر کی ہے اور ہر دیانت دار پیغامبر اور قاصد اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی پیغام نہیں دیتا بلکہ جس نے اسے بھیجا ہے ہو بہو اسی کا پیغام آکر سناتا ہے۔ اس لیے تمہارا یہ اصرار کہ اپنی طرف سے سورتیں گھڑ کر لوگوں کو سُناتے ہیں، بے جا تعصّب اور ناروا ضد ہے۔ اس لیے اس کے بعد وضاحت فرما دی کہ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی یہ رب العالمین کا کلام ہے، کیونکہ حضور اپنی زبانِ مبارک سے اسے پڑھتے تھے اس لیے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول کہا گیا۔

۲۳ اس آیت کے آخر میں قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ اور اگلی آیت کے آخر میں قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ فرما کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس رسول کریم میں اور شاعر اور کاہن میں کوئی دور کی بھی مماثلت نہیں جس کے باعث تم اس غلط فہمی کا شکار ہو جاؤ۔ تم اس چکر میں اس لیے پڑے ہو کہ تم ایمان نہیں لائے اور تم نے کبھی غور و فکر سے کام ہی نہیں لیا۔ اگر تم میرے نبی کریم کی نورانی صبحوں اور پُرنور شاموں کا مطالعہ کرو، ان کی پاکیزہ مصروفیتوں اور بابرکت سرگرمیوں کا جائزہ لو تو پھر تم کبھی انہیں شاعر نہ کہو، جن کے پاس مبالغہ آرائی کے سوا کچھ نہیں۔ پھر تم کبھی انہیں کاہن نہ کہو، جن کا سارا دھندا کذب بیانیوں اور ہرزہ سرائیوں کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔ اگر ایمان کی بجھی ہوئی شمع روشن ہو جائے اور دل و دماغ کی دنیا میں ایمان کی صبح طلوع ہو جائے تو پھر تم بھولے سے بھی یہ نہ کہو گے کہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا کلام ہے۔

۲۴ اس آیت میں مقامِ نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ یعنی جس کی نبوت کو ہم معجزات اور دلائل سے ثابت کر دیں، وہ ہرگز ہرگز اپنے رب کے کلام میں اپنی طرف سے کوئی ملاوٹ نہیں کرتا۔ بفرضِ محال اگر وہ اپنی طرف سے

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ

پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا ۲۵ے اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے

کوئی بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دے تو یہ کوئی معمولی سا جرم نہیں جس کا نوٹس نہ لیا جائے یا جس سے اغماض برتا جائے، بلکہ یہ تو اتنا بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے کہ اگر اسے گوارا کر لیا جائے تو سلسلۂ نبوت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ کسی کو نبی کی بات پر وثوق اور اعتماد ہی نہیں رہے گا۔ اس لیے بفرضِ محال اگر ہمارا کوئی فرستادہ ایسی حرکت کرے، تو ادنیٰ توقف کے بغیر ہمارے انتقام کی تلوار بے نیام ہو جائے گی اور آنِ واحد میں اس کی رگِ دل کاٹ کر رکھ دی جائے گی تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی خدا کا بھیجا ہوا نبی بھی ایسی قبیح حرکت کرے تو عذابِ الٰہی ایک لحظہ بھی اسے مہلت نہیں دیتا، فوراً اسے فنا کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے۔

اَلْوَتِيْنُ: عِرْقٌ فِي الْقَلْبِ اِذَا انْقُطِعَ مَاتَ صَاحِبُهٗ (لسان العرب)(1) عِرْقٌ يَّسْقِي الْكَبِدَ اِذَا انْقُطِعَ مَاتَ صَاحِبُهٗ (مفردات)(2) دل کی ایسی رگ کو وَتِيْن کہتے ہیں کہ اگر وہ کٹ جائے تو انسان فوراً ہلاک ہو جائے۔ رگ جو جگر کو سیراب کرتی ہے۔ جب کٹ جائے تو انسان مر جاتا ہے۔ اس آیت سے مرزا قادیانی کے چیلے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ''اگر مرزا سچا نبی نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتا تو اس ارشادِ الٰہی کے مطابق اس کی رگ دل کاٹ دی جاتی اور اسے اسی وقت ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن کیونکہ ایسا نہیں کیا گیا اس لیے ثابت ہوا کہ وہ (معاذ اللہ) سچا نبی تھا''۔ اگر عقل کے یہ اندھے اس آیت میں ذرا تامل کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ سزا اس جھوٹے شخص کے لیے نہیں جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو، بلکہ اس کے لیے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہو، پھر معجزات اور دلائل قطعیہ سے اس کی نبوت کی صداقت کو ثابت کیا ہو۔ اگر ایسا نبی، کوئی غلط بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے گا تو اس کو یہ سزا ملے گی۔ اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ مرزا صاحب پہلے شخص تو نہیں جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو۔ ان سے پہلے بھی کئی طالع آزما لوگوں نے نبوت کا سوانگ رچایا۔ کیا مرزا صاحب اور ان کے حواری یہ بتا سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی رگ جان کاٹ کر انہیں ہلاک کر دیا گیا؟ کیا ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہونا ان کی نبوت کی دلیل بن سکتا ہے؟ لوگ تو خدا بننے کا بھی دعوی کرتے رہے ہیں اور بڑے ٹھاٹھ سے انہوں نے اپنی زندگیاں گزاری ہیں۔ فرعون وغیرہ بیسیوں مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔

غیرت خداوندی اپنے مقربین سے اس قسم کی غلطی کو برداشت نہیں کرتی۔ جھوٹا تو پہلے ہی جھوٹا ہے۔ اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جاتا۔ البتہ اس کے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے دیگر دلائل سے کام لیا جاتا ہے جن سے ہر دانش مند اس کو جھوٹا سمجھنے لگتا ہے۔ تَقَوَّلَ: اِفْتَرٰى وَتَكَلَّفَ وَتَصَنَّعَ فِي الْقَوْلِ۔ کسی پر بہتان باندھنا، تصنّع اور بناوٹ کرنا۔ اَلْاَقَاوِيْلُ: اَلْاَقْوَالُ الْمُفْتَرَاتُ۔ وہ جھوٹی باتیں جو بطور افترا اور بہتان کہی گئی ہوں۔

یمین: سے مراد یا تو قوت وقدرت ہے(3)۔ اس صورت میں آیت میں مِنْهُ میں مِنْ زائد ہوگا۔ عبارت یوں ہوگی۔ لَاَخَذْنَاهُ بِالْيَمِيْنِ۔ یعنی ایسے مفتری کو ہم پوری قوت سے پکڑ لیں گے اور اگر یمین کا معنی دایاں ہاتھ لیا جائے تو پھر آیت کا

1۔ لسان العرب، ج13، ص441
2۔ مفرداتِ راغب، ص852
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص57

لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِیْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ

پرہیزگاروں کے لیے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ اور یہ بات باعثِ حسرت ہوگی

عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۵۲﴾

کفار کے لیے۔ اور بے شک یہ یقیناً حق ہے ۲۶؎ پس (اے حبیب!) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے ۲۷؎

مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس مفتری کا دایاں ہاتھ پکڑ لیں گے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے۔ پھر اس کی رگ جان کاٹ دیں گے۔

۲۵؎ جب ایسے مفتری کو ہم یہ عبرت ناک سزا دینے لگیں تو تم میں سے کسی میں یہ ہمت و جرأت نہیں کہ آڑے آجائے اور اسے ہماری سیفِ غضب سے بچالے۔

۲۶؎ یہاں حق صفت ہے جسے موصوف الیقین کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اَیْ اِنَّهُ الْیَقِیْنُ الْحَقُّ (1)۔ یعنی ایسا یقین جو سراسر حق ہے۔ جس میں باطل کی ذرا ملاوٹ تک نہیں۔

۲۷؎ اے حبیب! اپنے رب کی پاکی بیان کیا کرو جس نے آپ کو ان لامحدود انعامات سے سرفراز فرمایا ہے۔ تمام انبیاء و رسل کا آپ کو سردار بنایا ہے۔ آپ کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجایا ہے۔ آپ کو رحمۃ للعالمین کا لقب عطا فرمایا ہے اور آپ کو ہر عیب اور نقص سے محفوظ رکھا ہے۔ جس رب نے آپ پر اتنے بڑے احسانات فرمائے ہیں وہ واقعی عظیم ہے۔ اس کی تسبیح کرنا، اس کی حمد کرنا، اس کا شکر بجالانا آپ پر فرض ہے۔ اس ارشادِ ربانی کی تعمیل میں نبی کریم ﷺ بھی بڑی لگن اور بڑے شوق سے مشغول رہا کرتے۔ ساری ساری رات کھڑے ہو کر رب قدوس کی حمد و تسبیح کیا کرتے۔ یہاں تک کہ سحر ہو جاتی اور پاؤں مبارک سوج جایا کرتے۔ جب عرض کیا جاتا تو فرماتے اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ (2)

OOOOOOOO

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْمَلِكِ الصَّمَدِ۔ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهِ الْمُصْطَفٰی وَرَسُوْلِهِ الْمُرْتَضٰی وَعَلٰی اٰلِهٖ قَادَةِ الْوَرٰی وَاَصْحَابِهٖ نُجُوْمِ الْهُدٰی وَمَنْ تَبِعَهٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 58

2۔ مشکوۃ المصابیح، باب التحریض علی قیام اللیل، ص 109۔ شمائل ترمذی، ص 19

تعارف سُورۃ المعارج

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کی تیسری آیت میں المعارج کا کلمہ ہے اسی کو اس سورت کا عنوان مقرر فرمایا۔ اس میں دو رکوع، چوالیس آیتیں، دوسو چوبیس کلمات، نوسو اُنتیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوئی (1)۔ یہ ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

مضامین: (۱) اہل مکہ قیامت کے برپا ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے تھے اور جب بار بار انہیں قیامت سے ڈرایا جاتا تو وہ ازراہِ استہزاء کہتے کہ عرصۂ دراز سے آپ نے قیامت آئے گی، قیامت آئے گی، کی رٹ لگا رکھی ہے اسے لے کیوں نہیں آتے۔ تاکہ ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ قیامت کیسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس بیمار ذہنیت کی اصلاح فرما رہے ہیں کہ اے اہلِ مکہ! قیامت آئے گی، ضرور آئے گی، دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ لیکن وقوعِ قیامت کوئی کھیل تماشا نہیں کہ ادھر آپ نے فرمائش کی اور ادھر وقوعِ قیامت کا عمل شروع ہو گیا۔ بلکہ یہ تو ایک بڑا ہولناک سانحہ ہوگا۔ آسمان، پہاڑ پُرزے پُرزے ہو جائیں گے۔ اس کی ہولناکی اور دہشت سے ہر شخص تھر تھر کانپ رہا ہوگا۔ دوست، بھائی، بیوی بچے، ماں باپ سب فراموش ہو جائیں گے۔ ہر کسی کو اپنے نفس کی پڑی ہوگی۔ اس لیے تم نادان نہ بنو۔ قیامت تمہارے کہنے پر نہیں آئے گی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو وقت مقرر کر دیا ہے جب وہ وقت آئے گا تو قیامت خود بخود برپا ہو جائے گی۔

(۲) اسلامی نظامِ عبادات اور نظامِ اخلاق، انسان کی خامیوں اور کوتاہیوں کو جس حیرت انگیز طریقہ سے دور کرتا ہے، اس کا اظہار فرما دیا۔ بتایا کہ انسان اپنی سرشت کے لحاظ سے بڑا بے صبرا اور حریص ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بلبلا اُٹھتا ہے۔ جب اسے نعمت دی جاتی ہے تو وہ کنجوس بن جاتا ہے۔ خود سوچیے جس انسان میں یہ عیوب ہوں وہ قطعاً قابلِ احترام شے نہیں۔ لیکن نماز، زکوٰۃ، قیامت پر ایمان، عفت و عصمت، امانت میں دیانت اور عہد کی پاسداری وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے انسان کی خامیاں دور ہو جاتی ہیں اور اس کے نقائص کی اصلاح ہو جاتی ہے جو انسانیت کے دامن پر بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے انسان میں انسانیت کا وہ عکس جمیل نظر آنے لگتا ہے جس کی وجہ سے یہ مسجود ملائک بنا اور اسے خلافتِ ارضی کی مَسند پر متمکن کیا گیا۔

(۳) پھر فرمایا: یہ کفار کس بات پر فخر و ناز کرتے ہیں؟ ان کے اعمالِ بد کے باعث اگر ہم ان کو نیست و نابود کر دیں گے، تو دنیا غیر آباد نہیں ہو جائے گی بلکہ ان کے قائم مقام ہم ایسے لوگ کھڑے کر دینگے جو اپنے حسنِ عمل سے عروس کائنات کے گیسوؤں کو سنوارنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے۔ آخر میں پھر وقوعِ قیامت کے یقینی ہونے کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی۔

1۔ روح المعانی، جز 29، ص 55

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سُورۃ المعارج مکّی ہے، یہ چوالیس آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ① لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ②

مطالبہ کیا ہے ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے۔ (وہ سن لے) یہ تیار ہے کفار کے لیے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ؎١

؎١ سَاَلَ کے دو معنی ہیں۔ پوچھنا، دریافت کرنا (1) اور طلب کرنا، مانگنا (2)۔ اگر پہلا معنی لیا جائے تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اہل مکہ پوچھتے ہیں کہ جس عذاب کا آپ ہر وقت ذکر کرتے رہتے ہیں، وہ کن لوگوں پر نازل ہوگا تو ان کے اس سوال کا جواب دیا گیا کہ وہ کفّار پر نازل ہوگا اور جب نازل ہوگا تو کوئی اس کو ٹال نہ سکے گا۔

اگر سَاَلَ کا دوسرا معنی لیا جائے تو پھر اس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ نضر بن حارث نے ایک دفعہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی۔ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣٢ ۔(3) "(الٰہی!) اگر جو کلام یہ ہمیں سناتے ہیں، حق ہے اور تیری طرف سے نازل ہوا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دوسرا دردناک عذاب نازل کر"۔ اس آیت میں اس نابکار کی اس احمقانہ دعا کا ذکر ہے کہ وہ ہم سے دعائیں مانگتا ہے کہ اس پر عذاب نازل کیا جائے۔ وہ سن لے کہ جس عذاب کے لیے اس نے دعا مانگی ہے وہ بالکل تیار ہے، اسے اور اس کے ہمنوا کفار کو ضرور اس میں جھونکا جائے گا اور اس وقت دنیا کی کوئی طاقت اس عذاب کو ٹال نہ سکے گی۔ لیکن ابھی نہیں، ابھی تو میرا محبوب، تمہارے درمیان تشریف فرما ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہم عذاب نازل نہیں کریں گے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔(4) میرے رسول کو یہاں سے جانے دو، پھر دیکھو تمہاری کیسی خبر لی جاتی ہے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو دوسرے سال ہی بدر کی جنگ ہوئی اور اسے بری طرح قتل کر دیا گیا۔ اور پورا عذاب تو قیامت کے دن ملے گا۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک سوال کرنے والے نے ہم سے یہ سوال کیا ہے کہ ہم اس پر عذاب اتاریں اور اس کو اس کے کفر و شرک کا مزا چکھائیں۔ لِلْكٰفِرِيْنَ الخ سے اس سائل کا جواب ہے اور للکافرین کا متعلق محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے هُوَ اَیْ ذٰلِكَ الْعَذَابُ الْمَسْئُوْلُ عَنْهُ مُهَيَّاً وَّ مُرْصَدٌ لِّلْكَافِرِيْنَ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْا۔ (تفسیر المغربی) (5) یعنی جس عذاب کے لیے اس نے دعائیں اور التجائیں کی ہیں وہ بالکل تیار ہے۔ وہ ضرور انہیں چکھایا جائے گا لیکن اپنے وقت پر، جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ اور جب وہ مقررہ گھڑی آجائے گی تو دنیا کی کوئی طاقت اس عذاب کو ٹال نہ سکے گی۔

1۔ القاموس المحیط، ج2، ص1338

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص60

3۔ سورۃ الانفال: 32

4۔ سورۃ الانفال: 33

5۔ تفسیر مغربی، زیر آیت ہذا، ج29، ص100

مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ۝۳ؕ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ

یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے ۲؎ عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں ۳؎

یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝۴ۚ فَاصْبِرْ صَبْرًا

یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے ۴؎ (ایسا) صبر کیجیے جو بہت

۲؎ یہ عذاب نازل کرنے والا، کوئی کمزور اور ضعیف شخص نہ ہوگا جس کو وہ نیچا دکھا سکتے ہیں بلکہ یہ عذاب اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ جو مَعَارِج کا مالک ہے۔

مَعَارِجُ: عروج سے ہے(1)۔ عروج کا معنی بلند ہونا، اونچا ہونا ہے۔ اس سے اسم آلہ مِعْرَاجٌ اور مِعْرَجٌ ہے۔ اسی کی جمع مَعَارِجُ اور مَعَارِیْج ہے۔ ان کا معنی ہے سیڑھیاں، زینے جن کے ذریعے انسان اوپر چڑھتا ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں: مَعَارِجُ سے مراد آسمان ہیں، کیونکہ وہ بھی زینوں کی طرح درجہ بدرجہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ ذِی الْمَعَارِجِ اَیْ ذِی السَّمٰوٰتِ(2)۔ یا مَعَارِجُ سے مراد وہ مراتب و مدارج ہیں جو فرشتوں کو عطا کیے ہیں۔ اور جب معارج کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد وہ شان اور وہ عظمت ہے جو اس کی ذاتِ اقدس کے شایاں ہے۔

۳؎ اور روح سے مراد جبریل امین ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ الرُّوح سے مراد رُوح انسانی ہے جس کا تعلق عالم اَمر سے ہے اور انبیاء و اولیاء کی ارواحِ مقدسہ دوری اور غفلت کی پستیوں سے پرواز کر کے رب ذو الجلال کے حریم قُرب میں نشیمن بنا لیا کرتی ہیں۔ اَلْمُرَادُ بِالرُّوْحِ رُوْحُ الْبَشَرِ الَّذِیْ هُوَ مِنْ عَالَمِ الْاَمْرِ فَاِنَّ اَرْوَاحَ الْبَشَرِ مِنَ الْاَوْلِیَاءِ وَ الْاَنْبِیَاءِ تَعْرُجُ مِنْ خَفْضِ الْبُعْدِ وَ الْغَفْلَةِ اِلٰی مَعَارِجِ الْقُرْبِ وَ الْحَضْرَةِ۔ (مظہری)(3)

۴؎ اس کا تعلق وَاقِعٍ کے ساتھ ہے۔ یعنی جس عذاب کے نزول کے بارے میں وہ دعائیں مانگ رہے ہیں وہ ایسے دن میں واقع ہوگا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ عَنْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مَا اَطْوَلَ هٰذَا الْیَوْمَ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے رسولِ کریم سے پوچھا گیا کہ وہ دن تو بہت طویل ہوگا جس کا طول پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔

فَقَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّهٗ لَیُخَفَّفُ عَلَی الْمُؤْمِنِ حَتّٰی یَكُوْنَ اَهْوَنَ عَلَیْهِ مِنْ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ یُصَلِّیْهَا فِی الدُّنْیَا۔(4)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، یہ دن مومن کے لیے بڑا مختصر کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جتنا وقت فرض نماز کے ادا کرنے میں لگتا ہے اس سے بھی اسے مختصر معلوم ہوگا۔

1۔ تفسیر مغربی، زیر آیت ہذا، ج29، ص100

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص61

3۔ ایضاً

4۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج29، ص57

اس میں قطعاً کوئی اچنبھا نہیں۔ وقت کی مقدار ایک ہوتی ہے، لیکن کسی کے لیے وہ وقت ایک لمحہ کی طرح گزر جاتا ہے اور کسی کیلئے وہ وقت بڑا طویل ہوتا ہے۔ قیامت کا دن تو وہی ہوگا، لیکن اہل ایمان کو وہ بڑا مختصر معلوم ہوگا اور بعض مجرموں کو وہ ہزار سال کے برابر محسوس ہوگا اور جو سخت متمرد اور باغی ہوں گے انہیں پچاس ہزار سال جتنا لمبا معلوم ہوگا۔ علامہ آلوسی نے عرب کے اشعار سے اس پر استشہاد کیا ہے۔

اَشْكُوْ وَتَشْتَكِيْنَ مِنَ الطُّوْلِ مِنْ قَصْرِ اللَّيْلِ اِذَا زُرْتِنِىْ (1)

جس رات تو مجھے ملاقات کا شرف بخشتی ہے تو میں تو شکوہ کرتا ہوں کہ یہ رات نہایت مختصر تھی اور تو اس کے طویل ہونے کی شکایت کرتی ہے۔

بعض نے تو اس سے مراد پورے پچاس ہزار سال لیے ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ پچاس ہزار کا عدد مقصود نہیں بلکہ محض اس کی طوالت کو بیان کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہی قول منقول ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ کی ایک اور تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن نہیں، بلکہ اب بھی فرشتے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں اور وہاں سے احکام اور ہدایات حاصل کرتے ہیں اور نہایت قلیل وقت میں ان کی تنفیذ کے لیے اپنے اپنے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ مسافت جو وہ پل بھر میں طے کرتے ہیں اتنی طویل ہے کہ اگر انسان اپنی طبعی رفتار سے چلنا شروع کر دے تو پچاس ہزار سال منزل تک پہنچتے پہنچتے لگ جائیں۔

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ لَوْسَارَ ابْنُ اٰدَمَ مِنَ الدُّنْيَا اِلٰى مَوْضِعِ الْعَرْشِ سَيْرًا طَبْعِيًّا لَهٗ سَارَ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (مظہری) (2)

علامہ پانی پتی اس کے بعد لکھتے ہیں:

وَمِنْ هٰهُنَا قَالَتِ الصُّوْفِيَةُ الْعَلِيَّةُ اِنَّ فِنَاءَ الْقَلْبِ الَّذِىْ يَحْصُلُ لِلصُّوْفِىْ بِالْجَذْبِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِتَوَسُّطِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَشَائِخِ لَوْاَرَادَ وَاحِدٌ اَنْ يَّحْصُلَهٗ بِالْعِبَادَاتِ وَالرِّيَاضَاتِ مِنْ غَيْرِ جَذْبٍ مِّنَ الشَّيْخِ، فَاِنَّمَا يَحْصُلُ لَهٗ فِىْ زَمَانٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ وَّاِذَا لَمْ يُتَصَوَّرْ بَقَاءُ اَحَدٍ بَلْ بَقَاءُ الدُّنْيَا اِلٰى هٰذِهِ الْمُدَّةِ ظَهَرَ اَنَّ الْوُصُوْلَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ غَيْرِ جَذْبٍ مِّنْهُ تَعَالٰى بِتَوَسُّطِ اَحَدٍ مِّنَ الْمَشَائِخِ كَمَا هُوَا الْمُعْتَادُ وَبِلَا تَوَسُّطِ رُوْحِ رَجُلٍ كَمَا يَكُوْنُ لِبَعْضِ الْاٰيِسِيْنَ مِنَ الْاَفْرَادِ مُحَالٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔ (3)

ترجمہ: اسی لیے صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ فنائے قلب کا مقام صوفی کو صرف اللہ تعالیٰ کی کشش اور جذب سے حاصل ہوتا ہے اور یہ جذب و کشش حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشائخ کے توسط سے حاصل ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص شیخ کامل کی توجہ کے بغیر صرف عبادتوں اور ریاضتوں سے اس مقام تک پہنچنا چاہے تو اس کے لیے پچاس ہزار سال کا عرصہ درکار ہے اور اتنی تو کسی کی عمر نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ پیر کامل کی توجہ کے بغیر کسی کا اس مقام پر فائز ہونا محال ہے۔ واللہ المستعان

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز29، ص57
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص62
3۔ ایضاً، ج10، ص63-62

جَمِيْلًا ۝۵ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝۶ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝۷ يَوْمَ تَكُوْنُ

خوبصورت ہو ۵ کفار کو تو یہ بہت دُور نظر آتا ہے۔ (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں ۶ اس روز آسمان

السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝۸ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝۹ وَلَا يَسْـَٔلُ

پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہو گا اور پہاڑ رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے ۷ اور کوئی جگری دوست کسی

حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝۱۰ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ

جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔ دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو ۸ ہر مجرم تمنا کرے گا کہ کاش! بطورِ فدیہ دے سکتا

۵ کفار کی اس قسم کی باتیں محض مذاق اڑانے اور حضورؐ کے دل رحیم کو دُکھانے کے لیے ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حبیب! ان نادانوں کو ہرزہ سرائی کرنے دیجیے۔ آپ ان کی پروا نہ کریں اور ملول و رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ صبر سے کام لیں۔ اور صبر بھی وہ جو صبر جمیل ہے کہ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو زبان شکوہ سنج نہ ہو، لبوں پر حرف شکایت نہ آئے۔ صبر جمیل کا مفہوم حضرت ابن عباس نے یہ بیان کیا ہے: مَا لَا شِكْوٰى فِيْهِ اِلٰى اَحَدٍ غَيْرِ اللهِ تَعَالٰى (روح المعانی)(1)

۶ کفار عذاب قیامت کو بعید خیال کرتے ہیں یعنی قیامت کا وقوع بہت دور ہے۔ اس کی تاریخ کا بھی کسی کو علم نہیں۔ اور بعید کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ اسے ناممکن اور محال سمجھتے ہیں۔ جب قیامت کا وقوع ان کے نزدیک خلاف عقل اور ناممکن ہے تو عذاب بھی محال و ناممکن ہوگا۔ اَیْ بَعِيْدٌ مِنَ الْاِمْكَانِ (روح المعانی)(2) عَنِ الْاِمْكَانِ اَوْ مُسْتَبْعَدًا فِي الْعَقْلِ مُحْتَمَلًا اِحْتِمَالًا ضَعِيْفًا (مظہری)(3) لیکن ہم اسے بالکل قریب دیکھ رہے ہیں۔ اس کا برپا ہونا یقینی ہے اور جس کا برپا ہونا یقینی ہو وہ کتنی ہی دور ہو، قریب ہوتی ہے۔ كُلُّ مَا هُوَ اٰتٍ قَرِيْبٌ (4)۔ جو چیز آنے والی ہو وہ قریب ہے۔ کیونکہ اسے زود یا بدیر آ کر رہنا ہے۔

۷ مُہْل کہتے ہیں پگھلی ہوئی دھات کو، تانبا ہو یا چاندی ہو۔ اَلْمُذَابُ مِنَ النُّحَاسِ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْفِلِزَّاتِ (5)۔ اس کا دوسرا معنی تیل کی تلچھٹ بھی ہے۔ دُرْدِی الزَّيْتِ۔ (6)

اس روز آسمان کے مختلف رنگ ہوں گے۔ اس کے رنگوں کے اختلاف کو مختلف مقامات پر، مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا۔

اَلْعِهْن: وہ اُون جو مختلف رنگوں سے رنگی ہوئی ہو۔ اَلصُّوْفُ الْمَصْبُوْغُ اَلْوَانًا (7)۔ کیونکہ پہاڑوں کے رنگ گونا گوں ہوتے ہیں اس لیے ان کو اَلْعِهْن سے تشبیہ دی گئی ہے۔ **اَلْحَمِيْم:** اَلْقَرِيْبُ الَّذِيْ تَهْتَمُّ بِاَمْرِهِ الصَّدِيْقُ (8)، ادنیٰ درجے کے دوست کو نہیں کہتے، بلکہ تیرا وہ دوست جس کا تجھے از حد خیال رہتا ہے۔ اس کی کسی حالت سے تو بے پروائی اور بے رُخی اختیار نہیں کر سکتا۔

۸ یہ نہیں کہ وہ اس لیے ایک دوسرے کی مدد نہیں کریں گے کہ انہیں پتہ نہ چلے گا کہ ان کے جانی دوست پر کیا بیت رہی ہے؟ بلکہ سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ آنکھوں کے سامنے درگت بن رہی ہوگی، لیکن ہر شخص اپنے بارے میں اتنا متفکر

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 58
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 63
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً
7۔ ایضاً
8۔ المنجد، ص 152

عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۙ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ

آج کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو ، اپنی بیوی کو ، اپنے بھائی کو ، اپنے خاندان کو جو (ہر مشکل میں)

الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۙ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهَا

اسے پناہ دیتا تھا اور (بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ۹ پھر یہ (فدیہ) اس کو بچالے (لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا ۱۰ بیشک

لَظٰى ۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ ۚ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ

آگ بھڑک رہی ہوگی ۱۱ نوچ لے گی گوشت پوست کو ۱۲ وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا ۱۳ اور مال جمع کرتا رہا پھر

فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

اسے سنبھال سنبھال کر رکھتا رہا۔ بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے ۱۴ جب اسے تکلیف پہنچے تو

ہوگا کہ کسی کو دوسرے سے پُرسشِ حال کا ہوش ہی نہیں ہوگا۔

۹ بلکہ اس دن ہر مجرم یہ آرزو کرے گا کہ کاش! اس کی گلوخلاصی ہو جائے، اسے نجات مل جائے اور اس مقصد کے لیے اگر اسے اپنا بیٹا، بیوی، بھائی اور اپنا خاندان بھی فدیہ کے طور پر دینا پڑے تو وہ دے دے گا۔

۱۰ لیکن کسی کو وہ اپنے بدلے قربانی کا بکرا نہ بنا سکے گا۔

۱۱ اِنَّھَا کی ضمیر کا مرجع آگ بھی ہو سکتی ہے اور جہنم بھی (1)۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسی آگ ہوگی جس میں شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ جہنم جس کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔

۱۲ شَوٰی جمع ہے۔ اس کا واحد اَلشَّوَاةُ (2) ہے۔ یہ سر کی کھال کو بھی کہتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں اور وہ اطرافِ جسم، جن پر ضرب لگنے سے انسان کی موت واقع نہیں ہوتی، ان کو بھی شویٰ کہا جاتا ہے اور انسان کی ساری ظاہری کھال کو بھی شواۃ کہتے ہیں۔ یُقَالُ الشَّوَاةُ ظَاهِرُ الْجِلْدِ كُلِّهٖ (تاج العروس) (3) قرطبی نے ضحاک سے نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی کا یہ معنی بھی لکھا ہے تَفْرِی اللَّحْمَ وَالْجِلْدَ عَنِ الْعَظْمِ حَتّٰی لَا تَتْرُكَ مِنْهُ شَيْئًا (4)۔ یعنی یہ آگ انسان کے گوشت اور پوست کو ہڈیوں سے اُدھیڑ لے گی۔

۱۳ آگ ان لوگوں کو بُلائے گی، کہے گی! اِلَيَّ يَا مُشْرِكُ، اِلَيَّ يَا مُنَافِقُ (5)۔ اے مشرک! کہاں بھاگتے ہو؟ ادھر آؤ۔ اے منافق! کہاں بھاگتے ہو؟ ادھر آؤ۔

۱۴ یہ چند آیات ۱۹ تا ۳۵ آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ یہاں بڑی وضاحت سے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے کہ اسلام نے عبادات کا جو نظام اپنے ماننے والوں کے لیے تجویز کیا ہے، وہ محض پُوجا پاٹ اور بے مقصد رسومات نہیں جن کو انسان کی

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 64 2۔ لسان العرب، ج 14، ص 447 3۔ ایضاً

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 9، جز 18، ص 288 5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 64

اصلاح اور تربیت سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو۔ بلکہ یہ وہ انقلاب آفرین پروگرام ہے جو انسان کی صرف تربیت ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی سرشت میں جو عیوب اور کمزوریاں ہیں، ان کا بھی قلع قمع کر دیتا ہے اور اس کو ایسی خوبیوں اور کمالات سے مزین کرتا ہے کہ وہ اپنے لیے، اپنے خاندان کے لیے، اپنی قوم کے لیے اور اپنے ملک کے لیے باعث صد عز و افتخار بن جاتا ہے۔ اس کے دَم سے حق کا بول بالا ہوتا ہے۔ اس کی دل نوازیوں سے دُکھی انسانیت کے آلام و مصائب میں کمی آجاتی ہے۔ وہ پیکر یمن و برکت جدھر سے گزر جاتا ہے مسرتوں کے پھول کھل جاتے ہیں، خوش حالی کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ بے کسوں اور بے بسوں کو نئی زندگی، نئی اُمنگ مل جاتی ہے۔ آیئے! ذرا ان نورانی آیتوں میں غور کریں اور ان کے دامن میں رحمتوں، برکتوں کے جو خزانے سمٹے ہوئے ہیں، ان کا مشاہدہ کریں۔

پہلے مشکل الفاظ کی تشریح سنیے: هَلُوعٌ: اَلْحَرِيصُ عَلٰى مَالَا يَحِلُّ۔ قَالَ مُقَاتِلٌ: ضَيِّقُ الْقَلْبِ۔ قَالَ عَطِيَّةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ تَفْسِيرُهٗ مَا بَعْدَهٗ(1)۔ یعنی وہ حریص جو حلال و حرام کی تمیز نہ کرے، اسے هَلُوع کہتے ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں کہ اس کا معنی تنگ دل ہے۔ عطیہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا معنی بعد کی دو آیتوں میں بتایا گیا ہے۔

جَزُوعٌ: جَزَعَ سے مبالغہ کا صیغہ ہے(2)۔ ضِدُّ الصَّبُورِ، نَقِيضُ الصَّبْرِ(3)۔ یعنی جزع فزع کرنے والا۔

مَنُوع: ضَنِينٌ مُمْسِكٌ(4): سخت کنجوس، سخت بخیل۔

اب ان تین آیات کو دوبارہ پڑھیے۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی سرشت میں تین عیب ہیں۔ ایک تو وہ حریص اور کم ظرف ہے۔ ایسی چیزوں کو بھی ہڑپ کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں ہوتیں۔ اس کی کوششیں ہر قیمت پر دولت سمیٹنے کے لیے وقف رہتی ہیں۔ خواہ دولت، رشوت سے ملے، لُوٹ کھسوٹ سے ملے، چوری و راہزنی سے ملے، قوم کی غذائی اجناس کو سمگل کر کے ملے، یا قوم و وطن سے غداری کر کے ملے، وہ باز نہیں آتا۔ ایسے لالچی کو عربی میں هَلُوعٌ کہا جاتا ہے۔ دوسرا نقص اس میں یہ ہے کہ وہ جَزُوع ہے، بہت گھبرا جانے والا۔ جب مصائب کی گھٹا اس کی زندگی کے افق پر نمودار ہوتی ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، اوسان خطا ہو جاتے ہیں، امید کی کوئی کرن اس کو نظر نہیں آتی۔ تیسرا نقص یہ ہے کہ وہ سخت کنجوس، سخت بخیل ہے، کسی مِلّی یا قومی مقصد کے لیے، کسی نادار اور فقیر کی امداد کے لیے ایک دمڑی بھی خرچ نہیں کرتا۔

اب خود سوچیے کہ جس شخص میں حرص اتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو کہ وہ حلال و حرام کی تمیز سے بھی قاصر ہو۔ جو مصیبت کے وقت اپنے اوسان خطا کر بیٹھے اور مایوس ہو کر اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر ڈال دے یا جب وہ دولت مند اور مالدار ہو تو کنجوس، مکھی چُوس بن جائے، تو کیا ایسے شخص کا وجود اپنے ملک و ملت کے لیے باعثِ ننگ و عار نہیں ہوتا؟ اس سے اس کی بستی والے بھی نفرت کرتے ہیں، اس کے گھر والے بھی اس سے بیزار ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی وبال بن جاتا ہے۔

ایسی فطری کمزوریوں کا پیکر جب اسلام کی تعلیمات کو اپنا لیتا ہے، جب اس کے ارشادات پر عمل پیرا ہو جاتا ہے، جب اپنی زندگی کے روز و شب کو قرآن کریم کے پیش کیے ہوئے اس قالب میں ڈھال لیتا ہے تو اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ وہ حریص نہیں رہتا۔ وہ غنی ہو جاتا ہے، اس کا دل غنی ہو جاتا ہے، اس کی آنکھیں سیر ہو جاتی ہیں۔ مصائب کے تند و تیز طوفان جب اس سے آکر ٹکراتے ہیں تو اسے فولاد کی چٹان کی مانند مضبوط پاتے ہیں۔ ان حالات میں اس کی امید کا چراغ اور زیادہ ضیا بار ہوتا ہے۔ سیل

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 65 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 62 3۔ لسان العرب، ج 8، ص 47 4۔ ایضاً، ج 8، ص 343

جَزُوۡعًا ۙ⑳ وَّاِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًا ۙ㉑ اِلَّا الۡمُصَلِّيۡنَ ۙ㉒ الَّذِيۡنَ

سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل بجز ان نمازیوں کے جو

هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ ۙ㉓ وَالَّذِيۡنَ فِيۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ

اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں ۱۵۔ اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ

مَّعۡلُوۡمٌ ۙ㉔ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ۙ㉕ وَالَّذِيۡنَ يُصَدِّقُوۡنَ بِيَوۡمِ

حق ہے سائل کے لیے اور محروم کے لیے ۱۶ اور جو تصدیق کرتے ہیں روزِ

حوادث سے وہ گھبراتا نہیں بلکہ اس وقت اس کی خفتہ توانائیاں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں۔ وہ ان سے فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ شیروں کی طرح ان پر جھپٹتا ہے۔ اور جب اس پر خوش حالی کا دور آتا ہے تو وہ محتاجوں اور مسکینوں کو ڈھونڈ کر ان کی امداد کرتا ہے، وہ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک وہ کسی کی تکلیف کو دور نہ کر دے، اسے چین نہیں آتا۔

یہ وہ تبدیلی ہے جو اسلام کے پیش کیے ہوئے نظامِ عبادات پر عمل کرنے سے انسان میں رونما ہوتی ہے۔ ہماری شومئ قسمت ملاحظہ ہو کہ آج کا مسلمان، اس بابرکت پروگرام کو اپنے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ، ایک ناروا پابندی اور ایک غیر دلچسپ مصروفیت گردانتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ فطری کمزوریاں عود کر آئی ہیں اور بڑی قوت سے انہوں نے ہمارے قلب و نظر پر اپنا قبضہ جما لیا ہے۔

اب آیئے! اس نظام عمل کا مطالعہ کریں جو ہمارے خالق و مالک نے ان آیات میں ہمیں عطا فرمایا ہے۔

۱۵ ان کمزوریوں سے وہ لوگ نجات پا لیتے ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں اور نماز ادا کرتے وقت صمیم قلب سے رب کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں۔ دائیں بائیں ان کی نظر نہیں اٹھتی۔ یہ اس کیفیت میں ڈوبے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے حضور میں حاضر ہیں، ان کی حرکات و سکنات بلکہ دل کے احساسات کو بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ اِذِ الۡمُرَادُ مِنَ الدَّوَامِ، دَوَامُ الۡحُضُوۡرِ (1)۔ ابوالخیر کہتے ہیں کہ ہم نے عقبہ بن عامر سے دریافت کیا کہ کیا اس آیت میں دَآئِمُوۡنَ کا معنی پابندی سے نماز ادا کرنا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ معنی نہیں بلکہ اس کا مطلب کسی کی طرف التفات نہ کرنا ہے۔ نمازی کو چاہیے کہ اپنی نگاہ اپنی سجدہ گاہ پر مرکوز رکھے۔ حضورؐ نے حضرت انس کو فرمایا: يَا اَنَسُ اجۡعَلۡ بَصَرَكَ حَيۡثُ تَسۡجُدُ۔ اپنی نگاہ اس جگہ رکھو جہاں تم سجدہ کرتے ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ نظر کو اپنی سجدہ کی جگہ پر مرکوز رکھنے سے حضورِ قلب حاصل ہوتا ہے اور خطرات سے نجات ملتی ہے۔

۱۶ وہ مال کو اپنی ذات کے لیے مخصوص نہیں کرتے بلکہ انہوں نے اس میں ایک خاص حصہ مقرر کر رکھا ہے جو وہ سائلوں اور محروموں کو دیتے ہیں۔ سائل سے مراد مانگنے والا، محروم سے مراد وہ شخص ہے جو از حد ضرورت مند ہونے کے باوجود کسی سے مانگ نہ سکتا ہو اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کر سکتا ہو (2)۔ یعنی ان لوگوں کو ایسے لوگوں کی تلاش رہتی ہے، وہ رات کے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص66

2۔ ایضاً

الدِّيْنِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٢٧﴾

جزاء کی ١٧ اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں ١٨

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں ١٩ اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت

حٰفِظُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

کرنے والے ہیں ٢٠ بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کوئی ملامت نہیں۔ البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے

الْعٰدُوْنَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿٣٢﴾

بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں ٢١

اندھیروں میں ان کے گھر جاتے ہیں اور لوگوں کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر ان کی امداد کرتے ہیں۔

١٧ یہ لوگ اس زندگی کو آخری زندگی خیال نہیں کرتے بلکہ ان کا ایمان ہے کہ قیامت کے روز انہیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا اور ان سے ان کے اعمال کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

١٨ وہ نیکیاں کرتے ہیں لیکن ان پر ناز نہیں کرتے۔ ہر وقت اپنی کوتاہیوں کا احساس کر کے اپنے رب کی ناراضگی سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

١٩ وہ جانتے ہیں کہ ان کے رب کے عذاب کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ کا ایک اور معنی بھی کیا گیا ہے۔ اَیْ لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّاْمَنَ عَذَابَهٗ عَزَّ وَجَلَّ (1)۔ یعنی وہ کتنے ہی نیکوکار بن جائیں، وہ اپنے آپ کو اپنے رب کے عذاب سے امن میں نہیں پاتے بلکہ اس کی بے نیازی سے ہر لحظہ ڈرتے رہتے ہیں۔

٢٠ جو اپنے دامن عفت پر داغ نہیں پڑنے دیتے۔ جو اپنے گوہر عصمت کی پوری طرح حفاظت کرتے ہیں۔

٢١ جو امانتیں ان کے سپرد کی جاتی ہیں وہ ان میں خیانت نہیں کرتے۔ امانتوں سے مراد یہاں ہر قسم کی امانتیں ہیں۔ ہمارے اعضاء، ہمارے ہوش و حواس، ہماری عقل اور ہماری زندگی سب خدا کی امانتیں ہیں۔ ان کو اس کے حکم کے مطابق صرف کرنا

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29 ص 63

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں ۲۲ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی

يُحَافِظُوْنَ ﴿٣٤﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ ع ۲۵

حفاظت کرتے ہیں ۲۳ یہی لوگ مکرّم (ومحترم) ہوں گے جنتوں میں ۲۴ پس ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ

كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿٣٧﴾

آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگے چلے آرہے ہیں۔ ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے ۲۵

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا

کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان وعمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنّت میں اسے داخل کیا جائے ۲۶ ہرگز نہیں۔

دیانت داری ہے اور ان کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرنا بددیانتی اور خیانت ہے۔ اگر حکومت نے کوئی ذمہ داری کسی کو سونپی ہے تو اس کو اپنی پوری صلاحیتوں کے مطابق انجام دینا بھی اس میں داخل ہے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرے گا تو وہ خائن ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے کوئی زیور، کوئی سامان بوجہ حفاظت اس کے پاس رکھا ہے تو اس کی نگہبانی کرنا اور عند الطلب اس کو جوں کا توں واپس کر دینا، یہ بھی اس میں داخل ہے اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ بھی بددیانت اور خائن ہوگا۔ عہد سے بھی عام وعدہ مراد ہے۔ خواہ بندے کا اپنے رب سے کوئی وعدہ ہو یا کسی دوسرے انسان سے، اس کا ایفا بھی ازحد ضروری ہے۔

۲۲ یعنی جو گواہیاں ان کے ذمہ ہیں انہیں بڑی سچائی سے ادا کرتے ہیں۔ کسی کا خوف، کوئی لالچ، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں سچی گواہی دینے سے باز نہیں رکھتی۔

۲۳ جو لوگ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، قضا نہیں کرتے، بے وقت نہیں پڑھتے۔

۲۴ ان خوبیوں سے جو لوگ آراستہ ہیں ان میں وہ فطری کمزوریاں باقی نہیں رہتیں، ان کا وجود سب کے لیے باعثِ رحمت وبرکت بن جاتا ہے، انہیں خصالِ حمیدہ کے باعث وہ جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں ان کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

۲۵ کفار جب حضور کریم کو کہیں بیٹھے ہوئے دیکھ لیتے تو دائیں بائیں سے جتھے کے جتھے بھاگے چلے آتے اور ٹکٹکی باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے لگتے لیکن ان کی یہ سرگرمی دعوتِ حق سننے کے لیے نہیں بلکہ مذاق اور ہنسی اُڑانے کے لیے ہوا کرتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد جمع ہوکر طرح طرح کے الزامات لگاتے اور پھبتیاں کستے۔

مُهْطِعِيْنَ: اَيْ مُسْرِعِيْنَ مُقْبِلِيْنَ اِلَيْكَ۔ یعنی آپ کی طرف متوجہ ہوکر بڑی تیزی سے آرہے ہیں۔ عِزِيْنَ: جَمَاعَاتٍ تَفْرِقَةً (1)، ٹولیاں ٹولیاں، گروہ در گروہ۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص69

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ

ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں ۲۷ پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ

ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں ۲۸ اور ہم ایسا کرنے

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٤١﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ

سے عاجز نہیں ۲۹ سو آپ رہنے دیجیے انہیں کہ (خرافات میں) مگن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ وہ ملاقات کریں اپنے اس دن

۲۶ اردگرد جمع ہو کر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ اگر یہ مفلس اور کنگال مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے کہیں پہلے جنت کی روشوں پر محوِ خرام ہوں گے۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت سے نوازا تو ہم پر وہ اپنی نعمتوں کا مینہ برسا دے گا۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ نہ تم ایمان لائے اور نہ نیک عمل کیے، اس پر یہ خوش فہمیاں کہ تمہیں جنت میں داخل کیا جائے گا!

ع ایں خیال است و محال است و جنوں

۲۷ ان کا خمیر کسی الگ مادہ سے نہیں اٹھایا گیا جس کے باعث انہیں ایمان و عمل کے بغیر جنت میں داخل ہونے کا حق پہنچتا ہے۔ ایک ہی مادہ ہے جس سے سب کی تخلیق ہوئی ہے۔ غریب و امیر، رذیل و شریف، سب مساوی ہیں۔ اگر دوسرے لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کے لیے ایمان و عمل کی ضرورت ہے تو کفار کو بھی اس کے بغیر چارہ نہیں۔

آیت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کس منہ سے نخوت و غرور کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے اکڑ جاتے ہیں جبکہ انہیں خوب علم ہے کہ ان کو ایک قطرۂ آب سے پیدا کیا گیا ہے۔

۲۸ ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو شاید یہ غلط فہمی ہے کہ دنیا کی رونق اور آبادی ان کے دم قدم سے ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو گلستانِ وجود اُجڑ جائے۔ اس پر خزاں کا عالم طاری ہو جائے۔ فرمایا کہ ہم اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں جو مشارق و مغارب کی پروردگار ہے! کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ تمہیں تباہ و برباد کر دیں اور تم سے کہیں زیادہ بہتر کسی قوم کو تمہارا جانشین بنا دیں جو تم سے زیادہ نیک بخت ہو، علم اور عمل کی دولت سے مالا مال ہو، میری وحدانیت پر ایمان رکھتی ہو اور میرے رسول مکرم سے دلی محبت رکھتی ہو۔ ان کے حسن عقیدہ اور خوبیٔ عمل کی برکت سے ہر طرف بہار ہی بہار آ جائے۔ مَشَارِق، مَشْرِق کی جمع ہے، مَغَارِب، مَغْرِب کی جمع ہے۔ کیونکہ ہر روز سورج کا مشرق و مغرب بدلتا رہتا ہے، اس لیے جمع کے صیغے استعمال کیے۔

۲۹ مَسْبُوق اس کو کہتے ہیں جس کو کوئی مدمقابل پیچھے چھوڑ کر خود آگے نکل جائے (1)۔ یہ عجز و کمزوری کی علامت ہے۔ فرمایا ہم عاجز و کمزور نہیں۔

1۔ المنجد، ص 319

الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا

سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ۳۰ اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ

بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں ۳۱ جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں چھا رہی ہوگی ان پر

ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ ع ۲ ۹ ۸

ذلّت ۳۲ یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

۳۰ اے حبیب! آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ انتہائی خلوص کے ساتھ ان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے کی کوشش فرمائی۔ یہ پھر بھی باطل سے چمٹے رہنے پر بضد ہیں تو آپ فکرمند اور رنجیدہ کیوں ہوں؟ ان کو چھوڑیئے، اپنی خرافات میں غرق رہیں اور اپنی زندگی کی قیمتی ساعتیں کھیل کُود میں برباد کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ موت کا گھڑیال بج کر ان کی یہاں سے روانگی کا اعلان کر دے اور پھر انہیں قیامت کے روز قبروں سے نکال کر اپنا حساب دینے کے لیے حاضر کر دے۔

۳۱ روزِ قیامت قبروں سے ان کے نکلنے کا منظر بیان ہو رہا ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو قبروں سے فوراً اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مجال نہیں ہوگی کہ ذرا توقف بھی کریں۔ پھر تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اپنی اپنی جگہ کی طرف دوڑنے لگیں گے۔ یوں معلوم ہوگا کہ دنیا میں اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف جس شوق اور وارفتگی سے وہ دوڑا کرتے تھے وہی وارفتگی آج ان پر طاری ہے۔ انہیں علم ہے کہ آج انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ اگر ان کا بس چلتا تو وہ ضرور راہ فرار اختیار کرتے اور اگر بھاگنا ناممکن تھا تو ٹال مٹول میں کچھ وقت ضائع کرتے، لیکن بُلاوا آ گیا۔ اب کیا مجال کہ ذرا سُستی کریں۔

۳۲ اگلے پچھلے نمرودوں، فرعونوں، ابولہبوں، ہٹلروں اور سٹالنوں کا یہ حال ہوگا کہ شرم و خجالت کے مارے آنکھیں جھکی ہوں گی اور چہروں پر رسوائی اور ذلت کی دھول جمی ہوگی، خستہ حال، کس مپرسی کا عالم۔

الٰہی! ہمیں صحیح عقائد پر ثابت قدم رکھ اور نیک کام کرنے کی توفیق ارزانی فرما۔ جب تک زندہ رہیں تیرے بندے، تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام اور دین پاک کے مخلص خادم بن کر زندہ رہیں اور جب یہاں سے رخصت ہوں تو شہادت کی سعادت نصیب فرما اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لواء الحمد کے نیچے ہمارا حشر ہو اور تیرے حبیب کی شفاعت نصیب ہو!

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ رَبَّنَا اغْفِرْلِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِىْ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَصَحْبِهِ الْمُكَرَّمِيْنَ وَمَنْ اَحَبَّهٗ وَتَبِعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

تعارف سُورۂ نوح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام ''نوح'' ہے۔ کیونکہ اس میں نوح علیہ السلام کی مساعی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ۲۸ ہے یہ دوسو چوبیس کلمات اور نوسو ننانوے حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول: یہ بھی ہجرت سے پہلے مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوئی۔ (1)

مضامین: پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم کو تباہ کرنے سے پہلے اس کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے کوئی نذیر بھیجا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت ہے۔ یوں ہی بے خبری میں کسی کو ہلاک نہیں کر دیا جاتا۔

نوح علیہ السلام کی دعوت کے تین ستون ہیں۔ (۱) اللہ وحدہٗ کی عبادت۔ (۲) تقویٰ اور پرہیز گاری۔ (۳) اپنے نبی کی اطاعت۔ انہی اصولوں پر تمام اقوامِ عالم کی فلاحِ دارین کا انحصار ہے۔ نوح علیہ السلام نے جس خوبصورتی سے اپنے فرائض نبوت کو ادا کیا اس کی تفصیلات آپ آیات ۵ تا ۲۰ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ نے صرف آخرت کی نجات کا راستہ ہی اپنی قوم کو نہیں دکھایا بلکہ ان سے وعدہ کیا کہ اگر تم میری دعوت کو قبول کر لو گے تو تم دنیا میں بھی خوشحال ہو جاؤ گے۔ تمہارے بنجر میدانوں میں باغات لہلہانے لگیں گے۔ تمہارے خشک ریگستانوں میں نہریں رواں ہو جائیں گی۔ تمہیں اولادِ نرینہ بکثرت دی جائے گی۔ بروقت بارشیں ہوا کریں گے۔ قحط اور خشک سالی کا جو خوف ہر وقت تمہارے اعصاب پر سوار رہتا ہے، اس سے نجات مل جائے گی۔

پھر آپ نے اپنی قوم کے رئیسوں کی عیّاریوں کا ذکر کیا کہ وہ خود بھی اس دین کو قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ اس دین کی تعلیمات ان کے مفاد سے ٹکراتی تھیں۔ وہ کیسے زکوٰۃ دیں، عیش ونشاط سے وہ کیسے دستکش ہو جائیں، میخواری اور رقص وسرود کو کس طرح درہم برہم کر دیں۔ لیکن وہ غریبوں اور عوام کو بھی نوح علیہ السلام کے نزدیک نہیں آنے دیتے تھے اور اس کے لیے بڑی بڑی عیاریاں اور مکر کرتے تھے۔ ان کے خیر اندیش اور ناصح مشفق بن کر انہیں نصیحتیں کرتے کہ اے عوام! اے طاقت وقوت کے حقیقی سرچشمو! اے ملک کے اصلی حکمرانو! اس نوح سے بچنا، اس کے دام میں نہ آنا یہ تمہیں، تمہارے دیوتاؤں سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ خبردار! ایسا ہرگز نہ کرنا۔ ہم صرف تمہاری خیر خواہی کے لیے تمہیں مشورہ دے رہے ہیں۔ یہ ڈرامہ ہر زمانے میں کھیلا جاتا رہا ہے۔ اور جنہوں نے پھنسنا ہو، وہ پھنستے رہتے ہیں۔

نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو سال تک شب و روز جلوت وخلوت میں ان کو دعوت حق دیتے رہے۔ یہ حوصلہ اور اتنا صبر پیغمبر

1۔ روح المعانی، جز 29، ص 67

ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ لیکن جب ان پر کوئی اثر نہ ہوا، تو آپ نے بددعا کی کہ الٰہی! ان سب کو غرق کر دے اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دے۔

آخر میں اپنے لیے اور اپنوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور سب کی بخشش کے لیے دامن پھیلاتے ہیں۔

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ نوح مکی ہے
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔
اس میں ۲۸ آیات اور ۲ رکوع ہیں

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖٓ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ

بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف [1] (اور فرمایا اے نوح!) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے

أَنْ يَّأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ②

پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں [2]

[1] تورات کی کتاب پیدائش باب پانچ آیات ۳ تا ۲۹ میں حضرت نوح علیہ السلام کے احوال درج ہیں، اس میں آپ کا یہ نسب نامہ درج ہے:

نوح بن لمک بن متوسلح بن حنوک بن یارد بن محلل ایل بن قینان بن انوس بن سیت بن آدم۔ (1)

اس طرح بھی آپ حضرت آدم سے دسویں پشت میں ہیں۔ علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے بھی حضرت نوح کو دسویں پشت ہی میں شمار کیا ہے اور آپ کے آباء کے ناموں میں برائے نام فرق ہے۔ نوح بن لامک بن متوشلح بن اخنوخ وھو ادریس بن یرد بن مہلایل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہم السلام۔ قَالَ وَهْبٌ كُلُّهُمْ مُؤْمِنُوْنَ (2)۔ وہب کہتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام مومن تھے۔

قتل عمد کی ابتدا تو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں ہو چکی تھی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں نفاق پھیل گیا، لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت نوح ؑ کے عہد تک تو شرک و کفر، ظلم و ستم اور بدکاریوں کی انتہا ہو گئی۔ دل اتنے سخت ہو گئے، مزاج اتنے بگڑ گئے، عقلیں اتنی مسخ ہو گئیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دس پچاس سال نہیں، ساڑھے نو سو سال تک انہیں صبح و شام سمجھایا، خلوتوں اور جلوتوں میں انہیں دعوت حق دی لیکن گنتی کے چند آدمیوں کے سوا کسی نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ ان کا عناد اور بڑھ گیا۔

حضرت نوح، آپ کی تبلیغی مساعی، قوم کی معاندانہ روش کا ذکر آپ پہلے بھی کئی مقامات پر پڑھ آئے ہیں۔ یہ ساری سورت آپ کے حالات پر مشتمل ہے۔ غور فرمایئے جب طبیعتیں بگڑ جاتی ہیں تو اصلاح کی کوششیں کیسے ناکام ہوتی ہیں۔ پہلی آیت میں نوح علیہ السلام کو ان کے فریضۂ نبوت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ آپ اٹھیے اور اپنی قوم کے پاس تشریف لے جایئے اور انہیں بتایئے کہ ان کی پیہم بدکاریوں اور کفر و شرک کے باعث وہ عذاب الٰہی کے سزاوار ہو گئے ہیں لیکن ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا، اب بھی اگر وہ آنکھیں کھولیں اور اپنی غلط روش سے باز آ جائیں تو ان کی بخشش کی امید کی جا سکتی ہے۔

[2] میں تمہیں عام فہم الفاظ میں اور کھلے کھلے انداز میں ڈرانے والا بن کر آیا ہوں تا کہ تم باز آ جاؤ اور توبہ کرو۔

1۔ کتاب مقدس (پرانا عہد نامہ)، پیدائش، باب 5، آیت 3 تا 29، ص 8

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 298

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ

کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو ۳ وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ ۴

وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ

وقف لازم

اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک ۔ بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جاسکتا ۵

لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾

کاش! تم (حقیقت کو) جان لیتے ۶ نوح نے عرض کی اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت ۷

۳ میری دعوت کے تین بنیادی اصول ہیں۔ (۱) کفر و شرک چھوڑ دو۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو۔ اس سے تمہارے عقائد درست ہو جائیں گے۔ توہمات اور وسوسوں سے تمہاری عقلیں آزاد ہو جائیں گی اور جب نورِ توحید چمکے گا تو تمہارا سینہ وادیٔ ایمن بن جائے گا۔ (۲) میری دعوت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ تم تقویٰ کو اپنا شعار بنالو۔ جب تم متقی اور پارسا بن جاؤ گے تو فسق و فجور کی عفونتوں سے تمہارا دامن پاک ہو جائے گا۔ ظلم و ستم، لُوٹ کھسوٹ، جھوٹ اور غیبت، خود غرضی اور حرص کا تمہارے معاشرے میں نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ خود سوچو اس طرح تمہارے معاشرے میں کتنی خوش آئند تبدیلی رونما ہوگی۔ (۳) میری دعوت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ تمہارے رب نے مجھے مرشد و رہنما بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ میں تمہیں سیدھی راہ پر لے چلوں گا اور منزلِ مراد تک پہنچا دوں گا۔ جب تم مجھے اپنا رہنما اور پیشوا تسلیم کرلو گے تو تم میں انتشار اور طوائف الملوکی کے بجائے قومی اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ تم ایک منظّم اور متحد ملّت کی طرح قوت و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کر سکو گے۔

۴ میری دعوت کو قبول کرنے کا پہلا مبارک نتیجہ تو یہ نکلے گا کہ تمہارے سابقہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور ان گناہوں کے باعث جو عذاب عنقریب تم پر نازل ہوا چاہتا تھا، وہ ٹل جائے گا اور تمہاری مہلت کو لمبا کر دیا جائے گا۔

۵ جب کوئی قوم اپنے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے اور اسے غور و فکر کرنے کے لیے جو مہلت دی گئی ہو، وہ ختم ہو جاتی ہے اور مشیت ایزدی، اس قوم کو نابود کر دینے کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے تو پھر کوئی طاقت اس فیصلے کو مؤخر نہیں کر سکتی۔

۶ اگر یہ حقیقت تم پر آشکارا ہو جائے تو تم مہلت کے ان قیمتی لمحوں کو ضائع نہ کرو بلکہ فوراً توبہ کرلو۔

۷ نوح علیہ السلام منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔ آپ کو برا بھلا کہا جاتا، طعن و تشنیع کے تیر برسائے جاتے، افترا و بہتان کے طوفان اٹھائے جاتے، حتی کہ آپ کو مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا، آپ پہروں بے ہوش پڑے رہتے، آپ کو کسی مکان میں بند کر دیا جاتا لیکن اس جور و جفا کے باوجود یہ پیکر اخلاص و وفا ان نانہجاروں کی اصلاح میں لگا رہا۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے دعائیں مانگتا رہا۔ آپ ان کو شب و روز تبلیغ بھی کرتے۔ عام اجتماعوں میں بلند آواز سے انہیں وعظ فرماتے۔ جب وہ اپنی خلوت گاہوں میں بیٹھے ہوتے، آپ وہاں جا کر رازدارانہ طور پر اور چپکے چپکے ان کو گمراہیاں

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (و نفرت) میں ہی اضافہ ہوا۔ اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے

جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا

(تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں ۸ اور اپنے اوپر لپیٹ لیے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر)

وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ۚ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾ ۙ ثُمَّ اِنِّيْٓ

اور پرلے درجہ کے متکبّر بن گئے۔ پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی۔ پھر انہیں

اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿٩﴾ ۙ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۗ

کھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی۔ پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ

بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے ۹ وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش، اور مدد فرمائے گا تمہاری

چھوڑنے کی تلقین کرتے، یہ سلسلہ جاری رہا۔ ماہ و سال نہیں، نو صدیاں بیت گئیں ان میں حق پذیری کے آثار نمایاں نہ ہوئے بلکہ ان کی ہٹ اور تعصب میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا۔ جب آپ کو ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہی تو آپ نے اپنے پروردگار کے حضور میں اپنی رُودادِ الم بیان کرنی شروع کر دی۔ عرض کرتے ہیں: الٰہی! ان کو سمجھانے میں، میں نے دن رات ایک کر دیا، کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن جتنا میں ان کو حق کی طرف کھینچتا ہوں اتنا ہی وہ اس سے دور بھاگتے ہیں اور ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۸ جب بھی میں ان کو وعظ کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، یہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں تاکہ میری آواز ہی انہیں سنائی نہ دے اور اپنے آپ کو اپنے کپڑوں سے ڈھانپ لیتے ہیں تاکہ میری شکل ہی نہ دیکھ سکیں یا منہ پر چادر ڈال کر گزر جاتے ہیں تاکہ میں نہ ان کو پہچانوں اور نہ ان کو تلقین کروں۔ الٰہی! یہ کفر پر جم کر رہ گئے ہیں۔ انہوں نے بارہا مجھے کھلے لفظوں میں کہا: اے نوح! تم خواہ مخواہ اپنا دماغ کھپا رہے ہو۔ تم لاکھ دلائل پیش کرو، ہم کفر کو نہیں چھوڑیں گے۔

ان کا رویّہ اپنے رسول کے ساتھ از حد متکبرانہ تھا۔ وہ کہتے: ہم آپ کو اپنا پیشوا کیسے تسلیم کر لیں؟ کمین اور رذیل قسم کے لوگ آپ کے مرید ہیں۔ کسی قابل شخصیت نے، کسی رئیس قریہ نے، کسی ملک التجار نے تو آپ کو آج تک نبی تسلیم نہیں کیا۔ ان کنگلوں کے پاس بیٹھنا بھی ہماری توہین ہے۔ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (سورۃ الشعراء: ۱۱۱)

۹ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے تو صرف تمہاری آخرت ہی نہیں سنورے گی بلکہ دنیا بھی سنور

بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ⑫

اموال اور فرزندوں سے ۱۰ اور بنادے گا تمہارے لیے باغات اور بنادے گا تمہارے لیے نہریں۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ⑬ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ⑭ اَلَمْ

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پروا نہیں کرتے اللہ کی عظمت و جلال کی ۱۱ حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے ۱۲ کیا تم نے

جائے گی۔ بروقت بارشیں برسیں گی۔ قحط سالی کا تمہیں کوئی اندیشہ نہ رہے گا۔ ڈول نکالنے، رہٹ چلانے، نہریں کھودنے، سرد راتوں میں آبپاشی کرنے کی زحمت سے بھی نجات مل جائے گی۔

۱۰ صرف اتنا ہی نہیں، تم پر اور نوازشیں بھی کی جائیں گی۔ تمہیں خوبصورت، تندرست، قوی ہیکل فرزند بھی دیئے جائیں گے، مال و دولت میں بھی ہر لحہ اضافہ ہو جائے گا۔ یہ بنجر زمین، یہ چٹیل میدان جو حد نگاہ تک پھیلے ہوئے ہیں یہاں سرسبز و شاداب باغات لہلہانے لگیں گے۔ ان خشک ریگزاروں میں نہریں بہنے لگیں گی۔ بتاؤ تمہیں اور کیا چاہیے؟

سورۂ مائدہ کی آیت ۶۶، اعراف کی آیت ۹۶، سورۂ ہود کی آیت ۵۲، ۵۳ اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں کہ جو قوم اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار بن جاتی ہے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر استغفار کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مالی حالت بھی بہتر بنا دیتا ہے۔ امام شعبی سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استسقاء کے لیے نکلے اور صرف استغفار کی اور واپس چلے آئے اور فوراً بارش برسنے لگی۔ صحابہؓ نے کہا کہ آپ نے نماز استسقاء تو نہیں پڑھی، پھر یہ بارش کیسے آگئی؟ آپ نے جواب دیا: لَقَدْ طَلَبْتُ الْمَطَرَ بِمَجَادِيْحِ السَّمَآءِ الَّتِيْ يُسْتَنْزَلُ بِهَا الْمَطَرُ ثُمَّ قَرَأَ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ (1)۔ میں نے بارش آسمان کے اس ستارے کے طفیل طلب کی ہے جس کے باعث بارش اُترتی ہے۔ پھر یہ آیتیں پڑھیں۔ معلوم ہوا کہ استغفار بھی نزولِ بارش کا ذریعہ ہے۔

ابن سبیح کہتے ہیں کہ امام حسن بصری کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ ایک اور آدمی آیا اس نے فاقہ کی شکایت کی، اس کو بھی یہی جواب دیا۔ تیسرا آدمی آیا اس نے اولاد نرینہ کے لیے درخواست کی اس کو بھی یہی جواب دیا۔ ایک اور آدمی آیا، اس نے عرض کیا میرا باغ خشک ہو گیا، پھل نہیں دیا۔ اسے بھی یہی جواب دیا۔ ہم نے کہا کہ مختلف لوگوں نے مختلف درخواستیں پیش کیں اور آپ نے سب کا ایک ہی جواب دیا۔ حسن بصری نے کہا کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح میں فرمایا ہے اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ⑩ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ⑪ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ⑫۔ (قرطبی) (2)

۱۱ جب اس بات کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو آپ انہیں سرزنش فرمانے لگے کہ بڑے افسوس کی بات ہے اگر کوئی مالدار آدمی تمہارے پاس آتا ہے، تم اٹھ کر اسے سلام کرتے ہو، اگر کسی علاقے کا کوئی سردار آجائے تو اس کا تم احترام کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ہی ایک ایسی ذات ہے جس کا تمہیں کوئی لحاظ نہیں، جس کی تمہیں کوئی پروا نہیں، جس کی گرفت کا تمہیں کوئی خوف نہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے آیت کا یہی مفہوم بتایا ہے۔ مَا لَكُمْ لَا تُبَالُوْنَ لِلّٰهِ عَظَمَةً (3)۔ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 302 2۔ ایضاً، جز 18، ص 3-302 3۔ ایضاً، ج 18، ص 303

تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ

نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ ۱۳ اور بنایا ہے چاند کو

فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِّنَ

ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو (درخشاں) چراغ ۔ اور اللہ نے تم کو زمین سے

الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴿١٨﴾ وَاللّٰهُ

عجب طرح اُگایا ہے ۱۴ پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا ۔ اور اللہ نے

جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾ ع ۲۰ ۹

ہی زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا ہے تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو ۱۵

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَ

نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی ۱۶ اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور

تم پروا نہیں کرتے؟ قطرب کہتے ہیں کہ حجازی لغت میں اس کا یہی معنی ہے۔ ہُذَیل، خزاعۃ اور مُضر یَقُوْلُوْنَ لَمْ اَرْجُ: لَمْ اُبَالِ۔ (قرطبی)(1) وَقَارٌ: عظمت۔(2)

۱۲ اَطْوَار کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کئی مرحلوں سے گزارا اور پھر اس شکل وصورت میں آراستہ کر کے پیدا فرمایا۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَطْوَارًا یَّعْنِیْ نُطْفَةً ثُمَّ عَلَقَةً ثُمَّ مُضْغَةً اَیْ طَوْرًا بَعْدَ طَوْرٍ اِلٰی اِتْمَامِ الْخَلْقِ (3)۔ اور بعض نے اس کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ پہلے تم بچے تھے، پھر جوان ہوئے، پھر بڑھاپا آیا، پھر پیر فرتوت بن کر کمزور ہو گئے۔

وَقِیْلَ اَطْوَارًا: صِبْیَانًا ثُمَّ شُبَّانًا ثُمَّ شُیُوْخًا وَّضُعَفَآءَ (4)۔ اَطْوَارًا کا ایک تیسرا معنی بھی بتایا گیا ہے۔ مختلف انواع واقسام۔ کوئی صحتمند، کوئی بیمار، کوئی بینا، کوئی نابینا، کوئی غنی، کوئی فقیر (قرطبی)، وَقِیْلَ اَطْوَارًا اَیْ اَنْوَاعًا صَحِیْحًا وَّسَقِیْمًا وَّبَصِیْرًا وَّضَرِیْرًا وَّغَنِیًّا وَّفَقِیْرًا۔(5) (قرطبی)

۱۳ انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں اس کی قدرت، حکمت اور رحمت کے جو آثار جلوہ نما ہوتے ہیں، ان کے ذکر کے بعد بلندیوں کی طرف متوجہ کیا۔ فرمایا تہ بہ تہ سات آسمانوں کو دیکھو، نور برسانے والے چاند کو دیکھو، نیرِ اعظم آفتابِ عالمتاب کو دیکھو! کیا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے اس کے بعد بھی تمہیں کسی دلیل کی ضرورت ہے؟

۱۴ انسان کی تخلیق، موت اور بعثت کی طرف متوجہ کیا۔

۱۵ اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان کا ذکر فرمایا کہ رب کریم نے زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا ہے اور اس میں بڑے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 303 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، ص 303 5۔ ایضاً، ص 304

وَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۚ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ

اولاد نے بجز خسارہ کے۔ اور انہوں نے بڑے بڑے مکروفریب کیے ۱۷؎ اور رئیسوں نے کہا اے لوگو! (نوح کے کہنے پر)

اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَ

ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو ۱۸؎ اور (خاص طور پر) وَدّ اور سواع کو مت چھوڑنا، اور نہ یغوث، یعوق اور

کشادہ راستے بنا دیئے ہیں جن پر چل کر تم بآرام منزل تک پہنچ سکتے ہو۔ سُبُلٌ: سَبِيْلٌ کی جمع ہے اور فِجَاجٌ: فَجٌّ کی۔ اَلطَّرِيْقُ الْوَاسِعَةُ وَقِيْلَ الْفَجُّ: اَلْمَسْلَكُ بَيْنَ الْجَبَلَيْنِ (1)، یعنی اس کا معنی کشادہ راستہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو فَجٌّ کہتے ہیں۔

۱۶؎ الٰہی! مجھے تو نے ان کا رسول اور ہادی بنا کر بھیجا تھا۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ کسی پس وپیش کے بغیر میری اطاعت کرتے اور دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے اپنا دامن بھرتے لیکن انہوں نے میری تو جی بھر کر نافرمانی کی اور ایسے بدبخت اور بدکار رئیسوں کو اپنا پیشوا بنا لیا جو مال اور اولاد کی کثرت کے باعث تجھ سے دور ہو چکے تھے اور رات دن عیش وعشرت میں بسر کرتے اور اپنے گھاٹے کو دن بدن بڑھاتے چلے جاتے تھے۔

۱۷؎ یہ رئیس لوگ خود ہی گمراہ اور بدکار نہ تھے بلکہ وہ اس کوشش میں لگے رہتے کہ عوام بھی حضرت نوح سے برگشتہ رہیں اور ان کے دین کو قبول نہ کریں۔ انہیں یہ فکر دامنگیر تھا کہ اگر عوام نے حضرت نوح کے دین کو قبول کر لیا تو ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ ان کمزوروں اور ضعیفوں کا اگر شعور بیدار ہو گیا اور خدا کے ساتھ ان کا رابطہ قائم ہو گیا تو وہ ان کی غلامی کا طوق اتار کر دور پھینک دیں گے۔ اس خطرہ کے سدِّ باب کے لیے وہ ہر قسم کے مکروفریب سے کام لیتے۔ ایسی ایسی چالیں چلتے کہ بھلے چنگے سمجھدار لوگ بھی پھنس جاتے۔ کبھی کہتے: نوح ہماری طرح ہی ایک بشر ہے، اس پر کیسے وحی نازل ہوگی؟ (الاعراف: ۹۳) کبھی کہتے: اس کے مرید رذیل قسم کے لوگ ہیں، کوئی کام کا آدمی تو ان کے ہاں نظر نہیں آتا۔ کیا قوم کے بڑے بڑے رئیس، تاجر اور چودھری سب احمق ہیں اور یہ کمّی لوگ ہی اتنے سیانے واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا؟ (ہود: ۲۷) کبھی کہتے: اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا ہوتا تو کسی معصوم فرشتے کو بناتا۔ (المومنون: ۲۴) کبھی کہتے کہ نوح نے نبوت کا دعویٰ محض اپنی ریاست قائم کرنے کے لیے اور تمہارا لیڈر بننے کے لیے کیا۔ (المومنون: ۲۴) یہ اور اس قسم کی کئی بے سروپا باتیں وہ بڑے جوش وخروش سے کیا کرتے اور اکثر لوگ ان کے اس دام فریب میں پھنس جاتے۔ كُبَّارٌ، كَبَّارٌ اور كَبِيْرٌ ہم معنی ہیں۔ وَقِيْلَ كُبَّارٌ لِّلْمُبَالَغَةِ۔ (قرطبی)(2)

۱۸؎ بڑے ناصحِ مشفق بن کر انہیں نصیحت کرتے کہ نوح کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ خصوصاً جو بڑے پانچ معبود ہیں، ان کی خدائی پر پختہ یقین رکھنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ نوح علیہ السلام کے عہد کے یہ پانچ بڑے دیوتا تھے جن کی پرستش بڑی دھوم دھام سے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، صفحہ 306 2۔ ایضاً، جز 18، ص 307

کی جاتی تھی (1)۔ حضرت نوح علیہ السلام نے صدیوں اپنی قوم کو سمجھایا کہ یہ بے جان بت کیونکر خدا بن سکتے ہیں؟ لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ اس کا تفصیلی ذکر آپ پہلے بھی کئی مقامات پر پڑھ چکے ہیں اور اس سورت میں بھی پڑھ رہے ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ ان بتوں کی حقیقت کیا تھی؟ عقلِ انسانی نے کیوں انہیں معبود یقین کر لیا؟ صنم پرستی کا رواج اہل تحقیق کے نزدیک دو طریقوں سے ہوا۔ پہلا طریقہ صائبین نے اختیار کیا۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرامِ سماوی (ستارے، چاند، سورج) بھی جاندار اور ذی روح ہیں۔ ان کا تعلق اس عالمِ دنیا سے بھی ہے اور اسی تعلق کی بنا پر یہاں سارے تغیرات، ولادت، موت، صحت، بیماری، فتح، شکست، عزت، ذلت وغیرہ رُونپذیر ہوتے ہیں۔ جب ان کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا تو وہ ان کی عبادت کی طرف راغب ہوئے۔ لیکن یہ اجرام ان کی رسائی سے بالا تھے۔ ان میں سے بیشتر ان کی آنکھوں سے اوجھل تھے۔ انہوں نے ان کے ناموں پر بُت بنا کر سامنے رکھ لیے تاکہ ان کے ذکر و تصوّر کی وہاں تک رسائی ہو سکے۔ چنانچہ اس طرح بُت معرضِ وجود میں آئے اور پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی۔ مذاہب باطلہ میں سے سب سے قدیم مذہب انہی صائبین کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پانچ بُت، جن کی پرستش حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ہوتی تھی، بعض ستاروں کے نام ہوں اور ان کے ناموں پر یہ اصنام تراشے گئے ہوں۔ نسر تو دو ستاروں کا نام ہے۔ ایک کو نَسْرُ الْوَاقِعِ اور دوسرے کو اَلنَّسْرُ الطَّائِرُ کہتے ہیں۔ اشوریین جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے ان کے ایک معبود کا نام نسروخ یعنی نسرِ عظیم تھا۔ اس کا ایک ہیکل ان کے دار الحکومت نینوا میں بھی تھا جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔

اصنام پرستی کی دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب ان میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے جو کہانت، شجاعت، قوت، علم یا اخلاقِ حسنہ میں عام لوگوں کی سطح سے بہت اونچے تھے تو عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے کہ ان میں روح الٰہی نفوذ کیے ہوئے ہے، اس لیے ان سے یہ مافوق البشر اعمال صادر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کے مجسمے تراش لیتے اور ان کی عبادت کرنے لگتے۔

کتب تفسیر میں ایسی روایات بھی مذکور ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ وَدّ، سواع وغیرہ بہت پارسا اور عبادت گزار۔ جب یہ انتقال کر گئے تو لوگوں پر ان کی جدائی بڑی شاق گزری۔ انہیں ان کی موت کا از حد صدمہ پہنچا۔ کیونکہ یہ لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور نیکی کی دعوت دیتے تھے، خود بھی سراپا نیکی و طہارت تھے۔ ان کے نورانی چہروں کو دیکھ کر اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر انہیں خدا کی یاد آتی تھی، چنانچہ کسی کے مشورے سے (بعض نے لکھا ہے کہ مشورہ دینے والا ابلیس تھا اور انسانی شکل میں ان کے پاس آیا تھا) انہوں نے ان کی تصویریں بنا لیں تاکہ ان کی شبیہوں کو دیکھ کر دلوں کو سکون ملے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کا جذبہ کمزور نہ ہونے پائے۔ کئی نسلیں تو اسی حالت پر گزریں لیکن جب کافی عرصہ گزر گیا تو بعد میں آنے والی نسلوں نے رفتہ رفتہ اصلی مقصد کو بُھلا دیا اور شیاطین، جن و انس کے اغوا کرنے پر انہیں اپنا معبود سمجھ لیا اور ان کی عبادت شروع کر دی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا غضب، طوفان کی صورت میں نمودار ہوا اور انہیں اور ان کے بتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا۔

اس طوفان سے صرف وہی لوگ بچے جو آپ کے سفینہ میں سوار تھے اور جو توحید پر کامل ایمان رکھتے تھے۔ جب پھر کافی عرصہ گزر گیا تو سابقہ گمراہیاں دوبارہ عود کرنے لگیں، حتی کہ بت پرستی کی رسم بد بھی شروع ہو گئی۔ بعد میں آنے والی نسلوں نے اپنے آباؤ اجداد سے یہ تو سن رکھا تھا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ بڑے دیوتا تھے جن کے یہ نام تھے۔ ان لوگوں نے اپنے جذبہ مذاہب پرستی کی تسکین کے لیے نئے بت تراشے اور انہیں ان پہلے دیوتاؤں کے ناموں سے موسوم کر دیا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورۃ نوح، ج 2، ص 732

نَسۡرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدۡ اَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

نسر کو۔ اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ (الٰہی!) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے ١٩

مِمَّا خَطِيٓـٰٔتِهِمۡ اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۙ فَلَمۡ يَجِدُوۡا لَهُمۡ

اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا ٢٠ پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا ٢١ پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لیے

عرب میں سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز کرنے والا عمرو بن لُحّی بن قمعہ تھا (1)۔ یہ ان لوگوں سے متاثر ہوا۔ اس نے تین صد چالیس سال کی طویل عمر پائی۔ کعبہ کی تولیت پانچ سو سال تک اس کے اور اس کی اولاد کے پاس رہی اور اس نے بت پرستی کو رواج دینے میں اپنی پوری کوششیں صرف کر دیں۔ کعبۃ اللہ جس کو حضرت خلیل علیہ السلام نے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا، اسی بدبخت کے زمانے میں بت خانہ بنا۔ عرب کے مختلف قبائل کے ہاں جو بت تھے ان میں بھی جن بتوں کو بڑی شہرت اور ناموری حاصل تھی وہ پانچ بت بھی تھے جن کے نام وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔ چنانچہ بنی کلب کے بت کا نام وَد تھا (2) جس کا مندر دومۃ الجندل میں تھا۔ قریش کا بھی ایک بت تھا جس کو وہ وُدّ کہا کرتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ وہی بنی کلب والا بت ہو اور یہ اس کا تلفظ وُدّ، واؤ مضموم سے کرتے ہوں۔ ہوسکتا ہے یہ ان کا نیا بت ہو اور اس کے مقابلہ کے لیے انہوں نے بنایا ہو۔

سواع: یہ بھی ایک بت کا نام تھا جو پہلے ہُذیل کے پاس تھا اور ان سے منتقل ہو کر قبیلہ ہمدان کے پاس آیا۔ وہ رہاط کے مقام پر نصب تھا۔ لوگ دور دراز سے اس کا حج کرنے آتے۔ یغوث: بنی مراد کا بت تھا۔ ان کے پاس سے پھر بنی عطیف کے پاس آیا (3)۔ اس کا استھان ملک سبا میں تھا۔ یعوق بنی کنانہ کا بت تھا اور نسر، حمیر کے قبیلہ کی ایک شاخ آل ذی الکلاع کا معبود تھا۔ ان کے بارے میں یہ بھی تصریح ہے کہ ان سب کی شکلیں انسانی نہ تھیں بلکہ مختلف تھیں۔ وَدّ کا بت قوی ہیکل مرد کی شکل کا تھا۔ سواع ایک عورت کا مجسمہ تھا (4)۔ یغوث کی شکل شیر کی تھی۔ یعوق گھوڑے کا ہمشکل تھا اور نسر عقاب کی صورت پر تھا اور سب مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے تھے۔ (5)

علم الاصنام، اصنام ہی کی طرح خرافات کا پلندہ ہے۔ توہمات و تخیلات کا مجموعہ۔ جتنا اس کو سمجھنے کی کوشش کرو، اتنا ہی یہ الجھتا چلا جاتا ہے۔ قارئین کے ذوقِ تجسّس کا پاس نہ ہوتا تو شاید یہ چند سطور بھی نہ لکھتا۔

١٩ یہ نوح علیہ السلام کے قول کا تتمہ ہے۔ عرض کر رہے ہیں کہ الٰہی! ان گمراہ رئیسوں نے گمراہی کا طوفان برپا کر دیا اور سادہ لوح لوگوں کی اکثریت، اس میں تنکوں کی طرح بہہ گئی ہے۔ الٰہی! ان ظالموں کی گمراہی میں اور اضافہ کر تاکہ یہ سخت سے سخت ترین عذاب کے مستحق قرار پائیں اور انہیں اپنی بدمعاشیوں، مکّاریوں اور شرارتوں کی خوب خوب سزا ملے۔

٢٠ ان کی خطاؤں کے باعث، ان کو غرق کر دیا گیا۔ اگرچہ ان کے گناہوں کی فہرست بڑی لمبی ہے، لیکن سرفہرست شرک ہے۔ یہی ان کا وہ گناہ تھا جس کے باعث وہ دوسرے گناہوں کی دلدل میں دھنستے چلے گئے اور انبیاء و صالحین نے ان کو باہر نکالنے کی جس قدر مساعی کیں، انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے انہیں ناکام بنا دیا۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 182

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 18، ص 309

3۔ صفوۃ البیان لمعانی القرآن، ص 751، مطبوعہ وزارت اوقاف کویت

4۔ ایضاً

5۔ ایضاً

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ

اللہ کے سوا کوئی مددگار ٢٢ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ

کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا ٢٣ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور

لَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ

نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار، سخت ناشکر گزار ہوگی ٢٤ میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو

٢١ اُدْخِلُوْا پر فآ عاطفہ ہے۔ جہاں ترتیب اور تعقیب بتانا مقصود ہو یعنی یہ کام پہلے کام کے بعد ہوا اور اس کے بعد فوراً ہوا تو یہ فآ استعمال ہوتی ہے۔ یعنی ان کے غرق ہونے کے بعد فَاُدْخِلُوْا نَارًا کہ انہیں معاً آگ میں ڈال دیا گیا۔ اسی سے اہل سنت عذاب قبر پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ بتانا مقصود ہوتا کہ قیامت کے روز ان کو واصل بجہنم کیا جائے گا تو فَاُدْخِلُوْا نہ کہا جاتا بلکہ ثُمَّ اُدْخِلُوْا ہوتا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: هِيَ نَارُ الْبَرْزَخِ فَالْمُرَادُ عَذَابُ الْقَبْرِ۔ وَمَنْ مَّاتَ فِيْ مَاءٍ اَوْ نَارٍ اَوْ اَكَلَتْهُ السِّبَاعُ اَوِ الطَّيْرُ مَثَلًا اَصَابَهٗ مَا يُصِيْبُ الْمَقْبُوْرَ مِنَ الْعَذَابِ (1)۔ یعنی اس آگ سے مراد، برزخ کی آگ ہے۔ مقصد عذابِ قبر ہے۔ جو شخص پانی میں ڈوب جائے، آگ میں جل جائے یا اسے درندے یا پرندے نوچ کھائیں تو اس کو بھی وہی عذاب ہوتا ہے جو اس ظاہری قبر میں مدفون کو ہوتا ہے۔ معتزلہ، عذاب قبر کے منکر ہیں۔ وہ برزخ کی زندگی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ انہوں نے اس آیت کی تاویلیں کی ہیں۔ علامہ پانی پتی نے اس مقام پر ان کا رد کیا ہے اور عذاب قبر کے اثبات کے لیے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک پیش خدمت ہے:

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں: مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةً اِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ میں نے جب بھی حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا حضور نماز کے بعد عذاب قبر سے ضرور پناہ مانگتے۔ (متفق علیہ) (2)

٢٢ جب اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو گھیر لیا تو کوئی نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی امداد کرتا اور انہیں عذاب کے چنگل سے رہائی دیتا۔

٢٣ اَلْاَرْض سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہے۔ اَيْ اَرْضِ قَوْمِهٖ (3) (مظہری) آپ نے بددعا کی: الٰہی! سب کو ہلاک کردے۔ ان میں سے کسی کو بھی زندہ باقی نہ رہنے دے۔

٢٤ معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام باعلام اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتے تھے کہ اب ان کی نسلوں میں کوئی بھی مومن پیدا نہ ہوگا۔ سب

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج29، ص79

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص78۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر، ج1، ص217

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص78

لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا

اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو ٢٥ اور کفار کی

تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝٢٨ ع

ع ٢/٨٠/١٠

کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے ۔

فاسق وفاجر، مشرک وکافر پیدا ہوں گے۔

٢٥ آخر میں اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے، اپنے عقیدت مندوں کے لیے بلکہ سب اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگی۔

○○○○○○

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِ الْوَرٰى اِمَامِ الْاَنْبِيَاءِ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ اَحَبَّهٗ وَعَزَّرَهٗ وَاَكْرَمَهٗ وَتَبِعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۔

تعارف سُورة الجنّ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ پاک میں جنات کے احوال کا بیان ہے نیز اس کی پہلی آیت میں الْجِنُّ کا لفظ بھی مذکور ہے، اس لیے اس کا نام الْجِنُّ تجویز ہوا ہے۔

زمانۂ نزول: اس بات پر سب علماء متفق ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)، لیکن مکی زندگی کے کس دور میں نازل ہوئی؟ اس کا تعین مشکل ہے۔ البتہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کا نزول مکی زندگی کے ابتدائی دور میں ہوا۔ اس روایت کا ماحصل یہ ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کی غرض سے اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنات کا آسمان کی طرف پرواز کرنا بند ہو گیا تھا۔ وہ آسمان کے قریب جانے کی کوشش کرتے تو شہاب ثاقب ان کا تعاقب کرتے۔ انہوں نے اس کا ذکر اپنی قوم کے سرداروں سے کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ ماجرا ابلیس سے آکر کہا۔ وہ بولا ضرور کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمان کی طرف تمہارا عروج روک دیا گیا ہے۔ اس لیے زمین کے شرق و غرب میں پھیل جاؤ۔ زمین کا گوشہ گوشہ چھان ڈالو اور اس حادثہ کا سراغ لگاؤ۔ جنات کا وہ گروہ جو تہامہ کے علاقہ میں چکر لگانے کے لیے آیا تھا، انہوں نے نخلہ کے مقام پر حضور کو صبح کی نماز ادا کرتے پایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے جب کلام الٰہی سُنا تو کہنے لگے: بخدا! یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اور جو سنا تھا انہیں جا کر بتایا اور اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ (2)

اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اپنے حبیب کو جنات کی آمد اور اُن کے دیگر احوال کے بارے میں آگاہ کیا۔ اس روایت میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مکی دور کی ابتدا میں ہی یہ واقعہ رو پذیر ہوا ہو گا کیونکہ جنات کی آسمان کی طرف پرواز نزول وحی کے ساتھ ہی بند کر دی گئی تھی۔

حضرت ابنِ عباس سے ایک دوسری روایت بھی ہے جس میں طائف سے واپسی کے وقت نخلہ میں قیام اور جنات کی حاضری کا بیان ہے۔ طائف کا سفر ۱۰ نبوی میں پیش آیا۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ صرف زید ابن حارثہ تھے۔ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ آیاتِ قرآنی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سورت میں جن جنات کا ذکر ہے وہ مشرک اور بے دین

1۔ روح المعانی، جز 29، ص 81

2۔ ایضاً، جز 29، ص 83

تھے اور جن کا ذکر سورۂ احقاف میں ہے وہ انبیاء اور آسمانی کتب پر ایمان رکھنے والے تھے۔

کُتبِ احادیث میں جنات کی حاضری کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ جنات چھ مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کا تذکرہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ”ایک روز نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی۔ مسجد سے باہر تشریف لے آئے، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے۔ یہاں تک کہ ہم ایک مقام پر پہنچے تو حضور نے مجھے ایک جگہ پر بٹھایا اور میرے اردگرد ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ تم اس سے باہر ہرگز نہ نکلنا۔ چنانچہ میں وہاں بیٹھ گیا۔ کئی لوگ میرے پاس سے گزرتے رہے۔ حضور سحری کے وقت تک واپس تشریف نہ لائے۔ پھر مجھے طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہاں تک کہ حضور پہنچ گئے۔ میں نے عرض کیا: ”میرے آقا رات بھر آپ کہاں تشریف فرما رہے ہیں؟“ فرمایا: مجھے آج جنات کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ میں نے دریافت کیا: یہ آوازیں کیسی تھیں؟ فرمایا: یہ ان جنوں کی آوازیں تھیں۔ وہ مجھے الوداع کہہ رہے تھے اور سلام عرض کر رہے تھے“۔ (1)

جنات کی حقیقت

جن جمع ہے اس کا واحد جِنّیٌّ ہے۔ جس طرح ”رُوم“ کا واحد رومی ہے۔ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: اَصْلُ الْجِنِّ سَتْرُ الشَّیْءِ عَنِ الْحَاسَّةِ (کسی چیز کے حواس سے پوشیدہ ہونے کو جن کہتے ہیں) انہوں نے اس مادہ سے کئی مشتقات کا بھی ذکر کیا ہے ان سب میں یہ معنی موجود ہے۔ ماں کے شکم میں جو حمل ہوتا ہے۔ اس کو ”جنین“ کہتے ہیں۔ دل کو ”جنان“ کہتے ہیں جو سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے ”مَجِنَّةٌ“ ڈھال کو کہتے ہیں جو انسان کو دشمن کے وار سے چھپا لیتی ہے۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد علامہ مذکور لکھتے ہیں: اِنَّ الرُّوْحَانِیِّیْنَ ثَلَاثَةٌ اَخْیَارٌ وَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَ اَشْرَارٌ وَّهُمُ الشَّیَاطِیْنُ وَاَوْسَاطٌ فِیْهِمْ اَخْیَارٌ وَّ اَشْرَارٌ وَّهُمُ الْجِنُّ (مفردات) (2)

ترجمہ: ”روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو سراپا خیر ہی خیر ہیں، وہ فرشتے ہیں۔ دوسری قسم ان کی ہے جو سراسر شر ہی شر ہیں، وہ شیاطین ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں کچھ نیک اور کچھ شریر ہوتے ہیں وہ جن ہیں“۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے جنات کی حقیقت کے بارے میں اہل سنت کی تحقیقات کا خلاصہ بایں الفاظ رقم فرمایا ہے:

اَلْجِنُّ اَجْسَامٌ ذَاتُ اَرْوَاحٍ کَالْحَیَوَانِ عَاقِلَةٌ کَالْاِنْسَانِ خَفِیَّةٌ عَنْ اَعْیُنِ النَّاسِ وَلِذَا سُمِّیَتْ جِنًّا خُلِقَتْ مِنَ النَّارِ کَمَا خُلِقَ آدَمُ مِنْ طِیْنٍ ..... تَتَّصِفُ بِالذُّکُوْرَةِ وَالْاُنُوْثَةِ وَتَتَوَالَدُ وَ الظَّاهِرُ اَنَّ الشَّیَاطِیْنَ مِنْهُمْ بِخِلَافِ الْمَلَائِكَةِ فَاِنَّهُمْ لَا یَتَّصِفُوْنَ بِالذُّکُوْرَةِ وَلَا بِالْاُنُوْثَةِ وَوُجُوْدُ الْجِنِّ وَالشَّیَاطِیْنِ وَالْمَلَائِكَةِ ثَابِتٌ بِالشَّرْعِ وَاَنْکَرَهُ الْفَلَاسِفَةُ۔ (تفسیر مظہری) (3)

ترجمہ: ”جن اجسام ہیں۔ ان میں ارواح ہوتی ہیں جس طرح حیوان۔ یہ انسان کی طرح عقلمند ہوتے ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اسی لیے انہیں جن کہا جاتا ہے۔ ان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے جیسے آدم کی مٹی سے۔ ان میں نر مادہ بھی ہیں۔ ان کی اولاد بھی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن فرشتے نر مادہ نہیں ہوتے۔ جنات، شیاطین اور ملائکہ کا وجود شریعت سے ثابت ہے، لیکن فلاسفہ ان کا انکار کرتے ہیں“۔

1۔ روح المعانی، جز29، ص83
2۔ مفردات راغب، ص4-203
3۔ تفسیر مظہری، ج10، ص79

ہمارے متجدّدین جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جنات کے بارے میں جو قصے اور واقعات زباں زدعوام ہیں یہ سب توہمات کی گلکاری ہے۔ قرآن کریم میں جن کا لفظ جو مذکور ہے ان کے نزدیک اس سے مراد کوئی علیحدہ مخلوق نہیں بلکہ انسانوں کے ان گروہوں کو جن کہا گیا ہے جو جنگلوں، صحراؤں اور پہاڑوں میں آباد ہیں۔ دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ ویرانوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیونکہ عام آبادیوں میں وہ دکھائی نہیں دیتے اور نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں اس لیے انہیں جن کہا گیا ہے اور یہی جن کا لغوی مفہوم ہے۔ یا جنات سے وہ انسان مراد ہیں جو کھل کر قرآنِ کریم سننے کی جرأت نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر قرآن کریم سننے کی سعادت حاصل کیا کرتے تھے۔ بہتر ہے کہ ہم اس نزاع کے تصفیہ کے لیے قرآنِ کریم کو ہی اپنا حکم تسلیم کریں۔ اگر قرآن کریم کی آیات سے یہ پتہ چلے کہ جن انسانوں کے ہی بعض گروہ ہیں تو پھر ہمیں تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہ کرنا چاہیے اور اگر قرآن کریم کی متعدد آیات ان کے علیحدہ مخلوق ہونے کی شہادت دیں تو پھر ہمیں انکار کی جرأت نہیں کرنی چاہیے۔ قرآن کریم میں جنات کا ذکر ایک بار نہیں، بار بار آیا ہے۔ ان مقامات کا آپ مطالعہ فرمائیں حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آجائے گی۔ سب سے پہلے سورۃ الرحمٰن کی یہ آیتیں پڑھیے: **خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝۱۴ وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝۱۵** (1)

ترجمہ: انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے۔

اگر جن نوع انسانی کے بعض افراد ہی ہوتے تو ان کی تخلیق بھی مٹی سے ہوئی ہوتی۔ حالانکہ قرآن بتا رہا ہے کہ جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی۔ جب دونوں کا مادۂ تخلیق جدا جُدا ہے تو پھر جنات کو نوع انسانی کے افراد کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اس چیز کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ جن وانس کی تخلیق کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶** (2) (ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔) اگر جن انسانوں کے ہی کسی مخصوص گروہ کا نام ہوتا تو پھر ان کو یہاں الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ انسانوں کے متعدد گروہ ہیں۔ ان میں سے اور کسی کا ذکر نہ کرنا صرف جنگلوں اور پہاڑوں میں بسنے والوں کا علیحدہ ذکر کرنا، کسی طرح بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

آیات قرآنی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے بہت پہلے ہوئی تھی۔ شیطان جنوں کا ہی ایک فرد تھا جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت موجود تھا۔ اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے باعث راندۂ درگاہ بن گیا تھا۔ اس کے بارے میں ارشاد ہے: **كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ** (3) (شیطان جنوں میں سے تھا، پھر اُس نے اپنے ربّ کی نافرمانی اختیار کر لی) تو جن جو نوع انسانی کے باپ آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے، انہیں ان کی اولاد کیسے شمار کیا جاسکتا ہے؟ جنات کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے جو انسانوں میں نہیں پائی جاتی۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جنات نوع انسانی کے افراد نہیں بلکہ جدا مخلوق ہیں۔ ارشاد ہے: **اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ** (4)۔ ترجمہ: (شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے، لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔)

1۔ سورۃ الرحمٰن: 15-14 2۔ سورۃ الذاریات: 56 3۔ سورۃ الکہف: 50 4۔ سورۃ لاعراف: 27

کثیر التعداد آیات میں سے صرف چند پیش کی گئی ہیں۔ اگر آپ غیر جانبداری سے ان کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانوں کی طرح جن بھی ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔ صرف اس لیے ان کا انکار کہ یہ ہمیں نظر نہیں آتے، اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ کیا ہم اپنے حواس کو اتنا ہمہ گیر خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے اور جو چیز ان حواس سے ثابت نہ ہو، وہ موجود ہی نہیں؟ اس طرح تو ہمیں پھر بہت سی چیزوں کا انکار کرنا پڑے گا۔ روح، فرشتے، نزول وحی وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں ہمارے حواس سے ماوریٰ ہیں اور کون ایسا مسلمان ہے جو ان کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کرے؟

مضامین: پہلے رکوع میں جنات کے اس خاص گروہ کے حالات بیان ہوئے ہیں جسے "نخلہ" کے مقام پر حضور سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے قرآن کریم سننے کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور اس کی وجہ سے جو انقلاب ان کے افکار و نظریات میں رُونما ہوا تھا اور جس جرأت سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا تھا، اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

دوسرے رکوع کی ابتداء سے عقیدۂ توحید کا اعلان کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظریۂ توحید کو بیان فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد ان کفار کا ذکر ہے جو خدا اور رسول کی نافرمانی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن ان کی حالت بڑی قابل رحم ہوگی۔

آخر میں اس حقیقت کو بیان فرما دیا کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص ہے۔ جب تک وہ کسی کو غیب کا علم نہ دے اسے کوئی جان نہیں سکتا۔ اور یہ علم غیب جنوں، ساحروں اور کاہنوں کو نہیں تعلیم کیا جاتا۔ یہ نعمت فقط ان رسولوں کو مرحمت فرمائی جاتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس شرف کے لیے چُن لیا کرتا ہے۔

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الجن مکی ہے اس میں ۲۸ آیتیں اور دو رکوع ہیں

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا

آپ فرمائیے میری طرف وحی کی گئی ہے ۱؎ کہ بڑے غور سے سُنا ہے (قرآن کو) جنّوں کی ایک جماعت نے ۲؎ پس انہوں نے (جاکر دوسرے جنّات کو) بتایا کہ

۱؎ رسول الثقلین، نبی الحرمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جن وانس، سب کے نبی تھے۔ جنات نے کئی مرتبہ بارگاہِ اقدس میں حاضری دی۔ علامہ پانی پتی، علامہ سید آلوسی، علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ جنات نے حضور سے چھ بار ملاقات کی (1)۔ اس لیے احادیث میں تعارض نہیں جس طرح بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور ان میں سے بعض نے گھبرا کر جنات کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے۔ بلکہ مختلف احادیث میں مختلف ملاقاتوں کے احوال مذکور ہیں۔ ان احادیث میں نہ تضاد ہے اور نہ تعارض اور نہ پریشان ہونے کی کوئی وجہ۔

پہلی حاضری وہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔ صحیح روایات کے مطابق یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چند صحابہ کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف جا رہے تھے۔ یہ جگہ مکہ سے دو رات کی مسافت پر ہے۔ یہاں زمانۂ جاہلیت میں میلے لگا کرتے، خرید وفروخت ہوتی اور اردگرد کے سارے قبائل وہاں جمع ہوتے۔ نخلہ کے مقام پر صبح کا وقت ہو گیا۔ حضور صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے اور سورۂ اقرأ یا سورۂ طٰہٰ کی تلاوت ہو رہی تھی کہ جنات کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ سوز وگداز میں ڈوبی ہوئی آواز جب انہوں نے سنی تو وہاں رُک گئے۔ بڑی خاموشی اور توجہ سے اس کو سنتے رہے۔ اس کلام پاک کے سننے سے ان کے دل کی دنیا بدل گئی، غفلت کے پردے چاک ہو گئے اور نورِ ایمان سے ان کے سینے روشن ہو گئے۔ دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر جب وہ اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہوں نے ان کو بھی بتایا کہ ہمارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ ہم نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ہے۔ تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تم جن گمراہیوں میں مبتلا ہو ان سے براءت کا اظہار کرو اور اس رسول مکرم کی دعوت کو قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان جنات کی آمد، قرآنِ کریم کو غور سے سننے اور پھر اپنے قبیلہ میں جا کر تمام ماجرا بیان کرنے کے سارے حالات بذریعہ وحی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بتا دیئے اور حکم دیا کہ آپ سب لوگوں میں اس کا اعلان کریں۔

۲؎ صرف کسی آواز کے سننے کو عربی میں سَمِعَ کہتے ہیں۔ اور اِسْتَمَعَ کا معنی غور اور توجہ سے سننا ہے (2)۔ اور اسی غور وتدبر سے سننے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کو ہدایت نصیب ہو گئی۔ اس کلام پاک کا یہی اعجاز ہے کہ جو اسے توجہ سے پڑھتا یا سنتا ہے اس کی تاثیر، اس کے دل میں اثر کر جاتی ہے اور وہ ہدایت پا جاتا ہے۔

نَفَرٌ کا لفظ عام طور پر تین سے دس تک کے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اس سے زیادہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا رہتا ہے۔ (3)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص82۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز29، ص83

2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص188

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج10، جز19، ص7

قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ① يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ

ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے ۳؎ راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم دل سے) اس پر ایمان لے آئے ۔ اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو

اَحَدًا ۙ② وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ③

اپنے رب کا ۔ اور بے شک اعلیٰ وارفع ہے ہمارے رب کی شان ۴؎ نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ④ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ

اور (یہ راز بھی کُھل گیا کہ) ہمارے احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہے ۵؎ اور ہم تو یہ خیال کیے تھے کہ

۳؎ جنات جب واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہیں جا کر بتایا کہ ہم نے ایک عجیب وغریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہم تو اس سے اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم عمر بھر کبھی اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

عَجَبًا مصدر ہے بمعنی عجیب (1)۔ اس میں مبالغہ ہے۔ یعنی یہ کلام اتنا عجیب وغریب ہے کہ ہم نے آج تک نہ ایسی فصاحت وبلاغت دیکھی ہے، نہ تبلیغ حق کا کہیں ایسا بانکپن نظر آیا ہے۔ الفاظ ہیں تو جیسے سُچّے موتیوں کی لڑیاں ہوں اور معانی ہیں تو اتنے ارفع، اتنے بلند کہ طائر فکر بھی وہاں دم نہیں مار سکتا اور اثر ہے تو ایسا کہ خود بخود دل کھنچے چلے آتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات، پہلے مشرک تھے۔ مشرک قوموں کی طرح انہوں نے بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کی جورو اور کسی کو اس کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ قرآن سننے سے جب نور ایمان، ان کے دلوں میں چمکا تو انہوں نے ان تمام خرافات کو پَرے پھینک دیا۔

سورۃ الاحقاف میں جن، جنات کا ذکر ہے وہ حضرت موسیٰؑ کے پیرو تھے اور اہل کتاب تھے۔ اس لیے وہ واقعہ اس واقعہ سے جُدا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات میں بعض مومن ہوتے ہیں اور بعض کافر۔ اور انسانوں کی طرح یہ بھی مکلّف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں، اپنے زمانے کے نبی کی اطاعت کریں اور اس کے لائے ہوئے دین کی پوری پوری اطاعت کریں۔ نیز یہ کہ ان میں سے نبی مبعوث نہیں کیے جاتے بلکہ وہ انسانوں کے نبیوں کے ہی پیروکار ہوتے ہیں۔

۴؎ جَدّ کا معنی ہے عظمت وجلال (2)۔ یعنی ہمارے رب کی عظمت اور اس کا جلال بڑا اعلیٰ وارفع ہے۔ کوئی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وَقِيْلَ مُلْكُهٗ وَسُلْطَانُهٗ (3)۔ یعنی جَدّ کا معنی اس کی حکومت اور بادشاہی۔

۵؎ سفیہ کا معنی ہے بیوقوف، احمق۔ اس سے وہ سرکش جن مراد ہیں جو راہِ حق سے بھٹک گئے اور کفر وگمراہی میں مبتلا ہو گئے۔ (4)
اَلشَّطَطُ: اَلْاِفْرَاطُ فِي الْبُعْدِ ... وَعُبِّرَ بِالشَّطَطِ عَنِ الْجَوْرِ۔ لَقَدْ قُلْنَا اِذًا شَطَطًا اَيْ قَوْلًا بَعِيْدًا عَنِ الْحَقِّ (5)۔ یعنی شطط کا

1۔ تفسیر روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 189
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 8
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 83 (ماخوذ)
5۔ مفردات راغب، ص 453

تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ

انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے ۶ اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ

الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ

لینے لگے جنّات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھادیا جنّوں کے غرور کو ۷ اور ان

اصلی معنی بہت دور ہونا ہے۔ یہ لفظ ذکر کر کے جور کا معنی بھی لیا جاتا ہے۔ اور وہ بات جو حق سے بہت دور ہو اسے بھی قَوْلًا شَطَطًا کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے جو جن گمراہ اور سرکش ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمیں سراسر جھوٹی اور بعید از حق باتیں بتایا کرتے ہیں۔

۶ اپنی گزشتہ گمراہی پر وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہیں کہ جن کو آج تک ہم نے اپنا پیشوا بنائے رکھا اور آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے رہے، ہمیں ان کے بارے میں قطعاً یہ خیال نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں بھی منسوب کرتے ہیں۔ اس حسن ظن کے باعث آج تک ہم بھٹکتے رہے۔ اگر ہمیں یہ پتہ چل جاتا کہ انسانوں اور جنوں میں ایسے رذیل اور گستاخ افراد بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں تو ہم ہرگز اتنے عرصہ تک ان لوگوں کی پیروی نہ کرتے اور اپنی گزشتہ عمر برباد نہ کرتے۔

۷ عہد جاہلیت میں اہل عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کسی ویران اور اُجاڑ وادی میں انہیں رات بسر کرنا پڑتی اور انہیں یہ خوف ہوتا کہ کوئی چیز انہیں گزند پہنچائے گی تو سونے سے پہلے بلند آواز سے وہ یہ کہتے: يَا عَزِيْزَ هٰذَا الْوَادِيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ السُّفَهَاءِ الَّذِيْنَ فِيْ طَاعَتِكَ (1)۔ اے اس وادی کے سردار! میں تیری ان احمقوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے تابعدار ہیں۔ جنات جب یہ سنتے تو ان کے غرور کی کوئی حد نہ رہتی اور کہتے سُدْنَا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ (2) کہ ہم جنوں اور انسانوں سب کے سردار بن گئے ہیں۔

آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ رَهَقًا: قَالَ الْمُجَاهِدُ طُغْيَانًا وَّقَالَ مُقَاتِلٌ غَيًّا (3)۔ سرکشی اور گمراہی۔

علامہ پانی پتی نے اسی آیت کے ضمن میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے۔ آپ بھی سن لیجیے:

بنی تمیم کا ایک شخص جس کا نام رافع بن عُمیر تھا، وہ اپنے اسلام لانے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں عالج کے ریگستان میں سفر کر رہا تھا۔ مجھے نیند آگئی، میں نے اونٹنی بٹھائی اور سونے سے پہلے جاہلیت کے دستور کے مطابق میں نے بلند آواز سے کہا: اَعُوْذُ بِعَظِيْمِ هٰذَا الْوَادِيْ مِنَ الْجِنِّ۔ جنات کے شر سے میں اس وادی کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر میں سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور وہ اس سے میری اونٹنی کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی آدمی نہ تھا۔ پھر سو گیا۔ دوسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار جب سویا اور اسی منظر سے گھبرا کر اُٹھ بیٹھا تو اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری اونٹنی تھر تھر کانپ رہی ہے۔ کوئی آدمی ہاتھ میں نیزہ لیے کھڑا ہے۔ ایک بوڑھے آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔ اسی اثنا میں تین جنگلی بیل دوڑتے ہوئے اِدھر آ نکلے۔ اس بوڑھے نے کہا کہ میری پناہ لینے والے اس انسان کی ناقہ کے عوض تم ایک وحشی بیل

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 85

2۔ ایضاً

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 86

ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ

انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا اور (سنو!) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو

فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ

تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا ۸ے اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے

مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾

اس کے بعض مقامات پر سننے کے لیے لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لیے کسی شہاب کو انتظار میں۔

پکڑ لو۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ جب کبھی ایسی وادی میں رات گزارنے کا اتفاق ہو تو کسی جن کی پناہ نہ لیا کرو۔ بلکہ یہ کہا کرو کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ رَبِّ مُحَمَّدٍ مِّنْ هَوْلِ هٰذَا الْوَادِیْ۔ کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پروردگار ہے، اس وادی کے خوف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں نے پوچھا: محمد کون ہیں؟ شیخ نے کہا: مُحَمَّدٌ نَّبِیٌّ عَرَبِیٌّ لَّا شَرْقِیٌّ وَّلَا غَرْبِیٌّ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی عربی ہیں۔ نہ ان کا شرق سے کوئی تعلق ہے نہ غرب سے۔ میں نے پوچھا: وہ کہاں رہتے ہیں؟ اس نے بتایا: یثرب میں، جہاں کھجوروں کے بکثرت نخلستان ہیں۔ صبح ہوئی تو اونٹنی پر سوار ہو کر میں نے مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مجھے دیکھا تو میرے کچھ عرض کرنے سے پہلے جو گزشتہ رات مجھ پر بیتی تھی، سب کا ذکر فرما دیا اور مجھے اسلام کی دعوت دی، چنانچہ میں نے اسلام قبول کیا۔ (مظہری)(1)

۸ے صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد آسمانوں پر پہرہ سخت کر دیا گیا اور جنات پہلے تو کوئی نہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیتے تھے جہاں بیٹھ کر وہ آسمان پر ہونے والی گفتگو سن سکتے لیکن اب ان کے لیے ایسا ممکن نہ رہا۔ اب جونہی وہ آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتے تو شہابوں کا مینہ ان پر برسنے لگتا جس کے باعث ان کا اوپر جانا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اس اچانک تبدیلی سے وہ بہت حیرت زدہ ہوئے اور اس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے متعدد دستے تشکیل دیئے گئے کہ روئے زمین پر گشت لگائیں اور اس کی وجہ معلوم کریں۔ انہیں میں سے ایک گروہ جو تہامہ کے علاقہ کی چھان بین کے لیے مقرر ہوا تھا، نخلہ کے پاس سے اس وقت گزرا جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز صبح میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ وہاں ہی استماع قرآن کا واقعہ پیش آیا۔ (2)

اسی کا ذکر اب ان آیات میں کیا جا رہا ہے۔ جن کہتے ہیں کہ جب ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو ہم نے دیکھا کہ جگہ جگہ پہرے دار کھڑے ہیں اور شہابوں کے آتشیں گولے ان کا تعاقب کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اب اگر کسی جن نے کوئی بات سننے کی کوشش کی تو یہ آتشیں شہاب اس کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شہابوں کے ٹوٹنے کا سلسلہ تو بعثت نبوی سے پہلے بھی تھا۔ بعثت کے بعد کون سا ایسا نیا حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے جنات کا آسمان کی طرف جانا ناممکن ہو گیا۔ اس کا یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ پہلے بھی شہاب تھے لیکن اتنے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 85

2۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب و سورۃ الجن، ج 2، ص 167 (ماخوذ)

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ

اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو

رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا

ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے ۹ اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے ہم بھی تو

طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ

کئی راستوں پر گامزن ہیں ۱۰ اور (اب) ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ

نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ

بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں ۱۱ اور (اے جن بھائیو!) ہم نے جب پیغامِ ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو شخص اپنے رب پر ایمان

کثرت سے نہ تھے۔ جنات بچ بچا کر کہیں نہ کہیں بیٹھ کر کوئی نہ کوئی بات سن لیا کرتے، لیکن اب انتظامات سخت کر دیئے گئے اور اب قطعی طور پر جنات کا اوپر جانا بند ہوگیا۔ صحیح یہ ہے کہ اس امر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ جو اس نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔ ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن وہ کون سے شہاب ہیں، ان کے ذریعے جنات کی کیسے سرکوبی کی جاتی ہے؟ اس کی حقیقت سے ہم آگاہ نہیں۔ ہوسکتا ہے مستقبل قریب میں کوئی علمی تحقیق اس راز کو بھی آشکارا کر دے جس طرح کئی تکوینی اسرار بے نقاب ہو چکے ہیں۔

۹ یہ جدید انتظامات دیکھ کر جنات اس کی وجہ معلوم کرنے کے درپے ہوئے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو اہل زمین پر عذاب نازل کرنے کے انتظام ہو رہے ہیں۔ اس پروگرام کو صیغۂ راز میں رکھنے کے لیے یہ سارے انتظامات کیے گئے ہیں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی نبی مبعوث فرمانے والا ہے تاکہ ان خفتہ بخت انسانوں کو بیدار کر کے انہیں راہ ہدایت پر گامزن کرے۔ ان اسباب میں سے ہی کوئی سبب ہے۔

۱۰ وہ کہتے ہیں: ہم سب جن ایک عقیدے پر نہیں اور نہ ہی سیرت و اخلاق میں ہم یکساں ہیں۔ بعض ہم میں سے صالح اور نیک ہیں جو کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے، کسی کا نقصان نہیں کرتے۔ اور بعض فتنہ پرور، شرارتی اور فسادی ہیں۔ پھر ہمارے مذہب بھی الگ الگ ہیں۔ بعض اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے انبیاء اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض گمراہ ہیں۔ طَرَآئِق جمع ہے طَرِیْقَةٌ کی اور قِدَد جمع ہے قِدَّةٌ کی (1)۔ اَیْ مُتَفَرِّقَةٌ مُّخْتَلِفَةٌ (2)۔ جدا جدا، الگ الگ۔ ہمارے راستے جدا جدا، الگ الگ ہیں۔

۱۱ پہلے ہم اپنے سفہاء کے فریب میں آ کر گمراہ ہو گئے تھے، لیکن قرآن سننے کے بعد اب ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں اور ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ نہ ہم زمین میں اللہ تعالیٰ کو ہرا کر بچ سکتے ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہم یہاں سے کہیں بھاگ جائیں اور اس طرح اس کے قابو سے نکل جائیں۔ اس آیت کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن سننے سے پہلے بھی ہمارا یہ عقیدہ ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور قدرت والا ہے، ہم اسے عاجز نہیں کر سکتے اور شاید اسی عقیدہ کی برکت سے ہم نے آسانی سے ہدایت قبول کر لی ہے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 15

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 87

بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا

لاتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا ۱۲؎ اور بے شک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور

الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ

کچھ ظالم ۱۳؎ تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کر لی ۱۴؎ اور جو حق سے منحرف ہوتے

فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ

ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہِ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے

مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ

کثیر پانی سے ۱۵؎ تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں اس فراوانی سے۔ اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا

اور جب ہم نے قرآن کا حقیقت افروز پیغام سنا تو شک وشبہ کے سارے بادل چھٹ گئے۔

۱۲؎ اپنے اہل قبیلہ کو اپنی سرگزشت سنانے کے بعد انہیں یقین دلاتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا، اس کی نہ حق تلفی ہوگی اور نہ اس پر ظلم وزیادتی ہوگی۔ حق تلفی کا مطلب تو یہ ہے کہ جتنے کوئی نیک کام کرے گا اسے پورا پورا اجر ملے گا، اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور ظلم کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کی نیکیوں کی جزا سرے سے دی ہی نہ جائے یا اسے ناکردہ گناہوں کی سزا دی جائے۔ وہاں تو عدل وانصاف ہے اور مزید برآں فضل واحسان ہے۔

۱۳؎ قَسَط (مجرّد) عدل اور جور دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اَقْسَطَ (مزید) صرف عدل کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ مجرد میں معنی کا تعین سیاق وسباق سے ہوگا۔ یہاں قَاسِطُوْنَ کا مدمقابل اَلْمُسْلِمُوْنَ ہے اس لیے یہاں اس کا معنی ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا ہوگا۔ (1)

۱۴؎ بعض کے نزدیک تو یہ جملہ بھی جنات کا قول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ پر جنات کا کلام ختم ہوگیا۔ فَمَنْ اَسْلَمَ سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو خطاب فرما رہا ہے۔ تَحَرَّوْا: تَوَخَّوْا وَقَصَدُوْا: تلاش کرنا، قصد کرنا۔ (2)

۱۵؎ اگر جن وانس، اسلام کے صراطِ مستقیم پر استقامت وپامردی سے گامزن رہیں تو انہیں دنیا میں بھی خوش حال کر دیا جائے گا۔ انہیں رزق فراخ دیا جائے گا۔ مَآءً غَدَقًا: یعنی کثیر مقدار میں پانی بارش کے ذریعہ برسا دیا جائے گا۔ خشک سالی دور ہو جائے گی۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آئے گا۔ (3)

یہ مضمون ابھی آپ سورۂ نوح میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یہ مال ورزق کی فراوانی بھی ان کی ایک آزمائش ہوگی کہ آیا وہ اس

1۔ لسان العرب، ج7، ص78-377 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز29، ص89 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز19، ص18

عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿١٨﴾

اسے سخت عذاب میں ١٦ اور بے شک سب مسجدیں اللہ کے لیے ہیں پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی ١٧

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ ع ١٩ ١١

اور جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا (خاص) بندہ تاکہ اس کی عبادت کرے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آجاتے ہیں ١٨

نعمت کا شکریہ ادا کرتے ہیں یا نہیں؟

١٦ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کرے گا اس کو شدید عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ سَلَكَ وَاَسْلَكَ: اَدْخَلَ۔ صَعَدًا: شَاقًّا شَدِيْدًا۔ یعنی سخت عذاب۔ (1)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جہنم میں ایک اونچا پہاڑ ہے جس پر کفار کو چڑھنے کا حکم دیا جائے گا، لیکن اس کے املس ہونے کی وجہ سے ان کے قدم بار بار پھسل جائیں گے (2)۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ شَدِيْدِهٖ وَخَفِيْفِهٖ۔

١٧ مکہ کے مشرکوں نے بیت اللہ شریف کو بت کدہ بنا رکھا تھا اور مسجد حرام میں کھلم کھلا بتوں کی پُوجا ہوتی اور شرکیہ اعمال کیے جاتے۔ ارشاد ہے کہ یہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ ان میں تو صرف اسی کی عبادت اور اسی کا ذکر ہونا چاہیے۔ اے مشرکین! اس سے بڑا بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے جو تم روا رکھے ہوئے ہو؟ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت تو کسی جگہ بھی جائز نہیں اور تم اس قبیح، حرام اور ممنوع فعل کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کے گھر میں کرتے ہو۔ اس سے باز آجاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، اسی کی عبادت کے لیے ان کو تعمیر کیا گیا ہے۔ کسی غیر کی عبادت کی یہاں ہرگز اجازت نہیں۔ لَا تَدْعُوْا اَیْ لَا تَعْبُدُوْا۔ (روح المعانی) (3)

اس لیے علمائے کرام نے مسجد کے آداب کو ملحوظ رکھنے کا سختی سے حکم دیا ہے۔ اس میں خرید و فروخت کرنا، دنیاوی گفتگو کرنا، گمشدہ چیزوں کے بارے میں اعلانات کرنا منع ہیں۔ ناپسندیدہ اشعار بلند آواز سے پڑھنا ممنوع ہے۔ بعض لوگ مسجد میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت شریف پڑھنے کو بھی ناجائز کہتے ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ہم ان کی توجہ ان متعدد مجالس کی طرف منعطف کراتے ہیں جبکہ حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کے لیے حکم نبوی کے مطابق منبر رکھا جاتا تھا اور وہ اس پر کھڑے ہو کر بارگاہ رسالت میں اپنے مدحیہ اور نعتیہ قصائد پڑھا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ کئی دیگر شعراء مثلاً حضرت سواد بن قارب، حضرت زہیر، حضرت عباس رضی اللہ عنہم جیسے نامور اکابر مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے نعتیہ قصائد پیش کرتے، حضور خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

باقی رہا درود و سلام، تو یہ آپ نماز میں بھی پڑھتے ہیں، اس میں بھی آپ کہتے ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ تو جو وظیفہ نماز کا جزو ہے اسے کیسے ناجائز کہا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی تعریف، درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہے جس نے اپنے محبوب کو ان بے شمار کمالات سے متصف کر کے مبعوث فرمایا۔

حضرت حسن بصری فرمایا کرتے کہ مساجد سے مراد روئے زمین ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے جُعِلَتْ لِیَ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 19

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 90

3۔ ایضاً، جز 29، ص 91

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ⑳ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ

آپ فرمائیے میں تو بس اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو۔ آپ فرمائیے (اللہ کے اذن کے بغیر) نہ میں تمہیں نقصان

لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ㉑ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ

پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا ۱۹ آپ فرمائیے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا ۲۰

الْاَرْضُ مَسْجِدًا۔ ساری زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے مساجد سے وہ سات اعضاء مراد لیے ہیں جن پر انسان سجدہ کے وقت ٹیک لگاتا ہے۔ (1)

۱۸ عبداللہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس واطہر ہے۔ عزت افزائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول یا نبی کے بجائے عبداللہ کے خطاب سے نوازا ہے۔ (2)

آیت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب نخلہ کے مقام پر اللہ کا محبوب بندہ نماز صبح میں مصروف تھا اور ان جنات کا ادھر سے گزر ہوا تو اللہ تعالیٰ کے اس بندے کو دیکھ کر، قرآن کی اثر انگیز تلاوت کو سن کر، اس کے خشوع وخضوع اور اس کے صحابہ کی اطاعت وانقیاد کو دیکھ کر ان کے دلوں میں ایسی کشش پیدا ہوئی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا فرطِ شوق سے حضورؐ پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ ایسا دلنواز اور روح پرور منظر انہوں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ یہ محویت، یہ استغراق، یہ تواضع، یہ انکسار ان کے لیے بالکل اوپری چیزیں تھیں۔ یا اس آیت میں جن وانس کے کفار ومتمردین کا ذکر ہے کہ جب وہ حضور کو اپنے رب کی عبادت میں دنیا ومافیہا سے بے نیاز، محو پاتے تو ان کا غصہ اور بڑھ جاتا، ان کے عناد کی آگ بھڑکنے لگتی اور ان کا جی چاہتا کہ ان پر ہلہ بول دیں اور ہدایت کی اس شمع کو گل کر دیں، لیکن جسے اللہ تعالیٰ روشن رکھے اسے کون بجھا سکتا ہے۔ كَادَ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ يَكُوْنُوْنَ مُجْتَمِعِيْنَ لِاِبْطَالِ اَمْرِهٖ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ۔ (مظہری) (3)

۱۹ آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہوں اور نہ راہِ ہدایت پر گامزن کر سکتا ہوں۔ حقیقی نفع ونقصان پہنچانے کا اسی کو اختیار ہے۔ کسی کو ہدایت دینا، یا کسی کو محروم کر دینا اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ بے شک ہمارا یہی عقیدہ ہے۔ اس میں کسی کلمہ گو کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ جس کو جتنا چاہے دے دے۔ وہ اس خداداد اختیار کے باعث لوگوں کے لیے رشد وہدایت کا باعث بن سکتا ہے اور اس کی گستاخی کے باعث بڑے بڑے اہل ثروت واقتدار ملیامیٹ ہو جاتے ہیں۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد گرامی نامہ لے کر کسریٰ کے پاس پہنچا اور اس نے ازراہِ گستاخی اس گرامی نامہ کو چاک کر دیا تو حضورؐ نے فرمایا: مَا مَزَّقَ كِتَابِيْ بَلْ مَزَّقَ مُلْكَهٗ (4)۔ اس نے میرے والا نامہ کو چاک نہیں کیا بلکہ اپنی مملکت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

۲۰ مشرکین مکہ نے ایک دفعہ آ کر کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دیں تو ہم سب آپ کے محافظ بن جائیں گے، کسی دشمن کی مجال نہیں ہو گی کہ آپ کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے۔ ان کی اس بے ہودہ پیش کش کو اس طرح ٹھکرانے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 91

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 23

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 93

4۔ مکاتیب الرسول، ج 1، ص 93، مطبوعہ دار صعب، بیروت

وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

اور نہ میں پاسکتا ہوں اس کے بغیر کہیں پناہ۔ البتہ میرا فرض صرف یہ ہے کہ پہنچادوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات ٢١

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

پس (اب) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لیے جہنّم کی آگ ہے جس میں (یہ نافرمان) ہمیشہ رہیں گے

اَبَدًا ؕ ﴿٢٣﴾ حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ

تا اَبد ٢٢ یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے (وہ عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا

نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿٢٤﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ

مددگار کمزور ہے اور جس کی تعداد کم ہے ٢٣ آپ فرمائیے میں (اپنی سوچ بچار سے) نہیں جانتا کہ وہ دن قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا

يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْۤ اَمَدًا ﴿٢٥﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ

ہے یا مقرر کردی ہے اس کے لیے میرے رب نے لمبی مدت ٢٤ (اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر

اے محبوب! آپ فرما دیجیے کہ اگر میں تمہارا کہنا مان لوں اور اپنے رب کو ناراض کر بیٹھوں تو اس کے غضب سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ تم چند ہزار نفوس کی کیا حقیقت ہے؟ سارے جہاں کے لشکر جمع ہو جائیں تب بھی مجھے نہیں بچا سکتے اور میرے لیے اس کی بارگاہ کے بغیر اور کہیں پناہ نہیں۔ مُلْتَحَدًا اَیْ مُلْتَجَئًا اَلْجَاُ اِلَيْهِ۔ (قرطبی)(1)

٢١ میرا فریضہ یہ ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچادوں اور اس کے احکامات سے آگاہ کردوں۔ ان کو ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ یہ میری ذمہ داری نہیں۔

٢٢ جو دین کے بنیادی اصولوں میں سے کسی کا انکار کرے گا اور اس پر ایمان نہیں لائے گا اس کے لیے دوزخ کا ابدی عذاب ہے۔

٢٣ اب تو تم اپنے آپ کو بڑا طاقتور اور زور آور سمجھتے ہو۔ تمہارا یہ بھی خیال ہے کہ جس وقت تم نے اپنے حلیف قبائل کو مدد کے لیے للکارا تو جنگجو بہادروں کا تانتا بندھ جائے گا، لیکن یہ سب تمہاری غلط فہمیاں ہیں۔ جب عذاب کی مقررہ گھڑی آ پہنچے گی، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس وقت تمہیں ٹھیک ٹھیک پتہ چل جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور اور بے بس ہیں اور کس کے معاونوں کی تعداد بالکل قلیل ہے۔

٢٤ یہاں درایت کی نفی کی جارہی ہے۔ اور درایت مطلق علم کو نہیں کہتے، بلکہ وہ علم جو حیلہ اور غور و تدبّر سے حاصل ہو۔ علامہ راغب اصفہانی اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلدِّرَايَةُ: اَلْمَعْرِفَةُ الْمُدْرَكَةُ بِضَرْبٍ مِّنَ الْخَتَلِ۔ يُقَالُ دَرَيْتُهٗ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 26

أَحَدًا ۝٢٦ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ

کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرمالیا ہو (غیب کی تعلیم کے لیے) ۲۵ تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے

وَدَرَيْتُ بِهٖ دَرْيَةً نَحْوُفَطَنْتُ وَ شَعُرْتُ ... وَالدِّرَايَةُ لَا يُسْتَعْمَلُ فِي اللّٰهِ تَعَالٰى وَقَوْلُ الشَّاعِرِ۔ لَا هُمَّ لَا اَدْرِيْ وَاَنْتَ الدَّارِيْ۔ فَمِنْ تَعَجْرُفِ اَجْلَافِ الْعَرَبِ (مفردات)(1)

(ترجمہ) درایت اس معرفت کو کہتے ہیں جو کسی حیلہ سے حاصل ہو۔ عرب کہتے ہیں: دَرَيْتُهٗ وَ دَرَيْتُ بِهٖ۔ اس کا معنی عقل سے سمجھنا اور شعور کرنا ہے اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوتا اور کسی شاعر کا مصرع کہ اے اللہ! میں درایت نہیں کرتا اور تو درایت کرنے والا ہے۔ یہ گنوار اعرابی کی بڑ ہے۔

اسی طرح علامہ زبیدی تصریح کرتے ہیں کہ درایت، علم سے اخص ہے اور اس کا معنی کسی حیلہ سے کسی چیز کو جاننا۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہیں کیا جاتا اور راجز کا یہ مصرعہ لَا هُمَّ لَا اَدْرِيْ وَاَنْتَ الدَّارِيْ۔ یہ اعرابی کی بڑ ہے۔ قَالَ شَيْخُنَا صَرِيْحُهٗ اِتِّحَادُ الْعِلْمِ وَالدِّرَايَةِ وَصَرَّحَ غَيْرُهٗ بِاَنَّ الدِّرَايَةَ اَخَصُّ مِنَ الْعِلْمِ۔ اَوْ عَلِمْتُهٗ بِضَرْبٍ مِّنَ الْحِيْلَةِ وَلِذَا لَا يُطْلَقُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (تاج العروس)(2) کیونکہ قیامت کا علم، علوم غیبیہ میں سے ہے، اس لیے انسان اپنے عقل وفہم، غور و فکر یا کسی حیلہ سے اس پر اطلاع نہیں پا سکتا۔ اس پر مطلع ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو سکھا دے۔ چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: فَهُوَ غَيْبٌ لَّا اَعْلَمُ مِنْهُ اِلَّا مَا يُعَرِّفُنِيْهِ اللّٰهُ(3)۔ ''یہ غیب ہے اور میں اس میں سے کچھ نہیں جان سکتا مگر جتنا اللہ تعالیٰ مجھے سکھا دے''۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے ضیاء القرآن سورۃ الاعراف آیت ۱۸۷ کا حاشیہ)

۲۵ غیب کسے کہتے ہیں؟ اس کی تصریح کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ البتہ شیخ عبد القادر مغربی نے اس لفظ کی جو تعریف کی ہے وہ زیادہ واضح ہے۔ لکھتے ہیں:

وَالْغَيْبُ مَا غَابَ عَنَّا مَعْشَرِ الْبَشَرِ مِمَّا لَانَهْتَدِيْ اِلَيْهِ بِشَيْءٍ مِّنْ حَوَاسِّنَا وَمَشَاعِرِنَا اَوْ بِشَيْءٍ مِّنْ فِرَاسَتِنَا وَقِيَاسِنَا وَاسْتِنْتَاجِ عُقُوْلِنَا۔(4)

یعنی جو چیز انسانوں سے پوشیدہ اور مخفی ہو اور ہم اپنے حواس اور شعور کی قوتوں سے یا فراست سے یا قیاس سے یا عقل کے زور سے اس تک رسائی حاصل نہ کر سکیں، اس کو غیب کہتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ جو چیز ان ذرائع میں سے کسی ایک سے دریافت ہو سکے وہ غیب نہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ خبر ہے اور اس کی مبتدا هُوَ محذوف ہے۔ یعنی هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ۔ یہاں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں۔ اس لیے حصر کا معنی بھی پایا جائے گا۔ یعنی وہی غیب کو جاننے والا ہے۔ اس سے یہ پتہ چل گیا کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ذہین و فطین ہو، اس کے علم و عرفان کا پایہ کتنا بلند ہو، اس کے درجات کتنے ہی رفیع ہوں، وہ غیب نہیں جان سکتا۔ نہ اپنے حواس سے، نہ قوتِ شعور سے، نہ فراست سے، نہ قیاس سے اور نہ عقل سے، بجز اس کے کہ خداوند عالم، جو عالم الغیب ہے، وہ خود اس کو اس نعمت سے سرفراز فرما دے۔ یہ بھی بتا

1۔ مفرداتِ راغب، ص 13-312 2۔ تاج العروس، ج 10، ص 126 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 27 4۔ تفسیر مغربی، زیر آیت ہذا، ج 29، ص 168

دیا کہ علم غیب کے دروازے ہر ایرے غیرے کے لیے کھلے نہیں بلکہ وہ صرف ان رسولوں کو اس نعمت سے نوازتا ہے جن کو وہ چن لیا کرتا ہے۔ یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مطلب جو اس آیت سے بغیر کسی تکلّف کے سمجھ آتا ہے (1)۔ چنانچہ علامہ بغوی لکھتے ہیں: اِلَّا مَنْ یَّصْطَفِیْهِ لِرِسَالَتِهٖ فَیُظْهِرُهٗ عَلٰی مَا یَشَاءُ مِنَ الْغَیْبِ۔ (معالم التنزیل) (2) کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی رسالت کے لیے چن لیتا ہے اس کو جس غیب پر چاہتا ہے آگاہ کر دیتا ہے۔ علامہ خازن لکھتے ہیں: اِلَّا مَنْ یَّصْطَفِیْهِ لِرِسَالَتِهٖ وَنُبُوَّتِهٖ فَیُظْهِرُهٗ عَلٰی مَا یَشَاءُ مِنَ الْغَیْبِ۔ (خازن) (3) علامہ قرطبی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے: ثُمَّ اسْتَثْنٰی مَنِ ارْتَضَاهُ مِنَ الرُّسُلِ فَاَوْدَعَهُمْ مَا شَاءَ مِنْ غَیْبِهٖ بِطَرِیْقِ الْوَحْیِ اِلَیْهِمْ (قرطبی) (4) پھر ان رسولوں کو، جن کو اس نے چُنا ہے، مستثنیٰ کر دیا پس ان کو جتنا چاہا اپنے غیب کا علم بطریقۂ وحی عطا فرمایا۔ ابوحیان اندلسی رقمطراز ہیں: اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ اِسْتِثْنَاءٌ مِّنْ اَحَدٍ اَیْ فَاِنَّهٗ یُظْهِرُ عَلٰی مَا یَشَاءُ مِنْ ذٰلِكَ (5)۔ یعنی مِن اَحَدٍ سے استثنا کی گئی۔ یعنی رسول مرتضیٰ کو جتنے غیب پر وہ چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس، قتادہ اور ابنِ زید سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کی ہے: اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَصْطَفِیْهِمْ وَیُطْلِعُهُمْ عَلٰی مَا یَشَاءُ مِنَ الْغَیْبِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ رسولوں کو چُن لیتا ہے اور انہیں غیب میں سے جتنا چاہتا ہے اس پر آگاہ کر دیتا ہے۔

علامہ زمخشری معتزلی ہیں۔ اپنے عقیدۂ اعتزال کے مطابق اس آیت سے انہوں نے اولیائے کرام کی کرامات کی نفی کی ہے، لیکن انبیاء کے لیے علمِ غیب کا انکار انہوں نے بھی نہیں کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے رسولوں کو غیب پر آگاہ کرتا ہے۔ اولیاء خواہ وہ مرتبۂ ارتضیٰ پر بھی فائز ہوں، بہر حال وہ رسول نہیں ہیں۔ اس لیے انہیں غیب کا علم نہیں ہو سکتا (6)۔ اس کا آسان اور واضح جواب تو یہ ہے کہ اولیائے کرام کے سارے علوم بارگاہِ مصطفوی کا عطیہ ہوتے ہیں۔ یہ اسی بحرِ علم کے چند قطرے ہیں جو ربّ کریم نے اپنے رسولِ کریم کو عنایت فرمایا ہے۔ براہِ راست ان پر وحی جلی نہیں ہوتی تا کہ آیت کے منافی ہو۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ انبیاء و رسل کا علم قطعی اور یقینی ہوا کرتا ہے۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، لیکن اولیا کا علم، انبیاء کے علم کی طرح قطعی اور یقینی نہیں ہوتا (7)۔

اولیائے کرام کے علومِ لدنیہ کے بارے میں جس طرح آپ نے قلم اٹھایا ہے آپ ہی کا حصہ ہے۔ اہل ذوق تفسیرِ مظہری کا اس مقام پر مطالعہ کریں۔

بعض حضرات نے رائے ظاہر کی ہے کہ جن علوم غیبیہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ کیا ہے، وہ فقط علوم شرعیہ ہیں۔ وہ اس طرح رسول کریم سے علوم تکوینیہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ میری گزارش ہے کہ ان حضرات نے کیا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا کا ارشادِ الٰہی نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب کے سب اسماء سکھا دیئے۔ جب آدم علیہ السلام کی یہ شان ہے جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں، تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں اور سارے جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں، ان

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 95

2۔ تفسیر بغوی علی ہامش تفسیر خازن، ج 7، ص 136

3۔ تفسیر خازن، زیر آیت ہذا، ج 7، ص 136

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 28

5۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 355

6۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 632

7۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 96

يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمۡ

آگے اور اس کے پیچھے محافظ ۲۶ تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں ۲۷

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيۡهِمۡ وَاَحۡصٰى كُلَّ شَىۡءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

ع ۲ ۹ ۱۲

(در حقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے ۲۸

کے علوم و معارف کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے؟ اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ ہم آیات کو وہ معانی نہ پہنائیں جن کو ان کے کلمات قبول نہیں کرتے اور سیدھی اور صاف بات جو قرآن نے فرمائی ہے اس کو صدق دل سے تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام غیبوں کو جاننے والا ہے اور اپنے ان علوم غیبیہ پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا بجز اپنے رسولوں کے۔ ان کو "جتنا" چاہتا ہے علوم غیبیہ عطا فرماتا ہے۔ یہ "جتنا" کتنا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ، جس نے دیا ہے اور اس کا رسول، جس نے لیا ہے، وہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ حد بندیاں، اختراع بندہ ہیں۔ حضور کے علوم کی بے کرانیوں کا کچھ اندازہ ان احادیث صحیحہ سے ہوتا ہے جن سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۂ آل عمران آیت ۱۷۹۔ سورۃ النمل آیت ۶۵ کا حاشیہ اور دیگر مقامات۔

۲۶ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت کے لیے اس کے آگے اور پیچھے اپنے محافظ فرشتے مقرر کر دیئے ہیں تا کہ ان علوم کی پوری طرح حفاظت کی جا سکے۔

۲۷ اور تا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے اس کے پیغامات جوں کے توں اس کے رسول کو پہنچا دیئے ہیں۔ تفسیر یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے "تا بداند خدائے تعالیٰ در حال چنانکہ میدانست در ماضی و میداند در استقبال"۔(1)

۲۸ ریت کے ذرے، پانی کے قطرے، درختوں کے پتے، ہر قسم کی مخلوق بے جان، جاندار، زمینی، آسمانی، جن، انسان ہر چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔ ہر چیز اس کے علم اور قبضۂ قدرت میں ہے۔

OOO

سُبۡحَانَ ذِی الۡمُلۡكِ وَالۡمَلَكُوۡتِ سُبۡحَانَ ذِی الۡعِزَّةِ وَالۡهَيۡبَةِ وَالۡكِبۡرِيَاءِ وَالۡجَبَرُوۡتِ سُبۡحَانَ الۡمَلِكِ الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا يَمُوۡتُ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى عَبۡدِهِ الۡمُرۡتَضٰى وَرَسُوۡلِهِ الۡمُجۡتَبٰى وَنَبِيِّهِ الۡمُصۡطَفٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ مَصَابِيۡحِ الدُّجٰى وَاَصۡحَابِهٖ نُجُوۡمِ الۡهُدٰى وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ وَتُبۡ عَلَيۡنَا اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ۔

1۔ تفسیر یعقوب چرخی، پارہ 29، ص 70، مطبوعہ مطبع محمدی، لاہور

تعارف سُورۃ المزّمّل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام "المزّمّل" ہے۔ اس میں دو رکوع، بیس آیتیں، دو سو پچاسی کلمات اور آٹھ سو اڑتیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: اس کے زمانۂ نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ ساری سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء اور جابر کا یہی قول ہے (1)۔ لیکن بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اس کا پہلا رکوع تو مکّی ہے، لیکن دوسرا رکوع مدینہ طیبہ میں نازل ہوا۔ نحاس نے حضرت ابن عباس سے یہی قول نقل کیا ہے (2)۔ آیات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ کیونکہ دوسرے رکوع میں جہاد فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ یہ دونوں حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوئے۔ کیونکہ مکہ میں تو جہاد کا تصوّر تک بھی نہ تھا۔ اور اس پر بھی سب علماء کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوا۔ اس لیے حضرت ابن عباس کا قول ہی قرین قیاس ہے۔

ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو سحر خیزی کی تلقین فرمائی ہے کہ آپ رات کا نصف حصہ یا اس سے کم وبیش مصروف عبادت رہا کریں، کیونکہ رات کی خاموشیوں میں تلاوتِ قرآن اور ذِکرِ الٰہی سے رُوح کی توانائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس وقت کی عبادت سے اسرار الٰہیہ پر مطلع ہونے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر جو فرائض عائد کیے گئے ہیں، اُن سے عمدگی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی قوت اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے: اَدَّبَنِیۡ رَبِّیۡ فَاَحۡسَنَ تَاۡدِیۡبِیۡ (3)۔ (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا)۔ تادیب وتربیت خداوندی کا یہ بھی ایک حصہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابۂ کرام کو بھی سحری کے وقت جاگنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ صحابۂ کرام بڑے ذوق وشوق سے سحری کے وقت بیدار ہوتے اور مصروف عبادت رہا کرتے۔ انہی ارشادات نبوی کے طفیل اولیائے امت اور صالحین سحری کے وقت جاگ کر اپنے رب کے ذکر اور اس کی یاد میں مصروف رہتے ہیں۔ علامہ نے خوب کہا ہے:

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ (آیات ۹ تا ۱۴) فرما کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے راستہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ اے حبیب! آپ ان سے مت گھبرائیے۔ اپنے رب کو اپنا کارساز بنا

1۔ تفسیر قرطبی، جز19، ص31 2۔ الدر المنثور، ج6، ص440 3۔ کشف الاخفاء ومزیل الالباس، ج1، ص70، رقم الحدیث 164، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

لیجیے۔ آپ کا رب وہ ہے جو مشرق اور مغرب کی ہر چیز کا پروردگار ہے۔ مخالفین اگر اذیت رسانی پر اُتر آئیں تو آپ صبر کی ڈھال پر ان کا ہر وار روکیے۔ ہم خود اُن سے نبٹ لیں گے۔ جب ہم نے عذاب کے شکنجہ میں اُن کو کسا تو اُن کے سارے نشے ہرن ہو جائیں گے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ (آیت ۱۵ تا ۱۹) سے کفار مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں فرعون کے حسرت ناک انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اس نے اور اس کی قوم نے ہمارے رسول موسیٰ کلیم اللہ کو جھٹلایا تھا اور اس کو ستانے کی حد کر دی تھی۔ انہیں بھی اپنی قوت اور شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا، لیکن جب ہمارے غضب کی بجلی اُن پر کوندی تو اُن کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ کیا تم اپنے لیے اسی قسم کا انجام پسند کرتے ہو؟

دوسرے رکوع میں نماز تہجد میں تخفیف فرما دی گئی۔ نصف شب جاگ کر عبادت کرنا عام لوگوں کے لیے ازبس دشوار ہے۔ ان میں کئی بیمار، کئی مسافر اور کئی جہاد میں مصروف ہوتے ہیں۔ دن بھر کی تھکاوٹ ان کو چور چور کر دیتی ہے، اس لیے ان کے لیے نرمی فرما دی کہ جتنی دیر وہ آسانی سے تلاوت و عبادت کر سکیں اتنا ہی کافی ہے۔ فرض نمازوں کی سختی سے پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے میں سستی کا مظاہرہ نہ کریں۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اگر تمہیں اپنا مال خرچ کرنا پڑے تو بخل سے کام نہ لیا کرو، بلکہ بڑی فیاضی اور دریا دلی سے خرچ کیا کرو۔ اللہ کی راہ میں جو تم خرچ کرو گے وہ رائیگاں نہیں جائے گا۔ وہ تو ایسا ہے گویا تم اپنے رب کو قرض دے رہے ہو۔ اللہ قیامت کے دن یہ قرض کئی گنا بڑھا کر تمہیں واپس کرے گا۔ اُس دن تمہیں پتہ چلے گا کہ اللہ کے راستہ میں اپنی دولت خرچ کر کے تم نے کتنے بڑے نفع کا سودا کیا تھا۔ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ فرما کر اس خطرہ سے بھی آگاہ کیا کہ کہیں تم میں غرور پیدا نہ ہو جائے۔ ہمیشہ اپنے رب سے اپنی لغزشوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہا کرو۔ وہ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تمہاری لغزشوں کو معاف فرما دے گا اور تمہارے اعمال حسنہ کو شرف قبولیت بخشے گا۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۱۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ مزمل مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں ۲۰ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ

اے چادر لپیٹنے والے ۱؎ رات کو (نماز کے لیے) قیام فرمایا کیجیے مگر تھوڑا یعنی نصف رات یا کم کرلیا کریں

۱؎ اَلْمُزَّمِّلُ اصل میں اَلْمُتَزَمِّلُ ہے اور تَزَمَّلَ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے تَلَفَّفَ یعنی اپنے اوپر چادر یا کوئی کپڑا لپیٹ لینا۔ (1)

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ میں خطاب محبوب کریم علیہ افضل التحیۃ والتسلیم کو ہے، البتہ اس خطاب سے نوازنے کا سبب کیا ہے؟ اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ جب غارِ حرا میں جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کا فرمان ربانی سنایا تو اس حیرت انگیز واقعہ سے خوف اور دہشت سی طاری ہوگئی اور جسم لرزنے لگا۔ اسی حالت میں حضور اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا: زَمِّلُوْنِيْ۔ زَمِّلُوْنِيْ: مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب چادر لپیٹ چکے تو جبریل فوراً حاضر ہوئے اور يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کے خطاب سے وحی کا آغاز کیا (2)۔ عرب میں یہ دستور ہے کہ جب کسی کے ساتھ لطف و محبت کا اظہار کرنا ہو تو جس حالت میں وہ ہو، اسی سے اسم مشتق کر کے اس کو خطاب کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ ایک دفعہ سو رہے تھے۔ اسی اثنا میں، سوئے ہوئے بختوں کو جگانے والا تشریف لے آیا اور فرمایا قُمْ يَا نُوْمَان (3)۔ اے سونے والے، جاگ! ایک بار حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدۃ النساء بتول زہرا علیٰ ابیہا وعلیہا اطیب التحیات سے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر مسجد کے فرش پر آکر لیٹ گئے۔ حضور آپ کو تلاش کرنے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا۔ قُمْ يَا اَبَا تُرَاب (4)۔ اے مٹی کے باپ، اٹھو! حضرت ابو ہریرہ کو آقا نے ایک مرتبہ ابو ہریرہ (بلی کا باپ) فرما دیا (5)۔ وہ اسی خطاب سے مشہور ہو گئے۔ اور جو نام ماں باپ نے تجویز کیا تھا وہ متروک ہو گیا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: نِدَاءُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِذٰلِكَ تَانِيْسٌ لَّهٗ وَمُلَاطَفَةٌ عَلٰى عَادَةِ الْعَرَبِ ---- كُلُّ مَا يَفْعَلُ الْمَحْبُوْبُ مَحْبُوْبٌ (6)۔ اہل عرب کے دستور کے مطابق ازراہِ انس و لطف یوں خطاب فرمایا۔۔۔۔۔ درحقیقت محبوب کی ہر ادا محبوب ہوا کرتی ہے۔

علامہ ابن جریر نے اس خطاب کی دو وجہیں لکھی ہیں (۱) عَنْ قَتَادَةَ وَصَفَهٗ بِاَنَّهٗ مُتَزَمِّلٌ فِيْ ثِيَابِهٖ مُتَاَهِّبٌ لِلصَّلٰوةِ (7)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کپڑے پہن کر نماز کے لیے تیار ہو گئے تھے، اس لیے يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ فرمایا: اے کپڑے پہن کر میری عبادت کے لیے تیار ہونے والے! (۲) عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ زَمْلٌ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے بوجھ۔ عرب کہتے ہیں اِزْدَمَلَهٗ: فلاں نے وہ بوجھ اٹھا لیا۔ اب اس کا معنی یہ ہو گا اے نبوت کے بار گراں کو اٹھانے والے! (8)

علامہ آلوسی مندرجہ بالا اقوال نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ زمخشری معتزلی نے لکھا ہے کہ اس خطاب سے حضور کو عتاب کیا جا رہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی طرح جن کے سامنے کوئی مقصد نہیں ہوتا، چادر لپیٹ کر سو رہے ہیں۔ اٹھو اور اپنا فریضۂ نبوت ادا کرو۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہ کلام گستاخانہ ہے اور اس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی (9)۔ بعض لوگوں نے زمخشری کی طرف سے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 100

2۔ صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج 1، ص 3

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 33

4۔ ایضاً

5۔ جامع ترمذی، باب مناقب ابی ہریرہ، ج 2، ص 224 (ماخوذ)

6۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 101

7۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 29، ص 68 (ماخوذ)

8۔ حاشیہ نیشاپوری بر تفسیر طبری، ج 29، ص 68

9۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 101

مِنْهُ قَلِيْلًا ③ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ④ اِنَّا سَنُلْقِيْ

اس سے بھی تھوڑا سا ۲ یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسبِ معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے قرآن کریم کو ۳ بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے

جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آپ فرماتے ہیں: وَلَا يَخْفٰى اَنَّهٗ لَا يُنْدَفَعُ بِهٖ سُوْءُ اَدَبِ الزَّمَخْشَرِيِّ فِيْ تَعْبِيْرِهٖ فَاِنَّهٗ تَعَالٰى وَاِنْ كَانَ لَهٗ اَنْ يُّخَاطِبَ حَبِيْبَهٗ بِمَاشَاءَ لٰكِنَّا نَحْنُ لَا نَجْرِيْ عَلٰى مَا عَامَلَهٗ سُبْحَانَهٗ بِهٖ بَلْ يَلْزَمُنَا الْاَدَبُ وَالتَّعْظِيْمُ بِجَنَابِهِ الْكَرِيْمِ (روح المعانی) (1)۔ قائل کی اس توجیہ سے زمخشری کی تعبیر میں جو گستاخی کا پہلو ہے اس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہے اپنے حبیب کو خطاب فرمائے، ہم پر لازم ہے کہ ہم بارگاہ رسالت کے ادب و احترام کو ہر طرح ملحوظ رکھیں۔

عارف کامل حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ ترجمہ کیا ہے: ''ای آراستہ بلباسِ پیغمبری'' (2)۔ رسالت کی خلعتِ فاخرہ زیب تن فرمانے والے!

۲ اٹھیے! اور رات کی ان خاموشیوں میں نماز ادا فرمائیے۔

پہلے آپ اس جملہ کی ترکیب ذہن نشین کر لیں تو اس کا معنی سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

اللیل، مستثنیٰ منہ، اِلَّا حرفِ استثنا، قَلِيْلًا مستثنیٰ۔ نِصْفَهٗٓ، قَلِيْلًا کا بدل ہے۔ اس کی ضمیر کا مرجع اللیل ہے۔ اس بدل نے قلیل کے ابہام کو دور کر دیا۔ اَوْ حرفِ عطف۔ اُنْقُصْ مِنْهُ کی ضمیر کا مرجع اللیل اور نِصْفَهٗٓ دونوں ہو سکتے ہیں۔ قَلِيْلًا کا تعلق اُنْقُصْ سے ہے یعنی نَقْصًا قَلِيْلًا۔ (3)

قُمِ الَّيْلَ سے تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ ساری رات نماز پڑھتے پڑھتے گزار دیجیے، لیکن اِلَّا قَلِيْلًا فرما کر اس خیال کی نفی کر دی۔ فرمایا: کچھ تھوڑا سا وقت آرام بھی فرمائیے۔ اب تھوڑے کی مقدار بتائی، یعنی نصف رات، لیکن نصف شب میں اگر تھوڑی سی کمی یا تھوڑی سی زیادتی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اختیار دے دیا کہ چاہے نصف رات آرام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم یا نصف سے کچھ زیادہ، آپ کو اختیار ہے۔

۳ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اَلتَّرْتِيْلُ: اَلتَّنْضِيْدُ وَالتَّنْسِيْقُ وَحُسْنُ نِظَامٍ وَّمِنْهُ ثَغْرٌ رَّتِلٌ وَّرَتَلٌ اِذَا كَانَ حَسَنَ التَّنْضِيْدِ (4): یعنی ترتیل کا معنی ہے بڑی خوبصورتی سے منظم اور مرتب ہونا۔ وہ منہ جس کے دانت خوبصورت اور جڑے ہوئے ہوتے ہیں، اسے ثغر رتل کہتے ہیں۔ یعنی کوئی دانت اونچا نیچا نہیں، کوئی جگہ خالی نہیں، کوئی دانت ٹوٹا ہوا نہیں۔ اسی مناسبت سے ترتیل قرآن کا معنی ہوگا کہ اس کو آہستہ آہستہ، سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کی تلاوت میں تیزی نہ کی جائے۔ اس آیت کی جامع اور دل نشین تفسیر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ آپ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: بَيِّنْهُ تَبْيِيْنًا وَلَا تَنْثُرْهُ نَثْرَ الدَّقَلِ وَلَا تَهُذَّهٗ هَذَّ الشِّعْرِ۔ قِفُوْا عِنْدَ عَجَائِبِهٖ وَحَرِّكُوْا بِهِ الْقُلُوْبَ وَلَا يَكُنْ هَمُّ اَحَدِكُمْ اٰخِرَ السُّوْرَةِ (5)۔ (روح المعانی) آپ نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی ہمارے نبی کریم نے ہمیں بتایا کہ جس طرح تم جلدی جلدی ردی کھجوریں بکھیرتے چلے جاتے ہو اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو، ایسا نہ کرو۔ جب کوئی نادر نکتہ آئے تو ٹھہر جاؤ، اپنے دل کو اس کی اثر انگیزی سے متحرک کرو۔ تمہیں اس سورت کو جلدی جلدی ختم کرنے کا فکر نہ ہو۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 101

2۔ تفسیر یعقوب چرخی، زیر آیت ہذا، پارہ 29، ص 71

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 102

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 37

5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 104

عَلَيۡكَ قَوۡلًا ثَقِيۡلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيۡلِ هِيَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّاَقۡوَمُ

آپ پر ایک بھاری کلام ۴ بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے ۵ اور بات کو

۴ عنقریب آپ پر ایک گراں قدر کلام نازل ہونے والا ہے جس میں اوامر ونواہی، احکام وارشادات کا ایک طویل سلسلہ ہوگا۔ اس پر عمل کرنا اور دوسرے لوگوں سے اس پر عمل کرانا بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ اس کے بوجھ کا اندازہ لگانا آسان کام نہیں۔ اگر پہاڑوں پر بھی یہ کلام نازل ہوتو وہ اس کی دہشت اور جلال سے ریزہ ریزہ ہوجائیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول آیات کے وقت عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: وَلَقَدۡ رَأَيۡتُهٗ يَنۡزِلُ عَلَيۡهِ الۡوَحۡيُ فِي الۡيَوۡمِ الشَّدِيۡدِ الۡبَرۡدِ فَيَفۡصِمُ عَنۡهُ وَاِنَّ جَبِيۡنَهٗ لَيَتَفَصَّدُ عِرۡقًا (1)۔ یعنی میں نے حضور کو اس حالت میں دیکھا جب سخت سردی کے دن بھی وحی نازل ہوتی تو جب وحی کا نزول ختم ہوتا تو حضور کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگتے۔

کلام الٰہی کے ثقیل ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حرا کی خلوتوں میں ذکر الٰہی اور مشاہدۂ انوار و تجلیات میں مستغرق رہتے۔ اس طرح دل کو بڑی خوشی اور اطمینان نصیب ہوتا۔ مقام نبوت پر فائز کر کے حضور کو مخلوق کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا۔ توجہ کی سمت میں یہ تبدیلی حضور پر بڑی گراں تھی۔ ارشاد وتکمیل کا درجہ اگرچہ استکمال وخلوت سے اعلیٰ وبرتر ہوتا ہے لیکن صوفی کے لیے رجوع الی الخلق بڑا صبر آزما ہوتا ہے، اسی لیے بعض نے کہا کہ نبی کی شان ولایت، اس کی شان نبوت سے ارفع ہوتی ہے۔ کیونکہ پہلی حالت میں ساری توجہ محبوب حقیقی کی طرف ہوتی ہے اور دوسری حالت میں توجہ کا مرکز، مخلوق ہوتی ہے لیکن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول غلط ہے۔ بَلِ النُّبُوَّةُ مُطۡلَقًا اَفۡضَلُ مِنَ الۡوِلَايَةِ وَهِيَ عِبَارَةٌ عِنۡدَ الصُّوۡفِيَةِ عَنِ السَّيۡرِ فِي الذَّاتِ وَالۡوِلَايَةُ عَنِ السَّيۡرِ فِي الصِّفَاتِ وَ الشَّتَانُ مَا بَيۡنَهُمَا (2)۔ یعنی نبوت، ہر لحاظ سے ولایت سے افضل ہے، کیونکہ صوفیاء کی اصطلاح میں نبوت سیر فی الذات کا نام ہے اور ولایت سیر فی الصفات کا اور دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

۵ نَاشِئَةَ: وزن کے لحاظ سے تو اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے، لیکن یہ مصدر ہے جس طرح عَافِيَةٌ بمعنی عفو ہے نَاشِئَةَ الَّيۡلِ کا معنی حضرت صدیقہؓ نے یہ بتایا ہے قِيَامَ اللَّيۡلِ بَعۡدَ النَّوۡمِ۔ سونے کے بعد رات کو اٹھنا۔ ابن کیسان کہتے ہیں: هِيَ الۡقِيَامُ عَنۡ اٰخِرِ اللَّيۡلِ (3) یعنی رات کے آخری حصہ میں قیام کرنا۔ اَشَدُّ وَطۡاً: وطیء کہتے ہیں پاؤں سے کسی کو لتاڑنا، روندنا۔ کیونکہ رات کو خوابِ راحت سے بیدار ہونا، نرم اور گرم بستر سے اٹھ کر وضو کرنا، نماز پڑھنا، ذکر اذکار کرنا نفس کے لیے بہت گراں ہے اس لیے جو شخص شب بیداری اور سحر خیزی کو اپنی عادت بنالیتا ہے وہ گویا سرکش نفس کی سرکوبی کر رہا ہے اور اس کے غرور ونخوت کو پاؤں تلے روندرہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے چند روز تو نفس اس کو ناگوار سمجھتا ہے، اس سے بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے اگر اس کو اٹھا کر مصلّٰی پر کھڑا کر دیا جائے تو اُونگھنے لگتا ہے، نماز میں خشوع وخضوع پیدا نہیں ہوتا۔ کم ہمت سالک یہ خیال کر کے کہ اس نماز سے کیا فائدہ جس میں خضوع نہ ہو، نفس کے اس فریب کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ لیکن اربابِ عزیمت نفس کی ان چالوں میں نہیں آتے۔ وہ اس کی ان حرکتوں کے باوجود سحری کو اٹھنے کی مشق جاری رکھتے ہیں۔ چند روز بعد جب ان کا سرکش نفس سدھائے ہوئے گھوڑے کی طرح ان کے اشارے پر عمل کرنے لگتا ہے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اس لیے فرمایا

1۔ صحیح بخاری، باب کیف بدء الوحی، ج 1، ص 2

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 107

3۔ ایضاً

قِيْلًا ⑥ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ⑦ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ

درست کرنا ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں ۶ اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا ۷ اور

کہ نفس کے غرور کو کچلنے کے لیے اور اس کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے یہ نسخہ بڑا کارگر ہے۔ اسے شب بیداری سے خوب لتاڑو، چند دن میں ہی یہ رام ہو جائے گا اور اس کی خرمستیاں باقی نہیں رہیں گی (1)۔ علامہ بوصیری نے کیا خوب کہا ہے:

اَلنَّفْسُ كَالطِّفْلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى حُبِّ الرِّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ (2)

ترجمہ: نفس بچے کی مانند ہے۔ اگر تم اس کا دودھ نہ چھڑاؤ تو وہ جوان ہونے تک ماں کا دودھ پیتا رہے گا اور اگر تم اس کا دودھ چھڑا دو تو چند روز شور مچانے کے بعد وہ خود ہی ماں کا دودھ چھوڑ دے گا۔

شب بیداری کا ایک اثر تو یہ ہوا اور اس کی دوسری تاثیر اَقْوَمُ قِيْلًا میں ظاہر ہوتی ہے۔ اَقْوَمُ کا معنی اَعْدَلُ (3): بالکل سیدھا، ہموار جس میں کوئی کجی نہیں، جس میں کوئی خم نہیں۔ قِيْلًا: قال کا مصدر ہے بمعنی قول (4)۔ یعنی اس وقت قرآن کریم کی تلاوت بڑے صحیح طریقہ پر ہو سکتی ہے، نہ شور و شغب ہوتا ہے اور نہ کسی اور کام کی جلدی ہوتی ہے۔ انسان مزے لے لے کر اللہ تعالیٰ کے اس پاک کلام کی تلاوت کرتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے۔

۶ سَبَحَ پانی میں تیرنے کو کہتے ہیں۔ وہ گھوڑا جو بہت تیز رفتار ہو اس کو فَرَسٌ سَابِحٌ کہا جاتا ہے (5)۔ مقصد یہ ہے کہ دن میں آپ کو ہزاروں مصروفیتیں ہیں، دعوتِ حق، تبلیغ احکام، سیاسی اور معاشرتی امور کا انصرام، مقدمات کے فیصلے، لشکروں کی ترتیب وغیرہ۔ اس لیے دن میں فرصت کم ملتی ہے۔ رات کی خاموشی ذکر الٰہی اور قرأتِ قرآن کے لیے بہت موزوں ہے۔

ان آیات میں نماز تہجد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مختلف دلنشیں ارشادات سے اپنے ماننے والوں کو سحری کے وقت اٹھ کر سر بسجود ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔ چند ارشادات نبوی آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ يَقُوْلُ مَنْ يَّدْعُوْنِيْ فَاَسْتَجِيْبُ لَهٗ مَنْ يَّسْاَلُنِيْ فَاُعْطِيَهٗ وَمَنْ يَّسْتَغْفِرُنِيْ فَاَغْفِرُ لَهٗ (6)۔ (متفق علیہ) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب رات کا تیسرا حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار پہلے آسمان پر (اپنی شان کے شایان) نزول اجلال فرماتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا مانگ رہا ہے؟ تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کر رہا ہے؟ تاکہ میں اس کو دوں، کون ہے جو گناہوں کی بخشش چاہتا ہے؟ تاکہ میں اس کو بخش دوں۔

(۲) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ اِلٰى رَبِّكُمْ وَمُكَفِّرَةٌ لِّلسَّيِّئَاتِ۔ (رواہ الترمذی) (7) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم کو رات کو جاگنا ضروری ہے۔ پہلے زمانے کے نیک لوگوں کا یہ دستور رہا ہے۔ رات کو جاگنا اللہ کے قُرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو ملیامیٹ کرنے والا ہے۔

(۳) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ يَّضْحَكُ اللّٰهُ

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص209
2۔ القصیدتان، ص9
3۔ المنجد، ص663
4۔ تفسیر مغربی، زیر آیت ہذا، ج29، ص135
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز10، ص42
6۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب الدعاء فی الصلاۃ من آخر اللیل، ج1، ص153۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ اللیل، ج1، ص258
7۔ جامع ترمذی، ابواب الدعوات، ماجاء فی فضل التوبۃ والاستغفار، ج2، ص194

تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۟ؕ۸ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو ۸ھ مالک ہے شرق و غرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں

عَلَيْهِمُ الرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّيْلِ يُصَلِّيْ وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِى الصَّلٰوةِ وَاِذَا صَفُّوْا فِيْ قِتَالِ الْعَدُوِّ (رواہ البغوی) (1) حضور نے فرمایا: تین آدمی وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔ (۱) وہ شخص جو رات کے وقت اٹھکر نماز تہجد پڑھتا ہے (۲) وہ لوگ جو نماز کیلئے صفیں باندھتے ہیں۔ (۳) وہ لوگ جو میدان جنگ میں اپنی صفوں کو درست کرتے ہیں۔

۷ھ اس کا عطف قُمِ الَّيْلَ پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رات کو قیام کیا کرو، (2) نماز و قرأت میں شب بسر کیا کرو اور ذکر الٰہی رات دن، صبح و شام کیا کرو۔

لیکن یہ مقام حاصل نہیں ہوتا جب تک دل ذاکر نہ ہو اور حق تو یہ ہے کہ صرف دل کا ذکر ہی حقیقی ذکر ہے کیونکہ ذکر کا معنی ہے طَرْدُ الْغَفْلَةِ: غفلت کو دور بھگا دینا اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دل ذاکر ہو۔ کیونکہ زبان بسا اوقات ذکر کرتی ہے لیکن دل غافل ہوتا ہے۔ ایسے ذکر کو ذکر کہنا بڑی زیادتی ہے۔ (3)

۸ھ تَبَتَّلْ کا مفہوم علامہ آلوسی نے یہ بتایا ہے: اِنْقَطِعْ اِلَيْهِ تَعَالٰى بِالْعِبَادَةِ وَجَرِّدْ نَفْسَكَ عَمَّا سِوَاهُ عَزَّ وَجَلَّ وَاسْتَغْرِقْ فِيْ مُرَاقَبَتِهٖ سُبْحَانَهٗ (4): یعنی ہر طرف سے تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جا اور اپنے نفس کو ماسوا کے خیال سے پاک کر دے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے مراقبہ میں مستغرق ہو جا۔ قاعدہ کے مطابق مفعولِ مطلق فعل کے باب سے تَبَتُّلًا ہونا چاہیے تھا لیکن کیونکہ بَتَّلَ اور تَبَتَّلَ دونوں کے معنی ایک ہیں اس لیے بابِ تفعیل کا مصدر ذکر کر دیا تاکہ قوافی کی رعایت ہو جائے۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان دنیا سے قطع تعلق کر لے۔ نہ گھر بار سے سروکار، نہ اہل و عیال کا خیال۔ اس قسم کے تبتّل کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ارشادِ نبوی ہے۔ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الدِّيْنِ (5) کہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضور نے حضرت ابن عمر کو ارشاد فرمایا: اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّلِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّلِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا (6)۔ کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے اہل و عیال کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طلب نہ رہے۔ صوفیائے کرام کا قول ہے کہ جس راہ کے ہم مسافر ہیں اس پر دو قدم ہی اٹھتے ہیں کہ منزل آجاتی ہے۔

اَلْخُطْوَةُ الْاُوْلٰى: اِلْاِنْقِطَاعُ عَنِ الْخَلْقِ وَالثَّانِيَةُ الْوُصُوْلُ اِلَى الْحَقِّ (7): پہلا قدم مخلوق سے قطع تعلق اور دوسرا قدم وصول الی الحق: یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ ذرا مزید غور فرمائیے۔ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کا نام یاد کرو۔ وَاذْكُرْ رَبَّكَ نہیں کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری رسائی اس کے اسمائے حسنیٰ کے ذکر تک ہے، اس کی ذات کا ذکر بڑی دور کی منزل ہے۔ دوامِ ذکر سے دوامِ حقیقی مراد نہیں بلکہ دوامِ عُرفی ہے۔ یعنی اَلْاِكْثَارُ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ (8)۔ انسانی طاقت کے مطابق کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ ایسا ذکر انسان کو تبتل کی منزل تک پہنچانے کا وسیلہ بن جاتا ہے، بشرطیکہ جذبِ الٰہی دستگیری فرمائے یا شیخِ کامل کی کشش نصیب ہو جائے۔ ذٰلِكَ يُفْضِىْ اِلَى التَّبَتُّلِ وَسِيْلَةٌ اِلَيْهِ بِشَرْطِ الْاِجْتِبَاءِ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى كَمَا يَكُوْنُ لِلْاَنْبِيَاءِ وَالْاَفْرَادِ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ اَوْ جَذْبٍ مِّنَ الشَّيْخِ (مظہری) (9) حضرت یعقوب چرخی لکھتے ہیں: واین معنی را اہل سلوک

1۔ تفسیر مظہری، بحوالہ تفسیر بغوی، ج 10، ص 109
2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 109
3۔ ایضاً
4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 106
5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 110
6۔ ایضاً
7۔ ایضاً
8۔ ایضاً، ج 10، ص 111
9۔ ایضاً

فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ⑨ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا

پس بنائیے رکھیے اسی کو اپنا کارساز ۹ اور صبر کیجیے ان کی (دل آزار) باتوں پر اور ان سے الگ ہو جائیے بڑی

جَمِيْلًا ⑩ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ⑪

خوبصورتی سے ۱۰ آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں ۱۱

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ⑫ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ⑬

ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے ۱۲ اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب۔

نفی ماسوی اللہ گویند و ایں معنی بکثرت ذکر حاصل آید بعنایت ازلیہ و بخدمتِ شیخِ کامل و مکمل۔

بے عنایاتِ حق و خاصان حق گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

وبیک نظر مبارک از شیخ کہ محبوبِ حق و مجذوبِ مطلق باشد چنداں تصفیہ و تجلیہ ظاہر و باطن حاصل آید کہ بانواعِ عباداتِ ظاہرہ حاصل نیاید۔ ترجمہ: اس معنی کو ہی اہل تصوف ماسوی اللہ کی نفی کہتے ہیں اور یہ معنی کثرتِ ذکر سے حاصل ہوتا ہے اور عنایتِ ازلی اور شیخِ کامل و مکمل کی خدمت اس کا سبب بنتی ہے۔

اللہ کی عنایت اور خاصانِ حق کی عنایت کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو اس کا نامۂ عمل سیاہ ہوتا ہے۔ شیخ جو محبوبِ حق اور مجذوبِ مطلق ہوتا ہے اس کی ایک نظر مبارک سے ظاہر و باطن کو وہ صفائی حاصل ہوتی ہے جو طرح طرح کی ظاہری عبادتوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ جَذْبَاتِكَ مَا يَلِيْقُ بِكَرَمِكَ (1)۔ الٰہی! ہمیں اپنی کششوں سے وہ عطا فرما جو تیری شانِ کرم کے شایان ہو۔

۹ وہ مشرق کا بھی مالک ہے اور مغرب کا بھی مالک ہے۔ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہر کام اسی کی مرضی سے طے پاتا ہے۔ وہی معبودِ برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس لیے اسی کو اپنا کارساز بنا لو۔ اپنے سارے کام، اپنے سارے احوال، اپنی ساری ضرورتیں، اسی کے سپرد کر دو اور یقین رکھو کہ وہ کارسازی فرمائے گا اور دین و دنیا میں سچی کامیابی تمہیں نصیب ہوگی۔

۱۰ وہ دل جو ان کے لیے ہمدردی اور خلوص کے جذبات سے لبریز تھا وہ نابکار اسی کو دُکھانے میں لگے رہتے۔ کاہن، شاعر، ساحر، مجنون جیسے مکروہ اور نازیبا الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرتے۔ مذاق کرنا، جھوٹے الزام تراشنا، غلط تہمتیں لگانا ان کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے محبوب! یہ جو کچھ بکتے ہیں انہیں بکنے دو۔ ان کی طرف سے روئے انور پھیر لو۔ ان کی گستاخیوں اور اذیت رسانیوں کا انتقام لینے کا خیال بھی قلب مبارک میں نہ گزرے۔ آپ نے اپنے سب کام میرے سپرد کر دیئے ہیں۔ اب آپ کو فکر کی ضرورت نہیں۔ میں خود ان سے نپٹ لوں گا۔ **هَجْرًا جَمِيْلًا** کا بھی یہی مطلب ہے کہ ان سے الجھنا، ان کے دوبدو ہونا اور ان سے انتقام لینا آپ کو زیب نہیں دیتا (2)۔

۱۱ اے محبوب! آپ نے مجھ پر توکل کر لیا اور مجھے اپنا کارساز بنا لیا۔ اب آپ کو فکر کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت جلد یہ اُولی النعمۃ میدان بدر میں ذلیل و رسوا کر کے قتل کر دیئے گئے۔ (3)

8- تفسیر یعقوب چرخی، پارہ 29، ص 74 2- تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 112 3- ایضاً

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾

(یہ اس روز) جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے ۱۳

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ

(اے اہلِ مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر ۱۴ جیسے ہم نے فرعون کی طرف

فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ ط فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنٰهُ أَخْذًا

(موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا۔ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے

وَّبِيلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ

پکڑ لیا ۱۵ (ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے

شِيبًا ﴿١٧﴾ صلے السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهِۦ ط كَانَ وَعْدُهُۥ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾ إِنَّ هٰذِهِۦ

گا (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے ۱۶ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ یقیناً یہ (قرآن)

۱۲ اَنْکال: نِکْلٌ کی جمع ہے۔ وہ بھاری بھرکم بیڑیاں جو پاؤں میں ڈالی جاتی ہیں اور انسان ہِل جُل نہیں سکتا۔ اَلْاَنْکَالُ: اَلْقُيُوْدُ وَاحِدُهَا نِكْلٌ وَهُوَ مَا مَنَعَ الْاِنْسَانَ مِنَ الْحَرَكَةِ۔ ذَا غُصَّةٍ: يَأْخُذُ بِالْحَلْقِ لَا هُوَ نَازِلٌ وَلَا هُوَ خَارِجٌ (1)۔ وہ چیز جو گلے کو پکڑ لیتی ہے نہ نیچے اترتی ہے نہ باہر نکلتی ہے جیسے غِسلین، زقّوم وغیرہ۔

۱۳ قیامت کے روز انہیں مذکورہ بالا عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ کَثِيْبٌ: اَلرَّمْلُ الْمُجْتَمِعُ۔ ریت کا ٹیلہ، مَهِيْلًا رَمْلًا سَائِلًا مُّتَنَاثِرًا (2)۔ ایسی ریت کا ڈھیر جو ہوا کے جھونکوں سے یا کوئی ٹھوکر لگنے سے پانی کی طرح بہنے لگتا ہے۔

۱۴ اہل مکہ کے سامنے فرعون کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کی شان و شوکت اور غرقابی کے تذکرے وہ اپنے بڑوں سے سنتے چلے آئے تھے۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جو قیامت کے روز تمہارے کفر و ایمان پر گواہی دے گا۔ شَاهِدًا: يَّشْهَدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا صَدَرَ عَنْكُمْ مِّنَ الْكُفْرِ وَالْعِصْيَانِ۔ (روح المعانی) (3) جو کفر و نافرمانی تم سے صادر ہوئی ہے قیامت کے روز وہ اس کی گواہی دے گا۔ جس طرح ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے اسی طرح ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔

۱۵ تمہاری طرح فرعون نے بھی حضرت موسیٰؑ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ہم نے اس کو تباہ و برباد کر دیا۔ اگر تم نے میرے رسول کی دعوت رد کر دی تو پھر اس قسم کے انجام کے لیے تیار رہنا۔ وَبِيْل: شدید اور سخت چیز۔ جو بارش بڑی تیز برستی ہے اسے مَطَرٌ وَّابِلٌ کہتے ہیں۔ جو پانی پینے کے قابل نہ ہو، اسے مَاءٌ وَبِيْلٌ کہتے ہیں۔ اَخْذًا وَّبِيْلًا: ثَقِيْلًا شَدِيْدًا۔ (4)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 46

2۔ ایضاً، جز 19، ص 47

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 108

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 48

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ ع اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ ع ۱۹ ۱۳

نصیحت ہے ۱۷ پس اب جس کا جی چاہے اختیار کرلے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ۔ بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ

اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ

آپ (نماز میں) قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور (ایک جماعت ان سے

مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ

جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی (یونہی قیام کرتے ہیں) ۱۸ اور اللہ تعالیٰ ہی چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے رات اور دن کو۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم

۱۶ اگر تم کفر سے باز نہ آئے اور اس گمراہی وضلالت پر مصر رہے تو پھر وہ دن جو اتنا ہولناک اور لمبا ہوگا کہ بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے اور آسمان جیسی مضبوط چیز بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی تو اس دن عذابِ الٰہی سے تم کیونکر بچ سکو گے؟

۱۷ یہ آیات جو آج ہمارا رسول تمہیں پڑھ کر سنا رہا ہے یہ تمہارے لیے یاددہانی ہے تاکہ تم خوابِ غفلت سے آنکھیں کھولو اور جس کا جی چاہے وہ اس راستہ پر گامزن ہوجائے جو اس کے پروردگار کی رضا اور معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی حسّی بُعد اور ظاہری دوری تو ہے نہیں تاکہ کسی راستہ پر چل کر اس کا قُرب حاصل کیا جائے۔ وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان جو بعد، جو دوری ہے، وہ غفلت کی دوری ہے، وہ ظلمانی حجاب ہے۔ اس حجاب غفلت کو دور کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہر وقت اس کو یاد کیا جائے، اس کے ذکر کو اپنا معمول بنالیا جائے۔ ذکر سے ہی یہ حجاب اٹھتا ہے۔ اس ذکر سے ہی بندے کو اپنے رب کی معیت اور اس کا عشق نصیب ہوتا ہے اور اسی محبت وعشق کے فیض سے اس کی عظمت وکبریائی کے نورانی پردے اُٹھتے ہیں اور محبّ صادق سُرادقاتِ عظمت کو الٹتا ہوا حریمِ قرب میں جبہہ سائی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ كَشْفُ تِلْكَ الْحُجُبِ يَتَيَسَّرُ بِالتَّذْكِيْرِ فَاِنَّ التَّذْكِيْرَ يُزِيْلُ الْغَفْلَةَ وَيَسْتَوْجِبُ الْمَحَبَّةَ لِلْمَعِيَّةِ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ اَلْمَحَبَّةُ يُفْضِي الْمُحِبَّ اِلَى الْمَحْبُوْبِ بِحَيْثُ لَا تَمْنَعُهٗ سُرَادِقَاتُ الْعَظَمَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ۔ (مظہری)(1)

ترجمہ: ان پردوں کا اٹھنا صرف ذکرِ الٰہی سے ہی آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ ذکر سے غفلت زائل ہوتی ہے، محبت پیدا ہوتی ہے، معیت نصیب ہوتی ہے۔ جس طرح ارشادِ رسالت ہے: ہر انسان، اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ پس محبت، مُحب کو اپنے محبوب کے قریب پہنچا دیتی ہے۔ عظمت وکبریائی کے پردے اس وقت اس کو روکتے نہیں۔

۱۸ قُمِ الَّيْلَ کا حکم نازل ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نصف شب یا اس سے تھوڑا کم یا تھوڑا زیادہ تک نمازِ تہجد ادا کرنا اور اس میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا فرض ہوگیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابتداء میں نماز تہجد تمام مسلمانوں پر فرض تھی اور بعض کا خیال ہے کہ نمازِ تہجد صرف حضورؐ پر فرض تھی، لیکن جب مسلمانوں نے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصف شب تک عبادت میں مصروف دیکھا تو ان

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 114

تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ

اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو ۱۹ وہ یہ بھی

اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ

جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں

يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ

تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزقِ حلال) کو ۲۰ اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے۔

کے دل میں بھی اپنے رسول کے اتباع کا شوق پیدا ہوا اور وہ بھی اپنے ہادی کے ساتھ اپنے مالک کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ کیونکہ نصف رات کا وہ صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے تھے۔ اس لیے بسا اوقات دو تہائی رات نماز پڑھتے پڑھتے گزر جاتی، یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے اور چہروں کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم فرماتے ہوئے اس حکم میں تخفیف کر دی کہ اب نصف رات جاگنے کی پابندی نہیں۔ جتنا تم آسانی سے جاگ سکتے ہو اور جتنا بآسانی قرآن کریم پڑھ سکتے ہو۔ اتنا ہی کافی ہے۔(1)

یہ آیت پہلے حکم کے کتنا عرصہ بعد نازل ہوئی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ آٹھ ماہ، سولہ ماہ اور ایک سال اور دس سال کی روایات منقول ہیں۔ آخری روایت سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بارہ ماہ کا عرصہ لکھا ہے(2) اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ مسلمانوں پر نصف شب کا قیام دس سال کی طویل مدت تک فرض رہا ہو اور اس کے بعد تخفیف کی گئی ہو۔

۱۹ بعض نے تو اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ تم اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس وقت کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے بالیقین پتہ چل جائے کہ ٹھیک آدھی رات گزر گئی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نرمی فرما دی اور بعض نے لَنْ تُحْصُوْهُ کا معنی لَنْ تُطِيْقُوْا قِيَامَهٗ(3) کیا ہے کہ تم ہمیشہ اتنی دیر قیام کی طاقت نہیں رکھتے، تم اس حکم کو نباہ نہ سکو گے۔ میرے نزدیک یہی معنی اس مقام سے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ یہاں بیماری، سفر وغیرہ ان عوارض کا ذکر ہوا ہے جن کے باعث نصف رات تک جاگنا از حد مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے عوارض ہیں جن سے ہر شخص کو کم و بیش واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اگر نصف رات تک جاگنا فرض ہوتا اور ان وجوہات کی بنا پر لوگ ایسا نہ کر سکتے تو وہ نافرمان اور گنہ گار ہوتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تم پر آسانی اور تخفیف کر دی ہے۔ اب جتنا آسانی سے جاگ سکتے ہو اور آسانی سے تلاوت کر سکتے ہو اتنا ہی کافی ہے۔

۲۰ یہاں پہلے حکم میں تخفیف کی علّت بیان کی جا رہی ہے کہ انسان ہمیشہ صحت و تندرستی سے گھر میں اقامت پذیر نہیں رہتا۔ کبھی وہ بیمار بھی ہو جاتا ہے، کبھی اسے رزق حلال کی تلاش میں اور علم کے حصول میں سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ کبھی میدانِ جہاد میں دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں دادِ شجاعت بھی دینا پڑتی ہے۔ ان حالات میں سحر خیزی کی یہ پابندی بڑی مشکل ہے۔ اس لیے نصف رات

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص218

2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج29، ص89

3۔ ایضاً، ج29، ص88

اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو ۲۱؎ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو ۲۲؎

جاگنے کی یہ پابندی ختم کی جاتی ہے۔ اب جتنا تم آسانی سے جاگ سکو اتنا ہی کافی ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں رزقِ حلال کے لیے جد و جہد کا مقام بڑا اونچا ہے کہ اس کو مجاہدین کے ساتھ شمار کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: سَوَّى اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ بَيْنَ دَرَجَةِ الْمُجَاهِدِيْنَ وَالْمُكْتَسِبِيْنَ الْمَالَ الْحَلَالَ لِلنَّفْقَةِ عَلٰى نَفْسِهٖ وَعِيَالِهٖ وَالْاِحْسَانِ وَالْاِفْضَالِ وَكَانَ هٰذَا دَلِيْلًا عَلٰى اَنَّ كَسْبَ الْمَالِ بِمَنْزِلَةِ الْجِهَادِ۔ (1)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور رزقِ حلال کمانے والوں کے درجہ کو برابر کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسب حلال بھی جہاد ہے۔

احادیث طیبہ میں اس حقیقت کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے:

رَوٰى اِبْرَاهِيْمُ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ جَالِبٍ يَجْلِبُ طَعَامًا مِّنْ بَلَدٍ اِلٰى بَلَدٍ فَيَبِيْعُهٗ بِسِعْرِ يَوْمِهٖ اِلَّا كَانَتْ مَنْزِلَتُهٗ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةَ الشُّهَدَاءِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ الاٰية (2): یعنی جو شخص ایک شہر سے خوراک کا سامان کسی دوسرے شہر میں لے آتا ہے اور اس دن کے بھاؤ کے مطابق فروخت کر دیتا ہے تو اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہداء کے مرتبہ کے برابر ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیتِ طیبہ پڑھی۔ علامہ قرطبی ایک واقعہ لکھتے ہیں:

”واسط شہر میں ایک تاجر رہتا تھا۔ اس نے اپنا گندم سے بھرا ہوا ایک جہاز بصرہ کی طرف بھیجا اور اپنے وہاں کے ایجنٹ کو لکھا کہ جس روز یہ جہاز بصرہ میں پہنچے، اسی روز اس کو فروخت کر دو اور آنے والے دن کے لیے اسے بچا کر نہ رکھو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس روز وہ جہاز پہنچا گندم کا بھاؤ گرا ہوا تھا۔ غلہ کے تاجروں نے اس ایجنٹ کو کہا کہ اگر تم ایک ہفتہ انتظار کرو تو کئی گنا نفع زیادہ کماؤ گے۔ چنانچہ اس ایجنٹ نے ایک ہفتہ اس گندم کو فروخت نہ کیا۔ ان ایام میں بھاؤ تیز ہو گیا اور اس نے کئی گنا زیادہ نفع کمایا۔ اس نے اپنے مالک کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس تاجر نے اس کو لکھا۔ يَا هٰذَا اِنَّا كُنَّا قَنَعْنَا بِرِبْحٍ يَّسِيْرٍ مَعَ سَلَامَةِ دِيْنِنَا وَقَدْ جَنَيْتَ عَلَيْنَا جِنَايَةً فَاِذَا اَتَاكَ كِتَابِيْ هٰذَا فَخُذِ الْمَالَ وَتَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى فُقَرَاءِ الْبَصْرَةِ وَلَيْتَنِيْ اَنْجُوْ مِنَ الْاِحْتِكَارِ كَفَافًا لَّا عَلَيَّ وَلَا لِيْ۔ (3)

اے فلاں! اگر ہمارا دین سلامت رہے تو ہمیں تھوڑا نفع ہی کافی ہے۔ تو نے ہم پر بڑی زیادتی کی ہے۔ جس وقت میرا یہ خط تمہیں ملے تو سارا مال بصرہ کے فقراء میں تقسیم کر دو۔ اس غلہ کی ذخیرہ اندوزی کا جو جرم تم نے کیا ہے، اس کے مواخذہ سے ہی اگر بچ جاؤں تو کافی ہے۔ مجھے اس مال کے صدقہ کرنے سے مزید ثواب کی کوئی آرزو نہیں۔

۲۱؎ اس مقدار کا تعین ہر شخص کے اپنے حالات پر ہے۔ ویسے بعض نے پچاس آیتیں اور بعض نے سو آیات لکھی ہیں۔ (4)

۲۲؎ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آیت نمازِ پنجگانہ اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد نازل ہوئی تو پھر نماز سے مراد پانچ فرض نمازیں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 55   2۔ ایضاً، ص 56-55   3۔ ایضاً، ص 56   4۔ تفسیر مظہری زیر آیت ہذا، ج 10، ص 121

وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ

اور اللہ کو قرضِ حسنہ دیتے رہا کرو ۲۳ اور جو (نیکی) تم آگے بھیجو گے اپنے لیے ۲۴ تو

خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا

اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہوگا ۲۵ اور مغفرت طلب کیا کرو

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۴

اللہ تعالیٰ سے ۲۶ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اور زکوٰۃ سے مراد فرض زکوٰۃ ہوگی اور اگر نماز و زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہے تو پھر الصلوٰۃ سے مراد وہی نماز ہوگی جو اس وقت ادا کی جاتی تھی اور زکوٰۃ سے اس کا لغوی معنی مراد ہوگا۔ یعنی صَدَقَةَ التَّطَوُّعِ: نفلی صدقات۔ (1)

۲۳ قرضِ حَسن کا مطلب یہ ہے کہ پاک مال سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا۔ مَا قُصِدَ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ تَعَالٰى خَالِصًا مِّنَ الْمَالِ الطَّيِّبِ۔ (2)

۲۴ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھجور اور دودھ کو ملا کر حیس یعنی حلوا بنایا۔ اسی اثنا میں ایک مسکین آیا۔ آپ نے وہ حلوہ اٹھا کر اس مسکین کو دے دیا۔ اہل مجلس میں سے کسی نے کہا: امیر المومنین! اس لذیذ حلوے کی قدر یہ بے چارا مسکین کیا سمجھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا: لٰكِنَّ رَبَّ الْمِسْكِيْنَ يَدْرِىْ مَاهُوَ (3)۔ مسکین کا رب تو جانتا ہے کہ یہ کیا ہے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ پیارا ہو؟ سب نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم سب کو اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سوچو کیا کہہ رہے ہو؟ سب نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ پیارا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں تم سب کو اپنے مال سے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ کیسے؟ قَالَ اِنَّمَا مَالُ اَحَدِكُمْ مَّا قَدَّمَ وَ مَالُ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ۔ رَوَاهُ الْبَغْوِیُّ (4) (مظہری) تمہارا مال تو وہ ہے جو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے سے پہلے بھیج رہے ہو اور وارث کا مال وہ ہے جو تم اپنے پاس رکھتے ہو۔

۲۵ خَيْرًا اور اَعْظَمَ، تَجِدُوْهُ کے مفعولِ ثانی ہیں، اس لیے منصوب ہیں۔ هُوَ ضمیر فصل ہے، اس کا کوئی اعراب نہیں اور اَجْرًا تمیز ہے۔ (5)

۲۶ اس سے پہلے بدنی اور مالی عبادات اور اعمالِ صالحہ کا ذکر کیا گیا۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی کوتاہ اندیش اپنے اعمال پر غرور و ناز

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 58

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً، جز 19، ص 59-58

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 122

5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 59

کرنے لگے، اس لیے آخر میں ہدایت فرما دی کہ اپنے اعمال صالحہ اور نیکیوں پر بھروسہ مت کرو۔ تمہارے اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں، نقص و عیب سے خالی نہیں اور اگر خالی ہوں بھی، تو بارگاہِ خداوندی کی عظمتوں اور رفعتوں کے شایانِ شان نہیں۔ اس لیے تمہاری نگاہ ہمیشہ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں پر رہنی چاہیے اور ہر وقت ان کے لیے مغفرت طلب کرنے میں تمہیں کوشاں رہنا چاہیے۔ اپنی نجات اور بخشش کی امید فقط اس کی رحمت اور مغفرت پر ہونی چاہیے۔ بے شک وہ بہت مغفرت فرمانے والا اور ہر وقت اپنے بندوں کے حالِ زار پر رحمت فرمانے والا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا لَّا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مِنْكَ مَغْفِرَۃً وَّ ارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ رَبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا۔ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَی الْمُزَّمِّلِ الْمُدَّثِّرِ حَبِیْبِكَ الْاَکْرَمِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰۤی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ اَحَبَّہٗ وَاتَّبَعَہٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

تعارف سُورۃ المُدّثّر

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام المدثّر ہے۔ اس میں دو رکوع چھپن آیتیں، دو سو پچپن کلمات اور ایک ہزار دس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)۔ لیکن ساری سورت بیک وقت نازل نہیں ہوئی بلکہ مختلف اوقات میں اُن کے مناسب حال آیتیں نازل ہوئیں۔

مضامین: پہلی سات آیتوں کے بارے میں بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ نزول وحی کا آغاز ان آیات سے ہوا۔ لیکن محققین کے نزدیک یہی بات مُسلّم ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے نزولِ وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ یہ دن حضور کے لیے بڑے کرب و اضطراب کے دن تھے۔ طبیعت ہر وقت بے چین رہتی۔ ایک روز حضور غار حرا میں حسبِ معمول عبادت سے فارغ ہو کر گھر واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک افق آسمان پر آپ کو وہی فرشتہ کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا جو پہلی وحی لے کر آیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر طبیعت میں ہراس پیدا ہوا۔ گھر پہنچے فرمایا: دَثِّرُوۡنِیۡ، دَثِّرُوۡنِیۡ (2) (مجھے لحاف اُڑھاؤ، مجھے لحاف اُڑھاؤ۔) حضور لحاف اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اسی حالت میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں فرائض نبوت کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پہلی وحی سے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ آپ کو منصبِ نبوت پر فائز کر دیا گیا اور اس وحی سے فرائضِ نبوت سے آگاہ کیا اور ان کی ادائیگی کے لیے کمربستہ ہونے کی تلقین فرمائی۔

آیات گیارہ تا چھبیس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل آیات کی تشریح کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان آیات میں ولید ابن مغیرہ کا نام لیے بغیر اس کے اطوارِ بد کا ذکر کر دیا گیا کہ اس کا دل تو حضور کو سچا رسول اور قرآنِ کریم کو کلام الٰہی مانتا ہے لیکن اپنی قوم کی ناراضگی کے خوف سے وہ اس کا بَرملا اظہار نہیں کرتا اور اپنی سرداری کو برقرار رکھنے کے لیے وہ حضور پر افتراء بازی سے باز نہیں آتا۔ یہ حضور کو ساحر اور آیاتِ قرآنی کو سحر کہتا ہے۔ اس کو بتا دیا کہ اُسے دوزخ کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا۔ اُس کے شعلے اُس کو بھون کر رکھ دیں گے، نہ وہ زندوں میں شمار ہو گا نہ مردوں میں۔

آیت ۲۷ سے رکوع کے اختتام تک دوزخ کے بعض حالات پر روشنی ڈالی۔ دوسرے رکوع میں بھی دوزخ اور دوزخیوں کے حالات کا تذکرہ ہے۔ آپ کی خصوصی توجہ کے لائق وہ سوال و جواب ہے جو اہل دوزخ اور اہل جنت کے درمیان ہو گا۔ جنتی اُن سے پوچھیں گے کہ تمہیں کیوں جہنم میں گھسیٹ دیا گیا؟ وہ جواب دیں گے ہمارے جرائم میں سے دو بڑے جُرم یہ تھے کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور ہم غریبوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے۔ غور فرمائیے قرآنِ کریم غریب اور حاجتمند طبقہ کی مادی

1۔ روح المعانی، جز 29، ص 115

2۔ ایضاً

ضرورتوں کی فراہمی کو اسلامی معاشرہ اور اس کے خوشحال افراد کی کتنی بڑی ذمہ داری خیال کرتا ہے۔ جو شخص اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اُس کا جرم اتنا ہی سنگین ہے جتنا اس شخص کا جو اپنے ربّ قدوس کو سجدہ نہیں کرتا۔ جس دین میں غریب پروری کو اتنا اہم مقام دیا گیا ہو اُس کے نام لیواؤں کو اپنے معاشرہ سے غربت و افلاس کی بیخ کنی کے لیے مارکس اور لینن کے اشتراکی فلسفہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر ضرورت ہے تو فقط اس بات کی کہ ہم آیات قرآنی کی سرسری تلاوت نہ کیا کریں بلکہ اس کی گہرائیوں میں اُتریں۔ اس کے تقاضوں کو سمجھیں اور پھر ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنے سارے وسائل کام میں لے آئیں۔

فَمَا لَهُمْ آیت ۴۹ سے کفار کے خبث طبع کا ذکر فرمادیا کہ اگر انہیں اللہ کا کلام سنایا جاتا ہے تو وہ اس سے یُوں بِدکتے ہیں اور ڈر کر یُوں دور بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شیر سے ڈر کر بھاگتے ہوں۔ حالانکہ یہ کتاب سراپا نصیحت ہے۔ اس میں ان لوگوں کی فوز و فلاح کا سامان ہے۔ انہیں تو چاہیے تھا کہ ذوق و شوق سے اس کو سنتے۔ خلوص قلب سے اس کو قبول کرتے اور اس کی روشنی میں جادۂ زیست کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے منزل مقصود تک جا پہنچتے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۱۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ خَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المدثر مکی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۵۶ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④

اے چادر لپیٹنے والے ۱؎ اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے ۲؎ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے ۳؎ اور اپنے لباس کو پاک رکھیے ۴؎

۱؎ وہ لباس جو جسم کو مَس کرتا ہے اسے عربی میں شِعار کہتے ہیں اور اس کے اوپر جو چادر، کمبل وغیرہ پہنا جاتا ہے اسے دِثار کہتے ہیں۔ مدثر، دثار سے ہی مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے چادر یا کمبل میں اپنے آپ کو لپیٹنے والے۔ (1)

اس کی شان نزول کے بارے میں مذکور ہے کہ غار حرا میں جبریل امین جب پہلی مرتبہ وحی لے کر حاضر ہوئے تو اس کے بعد کافی عرصہ تک نزول وحی کا سلسلہ بند رہا۔ اسے فترۃ الوحی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بڑے قلق واضطراب کی کیفیت طاری رہی۔ کلام الٰہی میں جو چاشنی اور مٹھاس ہے، کان اب اس سے آشنا ہو چکے تھے، اس کو دوبارہ سننے کے لیے سخت بے تاب تھے۔ اتنا لطف وکرم، پھر سکوت، وہ بھی اتنا طویل، قبض کی یہ کیفیت بڑی صبر آزما تھی۔ دل بے چین، کان بے تاب، اور آنکھیں مشتاق۔ آخر پھر درِ رحمت کُھلا اور سلسلۂ وحی شروع ہوا۔ اس کی حالت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آیا تھا، زمین وآسمان کے درمیان ایک زرّیں کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے خوف محسوس ہوا۔ گھر واپس لوٹ آیا۔ میں نے کہا زَمِّلُوْنِی زَمِّلُونی۔ فَدَثِّرُوْنِیْ۔ تو انہوں نے چادر یا کمبل مجھ پر ڈال دیا۔ اس وقت جبریل امین آ گئے اور یہ پیغام خداوندی آ کر سنایا۔ (2)

اس خطاب میں بھی اسی لطف وعنایت اور محبت و پیار کا اظہار ہے جس کا تذکرہ آپ ابھی المزمل میں پڑھ آئے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں: مَعْنٰی يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اَيِ الْمُدَّثِّرُ بِالنُّبُوَّةِ وَاَثْقَالِهَا (3)۔ اے نبوت اور اس کے بارِ گراں کو اٹھانے والے! صوفیائے کرام نے اس خطاب سے جو معنی سمجھا ہے علامہ آلوسی کے الفاظ میں سماعت فرمائیے:

قَالَ بَعْضُ السَّادَةِ اَیْ يٰۤاَيُّهَا السَّاتِرُ لِلْحَقِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ بِدِثَارِ الصُّوْرَةِ الْاٰدَمِيَّةِ اَوْ يٰۤاَيُّهَا الْغَائِبُ عَنْ اَنْظَارِ الْخَلِيْقَةِ فَلَا يَعْرِفُكَ سِوَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَى الْحَقِيْقَةِ (4)

ترجمہ: اقلیم معرفت کے بعض سرداروں نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ اے انسانی شکل وصورت سے حقیقت محمدیہ کو چھپانے والے! یا لوگوں کی نگاہوں سے اپنے آپ کو مستور رکھنے والے! کہ تیری حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جان سکتا۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے چند اشعار لکھے ہیں۔ ان میں سے قصیدۂ بردہ کے دو شعر آپ بھی سن لیجیے:

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 115

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 60

3۔ ایضاً، جز 19، ص 61

4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 116

۱۔ وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيْقَتَهُ قَوْمٌ نِيَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ
۲۔ فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهُ بَشَرٌ وَاَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللهِ كُلِّهِمِ (1)

۱۔اس دنیا میں سوئی ہوئی قوم جو محض خیالات سے اپنے دلوں کو بہلا رہی ہے حضور کی حقیقت کو کیسے پہچان سکتی ہے۔

۲۔علم کی انتہا تو یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں۔

قرآنِ کریم کے معنی کا سمندر بڑا عمیق ہے۔ اس کی تہہ تک کون پہنچ سکتا ہے؟ اس کے اسرار و معارف کے موتی اَن گنت ہیں۔ ان کا شمار کون کرسکتا ہے؟ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَحَبِیْبُہُ الْاَکْرَمُ۔

۲ آغاز نبوت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو ہدایات دیں، جن احکام اور ارشادات سے نوازا، اس سے بہتر کوئی لائحہ عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے محبت بھرے خطاب کے بعد پہلا حکم یہ دیا کہ اُٹھیے! کاہلی اور بے پروائی سے نہیں، پکے عزم اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اٹھیے۔ آپ کے گرد و پیش بسنے والی مخلوق، غفلت کی نیند سوئی پڑی ہے۔ اسے خبردار کر دیجیے کہ آنکھیں کھولو، اپنی روش بدلو، ورنہ عذاب الٰہی نازل ہونے ہی والا ہے۔ اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو اس عذاب سے بچنے کا راستہ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ وقت ضائع کیے بغیر اس پر گامزن ہو جاؤ۔

۳ اس دعوت اور تنذیر کے مخاطب اگرچہ کافۃ الناس ہیں لیکن اوّلین مخاطب اہل مکہ اور قریش تھے جو صدیوں سے شرک کو قبول کر چکے تھے۔ مشرکانہ عقیدے ان کے قلوب و اذہان میں رَچ بس چکے تھے۔ مزید برآں انہیں اپنی برتری کا ایک انوکھا احساس تھا۔ وہ کسی کو خاطر میں ہی نہ لاتے تھے۔ سب سے بڑے معزز، سب سے زیادہ عقل مند، سب سے بڑھ کر دور اندیش، وہ خود تھے۔ مزید طرہ یہ کہ وہ کعبہ کے مجاور تھے، مذہبی رسوم اور دین کے جملہ حقوق انہی کے نام محفوظ تھے۔ اس لیے ان کو خدا کے عذاب سے ڈرانا یا دعوتِ حق دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ان کے دلوں کی پتھریلی اور سنگلاخ زمین میں ایمان کی تخم ریزی بڑا دشوار مرحلہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ اپنے رب کی بڑائی کا عقیدہ بھی رکھو اور اس کا اعلان بھی کر دو۔ جب آپ کا یہ عقیدہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے تو پھر دوسرے بڑوں کی آپ کو پروا نہیں رہے گی۔ ٹھیک ہے یہ لوگ بڑے ہوں گے، لیکن ان کی بڑائی چند میلوں اور چند دنوں تک ہے اور آپ کے رب کی بڑائی کا پرچم بحر و بر، دشت و جبل، عرش و فرش پر ازل سے لہرا رہا ہے اور ابد تک لہراتا رہے گا۔ آپ ان فانی بڑوں کی پروا مت کریں۔ ان کا جتنا جی چاہے آپ کے راستوں میں رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کر دیں، آپ کا رب جو حقیقی بڑا ہے وہ انہیں رائی بنا کر اڑا دے گا۔ دل میں اس کی کبریائی کا عقیدہ اور زبان سے اس کی کبریائی کا اعلان، یہی تو وہ فریضہ ہے جو آپ نے ادا کرنا ہے۔ اللہ اکبر سے نماز کا افتتاح اسی آیت سے ماخوذ ہے۔

۴ آپ کو نبوت کے منصبِ رفیع پر فائز کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کبریائی کے اعلان کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ آپ کے رب کا جمال اس بات کو گوارا نہیں کرسکتا کہ آپ میلے کچیلے ہوں یا آپ کے کپڑے گندے یا ناپاک ہوں۔ جس طرح آپ کی زندگی کا مقصد مقدّس ہے اسی طرح آپ کا لباس بھی اُجلا، صاف اور پاک ہونا چاہیے۔ اس کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اپنے اخلاق کو بھی پاک رکھیے، آپ کے دامنِ عصمت پر کسی قسم کا کوئی دھبہ لگنے نہ پائے۔ دشمنانِ حق کو انگشت نمائی کا کوئی موقع نہ دیجیے کہ ان کے اعتراضات طالبانِ حق کے لیے رکاوٹ نہ بن جائیں۔ لغتِ عرب میں پاک دامن آدمی کے لیے طَاهِرُ الثِّيَابِ

1۔ القصیدتان، ص 14

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷

اور بتوں سے (حسب سابق) دُور رہیے ۵ اور کسی پر احسان نہ کیجیے زیادہ لینے کی نیت سے ۶ اور اپنے رب (کی رضا) کے لیے صبر کیجیے ۷

اور نَقِيُّ الذَّيْلِ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں (1)۔ یعنی وہ پاکدامن ہے اور اس کا لباس ہر داغ سے پاک ہے۔ فقہاء نے اسی آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نماز کے لیے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اور جب کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے تو نمازی کا اپنا جسم اور وہ جگہ جہاں وہ نماز ادا کر رہا ہے اس کا پاک ہونا بطریق اولیٰ ضروری ہوگا۔

۵ عقیدہ اور عمل کی ہر ظاہری اور باطنی قباحت سے حسب سابق احتراز کرنے کی تاکید ہو رہی ہے۔ کیونکہ ایک مبلّغ کا کلام، اس وقت تک مؤثر نہیں ہو سکتا جب تک وہ خود ان برائیوں سے منزہ اور مبرا نہ ہو۔ فرمایا: وہ تمام گناہ جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب کا باعث بنتے ہیں، جن میں سب سے بڑا گناہ بتوں کی پرستش ہے، ان سے کنارہ کش رہیے ورنہ لوگ آپ پر زبان طعن دراز کریں گے اور تبلیغ کی کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوں گی۔

قرطبی لکھتے ہیں: رِجْزٌ اور رُجْزٌ دو لغتیں ہیں، معنی ایک ہی ہے۔ لُغَتَانِ مِثْلُ الذِّكْرِ وَالذُّكْرِ۔ ابو العالیہ، ربیع اور کسائی کہتے ہیں: اَلرُّجْزُ بِالضَّمِّ: الصَّنَمُ وَبِالْكَسْرِ النِّجَاسَةُ وَالْمَعْصِيَةُ۔ یعنی رُجز: بت کو کہتے ہیں اور رِجز پلیدی اور گناہ کو کہتے ہیں۔ کسائی کہتے ہیں: بِالضَّمِّ الْوَثَنُ وَبِالْكَسْرِ الْعَذَابُ۔ (قرطبی) (2) رُجز کا معنی بت اور رِجز کا معنی عذاب۔

۶ کیا ہی پیاری نصیحت ہے! کتنے اعلیٰ ضابطہ اخلاق کی تعلیم ہے! عام طور پر تو کسی کے ساتھ جب احسان اور بھلائی کی جاتی ہے تو یہ توقع ہوتی ہے کہ جب وقت آئے گا تو یہ مجھ سے بڑھ کر احسان کرے گا۔ لوگ وہاں ہی ایک روپیہ خرچ کرتے ہیں جہاں کم از کم دو کی بازیافت کی امید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ ہدایت کا جو احسان آپ ان پر فرما رہے ہیں، معرفت الٰہی کی جو دولت آپ انہیں عطا فرما رہے ہیں، یہ بڑی بیش قیمت چیز ہے۔ لیکن بھولے سے بھی یہ خیال آپ کے دل میں کبھی نہ آنا چاہیے کہ آپ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہونے والے اس احسان عظیم کا معاوضہ آپ کو دیں گے۔ آپ محض اور محض اپنے رب کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا کے لیے یہ کام کریں اور کسی انسان سے اس کے معاوضہ کی قطعاً توقع نہ رکھیں۔ آپ کا رب خود آپ کو اس کا اجر عظیم اور اجر غیر ممنون عطا فرمائے گا۔ ہر قسم کے لالچ یا منفعت سے بے نیاز ہو کر آپ دعوتِ حق کا فریضہ انجام دیں۔

اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی عبادت، اس کے دین کی تبلیغ اور اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں ان کو بڑا اور کثیر سمجھ کر اس پر نازاں نہ ہوں بلکہ جتنا بھی آپ جدوجہد کریں اس کو قلیل اور حقیر ہی سمجھیں۔ قَالَ الْحَسَنُ لَا تَمْنُنْ عَلَى اللهِ بِعَمَلِكَ فَتَسْتَكْثِرَهٗ۔ (3)

۷ اس دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو تکلیفیں پیش آئیں، جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے، ان پر صبر کیجیے اور صبر بھی محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے۔

ان آیات طیبات میں جو ہدایات مذکور ہیں، کوئی یہ خیال نہ کرے کہ حضور پہلے ان کے خلاف عمل پیرا تھے اور حضور کی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 117

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 67

3۔ ایضاً

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ (۸) فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ (۹) عَلَى

پھر جب صور پھونکا جائے گا ۸ تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا ۔ کفار

الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ (۱۰) ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا (۱۱) وَّجَعَلْتُ

پر آسان نہ ہوگا ۔ آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے ۹ اور دے

لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا (۱۲) وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا (۱۳) وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا (۱۴)

دیا ہے اس کو مالِ کثیر ۔ اور بیٹے دیے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں ۔ اور مہیّا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان ۱۰

اصلاح کے لیے یہ ہدایات نازل کی گئیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فطرت ذکیہ اور طبیعت سعیدہ پہلے ہی مکارم اخلاق سے متصف تھی۔ ہر قسم کی خامیوں اور عیوب سے حضور کا دامن پاک تھا۔ یہ احکام یا تو دوام کے لیے ہیں کہ حسبِ معمول آپ ان پر کاربند رہیے یا قیامت تک آنے والے مبلغین اور خادمانِ دین کے لیے یہ ایک منشور مقرر کر دیا گیا کہ اگر نبوت کی وراثت سے کچھ حصہ لینا چاہتے ہو تو ان اصولوں پر مضبوطی سے کاربند رہو۔

۸ اَیْ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ جب قیام قیامت کے لیے صور پھونکا جائے گا تو وہ دن کفار کے لیے بڑا سخت ہوگا۔ ان کی کوئی تدبیر کام نہ آئے گی، ان کا کوئی عذر مقبول نہ ہوگا۔ ان کی ساری آسیں اور امیدیں ٹوٹ جائیں گی۔ نَاقُوْر: فَاعُوْل کا وزن ہے، وہ آلہ جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ اس آلے کی حقیقت، شکل وصورت سے ہم کو آگاہ نہیں کیا گیا اور نہ اس کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے۔(1)

۹ یہاں سے ولید بن مغیرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی اور غضب کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اس قسم کا کلام غصہ اور غضب کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس غضبِ شدید کی وجہ آیت نمبر ۱۸ سے شروع ہو رہی ہے۔ یہاں صرف اس کی احسان فراموشی اور کفران نعمت کا ذکر ہو رہا ہے۔ وَحِيْدًا کے بارے میں دو قول ہیں۔ یا تو خَلَقْتُ کی ضمیر فاعل کا حال ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ میں نے کسی مدد کے بغیر اس کو پیدا کیا ہے۔ مجھے اس کو ہلاک کرنے کے لیے کسی دوسرے کی اعانت کی ضرورت نہیں، یا یہ مفعول کی ضمیر محذوف خَلَقْتُهٗ کا حال ہوگا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس کو میں نے اس حالت میں پیدا کیا ہے کہ وہ تنہا تھا۔ نہ اس کے پاس مال تھا، نہ دولت، نہ زمین، نہ باغات، نہ اس کے پاس کوئی بیٹا تھا اور نہ کوئی ملازم۔ اب ہم نے اس پر یہ احسان فرمایا۔ اس کو اتنا مال دے دیا جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ دس، بروایت بارہ بیٹے دیئے جو کسبِ رزق سے مستغنی ہیں۔ تجارت و کاروبار کے لیے انہیں دور دراز ملکوں کی خاک چھاننا نہیں پڑتی۔ کھیتی باڑی میں سارا سارا دن مصروف نہیں رہتے بلکہ تمام ضروریات سے بے نیاز ہو کر ہر وقت اپنے باپ کے پاس حاضر رہتے ہیں۔

شُهُوْد کا معنی معروف ومشہور بھی کیا گیا ہے۔ یعنی باپ کی طرح نامور اور معزز ہیں۔ لوگ اپنی حاجات میں ان کے پاس بھی حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 120

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۙ⑮ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ⑯ۭ سَاُرْهِقُهٗ

پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں ۱۱ ہرگز نہیں ۱۲ وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ

صَعُوْدًا ⑰ۭ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ⑱ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ⑲ ثُمَّ قُتِلَ

کٹھن چڑھائی چڑھے ۱۳ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی ۱۴ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بُری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی

۱۰ اس کا مفہوم علامہ پانی پتی کے الفاظ میں یوں ہے: اَیْ بَسَطْتُّ لَهُ الرِّيَاسَةَ وَالْجَاهَ الْعَرِيْضَ (1)۔ یعنی میں نے اس کے لیے ریاست و سروری اور عزت وجاہ کے اسباب فراہم کر دیئے ہیں اور مکہ کا کوئی رئیس اس کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ اس کے ہم قوم اسے رَيْحَانَةُ قُرَيْشٍ (2)، قریش کا گل خنداں کہا کرتے اور یہ اپنے آپ کو وَحِيْدُ بْنُ وَحِيْدٍ، یگانہ فرزند یگانہ کے متکبرانہ الفاظ سے ملقب کیا کرتا۔

۱۱ اتنے عظیم احسانات کے باوجود اسے شکر کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول سے مخاصمت اور عناد اس کا شغل بن کر رہ گیا ہے۔ بایں ہمہ مزید نعمتوں کا خواہاں ہے۔

۱۲ ہرگز نہیں! اب اس کے لیے انعام و اکرام کے دروازے بند کیے جا رہے ہیں اور عذاب و عتاب کے دروازے کھولے جا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ولید کا کاروبار ماند پڑ گیا۔ زراعت و تجارت کی ترقی رک گئی۔ خسارے کا چکر چلنے لگا۔

۱۳ اُرْهِقُ: سَاُكَلِّفُهٗ، سَاُلْجِئُهٗ (3)۔ ہم اسے جبراً حکم دیں گے کہ وہ اس پہاڑ پر چڑھے۔ آرام و آسائش کی زندگی کا دور ختم ہو گیا۔ اب اسے ذلت و نامرادی، محرومی و تنگدستی کی زندگی بسر کرنا پڑے گی۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جہنم میں ایک پھسلواں پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے۔ اسے ایسے پہاڑ پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ جان جوکھوں میں ڈال کر جب وہ چوٹی کے قریب پہنچے گا تو اس کا پاؤں پھسل جائے گا اور دھڑام سے آ نیچے گرے گا۔ پھر اسے اسی طرح اوپر چڑھنے کا حکم ملے گا۔ اسے مجال انکار نہ ہوگی۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سَاُكَلِّفُهٗ مَشَقَّةً مِّنَ الْعَذَابِ لَا رَاحَةَ لَهٗ فِيْهِ۔ (قرطبی) (4) حضرت ابن عباس نے اس کا معنی یہ بتایا کہ ہم اسے ایک ایسے عذاب کی مشقتوں میں مبتلا کر دیں گے جس میں اس کو پل بھر کے لیے بھی آرام نصیب نہیں ہوگا۔

۱۴ یہاں سے اس غضبِ شدید کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ آیات کی تشریح سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہ واقعہ سن لیں جس کا ان آیات میں ذکر ہو رہا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دعوت کا آغاز کیے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حج کا موسم آ گیا۔ اس موقع پر ہر سال عرب کے اطراف و اکناف سے لوگ یہاں جمع ہوتے۔ اپنے اپنے رسم و رواج کے مطابق پوجا پاٹ کیا کرتے۔ اہل مکہ کو اب یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ ابھی تک تو ان کی دعوت مکہ تک محدود تھی۔ جو کسی کے جی میں آیا کہہ دیا۔ اب بیرونی قبائل کے لوگ آ رہے ہیں۔ وہ اس نئے داعی کے بارے میں ضرور پوچھیں گے۔ اگر ہم سب نے کوئی متفقہ جواب نہ دیا تو وہ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ اس لیے انہوں نے سوچا کہ ایک میٹنگ بلائی جائے اور اس میں طے کر لیا جائے کہ بیرونی لوگ اگر ان کے بارے میں پوچھیں تو انہیں کیا متفقہ جواب دیا جائے چنانچہ دار الندوہ میں ان کا اجتماع ہوا۔ ولید نے ہی گفتگو کا آغاز کیا اور لوگوں کو اس مجلس کے انعقاد کے اغراض و مقاصد سے آگاہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 127
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 122
3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 73
4۔ ایضاً، ص 74

كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾

بُری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا۔ پھر منہ لبسورا اور ترش رُو ہوا ۱۵ے پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔

کیا۔ اس نے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم سب ایک بات پر متفق ہو جائیں اور جو شخص بھی ان کے بارے میں پوچھے سب ایک ہی جواب دیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کاہن کا لفظ تجویز کیا۔ ولید بولا: بخدا! وہ کاہن نہیں ہیں۔ کاہنوں کے بے جوڑ، بے ربط فقرے میں نے بارہا سنے ہیں۔ قرآن کو بھلا ان سے کیا نسبت؟ دوسرے لوگ کہنے لگے کہ انہیں مجنون کہنا چاہیے۔ ولید نے اس کی بھی تردید کی اور کہا کہ اگر تم نے ایسی بیہودہ بات کی تو وہ لوگ تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ چند لوگوں نے کہا کہ ان کے لیے مناسب لفظ شاعر ہے۔ ولید سے نہ رہا گیا۔ کہنے لگا: تم شعر کی تمام اصناف سے واقف ہو۔ کیا قرآن کی کسی آیت پر ان میں سے کسی صنف کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اب تک گفتگو میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے: اور کوئی لفظ ان کے لیے موزوں نہیں البتہ ہم انہیں بڑے اطمینان سے ساحر کہہ سکتے ہیں۔ ولید نے کہا: دوستو! جادوگروں کی غلیظ زندگی اور ناپاک کردار کو بھلا مکارمِ اخلاق کے اس حسین و جمیل پیکر سے کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ ان الفاظ میں سے کوئی لفظ بھی اگر تم نے استعمال کیا تو بیرونی مہمان تم پر بدگمان ہو جائیں گے اور اسے جھوٹی تہمت خیال کریں گے۔ پھر کہنے لگا: وَاِنَّ لَهٗ لَحَلَاوَةً وَّاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً وَّاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَّاِنَّ اَسْفَلَهٗ لَمُغْدِقٌ وَّاِنَّهٗ لَيَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ۔ بخدا اس کلام میں بڑی مٹھاس ہے، اس کی جڑیں بہت گہری ہیں، اس کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی ہیں، یہ ہر ایک سے اونچا ہے اور کوئی اس سے اونچا نہیں ہو سکتا۔ ولید یہ کہہ کر مجلس سے اٹھا اور گھر چلا گیا۔ مجمع میں شور مچ گیا کہ ولید صابی ہو گیا۔ ابو جہل نے کہا: ٹھہرو، یہ مشکل میں حل کر دیتا ہوں۔ چنانچہ بڑی افسردہ شکل بنا کر اس کے پاس گیا۔ ولید نے پوچھا: خیر تو ہے؟ بڑے غمگین نظر آ رہے ہو۔ ابو جہل نے کہا اب غمزدہ ہونے کے بغیر چارہ ہی کیا ہے؟ قریش کے لوگ تیرے لیے گھر گھر سے چندہ جمع کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ولید بھوکا ہو گیا ہے، اس لیے (حضور کا اسم گرامی لے کر) اس کی طرف اور ابو بکر کی طرف راغب ہو گیا ہے تاکہ وہ اس کی مالی امداد کریں۔ کم ظرف تھا، فوراً مشتعل ہو گیا۔ کہنے لگا: لات و عزیٰ کی قسم! میرے جیسا رئیس اعظم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور ابو بکر کے ٹکڑوں کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کے بارے میں جو الفاظ تم کہتے ہو وہ غلط ہیں۔ پھر بڑے غور سے سوچنے لگا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا بحرِ فکر میں غوطہ زنی کر رہا ہے تاکہ آپ کے لیے کوئی موزوں لفظ نکال لائے۔ کافی دیر تک اسی حالت میں رہا اور آخر کار کہنے لگا کہ ہم اسے ساحر کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس نے بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو باپ سے جدا کر دیا ہے۔ (1)

اب ذرا ان آیات کو نظرِ تعمق سے دیکھیں۔ ایسے شخص کی جو تصویر کشی کی گئی ہے یہ بھی اپنے اندر ایک اعجازی شان رکھتی ہے۔

وہ اس بارے میں غور و فکر کرنے لگا کہ اس نبی مکرم کے لیے کون سا لفظ تجویز کیا جائے کاہن، شاعر، مجنون یا ساحر؟ طویل غور و خوض کے بعد اس نے طے کر لیا کہ انہیں ساحر کہنا درست ہے۔ ایسی سمجھ اور ایسی عقل پر پھٹکار کہ کتاب کی خوبیوں کو پوری طرح جاننے اور صاحبِ کتاب کے مکارمِ اخلاق کو تسلیم کرنے کے باوجود وہ ایسا لفظ منہ سے نکالنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

۱۵ے معلوم ہوتا ہے اس کا اپنا ضمیر بھی اس کو ملامت کر رہا ہے۔ وہ انتہائی ذہنی کش مکش میں مبتلا ہے اور اس کے آثار، اس کے چہرے پر صاف نمایاں ہو رہے ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 75-74

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَاُصْلِيْهِ

پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔ عنقریب میں اسے جہنم

سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾

میں جھونکوں گا ۱۶ اور تو کیا سمجھے کہ جہنّم کیا ہے۔ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ۱۷ جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو ۱۸

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً

اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ۱۹ اور ہم نے نہیں مقرر کیے آگ کے داروغے مگر فرشتے ۲۰

آخری اعلان سے پہلے ایک مرتبہ پھر رعونت سے مجمع پر نگاہ ڈالتا ہے۔ پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ منہ بسورتا ہے۔ چہرے کو کرخت بناتا ہے۔ پھر غرور و تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے: اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ کہ یہ جادو ہے اور اس کتاب کا لانے والا جادوگر ہے۔ پھر لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہتا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اس کا رواج قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ ہر زمانے کے جادوگر اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دیتے آئے ہیں اور یوں ہی یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔ ان کو بھی کسی بڑے جادوگر نے یہ چیزیں سکھا دی ہیں اور گھر گھر میں جو انتشار و افتراق پیدا ہو گیا ہے، یہ اسی جادو کا کرشمہ ہے۔

۱۶ اس پر ہم نے اتنے احسانات کیے۔ بچے دیئے، بے اندازہ دولت دی، عزت و سرداری بخشی اور اتنی لمبی عمر عطا فرمائی اور یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ نہ آپ ساحر ہیں اور نہ یہ کلام سحر ہے۔ لیکن محض اپنی جھوٹی نام و نمود کے لیے اور چند روزہ سرداری کے لیے وہ ایسا ناپاک الزام میرے نبی مکرم پر لگا رہا ہے۔ ایسے ناہنجار کو ہم ضرور دوزخ کا ایندھن بنائیں گے۔

۱۷ نہ تو اسے زندہ رہنے دیتی ہے اور نہ اس کو جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ جل کر کوئلہ ہوتے ہیں اور پھر عذاب جھیلنے کے لیے زندہ کر دیئے جاتے ہیں۔

۱۸ لَوَّاحٌ هُوَ تَلْوِيْحُ الْجِسْمِ وَتَغْيِيْرُهٗ اِلٰى سَوَادٍ: یعنی جلد کی رنگت سیاہی مائل کر دینے والی ہے۔ بَشَرٌ جمع ہے بُشْرَةٌ کی (1)۔ اس کا معنی انسانی جلد ہے۔

۱۹ ہم نے اس کشادہ اور وسیع دوزخ کی حفاظت کے لیے انیس داروغے مقرر کیے ہیں۔ کفار نے جب یہ آیت سنی تو بڑے زور سے قہقہے لگانے لگے۔ بس یہی کچھ ہے اس نبی کے خدا کی فوج۔ ہم تو سمجھے تھے بے شمار لشکر ہو گا جو جہنم کو چاروں طرف سے گھیرے کھڑا ہو گا اور ان کی گرفت سے بچ کر نکلنے کی کسی میں ہمت نہ ہو گی۔ کُل اُنیس! کیا حقیت ہے ان انیس کی؟ کفار کا مجمع لگا تھا۔ یہی بات موضوعِ بحث بنی ہوئی تھی۔ ہر شخص چٹخارے لے لے کر نکتہ آفرینیاں کر رہا تھا۔ ابوجہل کہنے لگا: دوستو! تم نے سن لیا اس نبی کے خدا کی فوج صرف انیس سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ کیا ہم دس دس مل کر بھی ایک ایک کو پکڑ کر اس کا کچومر نہ نکال دیں گے۔ ابو الاشد بن

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 29، ص 207

وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۙ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ

اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کرلیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ یَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِیْمَانًا وَّ لَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ

اہلِ کتاب اور بڑھ جائے اہلِ ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

اہلِ کتاب اور مومن اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے

اسید الجمحی جو اپنے قبیلہ بنی جمح کا زور آور پہلوان تھا، وہ بھی وہاں موجود تھا۔ کہنے لگا: ابوجہل جی مہاراج! ان میں سے سترہ کو تو میں اکیلا کافی ہوں۔ باقی رہے دو، تو آپ سب مل کر ان دو کو سنبھال لیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اے بیوقوفو! یہ تمہاری مانند بشر نہیں، یہ گوشت پوست کے آدمی نہیں کہ دس دس یا سولہ سولہ مل کر ان کو پچھاڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن کی قوت وطاقت کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اگر تمہیں کچھ غلط فہمی ہو تو عاد وثمود اور سدوم وعمورہ سے پوچھو۔ وہ تمہیں ان کی قوت کے بارے میں بتائیں گے۔ (1)

۲۰ جہنم کے داروغوں کی یہ تعداد بیان کرنے میں کیا حکمت ہے؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سن کر کفار نے اودھم مچا دیا اور اس کے رسول کو ہدفِ تنقید واستہزاء بنایا۔ اس لیے اس کی حکمت بتائی جارہی ہے کہ جن کے دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے اور وہ کسی مصلحت کے باعث ظاہر نہیں کررہے تو وہ کفر بھی کھل کر سامنے آجائے۔ نیز یہ کہ اہل کتاب کو بھی یقین آجائے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور وہ اپنے رب کا فرمان ہی سنا رہا ہے اور مسلمان تو پہلے ہی نورِ ایمان سے مشرف ہیں۔ وہ تو بے حیل وحجت شرحِ صدر کے ساتھ اس عدد کو تسلیم کرلیں گے۔ اس طرح ان کے ایمان اور قوت ایمان دونوں میں اضافہ ہوجائے گا۔ مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ کی بات تو واضح ہے، لیکن اہلِ کتاب کو اس سے کیسے یقین آگیا؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ اہلِ کتاب کی کتب میں بھی ان کی یہی تعداد مذکور ہے۔ اس بارے میں یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ کتبِ اہلِ کتاب کی ورق گردانی کے باوجود یہ کہیں نہیں ملا کہ ان کے نزدیک بھی دوزخ کے داروغوں کی تعداد انیس ہے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ اہلِ کتاب کی کتب میں تحریف وتبدل کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ ہوسکتا ہے یہ عدد کسی تحریف کی زد میں آگیا ہو اور آپ کو نہ ملا ہو۔ دوسرا شبہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر انیس کا عدد ان کی کتب میں مل بھی جائے تو اس سے بھی ان کے یقین میں اضافہ کی کوئی صورت نہیں۔ وہ تو الٹا یہ کہہ دیں گے کہ آپ نے ہماری کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اس کے لیے گزارش ہے کہ تمام اہل کتاب تو ہٹ دھرم اور متعصب نہیں۔ ان میں کئی حق پسند بھی تو ہوں گے۔ وہ تو یہ جانتے ہیں کہ اس نبی کریم نے عبرانی کتب کا مطالعہ تو کجا اپنی مادری زبان میں بھی ابجد شناسی تک نہیں سیکھی، چہ جائیکہ وہ عبرانی کتب سے اخذ کرکے قرآن مرتب کرتے رہے ہوں۔ باقی رہے متعصب، تو ایسے لوگوں کے حصہ میں ہدایت لکھی ہی نہیں۔ ان کا کیا ذکر۔

بعض علماء نے ان کے یقین میں اضافہ کی یہ توجیہہ کی ہے کہ ان کے صحائف میں بھی ایسی چیزیں بکثرت موجود ہیں جن کا تعلق

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 129

وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے ۲۱؎ یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے)

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ

گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے ۲۲؎ اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے ۲۳؎

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ لا وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ لا ۱ ع ۲۱ ۱۵

اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لیے - ہاں ہاں! چاند کی قسم ۲۴؎ اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے

عالمِ آخرت سے ہے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے ان کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ وہ لوگ بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عدد بھی عالمِ آخرت کے حقائق میں سے ایک حقیقت ہے۔ اگر اس کی صحیح سمجھ نہ آسکے کہ اتنے وسیع جہنم اور اتنی بے شمار مخلوق کی حفاظت کے لیے انیس فرشتے کیسے کافی ہو سکتے ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جو صرف قرآن میں ہو اور ان کی کتابیں اس سے خالی ہوں۔

ایک تیسری توجیہہ بھی کی گئی ہے کہ اہلِ کتاب نے دیکھا یہ تعداد سن کر کفار نے وہ اودھم مچایا کہ الامان والحفیظ۔ لیکن حضور نے ان کی اس مخالفت اور استہزاء کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسی وثوق سے قرآن کا پیغام پہنچایا تو انہیں یقین آگیا کہ مخالفت کے طوفانوں میں حق بات کہنا اور کہتے رہنا صرف پیغمبرانہ شیوہ ہے، عام آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

۲۱؎ جن کے دلوں میں شک کا روگ ہے اور وہ جن کے دلوں میں کفر سمایا ہوا ہے وہ کہتے ہیں اس تعداد کو بیان نہ کیا جاتا تو کیا حرج تھا۔ اس کو ذکر کر کے حالات کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا گیا ہے۔ اس قسم کی باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں ایمان کا نور نصیب نہیں ہوتا۔

اس مرض سے مراد نفاقِ اصطلاحی نہیں جو مدینہ طیبہ میں نمودار ہوا بلکہ اس سے مراد شک ہے اور مکہ میں جہاں ایسے لوگ موجود تھے جو کفر اور کفریات پر دل سے یقین رکھتے تھے، وہاں ایسے لوگوں کی بھی کثیر تعداد موجود تھی جنہوں نے اگرچہ اسلام کو قبول نہیں کیا تھا لیکن اسلامی دعوت کے بارے میں وہ تردد میں مبتلا تھے۔ کبھی کہتے ایسا ممکن ہے، کبھی کہتے یہ غلط ہے۔ اس آیت کو محض اس لیے مدنی کہنا کہ اس میں مرض کا لفظ موجود ہے سراسر تکلّف ہے۔

۲۲؎ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو گمراہ کر دیتا ہے اور مجبور کر کے کسی کو ہدایت دے دیتا ہے ورنہ جواب دہی، اعمالِ نیک و بد کی ذمہ داری، پھر ان پر ثواب و عقاب جو اسلام کے بنیادی ارکان ہیں سب منہدم ہو کر رہ جائیں گے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل و فہم، غور و فکر کی جو صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہیں، اس کے بعد اسے آزادی دی کہ چاہے تو وہ اسے نیکی کے لیے استعمال کرے، چاہیے تو گمراہی میں استعمال کرے۔ اگر کوئی شخص ان قوتوں کو ہدایت پذیری کے لیے خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت بخش دیتا ہے۔ ایسا کرنے والے کو جبراً گمراہی کے گڑھے میں پھینک نہیں دیا جاتا اور اگر وہ دانستہ سمجھ بوجھ کر گمراہی کو اختیار کرتا ہے تو قدرت اسے مجبور نہیں کرتی کہ چوہدری صاحب! اللہ ہدایت قبول فرمالیجیے۔

۲۳؎ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو اس کے بغیر کوئی جان نہیں سکتا۔ یہ بے چارا ابوجہل کیا جانے کہ خالق السموٰات والارض کے

وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ (٣٤) اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ (٣٥) نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ (٣٦) لِمَنْ

اور صبح کی قسم جب روشن ہو جائے۔ یقیناً دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے ٢٥ ڈراوا ہے لوگوں کے لیے ٢٦ ان کے لیے

شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ (٣٧) كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (٣٨)

جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں ٢٧ ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے ٢٨

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ (٣٩) فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ (٤٠) عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ (٤١) ع ١٦

سوائے اصحابِ یمین کے ٢٩ جو جنتوں میں ہوں گے۔ اہلِ جنت پوچھیں گے مجرموں سے ٣٠

لشکروں کی تعداد کیا ہے؟

٢٤ اس کا معنی کیا گیا ہے۔ حَقًّا لِّلْقَمَرِ (1): یعنی ہاں ہاں قمر کی قسم! اس وقت کَلَّا پر وقف نہ ہوگا اور اگر کَلَّا کو ان کے زعم باطل کے رد کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہو تو پھر کَلَّا پر وقف کریں گے۔ معنی ہوگا کہ جیسے تم گمان کیے بیٹھے ہو کہ قیامت نہیں آئے گی، جیسا کہ تمہارا خیال ہے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ چاند کی قسم! قیامت ضرور آئے گی۔

چاند کی قسم کے بعد رات کی قسم، جب وہ پیٹھ پھیر رہی ہو۔ بعض اہل لغت نے تو دَبَر اور اَدْبَر کا ایک ہی معنی کیا ہے۔ لیکن بعض نے فرق کیا۔ جب رات پیٹھ پھیر رہی ہو اس کو اَدْبَرَ کہتے ہیں اور جب رات پیٹھ پھیر چکے یعنی گزر جائے تو دَبَرَ کہتے ہیں۔ (2)

٢٥ اَلْكُبَر جمع ہے كُبْرٰى کی جو اَكْبَر کی تانیث ہے (3)۔ اس کا مطلب ہے وَالْكُبَرُ هِيَ الْعَظَائِمُ مِنَ الْعُقُوْبَاتِ: یعنی قیامت کا آنا بڑی آفتوں میں سے ایک بڑی آفت ہے۔ (4)

٢٦ یہاں صفت مشبہ نہیں تا کہ اس کا معنی ڈرانے والا ہو۔ بلکہ یہ مصدر ہے۔ قَالَ الْخَلِيْلُ النَّذِيْرُ مَصْدَرٌ كَالنَّكِيْرِ لِذٰلِكَ يُوْصَفُ بِهِ الْمُؤَنَّثُ: خلیل نے کہا ہے کہ یہ نکیر کے وزن پر مصدر ہے۔ اس کا معنی ڈراوا ہے۔ ایسی چیز جس سے ڈرایا جاتا ہے۔ وَقَالَ الْحَسَنُ وَاللّٰهِ مَا اُنْذِرَ الْخَلَائِقُ بِشَيْءٍ اَدْهٰى مِنْهَا۔ (5) حسن بصری فرماتے ہیں: انسان کے لیے اس سے بڑا ڈراوا اور کوئی نہیں ہے جس سے اس کو خوفزدہ کیا جائے۔

٢٧ اب تمہاری مرضی کہ تم میں سے کون نیکیوں کی طرف سبقت کرتا ہے اور کون برائیوں میں پھنس کر پیچھے رہ جاتا ہے۔

٢٨ آیت میں رَهِيْنَةٌ، رَهِيْنٌ کی تانیث نہیں ہے۔ کیونکہ نحو کا یہ قاعدہ ہے کہ جب فعیل، مفعول کے معنی میں ہو تو مذکر و مونث دونوں کے لیے رَهِيْنٌ صفت آتی ہے۔ اگر یہ رَهِيْنٌ بمعنی مَرْهُوْنٌ ہوتا تو یہاں اس کو مونث ذکر کرنے کی حاجت نہ ہوتی۔ بلکہ یہ شَتِيْمَةٌ کی طرح مصدر ہے اس کا معنی رہن، گروی ہے۔ وَالْمَعْنٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ مِنَ السَّيِّئَاتِ بِكُفْرِهَا مَحْبُوْسَةٌ فِي النَّارِ اَبَدًا۔ (6)

٢٩ ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ مومنین کے چھوٹے بچے، وہ لوگ جن کو ان کا نامۂ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ایک پسندیدہ قول یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جو اپنے اعمال اور نیکیوں پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اپنے رب

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز19، ص84　2۔ ایضاً　3۔ تفسیر مغربی زیر آیت ہذا، ج29، ص122

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز19، ص85　5۔ ایضاً　6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص131

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ

کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا۔ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اور مسکین کو

نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ

کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے اور ہم ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی میں لگے رہتے۔ اور ہم جھٹلایا کرتے تھے

بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

روزِ جزا کو۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا۔ پس انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے

الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ

والوں کی شفاعت ۳۱ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں۔ گویا وہ

کے فضل واحسان پر چشم امید لگائے بیٹھے ہیں۔

۳۰ آیت میں يَتَسَآءَلُوْنَ کا معنی يَسْأَلُوْنَ ہے۔ (قرطبی) (1) اہل جنت، دوزخیوں سے پوچھیں گے تمہیں کس جرم کی پاداش میں جہنم کے دردناک عذاب میں مبتلا کیا گیا؟ وہ جواب دیں گے: ہمارے دو قصور تھے جن کی ہم یہ سزا بھگت رہے ہیں۔ (۱) اپنے ربِ کریم کو سجدہ نہیں کرتے تھے۔ اکڑے اکڑے رہتے تھے۔ کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ جس کریم کے کرم کے صدقے یہ زندگی عزت وآرام سے گزر رہی ہے اسے سجدہ بھی کرنا چاہیے، اس کی عبادت بھی ضروری ہے (۲) اور دوسری غلطی ہم سے یہ ہوئی کہ خود تو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھایا کرتے لیکن غریبوں، مسکینوں کی ضرورت کی طرف توجہ ہی نہ دیتے۔ وہ ہمارے پڑوس میں کئی کئی روز بھوکے بلکتے رہتے۔ ہم نے کبھی ان کی پرواتک نہ کی۔

یہاں بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نماز جو تمام عبادتوں سے اعلیٰ وارفع ہے، اس کا تارک اور فقراء ومساکین کی ضروریات زندگی سے غفلت برتنے والا یکساں عذاب وسزا کے مستحق ہیں۔ اسلام انسان کی معاشی ضروریات کی بہم رسانی کا کتنا خیال رکھتا ہے۔

۳۱ جس کی موت کفر پر ہوئی ہو، اس کی کوئی شفاعت نہ کر سکے گا۔ کسی کو اس کی شفاعت کی اجازت ہی نہ ہوگی۔ شفاعت تو مومن گنہگار کے لیے ہے۔ اس موضوع پر کافی لکھا جا چکا ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: وَقَدِ انْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ عَلٰى جَوَازِ الشَّفَاعَةِ لِكُلِّ مُوْمِنٍ ..... وَاَنْكَرَ الشَّفَاعَةَ اَهْلُ الْهَوَاءِ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَالْخَوَارِجِ وَغَيْرِهِمْ قَبَحَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ وَقَدْ تَوَاتَرَتْ فِيْ ذٰلِكَ الْاَحَادِيْثُ تَوَاتُرًا مَّعْنَوِيًّا (2)۔ کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر مومن کے لیے شفاعت جائز ہے۔ البتہ معتزلہ خوارج اور ان کے علاوہ دیگر اہلِ ہوا نے شفاعت کا انکار کیا ہے۔ خدا ان کو تباہ کرے۔ حالانکہ احادیث شفاعت اتنی کثرت سے ہیں کہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 87

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 133

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ

بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جارہے ہیں شیر سے ۳۲ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے

مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾

کہ ان کو کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں ۳۳ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں ۳۴

كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ

ہاں ہاں یہ قرآن تو نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے اور وہ نصیحت قبول نہیں کریں گے بجز اس کے کہ

يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع ۲ ۱۵ ۱۶ الثلثة

اللہ تعالیٰ چاہے ۳۵ وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے ۳۶

اس کے بعد آپ نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ یہ حدیث زید بن ارقم اور تیرہ چودہ دیگر صحابہ سے مروی ہے۔ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِهَا لَمْ يَكُنْ مِّنْ اَهْلِهَا: قیامت کے روز میری شفاعت حق ہے، جو شخص شفاعت پر اعتقاد نہیں رکھتا وہ شفاعت کا مستحق نہ ہوگا۔ (مظہری) (1)

۳۲ ویسے تو ہر جانور کو قدرت نے ایسی حس دے رکھی ہے جو خطرے کو بھانپ لیتی ہے اور وہ حفاظتی تدبیر کر لیتا ہے لیکن ان تمام جانوروں میں گدھے کی شان نرالی ہے۔ جب یہ شیر کو دیکھ لیتا ہے یا اس کی بو سونگھ لیتا ہے تو بدحواس ہو جاتا ہے اور بدحواسی کی حالت میں بھاگ نکلتا ہے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی مثال ایسے گدھے سے دی ہے جو شیر کی آہٹ پا کر دم دبا کر بھاگ نکلا ہو۔ حُمُرٌ، حِمَار کی جمع ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَرَادَ الْحُمُرَ الْوَحْشِيَّةَ: جنگلی گدھے۔ قَسْوَرَة شیر کو کہتے ہیں۔ ان تیر اندازوں کو بھی قسورہ کہا جاتا ہے جو شکار کھیلنے کے لیے نکلے ہوں۔ اَلْقَسْوَرَةُ: الرُّمَاةُ وَالصَّيَّادُوْنَ (2)۔ یہ جمع ہے۔ اس کا واحد قَسْوَرٌ ہے۔

۳۳ کفار مکہ اپنے ایمان لانے کے لیے کئی کئی شرائط پیش کرتے تھے۔ کبھی کہتے: ہمارے ان صحراؤں میں سرسبز کھیت اور شاداب باغات لہلہانے لگیں، یہاں نہریں جاری ہو جائیں۔ کبھی کہتے: آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور ایک کتاب لے آئیں۔ بدنیت کے لیے بہانوں کی کمی نہیں ہوتی۔ ان کے احمقانہ مطالبات میں سے ایک مطالبہ یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتے: اس عمومی دعوت کو قبول کرنے کے لیے ہم تیار نہیں۔ اگر ہم سب رئیسوں اور سرداروں کے نام علیحدہ علیحدہ آسمان سے خط آ جائیں جن میں ہمیں مسلمان ہونے کی دعوت دی گئی ہو تب ہم ایمان لانے کے بارے میں غور کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو

1۔ کنز العمال، ج 14، ص 397، رقم الحدیث 39059۔ التراث الاسلامی۔ تفسیر مظہری زیر آیت ہذا، ج 10، ص 134

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 88

کیا پرواکہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ لوگوں کو اسلام کی ضرورت ہے۔ اسلام کے بغیر وہ گمراہی کی تاریکی سے نہیں نکل سکتے۔ اس شمعِ جمال پر پروانوں کی کوئی کمی نہیں۔

۳۴ ان کے ان نامعقول مطالبات کی وجہ بتائی جارہی ہے۔ ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ ان کا آخرت پر ایمان نہیں، اس لیے یہ ایسی احمقانہ باتیں کررہے ہیں۔ اگر انہیں یقین ہوتا کہ مرنے کے بعد انہیں پھر زندہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے انہیں پیش کیا جائے گا اور ان سے ان کے عقائد واعمال کے بارے میں باز پُرس ہوگی تو وہ کبھی ایسی باتیں نہ کرتے۔

۳۵ قرآن کریم تو پند ونصیحت ہے۔ یہ غافلوں کو خبردار کرنے کے لیے نازل ہوا ہے۔ ڈنڈے کے زور سے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا اس کا مقصد نہیں۔ جس کا جی چاہے اس سے نصیحت قبول کرے اور اپنی ابدی سعادت کا اہتمام کرے، لیکن یہ سعادت اسی کو مل سکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے نوازنا چاہے۔ محض علم، فہم اور تجربہ کافی نہیں۔

۳۶ آخر میں بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ ذات ہے جو اس بات کی مستحق ہے کہ بندہ اس سے ڈرتا رہے۔ خلوت ہو یا جلوت ایسے کاموں سے احتراز کرے جن سے اس نے منع فرمایا ہے اور اس کے احکامات کو بجالانے میں کسی حالت میں بھی غفلت نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ یہ بھی اسی کی شان ہے کہ جب کوئی بدکار اور رُوسیاہ اس کی بارگاہ میں معافی مانگنے کے لیے حاضر ہو تو اس کو معاف فرمادے۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کی بخشش عام ہے۔ اس کی مغفرت کا دامن بڑا کشادہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ وَاَنْتَ اَكْرَمُ الْمَسْئُوْلِيْنَ اَنْ تُوَفِّقَنِىْ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ عِبَادِكَ الْمُتَّقِيْنَ وَاَرْجُوْكَ اَنْ تَغْفِرَلِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ مِنْ صَلٰوتِكَ اَجْمَلَهَا وَسَلِّمْ مِّنْ تَسْلِيْمَاتِكَ اَكْمَلَهَا وَمِنْ تَحِيَّاتِكَ اَحْسَنَهَا عَلٰى حَبِيْبِكَ وَنَبِيِّكَ وَصَفِيِّكَ سَيِّدِ الْوَرٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ اَحَبَّهٗ وَاَتْبَعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

OOOO

تعارف سُورۃ القیامۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کے دو نام مذکور ہیں۔ سورۃ ''لَآ اُقۡسِمُ'' اور سُورۃ ''القیامۃ'' (1)۔ اس میں دو رکوع، چالیس آیتیں، ایک سو ننانوے کلمے اور چھ سو بانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (2)۔ اس کی آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق مکی عہد کے ابتدائی دور سے ہے۔

مضامین: قیامت کے بارے میں کفار و مشرکین جن شکوک و شبہات میں بری طرح گرفتار تھے کئی قسمیں کھا کر ان کا ازالہ کیا جارہا ہے۔ فرمایا کہ جس چیز کو تم محال سمجھ رہے ہو ہمارے لیے وہ بالکل آسان ہے۔ اس کے بعد قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر کیا گیا اور غافل انسانوں کی بے بسی اور بے کسی کی تصویر کھینچ دی گئی۔

ابتداء میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول وحی کے وقت بڑی مشقت محسوس فرماتے۔ اس بات کا احساس بے چین رکھتا کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اس لیے جب جبرائیلِ امین کلامِ الٰہی کی وحی کرتے تو حضور جلدی جلدی ساتھ ساتھ اس کو دہراتے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدشہ کو ہمیشہ کے لیے دور کر دیا۔ فرمایا: اے حبیب! وحی کو آپکے لوحِ قلب پر ثبت کر دینا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معانی اور مطالب کا سمجھانا، اس کے اسرار و معارف پر آگاہی بخشنا بھی ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے۔ آپ اس بارے میں ہرگز متفکر نہ ہوا کریں۔

اس اطمینان دہی کے بعد یہ بتایا کہ قیامت کے روز اللہ کے نیک بندے جب حاضر ہوں گے، تو ان کے چہرے گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ ہوں گے۔ ان کی مشتاق نگاہیں انوارِ الٰہی کے دیدار میں مستغرق ہوں گی۔ لیکن بدکار لوگ جب وہاں پکڑ کر لائے جائیں گے تو ان کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی۔ خوف سے تھر تھر کانپ رہے ہونگے۔ پھر ایسے لوگوں کی موت کا منظر پیش فرمایا۔ دوسرے رکوع میں نام لیے بغیر مکہ کے ایک مغرور اور خودسر رئیس (اغلباً وہ ابوجہل ہے) کے اطوار و احوال بیان فرمائے اور اس کو اس کے فطری انجام سے آگاہ کر دیا، تاکہ عبرت پکڑنے والے عبرت پکڑ سکیں۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۱-۴-۷۷

1۔ روح المعانی، ج29، ص135

2۔ ایضاً

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ القیامہ مکی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ اَيَحْسَبُ

مَیں قسم کھاتا ہوں روزِ قیامت کی ۱ اور مَیں قسم کھاتا ہوں نفسِ لوّامہ کی (کہ حشر ضرور ہوگا) ۲ کیا انسان یہ خیال

الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ

کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو ۳ کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کی پور پور درست

۱ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ابو اللیث سمرقندی کا قول ہے: اَجْمَعَ الْمُفَسِّرُوْنَ اَنَّ مَعْنٰی لَا اُقْسِمُ، اُقْسِمُ (1): سب مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لَآ اُقْسِمُ کا معنی ہے میں قسم کھاتا ہوں۔ لیکن "لا" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ "لا" زائدہ ہے اور کلام کو مزین و آراستہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اہلِ عرب کے ہاں یہ استعمال عام ہے۔ بعض نے کہا کہ لا ان کے انکارِ قیامت کا رد ہے۔ عرب جب کہتے ہیں لَا وَاللّٰهِ لَا اَفْعَلُ فَلَا رَدٌّ لِّكَلَامٍ قَدْ مَضٰى وَفَائِدَتُهَا تَوْكِيْدُ الْقَسَمِ فِي الرَّدِّ (2)۔ یعنی لا سے پہلے کلام کا ابطال مقصود ہوتا ہے اور بعد میں قسم اٹھائی جاتی ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ قسم مؤکّد ہو جائے۔

۲ دوسری قسم نفس لوّامہ کی کھائی جا رہی ہے۔ حسن بصری کے نزدیک نفسِ لوّامہ مومن کا نفس ہے جو ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ صوفیائے کرام کا ارشاد ہے کہ نفس سرکش کو نفس امّارہ کہتے ہیں جو امر کا مبالغہ ہے، کیونکہ وہ ہر وقت برے کاموں کا حکم کرتا رہتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی یاد میں کوشاں ہو جاتا ہے تو مولا کریم کی خصوصی توجہ اور جذب سے اس پر اس کے اپنے عیوب و نقائص منکشف ہو جاتے ہیں، اس پر وہ پشیمان ہوتا ہے اور اپنے آپ کو برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ اس نفس کو نفسِ لوّامہ کہتے ہیں اور جب وہ ہر ماسوا سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

یہاں دو قسمیں کھائی گئیں، لیکن مقسم بہ مقدر ہے۔ اَیْ لَتُبْعَثُنَّ کہ تم ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔ (3)

۳ ہر وہ انسان جو قیامت پر یقین نہیں رکھتا اسی قسم کے وسوسوں میں پھنسا رہتا ہے، وہ جب یہ سوچتا ہے کہ لوگوں کو مرے ہوئے سینکڑوں ہزاروں سال گزر چکے ہیں، ان کی قبروں کے نشان تک ناپید ہیں، ان کی ہڈیاں گل کر مٹی میں مل گئیں اور اس مٹی کے ذروں کو ہوا کے جھونکے صدہا بار الٹ پلٹ کر چکے اور کہیں کا کہیں اڑا کر پھینک آئے۔ دشت و جبل کی پہنائیوں میں بکھرے ہوئے ان ذروں کا اکٹھا ہو جانا کیسے باور کر لیا جائے؟ پھر کئی انسان تو ایسے تھے جو سمندر میں غرق ہوئے اور مچھلیوں کا نوالہ بن گئے۔ کئی لاشوں کو گدھ اور دوسرے پرندے چٹ کر گئے۔ کسی کو آگ نے جلا کر راکھ کر دیا۔ ان سب کا جمع ہونا، پھر ان کا پہلی حالت میں لوٹ کر وہی انسان بن جانا قطعاً محال اور ناممکن ہے۔ وہ اپنی فکر کے گھوڑے دوڑاتے اور آخر اسی نتیجہ پر

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 92 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 136۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 93

بَنَانَهٗ ④ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ⑤ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ

کردیں ۴ بلکہ انسان کی خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے ۵ (از راہِ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب

پہنچتے کہ قیامت کا برپا ہونا محض گپ ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

ہو سکتا ہے الانسان سے مراد کوئی خاص انسان ہو جیسے روایات میں مذکور ہے کہ اس سے عدی بن ربیعہ مراد ہے۔ وہ ایک دن حضور کے پاس آیا اور قیامت کے بارے میں پوچھنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بتایا قیامت ضرور قائم ہوگی۔ ہر انسان کو اس کی نیکیوں کی پوری جزا اس دنیا میں نہیں مل سکتی اور نہ اس کو اس کی بدکاریوں کی پوری سزا یہاں ملتی ہے۔ انسان کے باشعور اور بااختیار ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ ایسا دن آئے جب عدل کا ترازو رکھا جائے۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا و سزا ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن ربیعہ کو پوری کوشش سے سمجھایا۔ آخر وہ کہنے لگا: لَوْ عَايَنْتُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ لَمْ اُصَدِّقْكَ يَا مُحَمَّدُ وَلَمْ اُؤْمِنْ بِهٖ (1)۔ اگر میں قیامت کو برپا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لوں تب بھی میں آپ کی تصدیق نہیں کروں گا اور نہ اس پر ایمان لاؤں گا۔ بعض نے کہا: الانسان سے مراد ابوجہل ہے۔ بہر حال عدی ہو یا ابوجہل، ان کے یہ مخصوص نظریات نہ تھے بلکہ ان تمام لوگوں کے خیالات و نظریات کے نمائندے تھے جو قیامت کے منکر ہیں۔ ان منکرین سے ایک سوال کیا جا رہا ہے اور سوال ایسا ہے کہ اس کا جواب اسی میں مضمر ہے۔ یعنی اگر میرا یہ دعویٰ ہوتا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کوئی انسان جمع کرے گا تو تمہارا اعتراض بجا تھا، اگر میں یہ کہتا کہ منتشر ذرے خود بخود جمع ہو جائیں گے تب بھی تمہاری حیرت بجا تھی۔ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں۔ میں نے تو تمہیں بار بار یہی بتایا ہے کہ اللہ جو خالقِ ارض و سماء ہے، جس نے مٹی، پانی، ہوا کے اجزاء کو ترتیب دیا اور تیرے جیسا پیکر نازنین پیدا کر دیا، کیا وہ بھی ان بکھرے ہوئے ذرّوں کو جمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا؟ اس کا انکار تو وہ مشرک بھی نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کا خالق مانتے ہیں۔

۴ تمہارے بڑے بڑے اعضاء اور ان میں جو ہڈیاں ہیں، ان کو بنانا تو بجائے خود، وہ تو ایسا قادرِ مطلق ہے کہ تمہارے ہاتھ، پھر ان ہاتھوں کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں اور پھر ان کے چھوٹے چھوٹے پوروں کو بھی جوڑ کر درست کر کے انہیں پہلی حالت پر لا سکتا ہے۔ بڑی چیزوں کو اپنی اصلی حالت پر لے آنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہو سکتا ہے۔

۵ ان کی طبیعتیں، قیامت پر ایمان لانے کی طرف کیوں مائل نہیں ہوتیں؟ ان کے دل اس سراسر حق بات کو قبول کرنے سے کیوں انکار کرتے ہیں؟ اس کی وجہ اس آیت میں ذکر کر دی کہ اصل بات یہ ہے کہ فسق و فجور، مے پرستی و رندی، ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے۔ اپنے سے کمزوروں پر ظلم و ستم، لوٹ کھسوٹ کی انہیں ایسی لت پڑ چکی ہے کہ اب وہ اس سے باز آنے کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتے۔ اگر یہ قیامت کے دن پر ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ ان کے سارے اعمال پر ان کا محاسبہ ہوگا تو ساغر و مینا کی کھنک، ساقی و شاہد کی عشوہ طرازیاں ختم ہو کر رہ جائیں۔ ان کی اخلاق باختگی اور بے راہروی جس میں ان کی ساری لذتیں اور عزتیں مرکوز ہیں، سب ختم ہو جائیں۔ ہر قدم اٹھانے سے پہلے انہیں یہ دیکھنا پڑے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا کرنے والے کا کیا حال ہے؟ یہ پابندیاں ان سے نہیں اٹھائی جاتیں، اس لیے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج19، ص93

الْقِيٰمَةِ ۝٦ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝٧ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝٨ وَجُمِعَ الشَّمْسُ

آئے گی ؎٦ پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی ؎٧ اور چاند بے نور ہو جائے گا ؎٨ اور (بے نوری میں) سورج اور

وَالْقَمَرُ ۝٩ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝١٠ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝١١

چاند یکساں ہو جائیں گے۔ (اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے ؎٩ ہرگز نہیں۔ وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ ۝١٢ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ

صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہو گا۔ آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو

وَاَخَّرَ ۝١٣ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝١٤ وَّلَوْ اَلْقٰى

(اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا ؎١٠ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے۔ خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہلنے

وہ اس عقیدہ کے نزدیک بھی نہیں جاتے جوان کی بزمِ نشاط کو الٹ کر رکھ دے، جوان کو کسی ضابطۂ اخلاق کا پابند بنا دے۔

؎٦ یہ سوال بھی محض مذاق اڑانے کے لیے ہے جوان کا معمول تھا۔

؎٧ قیامت کے ساتھ مذاق کرنے والوں کے سامنے قیامت کا ہولناک منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ معمولی دن نہیں ہو گا۔ اس کی ہولناکیوں کو دیکھ کر دہشت اور خوف کے مارے آنکھیں چُندھیا جائیں گی۔ بَرَقَ بفتح العین ہو تو اس کا معنی لَمَعَ تَلَألَأَ (1)۔ چمکنا اور بَرِقَ (بکسر العین) ہو تو اس کا معنی دَهِشَ وَتَحَيَّرَ وَلَمْ يُبْصِرْ (2)۔ دہشت اور حیرت کے مارے اسے کچھ نظر نہ آیا۔

؎٨ جب قیامت برپا ہو گی تو ابتدائی مرحلوں میں یہ سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ درخشندہ و تابندہ مہر و ماہ بے نور ہو جائیں گے۔ جُمِعَ: کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دونوں بے نور ہونے میں یکساں ہو جائیں گے یا اس کا یہ مطلب ہے کہ کشش کا قانون جو اس عالم میں کارفرما ہے اور نظام شمسی کے ثوابت و سیارات، اپنے اپنے مقام پر پختگی کے ساتھ موجود ہیں، یہ ختم ہو جائے گا اور چاند، سورج کے ساتھ جا ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

؎٩ یہ انسان جو آج نخوت و غرور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو تسلیم نہیں کرتا جب قیامت برپا ہو گی تو اس وقت اس پر عیاں ہو گا کہ وہ آج تک راہِ راست سے بھٹکا رہا ہے۔ وہ زور زور سے چلائے گا کہ کوئی پناہ کی جگہ ہو تو بتا دو۔ میں بھی جا کر پناہ لوں لیکن اس دن اسے کوئی پناہ نہیں ملے گی۔ اَلْوَزَرُ فِي اللُّغَةِ مَا يُلْجَأُ اِلَيْهِ مِنْ حِصْنٍ اَوْ جَبَلٍ اَوْ غَيْرِهِمَا (قرطبی) (3) وہ قلعہ، پہاڑ یا غار جہاں انسان جا کر پناہ گزیں ہو سکے، اسے لغت میں وَزَر کہتے ہیں۔ اَلْمُسْتَقَرُّ: اَلْمُنْتَهٰى۔ آخر کار ٹھہرنے کی جگہ۔ (4)

؎١٠ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ کی بہترین تفسیر وہ ہے جو ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ اَیْ بِمَا اَسْلَفَ مِنْ عَمَلٍ سَيِّءٍ اَوْ صَالِحٍ اَوْ اَخَّرَ مِنْ سُنَّةٍ سَيِّئَةٍ اَوْ صَالِحَةٍ يُعْمَلُ بِهَا بَعْدَهٗ (قرطبی) (5) یعنی جو برا یا نیک کام اس نے اپنے سے پہلے

1۔ المنجد، ص 34 2۔ ایضاً، ص 35 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 98 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

مَعَاذِيْرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ

بناتا رہے ١١ (اے حبیب!) آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کرلیں اس کو ١٢ ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینۂ مبارک میں) جمع کرنا

بھیجا ہے اور اَخَّرَ سے مراد وہ برا یا اچھا طریقہ ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آیا اور جس پر لوگ عمل کرتے رہے۔ اَخَّرَ سے مراد بعض نے یہ لیا ہے کہ ایسے کام جن کا فیض جاری رہے۔ اس کے مرنے کے بعد بھی ان کاموں کا اجر اسے ملتا رہے گا۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعٌ يَّجْرِيْ اَجْرُهَا لِلْعَبْدِ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَهُوَ فِيْ قَبْرِهٖ مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا اَوْ اَجْرٰى نَهْرًا اَوْ حَفَرَ بِئْرًا اَوْ غَرَسَ نَخْلًا اَوْ بَنٰى مَسْجِدًا اَوْ وَرَّثَ مُصْحَفًا اَوْ تَرَكَ وَلَدًا يَّسْتَغْفِرُ لَهٗ بَعْدَ مَوْتِهٖ۔ (1)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات کام ایسے ہیں جن کا اجر بندے کو اس کے مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا، درآں حالیکہ وہ اپنی قبر میں ہوگا: (١) جس نے علم پڑھایا۔ (٢) جس نے کوئی نہر جاری کی۔ (٣) جس نے کنواں کھدوایا۔ (٤) جس نے درخت لگایا۔ (٥) جس نے مسجد بنوائی۔ (٦) یا قرآن مجید پیچھے چھوڑا (٧) یا ایسی اولاد چھوڑی جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے مغفرت طلب کرتی رہی۔

١١ بَصِيْرَةٌ: کا معنی ہے شاہد، گواہ۔ مَعَاذِيْرَ: اگر مِعْذَارٌ کی جمع ہو تو اس کا معنی ہوگا پردے اور اگر یہ عذر سے ماخوذ ہو تو پھر اس کا معنی ہوگا حیلہ بہانہ (2)۔ ان دو آیتوں میں ایک راز سے پردہ اٹھایا جارہا ہے کہ انسان جو برائیاں کرتا ہے ان کا اسے بخوبی علم ہوتا ہے۔ دنیا کے سامنے اپنی راست گفتاری، راست روی، خلوص اور دیانت داری کو ثابت کرنے کے لیے وہ لاکھ پاپڑ بیلے، ہزاروں جتن کرے، ممکن ہے لوگ اس کی بات کو سچا مان بھی لیں، ممکن ہے عدالت بھی اس کی حیلہ سازیوں کے باعث اسے بری قرار دے، لیکن کیا وہ اپنے ضمیر کے سامنے بھی اپنے آپ کو بے گناہ اور معصوم ثابت کرسکتا ہے؟ اس کا شعور تو اس وقت بھی اسے لعن طعن کررہا ہوتا ہے جب وہ اپنے جھوٹے تقدس کا بھرم رکھنے کے لیے جھوٹ کے پُل باندھ رہا ہوتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اس کا ضمیر مطمئن ہو کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا، اس کا دامن کسی آلودگی سے میلا نہیں۔ اگر یوسف صدیق علیہ السلام کی طرح تیرا دامن پاک ہے تو پھر سارا مصر یک زبان ہوکر تجھ پر الزام لگاتا رہے تیری نیند میں خلل نہ ہوگا۔ تیرے دل کی دنیا میں اطمینان کا نور برس رہا ہوگا۔ لیکن اگر ساری دنیا تجھے پاکباز کہتی ہو اور تیرا دل تجھے خائن گردانتا ہو پھر تجھے سکون اور اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا۔ یہاں قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس روز انسان کو اس کے اعمال نیک و بد سے پوری طرح آگاہ کردیا جائے گا تاکہ عدل و انصاف کے ظاہری ضابطے بھی پورے ہوجائیں۔ ورنہ ہر انسان پر اس کے اعمال آشکارا ہیں۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہزار حیلے بہانے تراشا کرے اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

١٢ نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریوں کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو از حد احساس تھا۔ جب وحی نازل ہوتی تو حضور پوری طرح متوجہ ہوتے اور جبریلِ امین جونہی اللہ تعالیٰ کے کلام کی قراءت شروع کرتے، حضور بھی اسے جلدی جلدی سے تلاوت کرتے، مبادا کوئی لفظ رہ جائے۔ بیک وقت تین کام۔ سراپا توجہ بن کر سننا، پھر اسی وقت اس کی تلاوت کرنا اور اس کے مفہوم کو سمجھنا بڑا دقت طلب اور تکلیف دہ کام تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ تکلیف گوارا نہ ہوئی۔ اس زحمت سے بچانے کے لیے یہ آیات نازل ہوئی۔ اس سیاق و سباق میں یہ آیات شاید کسی کو بے ربط معلوم ہوں۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انہیں ہونا چاہیے۔

1۔ شرح الصدور، ص 289

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 100-99

وَقُرْاٰنَهٗ ⑰ صلے فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ⑱ ج ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ⑲ ط

اور اس کو پڑھانا۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا [۱۳]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معمول اگرچہ ابتدا سے یہی تھا کہ آپ سننے، سمجھنے اور یاد رکھنے کی بیک وقت کوشش فرماتے جس سے یقیناً طبیعت پر بوجھ پڑتا لیکن یہاں قیامت کا، قیامت کے منکرین اور قیامت کی ہولنا کیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ مضمون کی اہمیت کے پیش نظر حضورؐ نے اپنے سہ گونہ عمل میں مزید کوشش فرمائی ہوگی۔ جب اس طریقۂ کار کی گرانی کو حضور شدّت سے برداشت فرما رہے تھے وہی بہترین موقع تھا کہ اس شدت سے رہائی کا مژدہ سنایا جاتا۔ اس مژدہ کو سنانے کے بعد سلسلۂ کلام دوبارہ شروع ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ سہ گونہ زحمت کی ضرورت نہیں۔ جب جبریل ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہوں تو اس وقت آپ صرف دھیان سے سنتے جائیں اور یہ فکر نہ کریں کہ کلام کا کوئی حصہ فراموش ہو جائے گا یا کوئی حکم پوری طرح سمجھا نہ جائے گا، یہ فکر دل سے نکال دیں۔ یہ دونوں کام ہم نے اپنے ذمہ لے لیے ہیں۔ جب جبریل وحی کا القا کر چکیں گے تو اس کا ایک ایک کلمہ بلکہ ایک ایک حرف آپ کے حافظہ میں نقش ہو جائے گا۔ اس سارے کلام کو ہم آپ کے سینۂ مبارک میں جمع کر دیں گے اور پھر ہر آیت کا، آیت کے ہر کلمہ کا مقصد اور مفہوم آپ کو سمجھا دینا، یہ بھی ہمارا کام ہے۔

[۱۳] ان چار آیتوں نے فتنۂ انکارِ سنت کی جڑ اکھاڑ کر پھینک دی ہے۔ منکرین سنت کے زبردست اعتراضات کا قلع قمع کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر وہ شخص جو قرآن کو خداوندِ عالم کا کلام سمجھتا ہے اس کے لیے نجات کا راستہ کشادہ ہو جاتا ہے۔

منکرین حدیث کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پر صرف قرآنِ کریم نازل کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی وحی حضور پر نہیں اتری۔ قرآن کی جو تفسیر یا احکام قرآنی کی جو تفصیل ہمیں کتب احادیث میں ملتی ہے یہ حضور کی ذاتی رائے ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مخصوص حالات اور معاشرتی تقاضوں کی روشنی میں قرآن کو جس طرح سمجھا لوگوں کو بتا دیا۔ اب جبکہ چودہ صدیاں بیت چکی ہیں، انسانیت کا کارواں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ عصری تقاضے یکسر بدل گئے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں قرآن کریم کو ایک مخصوص زمانہ کی فضا میں سمجھے ہوئے مفہوم کا زندانی بنا دینا قرآن پر بڑا ظلم ہے اور ملتِ اسلامیہ کی اس سے بڑی دشمنی کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں قرآنِ کریم کی اس تفسیر کی پابندی لازمی قرار دی جائے اور اس طرح قوم کی ترقی کے سامنے رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کر دیئے جائیں۔

قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی آیت نے اعتراضات کے اس طومار کو نیست و نابود کر دیا۔ فرمایا: ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔ کہ جو کلام آپ پر نازل کیا جا رہا ہے اس کا یاد کرا دینا، اس کو آپ کے سینۂ پر نُور میں جمع کر دینا بھی ہمارا کام ہے اور اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی قرآن کریم کے احکامات، ارشادات کے مفہوم اور مُدّعا کو پوری طرح سمجھا دینا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ آپ کی صوابدید یا اجتہاد پر موقوف نہیں بلکہ ہم نے، جو عالم الغیب والشہادہ ہیں، ماضی، حال، مستقبل کے زمانوں اور ان کے ہر لحظہ بدلتے ہوئے تقاضوں کے خالق ہیں، ہم نے خود انہیں کھول کر آپ کو سکھایا ہے۔ جب قرآن اور قرآن کا بیان دونوں مُنَزَّل من اللہ ہیں تو دونوں کا اتباع ہر مومن پر لازم ہوگا اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ایک کو تو واجب العمل قرار دے اور دوسرے کو ساقط العمل۔

منکرین سنّت نے اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ایک حکم جو ایک جگہ قرآن میں مجملاً مذکور ہے دوسری آیت

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم محبت کرتے ہو جلدی ملنے والی (نعمت) سے اور چھوڑ رکھا ہے تم نے آخرت کو ۱۴؎ کئی چہرے اس روز ترو تازہ

نَّاضِرَةٌ ۙ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۙ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ

ہوں گے اور اپنے رب کے (انوارِ جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ۱۵؎ اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے۔ خیال کرتے ہوں گے

میں اس کی تفصیل درج کر دی گئی ہے اور یہی وہ بیان قرآن ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کو وہ تفسیر القرآن بالقرآن کی بھاری بھرکم اور رعب دار اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم بصد ادب ان کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ سارے قرآن سے حج کرنے کا طریقہ ہی ہمیں سمجھا دیں۔ ہم ان کو قرآن فہمی کی داد دیں گے۔ اگر وہ حضرات سنت کی روشنی کے بغیر حج ادا کرنے کے حکم کی تعمیل کریں گے تو نہ انہیں نویں ذی الحجہ کا تعین ملے گا، نہ طواف کا طریقہ، نہ احرام کی تفصیلات، نہ دیگر ارکانِ حج کا انہیں صحیح علم ہوگا۔ ان کے اجتہاد کے مطابق ملتِ اسلامیہ کا یہ بین الاقوامی اجتماع انتشار و اختلاف کی نذر ہو جائے گا۔

حج سے بھی زیادہ اہم عبادت نماز ہے۔ آپ نماز کے بارے میں قرآن کریم کی سب آیتوں کو چن کر جمع کر لیں۔ پھر عربی لغات کی ساری کتب جو آپ کو دستیاب ہو سکتی ہیں وہ بھی فراہم کر لیں۔ مزید برآں عربی زبان کے ماہرین کی ایک جماعت کو بھی پاس بٹھالیں اور ہمیں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا معنی سمجھا دیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس حکم کی تعمیل ہم سے کس صورت میں چاہتا ہے۔ آپ برسوں مغز ماری کرتے رہیں، سنت نبوی کی مدد کے بغیر آپ آیت کے ان دو لفظوں کا معنی نہیں بتا سکتے، چہ جائیکہ سارے قرآن کو سمجھنے کا آپ دعویٰ کریں۔

قرآن اور بیانِ قرآن (یعنی سنتِ نبوی) اس آیت کے مطابق سب مُنَزَّل من اللہ ہیں۔ ان کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ آپ عمل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو دونوں پر عمل کرنا ہوگا۔ اگر آپ بیانِ قرآن کو نظر انداز کر دیں گے تو آپ کے لیے ممکن ہی نہ ہوگا کہ آپ قرآن کا اس طرح اتباع کریں جس طرح اس کے نازل کرنے والے کا منشا ہے۔

اس موضوع پر فقیر کی تالیف سنتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطالعہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوگا اور بفضلہٖ تعالیٰ سارے شبہات دور ہو جائیں گے۔

۱۴؎ عقیدۂ قیامت سے ان کے بدکنے اور برافروختہ ہونے کی حقیقی وجہ کو پھر دہرایا جا رہا ہے کہ تم دنیائے فانی کی لذّات میں مگن ہو۔ ان سے تمہاری وابستگی، عشق کا درجہ حاصل کر چکی ہے اور اس اندھی محبت نے تم کو یوم آخرت سے بالکل غافل کر دیا ہے۔

۱۵؎ مغضوبین اور محرومین کے ذکر کے بعد اب ان سعادت مندوں کی طرف توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے جو ساری عمر اپنے ربِّ کریم کی محبت اور یاد میں سرشار رہے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے محبوب کریم کے عشق سے رنگین رہا اور ان کا ایک ایک سانس اس کے لائے ہوئے دین حنیف کی سربلندی کے لیے وقف رہا۔ فرمایا: کئی ایسے چہرے ہوں گے جن کے حسن و جمال، ترو تازگی و شگفتگی کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور وہ اپنے رب کے مشاہدہ و دیدار میں مستغرق ہو جائیں گے۔

اہل سنت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ دارِ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں گے۔ لیکن معتزلہ، خوارج اور دیگر بدعتی فرقے اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: کہ رؤیت کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ذات باری ان سے مبرا ہے اس لیے رؤیت کا تحقق ناممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں رؤیت کے لیے دیکھنے والے کا بینا ہونا، جس کو دیکھا جارہا ہے اس کا محسوس ہونا، کسی جہت میں پایا جانا، نہ زیادہ نزدیک اور نہ زیادہ دور ہونا ضروری ہے اور جب اللہ تعالیٰ جہت سے، محسوس ہونے سے، دوری اور نزدیکی سے پاک ہے تو اس کی رؤیت کیسے متحقق ہوسکتی ہے؟ (1) اہل سنت اس کا جواب دیتے ہیں کہ تم عالم آخرت کے حقائق کو عالم دنیا پر قیاس کررہے ہو جو سراسر نادانی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ رؤیت متحقق ہوگی اور ان شرائط کے پائے جانے کے بغیر متحقق ہوگی۔

کیف، جہت اور ثبوت مسافت کے تکلفات کے بغیر آنکھیں رب کریم کا دیدار کریں گی۔ نیز کثیر احادیث سے جو مجموعی طور پر حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، رؤیت خداوندی کا ثبوت ملتا ہے۔ اتنی کثیر احادیث کا انکار کیونکر ممکن ہے۔

صحیحین کی حدیث ہے جو جریر البجلی سے منقول ہے: قَالَ کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْ نَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَیْلَةَ الْبَدْرِ لَا تُضَامُوْنَ فِیْ رُؤْیَتِهٖ۔ (2)

ترجمہ: ہم حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک حضورؐ نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے ہو۔

زید ابن حارثہ کہتے ہیں: کہ حضور یہ دعا مانگا کرتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَاءِكَ (3)۔ الٰہی! میں تجھ سے موت کے بعد آرام دِہ زندگی کا سوال کرتا ہوں۔ مجھے اپنے رُخِ انور کو دیکھنے کی لذت عطا فرما اور اپنی ملاقات کا شوق بخش!

اہل جنّت جب لذت دیدار سے محظوظ ہوں گے تو جنّت کی کسی اور نعمت کی طرف وہ توجہ ہی نہ کریں گے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَهْلُ الْجَنَّةِ فِیْ نَعِیْمِهِمْ اِذْ سَطَعَ عَلَیْهِمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَاِذَا الرَّبُّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی قَدْ اَشْرَفَ عَلَیْهِمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ وَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ۔ قَالَ فَیَنْظُرُ اِلَیْهِمْ وَیَنْظُرُوْنَ اِلَیْهِ وَلَا یَلْتَفِتُوْنَ اِلٰی شَیْءٍ مِّنَ النَّعِیْمِ مَادَامُوْا یَنْظُرُوْنَ اِلَیْهِ حَتّٰی یَحْجُبَ عَنْهُمْ وَیَبْقٰی نُوْرُهٗ وَ بَرَکَتُهٗ فِیْ دِیَارِهِمْ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارُقُطْنِیُّ۔ (مظہری) (4)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اہلِ جنت اپنی نعمتوں سے لطف اندوز ہورہے ہوں گے کہ اچانک ایک نور چمکے گا۔ وہ اپنے سروں کو اٹھائیں گے، پس وہ دیکھیں گے کہ ان کا رب تبارک وتعالیٰ ان کی طرف توجہ فرما ہے اور انہیں سلام دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف دیکھے گا اور وہ بندے مشاہدۂ جمال الٰہی میں یوں مستغرق ہوں گے کہ جنت کی نعمتوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی انہیں گوارا نہ ہوگا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر حجابِ عظمت ڈال لیں گے۔ اس کا نور اور اس کی برکت ان میں باقی رہے گی۔

1۔ شرح عقائدِ نسفی، ص 73 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 141 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً، ج 10، 143

اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ مَنْ ۜ

کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا ف۱۶ ہاں ہاں جب جان پہنچے گی ہنسلی تک ف۱۷ اور کہا جائے گا ہے کوئی، جھاڑ

رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى

پھونک کرنے والا۔ اور (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آپہنچی اور لپٹ جاتی ہے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے ف۱۸

رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ٍالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ

ع ۱ ۳۰ ۱۷

اس دن آپ کے رب کی طرف کوچ ہوتا ہے۔ (اتنی فہمائش کے باوجود) نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی ف۱۹ بلکہ اس نے (حق کو)

ف۱۶ بَاسِرَةٌ: كَالِحَةٌ۔ عَابِسَةٌ شَدِيْدَ الْعُبُوْسِ (1)۔ سیاہ، بڑے ترش رو۔ اَلْفَاقِرَةُ: الدَّاهِيَةُ وَالْاَمْرُ الْعَظِيْمُ۔ يُقَالُ فَقَرَتْهُ الْفَاقِرَةُ: اَيْ كَسَرَتْ فِقَارَ ظَهْرِهٖ (2)۔ یعنی بہت بڑی مصیبت، ہولناک حادثہ، جو ریڑھ کی ہڈی کو توڑ ڈالے۔

ف۱۷ اے کفار! جو دنیوی زندگی کی خوشیوں، نعمتوں اور فائدوں کو آخرت کی ابدی سعادت پر ترجیح دے رہے ہو، یہ فعل ہرگز معقول نہیں۔ اس کے بعد موت کا منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ ہنسلی کی ہڈی کو اَلتَّرَاقِيْ کہا جاتا ہے۔ یعنی جب روح گلے کی ہنسلی تک پہنچ جائے گی۔ حکیم، طبیب سب آس توڑ دیں گے۔ گھر والے اس کی جان بچانے کے لیے جھاڑ پھونک والے کو تلاش کر رہے ہوں گے کہ شاید اس کے کسی چھومنتر سے اس کی جان بچ جائے، لیکن مرنے والے کو معلوم ہوگا کہ جہانِ فانی سے اس کے کوچ کا وقت آپہنچا ہے اور یہ بیماری جس کے شکنجہ میں وہ کسا ہوا ہے، یہ فراق وجدائی کا پیغام لے کر آئی ہے۔ (3)

ف۱۸ یا تو کمزوری کی وجہ سے پنڈلی، پنڈلی کے ساتھ لپٹ جاتی ہے اور آیت میں اسی حالت کو بیان کیا گیا ہے، یا محاورۂ عرب کے مطابق کہا گیا ہے کہ اس وقت جان بڑی مصیبت میں پھنسی ہوگی۔ دنیوی زندگی کے آخری لمحوں کی شدت، اخروی زندگی کے ابتدائی لمحوں کی شدت سے مل جائے گی۔ فَاتَّصَلَتِ الشِّدَّةُ بِالشِّدَّةِ شِدَّةُ اٰخِرِ الدُّنْيَا بِشِدَّةِ اَوَّلِ الْاٰخِرَةِ۔ (4)

ف۱۹ ابوجہل جو منکرین نبوت اور منکرینِ قیامت کا سربراہ اور نمائندہ تھا اس کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کے ہم مسلک جوان عیوب میں اس کے برابر کے شریک ہیں ان کے کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا: نہ اس نے قرآن کی تصدیق کی اور نہ اس نے اپنے پروردگار کے حضور کبھی نماز ادا کی، بلکہ ان کا یہ ہر روز کا معمول بن گیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآنِ کریم کی تلاوت فرما رہے ہوتے ہیں تو یہ دوسرے کفار کی طرح اس مجلس میں آبیٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے۔ پھر بڑے حقارت آمیز انداز سے منہ موڑنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم تو خیال کر رہے تھے کہ بڑی حکیمانہ باتیں ہوں گی، یہاں آ کر وقت ہی برباد کیا۔ سوائے من گھڑت قصوں کے ان کے کلام میں اور کیا رکھا ہے؟ چلو چلیں، وقت نہ ضائع کریں۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص144

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز19، ص110

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص144

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز19، ص112

كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾

جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر گیا گھر کی طرف نخرے کرتا ہوا ۲۰ تیری خرابی آگئی اب آگئی ۲۱

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾

پھر تیری خرابی آگئی اب آگئی۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا ۲۲

۲۰ وہاں سے بڑبڑاتا ہوا اُٹھتا ہے اور گھر روانہ ہوتا ہے، لیکن اس کی رفتار عام قسم کی رفتار نہیں ہوتی۔ اس میں غرور ہے، نخوت ہے، بے پروائی ہے، بے نیازی ہے۔ غرور تو اس بات پر کہ اس نے آج محفل میں خوب باتیں کیں، ان کے کلام کے خوب بخیے ادھیڑے، عبارت آرائی کا اثر جو سامعین کو مسحور کر رہا تھا اس کو توڑ کر رکھ دیا اور بے پروائی اس لیے کہ اس کے ہوتے ہوئے ان کی دال نہیں گلے گی۔ چند روز تک اگر یہ ان کی محفل میں حاضر ہوتا رہا تو کوئی بھی ان کے نزدیک نہیں آئے گا، ان کی محفل سُونی ہو جائے گی۔

اَلتَّمَطِّی: اَلتَّبَخْتُرُ وَمَدُّ الْيَدَيْنِ فِى الْمَشْىِ۔ يُقَالُ التَّمَطِّى مَاْخُوْذٌ مِّنَ الْمَطِيْطَةِ وَهُوَ الْمَاءُ الْخَاثِرُ فِىْ اَسْفَلِ الْحَوْضِ (1): یعنی تمطّی کا معنی ہے نخوت و غرور سے ہاتھ پھیلا پھیلا کر چلنا۔ ایسی چال غرور اور بے نیازی دونوں پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ التمطی المطیطۃ سے ماخوذ ہے اور المطیطہ حوض کی تہہ میں بچے ہوئے گدلے پانی کو کہتے ہیں۔

۲۱ علمائے لغت کہتے ہیں کہ اس میں دھمکی اور تہدید ہے۔ یعنی تیری مہلت کی مدت ختم ہونے والی ہے، تیری بربادی کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ مَعْنَاهُ التَّوَعُّدُ وَالتَّهَدُّدُ۔ اَىِ الشَّرُّ اَقْرَبُ اِلَيْكَ (2)۔ ثعلب نے اس کا معنی یہ بتایا ہے: دَنَوْتَ مِنَ الْهَلَكَةِ (3)۔ تو ہلاکت کے قریب آگیا۔ اصمعی کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو تو ناپسند کرتا تھا، وہ اب تیرے قریب آگئی ہے، اب تو اس سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ قَالَ الْاَصْمَعِىُّ اَوْلٰى لَكَ: قَارَبَكَ مَا تَكْرَهُ اَىْ نَزَلَ بِكَ يَا اَبَا جَهْلٍ مَّا تَكْرَهُ۔ (4)

قتادہ سے منقول ہے کہ ابوجہل ایک روز بڑی متکبرانہ چال چلتا آرہا تھا۔ فخرِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا ہاتھ پکڑا، اس کو جھنجھوڑا اور پھر فرمایا: اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾۔ وہ بدبخت کہنے لگا کہ آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔ آپ اور آپ کا رب، میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ ان دو پہاڑوں کے درمیان جتنے لوگ آباد ہیں، میں ان سب سے زیادہ معزز ہوں۔ جب بدر کا دن آیا تو وہ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: لَا يُعْبَدُ اللّٰهُ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ اَبَدًا۔ آج کے بعد اللہ تعالیٰ کی ہرگز پرستش نہیں کی جائے گی (5)۔ اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے رسول نے فرمائی تھی۔ وہ قتل کر دیا گیا اور اس کی عزت و سرداری سب خاک میں مل گئی۔

علامہ قرطبی نے اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے: اَنْتَ اَوْلٰى وَاَجْدَرُ بِهٰذَا الْعَذَابِ (6)۔ کہ تو اس عذاب کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ علامہ ابن کثیر نے خوب نکتہ آفرینی کی ہے۔ فرماتے ہیں: اَىْ يَحِقُّ لَكَ اَنْ تَمْشِىَ هٰكَذَا وَقَدْ كَفَرْتَ بِخَالِقِكَ وَبَارِئِكَ (7): یعنی تو جو اپنے خالق اور اپنے پروردگار کو ماننے سے انکار کرتا ہے، تیرے لیے یہی چال موزوں ہے۔ تجھے یوں فخر و غرور سے ڈھلک ڈھلک کر چلنا ہی زیب دیتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 114

2۔ لسان العرب، ج 15، ص 411

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً

5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 115

6۔ ایضاً

7۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، 451

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ

کیا وہ (ابتدا میں) منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحمِ مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے ۲۳ پھر اس سے وہ لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اسے بنایا

فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ

اور اعضا درست کیے۔ پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت ۲۴ کیا وہ (اتنی قدرت

ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع

ع ۲ ۱۸

والا) اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو پھر زندہ کر دے؟

۲۲ وہ اونٹ جو کسی چرواہے کے بغیر ہی چرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے اسے اِبِلٌ سُدًی کہتے ہیں۔ اِبِلٌ سُدًی تَرْعٰی بِلَا دَاعٍ۔ (قرطبی)(1) علامہ ابن منظور نے سُدًی کا معنی لکھا ہے۔ اَلسُّدٰی: اَلْمُھْمَلُ اَیْ یُتْرَکُ مُھْمَلاً غَیْرَ مَاْمُوْرٍ وَّغَیْرَ مَنْھِیٍّ۔ (لسان العرب)(2) یعنی ایسی چیز جس کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے، نہ اس کو کوئی کام کرنے کا حکم دیا جائے اور نہ اس کو کسی چیز سے منع کیا جائے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ انسان، جس کو ہم نے اشرف المخلوقات بنایا، اسے گوناگوں صلاحیتیں بخشیں، اس کو بالکل نظر انداز کر دینا حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے۔ اگر یہ لوگ یہ خیال کر رہے ہیں کہ انسان کو مہمل اور بیکار سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے گا، اس کی رہنمائی کے لیے دنیا میں اسے کوئی ضابطۂ حیات نہیں دیا جائے گا اور نہ قبروں سے اٹھا کر انہیں بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا، جو لوگ یہ سمجھ رہے ہیں وہ سخت نادان ہیں۔ انسان جیسی عظیم المرتبت مخلوق کو حکمت خداوندی کیسے نظر انداز کر سکتی ہے؟

علامہ ابن کثیر اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَیْ لَیْسَ یُتْرَکُ فِیْ ھٰذَا الدُّنْیَا مُھْمَلًا لَّا یُؤْمَرُ وَلَا یُنْھٰی وَلَا یُتْرَکُ فِیْ قَبْرِہٖ سُدًی لَا یُبْعَثُ بَلْ ھُوَ مَاْمُوْرٌ مَّنْھِیٌّ فِی الدُّنْیَا مَحْشُوْرٌ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی فِی الدَّارِ الْاٰخِرَۃِ(3): یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ انسان کو دنیا میں مہمل چھوڑ دیا جائے، نہ اسے کسی چیز کا حکم کیا جائے اور نہ اسے کسی چیز سے روکا جائے۔ اسی طرح اسے قبر میں بھی مہمل نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ اس دنیا میں اسے بعض احکام بجالانے کا حکم بھی دیا گیا ہے اور بعض امور سے اسے روکا بھی گیا ہے اور قیامت کے دن اسے زندہ کر کے اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر بھی کیا جائے گا۔

۲۳ اَلنُّطْفَۃُ: اَلْمَاءُ الْقَلِیْلُ۔ (قرطبی)(4) یعنی پانی کا قطرہ۔ پہلے قیامت کے قیام کی حکمت کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اب اس کے وقوع کو ناممکن کہنے والوں کی غلط فہمی دور کی جا رہی ہے کہ کائنات کی دوسری حیران کن چیزوں کو تم رہنے دو۔ ذرا اپنی تخلیق پر غور کرو۔ یہ عقدہ خود بخود کھل جائے گا کہ جو قادرِ مطلق ایک قطرۂ آب سے تمہیں پیدا کر سکتا ہے، اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 116

2۔ لسان العرب، ج 14، ص 377

3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 452

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 117

کرنا قطعاً مشکل نہیں۔ وہ بوند جو رحم مادر میں ٹپکی، اسی سے تمہارا یہ قدِ رعنا، چاند سا مکھڑا، یہ گلاب کو شرمانے والے رخسار، یہ غزالی آنکھیں، یہ عقل و خرد، ظاہری اور باطنی حواس کی پیچیدہ مشینری، یہ مضبوط ٹانگیں، یہ لمبے لمبے ہاتھ، یہ چوڑا چکلا سینہ، سب اسی سے بنے ہیں۔ تم طاقتور خوردبینوں سے اس کا تجزیہ کرو۔ کیا تمہیں ان متنوع اعضاء اور گوناگوں قوتوں کا کہیں سراغ ملتا ہے۔ جو ذات مقدس اس بوند میں یہ گلکاریاں کرسکتی ہے، اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا بالکل آسان ہے۔

۲۴ ذرا غور کرو! تاریک رحم میں ایک بوند ٹپکی پھر اس کا منہ بند ہوگیا۔ اس کے بعد انسانی تخلیق جن پیچیدہ مرحلوں سے گزری، جو اعضاء اس میں پیدا ہوئے، ان میں جو نزاکتیں ملحوظ رکھی گئیں، پھر انسان کو کامل الاعضاء بنا کر اس تاریک کوٹھڑی سے نکالا اور اس رزم گاہِ حیات میں کھڑا کردیا، پھر کسی میں باپ بننے کی اور کسی میں ماں بننے کی صلاحیتیں رکھ دیں۔ وہ قوتیں، جو قدرت کے غیر مرئی ہاتھوں نے اس بچے میں ودیعت کی تھیں وہ اس دنیا میں آکر پروان چڑھنے لگیں اور انسان اپنی پیہم کوششوں کے باعث آج چاند کی سطح پر اپنی فتحمندی کے پرچم گاڑ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کا شاہکار خود حضرت انسان ہے، کیا اتنی قدرت والا خدا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مُردوں کو از سرِ نو زندہ کردے؟

سُبۡحَانَكَ اَللّٰهُمَّ بَلٰی

اے اللہ! تو ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ تو مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ الٰہی! ہمارے مردہ دلوں کو بھی زندہ فرمادے۔ الٰہی! ہمارے سینوں میں اپنے ذکر کی شمع روشن کردے۔

اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰی ذِکۡرِكَ وَشُکۡرِكَ وَحُسۡنِ عِبَادَتِكَ۔ وَصَلِّ وَسَلِّمۡ وَبَارِكۡ عَلٰی شَمۡسِ الضُّحٰی بَدۡرِ الدُّجٰی سَیِّدِنَا وَمَوۡلٰنَا مُحَمَّدِ الۡمُصۡطَفٰی وَاٰلِهِ الۡکُرَمَاءِ وَاَصۡحَابِهِ الۡاَتۡقِیَاءِ وَمَنۡ اَحَبَّهٗ وَاتَّبَعَهٗ اِلٰی یَوۡمِ الثَّنَاءِ۔

تعارف سُورۃ الدَّھر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس کو سورۂ ''دھر'' اور سورۃ ''الانسان'' کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے اور نام بھی ہیں لیکن وہ زیادہ مشہور نہیں۔

یہ دو رکوعوں، اکتیس آیتوں، دو صد چالیس کلموں اور ایک ہزار چون حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول: اس کے متعلق علماء میں شدید اختلاف ہے، ''البحر المحیط'' میں ہے کہ یہ جمہور کے نزدیک مکّہ مکرّمہ میں نازل ہوئی، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ اور کلبی کی رائے ہے کہ یہ سورت مدنی ہے، سوائے آیت ۲۴ کے کہ وہ مکی ہے۔ (روح المعانی) (1)

مضامین: انسان جو آج اپنے بازو کی قوت، ساز و سامان اور مال و دولت پر نازاں ہے اور اپنے خالق کو بھول چکا ہے اُسے بتایا جا رہا ہے کہ تو ہمیشہ سے ایسا نہ تھا بلکہ تجھے نیست سے ہست کیا گیا ہے اور تجھے ہوش و گوش کی جو قوتیں عطا کی گئی ہیں ان کا مقصد تمہاری آزمائش ہے کہ کیا تم اللہ کے شکر گزار بندے بننا چاہتے ہو یا کُفرانِ نعمت کر کے نافرمانوں کے گروہ میں شامل ہونا چاہتے ہو۔ پھر ان انعامات کا ذکر فرمایا جو شکر گزار بندوں پر کیے جائیں گے۔

وہ دَور خود بینی اور خود غرضی کا دور تھا۔ دوسروں کی خستہ حالی کو دیکھ کر رحمت و شفقت کے بجائے نفرت و حقارت کے جذبات اُمڈ آیا کرتے تھے۔ ایسے زمانے میں ان لوگوں کی توصیف فرمائی جا رہی ہے جو مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو محض اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلایا کرتے تھے۔ پھر ان نوازشات کا ذکر فرمایا جن سے ایسے لوگوں کو نوازا جائے گا۔ آخری رکوع میں پھر اپنے محبوب کو بتا دیا کہ یہ کتابِ مقدّس ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔ اس کی تبلیغ میں جو تکلیف آئے اس پر صبر کیجیے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیے تاکہ روحانی قوتیں نشو و نما پائیں اور حوصلے بُلند رہیں۔

اس کے بعد دنیا پرستوں کے حالات بیان کیے اور ان کی کوتاہ نظری پر انہیں تنبیہہ کی کہ وہ فانی زندگی کی لذتوں میں مگن رہے اور آخرت کی اَبدی راحتوں کو اُنہوں نے پس پُشت ڈال دیا ہے۔ آخر میں بتایا کہ یہ کتاب پند و موعظت ہے اب جس کی مرضی ہے، وہ اس کی نصیحتوں پر عمل کرے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۱۔۴۔۷۷

1۔ روح المعانی، جز29، ص150

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اِحْدٰى بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الدہر مدنی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اکتیس آیات اور دو رکوع ہیں

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①

بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ۱

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖۗ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا

بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے ۲ تاکہ ہم اس کو آزمائیں ۳ پس (اس غرض سے) ہم نے بنا دیا

۱ یہاں هَلْ استفہام کے لیے نہیں بلکہ بمعنی قَدْ ہے۔ یعنی ضرور انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے جبکہ یہ قابل ذکر چیز نہ تھا(1)۔ حِيْن: اَلزَّمَانُ الْمُطْلَقُ۔ مطلق زمانہ طویل ہو یا مختصر۔ اَلدَّهْرُ: فِي الْاَصْلِ اسْمٌ لِّمُدَّةِ الْعَالَمِ مِنْ مَّبْدَاِ وُجُوْدِهٖ اِلٰى انْقِضَاءِهٖ۔ وجودِ عالم کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کے عرصہ کو دھر کہتے ہیں۔ (لسان العرب)(2)

ان الفاظ کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب آیت کا معنی سمجھئے۔ ارشاد ہے کہ دنیا کی لمبی عمر میں ایک وقت ہر شخص پر ایسا گزرا ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ پیدا ہونے سے پہلے تو یہ ویسے ہی معدوم تھا۔ اس کے ذکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب رحم مادر میں اس نے قرار پکڑا اتب بھی کسی کو کیا خبر تھی کہ اس صدف میں کس نوعیت، کس آب و تاب اور کس قدر و قیمت کا موتی پرورش پا رہا ہے اور جب وہ پیدا ہوا تو کمزور سا بچہ۔ نہ چل سکے، نہ بول سکے۔ بہر حال ہر شخص پر کوئی نہ کوئی ایسا دور گزر چکا ہے جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ آج اگر وہ شہر یار و تاجدار بن گیا ہے، آج اگر وہ لشکر جرار کا سپہ سالار ہے، آج اگر دولت و ثروت کے انبار اس کے قدموں میں لگے ہیں تو اس کو مغرور ہو کر اپنے پروردگار کو فراموش نہیں کر دینا چاہیے بلکہ ہر لحظہ اپنی اصلیت پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

۲ اب اس کی پیدائش کی حقیقت بیان کی جا رہی ہے۔ آیت میں غور کرنے سے پہلے دو لفظوں کی تشریح سمجھ لیں۔ نُطْفَةٌ: اَلْمَاءُ الْقَلِيْلُ يَبْقٰى فِي الدَّلْوِ۔ وَقِيْلَ هِيَ الْمَاءُ الصَّافِيْ۔ (لسان العرب)(3) وہ پانی کے چند قطرے جو ڈول میں رہ جاتے ہیں۔ صاف نتھرے ہوئے پانی کو بھی نُطفہ کہتے ہیں۔ مرد کے مادۂ منویہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ اَمْشَاج: یہ جمع ہے۔ اس کا واحد مَشِيْجٌ ہے جیسے یتیم کی جمع ایتام۔ ابن سیّدہ کہتے ہیں کہ مرد و عورت کے پانی کے خلط ملط ہونے کو مَشِيْج کہتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مرد کا پانی جو عورت کے پانی کے ساتھ مل جاتا ہے اسے مشیج کہا جاتا ہے۔ ابن سکیت کہتے ہیں اَلْاَمْشَاجُ: اَلْاَخْلَاطُ يُرِيْدُ اَخْلَاطَ النُّطْفَةِ لِاَنَّهَا مُمْتَزِجَةٌ مِّنْ اَنْوَاعٍ وَّلِذٰلِكَ يُوْلَدُ الْاِنْسَانُ ذَا طَبَائِعَ مُخْتَلِفَةٍ۔ (لسان العرب)(4) امشاج، ان عناصر کو کہتے ہیں جن سے نطفہ کا قوام تیار ہوتا ہے کیونکہ یہ مختلف انواع سے مرتب ہوتا ہے۔ عناصر کے اسی تنوع کے باعث انسان کی طبائع میں اختلاف اور صلاحیتوں میں تفاوت ہوتا ہے۔

"نُطْفَة" واحد ہے۔ اس کی صفت بھی واحد ہی آنی چاہیے تھی۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امشاج جمع نہیں واحد

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 118
2۔ مفرداتِ راغب، ص 319۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 147
3۔ لسان العرب، ج 9، ص 335
4۔ ایضاً، ج 2، ص 367

بَصِیْرًا ﴿٢﴾ اِنَّا ھَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿٣﴾ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

ہے اس کو سننے والا، دیکھنے والا ۴ ہم نے اسے دکھایا ہے (اپنا) راستہ ۵ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش ٦ بے شک ہم نے بالکل

لِلْكٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا ﴿٤﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ

تیار کر رکھی ہیں کفار کے لیے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ ۷ بے شک نیک لوگ پئیں گے (شراب کے) ایسے

كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿٥﴾ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا

جام جن میں آبِ کافور کی آمیزش ہوگی ۸ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے

ہے۔ اور جو اسے مَشِیج کی جمع کہتے ہیں جیسے اوپر ذکر ہو چکا ہے، وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نطفہ اگرچہ واحد ہے لیکن یہ متعدد عناصر سے مرکب ہے اس لیے اس کے اجزاء کا اعتبار کرتے ہوئے صفت جمع ذکر کر دی گئی۔ (1)

۳ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے انسان کو گوناگوں خوبیوں اور قوتوں سے آراستہ کر کے اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم اسے آزمائیں کہ آیا وہ ہمیں پہچانتا ہے یا نہیں۔ پہچان کر ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے یا نہیں۔ اَیْ نَخْتَبِرُهٗ۔ (قرطبی) (2) نَبْتَلِیْهِ کا دوسرا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ ہم اسے اوامر و نواہی کا مکلّف کر سکیں۔ عقل، ارادہ اور اختیار کی جو قوتیں اسے دی گئی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ احکامِ شرعی کا بوجھ اٹھا سکے۔

۴ اسی لیے ہم نے اسے مشاہدہ اور فہم کی قوتیں بخشی ہیں۔ سَمِیْعًا: صرف سننے والا نہیں بلکہ دعوت حق کو سننے والا۔ بَصِیْرًا: صرف دیکھنے والا نہیں بلکہ نورِ حق کو دیکھنے والا۔ ہم نے اپنے فضل و کرم سے اس کو یہ صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ اب اس کی مرضی کہ وہ ان سے کام لیتا ہے یا انہیں بیکار چھوڑے رہتا ہے۔

۵ ہم نے اپنے انبیاء کے ذریعے، اپنی کتابوں کے ذریعے اسے بتا دیا کہ یہ سیدھی راہ ہے اور یہ ٹیڑھی راہ ہے، یہ ہدایت ہے یہ گمراہی ہے۔

٦ ہم نے اسے ہر قسم کی صلاحیتیں بھی بخشیں، پیغمبروں کے ذریعے حق و باطل کی پہچان کرا دی، اس کے بعد ارادہ اور عمل کی آزادی بھی عطا فرمائی تاکہ ہم دیکھیں کہ یہ کیسا بندہ ثابت ہوتا ہے؟ شکر کرنے والا، ہمیں یاد کرنے والا، ہمارے احکام کی تعمیل کرنے والا، یا احسانات و انعامات پر ناشکری کرنے والا، بتوں اور پتھروں کو ہمارا شریک بنانے والا، نفس امارہ کے ہاتھ اپنی باگ ڈور دے کر فسق و فجور کے گرداب میں غلطاں و پیچاں رہنے والا؟

۷ اگر اس نے دوسری روش اختیار کی اور کفر و انکار کا علمبردار بنا رہا تو وہ آج ہی کان کھول کر سن لے، اس کے لیے وہ آتشیں زنجیریں جن میں اس کو جکڑا جائے گا، وہ آتشیں طوق جو اس کے گلے میں ڈالے جائیں گے اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ جس میں اسے جھونک دیا جائے گا، ہر چیز بالکل تیار ہے۔ جب یہ صاحب وہاں پہنچیں گے تو انہیں ایک لمحہ بھی انتظار نہ کرنا پڑے گا۔ دوزخ کے داروغے فوراً طوق و سلاسل لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 148

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 121

تَفۡجِيۡرًا ⑥ يُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ وَيَخَافُوۡنَ يَوۡمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسۡتَطِيۡرًا ⑦

سے بہاکر لے جائیں گے ۹ جو پوری کرتے ہیں اپنی مَنّتیں ۱۰ اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سُو پھیلا ہوگا ۱۱

۸ ابرار کے ساتھ جو ذرّہ نوازی کا برتاؤ کیا جائے گا اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ چند الفاظ کی تشریح پہلے سن لیں۔ اَلْاَبْرَار: جمع ہے، اس کا واحد بَرٌّ ہے جو بِرٌّ سے ماخوذ ہے۔ بِرٌّ نیکی کرنے اور صدقہ واحسان کو کہتے ہیں۔ بعض نے اَبْرَار کا واحد بَارٌّ بتایا ہے لیکن بَارٌّ کی جمع بَرَرَةٌ ہوتی ہے۔ بَرٌّ اس کو کہتے ہیں جو اپنی زندگی، اپنے رب کی فرمانبرداری میں گزار دے۔ هُوَ مَنِ امْتَثَلَ اَمْرَ اللّٰهِ (1)۔ یعنی مومن صادق۔ کَأْسٌ: اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں شراب بھری ہو۔ لَا تُسَمَّى الْكَأْسُ كَاسًا اِلَّا وَفِيْهَا الشَّرَابُ۔ (صحاح) (2)

مِزَاج: ملاوٹ، آمیزش۔ کَافُوْر: اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں کافور ملا ہوگا بلکہ خود تصریح فرما دی کہ کافور جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہوسکتی ہے کہ کافور کی طرح اس چشمہ کے پانی کی رنگت سفید برّاق ہوگی۔ اس کی تاثیر ٹھنڈی ہوگی اور اس سے کافور کی مہک آ رہی ہوگی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جنت میں تشریف فرما ہوں گے تو انہیں شراب طہور کے جام بھر بھر کر پلائے جائیں گے اور اس میں جو پانی ملایا جائے گا وہ اس چشمہ کا ہوگا جس کی رنگت، خوشبو اور خنکی کافور کی مانند ہوگی۔

۹ ایسا نہیں ہوگا کہ اہل جنت کو جب پانی کی ضرورت ہو تو اپنے بالا خانوں سے نیچے اتریں۔ انہیں مشکیزہ یا گھڑے میں بھر کر لانے کی زحمت ہو بلکہ جدھر وہ اشارہ کریں گے اس چشمہ کا پانی اس طرف بہتا چلا جائے گا۔ بلندی و پستی یا کوئی گڑھا اور وادی اس پانی کے رواں ہونے میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔

۱۰ ابرار کو جن اعمالِ حسنہ اور اخلاق حمیدہ کے باعث ان نوازشات سے مالا مال کیا جا رہا ہے اب تفصیل سے ان کا بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا: ایک تو ان کا یہ معمول تھا کہ جو نذر مانتے تھے اس کو پورا کیا کرتے تھے۔ النذر کی تشریح کرتے ہوئے فقہائے کرام لکھتے ہیں: اَلنَّذْرُ هُوَ اِيْجَابُ الْمُكَلَّفِ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنَ الطَّاعَاتِ مَالَوْ لَمْ يُوْجِبْهُ لَمْ يَلْزَمْهُ (3)۔ یعنی کسی مکلف (عاقل بالغ مومن) کا اپنے اوپر کسی ایسی نیکی اور عبادت کو واجب کر لینا کہ اگر وہ خود اسے اپنے اوپر لازم نہ کرے تو یہ اس پر لازم نہ ہو۔ اس کی تفصیلی بحث کا یہ مقام نہیں۔ اس کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ قتادہ نے النذر کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں: بِمَا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْوَاجِبَاتِ (4)۔ یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ اور ان کے علاوہ دیگر واجبات کو وہ پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو عبادتیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں، ان کی ادائیگی میں بھی سستی نہیں کرتے اور جن نیکیوں اور طاعتوں کو خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ان کو بھی پابندی سے بجا لاتے ہیں۔

۱۱ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر وقت قیامت سے خائف رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ دن ضرور آئے گا۔ اس کی تکلیفیں اور ہولناکیاں چارسُو پھیل جائیں گی۔ دور دور تک کہیں گوشہ عافیت نظر نہیں آئے گا۔

مُسْتَطِيْرًا: فَاشِيًا وَّهُوَ فِى اللُّغَةِ مُمْتَدًّا۔ (قرطبی) (5)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 125

2۔ الصحاح، ج 2، ص 966

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 127

4۔ ایضاً

5۔ ایضاً، جز 19، ص 128

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸ اِنَّمَا

اور جو کھانا کھلاتے ہیں ۱۲ اللہ کی محبت میں ۱۳ مسکین ، یتیم اور قیدی کو ۸ اور کہتے ہیں، ہم

۱۲ ان کی تیسری خوبی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث اس کی حاجت مند مخلوق کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ حاجت مندوں کی فہرست اگرچہ طویل ہے۔ ان میں سے تین اہم اقسام کا ذکر کر دیا۔ اگر کوئی بھوکا، کوئی یتیم یا کوئی قیدی ان کے دروازے پر آ کر دستک دے تو وہ اسے دھتکارتے نہیں بلکہ اس کو کھانا کھلا کر رخصت کرتے ہیں۔

مکہ کے مادہ پرستانہ ماحول میں اس قسم کے فقراء پر جو گزرتی ہوگی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ غریبوں اور مسکینوں سے ان کی نفرت اظہر من الشّمس تھی۔ حضور کے پاس اگر غریب لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے تو مشرکین اس محفل میں بیٹھنا اپنے لیے باعث ہتک سمجھتے۔ جو لوگ اس قسم کے غرباء و فقراء پر احسان کیا کرتے اللہ تعالیٰ ان کی عزت افزائی کر رہے ہیں تا کہ دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہو، تا کہ اسلامی معاشرہ میں کوئی مسکین، کوئی یتیم اور کوئی اسیر ایسا نہ ہو جو رات کو بھوکا سوئے۔

بعض مفسرین نے ایک واقعہ کو ان آیات کی شان نزول بتایا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ایک دفعہ حضرات حسنین کریمین بیمار ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہ عیادت کے لیے گئے۔ کسی نے یہ تجویز پیش کی اے علی! آپ نذر کیوں نہیں مانتے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان بچوں کو صحت دی تو آپ نذر کو پورا کریں گے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے تین روزے رکھنے کی منّت مانی۔ اسی طرح حضرت سیدۃ النساءؓ اور آپ کی کنیز فضّہ نے بھی تین تین روزے رکھنے کی نذر مانی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات حسنین کو شفا بخشی۔ اب نذر کے ایفا کا وقت آ گیا۔ کاشانہ حیدری میں روزہ کے افطار کے لیے بھی کوئی چیز نہ تھی۔ چنانچہ آپ شمعون یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور تین صاع جَو بطور قرض یا بعوض اجرت لے آئے۔ صبح کو سب نے روزہ رکھا۔ حضرت سیدہ نے ایک صاع جو پیسے اور اس کی پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کی نماز کے بعد حضرت علی واپس تشریف لائے تو سب اہل خانہ کھانا تناول کرنے کے لیے بیٹھے۔ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی اور کہا میں مسکین ہوں، بھوکا ہوں۔ آپ نے سب روٹیاں اٹھا کر اسے دے دیں اور خود سادہ پانی پی کر سو گئے۔ دوسرے روز افطار کے بعد کھانا کھانے بیٹھے تو دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ آواز آئی یتیم ہوں، بھوکا ہوں۔ پھر پانچوں روٹیاں اٹھا کر اسے دے دی گئیں۔ تیسرے روز پھر روزہ رکھا گیا۔ جب کھانا کھانے بیٹھے تو ایک سائل نے آواز دی اسیر ہوں، بھوکا ہوں۔ چنانچہ سارا کھانا اس کو دے دیا گیا۔ تین دن اور تین رات کے مسلسل فاقے سے بچوں کی کمزوری کی یہ حالت ہوگئی کہ چوزوں کی طرح کانپ رہے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ انہیں لے کر بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ سب کو لے کر حضرت سیدہؓ کے گھر تشریف لائے۔ دیکھا کہ فرط نقاہت سے حضرت سیدہ بھی ایک کونہ میں سمٹی پڑی ہیں۔ حضورؐ سخت پریشان ہوئے۔ اس وقت جبریل سورۃ الدہر کی یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔(1)

لیکن اہل تحقیق نے اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روایت اور درایت دونوں اعتبار سے یہ درست نہیں۔ علامہ قرطبی نے بڑی تفصیل سے اس پر جرح و تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک فقیر آیا تھا تو اسے ایک روٹی دے دی جاتی اور باقی چار روٹیاں، پانچوں حضرات کھا لیتے۔ اس طرح دوسرے دن، تیسرے دن، ایک سائل کو پانچوں روٹیاں

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 157

نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ⑨ اِنَّا نَخَافُ

نہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لیے نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے۔ ہم ڈرتے ہیں

مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ

اپنے رب سے اس دن کے لیے جو بڑا ترش (اور) سخت ہے ۱۴ پس بچالے گا انہیں اللہ تعالیٰ اس دن کے شر سے

دے دینے میں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی۔ نیز معصوم بچے ویسے ہی مکلّف نہیں اور جبکہ ابھی ابھی وہ بیماری سے شفایاب ہوئے ہیں، ان کو لگاتار تین دن تک روزہ رکھنے کی اجازت دینا شرعاً جائز نہیں۔ حضرت سیدنا علیؓ اس کو کیسے روا رکھ سکتے تھے۔ تیسرا یہ کہ اسلام نے جنگی قیدیوں کی خاطر تواضع کا حکم دیا ہے، ان کے کھانے، ان کے پہننے اور آرام کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ عہد جاہلیت کے قیدیوں کی طرح انہیں بھیک مانگ کر پیٹ بھرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اس لیے قرطبی لکھتے ہیں: فَهٰذَا حَدِيْثٌ مُّزَوَّقٌ مُّزَيَّفٌ۔ یہ حدیث من گھڑت اور ضعیف ہے۔(1)

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: قَالَ الْحَكِيْمُ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ مُّفَصَّلٌ لَّا يَرُوْجُ اِلَّا عَلٰى اَحْمَقَ وَ جَاهِلٍ وَ اَوْرَدَهٗ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي الْمَوْضُوْعَاتِ (2) حکیم ترمذی کا قول ہے کہ اس حدیث کو صرف احمق اور جاہل آدمی ہی قبول کر سکتا ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوع احادیث میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اہل بیت کو جن کمالات، خصال حمیدہ اور اعمال رشیدہ سے مشرف فرمایا ہے، پھر انہیں جن مراتب عالیہ اور مقامات رفیعہ پر سرفراز کیا ہے انہیں اس قسم کی خلاف عقل روایات کے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان آیات کے اولین مصداق خاندان نبوت کے یہی حضرات ہیں۔ جن لوگوں نے ان نفوس قدسیہ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا ہے ان پر مخفی نہیں کہ خاندان نبوت نے ساری زندگی اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضرورتوں کو فوقیت دی۔ خود تکلیف برداشت کی، لیکن دوسروں کو خوش وخرم رکھا۔ اگر یہ واقعہ نہ بھی ہو تب بھی ان آیات کے اوّلین مصداق یہی حضرات ہیں۔

۱۳ حُبِّهٖ کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) اس کا مرجع طعام ہے، یعنی انہیں خود کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو نظر انداز کر کے دوسروں کی بھوک کا ازالہ کرتے ہیں۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی یہ کام وہ محض اللہ تعالیٰ کی محبت میں کرتے ہیں۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ الآیۃ اسی کی تائید کرتی ہے۔ یعنی اپنے قول یا اپنے طرزِ عمل سے ان پر یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ اس خدمت کا وہ ان سے کوئی معاوضہ نہیں مانگیں گے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ وہ اظہار تشکر کریں اور لوگوں کے سامنے ان کی سخاوت کا تذکرہ کریں۔ انہوں نے یہ کام محض اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔(3)

۱۴ وہ کہتے ہیں کہ ہم آج اپنے رب کریم کو راضی کر لینا چاہتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ایک بہت سخت دن آنے والا ہے جس کی ہولناکیوں کا تصور کر کے ہمارے دل آج بھی لرز رہے ہیں۔ اگر ہم نے اپنے رب کو خوش کر لیا تو ہمیں یقین ہے کہ قیامت کے روز ہمیں کوئی کھٹکا نہ ہوگا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 134

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 155

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 128

وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿١١﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿١٢﴾

اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور ۱۵ اور مرحمت فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس ۱۶

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿١٣﴾

وہاں پلنگوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ نظر آئے گی انہیں وہاں سورج کی تپش اور نہ ٹھٹھرن۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ

اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔ اور گردش میں ہوں گے

عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿١٥﴾ قَوَارِيْرَا۠

قرء حفص بغیر الالف فی الوصل فیھما و وقف علی الاول بالالف وعلی الثانی بغیر الالف ۱۲

ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشہ کے چمکدار گلاس۔ (اور) شیشے بھی وہ جو

عَبُوْس: اس شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنی پیشانی پر بَل ڈال رکھے ہوں اور اس کے چہرے سے غصّہ اور وحشت برس رہی ہو۔ اَلْقَمْطَرِیْرُ: اَلشَّدِیْدُ (1)۔ بہت سخت، بہت کرخت۔ ہولناک منظر اور اس پر اس کی طوالت پناہ بخدا!

۱۵ جن لوگوں کی یہ صفات ہوں گی، اللہ تعالیٰ انہیں ہول قیامت سے محفوظ رکھے گا۔ لَقّٰی: اَعْطٰی (2)۔ ان کے چہرے پھول کی طرح تروتازہ ہوں گے اور ان کے دل شاداں وفرحاں ہوں گے۔

۱۶ مومن کی ساری زندگی صبر سے عبارت ہے۔ احکام الٰہی کی ادائیگی پر صبر، نواہی سے اجتناب پر صبر، محرومیوں پر صبر، نقصانات پر صبر، دشمنان اسلام کے سامنے معرکۂ کارزار میں صبر اور جنگ جیتنے کے بعد اپنے اقتدار واختیار کے صحیح استعمال کرنے پر صبر۔ الغرض مومن کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی تو ایسا نہیں جہاں صبر کا نور دمک نہ رہا ہو۔ اس آیت میں ارشاد ہے کہ اہل ایمان نے زندگی کا سفر جس صبرو استقامت سے طے کیا، نفس کے سرکش گھوڑے کو جس عزم سے انہوں نے قابو میں رکھا، آج ان تمام کاموں کا انہیں معاوضہ ملے گا۔

یہاں سے لے کر آیت ۲۱ تک ان الطاف وعنایات کا ذکر فرمایا جارہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عالم آخرت میں سرفراز فرمائے گا۔ آیات کے مشکل الفاظ کی وضاحت کردی جاتی ہے۔ مطلب سمجھنا مشکل نہیں۔ اَرَائِك جمع ہے۔ اس کا واحد اَرِیْکَةٌ ہے۔ اس مخصوص پلنگ کو کہا جاتا ہے جو نو بیاہتا دلہن کے لیے بچھایا جاتا ہے۔ ھِیَ السَّرِیْرُ فِی الْحَجْلَةِ (3)۔ زَمْھَرِیْرٌ: شِدَّةُ الْبَرْدِ۔ (قاموس) (4) سخت ٹھنڈک۔ دَانِیَةٌ: دَنَا، یَدْنُوْ سے اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے قریب، نزدیک۔ ذُلِّلَتْ تَذْلِیْلًا: دُلِّیَتْ عَنَاقِیْدُہٗ (5) وَجُعِلَتْ سَھْلَ التَّنَاوُلِ (6)۔ کہ انگور کے گچھوں کو نیچے لٹکا دیا جائے گا اور جنتی بڑی آسانی سے اسے تناول کرسکیں گے۔ اٰنِیَةٌ جمع ہے اِنَاءٌ کی۔ ظرف، برتن اَکْوَابٌ: کُوْبٌ کی جمع ہے (7)۔ وہ پیالہ یا پیالی جس کے ساتھ کنڈا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز19، ص135
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز19، ص136۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص156
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز29، ص158
4۔ القاموس المحیط، ج1، ص566
5۔ تفسیر مغربی، زیر آیت ہذا، ج29، ص265
6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص157
7۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز29، ص159

مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا (۱۶) وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

چاندی کی قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ سے بھرا ہوگا ۱۷ھ اور انہیں پلائے جائیں گے وہاں (ایسی شراب کے) جام جس میں زنجبیل کی

زَنْجَبِيْلًا (۱۷) عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا (۱۸) وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

آمیزش ہوگی ۔ (یہ زنجبیل) جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے ۱۸ھ اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک

مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا (۱۹) وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ

ہی حالت پر رہیں گے ۱۹ھ جب تُو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے گویا یہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں ۔ اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے

رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا (۲۰) عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ

تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی ۲۰ھ ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور

نہ ہو۔ کَانَتْ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ کا مفہوم حضرت ابن عباس نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اٰنِيَةٌ مِّنْ فِضَّةٍ صَفَاءُهَا كَصَفَاءِ الْقَوَارِيْرِ۔ یعنی یہ سارے برتن چاندی کے بنے ہوں گے لیکن ان میں چمک اتنی زیادہ ہوگی کہ خیال گزرے گا کہ شیشہ اور بلّور ڈھال کر انہیں بنایا گیا ہے۔ پہلا قَوَارِيْرَ، كَانَتْ کے اسم اَكْوَاب کا حال ہے۔ دوسرا قَوَارِيْرَ، بدل ہے پہلے قَوَارِيْرَ کا۔ (1)

۱۷ھ یعنی ساقی گری کی خدمت پر جو خدام مقرر ہوں گے وہ بھی بڑے سلیقہ شعار اور اداشناس ہوں گے۔ صراحی سے جام میں اتنی مقدار میں شراب انڈیلیں گے جتنی پینے والا چاہے گا، جتنی اس کی خواہش ہوگی۔ اناڑی نہ ہوں گے کہ جس کو چند گھونٹ کی خواہش ہو اسے چھلکتا گلاس دے دیں اور جو زیادہ پینا چاہتا ہو، اسے چند قطروں پر ٹرخا دیں۔ جن کی دلداری اور عزت افزائی مقصود ہے وہ ان کی خواہشات کا پورا پورا احترام کریں گے۔

۱۸ھ ایک دوسری قسم کی شراب کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں ایسی شراب دی جائے گی جس میں زنجبیل کی ملاوٹ ہوگی۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ بھی جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے اور اسی کو سلسبیل بھی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب شراب میں سونٹھ ملا کر پیتے تھے۔ انہی کا پسند خاطر نام ذکر فرما دیا اور بتا دیا کہ جنت میں ایک چشمہ اسی نام کا جاری ہے جس میں سونٹھ کی بُو تو ہوگی لیکن اس کے ذائقہ کی تلخی نہ ہوگی۔

۱۹ھ لڑکے ہر وقت ان کی خدمت بجالانے کے لیے اور ان کے احکام کی تعمیل کے لیے ان کے آگے پیچھے پُھرتی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ مرورِ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی شکل وصورت اور ان کے رنگ روپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور جب وہ جنت کے مرغزاروں میں اہل جنت کی خدمت میں اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے ہوں گے تو یوں معلوم ہوگا کہ کوئی موتیوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہے اور اس کے تابندہ اور رنگ رنگیلے موتی اِدھر اُدھر لُڑھکتے چلے جا رہے ہیں۔

۲۰ھ ثَمَّ: ظَرْفٌ لِرَاَيْتَ اَىْ فِى الْجَنَّةِ (2): یہ ظرف ہے رؤیت کے فعل کے لیے، یعنی جنت میں جدھر بھی تو دیکھے گا ہر طرف تجھے

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص157

2۔ ایضاً، ج10، ص159

إِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا

اطلس کا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے ۲۱ اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ

طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ ع

ع ۲۲/۱۹

شراب ۲۲ (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں ۲۳

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ ج فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ

ہم نے ہی (اے حبیب!) آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے کلام نازل کیا ۲۴ اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجیے اور

نعمتیں ہی نعمتیں نظر آئیں گی اور ایک وسیع مملکت ہوگی جو خداوند کریم نے اپنے ایک ایک بندے کو دے دی ہے۔

سُنْدُسٌ: باریک ریشمی کپڑا۔ اِسْتَبْرَقٌ: اَلدِّيْبَاجُ الْغَلِيْظُ: موٹا ریشمی کپڑا۔ (1)

۲۱ انہیں چاندی کے کنگن پہنائے گئے ہوں گے۔ ایک مقام پر پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے سونے کے کنگن پہن رکھے ہونگے۔ ان میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ ان کے پاس سونے اور چاندی کے بنے ہوئے کنگن ہوں گے۔ جب ان کا جی چاہے گا سونے کے اور جب جی چاہے گا چاندی کے کنگن پہن لیں گے یا انہوں نے دونوں قسم کے کنگن پہن رکھے ہوں گے۔

۲۲ دو قسم کی شرابوں کا ذکر پہلے ہو چکا۔ ایک وہ جس میں کافور کے چشمے کا پانی ملا ہوگا۔ دوسری وہ جس میں زنجبیل کے چشموں کا پانی ملا ہوگا۔ اب تیسری قسم کی شراب کا ذکر ہے لیکن اس میں دو ایسی خصوصیتیں ہیں جو پہلی دو قسموں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس شراب کو شرابِ طہور کہا گیا ہے۔ نیز اس کو پلانے والا خود رب العالمین ہے۔ اس لیے حضرت یعقوب چرخی لکھتے ہیں:

”سابقان و مقربان حضرتِ حق را جل جلالہٗ از زیر عرش قدح ہائے شراب طہور برساند و مقتصدان را فرشتگان دہند و عاصیان را غلمان دہند چوں از شرابِ بہشتی بخورند مست ذوالجلال گردند حجاب برگیرند تا بے چون و بے چگونہ و بے جہت حق تعالیٰ را بینند۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا وَاجْعَلْنَا بِكَرَمِكَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ“۔ (تفسیر چرخی) (2)

یعنی سابقین اور مقربین کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے نیچے سے شراب طہور کے بھرے ہوئے پیالے بلا واسطہ پلائے گا۔ درمیانی درجے والوں کو فرشتے پلائیں گے اور عام لوگوں کے ساقی غلمان ہوں گے۔ جب وہ بہشت کے شراب کو پئیں گے تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست ہو جائیں گے۔ پردوں کو اُلٹ دیں گے، بے چون و چگونہ و بے جہت حق تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ الٰہی! ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرما اور اپنے کرم سے مقربین میں داخل فرما۔

۲۳ یہ نوازشیں، یہ عنایتیں تمہارے ان مخلصانہ اعمال کی جزاء ہیں اور تمہیں مبارک ہو کہ اس کریم و رحیم نے محض اپنے رحم و کرم سے تمہارے ناقص اعمال کو قبول فرما لیا ہے۔ ایک بندہ کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا اور کیا مقام ہوگا جب اسے یہ مژدہ سنایا جائے گا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 159

2۔ تفسیر یعقوب چرخی، زیر آیت ہذا، پارہ 29، ص 95

لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾

نہ کہنا مانیے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کا ۲۵ اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی ۲۶

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ

اور رات (کی تنہائیوں میں) بھی اس کو سجدہ کیا کیجیے اور رات کافی وقت اس کی تسبیح کیا کیجیے۔ بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت

الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ

کرتے ہیں اور پس پشت ڈال رکھا ہے انہوں نے بڑے سخت دن کو ۔ ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور

شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ

ان کے جوڑ، بند مضبوط کیے ہیں ۲۷ اور جب ہم چاہیں تو ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں ۲۸ بے شک یہ ایک

۲۴ کفار کی خُوئے بد نے انہیں اعتراض گھڑنے کے فن کا امام بنا دیا تھا۔ جب اور کوئی اعتراض موثر ثابت نہ ہوا تو کہنے لگے کہ ہم بڑی قوی دلیل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ بلکہ ان کا اپنا اختراع کردہ ہے۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو سارے کا سارا یکبارگی نازل ہو جاتا جیسے موسیٰ علیہ السلام کو تورات ایک مرتبہ دی گئی تھی۔ یہ چونکہ خود گھڑتے ہیں اس لیے جتنا گھڑتے ہیں اسے آکر سُنا دیتے ہیں۔ کبھی کم، کبھی زیادہ۔ ان کے اس الزام کی تردید فرمائی جارہی ہے کہ ہم نے اسے اپنے محبوب رسول پر نازل کیا ہے اور اسے تھوڑا تھوڑا کر کے حسب حال اور حسب ضرورت نازل کرنے میں بے شمار حکمتیں ہیں۔

۲۵ اے محبوب! آپ کو اپنے رب کی طرف سے جو احکام ملے ہیں ان کی پابندی کرتے رہیں۔ کسی کی مخالفت کی ہرگز پروانہ کریں۔ یہ بدکردار، ناہنجار اور احسان فراموش آپ کو اگر فرمان خداوندی سے منحرف کرنا چاہیں، تو آپ ان کا کہنا ہرگز نہ مانیں۔

۲۶ مومن کی طاقت کا سرچشمہ اور اس کی قوت کا راز ذکر الٰہی میں پوشیدہ ہے۔ پہلے اپنے نبی مکرم کو صبر کی تلقین فرمائی۔ اب ذکر کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے۔ وہ شخص جو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے اور جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جائے، باطل کی طاغوتی طاقتیں اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتیں۔ بعض علماء نے اس سے اوقات نماز مراد لیے ہیں۔ بکرہ سے مراد صبح کی نماز، اصیل: زوال سے غروب کے وقت تک کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد ظہر اور عصر کی نماز اور من اللیل سے مغرب وعشاء کی نماز، وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ (1)

۲۷ اَسْر کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دینا۔ قدرتِ الٰہی نے انسان کے مختلف اعضاء کو ایک دوسرے کے ساتھ پٹھوں، ریشوں اور رگوں کے ذریعے بڑی پختگی سے جوڑ دیا ہے۔ سب اعضاء اپنے اپنے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں، اس کے باوجود ایک دوسرے سے پیوستہ بھی ہیں، ایک دوسرے کی قوت وطاقت کا ذریعہ بھی ہیں، ایک دوسرے کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر اسی ایک بات پر تم غور کرو، تمہارے شکوک وشبہات کے تاریک بادل چھٹ جائیں گے۔ (2)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 166

2۔ ایضاً

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ

نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کے قرب کا راستہ ۲۹؎ اور (اے لوگو!) تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بجز

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ ۖ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

اس کے کہ اللہ خود چاہے ۳۰؎ بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے، حکیم ہے ۳۱؎ جس کو چاہتا ہے اپنے (دامنِ) رحمت

فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾ ع ۲ ۹ ۲۰

میں داخل کر لیتا ہے ۳۲؎ اور ظالموں کے لیے تو اس نے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب۔

۲۸؎ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ہلاک کر دیں، نیست و نابود کر دیں اور ان کی جگہ کوئی نئی قوم پیدا کریں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ان کے چہروں کی رنگت اور خدوخال کو مسخ کر دیں، کسی ایسی بیماری میں مبتلا کر دیں کہ دیکھنے والے اسے پہچان بھی نہ سکیں۔

۲۹؎ یہ قرآن ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اس نصیحت کو قبول کر لے، ہدایت کی اس روشنی میں سفر طے کرتا ہوا قرب و رضا کی منزل میں پہنچ جائے اور جس کا جی چاہے اپنی عمر برباد کر دے۔

۳۰؎ ساتھ ہی بتا دیا کہ صرف تمہاری خواہش اور آرزو سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ جب تک میری مشیت تمہاری سعادتمندی کا فیصلہ نہ کر دے اس وقت تک تمہاری کوششیں لاحاصل، تمہاری جدوجہد بے ثمر۔ جب توفیقِ الٰہی دستگیری فرماتی ہے، نورِ حق تب نظر آتا ہے، دعوتِ حق تب سنائی دیتی ہے، دل میں شوق کا طوفان امڈتا ہے، راستے کی ساری مشکلیں سہل ہوتی جاتی ہیں اور جذبِ الٰہی درماندہ راہِ محبت کو اپنے حریمِ ناز میں داخل فرما دیتا ہے۔

۳۱؎ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس بندے پر کون سی مہربانی فرمانا ہے۔ کس مسکین کے دلِ مضطرب پر کیسے کرم فرمانا ہے اور کن اشکبار آنکھوں اور زار و نزار تمناؤں کو اپنے جمالِ جہاں آرا سے روشن کرنا ہے۔ وہ حکیم ہے۔ اس کے انداز حکیمانہ، اس کی عطا حکیمانہ، اس کی ہر ادا حکیمانہ ہے۔

۳۲؎ جس کو چاہتا ہے گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور سے منوّر کر دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ہجر و فراق کی دوریوں سے رہائی بخش کر اپنے وصال کی لذت سے شادکام کر دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے غفلت کی نیند سے بیدار کر کے اپنی یاد کی نعمت سے مالامال کر دیتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اَشَاءُ اِلَّا اَنْ تَشَاءَ يَا مَنْ بِيَدِهٖ نَاصِيَتِيْ كُنْ لِّيْ رَءُوْفًا رَّحِيْمًا۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ۔ وَ احْشُرْنِيْ تَحْتَ لِوَاءِ حَبِيْبِكَ الْمُكَرَّمِ وَ رَسُوْلِكَ الْمُعَظَّمِ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ۔

تعارف

سُورۃ المرسلٰت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: اس کا نام المرسلٰت ہے جو اس سورت کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں دو رکوع، پچاس آیتیں، ایک سو اسی کلمے اور آٹھ سو سولہ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (1)

مضامین: متعدد چیزوں کی قسمیں کھا کر ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ پھر قیامت برپا ہونے کے ہولناک منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ آیات نمبر ۱۸، ۱۷، ۱۶، میں ایک سنت الٰہی ذکر کی گئی ہے کہ جو شخص راہِ راست کو چھوڑ کر بادیۂ ضلالت میں بھٹکتا ہے، فسق و فجور کے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، اس کی مخلوق پر ظلم اور تشدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ایسے شخص کو ہلاک و برباد کر دیا جائے۔ اس کے بعد انسان کی تخلیق، پھر اس کی بقا اور نشو و نما کے لیے جن اسباب و وسائل کی ضرورت ہے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور آیت انتیس سے لے کر آخر تک کفّار کے ساتھ روزِ حشر جو معاملہ کیا جائے گا اس کو بیان فرما دیا۔ ساتھ ہی آیت نمبر اکتالیس تا چوالیس میں متقین پر جو عنایات اور نوازشات کی جائیں گی وہ بتا دیں تاکہ لوگ دونوں گروہوں میں سے جس گروہ میں شامل ہونا چاہیں سوچ سمجھ کر شامل ہوں۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۲-۴-۷۷

1- روح المعانی، جز 29، ص 169

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُوْنَ اٰيَةً فِيْهَا رُكُوْعَانِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ المرسلات مکی ہے اس میں پچاس آیات اور دو رکوع ہیں۔

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ① فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ② وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ③

(ان ہواؤں کی) قسم جو پے درپے بھیجی جاتی ہیں ۱؎ پھر ان کی (قسم) جو تند و تیز ہیں اور ان کی قسم جو بادلوں کو پھیلانے والی ہیں۔

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ④ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ⑤ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ⑥ اِنَّمَا

پھر ان کی جو بادلوں کو پارہ پارہ کرنے والی ہیں پھر ان کی قسم جو (دلوں میں) ذکر کا القا کرنے والی ہیں۔ حجت تمام کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے۔ بے شک جس

تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ⑦ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ⑧ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ⑨

بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ پس اس وقت جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے۔ اور جب آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے ۲؎

۱؎ صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی رقمطراز ہیں:

ان آیتوں میں جو قسمیں مذکور ہیں وہ پانچ صفات ہیں جن کے موصوفات ظاہر میں مذکور نہیں۔ اسی لیے مفسرین نے ان کی تفسیر میں بہت وجوہ ذکر کیے ہیں۔ بعض نے یہ پانچوں صفتیں ہواؤں کی قرار دی ہیں۔ (ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے) بعض نے ملائکہ کی، بعض نے آیات قرآنی کی، بعض نے نفوس کاملہ کی جو استکمال کے لیے ابدان کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ پھر وہ ریاضتوں کے جھونکوں سے ماسوائے حق کو اڑا دیتے ہیں۔ پھر تمام اعضاء میں اس کا اثر پھیلاتے ہیں۔ پھر حق بالذات اور باطل فی نفسہ میں فرق کرتے ہیں اور ذاتِ الٰہی کے سوا ہر شے کو ہالک دیکھتے ہیں۔ پھر ذکر کا القا کرتے ہیں، اس طرح کہ دلوں میں اور زبانوں پر اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر ہوتا ہے اور ایک وجہ یہ ذکر کی ہے کہ پہلی تین صفتوں سے ہوائیں مراد ہیں اور باقی دو سے فرشتے۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ قسم ان ہواؤں کی جو لگاتار بھیجی جاتی ہیں۔ پھر زور سے جھونکے دیتی ہیں۔ ان سے مراد عذاب کی ہوائیں ہیں اور ناشرات سے مراد وہ رحمت کی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ اس کے بعد جو صفتیں مذکور ہیں وہ قول اخیر پر جماعت ملائکہ کی ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ فَارِقَات اور مُلْقِیَات سے جماعاتِ ملائکہ مراد ہونے پر اجماع ہے۔ (خزائن العرفان)(1)

۲؎ جب قیامت برپا ہوگی تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔ اَن گنت ستارے جو روشن چراغوں کی طرح چمکتے دمکتے نظر آ رہے ہیں سب بے نور ہو جائیں گے۔ یہ آسمان کی نیلگوں چھت جس میں ہزارہا سال گزرنے کے باوجود بوسیدگی اور کہنگی کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی، اس میں شگاف اور دراڑیں پڑ جائیں گی اور یہ فلک بوس پہاڑ جن کے پتھر از حد سخت ہیں، غبار بن کر یوں اُڑ جائیں گے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا۔ مختلف اوقات میں اور مختلف امتوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول اپنی اُمتوں پر گواہی دینے کے لیے وقت مقررہ پر اکٹھے ہو جائیں گے۔

3۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 691

وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ⑩ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ⑪ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ⑫

اور جب پہاڑ (خاک بنا کر) اُڑا دیے جائیں گے اور جب رسولوں کو وقتِ مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا۔ (تمہیں علم ہے) کس دن کے لیے یہ ملتوی کیا گیا ہے؟ ۳

لِیَوْمِ الْفَصْلِ ⑬ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ⑭ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ

فیصلہ کے دن کے لیے۔ (اے مخاطب!) تجھے کیا علم کہ فیصلے کا دن کیسا ہے۔ تباہی ہوگی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ⑮ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ⑯ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ

جھٹلانے والوں کے لیے ۴ کیا ہم نے ہلاک نہیں کر دیا جو ان سے پہلے تھے ۵ پھر ہم ان کے پیچھے پیچھے بھیج دیں گے بعد

اس ہوشربا منظر کے ذکر سے مقصد ان لوگوں کو اس دن سے ڈرانا ہے جو خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے اپنی زندگی کے قیمتی لمحوں کو برباد کر رہے ہیں۔

۳ یہ مذکورہ بالا واقعات کب رُو پذیر ہوں گے؟ ان کے لیے کون سی تاریخ اور کون سا دن مقرر کیا گیا ہے؟ بتا دیا کہ ان کے لیے یوم الفصل کی تاریخ مقرر ہے۔ اے سننے والے! تم یوم الفصل کی حقیقت کو کیونکر سمجھ سکتے ہو؟ یہ وہ دن ہوگا جب تمام مقدمات، تمام تنازعات اور سارے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۴ اس روز بڑی تباہی اور ہلاکت کا سامنا ان لوگوں کو کرنا پڑے گا جو اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کی لائی ہوئی کتاب کی تکذیب کرتے ہیں، جو وقوعِ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور اسے ناممکن یقین کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیات میں مشکل الفاظ کی تشریح:

طُمِسَتْ: ذَهَبَ ضَوْءُهَا۔ یُقَالُ طَمَسَ الشَّیْءُ اِذَا دَرَسَ۔ وَطُمِسَ فَهُوَ مَطْمُوْسٌ۔ **طُمِسَتْ** کا مطلب یا تو یہ ہوگا کہ ستاروں کا وجود بھی مٹ جائے گا یا یہ کہ ان کی روشنی مٹ جائے گی۔ یہ بے نور ہو جائیں گے (1)۔ **اَلنَّسْفُ**: تَفْرِیْقُ الْاَجْزَاءِ حَتّٰی تَذْرُوْهَا الرِّیَاحُ (2)۔ کسی چیز کو یوں ریزہ ریزہ کر دینا کہ ہوائیں اس کے اجزاء کو اڑا کر لے جائیں۔ **فُرِجَتْ**: شُقَّتْ فَصَارَتْ لَهَا فُرَجًا (3): کسی چیز کا پھٹ جانا۔ اس میں دراڑیں اور شگاف پڑ جانا۔ **وَیْلٌ**: مَصْدَرٌ بِمَعْنٰی حُلُوْلِ الشَّرِّ وَالْهَلَاكِ (4): یہ مصدر ہے اور اس کا معنی ہے تباہی اور ہلاکت نازل ہوگئی۔

۵ اہلِ مکہ جو بڑی شدت سے وقوعِ قیامت کا انکار کیا کرتے تھے، انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اپنے سے پہلے گزری ہوئی قوموں کے انجام پر غور کریں اور اس کی وجہ تلاش کریں تو انہیں قیامت پر ایمان لانے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ عاد، ثمود، قومِ نوح، قومِ فرعون جسمانی قوت و زور میں کسی سے کم نہ تھیں۔ دولت و ثروت کے بھی ان کے پاس انبار لگے تھے، ان کے پاس لشکر جرار تھے، ان کے سپاہی تجربہ کار اور جنگجو تھے، ان کے پاس ماہرین حرب جرنیلوں کی بھی کمی نہ تھی، اپنے زمانے کے معیار کے مطابق وہ علوم و فنون میں بھی کسی قوم سے پیچھے نہ تھے، ان کی کاروباری مہارت بھی لاجواب تھی۔ اگر ان چیزوں کو پیش نظر رکھا جائے تو ان قوموں کو مدت دراز تک عزت و اقبال سے زندگی بسر کرنی چاہیے تھی، ان کے اقتدار کا نقّارہ دیر تک بجتا رہتا، لیکن اے اہل مکہ! تم یہ جانتے ہو کہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 157

2۔ ایضاً

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 165

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، جز 10، ص 165

الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٧﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

میں آنے والوں کو۔ گناہ گاروں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ تباہی ہوگی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٩﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ

جھٹلانے والوں کے لیے۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا۔ پھر ہم نے رکھ دیا اسے ایک

قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿٢١﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿٢٣﴾

محفوظ جگہ (رحمِ مادر) میں ٦ ایک معیّن مُدّت تک ٧ پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا، پس ہم کتنے بہتر اندازہ ٹھہرانے والے ہیں ٨

انہیں آناً فاناً تباہ کر دیا گیا۔ اس کی وجہ اس کے بغیر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے اعمال بڑے قبیح، ان کی حرکتیں بڑی ذلیل اور ان کے اخلاق بہت بگڑے ہوئے تھے۔ جھوٹ، بدعہدی، کم تولنا، کم ناپنا، کمزور لوگوں پر ظلم و تشدد، ان کا وتیرہ بن گیا تھا۔ وہ عیش و عشرت میں بڑی دریا دلی سے اپنی دولت کو لُٹاتے اور معصوم عصمتوں کو بڑی بے دردی سے لُوٹتے۔ گمراہی اور بُرائی میں بغیر کسی جھجک کے ان کے یوں مگن ہونے کا سبب یہی تو تھا کہ انہیں اپنے محاسبہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اگر انہیں یہ خیال ہوتا کہ ایک روز انہیں ضرور اپنے رب کے روبرو پیش ہو کر حساب دینا ہے تو وہ یوں فسق و فجور میں غرق نہ ہو جاتے۔ روز حساب سے بے فکر ہو کر وہ فسق و فجور کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی بداعمالیوں کے طبعی نتائج اس دنیا میں ہی ظاہر ہو گئے اور انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اے اہل مکہ! اگر تم بھی اسی قسم کے ہولناک انجام سے دوچار ہونا چاہتے ہو تو بے شک اس روش کو مت چھوڑو اور اگر تم اپنے آپ کو تباہ و برباد نہیں کرنا چاہتے تو روز قیامت پر ایمان لاؤ۔ صرف محاسبہ کے ڈر سے ہی تمہارے بگڑے ہوئے دماغ درست ہو سکتے ہیں۔

٦ اپنی قدرت و حکمت کے ان شاہکار کرشموں کا ذکر کر کے وقوعِ قیامت کے امکان کی طرف انہیں متوجہ کیا جا رہا ہے۔ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ کے کلمات غور طلب ہیں۔ رحم مادر میں جب نطفہ قرار پکڑتا ہے تو اس کی حفاظت کے کتنے مکمل اور مضبوط انتظامات کیے جاتے ہیں کہ وہ بآرام تغیرات کے نازک ترین مرحلوں سے بخیر و خوبی گزرتا رہتا ہے۔ خارجی عوامل اس کی نشوونما میں آسانی سے دخل انداز نہیں ہو سکتے۔ ماں اپنے گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہے، بدنی مشقّت کے کام بھی وہ کیا کرتی ہے، لیکن کسی غیر معمولی حادثہ کے سوا حمل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اسے خوراک بھی پہنچتی رہتی ہے، اسے حرکت کرنے میں بھی کوئی دقّت نہیں ہوتی۔ ان امور پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین آجاتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ جو خالق، حکیم اور قادرِ مطلق یہ عجوبہ دکھا سکتا ہے اس کے لیے قیامت کا برپا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

٧ اس خلوت کدہ میں اس کے رہنے کی صحیح مدت جاننے کے لیے ابھی سائنس نے بھی کوئی آلہ ایجاد نہیں کیا۔

٨ یعنی ہم نے اس کے بارے میں تمام امور کا اندازہ کر لیا ہے اور ان کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ ساتھ ہی فرما

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾

تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۹ کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی۔

اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ

(تمہارے) زندوں اور مُردوں کو ۱۰ اور ہم نے ہی بنادیے اس میں خوب جمے ہوئے اونچے اونچے پہاڑ ۱۱ اور ہم نے ہی تمہیں

دیا کہ ہم سے بہتر، صحیح اور حکیمانہ اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اَنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ۔ فَيُكْتَبُ عَمَلُهٗ وَاَجَلُهٗ وَرِزْقُهٗ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ۔ (1) (متفق علیہ) حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا، حضور سچے ہیں اور آپ کی تصدیق کی گئی ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ چالیس دن تک وہ اپنی ماں کے شکم میں نطفہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ پھر اتنی مدت وہ لوتھڑا کی شکل میں ہوتا ہے پھر اتنی مدت وہ گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ چار باتوں کے ساتھ ایک فرشتہ کو مبعوث کرتے ہیں۔ اس وقت اس کا عمل، اس کی موت کا دن، اس کا رزق اور یہ بات کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت لکھ دی جاتی ہیں۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

۹ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس شاہکار کو دیکھتے ہیں اور پھر اس کے نبی کی تکذیب کرتے ہیں اور قیامت کا انکار کرتے ہیں، ان کے لیے قیامت کے دن تباہی و بربادی کے سوا اور کیا ہوگا؟

۱۰ اے قیامت کا انکار کرنے والو! ہماری قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کا مشاہدہ کرو۔ دیکھو کہ زمین کو ہم نے اس طرح پیدا فرمایا ہے کہ ہر قسم کی زندہ اور مردہ مخلوق اس کے دامن میں سمائی ہوئی ہے۔ ہر قسم کے جانداروں کے لیے ان کے مزاج کے مطابق رزق کا اہتمام یہیں سے ہوتا ہے۔ گوشت خوروں کے لیے گوشت، سبزی خوروں کے لیے طرح طرح کے چارے، سبزیاں، ترکاریاں دھڑا دھڑ پیدا ہو رہی ہیں۔ اگر انسان کی اپنی بے تدبیری، حرص و لالچ اور کوتاہیاں آڑے نہ آئیں تو کسی کو خوراک کی قلّت کی شکایت نہ رہے۔ کچے پکے مکانات اور شاندار محلات اور سنگین قلعوں کی تعمیر کے لیے جس قسم کے سامان کی ضرورت ہو وہ بآسانی دستیاب ہو سکتا ہے۔ جب یہاں سے اپنی زندگی کے مقررہ دن پورے کر کے کوئی چیز رخصت ہوتی ہے تو وہی زمین جو اس کا بوجھ اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے تھی، اپنا سینہ چیر کر اسے اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔

۱۱ ہماری حکمت کا مزید نظارہ کرنا چاہو تو ان فلک بوس پہاڑوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو، ان کے شکموں میں قیمتی معدنیات کے انبار لگے ہیں۔ کہیں نمک ہے، کہیں کوئلہ، کہیں تانبا ہے، کہیں چاندی، کہیں سونا ہے اور کہیں فولاد۔ ان کی برف سے سدا سفید رہنے والی چوٹیاں، تمہارے لیے میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی بہم رسانی کے مرکز ہیں۔ چشمے ابل رہے ہیں، ندیاں بہہ رہی ہیں اور دریا رواں

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب الایمان بالقدر، ص 20

مَآءً فُرَاتًا ۗ﴿٢٧﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى

میٹھا پانی پلایا ۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۱۲؎ (انہیں حکم ملے گا) چلو اس (آگ)

مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ﴿٢٩﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ

کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ۱۳؎ چلو اس سایہ کی طرف جو تین شاخوں

شُعَبٍ ۙ﴿٣٠﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ۗ﴿٣١﴾ اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ

والا ہے ۔ نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ وہ بچاتا ہے آگ کی لپٹ سے ۔ وہ جہنم پھینک رہی ہوگی بڑے بڑے انگارے

دواں ہیں۔ پھر ان کے دامن میں دیو قامت درخت اُگتے ہیں جو مکان بنانے کے کام آتے ہیں۔ ان میں اَن گنت جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں جو تمہارے امراض کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ ملکوں کی قدرتی حد بندی، موسموں کے تغیّر میں ان کا غیر معمولی دخل، بارشوں میں ان کا حصہ، کس کس فائدہ کو تم گن سکتے ہو؟ پھر ہماری رحمت کا یہ پہلو بھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ رہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی پانی اُبل رہا ہے۔ دامن کوہ میں بھی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ ہموار میدانوں میں بھی دریا خراماں خراماں رواں ہیں اور جہاں یہ نہیں، وہاں کنوئیں کھود کر، ٹیوب ویل نصب کر کے، تم پانی کے زیر زمین ذخائر سے سیراب ہو سکتے ہو۔

۱۲؎ اگر ان کھلی دلیلوں کے باوجود تم قیامت پر ایمان نہ لاؤ تو پھر اس روز تم پر جتنی تباہی نازل ہو اس کے تم خود ذمہ دار ہو اور اس کے مستحق ہو۔ کِفَاتًا: اِسْمٌ لِّمَا يُكْفَتُ فِيْهِ (1)۔ جس میں کوئی چیز لپیٹ لی جائے، سمیٹ لی جائے اسے کفات کہتے ہیں۔
شَامِخَات: اونچے، بلند (2)۔ فُرَاتًا: عَذْبًا۔ میٹھا پانی۔ (3)

۱۳؎ جب قیامت برپا ہوگی اور ضرور ہوگی کیونکہ مذکورہ بالا دلائل کے بعد کسی صاحب عقلِ سلیم کے لیے انکار کی گنجائش نہیں رہتی، اس وقت منکرینِ قیامت کو حکم ملے گا چلو، تشریف لے چلو اس جہنم کی طرف جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔ چلو اس سائے کی طرف جس کی تین شاخیں بلند ہو رہی ہیں۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ سایہ ٹھنڈا سایہ نہیں جس کے نیچے آگ کی تپش سے نجات مل جائے۔ بظاہر تو یہ سایہ معلوم ہوتا ہے حقیقت میں یہ دوزخ سے اٹھتا ہوا دھواں ہے۔ اگر کوئی بھاگ کر اس کے تلے پناہ لینا چاہیے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کی کوئی چھاؤں نہیں۔ اس کے نیچے کھڑے ہونے سے کوئی ٹھنڈک محسوس نہیں ہوتی۔ تنور سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو آپ دیکھیں تو پہلے وہ ایک بگولے کی طرح اٹھتا ہے۔ جب وہ فضا میں بلند ہوتا ہے تو اس کی کئی شاخیں الگ الگ بننے لگتی ہیں۔ دوزخ سے جو دھواں اٹھے گا اس کی تین شاخیں ہوں گی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص166

2۔ ایضاً، ج10، ص167

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز19، ص162

كَالْقَصْرِ ۚ ﴿٣٢﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ؕ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٤﴾

جیسے محل۔ گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں ۱۴؎ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۱۵؎

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۙ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾

یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ وہ بول سکیں گے ۱۶؎ اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں ۱۷؎

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ

تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۱۸؎ (اے کافرو!) یہ فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تمہیں اور

وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ

اگلوں کو جمع کر دیا ہے ۱۹؎ پس اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف استعمال کرو ۲۰؎ تباہی ہوگی اس روز

۱۴؎ یہاں آتشِ جہنم کی ہولناکی کا ذکر کیا جارہا ہے کہ اس کی آگ سے جو شرارے اٹھیں گے وہ اتنے بڑے بڑے ہوں گے جیسے کوئی شاہی محل ہو۔ بکنگھم پیلس جیسے حجم کے تو اس کے شرارے اور چنگاریاں ہوں گی اور ان کی رنگت زرد ہوگی۔ دیکھنے سے یوں پتہ چلے گا جیسے زرد رنگ کے اونٹوں کی قطار جنگل میں پھیل گئی ہو۔ پہلے ان کے حجم کا ذکر کیا۔ اب ان کی ڈراؤنی رنگت کی کیفیت بیان کی۔ بعض نے صُفر کا معنی سیاہ بھی کیا ہے۔(1)

۱۵؎ جنہوں نے اتنے خوفناک دن اور ایسے دردناک عذاب کو دنیا میں تسلیم نہ کیا بلکہ اس کا انکار کرتے رہے، اس کا مذاق اڑاتے رہے وہ خود ہی بتائیں کہ قیامت کے روز ان کے مقدر میں تباہی، رسوائی اور ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

۱۶؎ اس روز ان منکرین کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا خوف کے مارے زبان گونگی ہو جائے گی۔ قوت گویائی سلب ہو جائے گی، ہر وقت قینچی کی طرح تیز چلنے والی زبان ایک لفظ بھی نہ بول سکے گی۔

۱۷؎ دنیا میں بہانہ سازی کے فن میں وہ یدِ طُولیٰ رکھتے تھے۔ جب کہیں پھنس جاتے کوئی نہ کوئی ایسا عذر تراشتے کہ ان کی گلوخلاصی ہو جاتی۔ ان کو اپنی اس قابلیت پر بڑا ناز تھا اور اسی چیز نے انہیں بدکاریوں پر دلیر کر دیا تھا۔ دنیا میں تو بے شک ان کی یہ مہارت مُسلّم تھی، لیکن قیامت کے دن ان کے لبوں کو سی دیا جائے گا اور انہیں کسی قسم کا عذر بہانہ پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۱۸؎ جب وہ اس طرح پھنسے ہوں گے تو ان کی تباہی و بربادی میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے؟

۱۹؎ انہیں کہا جائے گا یہ مکہ کا بازار نہیں، یہ عکاظ کا میلہ نہیں، یہ پیرس اور جنیوا کے اوپیرا تھیٹر نہیں، یہ یو۔ این۔ او کا ہیڈ کوارٹر نہیں کہ جو کسی کے جی میں آئے بکتا چلا جائے۔ یہ مقدمات کے آخری فیصلہ کا دن ہے۔ یہاں کسی بدکار منکر کو یاوہ گوئی کی اجازت نہیں مل سکتی۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص169

ع ۴۰ ۲۱

لِلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٠﴾ع اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤١﴾لا وَّفَوَاكِهَ

جھٹلانے والوں کے لیے ۲۱؎ بے شک پرہیزگار (اللہ کی رحمت کے) سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے اور (ان) پھلوں میں ہوں گے

مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٤٢﴾ط كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّا

جن کو وہ پسند کریں گے۔ (انہیں کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔ ہم

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ كُلُوْا

یونہی صلہ دیا کرتے ہیں نیکوکاروں کو ۲۲؎ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۲۳؎ (اے منکرو!) اب

یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ان پر فرد جرم ثابت ہو جائے گا۔ فرشتوں کے لکھے ہوئے صحیفے بلکہ ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان پر گواہی دے چکے ہوں گے۔ اس سے پہلے تو وہ بڑے بڑے سوانگ رچائیں گے۔ کبھی کہیں گے ہم دنیا میں دن بھر کے لیے گئے اور واپس بلا لیے گئے۔ اس قلیل مدت میں ہم کیا کرتے؟ کبھی کہیں گے کہ ہمارے پاس آپ کا بھیجا ہوا کوئی رسول نہیں گیا اور نہ کسی نے ہم کو خواب غفلت سے جگایا ہے۔ اور بعض کفار اور بدکار تو اپنے آپ کو بالکل معصوم عن الخطا کہیں گے کہ ہم نے زندگی بھر میں کوئی نافرمانی نہیں کی، کوئی حکم عدولی نہیں کی۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن جب دلائل سے ان کا مجرم ہونا ثابت ہو جائے گا اس وقت ان سے قوت گویائی سلب کر لی جائے گی۔

۲۰؎ تمہیں اپنی چالاکی اور عیّاری پر بڑا گھمنڈ تھا۔ دنیا میں تم اپنے دشمنوں کے خلاف بڑی خطرناک چالیں چلا کرتے تھے۔ اے بڑے عیّارو! بڑے چالبازو! اگر تمہاری پٹاری میں کوئی مکر، کوئی چال ہو تو اسے باہر نکالو اور اسے ہمارے خلاف استعمال کرو۔ ہم بھی تو دیکھیں تمہیں اس فن میں کتنا کمال حاصل ہے؟ لیکن اس وقت انہیں جان کے لالے پڑے ہوں گے۔ بھڑکتے ہوئے دوزخ کو سامنے دیکھ کر ان پر جانکنی کی کیفیت طاری ہوگی۔ بجز خاموشی کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔

۲۱؎ اس دن جھٹلانے والوں کے حصہ میں ہلاکت و تباہی ہوگی۔ وہ آج کیوں اس تباہی سے بچنے کے لیے فکر نہیں کرتے؟

۲۲؎ مجرموں کے ساتھ تو یہ سلوک ہوگا، لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گزاری، اس کے احکام کی پابندی کرتے رہے، قیامت کے تصور سے ہی ان کے دل لرزتے رہے، ان پاکباز اور نیک بخت لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا اب اس کا بیان ہو رہا ہے۔

۲۳؎ اہل جنت کے ذکر کے بعد اس جملے کو دہرانے میں کیا حکمت ہے؟ علامہ آلوسی فرماتے ہیں: حَيْثُ نَالَ اَعْدَاءُهُمْ هٰذَا الثَّوَابَ الْعَظِيْمَ وَهُمْ بِقَوَافِي الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ (1)۔ یعنی ان کے دشمن، جن کو زندگی بھر وہ ستاتے رہے، ان پر ظلم توڑتے رہے،

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز29، ص178

وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾

کھالو اور عیش کر لو تھوڑا سا وقت، بے شک تم مجرم ہو ۲۴ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

اور (آج) جب ان سے کہا جاتا ہے اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے ۲۵ تباہی ہوگی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۲ ع ۲۲

جھٹلانے والوں کے لیے ۲۶ آخر کس بات پر وہ اس کتاب کے بعد ایمان لائیں گے؟ ۲۷

ان پر طرح طرح کی انگشت نمائیاں کرتے رہے، ان کو حقیر و نادان سمجھتے تھے، وہ آج اپنے پروردگار کے پاس فردوسِ بریں میں اس کے لطف و کرم سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ فرشتے، غلمان اور حوریں ان کی ناز برداریاں کر رہی ہیں اور یہ جو بڑے معزز اور رئیس بنے ہوئے تھے، آج اس ذلّت میں گرفتار ہیں۔

۲۴ سورت کے اختتام سے پہلے منکرینِ قیامت کو پھر جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ طرح طرح کے لذیذ کھانے خوب سیر ہو کر کھالو۔ دنیوی عزتیں اور بڑائیاں جو تمہیں حاصل ہیں اور جو عیش و عشرت کا سامان تمہیں میسّر ہے اس سے جی بھر کر لطف اٹھالو۔ یہ رونق میلہ چند روزہ ہے۔ درحقیقت تم بدترین مجرم ہو۔ صرف مہلت کی مدت گزرنے اور مقررہ گھڑی آنے کا انتظار ہے۔ تمہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

۲۵ یعنی کفار کو جب کہا جاتا ہے کہ سرکشی اور نافرمانی کی روش ترک کر دو اور اپنے رب کے حضور میں تواضع و انکساری اختیار کرو، اس کے احکام کے سامنے اپنی اکڑی ہوئی گردنیں جھکا دو، اس کے رسول کے فرمان کو قبول کر لو اور نمازیں پڑھا کرو تو انہیں یہ سچی بات سمجھ ہی نہیں آتی۔ نماز کو ادا کرنے کے لیے ان کے دل میں شوق پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ارکعُوا سے مراد پوری نماز ادا کرنا ہے۔ نماز کو رکوع سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بنی ثقیف کو جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور نماز کا طریقہ بتایا تو کہنے لگے: کوئی ایسی نماز بتائیں جس میں یہ رکوع و سجود نہ ہو۔ ہم رئیسوں کے لیے یوں جھکنا اور پھر زمین پر منہ کے بل گر پڑنا بڑے عیب کی بات ہے، تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا خَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لَيْسَ فِيْهِ رُكُوْعٌ وَّلَا سُجُوْدٌ (1)۔ اس دین میں کوئی خوبی نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رکوع و سجود نہیں۔ وہ مسلمان، جو اپنے رب کو سجدہ نہیں کرتے، رکوع نہیں کرتے، نماز ادا نہیں کرتے اور پھر مسلمان ہونے کے مُدعی بھی ہیں اور اس ادّعا پر خوش بھی ہیں، وہ اپنے انجام کے بارے میں خود سوچ لیں۔

۲۶ جن لوگوں کی پیشانیوں کو اپنے رب کی جناب میں سجدہ کرنے اور جھکنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، بار بار سمجھانے کے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 29، ص 178

باوجود وہ اس شرف سے محروم رہے، ان کے لیے روز قیامت بجز ویل و ہلاکت کے اور کیا ہوسکتا ہے؟

۲۷ے اگر وہ عقل وخرد سے کام لیتے اور غور وفکر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے تو قرآن کریم کے چشمۂ صافی وشیریں سے وہ اپنی تشنہ لبی کا درمان کر لیتے۔ اس آفتاب ہدایت کے انوار سے وہ اپنی زندگی کی جلوتوں اور خلوتوں کو روشن کر لیتے۔ لیکن ان بدنصیبوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد اس سے زیادہ موثر، اس سے زیادہ شیریں، اس سے زیادہ حقیقت افروز کتاب انہیں کہاں نصیب ہوگی کہ وہ اس پر ایمان لے آئیں گے؟ وہ ازلی بدبخت ہیں۔ ان کی قسمت میں ہدایت کی نعمت ہے ہی نہیں۔

○○○

اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ
وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى
سَيِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا حَبِيْبِنَا وَشَفِيْعِنَا

مُحَمَّدِ

نِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ اَحَبَّهٗ وَاتَّبَعَهٗ اِلٰى يَوْمِ
الدِّيْنِ ۔ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّيَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ
بِالصّٰلِحِيْنَ۔

○○○○

تعارف سُورۃ النبأ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام ''النبا'' ہے جو دوسری آیت سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ اسے سورۂ عم، سورۂ عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ اور التساؤل بھی کہا جاتا ہے (1)۔ یہ دو رکوعوں اور چالیس یا اکتالیس آیتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد 173 اور حروف کی تعداد 970 ہے۔

نزول: باتفاق علماء یہ عہد نبوت کی ابتداء میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (2)

مضامین: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات ویسے تو اہل مکہ کے لیے حیرت انگیز تھی۔ وہ لوگ حضور کی باتیں سنتے اور حضور کے اعمال کا مشاہدہ کرتے تو ان پر عجیب قسم کی سراسیمگی طاری ہو جاتی۔ سب سے زیادہ جس چیز نے انہیں پریشان کر رکھا تھا وہ نبی کریم کا یہ ارشاد تھا کہ اس جہانِ رنگ و بو کے بعد ایک اور جہان بھی ہے۔ اس چند روزہ زندگی کے بعد ایک ایسی زندگی بھی ہے جس کی انتہاء نہیں۔ قیامت کے دن انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو قبروں سے نکال کر رب کائنات کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہاں ان سے ان کے چھوٹے بڑے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ ان کی عقل جس کی دقیقہ سنجی پر انہیں بڑا گھمنڈ تھا، اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی۔ ہزاروں صدیوں کی پہنائیوں میں ان کی مشت غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کون جمع کرے گا اور پھر ان میں روح کیسے پھونکی جائے گی۔ وہ اس مسئلہ پر شب و روز غور کرتے، آپس میں بحث و تمحیص کرتے ان کی مجلسوں میں اس موضوع پر گرما گرم مذاکرے ہوتے، لیکن وہ کسی صورت میں وقوع قیامت کو ماننے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ پاتے۔ اس نہ ماننے میں ایک نفسیاتی جھجک بھی سد راہ بنی ہوئی تھی۔ اگر وہ وقوع قیامت کو تسلیم کرتے ہیں تو ان کی زندگی کا سارا نقشہ تلپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس معاشرہ میں انہیں لُوٹ کھسوٹ کی جو آزادی میسّر تھی۔ عیش و طرب کی محفلیں جن میں مہوش اور بدمست جوانیاں ساری رات محو رقص رہا کرتیں، بادۂ ارغوانی کے بلوریں جام مصروف گردش رہتے۔ جہاں کسی ضرورت مند کا استحصال مباح تھا۔ جہاں قرض خواہ اپنے مقروض سے من مانی شرح پر سود لیا کرتا تھا۔ اگر وہ روز حساب پر ایمان لاتے ہیں تو ان کو تمام لغویات سے دست کش ہونا پڑتا ہے جس کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ اس سنگ گراں کو ان کی راہ سے ہٹانے کے لیے قرآن کریم میں متعدد بار بڑے زور شور سے بڑے زوردار دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ میں بھی یہی موضوع زیر بحث ہے۔

پہلے تو دو ٹوک الفاظ میں یہ بتا دیا کہ تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ قیامت ضرور برپا ہوگی تم خود اپنی آنکھوں

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 2

2۔ ایضاً

سے اس کا مشاہدہ کرو گے اور اس کا اعتراف بھی کرو گے، لیکن اس وقت تمہارا قیامت پر ایمان لانا تمہیں جہنّم سے بچا نہ سکے گا۔

پھر اُن کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ اُن کے منتشر ذروں کو کیسے جمع کیا جائے گا۔ بتایا کہ ان ذروں کو جمع کرنے والا وہ قادر مطلق اور حکیم وعلیم خدا ہے جس کی قدرت اور حکمت کے جلوے قدم قدم پر اس کی کبریائی کی گواہی دے رہے ہیں جو ایسے محیر العقول کام سرانجام دے سکتا ہے اس کے لیے تمہیں از سرِ نو زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں ہے۔

اس کے بعد قیامت برپا کرنے کی حکمت بتائی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان ساری عمر لوگوں پر ظلم وستم کرتا رہے، غریبوں کو لوٹتا رہے، دادِ عیش دیتا رہے، اپنے خالق کی نافرمانی کرتا رہے اور دوسرا شخص ساری عمر بنی نوع انسان کی خدمت کرتا رہے۔ دُکھیوں کی غمگساری، محتاجوں کی امداد، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی کرتا رہے۔ اپنے رب کریم کی اطاعت سے سرِ مُو انحراف نہ کرے۔ ان دو شخصوں کے عملوں میں اتنے سنگین تفاوت کے باوجود اس کا نتیجہ یکساں رہے۔ اس سے بڑی ناانصافی اور کیا ہو سکتی ہے بتا دیا کہ قیامت برپا کرنے میں حکمت الٰہی یہ ہے کہ بدکاروں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے اور نیکوں کو ان کی نیکی کا اجر عظیم مرحمت فرمایا جائے۔

آخر میں اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا جس میں اکثر کفار مبتلا تھے۔ وہ کہا کرتے کہ اگر قیامت آ بھی گئی تو اس روز بھی اللہ کی نعمتیں ہمیں ہی ملیں گی۔ ہمیں جو عزت اور سرفرازی اس دنیا میں نصیب ہے۔ قیامت کے دن بھی یہ ہمیں نصیب ہوگی۔ ہمارے جاں نثار خدّام اور وفادار ملازم اس وقت ہمارے ارد گرد حلقہ زن ہوں گے۔ اگر کسی فرشتہ نے ہماری طرف دست تعدی دراز کیا تو ہمارے درجنوں جواں سال اور بہادر بیٹے ان کو مزا چکھا دیں گے اور یہ ہمارے بت جن کی ہم پرستش کرتے ہیں قیامت کے دن ہماری شفاعت کریں گے۔ اس لیے ہمیں دوزخ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ان کم نگاہوں کو بتا دیا کہ اس قسم کی خام خیالیوں کو اپنے دل سے نکال دو۔ وہاں کسی کی مجال نہ ہوگی کہ دم مار سکے۔ شفاعت کے لیے وہی زبان کھول سکے گا جس کو رحمٰن ورحیم نے منصب شفاعت پر سرفراز کیا ہوگا۔ تمہارے یہ بت اس روز خود دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ تمہاری نجات کا انہیں کب خیال ہوگا۔ آخر میں تنبیہ فرما دی کہ آج راہ حق اختیار کر لو۔ اس فرصت کو غنیمت جانو، ورنہ قیامت کے روز تمہاری حالت اتنی ناگفتہ بہ ہوگی کہ تم اپنی زندگی سے بے زار ہو گے اور بصد حسرت یہ کہہ رہے ہوں گے۔ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (کاش کہ میں مٹی ہو جاتا)

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۶۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ النبا مکی ہے اور یہ چالیس آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۚ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۙ② الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ

وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔ کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں ۱؎ جس میں وہ اختلاف

مُخْتَلِفُوْنَ ۗ③ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۙ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤ اَلَمْ نَجْعَلِ

کرتے رہتے ہیں ۲؎ یقیناً وہ اسے جان لیں گے پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے (کہ قیامت برحق ہے) ۳؎ کیا ہم نے نہیں

۱؎ یہ سورت، ان سورتوں میں سے ایک ہے جو اعلان نبوت اور آغاز دعوت کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس ہمہ گیر انقلاب کے داعی بن کر تشریف لائے تھے، اس کی کامیابی کا انحصار، عقیدۂ قیامت پر تھا اور اسی عقیدہ کو تسلیم کرنا، کفار مکہ کے لیے از حد مشکل تھا۔ اس لیے اس سورت میں بھی قیامت کے بارے میں کفار کی غلط فہمیوں کو دور کیا جا رہا ہے اور ان کے سامنے اپنی قدرت کاملہ کے ایسے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں کہ اگر وہ تعصب سے بلند ہو کر ان میں غور کریں، تو انہیں وقوع قیامت پر یقین آ جائے اور اس کے انعقاد میں جو گوناگوں حکمتیں ہیں وہ ان پر آشکارا ہو جائیں۔

عَمَّ: اصل میں عَنْ مَا تھا۔ مَا استفہامیہ پر جب حرف جار داخل ہو تو تخفیف کے لیے الف کو گرا دیتے ہیں جیسے لِمَ، فِيْمَ، عَمَّ نیز اس طرح مَا استفہامیہ اور خبریہ میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ پوچھا جا رہا ہے کہ یہ مکہ کے سردار کس موضوع پر تبادلہ خیال کرتے رہتے ہیں، کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں (1)۔ دوسری آیت میں خود بتا دیا کہ یہ بحث و تمحیص، یہ چہ میگوئیاں ایک بڑی اہم خبر کے بارے میں ہو رہی ہیں۔

علامہ راغب لکھتے ہیں اَلنَّبَاُ: خَبَرٌ ذُوْ فَائِدَةٍ عَظِيْمَةٌ (2)۔ نبأ: اس خبر کو کہتے ہیں جس میں بہت بڑا فائدہ ہو اس کو پھر عظیم کی صفت سے موصوف کیا، یعنی یہ خبر معمولی قسم کی نہیں، جس کا جاننا، نہ جاننا برابر ہے، بلکہ اس خبر کا بہت بڑا فائدہ ہے اور یہ اپنی ذات میں بہت ہی بڑی اور اہم ہے۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد قیامت کے وقوع کی خبر ہے۔

۲؎ فرما دیا کہ ان کی چہ میگوئیوں اور بحث و تمحیص کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، اس کے بارے میں وہ متفق الرائے نہیں ہیں بلکہ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں۔ اس کے بارے میں ان کی آراء کے اختلاف کی کوئی حد نہیں۔ بعض لوگ وقوع قیامت کو اس لیے ناممکن کہتے ہیں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 68-167

2۔ مفردات راغب، ص 788

کہ ان کے نزدیک یہ عالم قدیم ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ نیلگوں آسمان، اس میں آویزاں اربوں چمکتے دمکتے ستارے، یہ سورج، یہ چاند، یہ فلک بوس پہاڑ، یہ مختلف عناصر، یہ سب چیزیں ہمیشہ ہمیشہ یونہی برقرار رہیں گی۔ ان کے درہم برہم ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ان کو درہم برہم کر دینا کوئی حکیمانہ فعل ہے۔ اس لیے قیامت کے بارے میں جو کچھ ہمیں بتایا جا رہا ہے یہ سب مَن گھڑت باتیں ہیں۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ ہماری صرف یہی دنیوی زندگی ہے، اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں۔ وہ کہتے ہیں اِنۡ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا وَ مَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ ﴿۲۹﴾ (1) بس ہماری یہی دنیوی زندگی ہے اور ہمیں دوبارہ زندہ کر کے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے وہ کہا کرتے: مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیۡمٌ ﴿۷۸﴾ (2) جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی اور مٹی میں مل جائیں گی اور ہوا کے جھونکے انہیں صدہا بار الٹ پلٹ کر کے رکھ دیں گے تو پھر ان بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کرنا قطعاً ناممکن ہے اور بعض لوگ قیامت کو ناممکن تو خیال نہیں کرتے تھے لیکن انہیں بھی یقین نہ تھا کہ قیامت ضرور آئے گی۔ وہ گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحۡنُ بِمُسۡتَیۡقِنِیۡنَ ﴿۳۲﴾ (3)

اور بعض اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ پہلے تو قیامت برپا ہی نہ ہو گی اور اگر بفرض محال برپا ہوئی بھی تو اس روز بھی اللہ تعالیٰ اپنے لطف و احسان سے ہمیں ہی سرفراز کرے گا۔ یہ لوگ جو آج غربت کے شکنجہ میں کسے ہوئے ہیں، ان کا اس روز بھی کوئی پرسان حال نہ ہو گا۔ ان میں سے کئی ایسے لوگ بھی تھے جنہیں علمائے نصاریٰ کے پاس اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملتا تھا اور ان کی باتوں سے متاثر ہو کر وہ اگرچہ جسمانی بعثت کے قائل تو نہ تھے، لیکن روحانی بعثت کو وہ تسلیم کرتے تھے اور بعض تناسخ کے قائل تھے کہ روح، اپنے نیک و بد اعمال کے بعد جسم بدلتی رہتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔

۳؎ ان آیتوں میں کَلَّا کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ علامہ بدر الدین زرکشی نے اپنی کتاب ''البرہان فی علوم القرآن'' میں اس کی خوب تحقیق کی ہے۔ وہیں سے استفادہ کرتے ہوئے یہ چند سطور ہدیہ ناظرین ہیں۔

سیبویہ کے نزدیک کَلَّا حرف ردع اور زجر ہے۔ (4)

صفار کہتے ہیں یہ اسم ہے اور کسی کلام کو مسترد کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ قَالَ اَصۡحٰبُ مُوۡسٰۤی اِنَّا لَمُدۡرَکُوۡنَ قَالَ کَلَّا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے۔ آپ نے ان کے اس کلام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کَلَّا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نہ فرعون ہمیں اپنے محاصرہ میں لے سکتا ہے اور نہ سمندر ہمارا راستہ روک سکتا ہے۔ اور کبھی یہ حقًّا کے معنی میں ہوتا ہے۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ کَلَّا ردع اور ردّ کے لیے استعمال ہوا ہے یا حقًّا کے معنی میں مستعمل ہے، تو علامہ زرکشی کہتے ہیں کہ اگر وقف کَلَّا پر ہو تو اس وقت ردع اور رد کے معنی میں ہو گا اور اگر کَلَّا سے پہلے وقف ہو اور کَلَّا سے اگلے جملے کی ابتدا ہو تو اس وقت یہ حقًّا کے معنی میں ہو گا۔ ان دو آیتوں میں کَلَّا سے جملے کی ابتدا ہو رہی ہے اور وقف اس سے پہلے ہے اس لیے یہ یہاں حقًّا کے معنی میں ہو گا۔ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ نَّظَرَ اِلَی الۡمَعۡنَیَیۡنِ فَیَقِفُ عَلَیۡهَا اِذَا کَانَتۡ بِمَعۡنَی الرَّدۡعِ وَ یَبۡتَدِئُ بِهَا اِذَا کَانَتۡ بِمَعۡنَی التَّحۡقِیۡقِ وَهُوَ اَوۡلٰی (البرہان) یہ اختلاف صرف اولویت میں ہے۔ اگر اسے ردع اور رد کے معنی میں لیا جائے تو پھر بھی غلط نہ ہو گا۔ زرکشی اس کی ترکیب کے متعلق لکھتے ہیں۔ وَ تَکُوۡنُ کَلَّا بِمَعۡنٰی حَقًّا عِنۡدَ الۡکِسَائِیۡ فَیُبۡتَدَأُ بِهَا لِتَاکِیۡدِ مَا بَعۡدَهَا۔ فَتَکُوۡنُ فِیۡ مَوۡضِعِ الۡمَصۡدَرِ وَ یَکُوۡنُ مَوۡضِعُهَا نَصۡبًا عَلَی الۡمَصۡدَرِ وَ الۡعَامِلُ مَحۡذُوۡفٌ اَیۡ اَحُقُّ ذٰلِکَ حَقًّا (البرہان) یعنی کسائی کے نزدیک کَلَّا،

1۔ سورۃ الانعام: 29 2۔ سورۂ یٰس: 78 2۔ سوالجاثیہ: 32 4۔ البرہان فی علوم القرآن، ج 4، ص 313

الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿٦﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ﴿٧﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ﴿٨﴾ وَّجَعَلْنَا

بنادیا زمین کو بچھونا ٤ اور پہاڑوں کو میخیں ٥ اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا ٦ اور ہم نے بنادیا ہے

حَقًّا کے معنی میں ہوگا اور اس سے جملے کی ابتداء ہوگی۔ اس کا مقصد بعد میں آنے والے کلام کی تاکید کرنا ہوتا ہے۔ اس وقت یہ مصدر ہوگا اور عامل محذوف کا مفعول مطلق ہوگا اور منصوب ہوگا (1)۔ میں نے علامہ زرکشی کی تحقیق کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

علامہ قرطبی نے بھی کَلَّا کا معنی حقًّا ذکر کیا ہے۔ اَیْ حَقًّا لَیَعْلَمُوْنَ (قرطبی) (2)

سَیَعْلَمُوْنَ کا مفعول مذکور نہیں لیکن سیاق کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق وہ چہ میگوئیاں کر رہے ہیں اور جیسے پہلے بتایا گیا ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد قیامت ہے۔ (3)

٤ منکرین قیامت سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا ہم نے اس کرۂ ارض کو تمہارے لیے بچھونے کی طرح آرام دہ نہیں بنادیا۔ تمہاری بقا، تمہاری نشوونما اور آرام و آسائش کے لیے جو چیزیں مطلوب تھیں، سب کی سب بڑی فیاضی سے تمہارے لیے مہیا کر دی گئی ہیں۔ حدنگاہ تک پھیلے ہوئے زرخیز میدان، ان میں لہلہاتے ہوئے کھیت، سرسبز باغات، اُبلتے ہوئے چشمے، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے دریا کس نے بہادیئے ہیں۔ جس علیم وقدیر نے تمہیں زندہ وسلامت رکھنے کے لیے کمال حکمت سے ہر چیز فراہم کر دی ہے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ تمہیں مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔

٥ ذرا ان سلسلہ ہائے کوہ کی طرف دیکھو۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کیل کی طرح انہیں زمین میں گاڑ دیا گیا ہے تاکہ اس کے وزن سے کرۂ زمین کی اضطراری حرکت رُک جائے۔ اس کے علاوہ ان پہاڑوں میں تمہارے لیے اَن گنت فوائد اور منافع ہیں۔ جو ذات اتنے بڑے بڑے پہاڑ پیدا کرنے پر قادر ہے اس کے بارے میں یہ خیال کہ وہ بالشت بھر کے انسان کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتی، کتنا بڑا دھوکہ ہے۔

٦ اگر تمہاری نظر اتنی بینا نہیں کہ وسیع زمین اور فلک بوس پہاڑوں میں اس کی حکمت کے جلوؤں کو دیکھ سکو تو آؤ! اپنی ذات میں غور کرو۔ اس نے تم سب کو مرد ہی پیدا نہیں کیا اور نہ سب کو عورتیں بنایا۔ تم خود سوچو مرد و زن دونوں کی تخلیق اسی قطرۂ آب سے ہوتی ہے، ایک ہی رحم میں نشوونما پاتے ہیں۔ خوراک بھی دونوں کی یکساں ہے، لیکن کسی کو لڑکا بنادیا اور کسی کو لڑکی۔ ایک باپ بننے کے قابل ہے، دوسری ماں بننے کے قابل ہے۔ جسے باپ بننا ہے اس کو تمام ایسے آلات، قوتیں اور صلاحیتیں بخش دی ہیں جس کے باعث وہ باپ بننے کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے، جس کو ماں بننا ہے وہ ماں بننے کی تمام جسمانی اور نفسیاتی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے۔ اگر تمہیں جوڑا جوڑا نہ بنایا جاتا تو افزائش نسل کیسے ہوتی۔ اگر تم جوڑا جوڑا پیدا نہ کیے جاتے تو زندگی کا یہ کٹھن سفر، ہر کیف و رنگ سے محروم ہوتا۔ جس ذات پاک نے نسل انسانی کو مرد و زن میں تقسیم کر کے ان کی تمام صنفی ضروریات کا اہتمام کیا ہے اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

1۔ البرہان فی علوم القرآن، ج 4، ص 15-313

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 168

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 4-5

نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا ﴿٩﴾ وَّجَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَّجَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾

تمہاری نیند کو باعثِ آرام ۷ نیز ہم نے بنادیا رات کو پردہ پوش ۸ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا ۹

۷ اگران باریکیوں میں غوطہ زنی کی تمہیں مہلت نہیں تو ذرا اپنی نیند اور بیداری کی دومختلف حالتوں میں غور کرو۔ بیداری کی حالت میں تم دماغی یا جسمانی مشقت کرتے ہو۔ تم تھک کر چور ہو جاتے ہو۔ تم میں مزید کام کرنے کی سکت باقی نہیں رہتی۔ اچانک نیند تمہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ کچھ وقت کے لیے تم دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتے ہو۔ جملہ تفکرات اور اندیشوں سے تمہیں نجات مل جاتی ہے۔ کچھ دیر سو لینے کے بعد جب تم بیدار ہوتے ہو تو دماغی درماندگی اور جسمانی تھکاوٹ کافور ہوچکی ہوتی ہے۔ جوش ونشاط کی کیفیت عود کر آتی ہے اور تم ازسرِ نو جہادِ زندگی کا آغاز کردیتے ہو۔

سنو! ہم نے ہی تمہارے لیے نیند کو آرام اور راحت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اگر ہم تمہیں نیند کی نعمت سے محروم کردیں، تو یہ زندگی تمہارے لیے موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ بن جائے اور دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہو جائیں۔ یہ میری قدرت ہے جس نے نیند، جسے تم موت کی بہن کہا کرتے ہو، اسی کو ہم نے قوت ونشاط کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔ جس کی قدرت کاملہ کا یہ عالم ہے، کیا اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا ناممکن ہے کچھ تو انصاف سے کام لو۔

لفظ سُبَاتٌ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: وَجَعَلۡنَا نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا اَیۡ قَطۡعًا لِّلۡعَمَلِ: اَصۡلُ السَّبۡتِ الۡقَطۡعُ (مفردات) (1) سبت کا معنی کسی چیز کے تسلسل کا منقطع ہوجانا۔ جب انسان کو نیند آتی ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے اور وہ بے حس وحرکت اپنی چارپائی پر دراز ہوجاتا ہے۔ لیکن جوہری اپنی صحاح میں لکھتے ہیں اَلسُّبَاتُ: اَلنَّوۡمُ وَاَصۡلُهُ الرَّاحَةُ مِنۡهُ قَوۡلُهٗ تَعَالٰی وَجَعَلۡنَا نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا (2)۔ یعنی سُبات کا اصلی معنی راحت وسکون ہے اور اس آیت میں سُبات اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

۸ ذرا شب وروز کے اس تسلسل پر غور کرو۔ رات آتی ہے، ساری کائنات پر اندھیرے کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی چیز اس میں لپٹ کر رہ جاتی ہے۔ جو کام دن کے اُجالے میں تم نہیں کرسکتے وہ رات کی اس تاریکی میں تم بلاتکلّف انجام دے سکتے ہو۔ دن بھر کی تگ ودو کے بعد تم گھر واپس آتے ہو۔ اپنے بال بچوں کے ساتھ رات بسر کرتے ہو۔ تمہیں رات کے تاریک سناٹوں میں جو آرام ملتا ہے اور جو میٹھی نیند تم سوتے ہو، وہ آرام اور میٹھی نیند دن کے اجالے میں کہاں نصیب ہوتی ہے۔ شیطان اور نفس کے پرستار رات کو ہی اپنے عشرت کدوں کی رونق بڑھاتے ہیں اور خداوند رحمٰن کے بندے رات کو اٹھتے ہیں، جب ساری دنیا سوتی ہے اور اپنے سجدہائے نیاز سے، اپنے نالہ ہائے جگر گداز سے اور اپنی اشکباریوں سے، اپنے گوشہ خلوت میں چراغاں کرتے ہیں۔ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی کہ کسی نے کیسی رات گزاری ہے۔ رات کو ایسا لباس اور مکمل پردہ ہم نے بنایا ہے۔

۹ مَعَاشًا اَیۡ سَبَبًا لِّلۡمَعَاشِ (مظہری) (3) رات کے برعکس جب دن ہوتا ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے، ہر چیز نظر آنے لگتی ہے، ہر سُو روشنی پھیل جاتی ہے، زندگی کی رُکی ہوئی گاڑی پھر حرکت کرنے لگتی ہے۔ بازار کھل جاتے ہیں۔ منڈیوں میں چہل پہل شروع ہوجاتی ہے۔ کاشت کار اپنی زمینوں میں ہل جوتتے ہیں۔ غرضیکہ سورج طلوع ہوتے ہی کسب معاش کے لیے جدوجہد اور تگ ودو کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

1۔ مفرداتِ راغب، ص 392
2۔ الصحاح، ج 1، ص 250
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 172

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا

اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) ۱۰ اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا ۱۱ اور ہم نے برسایا

مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ

بادلوں سے موسلا دھار پانی ۱۲ تاکہ ہم اُگائیں اس کے ذریعہ اناج اور سبزی نیز گھنے

۱۰ ہماری قدرت اور پختہ کاری کی شان ملاحظہ کرنی ہو تو ذرا آسمانوں کی اس نیلگوں چھت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو۔ ہزار ہا صدیاں بیت چکی ہیں، اس سائبان کو تنے ہوئے۔ بتاؤ شکست و ریخت کا کوئی نشان اس میں نظر آتا ہے۔ کہیں کوئی شکن، کوئی سلوٹ، کوئی جھول، ہرگز نہیں۔ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۔ بار بار دیکھو، طاقت ور دور بینیں لگا کر دیکھو، تمہیں کُہنگی اور بوسیدگی کی کوئی علامت دکھائی نہ دے گی۔ ان کو اتنا مضبوط بنا دیا گیا ہے کہ بے شمار ستارے اس میں محوِ گردش ہیں، لیکن کسی کی مجال نہیں کہ اپنے مدار سے سرِ مُو سرک سکے، تیز روی یا سست گامی کا مظاہرہ کرے، یا جو نظام اوقات اس کے لیے مقرر ہے اس میں ایک لمحے کی بھی تاخیر کرے۔ تم ہماری قدرت و طاقت کو اپنی ناقص طاقت پر قیاس کرتے ہو، یہ تمہاری سراسر نادانی ہے۔

۱۱ سراج سے مراد سورج ہے۔ اس کو وَهَّاج کی صفت سے موصوف کیا اور وَهَّاج: هُوَ مَجْمَعُ النُّوْرِ وَالْحَرَارَةِ (1)۔ وہاج اس کو کہتے ہیں جو نور اور حرارت کا منبع ہو۔ مشہور مفسر مقاتل کہتے ہیں جَعَلَ فِيْهَا نُوْرًا وَّحَرَارَةً وَّالْوَهْجُ يَجْمَعُ النُّوْرَ وَالْحَرَارَةَ (2)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج میں نور اور حرارت دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

وہ ایک چراغ جو سارے عالم کو منور کر رہا ہے اس کے بنانے والے ہم ہیں۔ وہ صرف روشن ہی نہیں، گرم بھی ہے۔ روشنی اور حرارت دونوں زندگی کا سرچشمہ ہیں۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ کائنات کی یہ ساری چہل پہل، گلشن ہستی کی یہ حسن آرائیاں اور جمال آفرینیاں، نور اور حرارت دونوں کا کرشمہ ہیں۔ اگر اس میں صرف نور ہوتا یا صرف حرارت ہوتی تو زندگی نام کی کوئی چیز یہاں نہ پائی جاتی۔

اس سورج کے بارے میں ہی اگر انسان غور کرے تو اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا پختہ یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ زمین کے حجم سے اس کا حجم، تین لاکھ تیتیس ہزار گنا بڑا ہے، زمین سے اس کا فاصلہ 9 کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ اس کا درجہ حرارت ایک کروڑ چالیس لاکھ ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔ اس کا قُطر آٹھ لاکھ پینسٹھ ہزار میل ہے جو زمین کے قُطر سے 109 گنا بڑا ہے۔ آپ اس پر حیران نہ ہوں۔ بعض ستارے سورج سے بھی صدہا گنا بڑے ہیں۔ کئی ایسے بھی ہیں جن کا قطر سورج کے قطر سے آٹھ سو گنا ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا) (3)

زمین سے اتنا دور ہونے کے باوجود وہ مناسب مقدار میں روشنی بھی پہنچا رہا ہے جس کے باعث اس کا چپہ چپہ روشن ہے اور مناسب مقدار میں حرارت بھی فراہم کر رہا ہے جس سے انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی برقرار ہے۔ زمین سے اس کی مناسب دوری، اس کے طلوع و غروب کا نظام، موسموں کا تغیّر و تبدل، رات کا آنا جانا، ہر چیز پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ اس کو منبع نور و حرارت بنانے والا، اس کو مناسب دوری پر رکھنے والا، اس کے منظم طلوع و غروب کا لائحہ عمل مرتب کرنے والا، قادرِ مطلق بھی ہے، حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 16، جز 31، ص 9

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 172

3۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، ج 21، ص 560

اَلۡفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِيۡقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِي الصُّوۡرِ

باغات ۱۳ بے شک فیصلہ کا دن ایک معیّن وقت ہے ۱۴ جس روز صُور پھونکا جائے گا تو

۱۲ مُعۡصِرَات: هِيَ الرِّيَاحُ الَّتِيۡ تَعۡصِرُ السَّحَابَ۔ یعنی معصرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادل کو نچوڑتی ہیں اور بارش برستی ہے۔ معصرات ان بادلوں کو کہتے ہیں جو بارش کے پانی سے لدے پھندے ہوتے ہیں اور ابھی انہوں نے برسنا شروع نہیں کیا ہوتا۔ قَالَ الۡفَرَّاءُ: الۡمُعۡصِرَاتُ: السَّحَابُ يَنۡجَلِبُ بِالۡمَطَرِ وَلَمۡ يُمۡطِرۡ۔ ثَجَّاجًا: صَبًّابًا مِّدۡرَارًا۔ پانی کا زور سے گزرنا، موسلا دھار ٹپکنا۔ (1)

۱۳ یوں بادلوں سے بارشوں کا مُوسلا دھار برسنا، بے مقصد اور عبث نہیں بلکہ بارشیں برسا کر ہم انسانوں کے لیے ہر طرح کا اناج، حیوانات کے لیے ہر قسم کا چارہ اُگاتے ہیں اور اس کے پانی سے گنجان باغات بہار دکھا رہے ہیں جن کی شاخوں پر مختلف ذائقوں کے رنگا رنگ پھل، تمہارے کام و دہن کی ضیافت کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ یہ سب چیزیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے شاہکار ہیں، جو اس کی حکمت بالغہ اور علم محیط کی گواہی دے رہی ہیں جس کی قدرت کے حیرت افزا نمونے تم دیکھ چکے ہو، خود انصاف سے بتاؤ کہ کیا تمہیں وہ دوبارہ زندہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نیز اس کی ہر قدرت میں، اس کی بے پایاں حکمت کے جلوے، جلوہ طراز ہیں، جس کا ہر کام حکمت ہی حکمت ہے کیا تم اس کے بارے میں یہ باور کر سکتے ہو کہ اس نے انسان کو بے مقصد پیدا کیا۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، غور و فکر کی استعداد بخشی، عمل اور ارادہ کی آزادی مرحمت فرمائی، اپنی کائنات کو مسخر کر کے اس کی ترک تازیوں کے لیے میدان ہموار کر دیا، وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو اپنی مرضی اور اختیار سے استعمال کرتا رہا۔ کسی نے اپنی قوتوں کو عروسِ گیتی کے نوک پلک سنوارنے کے لیے صرف کیا، علم و حکمت کے کارواں کی قیادت کی زندگی کے سنسان صحراؤں میں نیکیوں کے خیاباں آباد کیے اور شاہراہ حیات پر ہر قدم بڑی ذمہ داری سے اٹھایا اور آخر دم تک اس نے اپنے پروردگار کی بندگی میں کوتاہی نہ کی۔

اور بعض لوگ انسانیت کا سہاگ لُوٹتے رہے، گلشن ہستی کو ویرانیوں اور بربادیوں کے شُعلوں سے بھسم کرتے رہے، اپنی سفاکیوں اور خون آشامیوں سے بے گناہوں کے معصوم خون سے ہولی کھیلتے رہے۔ نہ انہوں نے اپنے خالق کو پہچانا اور نہ اپنے معبود کی بندگی اختیار کی اور نیکی کے جتنے چراغ ان کی زد میں آئے انہیں گل کرتے رہے اور اسی طرح اپنی زندگی کو برباد کر دیا۔ تم خود سوچو کہ اگر ان دونوں کو دوبارہ زندہ کر کے جزا و سزا نہ دی جائے تو اس سے بڑا ظلم بھی کوئی اور ہو سکتا ہے؟ کیا تم اس اندھیر گردی کی اپنے رب سے جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی، یہ توقع رکھ سکے ہو؟ اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے نیک بندوں کو وہ زندہ کر کے اپنی ابدی نعمتوں سے سرشار کر دے تاکہ انہیں اپنے اعمال صالحہ کا میٹھا پھل نصیب ہو اور بدکاروں اور ظالموں کو دوبارہ زندہ کر کے قعر جہنم میں جھونک دے تاکہ انہیں اپنی خرمستیوں اور بدکاریوں کی پوری پوری سزا ملے۔ یہ دنیا دار العمل ہے اور وہ عمل، جس پر کوئی نتیجہ مرتّب نہ ہو وہ فضول اور عبث ہے۔ اس دار العمل میں انسان کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا نہیں مل سکتی۔ خود بتائیے کہ جو حق کی سربلندی کے لیے، اپنے وطن اور قوم کی آزادی کے حصول کے لیے لقمۂ اجل بنا، اس کو اس دنیا میں اس کا کیا اجر ملا۔ کیا آپ اس عمل کو اتنا مہمل سمجھتے ہیں کہ اس کا اسے کوئی اجر نہ ملنا چاہیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 172

فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۙ﴿۱۸﴾ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۙ﴿۱۹﴾ وَّ سُيِّرَتِ

تم چلے آؤ گے فوج در فوج ۱۵ اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا ۱۶ اور حرکت دی جائے گی

الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ؕ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۙ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ

پہاڑوں کو تو وہ سراب بن جائیں گے ۱۷ درحقیقت جہنم ایک گھات ہے ۱۸ (یہ) سرکشوں کا

اور زندگی ہو، اس فنا ہو جانے والی دنیا کے بعد ایک اور جہان ہو، جہاں ہر شخص کو اپنے نیک یا بد اعمال کی پوری پوری جزا ملے۔

۱۴ کفار ازراہِ مذاق کہا کرتے کہ جس قیامت کی آمد کے بارے میں اتنا شور مچایا جا رہا ہے اسے کہو کہ وہ برپا ہو جائے۔ ہم بھی تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جو آپ کہہ رہے تھے وہ سچ ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کا برپا ہونا کوئی کھیل تماشا تو ہے نہیں کہ جب کسی نے کہا اسی وقت اس کی نمائش شروع ہو گئی۔ یہ تو ایک نہایت سنگین حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ تم ہزار باتیں بناؤ، وقت مقررہ سے پہلے ایک منٹ بھی یہ برپا نہ ہو گی اور جب اس کا وقت آ جائے گا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہ سکے گی۔ تمہارا بھلا اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی بات پر یقین کرو اور اس دن کے لیے تیاری شروع کر دو تا کہ اس دن تمہیں پچھتانا نہ پڑے۔

۱۵ آج تو تم اس کا انکار کر رہے ہو لیکن جب صور پھونکا جائے گا تو زمین کے جس دُور دراز گوشے میں تم مدفون ہو گے یا جہاں جہاں تمہارے ذرّے بکھرے پڑے ہوں گے، سب جمع ہو جائیں گے اور تم فوج در فوج کشاں کشاں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے لگو گے۔ کسی کی مجال نہ ہو گی کہ چادر تان کر سویا رہے، کسی غار میں چُھپ جائے یا کہیں بھاگ کر چلا جائے۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس روز گروہ بندی، نسل، زبان یا وطن کی بنیادوں پر نہ ہو گی بلکہ نیک و بد اعمال کی اساس پر ہو گی۔ مشرق و مغرب کے سُود خور، حرام خور، ایک صف میں اکٹھے ہوں گے۔ عرب و عجم کے ظالم و سفّاک ایک جگہ جمع ہوں گے۔ اشتراکی اور سرمایہ دار ملکوں میں بسنے والے سارے زانی اور فاجر ایک مقام پر جمع ہوں گے اور سب ایک ساتھ بارگاہِ رب العزت میں حاضر کیے جائیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک لوگوں کی بھی الگ الگ گروہ بندیاں ہوں گی۔ مجاہد اور شہید ایک جگہ، علمائے ربّانیّین ایک جگہ، اولیائے کاملین ایک جگہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم ناچیز بندوں کا حشر بھی اس گروہ کے ساتھ کرے جن کے دلوں میں اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کی شمع فروزاں ہے۔ آمین ثم آمین

۱۶ روزِ حشر کی کیفیت پہلے بیان ہوئی۔ قیامت کے ابتدائی مرحلوں کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ اس روز یہ مضبوط آسمان جگہ جگہ سے پھٹ جائے گا۔ یوں معلوم ہو گا جیسے ہر جگہ دروازے ہی دروازے ہیں۔ آلام و مصائب کا طوفان، کسی رکاوٹ کے بغیر ان سے اُمڈا چلا آ رہا ہے۔

۱۷ یہ جمے ہوئے پہاڑ اپنی جگہ سے اُکھڑ جائیں گے۔ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اُڑ جائیں گے۔ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ علامہ قرطبی نے سَرَابًا کا معنی لَاشَیْءَ کیا ہے۔ جس طرح سراب کو دیکھنے والا اسے پانی سمجھ کر اس کی طرف بڑھتا ہے، جب قریب پہنچتا ہے تو وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوتا۔ سُیِّرَتْ کا معنی ہے جڑوں سے اکھڑ جانا، اپنی جگہ سے ہٹ جانا۔ لَاشَیْءَ کَمَا اَنَّ السَّرَابَ کَذٰلِكَ یَظُنُّهُ الرَّائِیْ مَاءً وَّلَیْسَ بِمَاءٍ۔ وَقِیْلَ وَ سُیِّرَتْ، نُسِفَتْ مِنْ اُصُوْلِهَا وَقِیْلَ اُزِیْلَتْ عَنْ مَّوَاضِعِهَا (قرطبی)(1)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 174

مَّاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾

ٹھکانا ہے ١٩ پڑے رہیں گے اس میں عرصۂ دراز ٢٠ وہ نہیں چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی۔

١٨ منکرین قیامت کو جس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اب اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ علامہ جوہری لفظ مِرْصَاد کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو شخص کسی کی گھات میں بیٹھا ہوا ہو اس کو رَاصِدٌ کہتے ہیں، کسی کی گھات میں تیار ہو کر بیٹھنے کو مَرْصَدٌ کہتے ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں کہ اگر تو کسی پر اچانک جھپٹنے کے لیے بالکل تیار ہو کر بیٹھ جائے تو تُو کہے گا اَرْصَدْتُّهٗ: اَیْ اَعْدَدْتُ لَهٗ۔ (1)

یہ لکھنے کے بعد علامہ قرطبی اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ فَجَهَنَّمُ مُعَدَّةٌ مُّتَرَصِّدَةٌ اَیْ هِیَ مُتَطَلِّعَةٌ لِّمَنْ يَّاْتِیْ (2)۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ جہنم تیار ہو کر بڑی بے تابی سے آنے والوں کے لیے گھات لگائے بیٹھا ہو گا۔

مِرْصَاد کا معنی راستہ، راہ گزر بھی بتایا گیا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ سب لوگ جہنم کے اوپر سے گزر جائیں گے۔ جہنمی اس میں گر پڑیں گے اور جنتی، سلامتی سے اسے عبور کر لیں گے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت گزرنے لگے گی تو حضور پُل صراط کے قریب کھڑے ہو کر فرمائیں گے۔ یَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ الٰہی! میرے امتی کو سلامتی سے گزار دے۔ (مظہری) (3)

علامہ قرطبی نے مِرْصَاد کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ اَلْمِرْصَادُ: مِفْعَالٌ مِّنْ اَبْنِيَةِ الْمُبَالَغَةِ فَكَاَنَّهٗ يَكْثُرُ مِنْ جَهَنَّمَ انْتِظَارُ الْكُفَّارِ (4): یعنی مرصاد کا وزن مفعال ہے۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ جہنم کفار کا بڑی شدت اور بے تابی سے انتظار کر رہا ہو گا۔

١٩ طاغی کا معنی سرکش: کفر بھی سرکشی ہے اور بدکاری بھی سرکشی ہے (5)۔ اس لیے طاغین کا لفظ کفار کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے اور گنہ گاروں کے لیے بھی۔ مَاٰب: مرجع، منزل۔ جہاں گھوم پھر کر انسان لوٹ کر جاتا ہے۔ (6)

٢٠ احقاب: حُقْبٌ اور حُقُبٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے دہر۔ اَحْقَاب کا معنی ہے دُهُوْر۔ فراء جو لغت عرب اور نحو کے امام ہیں، وہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حُقُبٌ اسّی سال کی مدت کو کہتے ہیں۔ ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور آخرت کا ہر دن ایک ہزار دنیوی سالوں کے برابر ہو گا۔ پھر کہتے ہیں کہ اس آیت سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ جب یہ طویل مدت گزر جائے گی تو جہنمی دوزخ سے رہائی پا لیں گے۔ کیونکہ اگر ان احقاب کی تعداد بیان کی جاتی یعنی چار یا دس احقاب کہا جاتا تو پھر توقیت سمجھی جاتی کہ چار یا دس صدیاں وہ وہاں گزاریں گے۔ یہاں احقاب کی تعداد مذکور نہیں، اس لیے آیت کا معنی یہ ہے کہ اِنَّهُمْ يَلْبَثُوْنَ فِيْهَا اَحْقَابًا كُلَّمَا مَضٰى حُقُبٌ تَبِعَهٗ حُقُبٌ اٰخَرُ (لسان) (7) یعنی وہ قرنہا قرن وہاں رہیں گے۔ جب ایک قرن ختم ہو جائے گی تو اس کے بعد دوسری قرن شروع ہو جائے گی۔ پھر تیسری، پھر چوتھی اور یہ سلسلہ ابد الاباد تک جاری رہے گا۔ اس لیے کفار کے جہنم سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لغت عرب کے ایک امام کی اس تشریح کے بعد کسی کج فہمی میں مبتلا ہونا سراسر نادانی ہے۔ خصوصاً جب قرآن کریم میں چونتیس مقامات پر یہ تصریح کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور بعض مقامات پر صرف خالدین پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اَبَدًا کا اضافہ بھی

1۔ الصحاح، ج 1، ص 471
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 175
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 174
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 175
5۔ ایضاً۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 174
6۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 175
7۔ لسان العرب، ج 1، ص 326

إِلَّا حَمِيمًا وَّغَسَّاقًا ۙ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ۭ﴿۲۶﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ

بجز کھولتے پانی اور گرم پیپ کے ۲۱ (ان کے گناہوں کی) پوری سزا۔ یہ لوگ (روزِ) حساب کی توقع ہی نہیں

حِسَابًا ۙ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۭ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۙ﴿۲۹﴾

رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیتوں کو سختی سے جھٹلایا ۲۲ حالانکہ ہر چیز کو ہم نے گِن گِن کر لکھ لیا تھا۔

فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۙ﴿۳۱﴾

ع ۱ ۳۰ ۱

پس (اے منکرو! اپنے کیے کا) مزا چکھو اب ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر مگر عذاب ۲۳ بلاشبہ پرہیزگاروں کے لیے کامیابی (ہی کامیابی) ہے۔

حَدَآئِقَ وَأَعْنَابًا ۙ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۙ﴿۳۳﴾ وَّكَأْسًا دِهَاقًا ۭ﴿۳۴﴾

(ان کے لیے) باغات اور انگوروں (کی بیلیں) ہیں۔ اور جواں سال ہم عمر لڑکیاں۔ اور چھلکتا ہوا جام ۲۴

کر دیا گیا ہے اس لیے قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جو دوسری کثیر آیات کے خلاف ہو، کسی مومن کو زیب نہیں دیتا۔ قَالَ قُطْرُبٌ هُوَ الدَّهْرُ الطَّوِيْلُ غَيْرُ الْمَحْدُوْدِ (1)۔ یعنی امام نحو قطرب نے کہا ہے کہ حقب اس لمبے زمانے کو کہتے ہیں جس کی کوئی حد نہ ہو۔

۲۱ حَمِيْم: کھولتا ہوا پانی۔ غَسَّاق: پیپ، کچا لہو۔ وہ گندہ مادہ جو زخموں سے نکلتا ہے۔ غَسَّاق: صَدِيْدُ أَهْلِ النَّارِ وَ قَيْحُهُمْ۔ (2)

۲۲ انہیں ایسی جزا دی جائے گی جو ان کے اعمال کے مطابق ہو گی۔ جزاءً فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ اس لیے منصوب ہے۔ اصل عبارت یوں ہے أَيْ جَازَيْنَاهُمْ جَزَاءً وَّافَقَ أَعْمَالَهُمْ۔ (قرطبی) (3) كِذَّاب باب تفعیل کے مصادر کا ایک وزن ہے۔ وَهُوَ أَحَدُ مَصَادِرِ الْمُشَدَّدِ لِأَنَّ مَصْدَرَهٗ قَدْ يَجِيْءُ عَلٰى تَفْعِيْلٍ مِّثْلُ التَّكْلِيْمِ وَ عَلٰى فِعَّالٍ مِّثْلُ كِذَّابٍ وَّ عَلٰى تَفْعِلَةٍ مِّثْلُ تَوْصِيَةٍ وَعَلٰى مُفَعَّلٍ مِّثْلُ مُمَزَّقٍ (قرطبی) (4) باب تفعیل مصدر کے یہ چار وزن ہیں۔ ان میں ایک فعال ہے۔

۲۳ یعنی تم یہ نہ سمجھو کہ تمہیں یونہی آوارہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو تمہارے جی میں آئے کرتے رہو۔ تم سے کوئی باز پرس نہ ہو گی۔ ایسا اندھیر ہمارے ہاں نہیں۔ ہم تمہارے اعمال، تمہارے افکار اور تمہارے ارادوں کو گن گن کر ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں اور یہ سارا ریکارڈ قیامت کے دن تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔

۲۴ اب ان لوگوں پر اپنے لطف و کرم کا ذکر ہو رہا ہے جو روزِ قیامت پر ایمان رکھتے تھے۔ خداوند ذوالجلال کے دربار میں حاضری کا خوف ان کو ہر گناہ سے باز رکھتا تھا...... مَفَاز: مَوْضِعُ فَوْزٍ وَّ نِجَاةٍ۔ کامیابی و نجات کی جگہ۔ یہ کامیابی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ حَدَائِقُ: حَدِيْقَةٌ وہ باغ جس کے ارد گرد چار دیواری تعمیر کر دی گئی ہو۔ أَعْنَاب: أَيْ كُرُوْمُ أَعْنَابٍ۔ انگور کی بیلیں۔ كَوَاعِبُ: اس کا واحد كَاعِبٌ: نوخیز، نوجوان۔ دِهَاقٌ: مَمْلُوٌّ لبریز، چھلکتا ہوا۔ (5)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 176 2۔ ایضاً، ص 79-178 3۔ ایضاً، ص 179 4۔ ایضاً، ص 180 5۔ ایضاً، ص 181

لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا وَّ لَا کِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾

نہ سُنیں گے وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ۔ یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام ۲۵

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡہُ

جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، بے حد مہربان ۲۶ انہیں طاقت نہ ہوگی کہ (بغیر اجازت) اس سے

خِطَابًا ﴿۳۷﴾ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا ؕ لَا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا

بات بھی کر سکیں ۲۷ جس روز رُوح اور فرشتے پَرے باندھ کر کھڑے ہوں گے ۲۸ کوئی نہ بول سکے گا بجُز اس

۲۵ آپ کے رب کی طرف سے ان متقین کو یہ بدلہ ملے گا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہوگا اور یہ اتنی وافر مقدار میں دیا جائے گا کہ لینے والے کہیں گے بس بس! ہمیں اتنا ہی بہت ہے، ہمیں اور نہیں چاہیے۔ یہ انعام واکرام کیونکہ ان کے اعمال صالحہ کے عوض میں ہے اس لیے اسے جزاء کہا گیا، کیونکہ اس میں اس کا فضل واحسان جلوہ نما ہے اس لیے اسے عطاء کہا گیا ہے۔ پھر عطاء کی صفت حساب ذکر کی گئی۔ قتادہ نے اس کا معنی کَثِیۡرًا بتایا ہے۔ یُقَالُ اَحۡسَبۡتُ فُلَانًا اَیۡ کَثُرَتۡ لَہُ الۡعَطَاءُ حَتّٰی قَالَ حَسۡبِیۡ (1)۔ جب کسی کو کوئی چیز اتنی فراواں مقدار میں دی جائے کہ وہ خود کہہ اٹھے بس بس مجھے اتنا کافی ہے، تو لغتِ عرب میں کہتے ہیں اَحۡسَبۡتُ فَلَانًا۔ میں نے اسے بہت عطا کیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ حِسَابًا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا کسی کے ساتھ وعدہ کیا ہے عطاء اس کے مطابق ہوگی۔ بعض کو ایک کے بدلے دس، بعض کو ایک کے بدلہ سات سو، اور بعض کو بے حد وحساب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَہُمۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ۔ ہر شخص کو اس کے خلوص نیت، عجز ونیاز کی کیفیت کے مطابق اجر ملے گا۔ (2) (قرطبی)

جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّکَ کے الفاظ اہل محبت کے لیے اپنے اندر خصوصی کشش رکھتے ہیں۔ جب دوزخیوں کی سزا کا ذکر ہوا تو صرف جَزَآءً وِّفَاقًا فرمایا گیا اور جب اہل جنت پر اپنے جُود وکرم کی بارش فرمانے کا موقع آیا تو اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اور اپنی شان ربوبیت کی اضافت اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف فرمادی۔ رب تو سب کا ہے لیکن صفت ربوبیت کا جو خصوصی تعلق ذات پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں، نہ عرش کو، نہ کرسی کو، نہ جبریل کو، نہ نوح وخلیل کو۔

۲۶ یہ بدل ہے، اس کا مبدل منہ رَبِّکَ ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ فِیۡ اِبۡدَالِہٖ تَعۡظِیۡمٌ لَّا یَخۡفٰی۔ اس بدل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ شان یوں ظاہر ہورہی ہے جو کسی پر مخفی نہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ وَاِیۡمَاءٌ عَلٰی مَا قِیۡلَ اِلٰی مَا رُوِیَ فِیۡ کُتُبِ الصُّوۡفِیَۃِ مِنَ الۡحَدِیۡثِ الۡقُدۡسِیِّ لَوۡلَاکَ لَمَا خَلَقۡتُ الۡاَفۡلَاکَ۔ اس میں صوفیاء کی روایت کردہ اس حدیث قدسی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے حبیب! اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو ہی پیدا نہ کرتا۔ الرَّحۡمٰنِ بھی بدل ہے یا صفت۔ (3)

۲۷ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے زبان نہ کھول سکے گا، کسی میں دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔ کفار ومنکرین آج بڑے زبان دراز

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 182　2۔ ایضاً، جز 19، ص 183　3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 19

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ

کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے ۲۹؎ یہ دن برحق ہے، سو جس کا جی

بنے ہوئے ہیں، ذرا روز قیامت کا بھی خیال رکھیں۔

۲۸؎ روح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک جبریل امین ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام بارگاہ خداوند ذوالجلال میں دست بستہ کھڑے ہوں گے اور مارے خوف کے کانپ رہے ہوں گے اور ان کی زبان پر یہ جاری ہوگا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ (1) جبریل کے علاوہ دوسرے ملائکہ بھی صفیں باندھے حاضر ہوں گے۔

۲۹؎ جلال خداوندی کا یہ عالم ہوگا کہ سب چُپ، دم بخود، کسی میں لب ہلانے کی بھی ہمت نہ ہوگی۔ البتہ وہ نفوس قدسیہ، جن کو اذنِ گویائی ملے گا، وہ اپنے رب کے حضور اپنی گزارشات اور اپنی التجائیں پیش کر رہے ہوں گے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث شفاعت بڑی مفصل درج کی ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

''کافی عرصہ سب لوگ خاموشی سے سر جھکائے کھڑے رہیں گے اور پسینوں میں شرابور ہوں گے۔ کوئی ٹخنوں تک پسینے میں ہو گا، کوئی گھٹنوں تک، کوئی کمر تک، کوئی گردن تک پسینے میں ڈوبا ہوگا۔ آخر سب آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کے لیے درخواست کریں گے۔ آپ اپنی معذوری بیان کریں گے۔ چنانچہ مختلف انبیاء کے پاس باری باری حاضر ہوں گے، لیکن ناامید ہو کر لوٹیں گے۔ آخر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جب جائیں گے تو آپ جواب دیں گے کہ میں خود تو شفاعت کی جرأت نہیں کر سکتا البتہ تمہیں ایک ایسی ہستی کا پتہ بتاتا ہوں جس کے پاس سے کوئی سائل نامراد واپس نہیں لوٹتا۔ وہ سب کو بارگاہ محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ اطیب التحیۃ والثناء کی طرف جانے کا حکم دیں گے۔ جب در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد سب مخلوق شکستہ خاطر، پراگندہ حال وہاں جائے گی اور شفاعت کی درخواست کرے گی۔ ان درخواست کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جو آج بڑے طمطراق سے شفاعت مصطفوی کا انکار کرتے ہیں اور اگر انکار نہیں کر سکتے تو اس کی ایسی تاویل کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایسی خود ساختہ شرائط کا اضافہ کرتے ہیں کہ شان مصطفوی کا ظہور نہیں ہوتا۔ وہ لوگ بھی اس دن حاضر ہوں گے۔ حضور سرور عالم ﷺ سب کی فریاد سُن کر فرمائیں گے اَنَا لَهَا، اَنَا لَهَا۔ ہاں میں تمہاری شفاعت کروں گا، ہاں مجھے یہ منصب حاصل ہے کہ میں تمہاری شفاعت کروں۔ چنانچہ حضور ﷺ عرش الٰہی کے قریب جا کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اپنے پروردگار کی حمد و توصیف کی حد کر دیں گے۔ عرش والا فرمائے گا اِرْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ۔ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ اے پیکر ہر خوبی و زیبائی! اپنا سر مبارک اٹھاؤ، تم مانگتے جاؤ، میں دیتا جاؤں گا۔ تم شفاعت کرتے جاؤ، میں شفاعت قبول کرتا جاؤں گا۔ اذن شفاعت سے شرف یاب ہو کر مقام محمود پر جلوہ فگن ہوں گے۔ لواء الحمد (حمد کا پرچم) دست مبارک میں جھوم رہا ہوگا اور جو آئے گا سب کو پناہ دیتے جائیں گے''۔ (2)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى شَفِيْعِ الْاُمَمِ۔ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى صَاحِبِ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى حَامِلِ لِوَاءِ الْحَمْدِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَزْكٰهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَسْنٰهَا وَمِنَ الْبَرَكَاتِ اَعْلَاهَا وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ عَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ وَاحْشُرْنَا فِيْ زُمْرَتِهٖ تَحْتَ لِوَاءِ الْحَمْدِ۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَكْرَمُ الْمَسْئُوْلِيْنَ۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص182

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرد علی الجہمیۃ وغیرہم التوحید، باب قولہ تعالیٰ لما خلقت بیدی، ج2، ص2-1101 (ملخصاً)

شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ

چاہے بنا لے اپنے رب کے جوارِ رحمت میں اپنا ٹھکانا ۳۰ بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے۔ اس دن

يَّنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲ ۲

دیکھ لے گا ہر شخص (ان عملوں کو) جو اس نے آگے بھیجے تھے اور کافر (بصد حسرت) کہے گا کاش! میں خاک ہوتا ۳۱

۳۰ آخر میں پھر بتا دیا کہ ان دن کا آنا برحق ہے، اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس کا جی چاہے آج اس راستہ پر چل کھڑا ہو جو اس کو اس کے رب کی طرف لے جاتا ہے۔ مَاٰبًا: مَرْجَعًا وَّ سَبِيْلًا۔ (1)

۳۱ کفار کے اعمال کا کچا چٹھا اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت سارے نشے ہرن ہو جائیں گے، ساری نخوتیں خاک میں مل جائیں گی۔ بصد حسرت و یاس کہے گا کاش! میں مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا ہوتا اور مجھے یہ روزِ بد دیکھنا نہ پڑتا۔

بعض علماء نے الکافر سے مراد ابلیس لیا ہے۔ اس روز جب اولاد آدم کے نیکوکاروں کی یہ عزت افزائیاں دیکھے تو کہے گا کہ کاش! مجھے آگ سے پیدا نہ کیا جاتا اور اس کی وجہ سے مغرور ہو کر میں گمراہ نہ ہوتا۔ کاش! میری تخلیق مٹی سے ہوتی۔ میں اپنے رب کے حضور عجز و انکساری اختیار کرتا اور آج اس رُسوائی سے دوچار نہ ہوتا۔ (2)

سُبْحَانَ ذِى الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِى الْعِزَّةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ
وَالْجَبْرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِىْ لَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَّبُّنَا وَرَبُّ
الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ فَاطِرَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ
بِالصّٰلِحِيْنَ وَارْزُقْنِىْ مُرَافَقَةَ حَبِيْبِكَ الْمُكَرَّمِ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اَللّٰهُمَّ
صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ قَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ وَ عَلٰٓى اٰلِهِ
الطَّاهِرِيْنَ وَ اَصْحَابِهِ الْمُكَرَّمِيْنَ وَعَلٰى سَائِرِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص183 2۔ ایضاً، ص184

تعارف سُورۃ النّٰزِعٰت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام ''النازعات'' ہے۔ یہ کلمہ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ اس کو ''الساہرۃ'' اور ''الطامۃ'' بھی کہا جاتا ہے (1)۔ اس میں دو رکوع، چھیالیس آیتیں ہیں، اس کے کلمات کی تعداد ایک سو ستانوے اور حروف کی تعداد سات سو ترپن ہے۔

نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس کا نزول سورۃ ''النبأ'' کے معاً بعد ہوا (2)۔ گویا یہ بھی عہد نبوت کے آغاز میں نازل ہوئی۔

مضامین: کفار کسی قیمت پر وقوع قیامت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ اُن کی اسی اُلجھن کو دور کرنے کے لیے اس سورت میں بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

اہم تکوینی فرائض کی انجام دہی پر جو ذی شان فرشتے مقرر ہیں، اُن کی قسم اُٹھا کر فرمادیا کہ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ دنیا بھر کے کفّار و مُشرکین اگر اس کا انکار بھی کرتے رہیں اور اس کے ناممکن ہونے کا فتویٰ بھی صادر کرتے رہیں اور اس کے وقوع پر اپنی خشم ناکی اور برہمی کا اظہار بھی کرتے رہیں تب بھی قیامت برپا ہو کر رہے گی۔ خداوند ذوالجلال کا یہ اعلان وقوع قیامت کی جملہ دلیلوں سے قوی اور ناقابل تردید ہے۔ بات اسی پر ختم کر دی جاتی تو مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہ تھی لیکن اس کے بعد ان کے اس اعتراض کو بھی پیش کر دیا جو وہ بڑی شدّ و مد سے کیا کرتے تھے کہ بھلا یہ ہڈیاں جب بوسیدہ اور خستہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور ہوا کے تیز جھونکے ان کو زمین کے گوشہ گوشہ میں بکھیر دیں گے۔ ان ذروں کو پھر یکجا کرنا اور ان میں روح پھونکنا قطعاً ممکن نہیں۔ اس کا جواب یہ کہہ کر دے دیا کہ جس چیز کو تم ناممکن تصور کر رہے ہو، اس کے لیے تو صرف ہمارے ایک ہچکولے کی ضرورت ہے۔ سب قبروں سے نکل کر میدان محشر میں کھڑے ہو جائیں گے۔ تم ایسا نہیں کر سکتے یہ درست ہے، تم ان بکھرے ہوئے ذروں کے مقام کو نہیں جانتے یہ درست ہے، تم ان میں از سرِ نو روح نہیں پھونک سکتے یہ درست ہے۔ لیکن کیا خالق کائنات بھی ایسا نہیں کر سکتا؟ کچھ تو سوچو، کچھ تو عقل سے کام لو!

پھر انہیں بتایا گیا کہ ان سے پہلے بھی اس قسم کے سرکش لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، انہیں اپنی قوت اور سلطنت پر بڑا ناز تھا، لیکن جب غضب الٰہی کی بجلی کوندی تو ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 22

2۔ ایضاً

فرعون کو اے اہل مکہ! تم سب جانتے ہو اس نے میری مخلوق پر جو مظالم کیے، میرے کلیم کے خلاف جو محاذ آرائی کی اس کا انجام تمہیں خوب معلوم ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو اس عبرت ناک انجام سے بچانا چاہتے ہو تو فرعونی روش کو ترک کر دو۔ میرے حبیب کی نافرمانی چھوڑ دو۔ جو دعوت وہ پاک نہاد تمہیں دے رہا ہے اس کو بطیب خاطر قبول کر لو۔ دونوں جہانوں میں فوز و کامرانی ملے گی۔

اس کے بعد پھر اپنی قُدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کے شواہد پیش کیے اور لوگوں کو دعوت دی کہ چشم ہوش کھولیں اور خود فیصلہ کریں کہ جو ذات ان پر اُمور قادر ہے، اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ذرا مشکل نہیں۔ ساتھ ہی وقوع قیامت میں جو حکمت ہے، اس کا ذکر فرمایا۔

کفار بار بار یہ پوچھتے کہ اگر قیامت آنی ہے تو آپ ذرا اس کی تاریخ تو بتا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب اس کی تاریخ بیان کرنا آپ کے فرائض میں سے نہیں اور حکمتِ الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ خبر صیغۂ راز میں رہے۔ آپ کا بس اتنا ہی فرض ہے کہ آپ انہیں ڈراتے رہیں تا کہ یہ لوگ اپنی بروقت اصلاح کر لیں۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷۷-۴-۶

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّ فِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ النازعات مکی ہے اس کی چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾

قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں ۱؎ اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں ۲؎ اور تیزی سے پیرنے والے ہیں ۳؎

۱؎ اس سورت کا آغاز بھی پانچ قسمیں کھا کر کیا گیا ہے، لیکن یہاں بھی مقسم بہا کے بجائے ان کے اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ پانچ کون سی چیزیں ہیں جن کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ یہاں صرف دو قول ذکر کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

پہلا قول تو یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی صفات ہیں۔ اس قول کے مطابق آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جسموں میں غوطہ لگا کر بڑی سختی اور شدّت سے روحوں کو باہر نکالتے ہیں۔ اَلنَّزْعُ: جَذْبٌ بِالشِّدَّةِ۔ سختی سے کسی چیز کے کھینچنے کو نزع کہا جاتا ہے اور جب اس پر غَرْقًا کا اضافہ کیا جائے تو پھر اس شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اَىْ اِغْرَاقًا فِى النَّزْعِ مِنْ اَقَاصِى الْاَجْسَادِ (روح المعانی) (1) یعنی جسم کے دور دراز حصوں میں ڈوب کر روح کو نکالنا۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو قبض کرتے ہیں، کیونکہ جب موت آتی ہے تو کافر کی روح جسم سے نکلنے سے انکار کر دیتی ہے۔ فرشتے اس کے رگ و ریشہ میں گھس کر اس کو باہر کھینچ لاتے ہیں۔

۲؎ اَلنَّشْطُ: اَلْاِخْرَاجُ بِرِفْقٍ وَّ سُهُوْلَةٍ (2)۔ کسی چیز کو نرمی اور آسانی سے باہر نکالنے کو عربی میں نشط کہتے ہیں جیسے کنوئیں سے پانی کا ڈول نکالا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومن کی روح کو قبض کرنے آتے ہیں (3)۔ وہ روح پہلے ہی محبوب حقیقی کے وصال کے لیے بے تاب ہوتی ہے اور اس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوتی ہے جب قفسِ جسم سے اُسے اذنِ رہائی ملے۔ چنانچہ فرشتوں کو مومن کی رُوح قبض کرنے کے لیے کسی دقّت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ اشارہ ملتے ہی وہ بدن کی زنجیروں کو توڑتی ہوئی باہر نکل آتی ہے۔

۳؎ سَبْح کا معنی ہے پانی میں تیرنا، تیز رفتار گھوڑے کو بھی فَرَسٌ سَابِحٌ کہتے ہیں (4)۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ان روحوں کو لے کر فضائے عالم میں تیرتے ہوئے بڑی برق رفتاری سے بارگاہ ربانی میں پیش کرتے ہیں، یا وہ فرشتے ہیں جو احکام کی تعمیل میں آناً فاناً شرق سے غرب، اوپر سے نیچے محو پرواز رہتے ہیں۔ (5)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز30، ص23

2۔ ایضاً

3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص314

4۔ لسان العرب، ج2، ص470

5۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، 315

وقف لازم

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۟ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۟ۘ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۟ۙ ⑥

پھر تعمیلِ ارشاد میں جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں ؁۴ پھر حسبِ حکم (ہر کام کا) انتظام کرنے والے ہیں ؁۵ جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی ؁۶

؁۴ وہ فرشتے جو احکام خداوندی کے بجالانے میں ذرا سستی نہیں کرتے، دوڑ دوڑ کر ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں، تعمیل ارشاد ربانی میں بڑی چُستی اور مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

؁۵ جن تکوینی فرائض کی انجام دہی ان کو سونپی گئی ہے، ان کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔ اس کارخانۂ ہستی میں موت و حیات، صحت و بیماری، بارش وطوفان، ہوائیں اور آندھیاں اور دیگر مختلف تغیّرات اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مختلف فرشتوں کو تفویض کیے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے اَلْمَلَائِكَةُ وُكِّلَتْ بِتَدْبِيْرِ اَحْوَالِ الْاَرْضِ فِي الرِّيَاحِ وَالْاَمْطَارِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ (1)۔ ''کہ زمین کے مختلف احوال کی تدبیر مثلاً ہوائیں، بارشیں وغیرہ مختلف فرشتوں کو سونپی گئی ہیں''۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سابط سے منقول ہے کہ امور دنیا کی تدبیر چار ملائکہ کے سپرد ہے۔ جبرئیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل۔ ہواؤں اور خدائی لشکروں کا انتظام جبرئیل کے ذمّہ ہے۔ بارشوں اور کھیتی باڑی کے کام میکائیل کے سپرد ہیں۔ بحروبر میں روحوں کو قبض کرنا عزرائیل کی ذمہ داری ہے اور اسرافیل تمام احکام ان تک پہنچاتے ہیں (2)۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صفات، نفوس فاضلہ اور ارواح کاملہ کی ہیں اور انہی کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ نازعات سے مراد ان کا جسموں سے اپنا تعلق منقطع کرنا ہے (3)۔ جس جسم کے گھوڑے پر سوار ہو کر انہوں نے رضائے الٰہی اور قرب خداوندی کی منزلیں طے کی ہیں اس سے جدائی انہیں شاق گزرتی ہے۔ عالم ملکوت کی طرف رجوع کرنے کا جب انہیں حکم ملتا ہے تو ان کی خوشی ونشاط کی حد نہیں رہتی۔ شاداں وفرحاں وہاں سے وہ روانہ ہوتے ہیں۔ فضائے بسیط میں تیرتے ہوئے وہ حظائر قدس کی طرف تیزی سے پرواز کرتے ہیں۔ اپنے شرف اور قوت روحانی کے باعث انہیں المدبرات کے زُمرے میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ تدبیر کے اسی مقام پر فائز ہونے کے باعث دنیا سے مفارقت کے باوجود ان سے ایسے آثار واحوال ظاہر ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ اہل دنیا کرتے رہتے ہیں۔

یہ بیان کرنے کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ وَلَا شَكَّ فِيْ اَنَّهٗ يَحْصُلُ لِزَائِرِهِمْ مَّدَدٌ رُّوْحَانِيٌّ بِبَرَكَتِهِمْ وَ كَثِيْرًا مَّا تَنْحَلُّ عُقَدُ الْاُمُوْرِ بِاَنَامِلِ التَّوَسُّلِ اِلَى اللهِ تَعَالٰى بِحُرْمَتِهِمْ۔ (روح المعانی) (4) یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص ان کی زیارت کے لیے جاتا ہے ان کی برکت سے اسے روحانی مدد نصیب ہوتی ہے اور اکثر مشکل امور کی پیچیدہ گرہیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی حرمت کے وسیلہ سے کھل جایا کرتی ہیں۔

یہ پانچ قسمیں کھائی گئی ہیں لیکن جوابِ قسم محذوف ہے یعنی لَتُبْعَثُنَّ کہ تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ (5)

؁۶ رَجَفَ: اِضْطَرَبَ اِضْطِرَابًا شَدِيْدًا۔ قَالَ اَبُوْ اِسْحَاقَ الرَّاجِفَةُ: الْاَرْضُ تَرْجُفُ: تَتَحَرَّكُ حَرْكَةً شَدِيْدَةً (لسان العرب) (6) کسی چیز کے تھرتھر کانپنے کو رَجَفَ کہتے ہیں۔ ابو اسحاق کا کہنا ہے کہ راجفة سے مراد زمین ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں اَلْمُرَادُ بِهَا الْاَجْرَامُ السَّاكِنَةُ الَّتِيْ تَشْتَدُّ حَرْكَتُهَا حِيْنَئِذٍ كَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ (روح المعانی) (7) یعنی راجفة سے مراد

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 192
2۔ ایضاً
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 24
4۔ ایضاً
5۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 316
6۔ لسان العرب، ج 9، ص 13-112
7۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 26

تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ قُلُوۡبٌ یَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾ اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ وقف لازم

اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا ۷ کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی ۸

یَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِی الۡحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا

کافر کہتے ہیں کیا ہم پلٹائے جائیں گے اُلٹے پاؤں ۹ (یعنی جب) ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں

نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا کَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وقف لازم

گے ۱۰ بولے یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی ۱۱ (پس اس واپسی کے لیے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے

وہ تمام ساکن چیزیں ہیں جو اس وقت زور زور سے کانپنے، لرزنے لگیں گی جیسے زمین، پہاڑ وغیرہ۔ یعنی جب نفخہ اُولیٰ ہوگا اور نظام کائنات کے درہم برہم ہونے کا حکم صادر ہوگا تو یوں محسوس ہوگا کہ زبردست زلزلہ کے جھٹکوں سے زمین، پہاڑ، قلعے، مکانات اور ان کے اونچے درخت سب لرزنے لگے ہیں۔

۷ گھوڑے پر جو سوار کے پیچھے آدمی بیٹھتا ہے اس کو ردیف کہتے ہیں۔ یعنی اس کے فوراً بعد عالم بالا میں کہرام مچ جائے گا۔ آسمان، ستارے، مہر و ماہ آپس میں ٹکرانے لگیں گے، ہر چیز اپنی اپنی جگہ سے اُکھڑنے لگے گی (1)۔ وَقِیۡلَ الۡاَجۡرَامُ التَّابِعَةُ وَهِیَ السَّمَاءُ وَالۡکَوَاکِبُ فَاِنَّهَا تَنۡشَقُّ وَتَنۡتَشِرُ بَعۡدُ۔

بعض علماء کے نزدیک رَادِفَةٌ سے مراد نفخہ ثانیہ ہے جو پہلے نفخہ کے بعد ہوگا جس کے بعد سب مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔

۸ بڑے بڑے شیر دل اور بہادر لوگوں کے دل دھڑکنے لگیں گے۔ وَجَفَتِ الۡقُلُوۡبُ وَجۡفًا: اِضۡطَرَبَ مِنۡ شِدَّةِ الۡفَزَعِ۔ (2) اوران کی آنکھیں فرط خوف سے جھکی ہوں گی۔ اوپر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی انہیں ہمت نہیں ہوگی۔

یہ حال کفار و منافقین کا ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس روز ہر حزن و غم سے محفوظ ہوں گے۔ ان کے دل مطمئن ہوں گے، ان کی طبیعتوں میں کسی قسم کا اضطراب نہ ہوگا۔ لَا یَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَکۡبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِکَةُ ؕ هٰذَا یَوۡمُکُمُ الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿١٠٣﴾ (الانبیاء) نہ غمناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے، انہیں بتائیں گے یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

۹ جب کوئی شخص اسی راستے سے پلٹ جائے جس پر چل کر وہ آیا ہے تو عرب کہتے ہیں رَجَعَ فُلَانٌ فِی الۡحَافِرَةِ، اَیۡ طَرِیۡقَتِهِ الَّتِیۡ جَاءَ فِیۡهَا فَحَفَرَهَا (3)۔ یعنی جس راستہ کو وہ پہلے اپنے قدموں سے کھود آیا ہے اور اپنے نقوش پا ثبت کر آیا ہے اسی پر وہ لوٹ گیا۔

ان آیات طیبات کو سن کر جن میں قسمیں کھا کر قیامت کے آنے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ہولناک مناظر بیان ہوئے ہیں، کفار از راہ مذاق ایک دوسرے کو کہتے کیا یہ سچ ہے کہ ہمیں پھر الٹے پاؤں پلٹا دیا جائے گا، یعنی جس شاہراہ حیات پر چل کر ہم قبر کی منزل تک پہنچے ہیں، کیا پھر لحد سے اٹھا کر زندگی کی اسی روندی ہوئی راہ پر ہمیں چلنا پڑے گا۔

1۔ لسان العرب، ج9، ص116
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز30، ص26
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص188

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ

وقف لازم

پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے ۱۲ـــه (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ کی خبر؟ جب ان کے رب نے

رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۖ﴿۱۷﴾

انہیں طُویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا ۱۳ـــه (کہ) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۙ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۚ﴿۱۹﴾

پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے اور (کیا تو چاہتا ہے کہ) میں تیری رہبری کروں تیرے رب کی طرف تاکہ تو (اس سے) ڈرنے لگے ۱۴ـــه

۱۰ـــه اور یہ واپسی اس کے بعد ہوگی جب صدیاں گزرنے کے بعد ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور کھوکھلی ہو کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی۔ یہ بالکل اَن ہونی بات ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نَخِرَةٌ: مِنْ نَخِرِ الْعِظَمِ اَیْ بَلَا وَصَارَ اَجْوَفَ تَمُرُّبِهِ الرِّيْحُ فَيُسْمَعُ لَهٗ نَخِيْرٌ اَیْ صَوْتٌ (روح المعانی) (1) جب ہڈی بوسیدہ ہو جائے، اس کے اندر کا گودا گل جائے اور وہ خالی ہو جائے اور اس میں سے ہوا گزرنے لگے جس سے نخیر (آواز) پیدا ہو۔ ایسی ہڈیوں کو عِظَامٌ نَّخِرَةٌ کہتے ہیں۔

۱۱ـــه کہنے لگے اگر ایسا ہو گیا تو پھر ہمیں تو خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔ ہم ساری عمر اس کی آمد کو جھٹلاتے رہے۔ اس کے لیے ہم نے کوئی عمل ہی نہیں کیا، کوئی تیاری ہی نہیں کی۔ ان کی یہ گفتگو بطور استہزاء تھی۔ (2)

۱۲ـــه تم وقوع قیامت کو محال سمجھ رہے ہو۔ بوسیدہ ہڈیوں اور بکھرے ہوئے ذرّوں کو اکٹھا کرنا اور ان کو زندہ کرنا تمہیں بڑا مشکل نظر آ رہا ہے۔ ایسا کرنا بے شک تمہاری دسترس سے باہر ہے، لیکن ہمارے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں۔ صرف ایک جھڑک اور ڈانٹ کی دیر ہے۔ بحر و بر، شرق و غرب میں منتشر ذرے جمع ہو جائیں گے اور تم زندہ ہو کر جواب دہی کے لیے فوراً ہمارے روبرو، ایک صاف چٹیل کھلے میدان میں کھڑے کر دیئے جاؤ گے۔ اَلسَّاهِرَةُ: اَیِ الْبَيْضَاءُ (قرطبی) (3)

۱۳ـــه قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اچانک روئے سخن فرعون کی طرف پھر گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار مکہ انکار قیامت پر سختی سے اڑے ہوئے تھے، کسی دلیل سے وہ متاثر نہیں ہو رہے تھے، اس لیے ان کے سامنے ایک ایسے شخص کا دردناک انجام پیش کیا جا رہا ہے جو قیامت کا منکر تھا اور اسی وجہ سے وہ سرکشی و طغیان میں اتنا دور نکل گیا تھا۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اے میرے رسول کے ساتھ ٹکر لینے والو! اور اس کی باتوں کا انکار کرنے والو! تم سے پہلے فرعون جیسے مطلق العنان حکمران نے میرے رسول، موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اسی طرح ٹکر لی تھی۔ وہ بھی ان کی تکذیب کرتا اور قیامت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کا جو انجام ہوا وہ تم نے بارہا سنا ہے۔ کیا تم اپنے لیے اسی قسم کا انجام پسند کرتے ہو۔ نیز اس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ ان کفار کے انکار اور ان کی ہٹ دھرمی پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ جس طرح ہم نے موسیٰ کو کامیاب کیا اور ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کیا، اسی طرح ہم آپ کے دین کا بول بالا کریں گے اور آپ کی نبوت کا پرچم ہر جگہ لہرا دیں گے۔ طویٰ: اس وادی کا نام ہے

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 28-27

2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 318

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 197

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾

پس آپ نے (جاکر) اسے بڑی نشانی دکھائی۔ پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی ۱۵ پھر رُوگرداں ہو کر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہوگیا۔

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ

پھر لوگوں کو جمع کیا پس پکارا اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور

الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ ءَاَنْتُمْ ع ۲۶ ۲

دنیا کے (دوہرے) عذاب میں ۱۶ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے ۱۷ کیا تمہیں

جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

۱۴ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون نے بڑا اودھم مچا رکھا ہے۔ اس نے بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ رعایا کو اس نے مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے اور ان کے مفادات کو آپس میں متصادم کر دیا ہے تاکہ وہ متحد ہو کر اس کے ظلم کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند نہ کر سکیں۔ کمزوروں پر اس کے مظالم کی حد ہوگئی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بندہ ہو کر اس نے خدا بننے کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ آپ اس کے پاس جائیں اور اسے سمجھائیں کہ اس مشتِ خاک کو یہ غرور زیبا نہیں۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے رذائل سے پاک ہونے کا طریقہ سکھا سکتا ہوں۔ اگر تیری مرضی ہو تو اس راہ پر تجھے چلا سکتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہ ہے۔ اس طرح تیرے دل سے یہ غرور و پندار دور ہو جائے گا اور تیرے دل میں اپنے خدا کا خوف پیدا ہو جائے گا اور جب اس کا خوف پیدا ہو گیا تو یہ ساری سرمستیاں کافور ہو جائیں گی اور تو راہِ راست پر گامزن ہو جائے گا۔

۱۵ موسیٰ علیہ السلام، فرعون کے پاس گئے، اسے دعوتِ حق دی اور اپنی صداقت پر دلیل پیش کی۔ اپنا عصا اس کے سامنے زمین پر پھینکا جو اژدہا بن کر پھنکارنے لگا۔ لیکن اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی وہ آپ کی تکذیب سے باز نہ آیا اور کہنے لگا کہ یہ سب جادو کی کرشمہ سازی ہے۔

۱۶ پھر اس نے آپ کی طرف سے منہ موڑ لیا اور آپ کے اس معجزہ کا توڑ پیش کرنے کے لیے کوشاں ہوگیا۔ مصر کے گوشے گوشے سے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا اور ان کو بڑے بڑے انعامات کا لالچ دیا۔ وہ لوگ جنہیں اپنے فن پر بڑا ناز تھا، بڑے کروفر سے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آئے اور اپنی رسیوں پر ایسے منتر پھونکے کہ وہ سانپ بن کر لہرانے لگیں۔ یہ دیکھ کر اس کو اپنے غلبے کا یقین ہو گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا اور اسے دنیا و آخرت کے عذابوں میں مبتلا کر دیا۔

دنیا کے عذاب سے تو وہ ذلت و رسوائی مراد ہو سکتی ہے جو اسے مجمعِ عام میں اٹھانی پڑی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن کر ان سانپوں کی طرف لپکا اور انہیں نگل گیا۔ صرف یہی شکست فرعون کو نہیں ہوئی، بلکہ جن ساحروں کو وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے لایا تھا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ فرعونیت کو جو ہزیمت اور پسپائی اس میدان میں ہوئی اس کی نظیر نہیں مل سکتی اور قیامت کے دن تو اس کے ساتھ جو برتاؤ ہوگا اس کا آج تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

۱۷ فرعون کی اس ہزیمت اور تباہی میں ہر اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور جو دل اس

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَ

پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا۔ اس نے اسے بنایا ۱۸ اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا ۱۹ اور

اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾

تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو ۲۰ اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا ۲۱

نعمت سے بے بہرہ ہیں وہ کسی قیمت پر ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ ان کی آنکھ صرف اس وقت کھلے گی جب خدا کا عذاب انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا اور اس کے غضب کی بجلیاں گر کر انہیں بھسم کر دیں گی۔

۱۸ دلائل قیامت کا سلسلہ جو درمیان میں منقطع کر دیا گیا تھا اسے پھر شروع کیا جا رہا ہے۔ فرمایا ذرا غور کرو کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنا بڑا مشکل کام ہے، تم چند بالشت قد و قامت کے مالک ہو اور یہ آسمان جس کی پہنائیوں اور وسعتوں کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ پھر اس میں ان گنت تارے اور کہکشانوں کا محیر العقول اور لامتناہی سلسلہ ان سب کو کس نے پیدا کیا ہے۔ اگر تم عقل و انصاف سے بالکل محروم نہیں ہو گئے ہو تو تم بآسانی سمجھ سکتے ہو کہ جو عالم بالا کا خالق ہے، اس کے لیے تمہیں پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

۱۹ آسمان کی تخلیق میں اپنی قدرت کے کرشموں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سَمْك کا معنی سَقْف: چھت بھی ہے، یعنی آسمان کو ہم نے بہت اونچا کر دیا اور سَمْك: ارتفاع اور بلندی کو بھی کہتے ہیں (1)۔ یعنی اس کی بلندی اور اونچائی معمولی نہیں جس کا تم اندازہ کر سکو۔ اس نے آسمان کی بلندی کو اتنا اونچا کر دیا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ پھر اس گنبد مینائی کو اس طرح درست کر دیا ہے کہ اس میں کوئی جھول، کوئی شکن اور کوئی شگاف نہیں۔

۲۰ رات کی سیاہی اور دن کے اُجالے کو آسمان کی طرف منسوب کیا کیونکہ اس کا تعلق آفتاب کے طلوع و غروب سے ہے جو اجرام سماویہ میں سے ہے۔ اَغْطَشَ لَيْلَهَا اَىْ جَعَلَهٗ مُظْلِمًا۔ (2)

۲۱ دَحَا الْاَرْضَ يَدْحُوْهَا دَحْوًا: بَسَطَهَا (3)۔ زمین کو بچھا دینا، پھیلا دینا۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت قاہرہ کی اور نشانی بتاتے ہیں کہ میں نے ہی اس زمین کو تمہارے لیے بچھا دیا ہے اور اسے وسیع اور کشادہ کر دیا ہے تا کہ ان گنت مخلوقات اس پر اپنی زندگی بسر کر سکے۔

اس مقام پر یہ شبہ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کی تخلیق، آسمان کی تخلیق اور تسویہ کے بعد کی گئی۔ حالانکہ سورۂ بقرہ کی آیت 29 (خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ) اور سورۂ فصلت میں یہ صراحت مذکور ہے کہ زمین کی تخلیق پہلے ہوئی اور آسمان کو اس کے بعد پیدا کیا گیا۔ علمائے کرام نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ زمین کا کرہ پہلے بنایا گیا، اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی، لیکن زمین کو انسانی زندگی کے قابل بنانا اور اس میں ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا اور یہاں دحو زمین سے یہی مراد ہے، لیکن اس جواب کو دوسرے حضرات نے پسند نہیں کیا، کیونکہ سابقہ آیات میں صراحت موجود ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا تمہارے لیے زمین میں ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی، اس لیے دوسرے حضرات نے اس کا یہ جواب فرمایا ہے کہ

1- المنجد، ص 351 2- تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 202 3- ایضاً

أَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا (۳۱) وَالْجِبَالَ أَرْسٰهَا (۳۲) مَتَاعًا لَّكُمْ

نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ۔ اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیے۔ سامانِ زیست ہے تمہارے لیے

وَلِأَنْعَامِكُمْ (۳۳) فَإِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى (۳۴) يَوْمَ يَتَذَكَّرُ

اور تمہارے مویشیوں کے لیے ۲۲؎ پھر جب آئے گی سب سے بڑی آفت ۲۳؎ اس دن انسان یاد کرے گا جو

الْإِنْسَانُ مَا سَعٰى (۳۵) وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَّرٰى (۳۶) فَأَمَّا مَنْ طَغٰى (۳۷)

دوڑ دھوپ اس نے کی تھی ۲۴؎ اور ظاہر کر دی جائے گی جہنم ہر دیکھنے والے کے لیے ۲۵؎ پس جس نے سرکشی کی ہو گی

زمین میں زندگی کی ضروریات کی بہم رسانی کی صلاحیت اور نشوونما کی استعداد تو پہلے ہی رکھ دی گئی، لیکن اس کا بالفعل ظہور اس وقت ہوا جب آسمان بنا۔ اس میں سورج جو منبع نور و حرارت ہے، اس کو پیدا کیا گیا۔ اس کی حرارت اور کرنوں کی تاثیر سے مختلف چیزیں پیدا ہوئیں۔ بعض علماء کا ارشاد ہے کہ یہاں بَعْدَ ذٰلِكَ سے تخلیق کی بعدیت مراد نہیں بلکہ مرتبہ کی بعدیت ہے، لیکن اس کی جو تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے وہ اتنی واضح ہے کہ اس کے بعد کسی اور تاویل کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ آپ فرماتے ہیں بَعْدَ ذٰلِكَ اس جگہ مَعَ ذٰلِكَ کے معنی میں مذکور ہے جس طرح عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ (قلم: 13) میں ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز لکھتے ہیں۔ از حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما منقول است کہ بَعْدَ ذٰلِكَ دریں جا بمعنی مع ذلك است چنانچہ آیت عتل بعد ذلك زنیم وہ جفاکار ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بداصل بھی ہے۔ (1)

۲۲؎ پانی کے میٹھے چشمے جاری کر دیئے۔ اس میں طرح طرح کی سبزیاں اور ترکاریاں اور چارہ پیدا ہونے لگا جس سے تم اپنی ضرورتیں بھی پوری کرتے ہو اور تمہارے مویشیوں، گائے، بھینس، گھوڑے وغیرہ کی خوراک کا سامان بھی مہیا ہو جاتا ہے۔ جو قادر مطلق ان تمام کاموں کو بڑی حکمت سے انجام دے رہا ہے، اس کے بارے میں تمہیں شک ہے کہ وہ قیامت کے دن تمہیں کیونکر زندہ کرے گا۔

ہماری آسائش اور نشوونما کے لیے جو ان گنت چیزیں زمین کے شکم سے نکل رہی ہیں اس میں آسمان کی بلندی، سورج اور چاند کی کرنوں کے اثرات اور سلسلہ ہائے کوہ اور زمین کی زرخیزی، ساری چیزوں کا جو حصہ ہے وہ اہل دانش سے مخفی نہیں۔ کائنات کے مختلف اجزاء میں اگر موجودہ نظم و نسق کو بدل دیا جائے تو ہر چیز بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔

۲۳؎ اب پھر احوالِ قیامت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اَلطَّآمَّةُ: اَعْظَمُ الدَّوَاهِیْ۔ سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت کو الطآمّۃ کہتے ہیں۔ جو چیز اپنی مقدار یا اپنی تعداد کی کثرت کے باعث دوسری چیزوں پر چھا جائے اسے الطآمّۃ کہا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں جَاءَ السَّيْلُ فَطَمَّ الرَّكِيَّ۔ سیلاب آیا اور اس نے تمام تالابوں اور نشیبوں کو لبریز کر دیا۔ جَرَى الْوَادِيْ فَطَمَّ عَلَى الْقَرِيِّ۔ وادی میں پانی کا ریلا آیا اور اس نے تمام حوضوں کو بھر دیا۔ قیامت کی مصیبت دوسری تمام مصیبتوں سے فزوں تر اور ہولناک ہے۔ اس لیے اس کو طامہ کہا گیا اور ساتھ ہی کبریٰ کا اضافہ کر کے تاکید کر دی گئی تاکہ کوئی شک نہ رہے۔ (2)

1۔ فتح العزیز، زیر آیت ہذا، ص 128

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 30، ص 35

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۳۸ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۳۹ وَاَمَّا مَنْ

اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو ۔ تو دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہوگا ۲۶ اور جو

خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۴۰ فَاِنَّ الْجَنَّةَ

ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بُری) خواہش سے ۔ یقیناً جنت ہی

هِيَ الْمَاْوٰى ۴۱ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۴۲ فِيْمَ اَنْتَ

اس کا ٹھکانا ہوگا ۲۷ یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پُوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی ۔ اس کے بیان

۲۴ اس وقت انسان کی نگاہوں کے سامنے اس کی زندگی کی فلم گھومنے لگے گی۔ وہ اعمال جو اس کو بالکل بھول گئے تھے، ایک ایک کر کے نسیان کی گہرائیوں سے ابھرنے لگیں گے۔ اگر اس نے اچھے کاموں میں زندگی گزاری تھی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ ہو گی اور اگر بداعمالیوں میں عمر برباد کر کے آیا تھا تو اس روز اس کا ملال دیدنی ہوگا۔ یا یہ کہ اس کے سامنے اس کے صحائف عمل کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔ جو باتیں اس کو فراموش ہوگئی تھیں وہ بھی یاد آنے لگیں گی۔

۲۵ جس جہنم کا وہ آج تک انکار کرتا رہا تھا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۔

۲۶ اس وقت اولاد آدم دو گروہوں میں بٹ جائے گی۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جنہوں نے سرکشی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑ دیا اور دنیوی زندگی کے آرام و آسائش کو ابدی زندگی کے آرام و آسائش پر ترجیح دی۔ ان کی جدوجہد دولت کے حصول، شہرت و ناموری حاصل کرنے کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کے شب و روز اسی ادھیڑ بن میں گزرتے رہے کہ وہ اس دنیا میں اونچے سے اونچے منصب پر فائز ہوں، اپنی اخروی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے، وہاں سرخروئی حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی وقت نہ تھا اور نہ کبھی اس کے بارے میں انہوں نے سوچنے کی زحمت گوارا کی۔ فرمادیا ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جن عظمتوں کو حاصل کرنے کے لیے وہ لگے رہے، وہ فانی تھیں۔ چند روز ان کی عظمت کا ڈنکا بجا اور پھر ہمیشہ کے لیے فنا کی وادیوں میں گمنام ہوگئے۔

۲۷ اور دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو عمر بھر یہ تصور کر کے ڈرتے رہے کہ انہوں نے ایک دن اپنے رب کے رُوبرو کھڑے ہونا ہے۔ انہوں نے اپنے نفس کے گھوڑے کو کبھی بے لگام نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے شریعت کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑنے کی اسے ہرگز اجازت نہیں دی۔ وہ اس کو ایسی خواہشات سے جو احکام الٰہی سے متصادم تھیں، سختی سے باز رکھا کرتے تھے۔ آج جنت کی بہاریں ان کے لیے چشم براہ ہیں۔ حوریں رنگین اور خوشبودار پھولوں کے ہار پروئے ہوئے ان کا انتظار کر رہی ہیں۔

عارفِ ربّانی یعقوب چرخی ھَوٰی کا معنی کرتے ہیں الھَوٰی: میل کردن دل بآنچہ نشاید۔ دل کا کسی ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جو نا جائز ہو(1)۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ الھَوٰی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَلْھَوٰی: اَلْاِنْھِدَارُ وَالسُّقُوْطُ مِنْ عُلُوٍّ۔ بلندی

1۔ تفسیر یعقوب چرخی، زیر آیت ہذا، پارہ 30، ص 113

مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾

کرنے سے آپ کا کیا تعلق ۲۸؎ آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے ۲۹؎ آپ ضرور خبردار کرنے والے ہیں ہر اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو ۳۰؎

سے پستی کی طرف گرنا اور لڑھکنا۔ فرماتے ہیں ہویٰ کو ہویٰ اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کو دنیا میں ہر مصیبت میں پھنساتی ہے اور آخرت میں ہاویہ یعنی جہنم میں پھینکتی ہے۔ قِيْلَ سُمِّيَ بِهٖ لِاَنَّهٗ يَهْوِىْ صَاحِبَهٗ فِى الدُّنْيَا اِلٰى كُلِّ دَاهِيَةٍ وَّفِى الْاٰخِرَةِ اِلَى الْهَاوِيَةِ(1)۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہوائے نفس کے ترک کے کئی مرتبے ہیں۔ سب سے نیچے والا درجہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی مخالفت سے اجتناب۔ نیز اسلاف کرام کے متفق علیہ عقائد کی مخالفت سے پرہیز۔ اس کا درمیانی درجہ یہ ہے کہ انسان کسی گناہ کا ارادہ کرے اور پھر قیامت کی حاضری کے خوف سے اس سے باز رہے اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی مخالفت کرتا رہے۔ وَجَدْتُّ طَرِيْقًا اَقْرَبَ طُرُقٍ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَهِىَ الْمُخَالَفَةُ مَعَ النَّفْسِ(2)۔ فرماتے ہیں کہ نفس کی چالیں بڑی باریک ہوتی ہیں۔ کبھی وہ گناہوں سے انسان کو اپنے رب سے دور کرتا ہے اور کبھی نیک اعمال کے باعث ریا اور خود بینی کے جذبات کو ابھار کر انسان کو دور کرتا ہے۔

شیخ پانی پتی لکھتے ہیں اَلْحِصِيْنُ فِىْ كُلِّ الْحِصِيْنِ اَلْحِصِيْنُ فِىْ هٰذَا الْمَقَامِ: اَلتَّثَبُّتُ بِذَيْلِ شَيْخٍ فَانٍ فِى اللّٰهِ بَاقٍ بِهٖ وَاَنْ لَّا يَفْعَلَ شَيْئًا اِلَّا بِاَمْرِهٖ وَاَجَازَتِهٖ(3)۔ یعنی ہوائے نفس کی دست درازیوں اور شب خونوں سے بچنے کا محفوظ ترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے شیخ کامل کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھے اس کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔

حضرت یعقوب چرخی نے اپنے شیخ خواجہ نقشبند سے پوچھا کہ اگر کسی کو ایسا شیخ کامل نصیب نہ ہو تو وہ کیا کرے، تو آپ نے فرمایا کہ وہ کثرت سے استغفار پڑھا کرے یا ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ یہ استغفار پڑھے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ (4)

آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث پاک بھی سن لیجئے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ هَوًى مُّتَّبَعٌ وَّ شُحٌّ مُّطَاعٌ وَّاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِىَ اَشَدُّهُنَّ (رواہ البیہقی عن ابی ہریرہ)(5)

ترجمہ: امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین چیزیں انسان کو ہلاک کرنے والی ہیں۔ نفس کی وہ خواہش جس کی پیروی کی جائے۔ بخل اور کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے اور خود بینی کہ انسان اپنے نفس کو بہتر سمجھنے لگے، فرمایا یہ تیسری چیز سب سے زیادہ مہلک ہے۔

۲۸؎ جب کفار کو قیام قیامت کے متعلق بتایا جاتا تو وہ یہ پوچھنا شروع کر دیتے، بتائیے یہ قیامت کس تاریخ کو برپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے محبوب! آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ قیامت کے دن کا تعین کر کے انہیں بتائیں، بلکہ آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہ ہے کہ آپ انہیں خواب غفلت سے جگائیں۔ انہیں دعوت حق سنائیں تاکہ آپ کی دعوت کو قبول کر

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 192

2۔ ایضاً، ص 194

3۔ ایضاً

4۔ تفسیر یعقوب چرخی، زیر آیت ہذا، پارہ 30، ص 114

5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 193

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾ ع ٢

گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح ۳۱

کے اور آپ کے ارشادات پر عمل کر کے قیامت کے دن یہ سرخروئی حاصل کر سکیں اور ان کا فائدہ اسی میں ہے۔ اگر ان کو قیامت کی تاریخ بتا بھی دی جائے تو اس سے انہیں کیا فائدہ۔ یہ لوگ بے مقصد باتوں میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں اور وہ امور جن میں ان کا نفع ہی نفع ہے ان کی طرف یہ متوجہ نہیں ہوتے۔ بعض نے فِیْمَ پر وقف کیا ہے اور اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰىهَا ان کے سوال کا جواب ہے کہ آپ اس قیامت کی یاددہانیوں میں سے اور اس کی نشانیوں میں سے ایک ہیں۔ (1)

۲۹ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جب وہ چاہے گا قیامت برپا ہو جائے گی۔

۳۰ آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ ان کے لیے قیامت کی تاریخ کا تعین فرمائیں بلکہ آپ کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو بروقت خبردار کر دیں تا کہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔

۳۱ آج تو انہیں دنیا کی زندگی بڑی طویل معلوم ہو رہی ہے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جو چیز اتنے لمبے عرصہ میں وقوع پذیر نہیں ہوئی، اس کے بعد اس کے وقوع پذیر ہونے کا امکان ہی نہیں۔ اس کا انتظار کرنا عبث اور بے سود ہے۔ فرمایا جب قیامت برپا ہو گی تو اس وقت انہیں اپنی طویل زندگیاں بڑی مختصر معلوم ہوں گی۔ اس وقت وہ قلت وقت کا شکوہ کریں گے۔ کہیں گے ہم پل بھر کے لیے دنیا میں گئے اور پھر واپس بلا لیے گئے۔ ہمارا قیام صرف اتنی دیر رہا جتنی دیر صبح و شام کا وقت ہوتا ہے۔ ہمیں غور و فکر کی مہلت ہی نہیں ملی۔ ہمیں سوچ بچار کا وقت ہی نہیں دیا گیا۔ اتنے قلیل وقت میں ہم اس حقیقت کو کس طرح سمجھ سکتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ السُّعَدَاءِ الَّذِيْنَ خَافُوْا مَقَامَ رَبِّهِمْ وَنَهَوُا النَّفْسَ عَنِ
الْهَوٰى وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَ حَبِيْبِكَ الْمُكَرَّمِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 38

تعارف سُوْرَةُ عَبَسَ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: اس سورت کا نام عبس ہے جو اس سورت کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں ایک رکوع، بیالیس آیتیں، ایک سو تیس کلمات اور پانچ سو تینتیس حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (1)

مضامین: حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خالوزاد بھائی تھے اور ان خوش نصیبوں میں سے تھے جن کا شمار ''اَلسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ'' میں ہوتا ہے۔ یہ نابینا تھے۔ ایک روز بارگاہ رسالت میں شیبہ، عتبہ پسران ربیعہ، ابوجہل، امیہ ابن خلف، ولید ابن مغیرہ، عباس ابن عبد المطلب اور دیگر رؤساء قریش حاضر تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی دلسوزی اور محویت سے انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکالنے کی سعی فرما رہے تھے۔ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ کی شان اپنے پورے جوبن پر تھی۔ دریں اثنا عبد اللہ ابن ام مکتوم حاضر ہوئے۔ نابینا ہونے کی وجہ سے محفل کا رنگ نہ دیکھ سکے۔ انہوں نے اپنے شوق فراواں سے مجبور ہو کر آتے ہی عرض کی: یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ عَلِّمۡنِیۡ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ(2) (اے اللہ کے رسول جو اللہ نے آپ کو سکھایا اس میں سے مجھے بھی سکھایئے)

یہ مداخلت بیجا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہ آئی۔ رُخِ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے۔ آداب مجلس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جو سلسلہ کلام پہلے شروع ہے وہ ختم ہو جائے تو نئی بات چھیڑی جائے۔ یہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ کا نہایت اہم ترین فریضہ ادا کرنے میں مصروف تھے۔ عبد اللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس بے شمار مواقع تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلجوئی کرتے ہوئے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ اس بارگاہ میں شکستہ دلوں اور سوختہ جگروں کی جو قدر و منزلت ہے وہ کسی اور کی نہیں۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے۔ وہاں محبت، پیار اور دلجوئی کی حد کر دی گئی ہے۔ لیکن اُن مقامات کے برعکس یہاں اسلوب بیان میں بڑا جلال ہے۔ انداز خطاب میں تندی کا پہلو غالب ہے۔ بظاہر غلطی حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے کہ انہوں نے مجلس نبوت کے آداب کا پاس نہ رکھا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی اپنے ذاتی کام میں مصروف نہ تھے بلکہ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ کے حکم کی تعمیل میں مشغول تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ عبد اللہ کو سرزنش کی جاتی کہ انہوں نے فرائض نبوت کی ادائیگی میں مداخلت کیوں کی

1۔ روح المعانی، جز30، ص39

2۔ ایضاً

ہے۔ لیکن ان کے بجائے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ فرما دی کہ آپ نے ناگواری کا اظہار کیوں کیا اور اس سے بے رُخی کیوں بَرتی۔ اس میں کیا حکمت ہے۔

آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا تند لہجہ اختیار کر کے روسائے مکہ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو چار چاند لگ جائیں گے۔ پیغمبر اسلام کی عزت اور توقیر میں اضافہ ہوگا۔ انہیں اسلام کی چنداں ضرورت نہیں، اس لیے جس محفل میں وہ موجود ہوں کسی دوسرے شخص کو درخور اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ یہاں تو اس کو پذیرائی بخشی جاتی ہے جو خلوص اور طلب صادق لے کر حاضر ہوتا ہے۔ خواہ وہ مفلس و کنگال ہی کیوں نہ ہو۔ جس شخص کو اپنی دولت اور جاہ و منصب پر گھمنڈ ہے جس کے دل میں جذبہ صادقہ نہیں اس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں، انہیں اسلام کی ضرورت ہے تا کہ اس کی برکتوں اور ضیا پاشیوں سے ان کا تاریک مستقبل درخشاں ہو جائے۔ اسلام کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر وہ اس سے فیض یاب نہ ہوں گے تو کوئی دوسرے خوش نصیب اس چشمہ شیریں سے آ کر سیراب ہوں گے۔ قیامت تک آنے والے رئیسوں، دولت مندوں، خاقانوں اور قیصروں کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا۔ آیات کے لہجہ میں یہ تندی ایک اہم ضرورت کے پیش نظر اختیار کی گئی۔

جو لوگ ان آیات سے سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبہ عالیہ کی تنقیص کرتے ہیں، وہ پرلے درجے کے کم فہم ہیں پہلے بھی اہل نفاق کا یہ شیوہ تھا۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ ایک امام ہمیشہ نماز میں اسی سورت کی قراءت کرتا ہے تو آپ نے ایک آدمی بھیجا جس نے اس کا سر قلم کر دیا۔ چونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ عالی کی تنقیص کے ارادے سے اس کی قراءت کیا کرتا تھا کہ مقتدیوں کے دل میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کم ہو جائے۔ اس لیے نگاہ فاروق میں وہ مرتد تھا۔ اور مرتد واجب القتل ہوا کرتا ہے (روح البیان)(1) ایسے مقامات پر انسان کو سنبھل کر قدم اٹھانا چاہیے مبادا ایمان کی شمع گل ہو جائے۔

آیت نمبر 17 سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے۔ انسان کی ناشکری کی کیفیت بتائی جا رہی ہے کہ جس رب کریم نے اس کو پیدا کیا اور اس کے ظاہری اعضاء اور باطنی قویٰ میں موزونیت کا خیال رکھا۔ پھر اس کی خوراک کا سامان مہیا فرما دیا۔ اس کو کبھی خیال نہ آیا کہ وہ ایسے کریم پروردگار کا شکریہ ادا کرے، اس سے بڑھ کر اور بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے۔

آیت نمبر 33 سے آخر تک احوال قیامت کی طرف متوجہ کر دیا تا کہ انسان آج ہی اس امتحان کے لیے تیاری شروع کر دے۔

نیو ڈسٹرک جیل سرگودھا
۲۳-۴-۷۷

1۔ روح البیان، ج10، ص391

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعٌ وَّاحِدٌ كَذَا اٰلَخ

سورۂ عبس مکی ہے اس کی بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ③

چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا ۱؎ (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا ۲؎ اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا ۳؎

۱؎ ایک روز بارگاہ رسالت میں روسائے قریش عتبہ، شیبہ پسرانِ ربیعہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ حاضر تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں دعوت اسلام دے رہے تھے کہ اچانک عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور آداب مجلس کی رعایت کیے بغیر عرض کرنے لگے: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَقْرِئْنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو سکھایا ہے، مجھے بھی وہ سکھایئے اور مجھے پڑھ کر سنایئے۔ ان کا یہ انداز گفتگو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گزرا۔ ناگواری کے آثار چہرہ مبارک پر بھی نمایاں ہوئے۔ جبین سعادت پر شکن پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

امام فخر الدین رازی یہاں ایک سوال اٹھاتے ہیں۔ پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ غلطی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کو دعوت اسلام دے رہے تھے۔ انہوں نے قطع کلام کرتے ہوئے اپنی بات چھیڑ دی۔ نیز ایک کافر کو دعوت اسلام دینا، ایک مسلمان کو قرآن کی تعلیم سے مقدم ہے۔ نیز بارگاہ رسالت کے جو آداب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو سکھائے تھے وہ تو یہ تھے کہ عامیانہ انداز میں حجروں سے باہر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نہ بلائیں، بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا انتظار کریں۔ پھر اس محفل میں تو انہیں سراپا ادب بن کر بیٹھ رہنا چاہیے تھا، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ سے فارغ ہوتے اور پھر یہ اپنی گزارش کرتے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر عتاب حضرت عبداللہ کو ہونا چاہیے تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عتاب کرنے میں کیا حکمت ہے۔

رازی فرماتے ہیں کہ یہ ساری باتیں بجا ہیں اور عتاب کی اس کے بغیر اور کوئی حکمت نہیں کہ وہ کفار جو اس وقت حاضر تھے، وہ مکہ کے سردار اور دولت مند لوگ تھے، انہیں اپنی اس برتری کا احساس بھی تھا اور اس پر انہیں گھمنڈ بھی تھا۔ ان کی موجودگی میں اپنے کسی نیازمند کے ساتھ یہ بے اعتنائی عام لوگوں کو اس غلط فہمی میں بآسانی مبتلا کر سکتی تھی کہ یہ بے رخی، تبلیغ میں انہماک کی وجہ سے نہیں برتی گئی، بلکہ محض ان لوگوں کی دولت وثروت اور ان کی ریاست کی وجہ سے ان کی پاسداری کی گئی ہے اور عبداللہ کو محض اس لیے نظر انداز کیا گیا ہے کہ یہ غریب عوام کا ایک فرد ہے اور جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی غریب نواز بنا کر ہو، جس کا مقصد اولین ہی شکستہ دلوں اور غمزدوں کی دل جوئی اور دل داری ہو اور جو تشریف ہی اس لیے لایا ہو کہ فقراء و مساکین کی عزت افزائی کرے، اس ہستی سے کسی ایسی

بات کا صدور جس سے اس کے منصب رفیع کے خلاف کوئی واہمہ پیدا ہو سکے، اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں۔

عبداللہ بن ام مکتوم کے دل نیاز مند پر صدہا شیبہ وعتبہ قربان کیے جاسکتے ہیں۔ بارگاہ نبوت کے درویشوں اور فقیروں کی درویشی وفقر کے سامنے دنیا بھر کے رئیسوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ (1)

قطرۂ آب وضوئے قنبرے　　در بہا برتر زخون قیصرے

قنبر کے وضو کے پانی کا قطرہ، قیصر کے خون ناب سے قدر و قیمت میں کہیں فزوں تر ہے۔

لیکن اس عتاب میں بھی لطف وکرم اور پیار کے جلوے دمک رہے ہیں۔ عتاب کرتے ہوئے عَبَسَتَ وَتَوَلَّيۡتَ خطاب کے صیغے استعمال نہیں کیے بلکہ غیاب کے پردے میں عتاب کیا گیا ہے، کیونکہ رُوبرو عتاب خاطر عاطر پر بہت گراں گزرتا۔

ان آیات کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب حضرت عبداللہ حاضر ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے مَرۡحَبًا بِمَنۡ عَاتَبَنِيۡ فِيۡهِ رَبِّيۡ۔ خوش آمدید! اے وہ شخص جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا۔ پھر پوچھتے هَلۡ لَّكَ مِنۡ حَاجَةٍ۔ کوئی کام ہے تو بتاؤ۔ کسی مہم کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیرون مدینہ تشریف لے جاتے تو مدینہ میں اپنا کسی کو نائب بنا جاتے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف دو بار حاصل ہوا۔ (2)

۲ حضرت عبداللہ کو نابینا کہنے میں ان کی تحقیر مقصود نہیں بلکہ ان کی طرف سے معذرت پیش کی جارہی ہے۔ یعنی یہ نابینا معذور تھا۔ نہ محفل کو دیکھ سکا، نہ حاضرین کو پہچان سکا اور نہ اسے یہ پتہ چلا کہ آپ اس قدر مصروف ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ الفہری ہے۔ بنی عامر بن لوئی کے قبیلہ سے ہیں۔ رازی فرماتے ہیں ام مکتوم ان کی دادی تھیں، لیکن اکثر نے ام مکتوم کو ان کی والدہ لکھا ہے۔ یہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ (3)

۳ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس خاطر کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ وہ کفار جن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ تھے۔ ان میں سے کسی کے دل میں طلب حق کا جذبہ نہ تھا۔ انہیں تو اپنی دولت کا گھمنڈ اور اپنے رئیس ہونے پر ناز تھا۔ وہ آپ کی دعوت کو سمجھنے اور سمجھ کر اس کو قبول کرنے کی نیت سے حاضر نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ کی خصوصی توجہ کے باعث وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو اسلام کی ترقی اور عروج کے امکانات ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ ان نادانوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا کہ بیماروں کو مسیحا کی ضرورت ہوتی ہے، پیاسا چشموں کا محتاج ہوا کرتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ غیرت خداوندی یہ کب گوارا کرسکتی تھی کہ وہ اپنے دل میں اسلام اور ہادی اسلام کے بارے میں اس قسم کے تصورات کو جگہ دیں اور یہ درویش تو پہلے ہی حق کی شمع اپنے سینہ میں فروزاں کر چکا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی سے عہد وفا باندھ چکا تھا۔ ان ازلی محروموں کے ساتھ جو کوشش ہو رہی تھی، انہیں اس کا کوئی فائدہ پہنچنے والا نہ تھا۔ البتہ اسے جو آپ سکھاتے، وہ اسے حرز جان بناتا۔ صدق دل سے اس پر عمل کرتا، اس کا آئینہ دل اور زیادہ شفاف اور تابناک ہو جاتا۔

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج16، جز31، ص56-55

2۔ ایضاً، ص55

3۔ ایضاً

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿٤﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿٥﴾ فَاَنْتَ لَهٗ

یا وہ غور وفکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت ۴؎ لیکن وہ جو پروا نہیں کرتا ، آپ اس کی طرف تو

تَصَدّٰى ﴿٦﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴿٧﴾ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ﴿٨﴾

توجہ کرتے ہیں اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سُدھرے ۔ اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا ۔

وَهُوَ يَخْشٰى ﴿٩﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿١٠﴾ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَنْ

اور وہ ڈر بھی رہا ہے تو آپ اس سے بے رُخی برتتے ہیں ۵؎ ایسا نہ چاہیے یہ تو نصیحت ہے ۔ سو جس کا

۴؎ یا آپ اسے جو کلام الٰہی سناتے وہ اس میں مزید غور وفکر کرتا، اس سے نصیحت قبول کرتا، آپ کی یاددہانی اس کے لیے سراسر نفع بخش ہوتی۔ دعوت اسلام اگرچہ عام ہے لیکن اس سے فائدہ تو وہی اٹھاتا ہے جو اس میں غور وفکر کرے۔

۵؎ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سراپا رأفت ورحمت تھے۔ حضور ﷺ کی یہ آرزو تھی کہ کوئی بھی نعمت ایمان سے محروم نہ رہے، اس لیے پوری دل سوزی سے ہر محجوب کو اس کے حجاب سے رہائی دلانے کی سعی فرماتے۔ حضور ﷺ کی اسی کیفیت کو قرآن نے حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ کے کلمات سے یاد کیا ہے، لیکن ان کی استعداد یکساں نہ تھی۔ ان کے نظریات وافکار میں بڑا تفاوت تھا۔ کچھ تو ایسے تھے جن کے دلوں میں حق کی تلاش کا ذوق موجود تھا اور وہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کو ہی ایسا چشمہ تصوّر کرتے تھے جہاں سے ان کے ذوق کی تسکین ہو سکتی تھی۔ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ اگر داعی ان نااہلوں کی طرف زیادہ توجہ مبذول کرے اور حق کے متلاشیوں کی طرف سے بے اعتنائی برتے تو اس دعوت کی ترقی میں غیر معمولی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی تادیب وتربیت خود فرماتے ہیں اور ارشاد ہے کہ وہ شخص جو اس دعوت کی طرف سے بے نیازی کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہے، آپ اس کی طرف تو ہمہ تن متوجہ ہیں، حالانکہ اگر وہ مسلمان نہ ہو تو آپ کی بلا سے۔ نہ آپ پر اس کے اسلام لانے کی کوئی ذمہ داری ہے اور نہ آپ کو اس کے کفر سے کوئی ضرر پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہ طالب حق، جو پیغام حق سننے کے لیے سخت بے تاب ہے، فرط شوق سے آپ کے قدموں میں دوڑا چلا آ رہا ہے اور اس کے دل میں خدا کا خوف ہے، آپ اس کی طرف سے کیوں بے اعتنائی برتیں۔ اے میرے حبیب! آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ شمع ہدایت پر، پروانہ وار نثار ہونے والوں کی طرف سے بے رخی آپ کے شایان شان نہیں۔

شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿١٢﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ﴿١٣﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۙ﴿١٤﴾ بِاَيْدِيْ

جی چاہے اسے قبول کرلے ٦ یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں ٧ ایسے کاتبوں کے

سَفَرَةٍ ۙ﴿١٥﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ؕ﴿١٦﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ؕ﴿١٧﴾ مِنْ اَيِّ

ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں ٨ غارت ہو (منکر) انسان! ٩ وہ کتنا احسان فراموش ہے ١٠ کس چیز سے

شَيْءٍ خَلَقَهٗ ؕ﴿١٨﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۙ﴿١٩﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ

اللہ نے اسے پیدا کیا۔ ایک بوند سے۔ اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی ١١ پھر زندگی کی راہ اس پر

٦ اگر وقف كَلَّآ پر ہو تو پھر اس کا معنی ردع و زجر ہوگا۔ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ اور اگر كَلَّآ پر وقف نہ ہو تو پھر یہ حقًا کے معنی میں ہوگا (1) یعنی یقیناً یہ آیات ربانی ایک تذکرہ ہیں۔ جس کا جی چاہے ان سے نصیحت قبول کرے اور اپنی بگڑی بنالے اور جس کا جی چاہے ان سے اعراض کرے۔ ان لوگوں کو فوز و فلاح حاصل کرنے کے لیے اس دعوت کی حاجت ہے۔ اس دعوت کو ان کی ضرورت نہیں۔

٧ قرآنِ کریم کی عظمتِ شان کا ذکر ہو رہا ہے کہ قدرت نے اسے ان باعزت صحیفوں میں محفوظ کر دیا ہے جن کی شان بڑی اونچی ہے، جن کا مرتبہ بڑا اعلیٰ ہے، یہ ہر ملاوٹ اور آمیزش سے پاک ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ کرے یا اس میں باطل کو ملا دے۔

٨ سَفَرَة: سَافِرٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنے والا۔ کاتب کو بھی سافر کہتے ہیں کہ وہ اپنی تحریر سے اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے۔(2)

یہاں سے ان فرشتوں کی تعریف کی جا رہی ہے جنہوں نے ان پاکیزہ صحیفوں میں کلام الٰہی کو تحریر کیا ہے کہ وہ بڑے بزرگ ہیں۔ ان سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھی جا سکتی کہ انہوں نے کچھ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہوگا یا کچھ کمی کر دی ہوگی۔ وہ نیکوکار ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں غفلت و سستی ان کے لیے ناممکن ہے۔

٩ مجاہد کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی قُتِلَ الْاِنْسَانُ کے الفاظ آئے ہیں وہاں انسان سے مراد کافر ہے (3)، یعنی یہ انسان جو ہر لمحہ ہمارے احسانات سے بہرہ ور ہو رہا ہے لیکن ان کا شکریہ ادا نہیں کرتا بلکہ کفرانِ نعمت کی روش اختیار کر کے نافرمانی اور بغاوت پر آمادہ ہے، بندگی کے بجائے کفر و شرک کا پرچم بلند کیے ہوئے ہے، غارت ہو جائے ایسا انسان! اس کا وجود انسانیت کے لیے باعث ننگ و عار ہے، اس کا مٹ جانا، اس کے باقی رہنے سے کہیں بہتر ہے۔

١٠ اظہار تعجب کے لیے آیا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو بارگاہ نبوت کے درویشوں اور فقیروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور ان کی مجلس میں بیٹھنا بھی اپنی ہتک خیال کرتے تھے۔

١١ ذرا یہ لوگ اپنی اصلیت پر تو غور کریں۔ جب یہ دنیا میں آئے تو کیا ان کی سج دھج کا یہی عالم تھا، ان کے خزینے لعل و جواہر سے یوں

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 213 2۔ لسان العرب، ج 4، ص 370 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 215

يَسَّرَهٗ ۙ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۙ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ؕ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا

آسان کر دی ۱۲ پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا ۱۳ پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا ۱۴ یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ

يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ؕ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ۙ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا

نے اسے حکم دیا تھا ۱۵ پھر ذرا انسان غور سے دیکھے اپنی غذا کو ۔ بے شک ہم نے زور

ہی پر تھے کتنے کم ظرف ہیں یہ لوگ! کیا انہوں نے اس قطرۂ آب پر توجہ نہیں کی جس سے ان کا یہ پتلا تیار کیا گیا۔ شکم مادر میں ان کو کس نے پیدا کیا۔ وہ کون ہے جس نے ان کے اعضاء کی ساخت، شکل وصورت کا تعین، ان کی دماغی صلاحیتوں، ان کے مقدر کی پستی یا بلندی اور ان کی عسرت وثروت کے بارے میں آخری فیصلہ صادر فرما دیا۔ آج جب کہ ان کا طوطی بول رہا ہے، اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہیں کہ اس الٰہی فیصلہ میں رائی برابر ردّ و بدل کر سکیں۔ ایسی بے بسی اور فرعونیت کا دعویٰ پرلے درجے کی حماقت اور کوتاہ نظری ہے۔

۱۲ یہ بڑی جامع آیت ہے۔ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ رحم مادر میں اسے پروان چڑھایا، وہاں سے اس کے باہر نکل آنے کی راہ آسان کر دی، اور یہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے کہ گوناگوں قوتوں کی اس کے خمیر میں تخم ریزی کی۔ جب اسے اس دنیا میں پیدا کیا تو وہ سارے سامان بڑی فیاضی سے مہیا کر دیئے جن کی وجہ سے اس کی امکانی قوتیں عملی جامہ پہن سکیں اور ان کا پوری طرح ظہور ہو سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی نشوونما کے لیے سازگار فضا اور خوشگوار ماحول مہیا نہ کرتا تو وہ قوتیں ہمیشہ خوابیدہ رہتیں۔ وہ بیج بغیر اُگے ضائع ہو جاتے۔ یہ انسان جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے اس کو اس مرتبہ تک پہنچانے میں قدرت کے لطف وکرم کا ہاتھ ہے۔ نیز اس آیت میں یہ حقیقت بھی بیان کی گئی ہے کہ ابدی فوز وفلاح کی منزل کی طرف جانے والی شاہراہ پر نبوت کے چراغ روشن کر کے رکھ دیئے گئے ہیں جس سے سالک کو اپنی منزل تک پہنچنا آسان ہو گیا ہے۔ اگر رسالت کی تنویریں، راستے کے نشیب وفراز کو روشن نہ کر دیتیں تو انسان کی کیا طاقت تھی کہ وہ بخیریت منزل تک پہنچ سکتا۔ کسی نہ کسی فکری گرداب میں ڈبکی کھا رہا ہوتا یا کوئی لغزش اسے کسی تاریک غار میں دھکیل دیتی اور وہاں دم توڑ چکا ہوتا۔

۱۳ جب تک اس کی موت کا مقررہ وقت نہیں آتا ہزاروں خطرات میں بھی یہ سلامت رہتا ہے۔ بارش کی طرح برستے ہوئے بم بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ دشمن کی کوئی سازش اس کو گزند نہیں پہنچا سکتی اور جب صدر دفتر سے اس کی موت کا پروانہ جاری ہوتا ہے تو پھر ہزاروں محافظوں کے جھرمٹ میں سے بھی موت کا ہاتھ اسے اُچک لیتا ہے۔ پھر نہ کہیں یہ بھاگ سکتا ہے، نہ چھپ سکتا ہے، نہ خود بچ سکتا ہے اور نہ اسے کوئی بچا سکتا ہے۔ اور پھر جہاں اس کے خالق کی مرضی ہوتی ہے وہاں اسے دفن کر دیا جاتا ہے۔ زمین کا شکم، پرندوں اور درندوں کے معدے اور قعر دریا، اس کا مدفن بن سکتے ہیں۔ بے بسی کا یہ عالم اور اس پر اتنا غرور اور گھمنڈ؟

۱۴ وہ قادر مطلق جس کے فیصلے، جس کی آفرینش، پیدائش، اثنائے حیات اور موت کے بارے میں اٹل تھے وہی جب چاہے گا پل بھر میں زندہ کر کے اسے کھڑا کر دے گا۔ ۱۵ یہاں كَلَّا، حَقًّا کے مترادف ہے۔ یعنی انسان کو اس کے مالک نے جن احکام کو بجا لانے کا حکم دیا۔ افسوس کہ وہ ان کو بجا لانے سے قاصر رہا(۱)۔ اپنی کم فہمی کے باعث وہ ان احکام کو بوجھ سمجھتا رہا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 217

الْمَآءَ صَبًّا ۙ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ﴿۲۷﴾

سے پانی برسایا ۔ پھر اچھی طرح پھاڑا زمین کو ۔ پھر ہم نے اُگایا اس میں غلّہ

وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ۙ﴿۲۸﴾ وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ۙ﴿۲۹﴾ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ﴿۳۰﴾ وَّ فَاكِهَةً

اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات اور طرح طرح کے پھل

وَّ اَبًّا ۙ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ؕ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۫﴿۳۳﴾

اور گھاس ۔ سامانِ زیست تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے ١٦ پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا ١٧

اپنی ترقی کی راہ میں سنگ گراں خیال کرتا رہا، حالانکہ اگر وہ ان ارشادات کی کما حقہ تعمیل کرتا تو اس کا اپنا بھلا ہوتا۔

١٦ انسان کے احوال معاد ذکر کرنے کے بعد اب اس کے احوال معاش کا ذکر ہو رہا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور بے شمار نوازشات کے جو جلوے دمک رہے ہیں، ان کی طرف انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی تم اپنے دستر خوان پر بچھے ہوئے رنگا رنگ کھانوں کو ہڑپ کر جاتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو پیدا کیا ہے۔ بارش برستی ہے، بیج زمین کا سینہ شق کرتے ہوئے نازک نازک بالیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، پھر وہ اگتے ہیں، نشو و نما پاتے ہیں۔ کسی کھیت میں تمہارے لیے اناج کے ذخیرے تیار کیے جا رہے ہیں۔ کہیں انگوروں کی بیلیں، زمین پر بل کھاتی نشو و نما پا رہی ہیں۔ کہیں تمہارے جانوروں کے لیے چارہ اُگ رہا ہے۔ زیتون اور کھجور کے درخت کہیں بہار دکھا رہے ہیں، کہیں شاداب اور گھنے باغات ہیں جن کے درختوں کی ٹہنیاں رنگا رنگ پھولوں اور پھلوں سے لدی ہیں۔ کہیں گھاس اُگ رہی ہے جو تمہارے جانوروں کے کام آتی ہے۔ اس طرح ہم نے اپنی رحمت و قدرت سے تمہارے لیے اور تمہارے حیوانوں کے لیے سامان زیست فراہم کر دیا ہے۔

مشکل الفاظ کی تشریح: صبّ: پانی کو اوپر سے انڈیلنا۔ شَقًّا: زمین کا پھٹنا، اس کا چرنا۔ حَبًّا سے مراد ہر قسم کا اناج ہے۔ گندم جَو اور تمام وہ غلّہ جسے کاٹا جاتا ہے اور جس کا ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ اَیْ قَمْحًا وَ شَعِیْرًا وَّ سَائِرَ مَا یُحْصَدُ وَ یُدَّخَرُ۔ قَضْبًا: قضب کا لغوی معنی کاٹنا ہے۔ وہ چارہ جو کاٹنے کے بعد پھر آگ آتا ہے، اس کو بھی قضب کہتے ہیں اور وہ ترکاریاں جن کو اوپر سے کاٹا جاتا ہے اور ان کی جڑیں پھر پھوٹ آتی ہیں ان کو بھی قضب کہا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں ھُوَ الْقَتُّ وَ الْعَلَفُ: سُمِّیَ بِذٰلِکَ لِاَنَّہٗ یُقْضَبُ اَیْ یُقْطَعُ بَعْدَ ظُھُوْرِہٖ مَرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ وَ سَائِرُ الْبُقُوْلِ الَّتِیْ تُقْطَعُ فَیَنْبُتُ اَصْلُھَا (قرطبی)(1) غُلْبًا: جو درخت بھاری بھرکم ہو اس کو شَجَرَۃٌ غَلْبَاءُ کہتے ہیں۔ شیر کو اغلب کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی گردن موٹی اور بھاری ہوتی ہے۔ حَدَائِقَ غُلْبًا کا معنی یہ ہو گا کہ وہ باغات جن کے درخت بھاری بھرکم ہوتے ہیں جن کی شاخیں باغ میں پیوست ہوتی ہیں۔ اَبًّا: ھُوَ مَا تَاْکُلُہُ الْبَھَائِمُ مِنَ الْعُشْبِ۔ وہ جھاڑیاں اور گھاس جو جانوروں کے کھانے کے کام آتا ہے۔(2)

١٧ ذکر معاش کے بعد پھر ذکر معاد ہو رہا ہے تاکہ لوگ اس کے لیے تیار ہو جائیں اور اس طویل سفر کے لیے اعمال صالحہ کی زاد

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز19، ص219

3۔ ایضاً، ص220

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ لا وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ لا وَصَاحِبَتِهٖ وَ

اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور

بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ ط لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ ط وُجُوْهٌ

اپنے بچوں سے۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی ۱۸ کتنے ہی چہرے

يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ لا ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ ج وَوُجُوْهٌ

اس دن (نورِ ایمان سے) چمک رہے ہوں گے ہنستے ہوئے خوش و خرم ۱۹ اور کئی منہ

يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ لا تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ

اس دن غبار آلود ہوں گے۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر (و)

الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع

۱
ع۲
۵

فاجر لوگ ہوں گے ۲۰

فراہم کرلیں۔ الصَّآخّۃ: خلیل اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلصَّاخَّةُ صَيْحَةٌ تُصِحُّ الْاٰذَانَ صَحًّا اَیْ تُصِمُّهَا بِشِدَّةِ وَقْعَتِهَا (قرطبی) یعنی صاخّۃ اس گرجدار آواز کو کہتے ہیں جس کے شور سے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے جب کہ سب لوگ اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے (1)۔ ۱۸ اس دن عجیب افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ کسی کو دوسرے کی ہوش نہ ہوگی۔ ہر ایک اپنی مصیبت میں پھنسا ہوگا۔ ۱۹ اس ہولناک دن بھی بعض چہرے ایسے ہوں گے جو چمک رہے ہوں گے۔ خوشی سے ہنس رہے ہوں گے اور ان کے چہروں پر مسرت و فرحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ انہیں کوئی اندیشہ اور فکر نہ ہوگا۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ (2) کا منظر ساری دنیا دیکھ رہی ہوگی۔

۲۰ لیکن وہ بدنصیب جنہوں نے سرکشی اور سرتابی کرتے کرتے اپنی عمریں برباد کر دی تھیں ان کے چہروں پر خاک اُڑ رہی ہوگی، ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ساری عمر کفر کرتے رہے اور فسق و فجور میں مبتلا رہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا وَاَنْتَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اجْعَلْ وُجُوْهَنَا يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةً ضَاحِكَةً مُّسْتَبْشِرَةً۔ اَنْتَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ بِجَاهِ حَبِيْبِكَ الْمُكَرَّمِ وَرَسُوْلِكَ الْمُعَظَّمِ الَّذِىْ اَرْسَلْتَهٗ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَاَلْبَسْتَهٗ تَاجَ الشَّفَاعَةِ لِلْمُذْنِبِيْنَ اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُهٗ فِيْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ اَحَبَّهٗ وَ اتَّبَعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ يَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 222

2۔ سورۂ یونس: 62

تعارف

سُورۃ التکویر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: پہلی آیت میں کُوِّرَتْ باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ مذکور ہے جس کا مصدر تکویر ہے۔ یہی اس سورت کا نام ہے۔

زمانۂ نزول: آیات کا اسلوب گواہی دے رہا ہے کہ یہ آغاز رسالت کے عہد میں نازل ہوئی۔ نیز جن دو مسئلوں قیامت اور رسالت کو یہاں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

مضامین: قیامت اور رسالت کے بارے میں ہی یہاں دلائل وشواہد ذکر فرمائے جا رہے ہیں۔ قیامت کے دو مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جب یہ موجودہ نظام کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا۔ نہ چرخ نیلوفری رہے گا نہ مہر و ماہ کی تابانیاں رہیں گی اور نہ اَن گنت ستارے چمکتے رہیں گے۔ فلک بوس پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں غبار کی طرح اڑنے لگیں گے۔ چرند و پرند کی حالت دیدنی ہوگی۔ اس کے بعد اس کے دوسرے مرحلے کا ذکر فرمایا گیا جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ ہر چیز اپنی اپنی قبروں سے زندہ و بیدار اُٹھ کھڑی ہوگی اور سب کو بارگاہ خداوند ذوالجلال میں محاسبہ کے لیے پیش کر دیا جائے گا۔ ایک طرف آنکھوں کے سامنے دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ دوسری طرف جنت اپنی تمام زینت اور آرائش کے ساتھ بندگان خدا کے لیے چشم براہ ہوگی۔

ذکر قیامت کے بعد رسالت کا تذکرہ فرمایا پہلے متعدد قسمیں کھائیں پھر بتایا کہ حامل قرآن اللہ کا رسول ہے۔ یہ کلام جو وہ تمہیں پڑھ کر سناتا ہے۔ یہ نہ اس نے خود تالیف کیا ہے اور نہ کسی نے اُسے سکھایا اور پڑھایا ہے بلکہ ایک معزز و محترم فرشتہ جس کی امانت و دیانت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ وہ فرشتہ اللہ کی جناب سے لے کر آیا ہے۔

اے نادانو! اس چشمہ شیریں کو چھوڑ کر تم سراب کے پیچھے کیوں دوڑے جا رہے ہو، ذرا ہوش سے کام لو اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۶-۴-۷۷

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَّ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ التکویر مکی ہے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں ۲۹ آیات ہیں۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۙ① وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۙ② وَاِذَا الْجِبَالُ

(یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا ۱ـــ اور جب ستارے بکھر جائیں گے ۲ـــ اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا

سُيِّرَتْ ۙ③ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۙ④ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۙ⑤ وَ

جائے گا ۳ـــ اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی ۴ـــ اور جب وحشی جانور یکجا کر دیے جائیں گے ۵ـــ اور

۱ـــ وقوع قیامت کے وقت جو ہولناک تغیرات رونما ہوں گے ان کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ لوگ خواب غفلت سے آنکھیں کھولیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کریں تاکہ اس روز انہیں اپنے اعمال پر پریشانی اور پشیمانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

نظام شمسی میں آفتاب کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں۔ جب ابھرتا ہے تو اس کی کرنیں اندھیروں میں ڈوبی ہوئی دنیا کو آناً فاناً منور کر دیتی ہیں۔ اس کی حرارت سے زمین تانبے کی طرح تپ جاتی ہیں لیکن اس روز اس کی نور افشانی کرنے والی کرنیں، اس کے اردگرد لپیٹ دی جائیں گی، اس کی تیز رفتار شعاعوں کو زنجیر بپا کر دیا جائے گا اور جب یہ منبع نور، بے نور ہو جائے گا تو اس وقت جو اندھیرا اپھیلے گا وہ کس قدر گہرا اور کتنا بھیانک ہوگا اس کا صرف تصور ہی ہوش رُبا ہے۔ جب کوئی شخص اپنی لمبی دستار کو سر کے اردگرد لپیٹ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں كَارَ الْعِمَامَةَ عَلَى الرَّأْسِ۔ اسی سے تکویر باب تفعیل ہے۔(1)

۲ـــ سورج کے بعد ستاروں کی حالت زار بیان کی جا رہی ہے کہ وہ تیزی سے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ اِنْكَدَرَ: اَسْرَعَ وَانْقَضَّ ٹوٹنا۔ وَانْكَدَرَتِ النُّجُوْمُ: تَنَاثَرَتْ۔ وہ قانون کشش جو ہر ایک ستارہ کو اپنے مقام پر اور ہر ایک سیارہ کو اپنے مدار میں روکے ہوئے ہے وہ قانون منسوخ کر دیا جائے گا۔ ستارے اپنی اپنی جگہ سے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ بعض نے انکدرت کا معنی مکدر ہونا، بے نور ہونا کیا ہے، یعنی ستاروں کی چمک ختم ہو جائے گی۔(2)

۳ـــ اسی طرح کشش ثقل بھی فنا ہو جائے گی۔ پہاڑوں کا وزن باقی نہیں رہے گا۔ ہوا کے جھونکے روئی کے گالوں کی طرح انہیں فضا میں اڑانے لگیں گے۔ انجام کار ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

۴ـــ عشار: اس گابھن اونٹنی کو بھی کہتے ہیں جس کو دسواں مہینہ ہو اور وہ جلد ہی ایک بچے کو جنم دینے کے ساتھ شیر دار ہونے والی ہو۔ اہل عرب کو ویسے ہی اونٹ بڑے عزیز ہوتے ہیں۔ خصوصاً وہ اونٹنی جس کے حمل کو دس ماہ گزر چکے ہوں، ان کے نزدیک وہ متاع گراں بہا شمار ہوتی ہے۔ وہ اس کی حفاظت اور رکھوالی پوری توجہ سے کرتے ہیں، لیکن قیامت کے روز لوگوں کی بدحواسی کا یہ حال ہوگا کہ ایسی قیمتی چیز کا بھی کوئی پُرسانِ حال نہ ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوگی۔(3)

۵ـــ صرف انسان ہی بدحواس نہ ہوں گے بلکہ جنگلی جانور جو انسان کی آواز سے بدکتے اور اس کے سائے سے دور بھاگتے ہیں، وہ

1۔ لسان العرب، ج5، ص155
2۔ ایضاً، ج5، ص135
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص204

اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ

جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے ۶ھ اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑی جائیں گی ۷ھ اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی)

سُئِلَتْ ۝۸ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَ اِذَا

سے پوچھا جائے گا ۸ھ کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی ۔ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے اور جب

بھی جنگل بیابان چھوڑ کر شہروں میں آگھسیں گے۔ نہ کوئی گدھا کسی کو دولتیاں مارے گا، نہ کوئی سانپ کسی کو ڈسے گا اور نہ کسی شیر کو کسی شکار کو پھاڑنے کی ہوش ہوگی۔ سب دُم دبائے اوپر تلے ایک جگہ جمع ہوں گے۔

۶ھ سمندروں میں اس روز پانی کی لہریں نہیں، آگ کے شعلے اُٹھ رہے ہوں گے (1)۔ پانی سے شعلوں کا اٹھنا تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے لیکن اگر پانی کے اجزائے ترکیبی پر نظر ڈالی جائے تو تعجب اس پر نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے آگ بھڑکے گی، بلکہ حیرت اس پر ہوگی کہ پانی ڈالنے سے آگ بجھ کیوں جاتی ہے۔ پانی دوگیسوں، آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے۔ ان میں سے ایک گیس بھڑکانے والی ہے اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب ان کو اکٹھا کیا جائے تو یہ آگ کی صورت اختیار کرلیں۔ لیکن قادر مطلق نے ان کے مرکب کو پانی کی شکل دے دی اور اس میں آگ بجھانے کی تاثیر رکھ دی۔ قیامت کے دن جب دوسرے تکوینی ضابطے بالائے طاق رکھ دیئے جائیں گے، سورج، ستارے اور پہاڑ کیا سے کیا بن جائیں گے، پانی کے اس ضابطہ پر بھی قلم تنسیخ کھینچ دیا جائے گا۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گی اور ان کے بے پایاں ذخائر جو سمندروں میں پانی کی صورت میں آج ٹھاٹھیں مار رہے ہیں وہ بھڑکتے شعلے بن جائیں گے۔ سُبْحَانَ مَنْ لَّا تُدْرَكُ حِكَمُهٗ وَلَا يُحَاطُ بِاٰثَارِ قُدْرَتِهٖ۔

۷ھ اس کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعمال واخلاق کے مطابق انسانوں کی گروہ بندی کردی جائے گی۔ مقربین کا ایک گروہ ہوگا، اصحاب یمین ایک پرچم تلے اکٹھے ہوں گے اور اصحاب شمال کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا۔ (2)

ع کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

قَالَ الْحَسَنُ: اُلْحِقَ كُلُّ امْرِئٍ بِشِيْعَتِهٖ۔ اور عکرمہ سے اس کا یہ معنی منقول ہے: قُرِنَتِ الْاَرْوَاحُ بِالْاَجْسَادِ۔ یعنی قیامت کے دن روحوں کو پھر جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ (قرطبی) (3)

۸ھ عہد جاہلیت میں کئی قبیح اور سنگدلانہ رسمیں رائج تھیں جنہیں وہ بڑے شرح صدر سے انجام دیا کرتے تھے۔ انہیں غیر انسانی رسوم سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے۔ اس پر غمزدہ یا پشیمان ہونے کے بجائے وہ فخر ومباہات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس ظالمانہ حرکت کے آغاز کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ ربیعہ قبیلہ پر ان کے دشمنوں نے شب خون مارا اور ربیعہ کے ایک سردار کی بیٹی کو وہ اٹھا کرلے گئے۔ جب دونوں قبیلوں کے درمیان صلح ہوگئی تو اس لڑکی کو بھی واپس کر

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 205

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 229

3۔ ایضاً، ص 230

دیا اور اسے اختیار دیا گیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس رہے اور چاہے تو اسیری میں جس کے ساتھ رہی تھی اس کے پاس واپس چلی جائے۔ اس نے اس شخص کے پاس جانا پسند کیا۔ اس کے باپ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے اپنے قبیلے میں یہ رسم جاری کر دی کہ جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہو تو اس کو زندہ زمین میں دبا دیا جائے تا کہ آئندہ ان کی ایسی رسوائی نہ ہو۔ آہستہ آہستہ دوسرے قبائل میں بھی یہ رواج مقبولیت اختیار کرتا گیا اور اس کی کئی وجوہات تھیں (۱) عام اہل عرب کی معاشی حالت بڑی خستہ ہوتی تھی۔ بچیوں کو پالنا، جوان کرنا، پھر ان کی شادی کرنا وہ اپنے لیے نا قابل برداشت بوجھ تصور کرتے تھے، اس لیے ان کو بچپن میں ہی ٹھکانے لگا دیا کرتے تھے۔ قبائل میں باہمی کُشت وخون روزمرہ کا معمول تھا۔ لڑکے جوان ہو کر ایسی لڑائیوں میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ لڑکیاں لڑائیوں میں بھی شرکت نہ کر سکتیں اور پھر ان کو دشمن کی دستبرد سے بچانے کے لیے بھی انہیں کافی تردد کرنا پڑتا، اس لیے وہ ان کو زندہ رکھنا اپنے لیے وبال جان سمجھتے (۲) ان کی جاہلانہ نخوت بھی اس کا ایک سبب تھی۔ وہ کسی کو اپنا داماد بنانا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اس سے بچنے کا یہی آسان طریقہ تھا کہ نہ بچی زندہ ہو، نہ اسے بیاہا جائے اور نہ کوئی ان کا داماد بنے۔

وجوہات اگرچہ مختلف اور متعدد تھیں، لیکن یہ ظالمانہ رسم عرب کے جاہلی معاشرے میں اپنے پنجے بہت گہرے گاڑ چکی تھی۔ عام طور پر اسے کوئی معیوب چیز یا ظلم بھی نہ سمجھا جاتا۔ باپ اپنی اولاد کا مالک کل ہے۔ چاہے اسے زندہ رکھے، چاہے قتل کر دے، کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں، لیکن اس سنگ دل معاشرے میں خال خال ایسے لوگ موجود تھے جو معصوم بچیوں کی بے کسی پر خون کے آنسو بہاتے اور ان سے جتنا کچھ بن آتا اس سے دریغ نہ کرتے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل کو جب پتہ چلتا کہ فلاں کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور وہ اس کو زندہ دفن کرنا چاہتا ہے تو دوڑ کر اس کے پاس جاتے اور اس بچی کی پرورش اور اس کی شادی وغیرہ کے اخراجات کی ذمہ داری اٹھاتے اور اس طرح اس معصومہ کی جان بچاتے۔

مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ بن ناجیہ المجاشعی کا بھی یہی معمول تھا۔ علامہ آلوسی نے طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے زمانہ جاہلیت میں بھی نیک کام کیے ہیں۔ کیا مجھے ان کا بھی اجر ملے گا؟ (1) میں نے تین سو ساٹھ بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا اور ہر ایک کے عوض دو دو، دس دس ماہی گابھن اونٹنیاں اور ایک ایک اونٹ بطور فدیہ ان کے باپوں کو دیا۔ کیا مجھے اس عمل کا کوئی اجر ملے گا؟ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْرُهٗ اِذْ مَنَّ اللهُ عَلَيْكَ بِالْاِسْلَامِ۔ نبی رحمت نے فرمایا اس عمل کا اجر تو تجھے مل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اسلام لانے کی توفیق مرحمت فرمائی اور نعمت ایمان سے تجھے سرفراز کر دیا۔ (روح المعانی) (2)

چنانچہ فرزدق اپنے دادا کے اس کارنامے پر فخر کیا کرتا تھا۔ اس کا ایک شعر ہے۔

وَجَدِّی الَّذِیْ مَنَعَ الْوَائِدَةَ فَاَحْیَا الْوَئِیْدَ فَلَمْ تُوْءَدِ (3)

میرا دادا وہ ہے جس نے زندہ درگور کرنے والیوں کو روکا۔ اس طرح ان بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچا کر زندگی بخش دی۔

لیکن اس ظالمانہ رسم کا پوری طرح قلع قمع اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ کا محبوب رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لایا اور بیٹی کو وہ شان بخش دی کہ وہ باعث عار ہونے کے بجائے اپنے والدین کے لیے وجہ صد افتخار بن گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دلآویز ارشادات سے اس غلط فہمی کو اہل عرب کے دلوں سے نکال دیا کہ بچی ایک ناگوار بوجھ ہے یا خاندان کی ذلت ورُسوائی کا سبب ہے۔ چند ارشادات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں تا کہ آپ کے دل میں اپنی بچیوں کی قدر ومنزلت پیدا ہو۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 53

2۔ ایضاً

3۔ ایضاً

(۱) مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ۔ جو شخص ان بچیوں کا باپ بننے سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لیے آتش جہنم سے پردہ ثابت ہوں گی۔ (بخاری و مسلم)(1)

(۲) امام مسلم کی روایت ہے مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَنَا وَهُوَ هٰکَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ(2)۔ جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح کھڑے ہوں گے۔ یہ فرمایا اور اپنی انگلیوں کو باہم پیوست کر دیا۔

(۳) ابوداؤد کی حدیث ہے مَنْ کَانَتْ لَهٗ اُنْثٰی وَلَمْ یَئِدْهَا وَلَمْ یُهِنْهَا وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَیْهَا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ(3)۔ جس کی ایک بچی ہو، وہ اسے زندہ درگور بھی نہ کرے، اس کی توہین بھی نہ کرے، اپنے بیٹے کو اس پر فوقیت بھی نہ دے تو اس امر کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

آخر میں تعلیم نبوی کی ہمہ گیری کا اندازہ کرنے کے لیے آپ یہ حدیث پاک پڑھیں:

عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰی اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ اَوْ مِنْ اَعْظَمِ الصَّدَقَةِ قَالَ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةٌ اِلَیْكَ لَیْسَ لَهَا کَاسِبٌ غَیْرُكَ (ابن ماجہ)(4) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ بن مالک سے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑے صدقہ پر آگاہ نہ کروں۔ عرض کیا ضرور مہربانی فرمایئے۔ فرمایا تیری وہ بیٹی جو (طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا اس کے لیے کمانے والا کوئی نہ ہو۔

کثیر التعداد احادیث میں سے صرف چند احادیث یہاں ذکر کی گئی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات اور اپنی دختران عالی مرتبت کے ساتھ آپ کا غایت درجہ پیار اور ہر موقع پر ان کی قدر افزائی یہی وہ اسباب تھے جن کے باعث بچیوں کے متعلق صرف اہل عرب کے نظریات میں ہی انقلاب نہیں آیا بلکہ دنیا بھر میں بچیوں کی قدر و منزلت بلند ہو گئی۔

اب ذرا آیت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش فرمایئے۔

یہ نہیں فرمایا کہ اس کے سنگ دل باپ سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنی بچی کو کیوں زندہ درگور کیا بلکہ فرمایا کہ اس بچی سے پوچھا جائے گا کیونکہ یہ باپ جس نے اپنی بے گناہ بچی پر ایسا ظلم کیا ہے، نگاہ خداوندی میں اس قابل ہی نہیں کہ اس کو خطاب کیا جائے، اسے منہ لگایا جائے۔ اِظْهَارُ کَمَالِ الْغَیْظِ وَالسُّخْطِ لِوَائِدِهَا وَاِسْقَاطُهٗ مِنْ دَرَجَةِ الْخِطَابِ وَالْمُبَالَغَةُ فِیْ تَبْکِیْتِهٖ (روح المعانی)(5) یعنی اس انداز سے اپنے غصے اور ناراضگی کی انتہا کا اظہار کیا گیا، اس کو مخاطب بنانے کے درجے سے ہی گرا دیا گیا اور اس کو رسوا کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا۔

نیز ظالم سے اگر اس کے ظلم کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ اس کے لیے کئی حیلے بہانے تراشنے لگتا ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ مظلوم سے پوچھا جائے تا کہ وہ اپنے غم و الم کی داستان بیان کرے۔

اس میں ایک اور حکمت بھی ہے۔ وہ یہ کہ دنیا میں کئی مظلوم ہوتے ہیں جنہیں ظلماً قتل کر دیا جاتا ہے لیکن ان کا انتقام لینے کے لیے کئی تلواریں بے نیام ہو جاتی ہیں یا کم از کم ان کی مظلومیت پر رنج و غم کے آنسو تو بہائے جاتے ہیں اور یہ ایسی مظلومہ تھی

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الاحسان الی البنات، ج2، ص330

2۔ ایضاً

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتامی، ج2، ص344

4۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب برالوالد والاحسان الی البنات، ص269

5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز30، ص53

السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝١١ وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝١٢ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝١٣

آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائے گی ۹ اور جب جہنم دہکائی جائے گی اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝١٤ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝١٥ الْجَوَارِ

(تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے ۱۰ پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی (اور قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے

الْكُنَّسِ ۝١٦ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۝١٧ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝١٨ اِنَّهٗ

والے رُک کے رہنے والے تاروں کی ۱۱ اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے ۱۲ اور صبح کی جب وہ سانس لے ۱۳ کہ یہ (قرآن) ایک

جس پر ظلم اس کے ماں باپ نے کیا۔ اس کی مظلومیت پر کسی نے صدائے احتجاج بھی بلند نہ کی۔ ان کی جواں مرگی پر کوئی آنکھ نمناک تک نہ ہوئی، بلکہ الٹا اطمینان کا سانس لیا گیا۔ اس کے قاتل پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کیے گئے، اسے غیرت مند اور اپنے خاندان کی ناموس کے پاسبان کا خطاب ملا۔ کیا مظلومیت میں اس کا کوئی ہمسر ہے۔ اگر ایسی معصوم، ستم رسیدہ بچی کی دل جوئی اس کا پروردگار بھی نہ کرے تو اور کون کرے گا۔

اس سوال میں قیامت کے برپا کرنے کی حکمت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ تم خود سوچو کہ اگر قیامت برپا نہ ہو تو کیا اس مظلومہ کی دادرسی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے، ایسے ظالم کو سزا دینا ممکن ہے، اگر اتنا بڑا ظلم، دلوں کو لرزا دینے والا ظلم، محاسبہ سے بچ جائے تو اس سے بڑی اندھیر گردی اور کیا ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل ہے، انصاف ہے، اندھیر گردی اور جور و ستم نہیں۔

۹ قیامت کے دوسرے واقعات بیان کیے جا رہے ہیں۔ کَشَطَ کہتے ہیں کسی کی کھال ادھیڑ لینا۔ فَاَصْلُ الْكَشْطِ: السَّلْخُ (1)۔ یعنی آج انسان چرغ نیلوفری کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو اس کے جلال و جمال کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ لیکن اس روز جب اس کی کھال اتار لی جائے گی تو جلال و جمال سب فنا ہو جائے گا اور اس کے چپے چپے سے وحشت برسنے لگے گی۔

۱۰ اس وقت غفلت کے سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ ہر قسم کا خمار اتر جائے گا اور اسے اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اپنی زندگی میں کیا کھویا، کیا پایا؟ اس کے اعمال نیک و بد، اسے اپنے سامنے نظر آنے لگیں گے۔

یہاں تک سورت کا ایک مضمون اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے اور وہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا بیان۔

۱۱ پہلے خُنَّس، الجَوار، الكُنّس کا لغوی معنی ذہن نشین کر لیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں اَلْخُنَّسُ جَمْعُ خَانِسٍ مِّنَ الْخُنُوْسِ۔ وَهُوَ الْاِنْقِبَاضُ وَالْاِسْتِخْفَاءُ۔ خنّس کا واحد خانس ہے جو خنوس سے مشتق ہے۔ اس کا معنی سمٹ جانا اور چھپ جانا ہے۔ اَلْجَوَارِیْ: جَمْعُ جَارِيَةٍ مِّنَ الْجَرْیِ وَهُوَ الْمَرُّ السَّرِيْعُ: جواری کا واحد جاریۃ ہے۔ یہ جری سے مشتق ہے۔ اس کا معنی تیزی سے گزرنا۔ (2)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 56

2۔ ایضاً، جز 30، ص 57

لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۙ﴿۱۹﴾ ذِيۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِي الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ ۙ﴿۲۰﴾

معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے ۱۴ جو قوت والا ہے مالکِ عرش کے ہاں عزت والا ہے۔

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ ؕ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲۲﴾ وَلَقَدۡ رَاٰهُ

(سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں ۱۵ اور بلاشبہ اس نے اس

بِالۡاُفُقِ الۡمُبِيۡنِ ۚ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ ۚ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ

قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر ۱۶ اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں ۱۷ اور یہ (قرآن)

اَلْكُنَّسُ: جَمْعُ كَانِسٍ وَ كَانِسَةٍ مِّنْ كَنَسَ الْوَحْشُ اِذَا دَخَلَ كِنَاسَهٗ۔ کُنَّس کا واحد کانِس اور کانِسہ ہے۔ یہ کَنَسَ الْوَحْشُ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے کہ جنگلی جانور اپنے ٹھکانے میں داخل ہو گیا۔ اب ان الفاظ سے کیا مراد ہے، تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے تمام ستارے مراد ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کیونکہ وہ دن کے وقت آنکھوں سے چھپ جاتے ہیں اس لیے انہیں خُنَّس کہا اور رات کے وقت اپنی اپنی جگہ پر نمودار ہو جاتے ہیں اس لیے انہیں کنس کہا۔ ابن ابی حاتم نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ قول بھی نقل کیا ہے اَنَّهٗ قَالَ هِيَ خَمْسَةُ اَنْجُمٍ زحل، عطارد، مشتری، مریخ اور زہریٰ۔ کہ آپ نے فرمایا ان سے یہ پانچ ستارے مراد ہیں۔ ان کو نجوم متحیرہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کی رفتار کا حال یکساں نہیں ہوتا بلکہ مختلف ہوا کرتا ہے۔ کبھی تو اُنہیں دیکھتا ہے کہ وہ ایک سمت کی طرف جا رہے ہیں۔ پھر وہ اس کے برعکس دوسری سمت کی طرف لوٹتے ہیں، کبھی وہ متحرک ہوتے ہیں اور کبھی وہ ٹھہرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس صورت میں خُنَّس کا معنی رَوَاجِعُ یعنی پیچھے پلٹنے والے ہوگا اور کُنَّس کا معنی اِخْتِفَاءُهَا فِيْ مَغِيْبِهَا۔ اس کا اپنے مغیب میں چُھپ جانا (1)۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۲ عَسْعَسَ کے دو معنی کیے گئے ہیں۔ اَيْ اَدْبَرَ ظَلَامُهٗ اَوْ اَقْبَلَ۔ اندھیرے کا پیٹھ پھیر جانا جیسے رات کے اختتام کے وقت ہوتا ہے۔ اندھیرے کا آ جانا جیسے ابتدائے شب میں ہوتا ہے۔ یہ دونوں معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا رات جب پیٹھ پھیر دے اور دوسری صورت میں معنی ہوگا رات جب چھا جائے۔ (2)

۱۳ تَنَفَّسَ: جب صبح سانس لے یعنی جب اس کی روشنی پھیلنے لگے۔ زمخشری کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب صبح طلوع ہوتی ہے تو نسیم صبح چلنے لگتی ہے۔ (3)

۱۴ یہ پانچ قسمیں کھانے کے بعد فرمایا تمہارا یہ کہنا سراسر باطل ہے کہ یہ قرآن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود گھڑتے ہیں یا کسی انسان سے سیکھ کر لوگوں کو سناتے ہیں، بلکہ یہ وہ کلام ہے جو ایک محترم قاصد لے کر آیا ہے۔ اس سے مراد جبرئیل امین ہے۔ ان کی چند اور صفات بھی بیان کر دیں کہ وہ بڑے طاقتور ہیں، مالک عرش کی جناب میں ان کا مرتبہ بڑا بلند ہے اور تمام ملائکہ ان کے حکم کی تعمیل

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 58 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 711

بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

کسی شیطانِ مردود کا قول نہیں ۱۸؎ پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جا رہے ہو ۱۹؎ نہیں ہے یہ مگر نصیحت

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ

سب اہلِ جہان کے لیے ۲۰؎ (لیکن ہدایت وہی پاتا ہے) جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے۔ اور تم نہیں چاہ سکتے

کرتے ہیں اور ان کی امانت میں کسی کو ادنیٰ واہمہ تک بھی نہیں۔ جب لانے والا ان صفات عالیہ سے متصف ہو، ان مراتب رفیعہ پر فائز ہو تو کون یہ خیال کر سکتا ہے کہ اس نے اس کلام میں کوئی کمی بیشی کی ہوگی۔

۱۵؎ لانے والے کی شان بیان کرنے کے بعد اب اس ذات اقدس واطہر کا ذکر ہو رہا ہے جس کے پاس جبرئیل یہ کلام لے کر آیا۔ فرمایا وہ کوئی اجنبی نہیں ہے جس کی گزشتہ زندگی سے تم بے خبر ہو۔ جس کی سیرت و کردار کا تمہیں تجربہ نہ ہو۔ اعلان نبوت سے پہلے چالیس سال کا عرصہ انہوں نے تمہارے ساتھ بسر کیا ہے۔ زندگی کی مختلف منزلیں انہوں نے تمہاری آنکھوں کے سامنے طے کی ہیں۔ تم ان کی دیانت، پاک بازی، اولوالعزمی اور دانائی کے خود گواہ ہو تم ہوش وحواس میں ہوتے ہوئے ان کو مجنون کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

۱۶؎ پھر جو فرشتہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتا ہے وہ بھی ان کا جانا پہچانا ہے۔ انہوں نے دن کی روشنی میں، آسمان کے افق پر، اس کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے، اس لیے انہیں اس کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جسے معزز فرشتہ جس کو وہ اچھی طرح پہچانتے ہیں، لے کر ان پر نازل ہوا ہے۔

۱۷؎ تمہارا انہیں کاہن کہنا سراسر زیادتی ہے۔ کاہن کے پاس تو غیب کا علم ہوتا ہی نہیں اور جو کسی قیاس آرائی یا ظن وتخمین کی بنا پر وہ کچھ جانتا ہے، اس کو بتانے کے لیے تیار نہیں ہوتا جب تک اس کی منتیں سماجتیں نہ کی جائیں اور اس کا منہ مانگا نذرانہ پیش نہ کیا جائے، وہ منہ سے کچھ اُگلتا ہی نہیں اور یہاں تو یہ حال ہے کہ علوم غیبیہ کے خزانے، جو انہیں بخشے گئے ہیں، وہ معارف الٰہیہ جن سے ان کا سینہ معمور ہے، وہ تجلیات ربّانی جو اُن کے قلب منیر پر ہر لحظہ نازل ہو رہی ہیں، یہ ان کو بتانے میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کے علوم و معارف کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور ہر تشنہ لب کو اپنی طرف بُلا رہا ہے۔ کیا اس بیّن تفاوت کے باوجود تم انہیں کاہن کہہ سکتے ہو۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت پر جو تفسیری حاشیہ لکھا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب پر اعتراض کرنے والوں کے لیے باعث ہدایت ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے، ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء وصفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا"۔ (تفسیر عثمانی)(1) اَلضَّنِيْنُ: اَلْبَخِيْلُ بخیل اور کنجوس (2)

۱۸؎ یعنی اس کلام میں توحید کی دعوت ہے، کفر وشرک سے احتراز کا حکم ہے، اخلاق حسنہ کی تاکید ہے۔ شیطان کو کیا پڑی ہے کہ

1۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ شبیر احمد عثمانی، ص 764

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 240

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

بجز اس کے کہ اللہ چاہے جو ربّ العالمین ہے ۲۱

وہ لوگوں کو توحید کی طرف بلائے، کفر و شرک اور صفات رذیلہ سے اجتناب کی تاکید کرے، یہ کلام اپنے مقاصد کے اعتبار سے تمہاری اس غلط فہمی کی پُرزور تردید کر رہا ہے۔

۱۹ اس چشمہ صافی کو چھوڑ کر، سراب کی طرف بھاگ کر جانا کہاں کی عقل مندی ہے، اس نور ہدایت کی تابانیوں سے منہ موڑ کر، گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہنا تمہارے جیسے دانش مندوں کو زیب نہیں دیتا۔

۲۰ جس طرح اس کو نازل کرنے والا رب العالمین ہے اور وہ، جس پر یہ نازل ہوا ہے، وہ رحمۃ للعالمین ہے، اسی طرح یہ کتاب بھی ذکر للعالمین ہے۔ زمان و مکان کی حد بندیوں سے آزاد ہے، تمام بنی نوع انسان کے لیے، قیامت تک کے لیے رشد و ہدایت کا چمکتا ہوا آفتاب ہے، لیکن اس سے مستفید وہی ہو سکتا ہے جس کے دل میں یہ خواہش ہو کہ وہ راہ راست پر گامزن ہو۔

۲۱ اور حقیقت یہ ہے کہ تم از خود اس کی خواہش بھی نہیں کر سکتے۔ جب تک توفیق الٰہی دستگیری نہ کرے، فہم و خرد کے سارے چراغ بجھے رہتے ہیں، راہ راست پر ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا اور جب اس کی نظر لطف چارہ سازی کرتی ہے تو سب حجاب اٹھ جاتے ہیں، ساری رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور انسان پوری یکسوئی کے ساتھ اس منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔

مَانَشَاءُ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔
يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ
شَانِيْ كُلَّهٗ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى حَبِيْبِكَ الْمُصْطَفٰى وَ نَبِيِّكَ الْمُرْتَضٰى وَ رَسُوْلِكَ
الْمُجْتَبٰى اَفْضَلَ الصَّلَوَاتِ وَاَجْمَلَ التَّسْلِيْمَاتِ وَاَكْمَلَ الْبَرَكَاتِ وَعَلٰى اٰلِهٖ ذَوِي
الدَّرَجَاتِ وَاَصْحَابِهٖ اُولِي الطَّاعَاتِ وَعَلَيْنَا بِجَاهِهِمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

تعارف

سُورۃ الانفطار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس کی پہلی آیت میں ''اِنۡفَطَرَتۡ'' کا کلمہ ہے جس کا مصدر ''انفطار'' ہے۔ یہی اس سورت کا نام ہے اس میں ایک رکوع، انیس آیتیں، اسی کلمے اور تین سو ستائیس حروف ہیں۔

نزول: یہ بھی مکّی دَور کے آغاز میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔ (1)

مضامین: وقوع قیامت کا ہولناک منظر پیش کرنے کے بعد بتادیا کہ اُس روز فریب کے سارے پردے چاک ہوجائیں گے۔ حقیقت اپنی صحیح صورت میں نمایاں ہوجائے گی۔ ہر شخص کو خود بخود اپنے کارناموں کے بارے میں پتہ چل جائے گا کہ وہ دنیا میں کیا کرتا رہا؟ نیکی یا بدی کا جو بیج وہ بو آیا تھا اس کے اچھے یا برے کیا نتائج مرتب ہوئے؟

پھر انسان کو کہا جا رہا ہے کہ اے انسان جس رب کریم نے تجھے اپنے لطف و کرم کے آغوش میں پالا، اپنے بے پایاں احسانات سے نوازا۔ تم اسی کی ناشکری کر رہے ہو۔ تم یہ نہ سمجھو کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ فراموش کر دیا جائے گا اور روز محشر اس کا کوئی باضابطہ ثبوت پیش نہ کیا جاسکے گا۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بلکہ ہم نے معتبر فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو تیرے ہر فعل اور تیرے ہر جملہ کو ضبط تحریر میں لا رہے ہیں۔ اس قابل وثوق ریکارڈ کے مطابق نیکوں کو اُن کی نیکی کا اجر اور بُروں کو اُن کی بُرائی کی سزا ملے گی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۶-۴-۷۷

1۔ روح المعانی، ج30، ص62

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الانفطار مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں انیس آیات ہیں

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ① وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ② وَ اِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر بہنے

فُجِّرَتْ ③ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ④ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ

لگیں گے اور جب قبریں زیروزبر کر دی جائیں گی ۱؎ (اس وقت) جان لے گا ہر شخص جو (اعمال) اس نے آگے بھیجے تھے اور

اَخَّرَتْ ⑤ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ⑥ الَّذِيْ

جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا ۲؎ اے انسان! کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے ربِّ کریم کے بارے میں ۳؎ جس نے تجھے

۱؎ قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا، اس میں دراڑیں اور شگاف نمودار ہو جائیں گے، ستارے ٹُوٹ ٹُوٹ کر بکھرنے لگیں گے، سمندر جو آج ساکن ہے وہ دریاؤں کی طرح بہنے لگیں گے، وہ غیر مرئی بند جو ایک سمندر کو دوسرے سمندر میں آج خلط ملط نہیں ہونے دیتے وہ ٹوٹ جائیں گے اور سمندروں کا پانی بہنا شروع ہو جائے گا۔ قبروں کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ ان میں جو لوگ دفن ہیں وہ باہر نکل آئیں گے۔ اس وقت انسان پر اس کے نیک و بد اعمال کی حقیقت آشکارا ہوگی۔ مشکل الفاظ کی تشریح: اِنْفِطَار: پھٹ جانا۔ اِنْتِشَار: بکھر جانا۔ تَفْجِيْر: بہنا۔ بَعْثَرَة: زیروزبر ہونا۔ (1)

۲؎ اس کا ایک مفہوم تو وہ ہے جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ یعنی جو اعمال، عبادات، صدقات اس نے آج کے دن کے لیے پہلے بھیج دیئے تھے ان کا بھی اسے پتہ چل جائے گا اور جن نیک کاموں کی اس نے بنیاد رکھی تھی، اس کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جو نیک نتائج مدّتِ دراز تک ان پر مرتب ہوتے رہے ان سے بھی اسے آگاہ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح جن بُرے کاموں کی اس نے تخم ریزی کی تھی، ان سے جو گمراہیاں پھیلیں، اخلاق و کردار میں جو بگاڑ پیدا ہوا، اس کا بوجھ بھی ان کی گردن پر لاد دیا جائے گا۔

اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جن احکام الٰہیہ کی اس نے تعمیل کی اور جن کی بجا آوری سے وہ پیچھے رہ گیا ان سب کا اس کو علم ہو جائے گا۔ اس کا یہ بھی مطلب بتایا گیا ہے کہ جو کام اس نے ابتدائی زندگی میں کیے اور جو بعد میں کیے سب کے سب اس کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔

۳؎ کتنے پیارے انداز میں غافل انسان کو جھنجھوڑا جا رہا ہے، کس محبت بھرے اسلوب سے اس کو خوابِ غفلت سے جگایا جا رہا ہے۔ ارشاد ہے اے انسان! تیرا پروردگار، جو کریم ہے، جس کے لطف و عنایت کی آغوش میں تو پل کر جوان ہوا ہے، جس کے انعام و احسان کا دسترخوان ہر وقت تیرے لیے بچھا ہوا ہے، جس کی رحمت و رأفت کے دروازے تیرے لیے کشادہ ہیں، اس

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 244

خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ﴿۷﴾ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ﴿۸﴾

پیدا کیا پھر تیرے (اعضا کو) درست کیا پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا ۴؎ (الغرض) جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۙ﴿۹﴾ وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۙ﴿۱۰﴾ كِرَامًا

یہ سچ ہے بلکہ تم جھٹلاتے ہو روزِ جزا کو ۵؎ حالانکہ تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں ۶؎ جو معزز ہیں (حرف بحرف)

كَاتِبِیْنَ ۙ﴿۱۱﴾ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۚ﴿۱۳﴾ وَ

لکھنے والے ہیں۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو ۷؎ بے شک نیک لوگ عیش و آرام میں ہوں گے۔ اور

سے تجھے کس نے دور کر دیا ہے، کس عیار کے دام فریب میں پھنس کر تو نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ شریف لوگ تو یوں نہیں کیا کرتے، کیا تیرے نزدیک احسان کا بدلہ، سرکشی اور بغاوت سے دینا انسانیت ہے۔ اگر تو کسی پر مہربانی کرے اور وہ تیرا شکر گزار ہونے کے بجائے تیرے درپئے آزار ہو جائے تو کیا تو اس کو پسند کرے گا؟

۴؎ اس کریم نے تجھ پر یہ گوناگوں نوازشات فرمائی ہیں۔ اگر وہ تجھے پیدا ہی نہ کرتا، یا تیری ساخت کو بگاڑ دیتا، یا تیرے عناصر ترکیبی میں اعتدال کو ملحوظ نہ رکھتا تو تُو اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا، یا اس کی عظمت و کبریائی میں اس سے کیا فتور پیدا ہوتا۔ اس نے تجھے پیدا کیا، تجھے مکمل اعضا بخشے، ان میں مناسبت کا پورا پورا لحاظ رکھا، پھر تیری جسمانی، ذہنی اور نفسانی ساخت کو بڑے اعتدال سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور تُو ہے کہ اس کی طرف سے غافل ہے، اس کے ذکر اور اس کے شکر کی تجھے فرصت ہی نہیں ملتی اور اسی کی فرمانبرداری تیرے لیے بار گراں بنی ہوئی ہے۔

۵؎ بات دراصل یہ ہے کہ تجھے روز جزا پر یقین نہیں۔ اگر تجھے یہ یقین ہوتا کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جب تو اپنے خالق کریم کے روبرو پیش کیا جائے گا اور تجھ سے تیرے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا تو تو بغاوت و سرکشی کی یہ روش ہرگز اختیار نہ کرتا، تیری غفلت اور بے پروائی کی یہ کیفیت نہ ہوتی۔ ذمہ داری کا احساس اور جواب دہی کا خوف، تمہیں شتر بے مہار بن کر زندگی بسر کرنے کی قطعاً اجازت نہ دیتا۔ ہر کام کرنے سے پہلے تو یہ سوچتا اور بار بار سوچتا کہ ایسا کرنے سے روز حشر مجھے اپنے پروردگار کے روبرو شرمندگی تو نہ ہوگی۔

۶؎ تمہارے انکار سے قیامت کا پروگرام منسوخ تو نہیں ہو جائے گا۔ ہم اس روز کے لیے پورے انتظامات کر رہے ہیں۔ تم جیسے خود فراموش کے ساتھ ہم نے ایسے فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو تمہارے جملہ اعمال کی یادداشت تیار کر رہے ہیں۔ ہمارے یہ کارندے جن کو یہ اہم کام تفویض کیا گیا ہے۔ معمولی قسم کے اہلکار نہیں، بڑے بزرگ اور بلند پایہ حضرات ہیں۔ نہ انہیں رشوت دی جا سکتی ہے، نہ انہیں مرعوب کیا جا سکتا ہے اور نہ تمہارے اعمال کو ضبط تحریر میں لانے میں وہ کاہلی کر سکتے ہیں، نہ ان کی کسی سے ذاتی دوستی ہے اور نہ عداوت، جو کچھ تم کرتے ہو، بلاکم و کاست، وہ حرف بحرف لکھ رہے ہیں۔

۷؎ ان کا علم ادھورا اور ان کی معلومات ناقص نہیں، تمہاری ہر بات، تمہارا ہر کام بلکہ اس کے پس پردہ تمہارے جو جذبات اور

اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا

یقیناً بدکار جہنّم میں ہوں گے ۔ داخل ہوں گے اس میں قیامت کے روز ۔ اور وہ اس سے غائب

بِغَآئِبِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ

نہ ہوسکیں گے ۔ اور آپ کو کیا علم کہ روزِ جزا کیا ہے ۔ پھر آپ کو کیا علم کہ روزِ جزا

الدِّیْنِ ﴿۱۸﴾ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ ع ۱۹

کیا ہے ۔ (یہ وہ دن ہوگا) جس روز کسی کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا ۔ اور سارا حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا ۸

نیتیں ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہیں۔ تم خود غور کرو ایسے غیر جانبدار، دیانتدار اور ہر بات سے خبردار تمہارے اعمال کا جو ریکارڈ تیار کریں گے، ان کو تم کس طرح جھٹلاؤ گے۔

۸۔ قیامت کا دن کوئی معمولی دن نہیں ہوگا۔ اس دن سارے جھوٹے بادشاہوں کی بادشاہیاں ختم ہو جائیں گی۔ کوئی فرعون، کوئی نمرود سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اس دن صرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہوگی اور اسی کا فرمان نافذ ہوگا۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی مرضی کے خلاف دَم مار سکے یا اس کے فیصلے کو رد کر سکے، اس کے اذن کے بغیر کوئی کسی کو فائدہ پہنچانے کا اختیار نہ رکھتا ہو گا۔

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا
الضَّآلِّیْنَ ۝ ۔ آمین!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِمَامِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَ عَلٰى اٰلِهِ
الطَّیِّبِیْنَ وَاَصْحَابِهِ الْاَكْرَمِیْنَ وَعَلَیْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ

تعارف سُورۃ المطفّفین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ پاک کا نام ''المطفّفین'' ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، چھتیس آیتیں، ایک سو انہتر کلمات اور سات سو تیس حروف ہیں۔

نزول: حضرت ابن مسعود، ضحاک اور ان کے ہم خیال لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سورت مکہ مکرّمہ میں نازل ہوئی۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہ ہے کہ اس کا نزول ہجرت کے فوراً بعد مدینہ طیبہ میں ہوا۔ وہاں ایک تاجر تھا جس کا نام ابوجہینہ تھا۔ اس نے دو قسم کے باٹ رکھے ہوئے تھے۔ جب کوئی جنس خریدتا تو اس کے لیے اور باٹ استعمال کرتا اور جب فروخت کرتا تو اس کے لیے دوسرے باٹ۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ ایک تیسرا قول بھی منقول ہے۔ کہ اس کا نزول حالت سفر میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہوا۔ (1)

مضامین: اصلاحِ معاشرہ کے لیے آخرت پر ایمان جو موثر کردار انجام دیتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جو لوگ روز جزا پر پختہ یقین رکھتے ہیں ان کی بظاہر نگرانی نہ بھی کی جائے تو وہ راستی اور دیانتداری کی راہ پر ثابت قدمی سے بڑھتے چلے جائیں گے۔ کوئی لالچ اور کوئی خوف انہیں جادۂ حق سے سرِمُو منحرف نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ معاشرہ جس کے افراد قیامت پر یقین نہیں رکھتے ان میں طرح طرح کی خرابیاں بڑی آسانی سے راہ پا لیتی ہیں۔ تھوڑا سا خوف اور تھوڑا سا لالچ انہیں راہ راست سے بھٹکانے کے لیے کافی ہے۔ اہل مکہ چونکہ عام طور پر تجارت پیشہ تھے اس لیے لین دین میں ڈنڈی مارنا اُن کے ہاں عام مروّج تھا۔ اس کی خرابی صرف یہی نہیں تھی کہ دوسرے کی حق تلفی ہوتی تھی بلکہ انجام کار ایسا کرنے والے کی تجارت کا بھی ستیاناس ہو جایا کرتا تھا۔ اس لیے کفار مکہ کو وقوع قیامت کی ضرورت اور حکمت پر غور کرنے کے لیے اس سورت میں جو دعوت دی جا رہی ہے۔ اس کی ابتداء وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ① سے کی اور انہیں بتایا کہ اگر وہ اس خسیس حرکت سے اپنی کاروباری سرگرمیوں کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی یہی ایک صورت ہے کہ وہ قیامت پر ایمان لے آئیں۔ اس صورت میں کسی کی جرأت نہ ہوگی کہ اس بددیانتی کا ارتکاب کرے۔

اس کے بعد یہ بتایا کہ قیامت تو ہر حال میں برپا ہوگی۔ لیکن جو لوگ اس کے برپا ہونے کا یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ ساری عمر بدکاری اور دھوکہ بازی میں برباد کر کے آئے۔ آج وہ اس کی سزا بھگتیں گے جو بڑی دردناک ہوگی۔ لیکن جن لوگوں نے قیامت کے وقوع کو تسلیم کر لیا اور اس روز جزا کے مواخذہ سے ساری عمر ڈرتے رہے اور کبھی بھولے سے بھی غلط راستے پر قدم نہ رکھا۔ قیامت کے روز اُن کی جس طرح عزت افزائی کی جائے گی اس کا دلکش منظر بھی پیش کر دیا۔

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 67

آخر میں کفار کی ایک خسیس حرکت کا تذکرہ کر دیا گیا کہ وہ خود ساری خرابیوں کا مجسمہ ہیں۔ اپنی غلاظتوں کو دیکھ کر انہیں کبھی ندامت نہیں ہوئی۔ بایں ہمہ اہل حق کو وہ بڑی حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہیں۔ کنکھیوں سے اشارے کرتے ہیں۔ اللہ والوں کی تذلیل کے بعد جب گھر لوٹتے ہیں تو بڑے شاداں و فرحاں۔ گویا کوئی بڑا معرکہ سر کر کے آئے ہیں۔ خود بادیہ ضلالت میں بھٹک رہے ہیں اور گمراہی کا الزام ان پاک طینت لوگوں پر لگاتے ہیں جن پر انسانیت فخر کرتی ہے اور دین حق کو بجا طور پر ناز ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۷۔۴۔۷۷

سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْنَ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَھِیَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً

سورۃ المطففین مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں چھتیس آیات ہیں

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ① الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ②

بربادی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لیے لہ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔

لہ اہل لغت کہتے ہیں مُطَفِّفٌ: طَفِیْفٌ سے ماخوذ ہے۔ وَھُوَ الْقَلِیْلُ: اس کا معنی قلیل ہے۔ مُطَفِّفٌ کو اس لیے مطفف کہا جاتا ہے کہ وہ حق دار کو اس کا پورا حق نہیں دیتا بلکہ اس میں کمی کر دیتا ہے۔ زُجاج نے اس کی اور وجہ بیان کی ہے لِاَنَّہٗ لَا یَکَادُ یَسْرِقُ مِنَ الْمِکْیَالِ وَالْمِیْزَانِ اِلَّا الشَّیْءَ الطَّفِیْفَ الْخَفِیْفَ۔ کہ یہ پیمانہ کو جھٹک کر یا ترازو میں ڈنڈی مار کر منوں کے حساب سے تو نہیں چُراتا بلکہ تولے چھٹانک ہی ناحق مارتا ہے اس لیے اسے مطفف کہا۔(1)

دور جاہلیت میں صرف عقائد میں ہی بگاڑ پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ معاملات اور کاروبار میں بھی بد دیانتی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ قرآن کریم نے صرف عقیدے کی اصلاح پر ہی زور نہیں دیا بلکہ معاملات میں دیانت و امانت کی بھی تلقین کی ہے۔ اہل مکہ جن کا پیشہ ہی تجارت تھا ان کے ہاں اس قسم کی خرابیاں اپنے شباب پر تھیں۔ اس کاروباری بد دیانتی سے باز آنے کی جب نصیحت کی تو اس کے لیے بڑا پُر جلال انداز اختیار فرمایا کہ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ① الخ یعنی ایسا کرنے والوں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے اور اُن کا مقدر رنج و اندوہ ہے۔ قِیْلَ الْوَیْلُ شِدَّۃُ الشَّرِّ۔ وَقِیْلَ الْحُزْنُ وَالْھَلَاکُ(2)۔ آخرت میں تو اس کی جو سزا ملے گی وہ ملے گی، اس دنیا میں ہی اس کے برے اثرات کاروبار کو ٹھپ کر کے رکھ دیں گے۔ جب لوگوں کو اس کی بد دیانتی کا پتہ چلے گا تو کوئی گاہک اس کی دوکان کا رخ نہ کرے گا اور یہ سارا دن بیٹھا مکھیاں مارتا رہے گا۔ انجام کار غربت و تنگدستی اس کا مقدر بن جائے گی۔ صرف وہی تاجر کامیاب ہوتا ہے جس کی دیانت داری پر لوگوں کو پورا اعتماد ہو۔ صرف اُخروی کامیابی ہی نہیں، تمہاری دنیوی فلاح کا انحصار بھی اسی پر ہے کہ تم یہ خسیس حرکتیں چھوڑ دو۔ قرآن کریم میں جابجا اس فعل شنیع سے باز آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا جہاں تذکرہ ہے وہاں بتایا گیا ہے کہ انہیں کاروباری بد دیانتی کی پاداش میں برباد کر دیا گیا۔

اس قسم کے جرائم کی پوری سزا تو قیامت کو ہی ملے گی، لیکن ان کے برے اثرات اس دنیا میں بھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے اور ان کی نوعیت اتنی سنگین ہوتی ہے کہ انسان کو دن میں ہی تارے نظر آنے لگتے ہیں۔ ایک حدیث پاک سماعت فرمایئے:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ خَمْسٌ بِخَمْسٍ مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَھْدَ اِلَّا سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ عَدُوَّھُمْ وَلَا حَکَمُوْا بِغَیْرِ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَّا فَشَا فِیْھِمُ الْفَقْرُ وَمَا ظَھَرَتِ الْفَاحِشَۃُ فِیْھِمْ اِلَّا ظَھَرَ فِیْھِمُ الطَّاعُوْنُ وَمَا طَفَّفُوا الْکَیْلَ اِلَّا مُنِعُوا النَّبَاتَ وَاُخِذُوْا بِالسِّنِیْنِ وَلَا مَنَعُوا الزَّکٰوۃَ اِلَّا حَبَسَ اللّٰہُ عَنْھُمُ الْمَطَرَ (قرطبی عن بزاز)(3)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ان پانچ چیزوں پر یہ پانچ سزائیں ملتی ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔ جو قوم احکام الٰہی کے خلاف فیصلہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 251

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 68

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 253

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝۳ؕ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ

اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو (ان کو) نقصان پہنچاتے ہیں ۔ کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں

مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴ۙ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵ۙ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶ؕ

قبروں سے اٹھایا جائے گا ایک بڑے دن کے لیے ۲ۓ جس دن لوگ (جواب دہی کے لیے) کھڑے ہوں گے پروردگارِ عالم کے سامنے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۷ؕ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝۸ؕ

یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامۂ عمل سجّین میں ہوگا ۔ اور تمہیں کیا خبر کہ سجّین کیا ہے

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۹ؕ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۰ۙ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ

یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی ۳ۓ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۔ جو جھٹلاتے ہیں

ان کو تنگ دست کر دیتا ہے۔ جس قوم میں بدکاری عام ہوتی ہے، اس میں طاعون پھیل جاتی ہے اور جو قوم اپنے ناپ تول میں کمی کرتی ہے، وہاں زرعی پیداوار میں برکت نہیں رہتی اور قحط سالی پھیل جاتی ہے۔ جو قوم زکوٰۃ نہیں دیتی، اللہ تعالیٰ ان پر بارش نازل نہیں کرتا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ اس عادت کا بری طرح شکار تھے جب انہوں نے یہ آیت سنی تو توبہ کی اور آج تک اہل مدینہ میں کوئی تاجر کم تولنے اور کم ناپنے کا مرتکب نہیں ہوتا۔ (1)

۲ۓ ان کفار کے دل میں روز قیامت کی باز پرس کا کوئی خوف نہیں۔ اگر اس بڑے خوفناک اور ہولناک دن کی آمد پر ان کا ایمان ہوتا، جب اگلے پچھلے سب لوگ بارگاہ الٰہی میں حاضر کیے جائیں گے اور ان سے ان کی بداعمالیوں پر باز پرس ہوگی تو یہ لوگ اس طرح بے خوف ہو کر ان جرائم کا ارتکاب نہ کرتے۔

۳ۓ وہ یہ نہ سمجھیں کہ قیامت تو عرصۂ دراز کے بعد برپا ہوگی۔ اس وقت تک کسے یاد رہے گا کہ کس نے کیا کیا اور وہ صحیفے، جن میں ان کے اعمال لکھے جا رہے ہیں وہ بھی بوسیدہ ہو کر پھٹ جائیں گے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ ان کے لیے ایک بہت بڑا دفتر ہے جس کا نام سجین ہے۔ جب یہ مر جائیں گے اور ان کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو ان کے تمام اعمال اس بڑے دیوان میں محفوظ کر دیئے جائیں گے۔ اس لیے ان کے کرتوتوں کے فراموش ہونے یا ان صحائف کے بوسیدہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سجین کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن جب خود قرآن نے اس کی وضاحت کر دی کہ یہ اس کتاب کا نام ہے جس میں ان کے اعمال سیئہ لکھ کر محفوظ کر دیئے جائیں گے، تو پھر مزید چھان بین کی ضرورت نہیں۔ اس لیے ان آیات میں سجین سے وہ دیوان مراد ہے جہاں اہل جہنم کے اسماء اور ان کے اعمال مندرج ہوں گے۔ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سجین ایک جگہ کا نام

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب التوقی فی الکیل والوزن، ص 161

بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۗ⑪ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ⑫ اِذَا

روزِ جزا کو ۔ اور نہیں جھٹلایا کرتا اسے مگر وہی جو حد سے گزرنے والا گنہگار ہے ۔ جب

تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۗ⑬ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ

پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ۔ نہیں نہیں درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑭ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے ٤ یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن

ہے جہاں دوزخیوں کی روحیں محبوس ہوں گی، اس لیے علامہ آلوسی لکھتے ہیں وَفِي الْكَشْفِ لَا يَبْعُدُ اَنْ يَّكُوْنَ السِّجِّيْنُ عَلَمَ الْكِتَابِ وَعَلَمَ الْمَوْضِعِ اَيْضًا جَمْعًا بَيْنَ ظَاهِرِ الْاٰيَةِ وَ ظَوَاهِرِ الْاَخْبَارِ۔ الکشف میں ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کا نام بھی سجین ہو اور اس مقام کا نام بھی سجین ہو جہاں کفار کی روحیں ہیں تا کہ آیت اور اخبار میں کسی قسم کا تعارض نہ رہے۔ (روح المعانی) (1)

٤ علامہ ابن منظور رین کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَلرَّيْنُ: اَلصَّدَأُ الَّذِيْ يَعْلُوْا السَّيْفَ وَالْمِرْاٰةَ وَالرَّيْنُ كَالصَّدَأِ يَغْشَى الْقَلْبَ۔ وَقَالَ الْحَسَنُ هُوَ الذَّنْبُ عَلَى الذَّنْبِ حَتّٰى يَسْوَدَّ الْقَلْبُ (لسان العرب) (2) یعنی رَین اس زنگار کو کہتے ہیں جو تلوار یا آئینہ کو لگ جاتا ہے۔ جو غبار دل کو زنگار کی طرح ڈھانپ لیتا ہے اس کو بھی رین کہتے ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں پے در پے گناہ کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس سیاہی کو رین کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت حدیث شریف میں بھی آئی ہے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اَذْنَبَ ذَنْبًا نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَاِنْ تَابَ وَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ عَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوْ قَلْبَهٗ فَذٰلِكَ الرَّيْنُ الَّذِيْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْاٰنِ بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ الخ۔ (3)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بندہ جب گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ داغ بن جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرے، اس گناہ سے باز آجائے اور استغفار کرے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر بار بار وہ گناہ کرتا رہے تو وہ داغ بڑھتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ سارے دل کو گھیر لیتے ہیں۔ یہی وہ رین ہے جس کا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

جس طرح نیک اعمال کے نتیجہ میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ آئینۂ دل شفّاف ہو جاتا ہے، اسی طرح بدکاریوں اور نافرمانیوں کے باعث دل کا آئینہ گردآلود ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی چمک بالکل ناپید ہو جاتی ہے۔ ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ ان سرکشوں کا آئینہ دل تاریک ہو گیا ہے، ان کی فطرت سلیمہ مسخ ہو چکی ہے اسی لیے یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھوٹی کہانیاں اور بے سروپا افسانے خیال کرتے ہیں اور بڑی بے حیائی سے وقوع قیامت کا انکار کر رہے ہیں اور اس انکار کی وجہ سے یہ گناہوں کی دلدل میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 30، ص 71

2۔ لسان العرب، ج 13، ص 192

3۔ مسند امام احمد، ج 2، ص 297

لَمَحْجُوْبُوْنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِىْ

روک دیا جائے گا ۵ پھر وہ ضرور جہنّم میں داخل ہوں گے ۔ پھر (ان سے) کہا جائے گا یہی وہ (جہنم) ہے

كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٧﴾ كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِىْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَ

جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ۔ یہ حق ہے نیکوکاروں کا صحیفۂ عمل علیّین میں ہوگا ۔ اور

مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾

تمہیں کیا خبر کہ علیّون کیا ہے ۶ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ (حفاظت کے لیے) دیکھتے رہتے ہیں اسے مقرّبین ۔

۵ ان نافرمانوں کو دیدار الٰہی کی نعمت عظمٰی سے اس دن محروم کر دیا جائے گا۔ ان کے سامنے، ان کے گناہ حجاب بن کر آویزاں ہو جائیں گے۔ اولیاء اللہ جب لذت دیدار سے شاد کام ہو رہے ہوں گے، یہ بدنصیب ان حجابات کے پیچھے سر پٹخ رہے ہوں گے اور اپنی قسمت کو کوس رہے ہوں گے۔

۶ جس دیوان میں ابرار و صالحین کے اعمال حسنہ لکھ کر محفوظ کر دیئے جائیں گے، اس کا نام علیین ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ علیین سبز رنگ کی زبرجد کی ایک لوح ہے جو عرش کے ساتھ معلق ہوگی اور اس میں صالحین کے اعمال مکتوب ہوں گے (1)۔ اس مقام پر علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے ایک بحث لکھی ہے جس کا خلاصہ ہدیہ قارئین ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ شہداء اور مومنین کی ارواح جنت کے سبز رنگ پرندوں میں ہوں گی اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ مومن کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں موجود ہے کہ شب اسریٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ احادیث میں اس تعارض کا کیا جواب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان متعارض احادیث کی تطبیق اس طرح ہے مومنین کی ارواح کا مقر (ٹھہرنے کی جگہ) تو علیین میں ہے یا ساتویں آسمان میں اور کفار کی روحوں کا ٹھکانا سجین میں ہے۔ وَ مَعَ ذٰلِكَ لِكُلِّ رُوْحٍ مِّنْهَا اِتِّصَالٌ لِّجَسَدِهٖ فِىْ قَبْرِهٖ وَلَا يُدْرِكُ كُنْهَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَ بِذٰلِكَ الْاِتِّصَالِ يَسْمَعُ سَلَامَ الزَّآئِرِ وَ يُجِيْبُ الْمُنْكَرَ وَالنَّكِيْرَ وَ نَحْوَ ذٰلِكَ۔ یعنی اس کے باوجود ہر روح کا اپنے جسم کے ساتھ اپنی قبر میں ایک تعلق ہے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اسی تعلق کی وجہ سے میت اپنے زائر کے سلام کو سنتی ہے اور منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب دیتی ہے۔ اسی طرح دوسرے احوال جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں، ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ موصوف اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جبرئیل کا اصل مقام تو آسمانوں میں ہے لیکن وہاں ہوتے ہوئے وہ بارگاہ رسالت کے اس قدر نزدیک ہوتا کہ اپنے ہاتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رانوں پر رکھ دیتا۔ (2)

علیون کے اعراب کے بارے میں فراء کا قول بھی سن لیجئے۔ قَالَ الْفَرَّآءُ هُوَ اسْمٌ مَوْضُوْعٌ عَلٰى صِفَةِ الْجَمْعِ وَلَا وَاحِدَ لَهٗ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 223

2۔ ایضاً، ج 10، ص 25-223

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِي

بے شک نیکو کار راحت و آرام میں ہوں گے ۔ پلنگوں پر بیٹھے (مناظرِ جنت کا) نظارہ کر رہے ہوں گے ۷ آپ پہچان لیں گے

وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ﴿۲۵﴾ خِتَامُهُ

ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی ۔ انہیں پلائی جائے گی سربمہر خالص شراب اس کی مُہر

مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهُ مِنْ

کستوری کی ہو گی ۔ اس کے لیے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے ۸ اس میں تسنیم کی

تَسْنِيمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿۲۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا

آمیزش ہو گی ۹ یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے ۔ جو لوگ جرم کیا کرتے تھے

مِنْ لَفْظِهٖ كَقَوْلِكَ عِشْرُوْنَ وَ ثَلَاثُوْنَ (1)۔ یعنی یہ اسم ہے جو جمع کے معنی پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے اپنے لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں جیسے عشرون، ثلاثون، حالت رفعی میں علیون اور نصبی و جری میں علیین ہو گا۔

۷ ابرار و صالحین کے ساتھ جو لطف و کرم فرمایا جائے گا اس کا بیان ہو رہا ہے۔

رَحِیْق: پاکیزہ اور صاف شراب کو کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا ہے اَلرَّحِيْقُ: اَلْخَمْرُ الْعَتِيْقَةُ الْبَيْضَاءُ الصَّافِيَةُ مِنَ الْغِشِّ النَّيِّرَةِ (قرطبی) (2) یعنی پرانی شراب جس کا رنگ سفید ہو، جو ہر میل سے پاک اور چمک دار ہو اسے رحیق کہتے ہیں۔ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جن بلّوریں مٹکوں میں رکھی ہوئی ہو گی۔ وہ سربمہر ہوں گے اور مُہر بھی کستوری کی لگی ہو گی تا کہ کوئی دوسرا آدمی ان کو ہاتھ تک نہ لگا سکے۔ جب بندگان خاص وہاں تشریف لے جائیں گے تو یہ مُشک سے سربمہر کیے ہوئے مٹکے کھولے جائیں گے اور خوبصورت نقرئی جاموں میں ڈال کر یہ شراب انہیں پیش کی جائے گی۔ بعض نے کہا ہے کہ مختوم کا معنی ممزوج ہے۔ یعنی اس میں خالص کستوری ملی ہو گی۔ دنیا کی شرابوں کی طرح اس سے بدبو نہیں اٹھ رہی ہو گی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شراب کا آخری گونٹ پئیں گے تو انہیں یوں محسوس ہو گا کہ اس میں مشک گھول دی گئی ہے اور تا دیر یہی مہک انہیں محسوس ہوتی رہے گی۔

۸ تَنَافَس: تَسَابَقَ (لسان) (3) یعنی اگر تم کسی چیز کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہو تو یہ نعمت اس قابل ہے کہ اس کی طرف تم ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ وَاِلٰى ذٰلِكَ فَلْيَتَبَادَرِ الْمُتَبَادِرُوْنَ (قرطبی) (4)

۹ اس شراب میں تسنیم کے چشمہ کا پانی ملایا جائے گا۔ جنت کی تمام شرابوں سے یہ اعلیٰ درجہ کی شراب ہو گی۔ یہ نہروں میں عام

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 264 2۔ ایضاً 3۔ لسان العرب، ج 6، ص 238 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 266

كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾

وہ اہلِ ایمان پر ہنسا کرتے تھے ١٠؎ اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے

وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا

اور جب اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے۔ اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾ وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ

یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں ١١؎ حالانکہ وہ اہلِ ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے ١٢؎ پس آج

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

مومنین کفار پر ہنس رہے ہیں۔ (عروسی) پلنگوں پر بیٹھے (کفار کی خستہ حالی کو) دیکھ رہے ہیں ١٣؎

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ ع ٦ ٨

کیوں کچھ بدلہ ملا کفار کو (اپنے کرتوتوں کا) جو وہ کیا کرتے تھے۔

نہ بہ رہی ہوگی بلکہ بلوریں میناؤں میں بند ہوگی جو کستوری سے سربمہر ہوں گی۔ ان میں بلندیوں سے بہ کر آنے والے چشمے، تسنیم کا پانی ملا دیا جائے گا اور اس چشمۂ شیریں کا پانی بھی ہر ایک کو پینا نصیب نہیں ہوگا۔ صرف مقربین کے لیے مخصوص ہوگا۔

١٠؎ اب پھر ان مجرموں کی سفلہ مزاجی اور خست طبعی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اہل ایمان کو دیکھ کر ان کا مضحکہ اُڑاتے اور ایک دوسرے کو آنکھیں مار مار کر اشارہ بازی کرتے ہیں۔ جب مسلمانوں کی دل آزاری کرنے اور جی بھر کر ان پر پھبتیاں کسنے کے بعد یہ بےفکرے اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو دل لگیاں کرتے جاتے ہیں، گویا کوئی بڑا قلعہ فتح کر کے گھر لوٹ رہے ہیں۔

يَتَغَامَزُوْنَ: يَغْمِزُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَّ يُشِيْرُوْنَ بِاَعْيُنِهِمْ (قرطبی)(1)

١١؎ مسلمانوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو راہ راست سے بھٹک گئے ہیں، اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑ بیٹھے ہیں، اپنے خاندانی معبودوں سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔

١٢؎ اللہ تعالیٰ ان کی ان کمینہ حرکتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ تمہیں ان لوگوں کی کیا فکر ہے۔ تم ان کے بارے میں کیوں ہر وقت چہ میگوئیاں کرتے رہتے ہو۔ کیا تم ان کے نگران ہو، کیا تم پر ان کو راہ راست پر چلانے کی ذمہ داری عائد ہے۔ تم اپنی خیر مناؤ،

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 19، ص 267

اپنے انجام کا خیال کرو۔ ان درویشوں کو خواہ مخواہ کیوں دق کرتے ہو۔ ان کا دل دکھانے سے تمہیں کیا ملے گا۔

۱۳ جب قیامت کا دن آئے گا۔ اس دن کفار روئیں گے، اپنی بربادیوں پر آہ وفغاں کریں گے اور میرے محبوب کے یہ پروانے اپنی ابدی فوز وفلاح پر ہنس رہے ہوں گے، اپنے زرنگار پلنگوں پر بیٹھے ہوئے کفار کی تباہ حالیوں کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے۔ اس وقت سب کو پتہ چل جائے گا کہ منکرین نے جو کرتوت کیے تھے ان کا کس طرح انہیں پورا پورا بدلہ مل رہا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ
اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ
الرَّحِیْمُ

تعارف سُورۃ اِنشقاق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام ’’الانشقاق‘‘ ہے جو ’’انشقت‘‘ کا مصدر ہے۔ اس میں ایک رکوع، 25 آیتیں، ایک سو سات کلمات، چار سو تیس حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔(1)

مضامین: ابتدائی آیات میں اُن ہولناک حادثات کا تذکرہ ہے جو وقوع قیامت کے وقت رونما ہوں گے۔ اس کے بعد انسان کو بتایا جا رہا ہے کہ اُسے چارو ناچار ہر حالت میں اپنے رب کے حضور میں پیش کیا جائے گا۔ اس روز تمام اولادِ آدم دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہوگی۔ ایک گروہ وہ ہوگا جن کو از راہ بشارت ان کا صحیفۂ عمل ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ اس وقت ان کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔ دوسرا وہ گروہ جن کو اُن کا نامۂ عمل پسِ پشت دیا جائے گا۔ اُن کی خستہ حالی اور رنج واندوہ کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ اس لیے ہر شخص کو آج یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کس زمرہ کے ساتھ اپنا حشر چاہتا ہے۔ یہ فیصلہ کرتے ہوئے اُسے بار بار غور و فکر کرنا چاہیے کیونکہ جو فیصلہ سوچ سمجھ کر اپنے اختیار سے اپنے بارے میں تم کرو گے روزِ حشر اسی کے مطابق تمہارے ساتھ برتاؤ کیا جائے گا۔

آخر میں کئی قسمیں کھانے کے بعد انہیں بتایا جا رہا ہے کہ انہیں ان مرحلوں سے یکے بعد دیگرے ضرور گزرنا ہوگا۔ حیرت ہے اُن لوگوں پر جو یہ جاننے کے بعد ایمان نہیں لا رہے۔ اور جب قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ سرِ نیاز خدا کی بارگاہِ جلال میں جھکا نہیں دیتے۔ اُن کا انجام بڑا دردناک ہوگا۔ روزِ محشر فقط اہل ایمان ہی ایسے اجر سے نوازے جائیں گے جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۷۔۴۔۷۷

1۔ روح المعانی، ج30، ص78

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ٨٤ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً ١

سورۃ الانشقاق مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں پچیس آیات ہیں

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٢﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ

(یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا ۱ اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان ۲ اور اس پر فرض بھی یہی ہے ۳ اور جب زمین

مُدَّتْ ﴿٣﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٥﴾

پھیلا دی جائے گی ۴ اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی ۵ اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿٦﴾ فَاَمَّا مَنْ

اے انسان! تو محنت سے کوشاں رہتا ہے اپنے رب کے پاس پہنچنے تک پس تیری اس سے ملاقات ہو کر رہتی ہے ۶ پس جس کو

۱ قیامت کے برپا ہونے کی یاد تازہ کی جا رہی ہے۔ یعنی یاد کرو جب آسمان پھٹ جائے گا۔ آسمان پھٹنے کی یہ وجہ نہ ہوگی کہ وہ پرانا ہو کر بوسیدہ ہو جائے گا اس لیے اس میں جگہ جگہ شگاف پڑ جائیں گے۔ نہیں، بلکہ اس کو اپنے رب کا حکم ملے گا کہ پھٹ جا، تو وہ پارہ پارہ ہو جائے گا۔ آسمان کا یہ فرض ہے کہ اپنے خالق کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

۲ اَذِنَتْ کا معنی ہے کان لگا کر سننا اور جو بات کان لگا کر سنی جائے اس کے مطابق عمل بھی کیا جاتا ہے اس لیے اَذِنَتْ کا معنی اِسْتَمَعَتْ وَانْقَادَتْ کیا گیا ہے۔ (مظہری)(1) یعنی حکم کو سن کر بجا لانا، تعمیل فرمان کرنا۔

۳ یہ کہہ کر بتا دیا کہ آسمان نے تعمیل ارشاد کر کے کوئی احسان نہیں کیا، کوئی حیرت انگیز بات نہیں کی۔ بلکہ ہر مخلوق کی طرح اس کا بھی یہ فرض اولین ہے کہ وہ بے چون وچرا اپنے خالق کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہو جائے۔

۴ جس اطاعت وانقیاد کا مظاہرہ آسمان کرے گا، اسی طرح زمین بھی حکم الٰہی بجا لائے گی۔ جب اسے حکم ملے گا بچھ جا، ہموار ہو جا، تجھ میں کوئی نشیب وفراز باقی نہ رہے، تو اونچے اونچے پہاڑ مٹی کا ڈھیر بن کر نشیبی جگہوں کو پُر کر دیں گے۔ سمندروں کی گہرائیاں بھی بھر جائیں گی۔ ایک وسیع وعریض سپاٹ میدان بن جائے گا۔ یہاں سب جن وانس دست بستہ حاضر کر دیئے جائیں گے۔

۵ اس کے شکم میں جتنے لوگ اس وقت تک مدفون ہوں گے اور جو خزانے اپنی تہوں میں اس نے سمیٹ رکھے ہوں گے، حکم الٰہی ملتے ہی زمین ان سب کو اُگل دے گی۔

۶ كَدَحَ يَكْدَحُ كَدْحًا وَهُوَ اكْتِسَابُهُ بِمَشَقَّةٍ: قَالَ اَبُوْ اِسْحَاقَ الْكَدْحُ فِي اللُّغَةِ السَّعْيُ: وَالْحِرْصُ اَوِ الدُّؤُوْبُ فِي الْعَمَلِ فِيْ بَابِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (لسان العرب)(2) یعنی کسی چیز کے حصول وکسب میں محنت ومشقت اٹھانا کَدْح کہلاتا ہے۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ لغت عرب میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان دنیا وآخرت کے سلسلہ میں کسی کام میں کوشاں ہو۔ اس کے دل میں اس

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص228 2۔ لسان العرب، ج2، ص569

اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ⑦ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ⑧ وَّيَنْقَلِبُ

دیا گیا اس کا نامۂ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں ۷ تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا اور واپس لوٹے گا

اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ⑨ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ⑩ فَسَوْفَ

اپنے گھر والوں کی طرف شاداں وفرحاں۔ اور جس (بدنصیب) کو اس کا نامۂ عمل پس پُشت دیا گیا ۸ تو وہ چلائے گا

کی خواہش بھی ہو اور اس کی یہ کوشش لگاتار جاری رہے۔ ان سب امور کے مجموعہ کو کدح کہتے ہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تو خواہ طالب دنیا ہو یا طالب عقبیٰ، دونوں صورتوں میں تو بڑی جانفشانی سے اپنے کاموں کی انجام دہی میں کوشاں رہتا ہے۔ ہر قسم کی صعوبت کو برداشت کرتا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، یہاں تک کہ تیرے رب سے تیری ملاقات کا وقت، یعنی تیری موت کا وقت آجائے۔ اس وقت تیری جدوجہد ختم ہوجاتی ہے اور اس کے بعد اپنے اعمال شاقہ کا پھل کھانے کا وقت آجاتا ہے۔ فَمُلٰقِيْهِ فرما کر بتایا پس انسان کو وہ پھل ضرور مل کر رہتا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں اَیْ جَاهِدٌ وَّمُجِدٌّ جِدًّا فِیْ عَمَلِكَ مِنْ خَيْرٍ وَّشَرٍّ طُوْلَ حَيَاتِكَ اِلٰى لِقَاءِ رَبِّكَ اَیْ اِلَى الْمَوْتِ فَمُلَاقٍ لَّهٗ عُقَيْبَ ذٰلِكَ (روح المعانی)(1) یعنی تو اپنے اچھے یا برے اعمال کو انجام دینے میں محنت ومشقت سے کام لیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اپنے رب سے تیری ملاقات کا یعنی تیری موت کا وقت آپہنچتا ہے۔

۷ ہر شخص روز قیامت بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا جائے گا۔ جنہوں نے اپنی یہ زندگی اس کی یاد اور اس کی عبادت میں گزاری ہوگی، وہ جب پیش ہوں گے تو ان کا نامۂ عمل ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا اور ان سے بڑا آسان حساب لیا جائے گا۔ زیادہ چھان بین نہیں کی جائے گی۔ ان کے اعمالِ حسنہ کے باعث ان کے اعمالِ سیئہ سے صرف نظر کرلی جائے گی اور یہ لوگ جلدی فارغ ہوکر شاداں وفرحاں اپنے گھر والوں کے پاس واپس جائیں گے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَيْسَ اَحَدٌ يُّحَاسَبُ اِلَّا هَلَكَ جس سے حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہوجائے گا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ پر قربان جاؤں، کیا یہ اللہ کا فرمان نہیں ہے۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ۔ قَالَ ذٰلِكَ الْعَرْضُ يُعْرَضُوْنَ فَمَنْ نُّوْقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ۔ یعنی یہ تو سرسری پیشی ہوگی لیکن جس کے ساتھ حساب کے وقت سوال جواب شروع ہوگیا وہ تو مارا گیا۔(2)

اللہ تعالیٰ، شفیع المذنبین کے طفیل ہمارا نامۂ عمل ہمارے دائیں ہاتھ میں دے اور ہم سے آسان آسان حساب لے۔ آمین ثم آمین!

۸ لوگوں کے روبرو وہ بائیں ہاتھ میں اپنا اعمال نامہ لینے سے شرمائیں گے اور اپنا ہاتھ پیچھے کرلیں گے، لیکن فرشتے کب چھوڑنے والے ہیں۔ وہ وہیں ان کے بائیں ہاتھوں میں ان کی سیاہ کاریوں کے دفتر پکڑا دیں گے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھ ان کی پیٹھ پیچھے باندھ دیئے جائیں گے اس لیے اسی حالت میں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے۔(3)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 79

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عذب، ج 2، ص 968

3۔ مختصر تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 489

يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ⑪ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ؕ⑫ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ⑬

ہائے موت! ۹ اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں ۔ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہا کرتا تھا ۱۰

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۛۚ⑭ بَلٰۤى ۛۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ؕ⑮

معانقة ۷

وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا۔ کیوں نہیں۔ اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ⑯ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۙ⑰ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۙ⑱

پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔ اور رات کی اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہے اور چاند کی جب وہ ماہِ کامل بن جائے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ⑲ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ⑳ وَاِذَا قُرِئَ

تمہیں (بتدریج) زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے ۱۱ پس انہیں کیا ہوگیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے ۱۲ اور جب ان کے سامنے

۹ اس وقت اس کی چیخ وپکار اور واویلا دیدنی وشنیدنی ہوگا۔ شور مچائے گا ہائے موت! ہائے موت! تو کدھر گئی۔ آ بھی جا۔ مجھے نگل لے تاکہ میں عذاب جہنم سے بچ جاؤں۔ یَا ثُبُوْرَاهُ تَعَالِ فَهٰذَا اَوَانُكِ وَالثُّبُوْرُ: اَلْهِلَاكُ وَهُوَ جَامِعٌ لِاَنْوَاعِ الْمَكَارِهِ (روح المعانی) (1) ثبوراہ کا معنی ہلاکت ہے۔ ہر قسم کی مکروہ اور ناپسندیدہ چیزوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں اس سے مراد موت ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

۱۰ اس کی یہ حالت کیوں ہوگی۔ وجہ بتائی جارہی ہے کہ وہ دنیا میں گلچھرے اڑاتا رہا۔ خود بھی عیش کرتا رہا اور اپنے اہل وعیال کو بھی عیش کراتا رہا۔ کبھی اس کو بھولے سے بھی یہ خیال نہ آیا کہ اسے ایک روز اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونا ہے اور اپنی خرمستیوں اور بداعمالیوں کا جواب دینا ہے۔ اسی خودفراموشی کا نتیجہ صاحب بہادر آج دیکھ رہے ہیں۔

۱۱ تین چیزوں کی قسم کھانے کے بعد فرمایا کہ تم منزل بمنزل بڑھتے چلے جاؤ گے۔ رحم مادر سے تم دنیا میں آئے، بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپا، صحت سے بیماری، قوت سے ضعف، خوشحالی سے بدحالی، ان مرحلوں کو طے کرتے ہوئے قبر میں آگئے۔ پھر قیامت کو دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوگے۔ پھر خدا معلوم کیسی کیسی حالتوں سے گزرتے ہوئے اپنے ابدی مقرّ اور آخری ٹھکانے پر پہنچو گے۔

۱۲ ان تغیّرات کا تم اپنی ذات میں اور اپنے اردگرد پھیلی ہوئی وسیع کائنات میں ہر لحظہ مشاہدہ کررہے ہو، پھر بھی قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔ وقوع قیامت میں جو حکمتیں اور انسانی اصلاح میں اس کے جو اثرات ہیں، ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 81

السجدة ۱۴

عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ط ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾

قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے ۱۳؎ بلکہ یہ کفار اسے (اُلٹا) جھٹلاتے ہیں ۱۴؎

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

اور اللہ خوب جانتا ہے جو اُن (کے دلوں) میں بھرا ہوا ہے ۱۵؎ پس آپ انہیں خوشخبری سنائیں دردناک عذاب کی ۱۶؎ البتہ جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ ع

ع ۲۵ ۹

ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا ۱۷؎

۱۳؎ اور ستم یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیتیں جن کی تاثیر سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں اور پہاڑوں پر بھی لرزا طاری ہوجاتا ہے، وہ ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں لیکن یہ کوئی اثر قبول نہیں کرتے، انہیں سن کر بھی ان کے سَر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتے۔

۱۴؎ متاثر ہونا یا سجدے میں سر جھکانا تو رہا ایک طرف، یہ ظالم ان کو اُلٹا جھٹلانا شروع کردیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ جادو ہے، کبھی کہتے ہیں یہ ان کا خودساختہ کلام ہے، کبھی کہتے ہیں ان کو کسی جن نے یہ سکھایا ہے۔ اس سے سیکھ کر ہمیں یہ سنانے لگتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

۱۵؎ يُوْعُوْنَ: يَجْمَعُوْنَ فِي الصُّدُوْرِ مِنَ الْكُفْرِ وَالْعَدَاوَةِ: قَالَ مُجَاهِدٌ مَا يَكْتُمُوْنَ (مظہری) (1) یعنی جو کفر و عداوت ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جو کچھ اپنے دلوں میں انہوں نے چھپا رکھا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح آگاہ ہے۔

۱۶؎ یہ نابکار، حق ناشناس، اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں آپ دردناک عذاب کی بشارت دیں۔

۱۷؎ ان کا تو یہ حشر ہوگا، لیکن جو لوگ سچے دل سے ایمان لائے اور ایمان کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نیک اعمال کرتے رہے انہیں اجر ملے گا، اجر بھی ایسا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ ابدالآباد تک ان پر نوازشات و انعامات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنے رب کریم کے لطف و کرم سے ہمیشہ ہمیشہ بہرہ اندوز ہوتے رہیں گے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ وَ مِنْكَ التَّوْفِيْقُ اَللّٰهُمَّ وَ فِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى
وَ تَقَبَّلْ مِنَّا مَا نُكَدِّحُ وَ نَسْعٰى اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ
صَغِيْرًا وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِنَا وَ شَفِيْعِنَا وَ طَبِيْبِ قُلُوْبِنَا وَ شِفَاءِ
اَرْوَاحِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ بَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 233

تعارف سُورۃ البُروج

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام ''البروج'' ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، بائیس آیتیں، ایک سو نو کلمات اور چار سو پینسٹھ حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی (1) جب اہل ایمان پر کفار کا ظلم و تشدد پُورے شباب پر تھا۔ انہوں نے خون، قبیلہ اور ہمسائیگی کے تمام تعلقات کو نظر انداز کر دیا تھا اور اُن کے بس میں جتنی قوت تھی اُسے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں صرف کر رہے تھے۔

مضامین: ''اصحاب الاخدود'' کون تھے؟ جن اہل ایمان کو انہوں نے انگاروں سے بھری ہوئی خندقوں میں پھینکا تھا۔ وہ کس علاقہ کے باشندے تھے؟ اور یہ کس زمانہ کا واقعہ ہے؟ یہ تفاصیل آپ کو اس سورت کی تشریح کے ضمن میں ملیں گی۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ کفر اور باطل نعمت ہدایت سے محروم ہونے کے باعث جوہرِ انسانیت سے بھی عاری ہو جاتا ہے۔ رحمت و شفقت کا کوئی جذبہ اس کے دل میں باقی نہیں رہتا۔ کمزور اور بے بس حق پرستوں پر کفار بپھرے ہوئے وحشی درندوں کی طرح جھپٹتے ہیں۔ زندہ انسانوں کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں دھکے دے کر گرانا اور ان کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر خوشی سے رقص کرنا اُن کا معمول ہوا کرتا ہے۔ لیکن جبر و تشدد کی انسانیت سوز قہرمانیوں میں اہل حق کی استقامت اور ثابت قدمی بھی اپنے اندر جو حسن اور دلفریبی رکھتی ہے اس کی بھی نظیر نہیں ملتی۔ وہ مظالم کی چکّی میں پس رہے ہوتے ہیں، وہ تشدد کے شکنجوں میں کَسے جا رہے ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی ہے۔ ان کی آنکھوں سے کوئی آنسو نہیں ٹپکتا نہ وہ آہ کرتے ہیں نہ فریاد، اپنے مولائے کریم کی خوشنودی کے حصول کو وہ اپنی مسرّتوں اور سعادتوں کی معراج یقین کرتے ہیں۔

اس واقعہ کو بیان کرنے سے مُدعا یہ ہے کہ مسلمان بھی ظلم و ستم کے اس دَور میں عالی ہمتی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں وہ یقین رکھیں کہ کُفر کا طلسم بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ طاغوتی قوتیں سرنگوں ہو جائیں گی۔ مخالفت کے طوفان تھم جائیں گے۔ اسلام کو ''فتح مبین'' حاصل ہو گی۔ ابو جہل اور ابو لہب سے پہلے بھی کئی فرعون اور ثمودی گزرے ہیں، لیکن وہ اپنی مَوت آپ مَر گئے اور حق کا پرچم لہراتا رہا اور قیامت تک لہراتا رہے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۷۔۴۔۷۷

1۔ روح المعانی، جز30، ص84

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ البروج مکی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ اس میں بائیس آیات ہیں

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ③

قسم ہے آسمان کی جو بُرجوں والا ہے ۱ے اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے ۲ے اور حاضر ہونیوالے دن کی اور اس کی جسکے پاس حاضر ہونگے ۳ے

۱ے اس سورت کا آغاز تین قسمیں کھا کر کیا گیا ہے اور قسم اس بات پر کھائی جا رہی ہے کہ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ یعنی جن کھائی والوں نے اہل حق کو پکڑ پکڑ کر ان دہکتے انگاروں اور بھڑکتے شعلوں میں پھینکا تھا اور یہ قصد کیا تھا کہ حق کا ماننے والا کوئی نہ رہے۔ ہر طرف باطل کا غلبہ ہو، ہر طرف کفر اور شرک کا اندھیرا چھا جائے۔ ایسا کرنے والے، ایسا چاہنے والے برباد ہو گئے۔ ان کا نام و نشان تک بھی نہ رہا۔ ان کی عظمت خاک میں مل گئی، ان کے محلات، کھنڈرات بن گئے، ان کے سنگین قلعے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ حق کا بول اب بھی بالا ہے، صداقت کا آفتاب اب بھی نور افشاں ہے۔ حق کی شمع پر جو قربان ہو گئے، وہ انسانیت کا سر بلند کر گئے اور اپنے پیچھے جوانمردوں، اولوالعزموں، وفا کیشوں کا ایسا جم غفیر چھوڑ گئے جن کے نعروں کی گونج سے باطل آج بھی لرزہ براندام ہے۔ انہی کے نقوشِ پا سے زندگی کی شاہراہ آج بھی جگمگ جگمگ کر رہی ہے۔ جب تک اس گلشن ہستی میں کوئی پھول کھلتا رہے گا، کوئی کلی مسکراتی رہے گی، کوئی بلبل نغمہ الاپتی رہے گی، حق کا پرچم اونچا، بہت اونچا لہراتا رہے گا۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ عوام نے قدیم فلسفیوں کے نظریات کو مانتے ہوئے آسمان کو بارہ موہوم حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ہر حصہ کو بُرج کہتے ہیں اور ہر بُرج کے مخصوص ضوابط ہیں اور ان میں سیّارات کا بھی نزول ہوتا رہتا ہے۔ انہی وہمی اشکال کے باعث انہوں نے بُرجوں کے نام مقرر کر رکھے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے ضیاء القرآن سورۃ الحجر آیت 16 کے حواشی) آپ فرماتے ہیں اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آسمان ہمیشہ متحرک ہوں اور یہ ستارے ان میں گڑے ہوئے ہوں وَكُلُّ ذٰلِكَ بَاطِلٌ کیونکہ کتاب و سنت سے یہ ثابت ہے کہ ہر کوکب اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ فرمایئے۔ ضیاء القرآن سورۃ الانبیاء آیت 23)

جدید سائنسی تحقیقات نے قرآنی نظریہ تسلیم کر لیا ہے، اس لیے بُروج سے یہاں مراد وہ اصطلاحی بروج نہیں بلکہ وہ بڑے بڑے ستارے مراد ہیں جو اپنی درخشانی کے باعث بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِالْبُرُوْجِ: عِظَامُ الْكَوَاكِبِ سُمِّيَتْ بُرُوْجًا لِظُهُوْرِهَا كَذَا قَالَ الْحَسَنُ وَ مُجَاهِدٌ وَ قَتَادَةُ (مظہری)(1)

۲ے اس سے مراد روز قیامت ہے جس کے آنے کا بار بار پختہ وعدہ کیا گیا ہے۔(2)

۳ے شَاهِدٍ اور مَشْهُوْدٍ کے بارے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں۔ شَاهِدٍ سے مراد یوم جمعہ ہے۔ مَشْهُوْدٍ سے یوم عرفہ، شَاهِدٍ سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور مَشْهُوْدٍ سے مراد قیامت کا دن، شَاهِدٍ سے مراد انبیائے کرام، اور مَشْهُوْدٍ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، شَاهِدٍ سے مراد اللہ تعالیٰ، فرشتے، کراماً کاتبین، انبیائے کرام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جملہ اہل

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 234

2۔ ایضاً

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ﴿۵﴾ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا

مارے گئے کھائی کھودنے والے ۴ (جس میں) آگ تھی بڑے ایندھن والی ۵ جب وہ اس (کے کنارہ) پر

ایمان اور مَشۡهُوۡدٍ سے مراد کلمہ توحید، اور دین اسلام کی تمام صداقتیں جن کی ان سچے گواہوں نے گواہی دی ہے (1)۔

۴ یہ جواب قسم ہے۔ اَلۡاُخۡدُوۡدُ: اَلشَّقُّ الۡعَظِيۡمُ الۡمُسۡتَطِيۡلُ فِي الۡاَرۡضِ كَالۡخَنۡدَقِ (قرطبی) (2) یعنی وہ بڑا اور مستطیل گڑھا جو زمین میں خندق کی طرح کھودا جاتا ہے۔ اصحاب الاخدود کون لوگ تھے؟ اس کے بارے میں متعدد روایات مذکور ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے مذہبی رواداری نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ عقائد کے اختلاف کی بنیاد پر خون کے دریا بہا دیئے جایا کرتے تھے۔ آبادیوں کو ان کے مکینوں سمیت نذر آتش کر دیا جاتا تھا۔ خصوصاً یہودیت وعیسائیت کی تاریخ اس قسم کی خونریزیوں سے بھری پڑی ہے، اس لیے ہر جگہ اس قسم کے واقعات وقوع پذیر ہوتے رہتے تھے۔ ان آیات میں کس مخصوص واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس کے بارے میں زیادہ قابل وثوق وہ روایت ہے جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ اس کا ترجمہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر خزائن العرفان سے پیش کرتا ہوں:

''مروی ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا۔ جب اس کا جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میرے پاس ایک لڑکا بھیج دے جسے میں جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا مقرر کر دیا۔ وہ جادو سیکھنے لگا۔ راہ میں ایک راہب رہتا تھا۔ اس کے پاس بیٹھنے لگا اور اس کا کلام اس کے دل نشین ہوتا گیا۔ اب آتے جاتے اس نے راہب کی صحبت میں بیٹھنا مقرر کر لیا۔ ایک روز راستہ میں ایک مہیب جانور ملا۔ لڑکے نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر یہ دعا کی کہ یارب اگر راہب تجھے پیارا ہو تو میرے پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے۔ وہ جانور اس کے پتھر سے مر گیا۔ اس کے بعد لڑکا مُستجاب الدعوات ہوا اور اس کی دعا سے کوڑے اور اندھے اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کا ایک مصاحب نابینا ہو گیا تھا۔ وہ آیا لڑکے نے دعا کی، وہ اچھا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اس نے کہا تجھے کس نے اچھا کیا؟ کہا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا میرے سوا اور بھی کوئی رب ہے؟ یہ کہہ کر اس پر سختیاں شروع کیں، یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا پتہ بتایا۔ لڑکے پر سختیاں کیں۔ اس نے راہب کا پتہ بتایا راہب پر سختیاں کیں اور اس سے کہا اپنا دین ترک کر۔ اس نے انکار کیا تو اس کے سر پر آرا رکھ کر چروا دیا۔ پھر مصاحب کو بھی چروا دیا۔ پھر لڑکے کو حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے۔ سپاہی اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ اس نے دعا کی، پہاڑ میں زلزلہ آیا۔ سب گر کر ہلاک ہو گئے۔ لڑکا صحیح سلامت چلا آیا۔ بادشاہ نے کہا سپاہی کیا ہوئے؟ کہا سب کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ پھر بادشاہ نے لڑکے کو سمندر میں غرق کرنے کے لیے بھیجا۔ لڑکے نے دعا کی، کشتی ڈوب گئی۔ تمام شاہی آدمی ڈوب گئے۔ لڑکا صحیح سلامت بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے کہا وہ آدمی کیا ہوئے؟ کہا سب کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا اور تو مجھے قتل کر ہی نہیں سکتا جب تک وہ کام نہ کرے جو میں بتاؤں۔ کہا وہ کیا؟ لڑکے نے کہا ایک میدان میں سب لوگوں کو جمع کر اور مجھے کھجور کے ڈھنڈ پر سولی دے۔ پھر میرے ترکش سے تیر نکال کر بِسۡمِ اللّٰهِ رَبِّ الۡغُلَامِ (اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) کہہ کر مار۔ ایسا کرے گا تو تو مجھے قتل کر سکے گا۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور واصل بحق ہو گیا۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 35-234

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 19، ص 87-286

قُعُوْدٌ ۙ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ﴿۷﴾ وَمَا

بیٹھے تھے ۔ اور وہ جو کچھ اہلِ ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے ف۶ اور نہیں

نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۸﴾ الَّذِيْ

ناپسند کیا تھا انھوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے ف۷ جس کے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ؕ﴿۹﴾

قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے ف۸ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ

بے شک جن لوگوں نے ایذا دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لیے

یہ دیکھ کر تمام لوگ ایمان لے آئے۔ اس سے بادشاہ کو اور زیادہ صدمہ ہوا اور اس نے ایک خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلائی اور حکم دیا کہ جو دین سے نہ پھرے، اسے اس آگ میں ڈال دو۔ لوگ ڈالے گئے۔ یہاں تک کہ ایک عورت آئی، اس کی گود میں بچہ تھا، وہ ذرا جھجکی بچہ نے کہا اے ماں! صبر کر، نہ جھجک۔ تو سچے دین پر ہے۔ وہ بچہ اور ماں بھی آگ میں ڈال دیئے گئے"۔ یہ حدیث صحیح ہے مسلم نے اس کی تخریج کی۔ اس سے اولیا کی کرامتیں ثابت ہوتی ہیں۔ آیت میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ (خزائن العرفان) (1)

ف۵ اُخدود مبدل منہ۔ النار بدلِ اشتمال۔ ذَاتِ الْوَقُوْدِ: جس میں ایندھن ڈالا گیا۔ منظر کی ہیبت کا بیان ہے، یعنی آگ جل رہی تھی اور اس میں لکڑیاں اور ایندھن ڈالا جا رہا تھا۔ (2)

ف۶ ان کی سنگدلی کا یہ عالم تھا کہ ان کے بھائی بند، ان کے ہم قوم، ان کے ہم وطن بڑی بے رحمی سے آگ میں دھکیلے جا رہے تھے اور یہ پاس بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔

ف۷ کس جرم میں ان کو یہ سزا دی جا رہی تھی، کون سا قصور ان سے سرزد ہوا تھا جس کا انتقام ان سے لیا جا رہا تھا، ان کی کون سی ایسی حرکت تھی جو انہیں ازحد ناگوار اور ناپسند تھی اور وہ اس سے برافروختہ ہو کر یہ ستم کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ بتایا جا رہا ہے کہ ان پاکبازوں کا اس کے سوا کوئی جرم نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئے تھے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے، بے جان مجسموں یا اپنے فرعون صفت حکمرانوں کو خدا ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ اس اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک سمجھتے تھے جو سب پر غالب، زبردست اور تمام صفات کمال سے موصوف ہے۔

ف۸ جس کی حکمرانی کا سکہ آسمانوں اور زمین پر چل رہا ہے۔ کائنات ارضی و سماوی میں کوئی پتا، کوئی ذرہ، اس کے حکم کے بغیر جنبش نہیں کر سکتا۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔

1۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 65-1064

2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 388

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ⑩ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلائے جانے کی سزا ہے ۹ جو لوگ ایمان لے آئے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ

نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہی

الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ⑪ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ⑫ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ

بڑی کامیابی ہے۔ بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے ۱۰ بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی

يُعِيْدُ ⑬ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ⑭ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ⑮ فَعَّالٌ

دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور وہی بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے ۱۱ عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا۔ کرتا ہے

لِّمَا يُرِيْدُ ⑯ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ⑰ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ⑱

جو کچھ چاہتا ہے ۱۲ کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر (یعنی) فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی ۱۳

۹ جو ظالم اپنی طاقت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اذیت پہناتے ہیں اور پھر اپنی ان غیر انسانی حرکتوں سے تائب بھی نہیں ہوتے، وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی یہ خودسری گوارا کر لی جائے گی۔ قدرت کا قانون مکافات، ان کے معاملہ میں بے اثر ہو کر رہ جائے گا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ انہیں دردناک سزا ملے گی اور جلانے کا جو عذاب انہوں نے مقبولان خدا کے لیے تجویز کیا تھا، بعینہٖ اسی قسم کے عذاب میں انہیں مبتلا کیا جائے گا۔ اگرچہ دونوں آگوں کی نوعیت میں بُعد المشرقین ہوگا۔

۱۰ یہ عقل کے اندھے آپ کے رب کو کمزور نہ جانیں، اس کا ہر کام پُر از حکمت ہوتا ہے۔ وہ تنک مزاج اور زود رنج حکمرانوں کی طرح فوراً بھڑک نہیں اٹھتا۔ ہر کام کے لیے اس نے موزوں وقت مقرر کر رکھا ہے اور جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ یوں سخت پکڑتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ اس کے عذاب سے کوئی چھڑا نہیں سکتا، کوئی بچا نہیں سکتا۔ سارے کروفر دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

۱۱ حضور کے رب کریم کی مزید شانیں بیان کی جا رہی ہیں۔ تمہیں پہلے پیدا بھی اُسی نے کیا، تمہیں دوبارہ زندہ بھی وہی کرے گا۔ اس کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے، اس کو اپنے فرمانبردار بندوں سے بڑی محبت ہے اور بے انداز پیار ہے۔ اس کی غیرت انہیں ایذا پہنچانے والوں کو زیادہ دیر مہلت نہیں دیتی۔

۱۲ عرش کا مالک وہ ہے، ساری بزرگیاں، ساری عظمتیں، ساری شانیں اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۙ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۚ﴿۲۰﴾

بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۧ﴿۲۲﴾ ع ۱ ۲۲ ۱۰

بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے ۱۴ ایسی لوح میں لکھا ہے جو محفوظ ہے ۱۵

اس کی مرضی اور ارادہ ہوتا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے۔

۱۳ اے میرے حبیب! سرکش اور بغاوت کا علم بلند کرنے والے صرف یہی لوگ نہیں۔ ان سے پہلے کئی فرعون وثمود اور ان کے جرار لشکر اپنا جاہ وجلال دکھا چکے ہیں، خدا کی مخلوق پر جور وستم کی انتہا کر چکے ہیں، خدا کی زمین کو بے گناہوں کے خوف سے رنگین بنا چکے ہیں۔ لیکن وہ سب فنا ہو چکے۔ سب کا نام ونشان مٹ گیا وہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان سے طاقتور اور کوئی نہیں، ان کا گھیراؤ نہیں کیا جا سکتا لیکن وہ خداوند عالم اور اس کی طاقتوں کو بھلائے ہوئے تھے۔

۱۴ ان قرآنی حقائق کو تم معمولی نہ سمجھو، ان میں غور وتدبّر کرو، ان کو حرز جاں بناؤ۔ شاہراہ حیات پر چلنے لگو تو یہ شمع فروزاں تمہارے ہاتھ میں ہو۔ پھر تمہیں گرنے، پھسلنے یا راہ سے بہک جانے کا کوئی اندیشہ نہ رہے گا۔ یہ بڑی عظمت والی اور اونچی شان والی کتاب ہے۔ اس کے سارے مندرجات حق ہیں، سچ ہیں، ہر شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔

۱۵ یہ ایسی لوح میں مکتوب ہے جو ہر بیرونی دخل اندازی سے قطعاً محفوظ ہے۔ (1)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ وَاَحَبَّهٗ وَاسْتَمْسَكَ بِذَيْلِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔
رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ
صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز19، ص 298

تعارف سُورۃ الطّارق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ پاک کا نام "الطارق" ہے جو اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس میں ایک رکوع، سترہ آیتیں، اکسٹھ کلمے، دو سو انتالیس حروف ہیں۔

نزول: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (1)

مضامین: اس سورت میں بھی وقوع قیامت پر دلائل پیش کیے جا رہے ہیں لیکن اُن کے بیان سے پہلے قسمیں اُٹھا کر یہ بتایا گیا کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے آوارہ نہیں چھوڑ دیا گیا کہ اس کے دل میں جو آئے کرتا رہے اور اسے کسی باز پُرس کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ یہ حکمت الٰہی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو گوناگوں صلاحیتوں سے مالا مال کر کے پیدا کیا ہے اور یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ ان بخشی ہوئی نعمتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ اس کے محافظ بھی مقرر کر دیئے ہیں۔

قیامت کے منکرین کو بتایا جا رہا ہے کہ میری قُدرت کا انکار کرنے سے پہلے ذرا اپنی پیدائش پر غور تو کرو۔ تمہارا مادۂ تخلیق پانی کی ایک بُوند ہے۔ تمہاری چشمِ نرگسیں، چاند کی مانند چمکتا ہوا تمہارا چہرہ، تمہاری خوبصورت پیشانی، موتیوں کی طرح دمکتے ہوئے دانت، یہ قامتِ زیبا سب اسی ایک بُوند سے نمودار ہوئی ہے۔ پھر جسمانی قوتیں، ذہنی اور روحانی استعداد بھی اُسی میں بڑی خوش اسلوبی سے سمٹی ہوئی تھیں۔ جس کی قدرت کا یہ حیرت انگیز شاہکار تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا وہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ کیا اس میں کسی شک کی گنجائش ہے؟ یاد رکھو کہ اگر تم راہِ راست اختیار نہیں کرو گے تو اس دن تمہیں کوئی ایسا دوست اور مددگار نہیں ملے گا جو خداوند قہار کے عذاب سے تمہیں چھڑا سکے۔

سورت کے اختتام سے پہلے صاف طور پر بتا دیا کہ اہل مکہ اسلام کو ناکام کرنے کے لیے سازشوں میں مصروف ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بھی بے خبر نہیں۔ وہ ان کی کارستانیوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنی قدرت سے ان کے تمام منصوبوں کو ناکام بنا کر رکھ دے گا۔ یہ کروفر، یہ شان و شوکت جو انہیں بدمست کیے ہوئے ہے، چند روزہ ہے۔ غور و تدبر کے لیے جو مہلت انہیں دی گئی ہے وہ جب اختتام پذیر ہو گی تو پھر غضبِ الٰہی کی بجلی کوندے گی اور انہیں خاکِ سیاہ بنا کر رکھ دے گی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۷-۴-۷۷

1۔ روح المعانی، ج 30، ص 94

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الطلاق مکی ہے   اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔   اس میں سترہ آیات ہیں۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾

قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ایک تارا نہایت تاباں ۱؎

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾

کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو ۲؎ سو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ۳؎

۱؎ طَارِق: طَرَقَ سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی کوٹنا، کھٹکھٹانا ہے۔ رات کے وقت آنے والے مہمان کو طارق اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سوتے ہوئے میزبان کو جگانے کے لیے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ ستارے کو بھی طارق کہتے ہیں کیونکہ وہ صرف رات کے وقت نمودار ہوتا ہے۔

یہاں الطَّارِقِ سے مراد ستارہ ہے، کیونکہ اگلی آیت میں اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔ **الثَّاقِبُ**: ثَقُبٌ سوراخ کو کہتے ہیں۔ اندھیرے میں روشنی کی کرن ایسے دکھائی دیتی ہے گویا اس نے اندھیرے کی دیوار میں سوراخ کر دیا ہے۔ اس لیے وہ تارا جو نہایت چمکدار ہو اور جس کی تیز روشنی اندھیرے کو چیرتی ہوئی دور سے نظر آئے اسے بھی النجم الثاقب کہتے ہیں۔ اس سے مراد کوئی مخصوص تارا نہیں بلکہ جنس ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صبح کے وقت نمودار ہونے والے تارے کو الطارق کہتے ہیں کیونکہ وہ صبح کا پیغامبر بن کر طلوع ہوتا ہے اس لیے اس کی بڑی شان ہوتی ہے۔ ہندہ، ابوسفیان کی بیوی اُحد کی جنگ میں یہ رجز پڑھا کرتی تھی۔

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقٍ   نَمْشِيْ عَلَى النَّمَارِقِ

اس میں طارق سے مراد ستارۂ صبح ہے۔ وہ کہتی ہے ہم نامور باپوں کی بیٹیاں ہیں، نرم وگداز قالینوں پر چلتی ہیں۔ (1)

۲؎ آسمان اور چمک دار ستارے کی قسم کھانے کے بعد جواب قسم کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس پر نگہبان مقرر نہ ہو۔ یعنی تم اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو کہ تمہیں پیدا کر کے ہم نے یونہی بے لگام چھوڑ دیا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ ہم نے تمہاری نگہداشت کا پورا انتظام کر دیا ہے تاکہ تم اپنی منزل (موت) تک پہنچنے سے پہلے کہیں رگڑ نہ دیئے جاؤ۔ ناگہانی حادثات تمہیں پیس کر نہ رکھ دیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کی حفاظت کے لیے ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر ہیں جو ایسے حادثات و مصائب سے اس کی پاسبانی کرتے ہیں جو اس کی تقدیر میں نہیں...... اگر انسان کو اس کے اپنے حوالے کر دیا جائے تو شیاطین اور دوسری انسان دشمن قوتیں اس کی تکّہ بوٹی کر کے رکھ دیں۔ (2)

غیر متوقع حادثات اور اچانک آفات کے جو جھکڑ چل رہے ہیں ان میں سے انسان کا بچ کر نکل جانا معجزہ سے کم نہیں۔ ہر انسان نے اپنی زندگی میں بارہا تجربہ کیا ہوگا کہ کوئی غیر مرئی طاقت اس کی حفاظت کر رہی ہے، ورنہ وہ سانپ جو اس کے پاؤں کو چھو کر نکل گیا ہے۔ ضرور اسے ڈس لیتا۔ جس بلندی سے وہ گرا ہے اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی۔ مہلک بیماری کا جو حملہ اس پر ہوا ہے۔ اس سے اس کا

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 396

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 10، جز 20، ص 3

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾

اسے پیدا کیا گیا ہے اُچھلتے پانی سے جو (مرد و زن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے ۴؎

بچ جانا محال تھا۔ اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا، جو چاہے کرتا رہے اور اس کا کوئی محاسبہ نہ ہو بلکہ اس کے تمام اعمال کو محفوظ کیا جا رہا ہے۔ (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو۔ ضیاء القرآن سورۃ الرعد آیت 11)

لَمَّا کا میم اگر مشدد ہو تو یہ اِلَّا کا ہم معنی ہو گا اور اِنْ نافیہ ہو گا اور میم مخفف ہو تو اِنْ اصل میں اِنَّ ہو گا۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہو گا اور مَا زائدہ ہو گا۔ (مظہری، قرطبی) (1)

۳؎ جب انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا چشم ہوش سے مطالعہ کرتا ہے تو وقوع قیامت کا اسے یقین ہو جاتا ہے، اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ ہر انسان اپنی آفرینش کی ابتدا میں غور کرے۔

۴؎ صُلْب کہتے ہیں ریڑھ کی ہڈی کو۔ تَرَائِب: تَرِيْبَةٌ کی جمع ہے۔ هِيَ مَوْضِعُ الْقَلَادَةِ مِنَ الصَّدْرِ (قرطبی عن ابن عباس) (2) گلے کا ہار سینہ پر جس جگہ لٹکتا ہے اس کو ترائب کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ مادۂ منویہ مرد کی پشت اور عورت کے سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے، لیکن دوسرے مفسرین جس کے سرخیل حسن بصری ہیں، وہ کہتے ہیں وَقَالَ الْحَسَنُ الْمَعْنٰى: يَخْرُجُ مِنْ صُلْبِ الرَّجُلِ وَ تَرَائِبِ الرَّجُلِ وَمِنْ صُلْبِ الْمَرْأَةِ وَ تَرَائِبِ الْمَرْأَةِ (قرطبی) (3) یعنی یہ مادہ مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈی کے درمیان سے اور اسی طرح عورت کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈی کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یہی قول طبی تحقیقات کے مطابق ہے۔

اس آیت پر بعض ملحدین نے اعتراض کیا ہے کہ مادۂ منویہ کے خروج کا کیا مطلب ہے؟ خروج کا مطلب اگر جسم سے باہر خارج ہونا ہو تو بداہۃً غلط ہے، کیونکہ منی کا خروج یہاں سے نہیں ہوتا۔ اگر خروج کا معنی اس کا مقرّ ہے جہاں وہ جمع ہوتی ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس کا ذخیرہ اَوْعِيَةُ الْمَنِيِّ: خُصْيَتَيْن ہیں نہ کہ پُشت و سینہ، اگر خروج کا مقصد یہ ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی یہاں تیار ہوتے ہیں تو بھی درست نہیں، کیونکہ اس کے بنانے میں سب سے زیادہ حصہ دماغ کا ہے نہ کہ صلب و ترائب کا۔

جن لوگوں نے ان امور کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے ان کے نزدیک معترض کا یہ اعتراض اس کی جہالت اور اس کے الحاد کی دلیل ہے۔ قرآن کریم نے بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ کے مختصر اور جامع الفاظ سے حقیقت کی جس طرح ترجمانی کی ہے، اس سے بہتر ناممکن ہے۔ جسم میں کوئی ایک عضو ایسا نہیں جو تنہا اس مادۂ تولید کو بناتا ہو، بلکہ تمام اعضائے رئیسہ کے اشتراک سے یہ مادہ تیار ہوتا ہے۔ دماغ، دل اور جگر کا حصہ اس میں نمایاں اور سب سے زیادہ ہے۔ دل اور جگر کا مقام تو بلاشبہ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ہے۔ باقی رہا دماغ تو ریڑھ کی ہڈی میں نخاع (وہ سفید رنگ کی تار جو دماغ سے گردن سے گزرتی ہوئی ریڑھ کی ہڈی کے سارے مہروں سے ہوتی ہوئی کمر تک پہنچتی ہے) اس مادہ کی تیاری میں حصہ لیتا ہے۔ یہاں اس کے اصلی عناصر تیار ہو کر کیسۂ منی میں پہنچتے ہیں اور وہاں سے نکل کر کئی نالیوں کو طے کرتے ہوئے باہر نکلتے ہیں، چنانچہ علامہ آلوسی نے اس حقیقت کو مندرجہ ذیل سطور میں بیان فرمایا ہے:

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 240

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 5

3۔ ایضاً، جز 20، ص 7

اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌؕ ﴿۸﴾ یَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُۙ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّ

بے شک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے ۵ یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیے جائیں گے ۶ پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ

لَا نَاصِرٍؕ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِۙ ﴿۱۱﴾ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِۙ ﴿۱۲﴾

کوئی (دوسرا) مددگار ہوگا ۷ قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے ۸

وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعۡلَمُ اَنَّ النُّخَاعَ وَالۡقُوَى الدِّمَاغِيَّةَ وَالۡقَلۡبِيَّةَ وَالۡكَبِدِيَّةَ كُلَّهَا تَتَعَاوَنُ فِىۡ اِبۡرَازِ ذٰلِكَ الۡفَضۡلِ عَلٰى مَاهُوَ عَلَيۡهِ قَابِلًا لِاَنۡ يَّصِيۡرَ مَبۡدَأَ الشَّخۡصِ عَلٰى مَا بُيِّنَ فِىۡ مَوۡضِعِهٖ وَقَوۡلُهٗ سُبۡحَانَهٗ مِنۡ بَيۡنَ الصُّلۡبِ وَالتَّرَائِبِ عِبَارَةٌ مُّخۡتَصَرَةٌ جَامِعَةٌ لِّتَاثِيۡرِ الۡاَعۡضَاءِ الثَّلَاثَةِ فَالتَّرَائِبُ يَشۡمَلُ الۡقَلۡبَ وَالۡكَبِدَ...... وَالصُّلۡبُ النُّخَاعَ وَبِتَوَسُّطِهِ الدِّمَاغَ (روح المعانی) (1)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ریشہ، دماغی، قلبی اور جگری قوتیں سب اس مادہ کو اس قابل بنانے میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں، یہاں تک کہ وہ انسان کا مبدأ بن جاتا ہے۔ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ کی مختصر اور جامع عبارت اس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ ترائب قلب اور جگر کو شامل ہے اور صُلب سے وہ ریڑھ کی ہڈی کا ریشہ مراد ہے جس کے ذریعہ سے دماغ اس کی تیاری میں حصہ لیتا ہے۔

علاوہ ازیں مادۂ منویہ اگرچہ خصیتین پیدا کرتے ہیں اور کیسۂ منویہ میں جمع ہو جاتا ہے، مگر اس کے اخراج کا مرکز تحریک صلب اور ترائب کے درمیان واقع ہے اور دماغ سے اعصابی رَو جب اس مرکز کو پہنچتی ہے تب اس مرکز کی تحریک سے کیسۂ منویہ سکڑتا ہے اور اس سے ماءِ دافق پچکاری کی طرح نکلتا ہے۔ قرآن کریم کا بیان علم طب کی جدید تحقیقات کے عین مطابق ہے۔

علامہ بیضاوی اور علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے بھی اپنی تفاسیر میں اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

۵ ایسی قدرت والی ہستی کے لیے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

۶ تُبۡلٰی کے دو معنی بتائے گئے ہیں۔ تُبۡلٰی: تُظۡهَرُ یعنی اس دن تمام راز ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی۔ دوسرا معنی تُبۡلٰی: تُمۡتَحَنُ وَ تُخۡتَبَرُ (قرطبی) (2) ان کو پرکھا جائے گا، کھوٹا کھرا الگ الگ کر دیا جائے گا۔ جن اسرار کو فاش کرنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے ان میں وہ باتیں بھی ہیں جن کو صرف کرنے والا تو جانتا تھا لیکن دوسرے لوگوں کو اس کام کا علم ہی نہ ہوا یا علم تو ہوا لیکن اس کے پس پردہ جو نیت کارفرما تھی وہ صیغۂ راز میں رہی اور بعض راز ایسے ہیں جن کا کرنے والے کو بھی دنیا میں علم نہ ہو سکا۔ یعنی جو کام اس نے کیے ہیں ان کے نتائج کیسے نکلے اور ان نتائج کے اثرات کہاں تک اور کب تک موجود رہے، یہ ساری باتیں اس روز کھول کر سامنے رکھ دی جائیں گی۔

۷ نہ تو اس کے بازوؤں میں اتنا زور ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو بچا سکے اور نہ اس کے دوست احباب اس کے مددگار بن کر آئیں گے اور اس کو عذاب الٰہی سے چھڑا کر لے جائیں گے۔

۸ رَجۡعَ کا معنی لوٹنا ہے (3)۔ یہاں اس سے مراد بارش ہے، کیونکہ یہ لوٹ لوٹ کر آتی ہے، بار بار برستی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 98-97 (ماخوذ)

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 8

3۔ المنجد، ص 250

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا ﴿۱۵﴾

بلاشبہ یہ قرآن قولِ فیصل ہے ۹۔ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے۔ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں ۱۰۔

وَّ اَكِیْدُ كَیْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِیْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا ﴿۱۷﴾ ع ۱۱

اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں۔ پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت اور دے دیں ۱۱۔ کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں ۱۲۔

ایک بار برسی اور پھر بند ہوگئی۔ وقت بے وقت اس کا برسنا جاری رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پانی بخارات بن کر اُڑتا ہے۔ پھر جب اسے مناسب درجہ کی خنکی پہنچتی ہے تو لوٹ کر پانی بن جاتا ہے اور بارش کی صورت میں ٹپکنے لگتا ہے۔ (1)

صَدْع: شگاف کو کہتے ہیں۔ جب کاشتکار زمین میں بیج بوتا ہے تو زمین پر سہاگہ مار کر سطح ہموار کر دیتا ہے۔ جب بیج اگتا ہے تو اس سطح میں سوراخ کر کے باہر نکلتا ہے۔ (2)

۹۔ ان حقیقتوں کی قسم جن کا تم بار بار مشاہدہ کرتے رہتے ہو تم انجان اور بھولے بننے کی ہزار کوشش کرو پھر بھی ان کا انکار نہیں کر سکتے اسی طرح قرآن بھی ایسے روشن حقائق کا مجموعہ ہے جن کا انکار کسی ہوش مند انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ قول فیصل ہے۔ اس کا ہر فیصلہ قطعی اور اٹل ہے۔ جس چیز کو اس نے حق کہہ دیا وہی حق ہے، جس کو اس نے باطل کہہ دیا وہی باطل ہے۔ زمانہ کے تغیرات، حالات کے تقاضے، قرآنی حقائق کو الٹ پلٹ نہیں کر سکتے۔ یہ ایسی باتیں نہیں ہیں جو ازراہ مذاق محض دل لگی کیلئے کہہ دی ہوں اور جن کا ظاہر، انکے باطن کے برعکس ہو۔

۱۰۔ کفار اسلام کو زک پہنچانے کے لیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناکام بنانے کے لیے ہر وقت سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ چھپ چھپ کر منصوبے تیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ جو چاہیں منصوبے بنائیں، مکر و فریب کے دام بچھائیں، میں ان کا توڑ کرتا جاؤں گا۔ ان کی ہر تدبیر الٹی ہوگی، ان کی ہر کوشش ان کی ناکامی کا باعث بنے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی جدوجہد کو جو وہ کفر کے غلبہ کو برقرار رکھنے کے لیے کر رہے ہیں، ان کی ناکامی اور شکست کا باعث بنا دے گا۔

وہ بڑے کروفر سے بدر کے میدان میں آئے تھے۔ انہوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ آج اسلام کا چراغ بجھا کر واپس جائیں گے۔ بڑے بہادر سورماؤں کا لشکر وہ ہمراہ لائے تھے، لیکن ان کی یہی چال ان کی بربادی کا باعث بن گئی۔ ان کے بڑے بڑے رئیس مارے گئے۔ مکہ کے گھر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ یہی حال ان کی دیگر سازشوں کا ہوا۔

۱۱۔ کس طرح اپنے محبوب کی دلنوازی کی جا رہی ہے کہ آپ ابھی ان نابکاروں کو کچھ مہلت اور دیں، مختصر عرصہ کے لیے انہیں اپنے سارے ارمان پورے کرنے دیں۔ ان کی تکلیف رسانیوں پر صبر کریں۔ میں خود ان سے نپٹ لوں گا، میں خود ان کو ان کے کرتوتوں کا مزا چکھا دوں گا۔ ۱۲۔ رُوَیْدًا: اِرْوَادٌ سے حرف زوائد کو حذف کر کے رُوَیْدًا اس کی تصغیر بنائی گئی ہے۔ اس کو تصغیر ترخیم کہتے ہیں۔ یہ رَاوَدَتِ الرِّیْحُ وَ تَرُوْدُ رَوْدًا سے ماخوذ ہے۔ جب ہوا آہستہ آہستہ چلے اور یہ لفظ ہمیشہ مصغّر ہی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے۔ (3)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ مَنْ اَحَبَّهٗ وَ اتَّبَعَهٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 242

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 11

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 242

تعارف سُورۃ الاعلیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام ’’الاعلیٰ‘‘ ہے۔ اس میں ایک رکوع، انیس آیتیں، بہتر کلمات اور دوسو کا نوے حروف ہیں۔

نزول: جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ بعض نے اسے مدنی بھی کہا ہے۔ لیکن علامہ جلال الدین سیوطی نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے امام بخاری اور دیگر محدثین سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے راوی حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام میں سے سب سے پہلے ہجرت کر کے مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ تشریف لائے اور ہمیں قرآن کریم کی تعلیم دینی شروع کی۔ ان کے بعد عمار، بلال اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہاں پہنچے۔ پھر حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیس ساتھیوں کے ساتھ یہاں آئے۔ ان کے بعد رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سرزمین یثرب کو اپنے قدوم سے سرفراز کیا۔ میں نے اہل مدینہ کو جتنا اس دن شاداں و فرحاں دیکھا ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچے اور بچیاں کہہ رہے تھے: ’’یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے ہاں تشریف لے آئے ہیں‘‘۔ اس وقت میں نے یہ سورت پڑھی ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے ہجرت کرنے سے پہلے ہی یہ نازل ہو چکی تھی۔ (1)

مضامین: اس سورت کا آغاز اس حکم سے ہو رہا ہے کہ اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح بیان کرو۔ یعنی وہ ہر نقص، ضعف اور ناتوانی سے پاک ہے۔ اس کی ذات قدرت و حکمت کا سرچشمہ ہے۔ آسمان، آفتاب و ماہتاب، فضا کی پہنائیاں، پہاڑوں کی بلندیاں، سمندروں کی بے قراریاں اسی نے پیدا فرمائی ہیں۔ ان تمام چھوٹی بڑی چیزوں کی تخلیق بے ہنگم اور بے جوڑ نہیں بلکہ ہر چیز کو اس نے ایک اندازے اور سلیقہ کے مطابق پیدا فرمایا ہے اور ہر چیز کو اپنے طبعی فرائض انجام دینے کے لیے ظاہری اور باطنی قوتیں اور ان قوتوں سے کام لینے کے لیے آلات و جوارح بھی مرحمت فرمائے ہیں۔ اس نے ہر چیز کی جسمانی خوراک کا بھی مناسب انتظام فرمایا ہے اور ان کی اخلاقی اور روحانی بالیدگی کے لیے یہ صحیفۂ رشد و ہدایت نازل کیا ہے اور اس کے ہر کلمہ کو آپ کی لوح قلب پر یوں ثبت کر دیا ہے کہ اب اس کے بھولنے کا امکان تک بھی نہیں۔

اس کے بعد اپنے حبیب کو فرمایا کہ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے جس کے دل میں حق پذیری کی صلاحیت ہوگی، وہ اسے بصد ذوق و شوق قبول کر لے گا، لیکن جو ازلی بدبخت ہے وہ اس سے دور بھاگے گا۔ اور اس انکار کی اسے جو سزا ملے گی بڑی المناک ہوگی۔

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 101

آخری آیات میں سمجھا دیا کہ دارین کی کامیابی کا تاج فقط اس شخص کے سر کی زینت بنتا ہے جو فکری اور عملی گمراہیوں سے اپنا دامن بچاتا ہے اور ذکر الٰہی میں شب و روز مصروف رہتا ہے۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے جسے قرآن کریم میں بھی بیان کر دیا گیا ہے اور اس سے پہلے جو آسمانی صحیفے انبیائے سابقین پر نازل ہوئے ان میں بھی اس حقیقت کو بیان کر دیا گیا تھا۔

نیوسنٹرل جیل سرگودھا
۷-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں انیس آیات ہیں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ① الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ② وَالَّذِيْ

(اے حبیب!) آپ پاکی بیان کریں ۱ اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے ۲ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ۳ پھر (ظاہری اور باطنی قوتیں دے کر) درست کیا ۴ اور جس نے

قَدَّرَ فَهَدٰى ③ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ④ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ⑤

(ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا پھر اسے راہ دکھائی ۵ اور جس نے زمین سے چارا نکالا ۶ پھر اسے بنا دیا کوڑا سیاہی مائل۔

۱ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے پروردگار کی پاکی بیان کیا کرو۔ یعنی اپنے دل میں بھی یہ اعتقاد رکھو اور اپنی زبان سے بھی اس کا اعتراف کرو کہ میرا پروردگار ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ ہر قسم کے اختیارات کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ اس کے لیے ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جس میں کسی نقص یا عیب کا شائبہ ہو یا اس کی صفات کمال کے منافی ہو۔ نیز اس کا ذکر ناپاک جگہ، ناپاک حالات میں نہ کیا جائے۔ ایسی محفل جہاں ملحد قسم کے لوگ ہوں، وہاں اس انداز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے کہ وہ مضحکہ اڑانے لگیں۔ اس شخص کے سامنے بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے جو اس کو ادب وشوق سے سننے کے لیے تیار نہ ہو۔

۲ رَبِّكَ فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی سُبّوحیت پر دلیل پیش کر دی، جس نے یتیم مکہ کو ان جاودانی عزتوں سے نوازا ہے، جس نے اس اُمّی کو سر نہاں خانہ تقدیر کا محرم بنا دیا ہے، جس نے تمام ظاہری اسباب کے فقدان کے باوجود ہر میدان میں اسے فتح و نصرت عطا فرمائی ہے، جس نے شب اسریٰ اپنے برگزیدہ بندے کو مکان و لامکان کی سیر کرا دی وہ پروردگار یقیناً ہر عیب سے پاک ہے، بلاشبہ ہر خوبی سے متصف ہے۔

عزت وشان میں، قدرت اور کبریائی میں، علم وحکمت میں وہ سب سے ارفع، سب سے اعلیٰ، سب سے برتر، سب سے بالا ہے، سب اس سے نیچے، کمتر اور فروتر ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے فرمایا اس کو اپنے سجدہ کی تسبیح بنا لو۔ (1)

۳ یہاں فعل خَلَقَ (پیدا کیا) ذکر کیا لیکن مفعول (مخلوق) مذکور نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ہر چیز کا وہ خالق ہے۔ جسے بھی نعمت وجود سے نوازا گیا ہے، اس کو نوازنے والا اور کوئی نہیں، وہی ہے، بس وہی ہے۔ (2)

۴ یہ کہہ کر بتا دیا کہ اس کی تخلیق بے ہنگم نہیں جہاں سلیقہ اور نظم کا نام ونشان نہ ہو۔ ہر تخلیق میں نظم ونسق، ترتیب اور یکسانیت کار فرما ہے۔ ہر نوع کے کروڑہا افراد ہیں۔ کسی کی وضع وترتیب میں آپ کو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ کہیں بھی تو آپ نہیں دکھا سکتے کہ بلی کا حجم بڑھ کر شیر جتنا ہو گیا ہو یا بیل کی طرح گھوڑے کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

۵ ہر چیز کی تخلیق کا مقصد بھی متعین کر دیا ہے۔ اس کی افادیت کا دائرہ بھی مقرر کر دیا ہے۔ جو فرائض اس نے انجام دینے ہیں اور جس

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوٰت، باب التسبیح فی الرکوع والسجود، ص 64 2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 104

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ⑥ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا

ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ (اسے) نہ بھولیں گے [٧] بجز اس کے جو اللہ چاہے [٨] بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو

جس مقصد کے لیے اسے استعمال کیا جاتا ہے، سب کا پوری طرح اندازہ کر دیا ہے۔ غرضیکہ جملہ کلیات و جزئیات کے تمام احوال و کوائف بڑی تفصیل سے قبل از وقت طے کر دیئے گئے ہیں۔ فَهَدٰى فرما کر اپنی ایک اور مہربانی کی طرف متوجہ کیا کہ صرف فرائض کا بارگراں لاد کر کسی چیز کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ نہیں دیا گیا بلکہ ان کی بجا آوری کے لیے جن جسمانی اور ذہنی طاقتوں کی ضرورت تھی، جو بیرونی اسباب و وسائل درکار تھے، سب کے سب، ہر چیز کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق مہیا کر دیئے گئے۔ یہ ہدایت، کائنات کی ہر چیز کو دی گئی ہے۔ نباتات میں غور فرمایئے۔ اگر گندم کا بیج اس موسم میں کاشت کیا جائے جو اس کی کاشت کے لیے مقرر ہے تو بیج اگتا ہے، بڑھ کر پودا بنتا ہے اور اس کے خوشے کی جیب میں دانوں کے موتی بھر دیئے جاتے ہیں اور اگر کسی دوسرے موسم میں کاشت کیا جائے تو وہ اگتا ہی نہیں۔ زمین کتنی زرخیز ہو، اس میں کتنی کیمیاوی کھاد ڈالی گئی ہو، اس میں کتنی بار آبپاشی کی گئی ہو، سب بے سود، سب بے اثر۔ اس سے بھی زیادہ اس فطری ہدایت کے جلوے حیوانی زندگی میں نظر آئیں گے۔ اگر آپ ایک بطخ کا انڈا اور ایک مرغی کا انڈا لیں۔ دونوں سے بیک وقت بچے نکلیں۔ اگر آپ ان کے سامنے پانی کا برتن رکھیں تو بطخ کا بچہ فوراً اس میں کود جائے گا اور مرغی کا بچہ دور ہٹ جائے گا۔

حضرت انسان تو ایک طور ہے۔ اس کا ذرہ ذرہ حکمت الٰہی کی جلوہ گاہ ہے۔ اس کی حیوانی زندگی کو برقرار رکھنے والے اعضا معدہ، جگر، دل، پھیپھڑے، گردے، جسم کے ان گنت مسام، اپنے کام میں جتے ہوئے ہیں اور آپ کو ان کی تگ و دو کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ آپ کے ارادے کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں۔ انسانی زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آپ کو ظاہری حواس کے ساتھ ساتھ باطنی حواس اور ان سے بھی اعلیٰ چیز دماغ عطا فرمایا اور جہاں یہ قوتیں گھٹنے ٹیک دیتی ہیں اور آپ کی رہنمائی سے قاصر ہو جاتی ہیں یا آپ کو بہکانے لگتی ہیں تو اس وقت بارگاہ الٰہی سے نبی، نور نبوت سے سراپا نور بن کر تشریف لاتا ہے اور شکوک و شبہات کے اندھیرے کو کافور کر دیتا ہے۔ اس کی حیات آفریں رہنمائی شیطان کی ساری فریب کاریوں اور عیاریوں کو بے اثر بنا کر رکھ دیتی ہے۔ پھر اس میں بھی ہدایت فرمائی اور ہدایت پذیری کے ان گنت درجات ہیں اور ایک مقام وہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا دست لطف و توفیق اپنے بندے کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور اس کو منزل مراد پر پہنچا دیتا ہے۔ سُبْحَانَ مَنْ شُئُوْنُ لُطْفِهٖ لَا تُحْصٰى وَ اَلْوَانُ كَرَمِهٖ لَا تُعَدُّ۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ۔

٦ مَرْعٰی وہ گھاس چارہ جو مویشیوں کی خوراک کے کام آتا ہے۔ غُثَآءً: يَابِسًا مُّفَتَّتًا۔ جو سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ اَحْوٰى: اَسْوَدَ جس کی سبزی و شادابی رخصت ہو جاتی ہے، جس کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے۔ (1)

٧ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت ہے کہ آپ کو حفظ قرآن کی نعمت، بے محنت عطا ہوگی اور یہ آپ کا معجزہ ہے کہ اتنی بڑی کتاب عظیم بغیر محنت و مشقت اور بغیر تکرار و دور کے آپ کو حفظ ہو گئی۔ (خزائن العرفان) (2)

٨ مفسرین نے فرمایا کہ یہ استثناء واقع نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ آپ کچھ بھولیں۔ (خزائن العرفان) (3)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 244 2۔ خزائن العرفان، زیر آیت ہذا، ص 1067 3۔ ایضاً

يَخْفٰى ﴿٧﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿٨﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿٩﴾

چھپی ہوتی ہے۔ اور ہم سہل بنا دیں گے آپ کے لیے اس آسان (شریعت) پر عمل ٩ پس آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ مند ہو ١٠

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١١﴾ الَّذِىْ يَصْلَى

سمجھ جائے گا جس کے دل میں (خدا کا) خوف ہوگا ١١ اور دُور رہے گا اس سے بدبخت۔ جو (بالآخر) بڑی

النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٣﴾ قَدْ اَفْلَحَ

آگ میں داخل ہوگا۔ پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیے گا۔ بے شک اس نے فلاح پائی

مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ

جس نے اپنے آپ کو پاک کیا ١٢ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ البتہ تم لوگ دُنیوی زندگی کو ترجیح

٩ حقیقت میں شریعت اسلامیہ کا بتایا ہوا راستہ، بڑا آسان راستہ ہے۔ کیونکہ اس کے قوانین، فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ اس کی صلاحیتوں کی نشوونما میں بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں، لیکن بعض لوگ جن کے مزاج بگڑ چکے ہیں انہیں اس راہ پر قدم اٹھانا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر بڑا احسان ہے کہ وہ اس آسان دین کو قبول کرنا آسان بنا دے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے لیے اس پر کاربند ہونا آسان بنا دیا ہے، اسی لیے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب حضور ﷺ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا خُلُقُهُ الْقُرْآنُ۔ (1)

١٠ حضور کریم ﷺ دعوت حق میں ہر لحظہ مشغول رہتے۔ وہ لوگ جو تعصب اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا کرتے انہیں بھی حضور ﷺ بڑے خلوص اور دل سوزی سے تبلیغ فرماتے اور جب وہ انکار کرتے تو حضور ﷺ کو دکھ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب! بے شک لوگوں کو نصیحت کرتے رہیے۔ اگر انہیں اس نصیحت سے کوئی نفع پہنچنے کی امید ہو۔ اور جن کے دل پتھر کی طرح سخت ہیں ان پر خون جگر صرف نہ کیجئے۔

١١ بتا دیا کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہے، روز جزا کا ڈر ہے، وہ تو ضرور نصیحت قبول کرے گا، بلکہ وہ خود ہر وقت اس کوشش میں رہے گا کہ اسے ایسی باتیں بتائی جائیں جن پر عمل کر کے وہ قیامت کے روز سرخرو ہو سکتا ہے۔ لیکن جو ازلی بدبخت ہے، شقاوت جس کا مقدر بن چکی ہے، اسے اگر آپ دعوت دیں گے تو وہ اسے قبول نہ کرے گا اور اسی کو اس عذاب میں جس کا ذکر آگے آ رہا ہے مبتلا کیا جائے گا۔

١٢ اوپر کی آیت میں سعید اور شقی کا ذکر ہوا تھا، اب اس پر مزید روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ فرمایا وہ شخص جو اپنے آپ کو شرک اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ اللیل، ج 1، ص 256

الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ

دیتے ہو ۳لہ حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے۔ یقیناً یہ رسب کچھ اگلے صحیفوں میں لکھا

کفر کی آلودگیوں سے بھی پاک کرتا ہے، اپنے دامن عمل کو فسق و فجور، نافرمانی و سرکشی سے بھی آلودہ نہیں ہونے دیتا۔ جو اپنے رب کی یاد میں ہر وقت مشغول رہتا ہے اور نماز پنجگانہ میں بھی سستی نہیں کرتا، اسی کے سر پر دارین کی کامیابی کا تاج سجایا جائے گا۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ فَصَلّٰى کا ایک معنی دعا بھی کیا گیا ہے یعنی جو شخص دعا مانگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے (1)۔ آپ نے دعا کے آداب کے سلسلہ میں چند حدیثیں بھی لکھی ہیں جن میں سے دو آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت فضالہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آیا۔ اس نے نماز ادا کی۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ۔ اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عَجَّلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اے نمازی تو نے بڑی عجلت سے کام لیا ہے۔ اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَّ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهٗ کہ جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کر جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھ۔ پھر دعا مانگ۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا۔ اس نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبْ (رواہ الترمذی) (2) اے نمازی! اب دعا مانگ، تیری دعا قبول کی جائے گی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حاضر تھے۔ جب میں نماز پڑھ چکا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ پھر اپنے لیے دعا مانگی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سَلْ تُعْطَ، سَلْ تُعْطَ (رواہ الترمذی) (3) مانگ! اب تجھے دیا جائے گا۔ مانگ! اب تجھے دیا جائے گا۔

(۳) حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر کے بعد لکھتے ہیں: بخاطر ایں فقیر می آید واللہ تعالیٰ اعلم۔ کہ دریں آیت اشارت است بمنازل سلوک۔ اول توبہ است و تزکیہ نفس است بازالۂ صفات مذمومہ و اکتساب صفات حمیدہ۔ دوم: مداومت بر ذکر لسانی و قلبی و روحی و سری پس رسیدن بمشاہدات۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى اشارت باولست وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ اشارت بدوم فَصَلّٰى اشارت بسوم۔ چوں صلوٰۃ معراج مومن است۔ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ اشارت بدیں ست (4)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ترجمہ: اس فقیر کے دل میں یہ بات آتی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے کہ ان آیات میں منازل سلوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پہلی منزل توبہ اور تزکیہ کی ہے کہ انسان صفات قبیحہ سے توبہ کرے اور ان سے اپنے آپ کو پاک کرے اور صفات حمیدہ کو اختیار کرے۔ دوسری منزل یہ ہے کہ زبانی، قلبی، روحی اور سری ذکر پر مداومت کرے۔ اس کے بعد انوار الٰہی کے مشاہدہ کی منزل آتی ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى سے پہلی، ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ سے دوسری اور فَصَلّٰى سے تیسری منزل کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 247

2۔ جامع ترمذی، ج 2، ص 186

3۔ ایضاً، ج 1، ص 76

4۔ تفسیر یعقوب چرخی، زیر آیت ہذا، ج 30، ص 140

الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ ع ۱ ۱۹ ۱۲

ہوا ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں۔

نماز کو مومن کی معراج فرمایا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳؎ عقل مندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہوتے، ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور نماز ادا کرتے رہتے لیکن تم اخروی زندگی پر دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ ہر وقت تم اسی کوشش میں لگے رہتے ہو تا کہ یہ چند دن تم آرام و فارغ البالی سے بسر کرو۔ یوم آخرت کے بارے میں تم نے سوچنے کی زحمت بھی کبھی گوارا نہیں کی۔ حالانکہ آخرت کی راحتیں اور مسرتیں کہیں زیادہ بہتر ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا اَنْ نُّؤْثِرَ الْحَيٰوةَ الْاٰخِرَةَ عَلَى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ نَقْتَفِيَ آثَارَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَكَ وَصَلّٰى وَاَفْلَحَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى عَبْدِكَ الْمُصْطَفٰى وَ رَسُوْلِكَ الْمُرْتَضٰى وَ نَبِيِّكَ الْمُجْتَبٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا وَ حَبِيْبِنَا مُحَمَّدٍ بَدْرِ الدُّجٰى شَمْسِ الضُّحٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ مَصَابِيْحِ الْهُدٰى وَاَصْحَابِهٖ نُجُوْمِ الرُّشْدِ لِمَنِ اقْتَدٰى مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلَهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَطْيَبَهَا وَمِنَ الْبَرَكَاتِ اَزْكٰهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَسْنٰهَا۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ

تعارف سُورۃ الغاشیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام: اس سورت کا نام "الغاشیہ" ہے۔ اس میں ایک رکوع، چھبیس آیتیں، بانوے کلمات، 381 حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (1)

مضامین: رسالت کے مکی دور میں سارا زور تین باتوں کو ذہن نشین کرانے پر دیا گیا۔

توحید، رسالت، آخرت۔

یہاں قیامت کا ذکر بڑے اُچھوتے انداز سے ایک سوال کی صورت میں کیا جا رہا ہے۔ اے مخاطب! کیا تو نے ایک ایسی چیز کے بارے میں کچھ سنا ہے جو ساری کائنات پر چھا جائے گی۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی چیز اُس سے بچ نہ سکے گی۔ یہی روز قیامت ہے۔ اس روز بنی نوع انسان کو فقط دو گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک گروہ ان بدنصیبوں کا ہو گا جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت کو مسترد کر دیا تھا۔ اس روز ان کی جو دُرگت بنے گی اس کا ایسا موثر ذکر کیا گیا ہے کہ اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرا وہ گروہ جس نے اپنے رسولوں کی دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا، بڑی مضبوطی سے ان کے دامن کو تھام لیا۔ ہجوم مصائب میں بھی ان کے پاؤں نہ ڈگمگائے۔ اس روز ان کی جس طرح عزت افزائی کی جائے گی اس کا روح پرور نقشہ کھینچ دیا۔

اس تذکرہ کے بعد اب اہل عرب کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم وحکمت پر اب بھی وہ ایمان نہیں لائے تو ذرا ان چار چیزوں کی تخلیق پر غور کریں جن کا مشاہدہ سفر وحضر میں وہ ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔ ذرا اونٹ کی طرف دیکھو جو بے آب وگیاہ میدانوں اور لق ودق وسیع ریگستانوں کو عبور کرتا ہے۔ اس کے باوجود نہ وہ طول سفر سے تھکتا ہے اور نہ پیاس کی شدت اسے درماندہ کرتی ہے۔ تمہیں اور تمہارے بوجھ کو اٹھائے ہوئے مستانہ وار وہ منزل کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ کیا اس کی ساخت، اس کی قوت برداشت، بھوک اور پیاس کے باوجود اس کی بے پناہ توانائی اس بات کی گواہی نہیں دے رہی کہ جس نے اس کو پیدا کیا ہے اس کی قدرت اور اس کی حکمت بے عدیل اور بے نظیر ہے۔

ذرا سر اوپر اٹھاؤ اور جزیرۂ عرب کے اس نیلگوں آسمان پر نظر ڈالو، اس کی وسعت، اس کی بلندی، اس کی دل موہ لینے والی رنگت، پھر دن کے وقت اس میں چمکتا دمکتا سورج اور رات کے وقت ستاروں کی ان گنت آویزاں قندیلیں دیکھ کر تمہیں یقین نہیں آتا کہ یہ ایسے خالق کی تخلیق ہے جن کی قدرت اور حکمت لاجواب ہے۔ یہ سلسلۂ کوہ جو تمہیں ہر طرف پھیلا ہوا نظر آتا ہے،

1۔ روح المعانی، ج 30، ص 111

اس کے پتھر اور اس کی چٹانیں، اس کی اونچی چوٹیاں اور پست وادیاں اپنی آفرینش میں جو افادیت رکھتی ہیں کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟ یہ فرش زمین جو حد نگاہ تک پھیلا ہوا ہے۔ جو اپنی تہوں میں تمہارے لیے بے شمار خزانے سمیٹے ہوئے ہے کیا تمہیں غور و فکر کی دعوت نہیں دے رہے۔

آخر میں اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا کہ آپ کا کام فقط ان کو نصیحت کرنا ہے۔ یہ فریضۂ نبوت آپ بڑی دلسوزی اور حسن و خوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو آپ اس پر دلگیر کیوں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان نابکاروں سے خود نمٹ لے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۸-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ سِتٌّ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الغاشیہ مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اس میں چھبیس آیات ہیں۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ؕ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ

کیا پہنچی ہے آپ کو چھا جانے والی آفت کی خبر ۱ے کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے ۲ے مشقت میں

نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ؕ۝۵ لَيْسَ

مبتلا، تھکے ماندے۔ داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں۔ انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے ۳ے انہیں

۱ے غاشیہ کا معنی ہے چھا جانے والی۔ اس سے مراد قیامت ہے۔ کیونکہ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی چیز ایسی نہ رہے گی جس پر قیامت کی ہلاکت آفرینیوں کا اثر ظاہر نہ ہوگا۔ ساری مخلوقات لرزہ براندام ہوگی۔ قطرب نے کہا ہے کہ یہاں هَلْ استفہامیہ نہیں بلکہ بمعنی قَدْ ہے۔ یعنی آپ کے پاس اس کی خبر یقیناً آ چکی ہے۔ (1)

۲ے قیامت کے روز قومیت، وطن یا زبان کی بنیاد پر جتنی گروہ بندیاں ہوں گی سب ختم ہو جائیں گی۔ ساری اولاد آدم دو حصوں میں بانٹ دی جائے گی۔ ایک وہ جنہوں نے دنیوی زندگی انکار، ناشکری اور بغاوت میں برباد کی ہوگی۔ دوسرے وہ جو اطاعت و بندگی کو اپنا شعار بنائے رہے ہوں گے۔ پہلی قسم کے لوگوں کی اس روز یہ حالت ہوگی کہ چہروں پر ذلت و رسوائی برس رہی ہو گی۔ عَامِلَةٌ: دوزخ میں بڑی مشقت جھیل رہے ہوں گے۔ وزنی طوق ان کے گلے میں پڑے ہوں گے۔ ستر ستر گز لمبی آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ آگ کی تپش الگ ہوگی۔ نَاصِبَةٌ: تھکے ماندے۔ انسان تھوڑی دیر ایسی مشقتوں میں مبتلا ہو تو وہ تھک جاتا ہے۔ یہاں تو مشقتیں بھی جان لیوا ہوں گی اور پھر یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس وقت انسان کی درماندگی اور تھکاوٹ کی جو کیفیت ہوگی اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کو تو قبول نہیں کرتے، ویسے ریاضات و مجاہدات میں دن رات مشغول رہتے ہیں۔ راہب اور جوگی قسم کے لوگ ایسی ایسی ریاضتیں کرتے ہیں کہ سن کر حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ غلط ہے اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کو انہوں نے قبول نہیں کیا، اس لیے ان کی یہ ساری محنتیں، شب بیداریاں رائیگاں جائیں گی۔ اسی طرح جو لوگ مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کرنے کے لیے رات دن محنت شاقہ کرتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے سائنس دان اور انجینئر جو ساری ساری رات، بلکہ مسلسل کئی کئی مہینے دماغی کاوش کرتے رہتے ہیں، ایمان کے بغیر ان کی یہ ساری جانکاہیاں ان کے کسی کام نہ آئیں گی۔ (2)

۳ے انیة: کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں اَنَى الْحَمِيْمُ: اَيِ انْتَهٰى حَرُّهٗ وَفِي التَّنْزِيْلِ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ: اَيْ مُتَنَاهِيَةٍ فِيْ شِدَّةِ الْحَرِّ (لسان) (3) یعنی حرارت کا انتہائی شدت اختیار کر لینا۔ یہ کفار زنجیروں میں جکڑے ہوں گے، آگ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 25 2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 412 3۔ لسان العرب، ج 14، ص 48

لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۙ﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ؕ﴿۷﴾

کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے ۴؎ جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا ۵؎

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴿۹﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ﴿۱۰﴾

کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے ۶؎ اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے عالی شان جنت میں۔

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ؕ﴿۱۱﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۘ﴿۱۲﴾ فِيْهَا سُرُرٌ وقف لازم

نہ سنیں گے وہاں کوئی لغو بات ۔ اس میں چشمہ جاری ہوگا ۔ اس میں اونچے اونچے تخت

مَّرْفُوْعَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۙ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۙ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ

(بچھے) ہوں گے اور ساغر (قرینے سے) رکھے ہوں گے اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے اور قیمتی قالین

میں بھن رہے ہوں گے۔ پیاس کی شدت ہوگی اور پینے کو ملے گا ایسے چشمے کا پانی جو ابل رہا ہوگا، کھول رہا ہوگا۔

۴؎ اور جب بھوک ستائے گی تو کھانے کے لیے خاردار جھاڑ ملے گا۔ قَالَ عِكْرِمَةُ وَمُجَاهِدٌ اَلضَّرِيْعُ نَبْتٌ ذُوْ شَوْكٍ لَّاصِقٌ بِالْاَرْضِ تُسَمِّيْهِ قُرَيْشٌ شَبْرَقَ اِذَا كَانَ رَطْبًا فَاِذَا يَبِسَ فَهُوَ الضَّرِيْعُ (قرطبی)(1) یعنی عکرمہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ ضریع ایک کانٹوں والی بوٹی ہے جو زمین سے چمٹی رہتی ہے۔ جب وہ ہری ہو تو قریش اسے شبرق کہتے ہیں اور جب سوکھ جائے تو اسے ضریع کہا جاتا ہے۔

۵؎ ضریع کا لفظ ہی کافر کی خوراک کی حقیقت بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔ مزید یہ بتا کر کہ نہ اس کے کھانے سے دبلا پتلا جسم فربہ ہوگا اور نہ بھوک کی شدت میں کمی آئے گی، مزید اس کی ناپسندیدگی کے بارے میں بتلا دیا۔

۶؎ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی حالت کو بیان کیا جا رہا ہے۔

نَاعِمَةٌ: تروتازہ، جن پر نعمت وراحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ لِسَعْيِهَا: جو کوشش وہ زندگی بھر کرتے رہے ہوں گے، ان کی جگر سوزیوں، عرق ریزیوں اور جدوجہد کے عوض جو انعامات انہیں ملیں گے انہیں دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ فردوسِ بریں میں یہ اقامت گزیں ہوں گے۔ کوئی ایسی بات یہ نہ سنیں گے جو انہیں ناگوار ہو۔ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے ہر طرف بہہ رہے ہوں گے۔ جگہ جگہ ان کے لیے اونچے اونچے پلنگ بچھے ہوں گے۔ بڑے قرینہ سے ساغر اور بلوریں جام رکھے ہوں گے۔ نَمَارِق جمع ہے اس کا واحد نُمْرُقَةٌ ہے۔ چھوٹے چھوٹے تکیے اور وہ گدیلے جو کجاوا کے اوپر ڈالے جاتے ہیں ان کو بھی نمارق کہتے ہیں۔ ذَرَابِيّ: اس کا واحد ذُرْبِيَّة قالین، چاندنی جو فرش پر بچھائی جاتی ہے۔(2)

اللہ تعالیٰ کے ان مہمانوں کی جنت میں جو خاطر مدارت ہوگی، ان کے آرام و آسائش کے جو سامان مہیا کیے جائیں گے، انہیں جو شرف پذیرائی بخشا جائے گا ان کا دلنواز تذکرہ آپ نے سنا، جو لوگ ان وعدوں کی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں، انہیں سب

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص29

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص51-250

مَبْثُوْثَةٌ ؕ﴿۱۶﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وقفة ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ

بچھے ہوں گے۔ کیا یہ لوگ (غور سے) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے (عجیب طرح) پیدا کیا گیا ہے ۷ اور آسمان کی طرف نہیں

كَيْفَ رُفِعَتْ وقفة ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وقفة ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ

دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا ہے ۸ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف

كَيْفَ سُطِحَتْ وقفة ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ وقف ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ

کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے۔ پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے ۹ آپ ان کو جبر سے منوانے والے

کچھ چھوڑ کر بلکہ جان دے کر بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا پڑے تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

۷ کفار کو پھر اپنی قدرت کے شواہد میں غور کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے اونٹ کی طرف ان کی توجہ مبذول کی کیونکہ یہ جانور عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے اس کی خوبیوں اور خصلتوں سے یہ لوگ پوری طرح آگاہ تھے۔ اس لیے انہیں اس کی تخلیق میں جو جو ندرتیں ہیں ان میں غور کرنے کی دعوت دی گئی۔

یہ اتنا بڑا جانور ہے لیکن ایک چھوٹا سا بچہ اس کی نکیل پکڑ لے تو یہ بے چون و چرا اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ وہ بیٹھنے کو کہے تو بیٹھ جاتا ہے، اٹھنے کا اشارہ کرے تو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بوجھ لادے تو اٹھا لیتا ہے۔ کیونکہ اسے وسیع ریگستانوں کو عبور کرنا پڑتا ہے جہاں پانی کی شدید قلت ہے۔ اس لیے اس کے خالق نے اسے ایسا پیدا کیا ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح اسے بار بار پیاس نہیں لگتی۔ یہ لگاتار دس دن تک پانی پیئے بغیر سفر کر سکتا ہے۔ وہ جڑی بوٹیاں جو دوسرے جانور نہیں کھاتے انہیں کھا کر یہ اپنا پیٹ بھر لیتا ہے۔ مزید برآں سارے جانوروں کی تمام خوبیاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ بعض جانور دودھ دیتے ہیں، بعض بوجھ اٹھاتے ہیں۔ کوئی سواری کے کام آتے ہیں۔ کسی کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اونٹ ایسا جانور ہے جو دودھ بھی دیتا ہے، بوجھ بھی اٹھاتا ہے، سواری کے کام بھی آتا ہے اور ذبح کر کے اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ اس کی ایک اور خصوصیت بھی ہے کہ سواری کے دوسرے جانوروں پر جب کوئی سوار ہوتا ہے تو وہ بیٹھتے نہیں بلکہ کھڑے رہتے ہیں اور یہ سواری کے وقت بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی گردن لمبی، اس کے پاؤں میں نرم گدیلے، اس کے سینہ کے نیچے ایک چکی سی بنی ہوئی ہے۔ الغرض اس کی جس چیز میں آپ غور کریں گے آپ کو اپنے رب کی حکمتوں کے ان گنت جلوے نظر آئیں گے۔

۸ پھر آسمان کی بلندیوں، پہاڑوں کے جم کر کھڑا ہونے اور فرش زمین کے بچھائے جانے پر غور کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

۹ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ آپ کا کام ان کو نصیحت کرنا ہے۔ ان کو خواب غفلت سے جگانا ہے۔ آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیے۔ اس کے باوجود اگر یہ ہدایت قبول نہ کریں تو آپ فکر مند کیوں ہوں۔ ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں تو آپ سے باز پرس ہو۔ صحاح اور لسان العرب میں مُصَیْطِر کا یہی معنی کیا گیا ہے۔

بِمُصَيۡطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الۡعَذَابَ

تو نہیں ہیں۔ مگر جس نے رُوگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب

الۡاَكۡبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيۡنَاۤ اِيَابَهُمۡ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا حِسَابَهُمۡ ﴿۲۶﴾ ع ۱ ۲۶ ۱۳

دے گا ـلہ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے۔

اَلۡمُصَيۡطِرُ، اَلۡمُسَيۡطِرُ: اَلۡمُسَلَّطُ عَلَى الشَّيۡءِ لِيُشۡرِفَ عَلَيۡهِ وَيَتَعَهَّدَ اَحۡوَالَهٗ وَيَكۡتُبَ عَمَلَهٗ۔ یعنی وہ شخص جس کو کسی پر مسلط کر دیا جائے تا کہ وہ اس کی نگرانی کرے اس کے احوال کی خبر رکھے اور اس کے اعمال کو لکھتا رہے اسے مُصَیۡطِر کہتے ہیں۔ (1)

ـلہ جو بدبخت آپ کی طرف سے منہ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دے گا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الۡعَفۡوَ فَاعۡفُ عَنَّا يَا اَكۡرَمَ الۡمَسۡئُوۡلِيۡنَ يَا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِيۡنَ وَ
احۡشُرۡنَا فِيۡ عِبَادِكَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ وَصَلِّ وَسَلِّمۡ وَ بَارِكۡ عَلٰى مُحِبِّ الۡفُقَرَاءِ
وَالۡمَسَاكِيۡنِ قَائِدِ الۡغُرِّ الۡمُحَجَّلِيۡنَ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصۡحَابِهٖ وَ سَائِرِ اُمَّتِهٖ اِلٰى يَوۡمِ
الدِّيۡنِ

1۔ لسان العرب، ج 4، ص 36۔ الصحاح، ج 2، ص 684

تعارف سُورۃ الفجر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام ''الفجر'' ہے۔ اس میں ایک رکوع، انتیس یا تیس آیتیں، ایک سو انتالیس کلمے اور پانچ سو ستانوے حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1) اور اس کے مضامین پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول اس وقت ہوا جب کفار نے مسلمانوں پر بے دریغ مشق ستم شروع کر دی تھی۔ وہ انہیں جبراً پھر کفر کی طرف لوٹنے پر مجبور کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اس سورت کا نزول ہوا۔

مضامین: ابتدا میں کفار نے اسلام کی دلوں کو مسخر کر لینے والی قوت کا صحیح اندازہ نہ لگایا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ آواز لوگوں کے عقائد کی پختگی سے ٹکرا ٹکرا کر خود ہی اپنا سر پھوڑ لے گی اور معاملہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن جب اس دعوت کے داعی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی تابانیاں تعصب وہٹ دھرمی کی سنگین فصیلوں میں شگاف پیدا کرنے لگیں اور کفر و شرک کے بڑے بڑے ستون گرنے لگے تو اہل مکہ نے مزید رواداری اور چشم پوشی کا رویہ ترک کر دیا اور لنگوٹے کس کر اسلام کے سیل رواں کو روکنے کے لیے میدان میں نکل آئے اور ہر ایسے شخص پر ظلم و ستم کی حد کر دیتے جو اسلام قبول کر لیتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے سرفروش اور جانثار بندوں کی حوصلہ افزائی فرما رہا ہے اور انہیں بتا رہا ہے کہ کفار کی یہ سنگدلانہ حرکات نرالی نہیں۔ آج سے پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ بڑے بڑے جابر اور طاقتور قبائل نے اور سنگدل حکمرانوں نے اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر اہل حق کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوششیں کیں، لیکن عذابِ خداوندی نے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ اگر مکہ کے ان رئیسوں نے اپنی یہ ظالمانہ روش نہ چھوڑی تو ان کا انجام بھی ایسا ہی المناک ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے ہر قسم کے اعمال کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہے اور مناسب وقت پر ان کو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

یہاں ایک نظریہ کا بطلان کر دیا جس میں اکثر خدا فراموش قومیں اور افراد پہلے بھی مبتلا تھے اور اب بھی مبتلا ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ اگر انسان خوش حال اور باوقار زندگی بسر کر رہا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا منظور نظر ہے۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کو خدا کی پسندیدگی کی سند حاصل ہے۔ کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں اور جو شخص کسمپرسی اور افلاس کی زندگی گزار رہا ہے، وہ خدا کی نظروں میں گرا ہوا ہے۔ اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ بتا دیا کہ یہ نظریہ سراسر باطل ہے۔ مال کی فراوانی اور مال کی قلت الٰہی

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 119

آزمائش کے دو رُخ ہیں۔ وہ اپنے بندوں کو قارون کی دولت اور فرعون کا جاہ وجلال دے کر آزماتا ہے اور کبھی فقر وفاقہ کی سختیوں سے دوچار کر کے ان کو پرکھتا ہے۔ جس نے اس کی نعمتوں پر شکر ادا کیا، اور مصائب میں صبر کا دامن نہ چھوڑا، وہ دربار خداوندی میں سرخرو اور کامیاب ہے۔ اے اپنی ثروت کی کثرت اور اپنی ریاست وامارت پر فخر کرنے والے! کبھی تو نے اپنے اعمال کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا کی ہے۔ نہ یتیم کا احترام، نہ غریب سے ہمدردی، مال ودولت سمیٹنے کے بغیر اور کوئی مقصد ہی پیش نظر نہیں۔ جائز وناجائز ذرائع میں بھی امتیاز روا نہیں رکھتے ہو۔ یاد رکھو! قیامت کا دن آنے والا ہے، اس وقت تمہاری چشم ہوش کھلے گی لیکن بے سود۔ البتہ وہ پاک نہاد قدسی صفات لوگ جو ذکر الٰہی سے اپنے قلب کی تسکین کا اہتمام کرتے رہے، جب وہ اس دار فانی سے رخصت ہوں گے تو انہیں رضائے الٰہی کے مژدہ سے خورسند کیا جائے گا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۹۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الفجر مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں تیس آیات ہیں

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿٤﴾

قسم ہے اس صبح کی اور ان (مقدس) دس راتوں کی اور قسم ہے جفت اور طاق (راتوں) کی ۱؎ اور رات کی جب گزرنے لگے ۲؎

۱؎ دعوتِ اسلام سے مکہ کے مشرکانہ ماحول میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اس وقت دو چیزوں تک محدود تھی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور روز جزا پر ایمان۔ وہ لوگ وقوع قیامت پر طرح طرح کے اعتراضات کیا کرتے اور اسے محال اور خلافِ عقل گمان کرتے۔ ان کے شکوک کے ازالہ کے لیے دیگر متعدد مقامات کی طرح اس سورت کا آغاز بھی پانچ قسمیں کھا کر فرمایا جارہا ہے۔ ایسی پانچ چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں کہ انسان اگر ان میں غور و تدبر کرے تو قیامت کے بارے میں اس کے تمام شکوک وشبہات دور ہوجائیں گے۔ اس کا وقوع ممکن بلکہ عین حکمت معلوم ہونے لگے گا۔

فرمایا قسم ہے فجر کی۔ اس فجر کے بارے میں متعدد اقوال ہیں کہ کون سی فجر مراد ہے، لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اسے کسی فجر سے مخصوص نہ کیا جائے بلکہ ہر صبح مراد ہو، جو طلوع ہوتی ہے تو رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ ہر طرف روشنی پھیل جاتی ہے۔ پرند، چرند، انسان جو آرام وسکون سے اپنی اپنی اقامت گاہوں میں رات بسر کر رہے ہوتے ہیں، اب اپنے اپنے معمولات اور فرائض کو انجام دینے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ (1)

پھر فرمایا قسم ہے دس راتوں کی جو بڑی شان والی ہیں۔ تنکیر، تفخیم شان کے لیے ہے۔ اس سے مراد کون سی راتیں ہیں۔ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں، رمضان کی آخری دس راتیں، محرم کی پہلی دس راتیں (2)۔ علماء سے تینوں قول منقول ہیں۔

اس کے بعد فرمایا قسم ہے شفع (جفت) کی اور وتر (طاق) کی۔ اس کے مصداق کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ مجھے ان میں سے یہ قول پسند ہے شفع سے مراد مخلوق اور وتر سے مراد خالق۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عطیہ، مجاہد اور دیگر جلیل القدر علمائے تفسیر نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اس کی تشریح یوں کی ہے۔ ساری مخلوق دو دو ہے۔ کفر و ایمان، ہدایت و ضلالت، سعادت وشقاوت، لیل ونہار، زمین وآسمان، بحر و بر، شمس وقمر، جن وانس، مذکر ومونث، زندگی اور موت، عزت وذلت، علم و جہالت وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی تمام شانوں اور صفات میں یکتا ہے اور طاق ہے۔ وہاں زندگی ہے موت نہیں، عزت ہے ذلت نہیں، علم ہے جہالت نہیں، قوت ہے ضعف نہیں۔ اس کی ذات بھی یکتا، اس کی تمام صفات بھی یکتا۔ (3)

بعض نے شفع سے مراد وہ نمازیں لی ہیں جن کی رکعتیں دو یا چار ہوں اور وتر سے وہ نمازیں جن کی رکعتیں تین ہیں جیسے نماز مغرب اور وتر۔ (4)

۲؎ يَسْرِ اِذَا سَارَ وَذَهَبَ (5): یعنی جب رات رخصت ہونے لگتی ہے اور صبح کے طلوع کا وقت قریب آجاتا ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 38 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 253 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً، ص 254

هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ۝۵ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝۶

یقیناً اس میں قسم ہے عقلمند کے لیے ۳؎ کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ۴؎

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝۸ وَ ثَمُوْدَ

ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے ۵؎ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں ۶؎ اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا)

ان تمام قسموں کا جواب لَتُبْعَثُنَّ محذوف ہے(1) یعنی تمہیں ضرور زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ یہ ساری چیزیں جس نظم ونسق اور باقاعدگی کے ساتھ رونما ہوتی رہتی ہیں وہ اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ یہ اندھی بہری فطرت کی کارستانی نہیں بلکہ ایک قادر، حکیم اور علیم ذات کا ارادہ ان کو معرضِ وجود میں لا رہا ہے۔ جس کی قدرت کا یہ عالم ہو اس کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حکیمانہ ہے تو وہ حضرت انسان کو اتنی قوتوں سے بہرہ ور کرنے کے بعد اس کو یوں ہی چھوڑ نہیں دیتا کہ وہ ان سے پوچھے ہی نہیں کہ انہوں نے خدا کی دی ہوئی قوتوں اور نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا ہے۔ یہ بات بھی اس کی حکمت کے سراسر منافی ہے کہ جن لوگوں نے اس کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح استعمال کیا، ان سے اس کی مخلوق کو فائدہ پہنچایا، نیکی اور اخلاق حسنہ کی آبیاری کی، ان کو تو کوئی اجر نہ ملے اور جنہوں نے ان نعمتوں پر ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی تباہی وبربادی کے لیے انہیں استعمال کیا اور فسق وفجور کی داغ بیل ڈالی ان کو ان کے کرتوتوں کی کوئی سزا نہ دی جائے۔

۳؎ فرمایا جو لوگ عقل وخرد سے بہرور ہیں، اتنی ساری قسموں کے بعد انہیں روز جزا کا یقین آجائے گا اور اس کے بعد انہیں مزید کسی قسم کی ضرورت نہیں رہے گی اور جو لوگ عقل ہی سے محروم ہیں ان کے سامنے جتنی بھی قسمیں کھائی جائیں وہ ان سے کوئی ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ عقل کو حِجْر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ غلط کاموں سے روکتی ہے۔ غلط راستہ پر کوئی چلنے لگے تو اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔(2)

۴؎ اہل مکہ دعوت حق کو بڑی بے نیازی سے پسِ پشت ڈال رہے تھے۔ چند قوموں کی داستان بطور عبرت سنائی جا رہی ہے۔ جو قوت وشوکت میں اپنے اپنے زمانہ میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، لیکن اخلاقی بیماریاں ان کو گھن کی طرح کھا گئیں، اپنے جرائم اور اعمال بد کے بوجھ تلے دب کر وہ فنا ہوگئیں۔ اہل مکہ اور دیگر عرب قبائل ان قوموں سے اچھی طرح روشناس تھے۔

تاریخ میں عاد کے دو قبیلے بہت مشہور ہیں۔ ایک کو عاد ارم کہا جاتا ہے یا عاد اولیٰ اور دوسرے کو عاد اخریٰ۔ عاد اولیٰ کا نسب نامہ یہ ہے: عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح۔ اسی عاد کی اولاد قوم عاد کے نام سے مشہور ہوئی۔ ہود علیہ السلام انہی کی طرف مبعوث ہوئے لیکن انہوں نے ان کی دعوت کو مسترد کر دیا اس لیے تباہ کر دیئے گئے۔ اس قبیلہ کے جو لوگ اس عذاب سے بچ گئے اور پھر ان کی نسل بڑھی وہ بھی قوم عاد ہی کہلائی۔ دونوں میں امتیاز کرنے کے لیے پہلی قوم کو عاد اولیٰ یا عاد ارم کہا جاتا ہے اور دوسری کو عاد اخریٰ۔(3)

۵؎ علامہ جوہری نے عماد کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اَلْعِمَادُ: اَلْاَبْنِیَةُ الرَّفِیْعَةُ وَاحِدُهٗ عِمَادَةٌ۔ وَقَالَ الشَّاعِرُ عَمْرُ بْنُ كُلْثُوْمٍ

وَنَحْنُ اِذَا عِمَادُ الْحَیِّ خَرَّتْ   عَلَى الْاِخْفَاضِ نَمْنَعُ مَنْ یَّلِیْنَا

1۔ دیگر تفاسیر میں لَنُعَذِّبَنَّ (تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج16، جز31، ص166) اور لَیُعَذِّبَنَّ ہے (روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج30، ص122)

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص254   3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص45

الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۙ⑨ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۙ⑩ الَّذِيْنَ

جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں ۷ اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا ۸ جنہوں نے

طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۙ⑪ فَأَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۙ⑫ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ

سرکشی کی تھی (اپنے اپنے) ملکوں میں ۔ پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا تھا ۔ پس آپ کے رب نے ان پر

سَوْطَ عَذَابٍ ۚ⑬ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۗ⑭ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا

عذاب کا کوڑا برسایا ۹ بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے۔ مگر انسان (بھی عجب شے ہے) کہ جب

وَفَلَانٌ طَوِيْلُ الْعِمَادِ اِذَا كَانَ مَنْزِلُهٗ مُعْلَمًا لِزَائِرِيْهِ (الصحاح) (1) بلند و بالا قصور اور محلات کو عماد کہتے ہیں۔ عمرو بن کلثوم شاعر کا شعر ہے کہ ہم، جب کسی قوم کا قصر عزت گر جاتا ہے تو ہم ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ جس کا اونچا مکان اس کے زائرین کو دور سے معلوم ہو جائے تو عرب کہتے ہیں فُلَانٌ طَوِيْلُ الْعِمَادِ۔

۶ یہ قد و قامت میں بھی دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے اور جسمانی قوت و طاقت میں بھی اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ (2)

۷ قوم ثمود سنگ تراشی کے فن میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ انہوں نے پہاڑوں کی چٹانوں کو کھود کر اور کاٹ کر اپنے لیے رہائش گاہیں تعمیر کر رکھی تھیں۔ انہیں ان کی پائیداری اور پختگی پر بڑا ناز تھا۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی زلزلہ، کوئی سیلاب، کوئی جھکڑ ان کو ہلا نہیں سکتا۔ وادی القریٰ میں اب بھی ان کے تراشے ہوئے مکانات دیکھنے والوں کو محو حیرت کر دیتے ہیں۔ جس مہارت سے انہوں نے ان سخت چٹانوں کو کاٹا پھر جس خوبصورتی سے دروازوں پر بیل بوٹے بنائے انہیں دیکھ کر اس فن میں ان کی مہارت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ (3)

۸ عاد و ثمود یہ دو قومیں جزیرۂ عرب کی رہنے والی تھیں۔ ان سے اہل عرب خوب واقف تھے۔ ان کی تباہی کی داستانیں بھی اپنے آباء و اجداد سے سنتے آئے تھے۔ فرعون اگرچہ مصر کا فرمانروا تھا، لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ اہل عرب کا میل جول تھا۔ انہوں نے اس کے مظالم اور پھر اس کی غرقابی کے قصے بھی بارہا سنے تھے، اس لیے فرعون کا ذکر ان کے نزدیک اجنبی کا ذکر نہ تھا۔

فرعون کو ذِي الْأَوْتَادِ کہا گیا ہے۔ اَوْتَاد: وَتْدٌ کی جمع ہے (4)۔ لوہے کی میخوں کو بھی کہتے ہیں اور لکڑی کی کلیاں جن کے ساتھ خیموں کی رسیاں باندھی جاتی ہیں، ان کو بھی کہتے ہیں۔ فرعون کا بہت بڑا لشکر تھا۔ جب وہ چڑھائی کرتا تو لشکر کے خیموں کو نصب کرنے کے لیے کلیوں کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے ہمراہ ہوتا۔ یا جن لوگوں پر ان کا عتاب نازل ہوتا ان کو زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی میخیں گاڑ دی جاتیں، اس لیے اس کو ذِي الْأَوْتَادِ کہا گیا ہے۔

۹ ان قوموں کی تباہی کی وجہ بتا دی کہ انہوں نے سرکشی اختیار کی، ظلم و ستم کی حد کر دی، کسی کی آبرو، کسی کی جان، کسی کی جائیداد محفوظ نہ رہی۔ جس طرح چاہتے زیردستوں کو لوٹ لیتے۔ ان کی عصمتوں کو تاراج کر دیتے اور ان کے خون کے دریا بہا دیتے اور اس بے محابا ظلم کی وجہ یہ تھی کہ انہیں روز حساب کا کوئی خوف نہ تھا۔ جب ان کے مظالم کی حد ہو گئی، ان کے انبیاء ان کی اصلاح سے مایوس ہو گئے، ان

1۔ الصحاح، ج 1، ص 508

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 255

3۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 30، ص 14-113

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 255

ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ؕ⑮ وَاَمَّآ

آزماتا ہے اسے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی ۔ اور جب

اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ⑯ ۚ كَلَّا

اس کو (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا [۱۰] ایسا نہیں ہے [۱۱]

کے راہ راست پر آنے کی کوئی امید نہ رہی، تو عذاب الٰہی کا کوڑا اس زور سے ان پر برسا کہ ان کی خاک تک اڑا کر رکھ دی گئی۔ ان کی عظمتوں کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ ان کی داستانِ عبرت سنانے کے لیے ان کے قصور ومحلات کے شکستہ کھنڈرات باقی رہ گئے۔

اے اہل مکہ! تم بھی قیامت کا انکار کرتے ہو، اسی لیے تم اپنی باغیانہ روش سے باز نہیں آتے۔ ان گزری ہوئی قوموں کی تباہی میں تمہارے لیے عبرت کے صدہا سامان ہیں۔ اگر تم پھر بھی اپنی اصلاح نہیں کرتے تو اسی انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔

۱۰ بعض لوگوں کے پاس مال ودولت کی فراوانی ہوتی ہے۔ رہنے کے لیے آرام دہ شاندار مکانات ہوتے ہیں۔ اولاد کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ معاشرے میں بھی انہیں قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے برعکس بعض لوگ مفلس اور تنگ دست ہوتے ہیں اور کئی قسم کی محرومیوں کا شکار ہوتے ہیں، لیکن ان لوگوں کا ردعمل یکساں نہیں ہوتا۔ مادہ پرست ذہنیت کے مالک تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ خوش حالی اور قدر ومنزلت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہ بڑے معزز ومحترم ہیں۔ اس لیے ان پر نوازشات کی بارش ہو رہی ہے اور جب وہ تنگ دستی اور غربت کا شکار ہوتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نگاہ کرم سے محروم کر دیا ہے تبھی ان کے ساتھ ایسا سلوک ہو رہا ہے۔ فصل کاشت کرتے ہیں تو اگتی نہیں، باغات ہیں تو وہ پھلتے نہیں، تجارت ہے تو روبہ تنزل۔ ایسے لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضگی کا دارومدار دولت کی کمی بیشی پر ہے، لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر یقین ہے اور شریعت اسلامیہ کی سچائی پر جن کا پختہ ایمان ہے ان کی سوچ کا انداز بالکل الگ ہوتا ہے۔ وہ دونوں حالتوں کو امتحان سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ دونوں قسم کے امتحانوں میں کامیاب ہوں۔ اگر ان کی مالی حالت اچھی ہوتی ہے اور علاقہ میں ان کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اس پر وہ خداوند کریم کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اپنے مالی وسائل اور اثر ورسوخ کو اس کی مخلوق کی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔ غریبوں کی امداد کرتے ہیں۔ کمزور اور ضعیف لوگوں پر کوئی ظلم کرنے لگے تو سپر بن کر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کی بیخ کنی کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اگر فقر وغربت کا دور آتا ہے تو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اپنی مالی حالت کو درست کرنے کے لیے حرام ذرائع اختیار نہیں کرتے۔ اس غربت وافلاس میں بھی انہیں اپنے علیم وحکیم پروردگار کی بیسیوں حکمتیں نظر آتی ہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات میں ان دونوں حالتوں کو ابتلاء وآزمائش سے تعبیر کیا گیا ہے جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دولت کی قلت وکثرت اللہ تعالیٰ کی رضا وناراضگی کا معیار نہیں بلکہ ان دونوں صورتوں میں جو طرز عمل آپ اختیار کریں گے اسی کے باعث آپ اپنے رب کی خوشنودی یا غضب کے مستحق ہوں گے۔

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ⑰ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ⑱

بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ۱۲؎ اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی ۱۳؎

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ⑲ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ⑳ كَلَّآ

اور چٹ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال ۱۴؎ اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو ۱۵؎ یقیناً

۱۱؎ ان نادانوں کے اس نظریہ کا بطلان کر دیا۔ دولت اس کے فضل کی نشانی نہیں اور افلاس اس کی تحقیر کی وجہ سے نہیں۔ فَلَيْسَ الْغِنٰى بِفَضْلِهٖ وَلَا الْفَقْرُ لِهَوَانِهٖ (قرطبی)(1) نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بڑی وضاحت سے اس حقیقت کو بیان فرمایا۔ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ كَلَّا اِنِّىْ لَا اُكْرِمُ مَنْ اَكْرَمْتُ بِكَثْرَةِ دُنْيَا وَلَا اُهِيْنُ مَنْ اَهَنْتُ بِقِلَّتِهَا اِنَّمَا اُكْرِمُ مَنْ اَكْرَمْتُ بِطَاعَتِىْ وَاُهِيْنُ مَنْ اَهَنْتُ بِمَعْصِيَتِىْ۔ (2)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں جس کی عزت کرتا ہوں کثرت دنیا کی وجہ سے نہیں اور جس کو ذلیل کرتا ہوں افلاس کی وجہ سے نہیں، بلکہ میں اپنی اطاعت کی وجہ سے کسی کو سرفراز کرتا ہوں اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے کسی کو ذلیل وخوار کرتا ہوں۔

۱۲؎ ان کی مادہ پرستانہ ذہنیت ان کو یتیم وغریب پر رحمت وشفقت کے جذبے سے محروم کر دیتی ہے۔ وہ ان یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ بھی نہیں پھرتے بلکہ ان کو نحوست کی علامت خیال کرتے ہیں اور ان کے سائے سے بھی دور بھاگتے ہیں، حتیٰ کہ قریبی رشتہ دار بھی ان سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

۱۳؎ ان کی بستی میں، ان کے محلے میں، بلکہ ان کے پڑوس میں کئی لوگ فاقہ کشی کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اپنی رنگ رلیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ انہیں کبھی ان مسکینوں کی تکلیف کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ نہ وہ خود ان کی طرف دست تعاون دراز کرتے ہیں نہ دیگر خوش حال لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ انسان کا دل ہمدردی کے جذبات سے خالی ہو جائے تو اس کی سنگ دلی کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

۱۴؎ صرف یہی نہیں بلکہ جب کوئی تمہارا قریبی رشتہ دار مر جاتا ہے تو اس کی ساری جائیداد تم خود سمیٹ لینا چاہتے ہو۔ نہ اس کی بیوی کو کچھ دیتے ہو، نہ اس کی بوڑھی ماں کو کچھ ملتا ہے، بلکہ مرنے والے کے یتیم بچوں کو بھی تم بالکل محروم کر دیتے ہو۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں وَكَانَ اَهْلُ الشِّرْكِ لَا يُوَرِّثُوْنَ النِّسَاءَ وَلَا الصِّبْيَانَ بَلْ يَاْكُلُوْنَ تُرَاثَهُمْ مَعَ تُرَاثِهِمْ (3) یعنی مشرکین، عورتوں اور بچوں کو ورثہ میں سے کچھ نہ دیتے تھے، بلکہ ان کے حصہ کو بھی اپنے حصہ کے ساتھ ملا کر ہڑپ کر جاتے تھے۔

لَمًّا: جَمْعًا۔ اَصْلُ اللَّمِّ فِىْ كَلَامِ الْعَرَبِ الْجَمْعُ يُقَالُ لَمَمْتُ الشَّىْءَ اَلُمُّهٗ لَمًّا اِذَا جَمَعْتَهٗ (4)۔ ترجمہ: لَمًّا کا معنی ہے جمع کرنا۔ کلام عرب میں لمم کا مادہ اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ جب تو کسی چیز کو جمع کرے اور سمیٹ لے تو تو کہے گا لَمَمْتُ الشَّىْءَ اَلُمُّهٗ لَمًّا۔

۱۵؎ مال کی محبت تمہارے رگ وریشہ میں سمائی ہوئی ہے۔ تم حلال وحرام کی تمیز بھی نہیں کرتے۔ جس طرح بن پڑے دولت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے میں مصروف رہتے ہو۔ اَلْجَمُّ: اَلْكَثِيْرُ (5)۔ بہت زیادہ، رشوت، جوا، سود، لوٹ مار، چوری وقزاقی کسی طرح بھی مال حاصل ہو تم اس پر ٹوٹے پڑتے ہو۔ اگر انسان غور کرے تو مال کی یہ مجنونانہ خواہش ہی ہزاروں خرابیوں کو جنم دیتی ہے۔ اگر لوگوں کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 52 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص 53 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً، ص 54

اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾

جب زمین کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا ۔ اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔

وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ

اور (سامنے) لائی جائے گی اس دن جہنم۔ اس روز انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اس سمجھنے کا

الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

کیا فائدہ؟ ۱۶ (اس دن) کہے گا کاش! میں نے (کچھ) آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لیے ۱۷ پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ

عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ

کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا ۱۸ اے نفس

الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ

مطمئن ۱۹ واپس چلو اپنے رب کی طرف ۲۰ اس حال میں کہ تُو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی ۲۱ پس شامل ہو جاؤ

دلوں سے اس کی یہ بے محابا چاہت ختم ہو جائے تو جرائم کا دائرہ بہت محدود ہو جائے اور مظالم کی یہ شدت بھی باقی نہ رہے۔

یہ طریقۂ کار صرف زمانہ جاہلیت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ آج بھی اکثر لوگ جن کو اسلام کے بتائے ہوئے نظریات پر پورا یقین نہیں وہ سب اسی چکر میں سرگرداں ہیں۔ اس کے بغیر نجات کی کوئی راہ نہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام کا نظریہ حیات دلآویز اسلوب میں پیش کیا جائے تا کہ وہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے سرابوں سے منہ پھیر کر قرآن کے چشمۂ صافی وشیریں کی طرف متوجہ ہوں۔

۱۶ جب قیامت برپا ہوگی تو یہ سارا نظام عالم درہم برہم کر دیا جائے گا۔ اس وقت ان غافل انسانوں کی آنکھ کھلے گی، اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے جو بتایا تھا وہی حق تھا۔ جو قرآن نے دعوت دی تھی اسی میں ان کی فلاح دارین کا راز مضمر تھا، لیکن اس روز ان کا یہ سمجھنا ان کے کسی کام نہ آئے گا اور انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

۱۷ اس روز انسان کف افسوس ملے گا اور کہے گا کاش! میں نے آج کے دن کے لیے، اس نہ ختم ہونے والی زندگی کے لیے کچھ توشہ فراہم کیا ہوتا۔ کاش! آج میں تہی دست نہ ہوتا۔

۱۸ اس روز اللہ تعالیٰ کی گرفت بڑی سخت ہوگی اور اسے آہنی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔

۱۹ کفار و منکرین کے حسرت ناک انجام کے ذکر کے بعد اب اپنے مقبول اور محبوب بندوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔

پہلے آپ یہ سمجھیے کہ نفس مطمئنہ کسے کہتے ہیں۔ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں جس طرح مچھلی کو پانی میں سکون اور قرار حاصل

فِيْ عِبٰدِيْ ۙ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾ ع

۱ ع ۳۰ ۱۴

میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنّت میں ۲۲

ہوتا ہے اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون واطمینان نصیب ہو، اسے نفس مطمئنہ کہیں گے۔ لکھتے ہیں کہ اس اطمینان کا اس وقت تک تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک انسان سے صفات رذیلہ دور نہ ہو جائیں اور یہ اس وقت تک دور نہیں ہوتیں جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ کی تجلیات سے بہرہ ور نہ ہو۔ ان میں وہ فنا ہو جائے اور ان کے ساتھ اس کو بقا نصیب ہو، اسی وقت انسان کو ایمان حقیقی نصیب ہوتا ہے اور اسی وقت اسے اطمینان کی دولت ارزانی ہوتی ہے۔(1)

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ گھبراہٹ اور اضطراب کے بعد جو سکون ملتا ہے اسے اطمینان کہتے ہیں اور نفس کو سکون تب میسر آتا ہے جب وہ یقین، معرفت اور شہود کی اعلیٰ منزل پر فائز ہو جائے اور یہ مقام ذکر الٰہی کی کثرت اور دوام سے حاصل ہوتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ ۔(2) جب انسان اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو پھر اسے ''تمکین'' سے نوازا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے رد ہونے کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔(3)

علامہ سید شریف جرجانی نے نفس مطمئنہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

اَلنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ هِيَ الَّتِيْ تَنَوَّرَتْ بِنُوْرِ الْقَلْبِ حَتّٰى تَخَلَّتْ عَنْ صِفَاتِهَا الذَّمِيْمَةِ وَ تَحَلَّتْ بِالْاَخْلَاقِ الْحَمِيْدَةِ(4)۔ یعنی نفس مطمئنہ وہ ہے جو نور قلب سے منور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی مذموم صفات فنا ہو جاتی ہیں اور وہ اخلاقِ حمیدہ سے مزین و آراستہ ہو جاتا ہے۔

۲۰ ایسے نفس مطمئنہ کو اپنے خطاب دلنواز سے یوں مشرف کیا جائے گا۔ ''واپس آجا اپنے رب کے پاس۔ یعنی وہ مخصوص مقام جہاں وہ اپنے بندوں کو اپنی خصوصی عنایات سے سرفراز کرتا ہے۔ تو اس کی محبت میں آنسو بہاتا رہا، تو اس کے عشق کی آگ میں جلتا رہا اور اس کے سوز فراق میں تڑپتا رہا۔ لے! اب فراق کی طویل رات سحر آشنا ہو رہی ہے۔ دوریاں سمٹ رہی ہیں، پردے اٹھ رہے ہیں۔ اپنے بے تاب دل اور بے قرار نگاہوں سمیت حاضر ہو جا!''۔

۲۱ اور کس شان سے آ۔ اس کا بیان دو کلمات میں فرمایا کہ ڈرتے ہوئے نہیں، گھبراتے ہوئے نہیں، اس خیال سے پریشان ہو کر نہیں کہ جس رب کو راضی کرنے کے لیے تو نے اپنی زندگی وقف کی وہ راضی بھی ہوا یا نہیں۔ ان خدشات کو، ان وسوسوں کو دل سے نکال کر باہر پھینک دو، حریم ناز میں اس شان سے آؤ کہ تم بھی اپنے رب کریم پر راضی اور وہ بندہ نواز بھی تجھ سے راضی۔ کیا بات ہے، کیا کرم ہے۔ کتنی بلند قسمت ہے اس خاکسار بندے کی جس پر یہ عنایت ہوگی۔

۲۲ میرے وہ بندے جن پر شیطان کا کوئی مکر کارگر نہ ہوا، جو عمر بھر میرے بنے رہے اور میری خاطر سب جہان سے روٹھے رہے، میری بندگی کے بغیر جن کا اور کوئی کام ہی نہ تھا، اے نفس مطمئنہ! تو بھی ان میں داخل ہو جا اور میری وہ جنت جو میری ذاتی اور صفاتی تجلیات کے لیے مخصوص ہے اس میں تشریف لے چل۔ فَالدُّخُوْلُ فِيْ زُمْرَةِ الْخَوَاصِّ هِيَ السَّعَادَةُ الرُّوْحَانِيَّةُ وَالدُّخُوْلُ مَعَهُمْ فِي الْجَنَّاتِ وَ دَرَجَاتِهَا هِيَ السَّعَادَةُ الْجِسْمَانِيَّةُ (روح البیان)(5) یعنی یہاں دو سعادتوں کا ذکر ہوا۔ ایک

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 261
2۔ سورۃ الرعدۃ: 28
3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 431
4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 432
5۔ ایضاً

خاصان بارگاہ خداوندی کی رفاقت۔ یہ روحانی سعادت ہے۔ دوسرا ان کی معیت میں جنت میں دخول، یہ بدنی سعادت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے اس روحانی سعادت کے بارے میں التجا کی تھی۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ (یوسف)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی بعینہ یہی دعا مانگی تھی۔

یہ بشارت کس وقت دی جائے گی۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ روز محشر جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنایا جائے گا۔ بعض کی رائے ہے کہ مرتے وقت یہ بشارت دی جائے گی، لیکن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ ھٰذَا یُقَالُ لَهَا عِنْدَ الْاِحْتِضَارِ وَ فِیْ یَوْمِ الْقِیَامَةِ اَیْضًا (1)۔ یعنی دونوں وقت اسے یہ خوش خبری دی جائے گی۔

یہاں ایک روایت بھی سن لیجئے۔ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِذَا تُوُفِّیَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ اَرْسَلَ اللّٰهُ مَلَكَیْنِ وَ اَرْسَلَ اِلَیْهِ بِتُحْفَةٍ مِّنَ الْجَنَّةِ فَیُقَالُ لَهَا اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اِلٰی رَوْحٍ وَّ رَیْحَانٍ وَّ رَبٍّ عَنْكَ رَاضٍ اِلٰی اٰخِرِهٖ۔ (2)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب بندۂ مومن فوت ہونے لگتا ہے اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو اس کی طرف بھیجتا ہے۔ وہ اسے کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ! اس دار فانی سے نکل اور راحت و آرام اور گل پوش وادیوں کی طرف چل اور اپنے اس پروردگار کی طرف چل جو تجھ سے راضی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر تھے، عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ مَا اَحْسَنَ ھٰذَا۔ اے اللہ کے رسول! یہ کتنی ہی اچھی بات ہے۔ فَقَالَ اَمَا اِنَّهٗ سَیُقَالُ لَكَ ھٰذَا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! جب تم اس دنیا سے رخصت ہو گے تو تمہیں بھی یہ بشارت دی جائے گی۔ (ابن کثیر) (3)

علامہ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَاءِكَ وَ تَرْضٰی بِقَضَاءِكَ وَ تَقْنَعُ بِعَطَاءِكَ (4)۔ اے اللہ! میں تجھ سے نفس مطمئن کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، جو تیری قضا پر راضی ہو اور جو تیری عطا پر قانع ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ اَجْمَلُ الصَّلَوَاتِ وَ اَحْسَنُ التَّسْلِیْمَاتِ وَ اَكْمَلُ الْبَرَكَاتِ وَ اَطْیَبُ التَّحِیَّاتِ عَلٰی صَاحِبِ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَ حَامِلِ لِوَاءِ الْحَمْدِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَ اَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ عَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِیْنَ وَ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِهِ الْكَامِلِیْنَ وَ عُلَمَاءِ مِلَّتِهِ الرَّبَّانِیِّیْنَ وَ عَلَیْنَا مَعَهُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَاءِكَ وَ تَرْضٰی بِقَضَائِكَ وَ تَقْنَعُ بِعَطَاءِكَ۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 510

2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 432

3۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 510

4۔ ایضاً ص 511

تعارف سُورۃ البلد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام ''البلد'' ہے۔ یہ لفظ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، بیس آیتیں، بیاسی کلمے، تین سو بیس حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1) اور اس کی آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ کے رئیسوں کے گھٹیا کردار کو ہدف تنقید بنانا شروع کر دیا تھا۔

مضامین: قسم اٹھا کر انہیں بتا دیا گیا کہ تمہارا یہ خیال سراپا لغو ہے کہ تم اتنے طاقتور ہو کہ تم پر کسی کا قابو نہیں۔ تم فضول باتوں میں اور جھوٹی نمود کے لیے اپنا روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہو اور پھر اس پر اتراتے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جس نے تمہیں یہ رزق عطا فرمایا ہے وہ تمہارے اس غلط استعمال سے آگاہ نہیں۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ وہ انسان کے جسمانی اور روحانی دونوں فطری تقاضوں کی تکمیل پر یکساں توجہ مبذول کرتا ہے۔ نہ وہ انسان کو مادی لذتوں میں کھو جانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ان سے کلیتاً قطع تعلق کر کے صرف روحانی لطافتوں میں محو ہو جانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس صورت میں اُن اعضاء اور جوارح کا ذکر کرنے کے بعد جو انسان کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے مرحمت فرمائے گئے ہیں۔ اسے تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تجھے عقاب کی قوت پرواز دی گئی ہے اس سے کام لیتے ہوئے تمہارا فرض ہے کہ اخلاق حسنہ کی بلندیوں کو سر کرنے کے لیے پرُکشار ہو۔ اس مقصد کے لیے جو اعمال حسنہ ناگزیر ہیں ان کا ذکر بھی کر دیا۔ غلاموں کو آزاد کرنا، قحط سالی کے دنوں میں فاقہ زدہ لوگوں کی خوراک کا اہتمام کرنا، یتیموں اور مسکینوں پر شفقت کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایمان کے چراغ کو روشن رکھنا، خود صبر کرنا اور دوسروں کو صبر اور ہمدردی کی تلقین کرنا، یہ وہ اعمال ہیں جن کے ذریعے انسان اپنی منزل پالیتا ہے لیکن جو غریبوں کی مادی ضروریات کو استطاعت کے باوجود پورا کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۹-۴-۷۷

1۔ روح المعانی، جز30، ص133

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ البلد مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں بیس آیات ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② وَوَالِدٍ

مَیں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی ۔ دراں حالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں ۱ اور قسم کھاتا ہوں

وَّمَا وَلَدَ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ④ اَيَحْسَبُ اَنْ

باپ کی اور اولاد کی ۲ بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (زندگی بسر کرنے کے لیے) پیدا کیا ہے ۳ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ

۱ لا زائدہ ہے اور قسم کو مؤکد کرنے کے لیے مذکور ہوا ہے۔ (1)

اَلْبَلَد سے مراد مکہ مکرمہ ہے (2)۔ یہاں شہر مکہ کی اس حیثیت سے قسم اٹھائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب محمد مصطفی علیہ الصلوٰۃ والثناء اس میں تشریف فرما ہے۔ یہ شہر اگرچہ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے، لیکن اس مکین ذی شان کی وجہ سے جو عزّ و شرف اس کو حاصل ہوا ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔

وَاَنْتَ حِلٌّ الخ والا جملہ حال ہے مقسم بہ البلد کا۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں اَقْسَمَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِمَكَّةَ مُقَيَّدًا بِحُلُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِظْهَارًا لِّمَزِيْدِ فَضَائِلِهَا بِشَرَفِ الْمُتَمَكِّنِ عَلٰى فَضْلٍ لَّهَا فِيْ نَفْسِهَا (مظہری) (3) وَاَنْتَ حِلٌّ الخ کے دو مفہوم اور بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار کی اذیت رسانیوں پر اظہار تعجب کیا جا رہا ہے کہ ویسے تو اس شہر کو یہ لوگ امن کا شہر قرار دیتے ہیں۔ نہ وہاں کسی جنگلی جانور کو ستاتے ہیں نہ اس کے درختوں اور گھاس کو کاٹتے ہیں۔ ان کے باپ کا قاتل بھی اگر حرم میں پناہ لے لے تو وہ اس پر بھی دست درازی نہیں کرتے، لیکن اسی حرم میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو دکھ دینے اور اذیت پہنچانے کو اپنے لیے حلال سمجھ رکھا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینے سے یہ لوگ باز نہیں آتے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے یہ شہر حلال کر دیا گیا ہے۔ آپ کسی کافر کو قتل کریں یا اس کو سزا دیں آپ اس کے مجاز ہیں۔

۲ وَالِدٍ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور مَا وَلَدَ سے مراد آپ کی ساری اولاد ہے (4)۔ اس کی تفسیر میں بھی متعدد اقوال ہیں۔

۳ یہ جواب قسم ہے (5)۔ یعنی ہم نے انسان کی تخلیق اس لیے نہیں کی کہ وہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کر کے بزم عالم سے رخصت ہو جائے بلکہ اس کی زندگی کا سفینہ طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے بنایا گیا ہے۔ خطرات و مصائب اور اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب اس کا حمل رحم مادر میں قرار پکڑتا ہے تو اس وقت سے ہی طرح طرح کے خطرات اس کے گرد منڈلانے لگتے ہیں۔ ہر لحظہ اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ جب وہ اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو بیماریاں، ناکامیاں، محرومیاں اور مخالفین کی مخالفتیں، نفس و شیطان کی ریشہ دوانیاں قدم قدم پر اس کا راستہ روکے کھڑی ہو جاتی ہیں اور اس کی زندگی کے کارواں کو انہی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص264 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً، ص265

لَنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝٥ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝٦ ط

وقف لازم

اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا ٤ کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا ٥

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝٧ ط اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝٨ لا وَلِسَانًا

کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا ٦ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لیے دو آنکھیں ٧ اور ایک زبان

پڑتا ہے۔ گویا انسان کی زندگی کا مقصد مصیبتوں اور تکلیفوں سے نبرد آزما ہونا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس میں مضمر امکانی قوتیں اور صلاحیتیں کبھی نشوونما نہ پاسکیں اور یہ قطرہ کبھی درشہوار نہ بن سکے۔ اَلْكَبَدُ: اَلْمَشَقَّةُ وَالشِّدَّةُ (المنجد) (1) مشقت اور شدت کو کبد کہتے ہیں۔

٤ اس کے باوجود کہ خطرات وآلام نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، اس کے گھمنڈ کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس سے بالاتر کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس سے باز پرس کر سکے یا جس کے حکم کے سامنے یہ سر جھکانے پر مجبور ہو۔ یہ محض اس کی کم فہمی ہے۔ اس کی بے بسی کی تو یہ کیفیت ہے کہ حادثات کا ایک ریلا اس کا کچومر نکال کر رکھ دے اور اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔

٥ لُبَدًا: لِبْدَةٌ کی جمع ہے (2)۔ وہ چیز جس کو ڈھیروں میں جمع کیا جائے۔

دنیادار لوگ اپنی ثروت کی نمائش کے لیے ہزاروں لاکھوں روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ کبھی کوٹھیاں اور محلات تعمیر کر کے اپنی دولت مندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، کبھی کاریں خرید کر اپنی رئیسانہ ٹھاٹھ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے امراء اور افسروں کی ضیافتیں کی جاتی ہیں، شادی بیاہ کے مواقع پر لاکھوں روپے اڑا دیئے جاتے ہیں اور اس چیز کو ہی یہ لوگ اپنے لیے فخر و مباہات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس پر ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم نے ڈھیروں مال خرچ کر دیا، ہم نے روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔

٦ اس آیت سے ان کی اس حرکت کی مذمت کی جارہی ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اور جس طرح اپنی دولت لٹا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ان حرکتوں کو دیکھ رہا ہے اور ان سے اس فضول خرچی کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ تمہارے پڑوس میں صدہا غریب اور مسکین ضروریات زندگی کے لیے ترستے رہے اور تم لوگ اپنی نام ونمود کے لیے دولت کو لٹاتے رہے، تمہیں یہ خیال نہ آیا کہ یہ رزق تمہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور تم پر یہ فرض تھا کہ تم اس کے حکم کے مطابق اس کو صرف کرتے اور غریبوں اور مسکینوں کی، یتیموں اور بیواؤں کی ضروریات بہم پہنچاتے۔

٧ یہاں ان نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اس ناشکر گزار انسان کو عطا کی گئی ہیں۔ اگر وہ ان کی قدر پہچانتا اور ان سے صحیح کام لیتا تو یوں آنکھیں بند کر کے سرکشی کی راہ اختیار نہ کرتا۔ فرمایا ہم نے اس کو دو آنکھیں دی ہیں جن سے وہ اپنے معاشرے کے نشیب وفراز کو پہچان سکتا ہے، ضرورت مند لوگوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، بے نوا اور بے کس لوگوں کے حالات کو پہچان سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے ان کی امداد کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو زبان دی ہے اور اس کو دو ہونٹ عطا فرمائے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے مافی

1۔ المنجد، ص 669

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 265

وَّشَفَتَيۡنِ ⑨ۙ وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ ⑩ۚ فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ ⑪ۖ وَمَاۤ

اور دو ہونٹ ۔ اور ہم نے دکھادیں اسے دونوں نمایاں راہیں ۸ پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا (عملِ خیر کی دشوار) گھاٹی میں ۹ اور

اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ ⑫ؕ فَكُّ رَقَبَةٍ ⑬ۙ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِىۡ يَوۡمٍ ذِىۡ

کیا آپ سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے ۔ وہ (غلامی سے) گردن چھڑانا ہے یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن

مَسۡغَبَةٍ ⑭ۙ يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ⑮ۙ اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ⑯ؕ ثُمَّ

(قحط سالی) میں ۔ یتیم کو جو رشتہ دار ہے ۔ یا خاک نشین مسکین کو ۱۰ پھر

الضمیر کا صحیح اظہار کرسکتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی نیکی کی دعوت دے سکتا ہے، غرباء و مساکین کی امداد پر انہیں برانگیختہ کرسکتا ہے۔

۸ اَلنَّجۡدُ: الطَّرِيۡقُ فِی الۡاِرۡتِفَاعِ۔ بلند سطح پر جو راستہ ہو اس کو نجد کہتے ہیں۔ یعنی ہم نے صرف انسان کو حواس ظاہری اور باطنی ہی عطا نہیں فرمائے، بلکہ اپنے پیغمبروں کے ذریعے اس کے سامنے نیکی اور برائی کے راستوں کو واضح کر دیا ہے، اسے ارادہ اور اختیار کی آزادی دی ہے کہ اب جس راستے کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اس پر گامزن ہو جائے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے۔ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا هُمَا النَّجۡدَانِ۔ نَجۡدُ الۡخَيۡرِ وَ نَجۡدُ الشَّرِّ فَلِمَ تَجۡعَلُ نَجۡدَ الشَّرِّ اَحَبَّ اِلَيۡكَ مِنۡ نَّجۡدِ الۡخَيۡرِ (قرطبی) (1) اے لوگو! تمہارے لیے دو راستے ہیں۔ ایک بھلائی کا راستہ، ایک برائی کا راستہ۔ پس تم کیوں برائی کے راستے کو نیکی کے راستے سے زیادہ پسند کرتے ہو۔

۹ اِقۡتَحَمَ کا معنی ہے بلا سوچے سمجھے اپنے آپ کو کسی چیز میں پھینک دینا۔ اَلۡاِقۡتِحَامُ الرَّمۡیُ بِالنَّفۡسِ فِیۡ شَیۡءٍ مِّنۡ غَيۡرِ رُوِيَّةٍ (2)۔ جب گھوڑا اپنے سوار کو منہ کے بل گرادے تو عرب کہتے ہیں قَحَّمَ الۡفَرَسُ فَارِسَهٗ تَقۡحِيۡمًا عَلٰى وَجۡهِهٖ اِذَا رَمَاهُ (3)۔ اَلۡعَقَبَةُ: اَلۡمَرۡقَی الصَّعۡبُ مِنَ الۡجِبَالِ: اَلطَّرِيۡقُ فِیۡ اَعۡلَی الۡجِبَالِ (المنجد) (4) دشوار گزار پہاڑی راستہ۔ وہ راستہ جو پہاڑ کی بلندی کی طرف جاتا ہو۔

آیت کا مدعا یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ جھوٹی ناموری حاصل کرنے کے لیے اپنی دولت کو یوں لٹاتے، چاہیے تو یہ تھا کہ جب ان کے سامنے بھلائی اور برائی کے راستے واضح کر دیئے گئے تھے تو وہ اس راستہ پر چلتے جو حقیقی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اگرچہ وہ راستہ کٹھن ہے اور اس کو طے کرنا بڑا دشوار ہے، لیکن جس منزل کی طرف وہ جاتا ہے وہ منزل انسان کی عظمتوں کے شایان شان ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہر قسم کی مشقت کو بطیب خاطر انہیں قبول کرنا چاہیے تھا۔ لیکن سخت کوشی سے ان کی سہل انگار طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں۔ وہ لڑھکنا جانتے ہیں، وہ بلندیوں کی طرف پرواز کرنے سے قاصر ہیں۔

۱۰ یہاں سے اس کٹھن راستہ کی تفصیل بیان کی جارہی ہے جو انسان کے شایان شان ہے۔ فرمایا کرنے کا کام تو یہ تھا کہ وہ کسی غلام کو آزاد کرنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے، کسی رشتہ دار یتیم کو عام قحط سالی کے دنوں میں کھانے پینے کی ضروریات مہیا کرتے یا ایسے مسکین کی طرف دست تعاون دراز کرتے، جس کو فقر و تنگ دستی نے خاک نشین بنا دیا ہے۔ بے شک ان امور میں مال خرچ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 65 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ج 66 4۔ المنجد، ص 518

كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا

وہ ایمان والوں سے ہو ۱۱ جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت

کرنے سے ان کی شہرت کا ڈنکا نہ بجتا۔ اس طرح اگرچہ ان کی دولت کی نمائش لوگوں کی آنکھیں خیرہ نہ کرتی لیکن ضرورت مندوں کی امداد کرکے، ایک انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرکے وہ ایسا کام کرتے جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر ہے۔

چند مشکل الفاظ **مَسْغَبَةٍ:** مصدر میمی ہے سَغَبَ سے (1)۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ عام بھوک کو مَسْغَبَة کہتے ہیں (2)۔ امام راغب نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے هُوَ الْجُوْعُ مَعَ التَّعْبِ (3)۔ بھوک اور تھکن دونوں کے مجموعے کو مسغبۃ کہتے ہیں۔ یعنی ایسے دنوں میں کھانا کھلانا جب ہر طرف قحط کا دور دورہ ہو، غذائی اجناس بازار میں کمیاب ہوں اور ان کی قیمت گراں ہو جائے۔ ایسی حالت میں اپنے رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا بڑا نیک عمل ہے۔ ہر یتیم کی امداد کرنا اگرچہ کارِ ثواب ہے، لیکن رشتہ دار یتیم کی اعانت سے دگنا ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں یکجا ہو جاتی ہیں۔ **مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ:** متربۃ بھی مصدر میمی ہے (4)، یعنی جب وہ اتنا محتاج ہو جائے کہ مٹی کے ساتھ مل جائے۔

یہاں تین چیزیں مذکور ہیں (۱) عام قحط سالی اور غذائی اجناس کی نایابی کے وقت کھانا کھلانا (۲) اپنے قریبی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا (۳) اور ایسے مسکین کو کھانا کھلانا جو خاک نشین ہو۔ اس فعل کو قرآن نے عقبہ کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب غذائی اجناس کی فراوانی ہو اور ہر چیز سستے داموں خریدی جا سکے، اس وقت کسی کو کھانا کھلانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اس وقت ہوتا ہے جب کہ غذائی اجناس گراں اور نایاب ہوں اور انسان کو اپنی فاقہ کشی کا خطرہ بھی لاحق ہو۔ نیز قریبی رشتہ دار کو اگر کھانا کھلایا جائے تو لوگوں کی نگاہوں میں یہ کوئی قابل قدر چیز نہیں ہوگی۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ اپنے یتیم رشتہ دار کو کھانا کھلایا ہے کسی غیر کو تو نہیں کھلایا۔ اس لیے اس سے وہ شہرت حاصل نہیں ہوتی جو اہل دنیا کے پیش نظر ہوا کرتی ہے۔ نیز وہ لوگ جن کا پیشہ ہی گداگری ہے ان کو اگر آپ کچھ دیں گے تو وہ جگہ جگہ آپ کی فیاضی اور سخاوت کا چرچا کریں گے، لیکن وہ مسکین جس میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں، جسے سوال کرنے کی عادت بھی نہیں، جس میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ وہ کسی کے سامنے حرف مدعا زبان پر لا سکے، ایسے شخص کی جب آپ امداد کریں گے تو وہ اس کو قبول کرے گا۔ دل سے آپ کا شکر گزار بھی ہوگا، لیکن اس میں یہ ہمت ہی نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے آپ کی سخاوت کے گن گا سکے۔ اس لیے ایسے لوگوں پر اتنی ضرورت کے وقت اپنی دولت خرچ کرنا صرف ان لوگوں کا ہی کام ہے جو فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کے متمنّی ہیں۔ دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے خواہش مند لوگ یہاں مال خرچ نہیں کر سکتے۔ وہ تو وہیں کریں گے جہاں ان کی سخاوت کے گن گائے جائیں گے۔

۱۱ یعنی ان تمام اعمال کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو کیونکہ کوئی عمل ایمان کے بغیر مقبول نہیں۔ فَاِنَّ شَرْطَ قُبُوْلِ الطَّاعَاتِ، الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا معنی علامہ قرطبی نے یہ کیا ہے اَیْ فَعَلَ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں ثُمَّ بمعنی واؤ ہے۔ (5)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 268
2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 437
3۔ مفرداتِ راغب، ص 412
4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 268
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 71

بِالْمَرْحَمَةِ ⑰ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ⑱ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کرتے ہیں رحمت کی ۱۲ یہی لوگ دائیں ھاتھ والے ہیں ۱۳ اور جنہوں نے انکار کیا

بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ⑲ؕ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ⑳ع

ع ۱ ۲۰ ۱۵

ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ھاتھ والے ہیں ۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی ۱۴

۱۲ آیت کے ان دو جملوں میں اسلامی معاشرے کی خصوصیتیں بیان کی گئیں کہ ان میں سے ہر فرد دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔ راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات اور مصائب کو بطیب خاطر گوارا کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ خود تو وہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے، لیکن وہ اس پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ امت کا ہر فرد صبر کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ: وہ سنگ دل نہیں ہیں، وہ ایک دوسرے کی تکلیفوں سے بے نیاز نہیں ہیں بلکہ اگر مشرق کے بھائی کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو مغرب میں بسنے والا کلمہ گو بے تاب ہو جاتا ہے۔ ان کا باہمی رشتہ رحمت و شفقت کا ہے۔ آپ خود سوچیے کہ جو قوم ان دو خصوصیتوں سے متصف ہوگی وہ حق کا بول بالا کرنے کے لیے کتنا زبردست کردار ادا کر سکتی ہے۔ انفرادی نیکی بھی نیکی ہے، انفرادی خوبیاں بھی خوبیاں ہیں، لیکن جب تک ان میں اجتماعی اور عمومی رنگ پیدا نہ ہو وہ انسانیت کی تقدیر کو نہیں بدل سکتیں۔ وہ اس ظلمت کدۂ عالم کو سچی مسرتوں کے نور سے منور نہیں کر سکتیں۔ اس لیے اسلام نے مسلمانوں کو انفرادی طور پر نیک، صالح، مخیر اور صابر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بھی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کریں۔

۱۳ یعنی یہ لوگ جن کے سینوں میں ایمان کا چراغ بھی روشن ہے اور جو مذکورہ بالا صفات سے بھی متصف ہیں، یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کو ان کے اعمال نامے قیامت کے روز دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

۱۴ جو بدنصیب ان خوبیوں سے محروم ہیں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ مُّؤْصَدَةٌ: اَیْ مُطْبَقَةٌ مُّغْلَقَةٌ جب دروازے کو بالکل بند کر دیا جائے تو اہل عرب کہتے ہیں اَوْصَدْتُ الْبَابَ اَیْ اَغْلَقْتُهٗ۔ یعنی ان کو آگ میں پھینک دیا جائے گا اور دروازے بند کر دیئے جائیں گے، نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی (1)۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَ مَوْتًا فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِكَ
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 72

تعارف سورۃ الشمس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس کا پہلا کلمہ ''الشمس'' ہی اس کا نام ہے۔ اس میں ایک رکوع، پندرہ آیتیں، چون کلمات اور دو سو سینتالیس (247) حروف ہیں۔

نزول: یہ باتفاق علماء مکہ میں نازل ہوئی۔ (1)

مضامین: متعدد قسمیں اٹھانے کے بعد انسان کو اس حقیقت سے خبردار کیا کہ جس حکیم خالق نے اس کو پیدا فرمایا ہے اس کو گوناگوں قابلیتیں عطا کی ہیں اور ان کو استعمال میں لانے کے لیے اعضاء سے نوازا ہے۔ اس نے اس کی فطرت میں نیک و بد، خیر و شر میں امتیاز کی تخم ریزی کر دی ہے۔ جو شخص اس بیج کی مناسب نگہداشت کرتا ہے۔ اس کی نشوونما پر پوری توجہ دیتا ہے۔ وہ کامیاب و کامران ہے، لیکن جو شخص اپنے لاشعور سے ابھرنے والی آواز کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا۔ کسی برائی کے اقدام پر اس کے نہاں خانہ دل میں جو ہلچل برپا ہوتی ہے اس کی پرواہ نہیں کرتا اور اپنے نفس کی خواہشات کے ریلے میں تنکوں کی طرح بہتا چلا جاتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں خائب و خاسر ہوگا۔ سورج کے اجالے میں بھی وہ اندھوں کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے۔ قوم ثمود کا تذکرہ تم بار بار سن چکے ہو۔ ان کے نبی نے ان کے مطالبہ کے مطابق معجزہ دکھایا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چٹان پھٹی اور اس سے ایک جیتی جاگتی اونٹنی نمودار ہوگئی۔ لیکن جن کے دل کی آنکھ اندھی تھی انہیں پھر بھی ہدایت نصیب نہ ہوئی۔ بلکہ ان کے ایک بدبخت ترین انسان نے اس ناقہ کی کونچیں کاٹ کر اللہ کے غضب کو چیلنج کیا۔ خود بھی برباد ہوا اور اپنی ساری قوم کو بھی برباد کر ڈالا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۹-۴-۷۷

1۔ روح المعانی، جز30، ص140

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ خَمْسَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الشمس مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں پندرہ آیات ہیں

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ③

قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے مہتاب کی ۱؎ کی جب وہ (غروبِ) آفتاب کے بعد آوے ۲؎ اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کردے ۳؎

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ④ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ⑤ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ⑥

اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے ۴؎ اور قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی ۵؎ اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی ۶؎

۱؎ اس سورت کا آغاز متعدد قسموں سے کیا جا رہا ہے تا کہ مخاطب پوری توجہ اور انہماک سے اس کو سنے، اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرے اور جس حقیقت کو اتنی قسمیں کھا کر بیان کیا گیا ہے اس کی اہمیت کا پورا پورا احساس اس کے دل میں پیدا ہو۔ لغت ونحو کے امام مبرد نے ضحی کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا اصل الضحّ ہے جس کا معنی ہے آفتاب کی روشنی۔ الضحّ کی دوسری حاء کو الف سے بدل دیا گیا۔ قَالَ الْمُبَرَّدُ اَصْلُ الضُّحٰى مِنَ الضِّحِّ وَهُوَ نُوْرُ الشَّمْسِ وَالْاَلِفُ مَقْلُوْبَةٌ عَنِ الْحَاءِ الثَّانِيَةِ (قرطبی) (1)

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ضُحٰهَا کا یہ معنی نقل کیا ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ ضُحَاهَا قَالَ جَعَلَ فِيْهَا الضَّوْءَ وَ جَعَلَهَا حَارَّةً (2)۔ یعنی ضُحٰی سے سورج کی روشنی اور حرارت دونوں مراد ہیں۔

۲؎ تیسری قسم چاند کی کھائی جا رہی ہے جب وہ سورج کے غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ قمری مہینہ کے ابتدائی پندرہ دنوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ادھر سورج غروب ہوتا ہے، ادھر چاند نمودار ہو جاتا ہے اور آخری نصف میں چاند پہلے طلوع ہوتا ہے اور سورج اس کے بعد نمودار ہوتا ہے۔

۳؎ چوتھی قسم دن کی کھائی جا رہی ہے جب وہ سورج کو روشن کر دیتا ہے۔ یعنی دن جیسے چڑھتا جاتا ہے سورج کی روشنی بھی زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے۔ جَلّٰهَا کی ضمیر منصوب کا مرجع سورج بھی ہو سکتا ہے (3) جس طرح ذکر ہوا اور اس کا مرجع امور غیر مذکورہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے زمین، دنیا، ظلمت وغیرہ۔ اس وقت معنی ہوگا قسم ہے دن کی جب وہ ساری زمین کو روشن کر دیتا ہے۔

۴؎ گویا جب رات آتی ہے تو سورج کو اپنے اندھیروں میں لپیٹ لیتی ہے۔ زمین کا جو حصہ پہلے سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا وہاں رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے۔

۵؎ ان آیات میں مَا مصدریہ بھی ہو سکتا ہے اور مَا بمعنی مَنْ بھی ہو سکتا ہے۔ امام حسن بصری، مجاہد اور طبری کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ مَا بمعنی مَنْ ہے (4)۔ ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ مَا کا استعمال بے جان مخلوق اور غیر عاقل اشیاء کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں مَا سے اللہ تعالیٰ کی ذات کیسے مراد لی جا سکتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں مَا بکثرت مَنْ کے معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ...... وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 73 2۔ ایضاً، ص 72 3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 269 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 74

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ

قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی ۷ پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو ۸ یقیناً فلاح

۶ طحٰی اور دحٰی دونوں ہم معنی ہیں اَیْ بَسَطَهَا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ (1): یعنی اسے ہر طرف سے کشادہ کر دیا ہے اور بچھا دیا ہے۔

۷ انسان کی ظاہری ساخت، اس کے ظاہری و باطنی حواس، اس میں غور و فکر اور فہم و استنباط کی صلاحیتیں، جس علیم و حکیم نے بڑی خوبصورتی اور سلیقہ سے اس میں ودیعت فرمائی ہیں، اس ذات کی قسم کھائی جا رہی ہے۔

۸ علامہ ابن منظور الہام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَللَّهْمُ: اَلِابْتِلَاعُ لَهِمَ الشَّیْءُ لَهْمًا وَّلَهَمًا وَتَلَهَّمَهٗ وَالْتَهَمَهٗ: اِبْتَلَعَهٗ بِمَرَّةٍ۔ یکبارگی کسی چیز کو نگل جانا۔ اسی سے الہام مشتق ہے۔ وَالْاِلْهَامُ: مَا یُلْقٰی فِی الرَّوْعِ۔ دل میں کسی چیز کو ڈال دینا۔ اَنْ یُّلْقِیَ اللّٰهُ فِی النَّفْسِ اَمْرًا یَّبْعَثُهٗ عَلَی الْفِعْلِ اَوِ التَّرْكِ (لسان العرب) (2) یعنی اللہ تعالیٰ کا نفس میں ایسا خیال پیدا کر دینا جس کے باعث وہ کسی کام کو کرے یا ترک کر دے۔

علامہ راغب اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلْاِلْهَامُ: اِلْقَاءُ الشَّیْءِ فِی الرَّوْعِ وَیَخْتَصُّ ذٰلِكَ بِمَا كَانَ مِنْ جِهَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَجِهَةِ الْمَلَاءِ الْاَعْلٰی (المفردات) (3) یعنی الہام، کسی چیز کے دل میں ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور الہام اس خیال کے لیے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو یا ملاء اعلیٰ کی طرف سے ہو۔

آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو نیک و بد، حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا شعور عطا فرمایا ہے۔ وہ اچھی اور بری چیزوں میں پوری طرح امتیاز کر سکتا ہے۔ اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ انسان میں نیکی کرنے اور برائی کرنے کی دونوں صلاحیتیں موجود ہیں، اب اس کی مرضی کہ وہ نیکی کو پسند کرتا ہے یا برائی کو اختیار کرتا ہے۔ اس سے پہلی سورت میں بھی اس مفہوم کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات پر قرآن کریم نے یہ تصریح کی ہے۔ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قَالَ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَالَ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰىهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَكّٰىهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَاهَا (قرطبی) (4) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا اور اس کے بعد یہ دعا مانگی الٰہی! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور تو ہی اس کو پاک فرما، تو بہترین پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا مالک اور مددگار ہے۔

حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَالْهَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰىهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَكّٰىهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلٰىهَا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدَعْوَةٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَهَا۔

حضرت زید فرمایا کرتے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے اور ہم تم کو یہ دعا سکھا رہے ہیں۔ (مسند احمد، ابن کثیر) (5)

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص75-74

2۔ لسان العرب، ج12، ص55-554

3۔ مفردات راغب، ص748

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص76

5۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج4، ص516

اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا ۹ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا ۱۰ جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر کو)

بِطَغْوٰىهَآ ۝١١ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝١٢ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اپنی سرکشی کے باعث ۔ جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بدبخت ۱۱ تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا)

ترجمہ: الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عاجزی سے، سستی سے، بڑھاپے سے، بزدلی سے، بخل سے اور عذاب قبر سے۔

الٰہی! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر، اس کو پاک کر، تو بہترین پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا مالک اور مددگار ہے۔

الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے جو مقبول نہ ہو۔

۹ یہ ہے وہ حقیقت جس کو آشکارا کرنے کے لیے اتنی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ فرمایا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہو گیا اور جس نے اسے گناہوں کی خاک میں دبا دیا وہ خائب و خاسر ہوا۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں۔ اَلتَّزْكِيَةُ الْاِنْمَاءُ وَالْاِعْلَاءُ وَالتَّدْسِيَةُ النَّقْصُ وَالْاِخْفَاءُ۔ (1)

جو شخص اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے، اپنے آپ کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرتا ہے، اس کی فطرت سلیمہ، نشو و نما پاتی ہے، اس کی قوت و توانائی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے اندر ایسا عزم اور ہمت محسوس کرتا ہے کہ وہ مشکل سے مشکل کام کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے، راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو وہ پرکاہ کی وقعت نہیں دیتا۔ نہایت ثابت قدمی سے نیکی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ اس کی زندگی کا دامن اعمال حسنہ اور روشن کارناموں سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس کی روحانی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور آخر کار وہ اس منزل پر فائز ہو جاتا ہے جس کے بارے میں حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے: كُنْتُ بَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ (2) میرا نور اس کی بینائی بن جاتا ہے اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے الخ۔ جب اس کی ظاہری زندگی رحمتوں اور برکتوں کا مخزن و منبع ہوتی ہے تو آخرت میں اس کی جو عزت افزائی ہو گی اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

۱۰ اس کے برعکس جس نے اپنے نفس کی صلاحیتوں کا گلا گھونٹ دیا، جس نے گناہوں کے ڈھیر کے نیچے اس گوہرِ یکتا کو دبا دیا اور اس کی قوتوں کا غلط استعمال کر کے ناشکری کی انتہا کر دی، وہ شخص اپنی بدنصیبی اور محرومی کا جتنا بھی ماتم کرے کم ہے۔ قَالَ اَهْلُ اللُّغَةِ الْاَصْلُ دَسَّسَهَا مِنَ التَّدْسِيْسِ وَهُوَ اِخْفَاءُ الشَّيْءِ فِي الشَّيْءِ فَأُبْدِلَتْ سِيْنُهٗ يَاءً كَمَا يُقَالُ قَصَّيْتُ اَظْفَارِيْ وَ اَصْلُهٗ قَصَّصْتُ اَظْفَارِيْ (3)۔ یعنی اہل لغت کہتے ہیں کہ دَسّٰىهَا اصل میں دَسَّسَهَا ہے۔ یہ تَدْسِيْس سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کو دوسری چیز میں چھپا دینا۔ اس کے آخری سین کو یاء سے بدل دیا گیا جس طرح تَقَصَّيْتُ اَظْفَارِيْ اصل میں تَقَصَّصْتُ اَظْفَارِيْ تھا۔ آخری صاد کو یاء سے بدل دیا۔

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 760

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ج 2، ص 963

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 77

نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۪ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ

اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے ۱۲ پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے

رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ ع ۱ ۱۵ ۱۶

رب نے ان کے گناہ (عظیم) کے باعث اور سب کو پیوندِ خاک کر دیا ۱۳ اور کوئی ڈر نہیں اللہ کو ان کے (تباہ کن) انجام کا ۱۴

۱۱ انسانی تاریخ سے ایک مثال پیش کر کے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ جنہوں نے اپنے نفسوں کو گناہوں کی مٹی کے نیچے دبا دیا وہ خائب و خاسر ہوئے۔ قوم ثمود کے حالات سے اہل عرب بے خبر نہ تھے۔ عذاب الٰہی کی جس چکی میں ثمود کو پیس دیا گیا تھا اس کی تفصیلات سے بھی وہ بخوبی آگاہ تھے۔ تجارتی سفروں میں بارہا ان کا گزر ان ویران کھنڈروں سے ہوا کرتا جہاں کبھی قوم ثمود بڑے کروفر سے آباد تھی۔ اہل مکہ کو ان کی غلط روش سے باز رکھنے کے لیے ان کی توجہ ثمود کے عبرت ناک انجام کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ انہوں نے بھی اپنے نبی کو جھٹلایا تھا۔ وہ اونٹنی جو ان کی فرمائش کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام نے بطور معجزہ پیش کی تھی اور ان کو اچھی طرح متنبہ کیا تھا کہ خبردار! اس اونٹنی کو ہرگز اذیت نہ پہنچانا۔ ایک دن کنویں سے سارا قبیلہ پانی پیئے۔ دوسرے دن اس اونٹنی کے لیے مخصوص کر دو۔ اس میں ردوبدل کی کوشش ہرگز نہ کرنا، ورنہ خدا کا عذاب تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دے گا، لیکن غرور و نخوت کی جو شراب انہوں نے پی رکھی تھی، اس نے انہیں سرکش و نافرمان بنا دیا تھا۔ اسی سرکشی کے باعث انہوں نے اپنے نبی کی ہدایات کی ذرا پرواہ نہ کی، بلکہ ان کو جھٹلانا شروع کر دیا اور اس ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں اور اسے ہلاک کر دیا۔ جس شخص نے یہ ظلم ڈھایا اس کا نام قُدار بن سالف تھا جو سارے ثمودیوں میں پرلے درجے کا شریر، مفسدہ پرداز اور خبیث النفس تھا، لیکن اسے ساری قوم کی تائید حاصل تھی اس لیے ساری قوم کو سزا ملی۔ ضحاک سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: اَتَدْرِیْ مَنْ اَشْقَی الْاَوَّلِیْنَ اے علی! کیا تم جانتے ہو کہ پہلے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون تھا؟ میں نے عرض کیا اَللّٰهُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا۔ پھر دریافت فرمایا اَتَدْرِیْ مَنْ اَشْقَی الْاٰخِرِیْنَ کہ بعد میں آنے والوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قَاتِلُكَ۔ تیرا قاتل سب سے زیادہ بدبخت ہے۔ (1)

۱۲ نَاقَةَ اللّٰهِ منصوب ہے جس طرح کہتے ہیں اَلْاَسَدَ الْاَسَدَ۔ اس کا فعل محذوف ہے۔ اَیِ احْذَرُوْا نَاقَةَ اللّٰهِ۔ (2)

۱۳ علامہ قرطبی دَمْدَمَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلدَّمْدَمَةُ اِهْلَاكٌ بِاسْتِیْصَالٍ فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ اَیْ اَهْلَكَهُمْ فَجَعَلَهُمْ تَحْتَ التُّرَابِ (3)۔ کسی کی جڑ کو اکھیڑ کر تباہ کر دینا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ یعنی ان کو نیست و نابود کر دیا گیا، ان کا نام

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 78 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جز 20، ص 79

ونشان تک بھی باقی نہ رہا۔

۱۴؎ قوم ثمود اپنے عہد عروج میں بڑی نامور قوم تھی۔ دیگر قبائل واقوام کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ یقیناً انہوں نے باہمی معاہدہ کر رکھا ہوگا کہ اگر کسی قوم پر کوئی تاخت وتاراج کرے تو سب مل کر حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ثمود جیسی قوم کو تباہ وبرباد کر دینے کے نتائج کا مجھے کوئی خوف نہیں۔ ان کے کسی حلیف قبیلہ یا دوست قوم کی یہ مجال نہیں کہ ہم سے ان کی بربادی کا انتقام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام خدشات سے ماورا ہے۔ اس کی قوت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔ وہ جس کو تباہ وبرباد کرنا چاہے، کر سکتا ہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى حَبِيْبِكَ الْمُكَرَّمِ وَعَلٰىٓ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

تعارف سُورۃ الّیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام ''الیل'' ہے۔ جو اس سورت کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں ایک رکوع، اکیس آیتیں، اکہتر کلمے اور تین سو دس حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔(1)

مضامین: اس سورت میں دیگر اہم نکات کے علاوہ ایک نفسیاتی راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جو انسان اپنے آپ کو نیک اعمال کا عادی بنا لیتا ہے۔ اس کے لیے اچھے کام خواہ کتنے کٹھن اور مشکل ہوں آسان ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے لیے تو اطاعت و تقویٰ کا راستہ بڑا دشوار گزار اور خاردار ہوتا ہے۔ لیکن وہ شخص اس پر یوں خراماں خراماں گزر جاتا ہے جیسے اس کے راستہ میں اطلس و کمخواب کا فرش بچھا ہو۔ اس کے برعکس جو لوگ برائیوں کے خوگر ہو جاتے ہیں، وہ ان گناہوں میں ایسی کشش اور لذت محسوس کرتے ہیں، جو درحقیقت ان کی بربادی، بدنامی اور رسوائی کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ ایک شراب کے گھونٹ کے لیے بڑی دریا دلی سے اپنی دولت لٹاتے رہتے ہیں۔ جوئے کی ایک بازی پر وہ اپنی بیگمات کی عصمتوں کو داؤ پر لگانے سے بھی باز نہیں آتے۔ اپنے سگے بھائی کے قتل پر بھی نہ انہیں جھجک محسوس ہوتی ہے اور نہ خجالت۔

ارشاد الٰہی ہے کہ لوگوں کو دعوت حق دینا ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے لیکن اس کو قبول کرنے پر ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے۔ جو چاہے اپنی خوشی سے راہ حق پر گامزن ہو جائے۔ اور جو چاہے ہلاکت کے گڑھے میں کود جائے۔ اس کو معاوضہ ایسا ہی ملے گا جیسا اس نے اپنی مرضی سے عمل کیے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اپنا مال ضرورت مندوں میں رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر بانٹ رہے ہوتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد کسی کے سابقہ احسان کا بدلہ چکانا نہیں ہوتا۔ وہ محض اپنے رب اعلیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور انہیں مبارک ہو۔ یہ گوہر مقصود انہیں بخش دیا جائے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۹۔۴۔۷۷

1۔ روح المعانی، ج30، ص147

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِحْدٰى وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ اللّیل مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں اکیس آیات ہیں

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ① وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ② وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ

قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اُٹھے اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر

وَالْاُنْثٰٓى ۙ③ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۭ④ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ⑤

اور مادہ کو ۱ بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں ۲ پھر جس نے (راہِ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا

۱ اس سورت کا آغاز بھی متعدد قسمیں کھا کر کیا گیا ہے۔

۲ یہ ان قسموں کا جواب ہے۔

آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے پہلے ہر طرف کفر و شرک اور جاہلیت کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ عمیق غاریں اور بلند چوٹیاں سب کی سب تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ سب اہل عرب ایک ہی ڈگر پر رواں دواں تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نے عرب کے معاشرے کو دو گرہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں گروہوں کے عقائد و نظریات، افکار و جذبات اور اعمال و کردار میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ بعد تھا۔ ہر گروہ اپنی روش پر پختہ اور اپنی اپنی منزل کی طرف گرم سیر تھا۔ اللہ تعالیٰ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ جس طرح رات اور دن، نر اور مادہ الگ الگ ہیں، ہر ایک کی اپنی خصوصیات اور ان کے الگ الگ نتائج ہیں اسی طرح ان دو گروہوں کے اعمال کی نوعیت بھی جدا جدا ہے۔ ان میں کسی قسم کی یکسانیت نہیں۔ ایک گروہ اپنے خالق و مالک کی بندگی اختیار کیے ہوئے ہے، اسی کے احکام کی بجا آوری میں کوشاں ہے اور اس کی رضا کا جویا ہے اور دوسرا گروہ معبودان باطل کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہے، اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں روز و شب مصروف ہے، عارضی لذتوں اور فانی جاہ و جلال کے حصول کے علاوہ اس کے پیش نظر کوئی منزل نہیں۔ اس بین تفاوت کے باوجود ان دو گروہوں کی جدوجہد یکساں نہیں ہو سکتی اور اس پر ایک جیسے نتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے اَلنَّاسُ غَادِيَانِ۔ فَمُبْتَاعٌ نَّفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا۔ وَبَائِعٌ نَّفْسَهٗ وَمُوْبِقُهَا (قرطبی)(1) لوگ جب صبح کرتے ہیں تو ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ اپنے نفس کو خرید کر اس کو آزاد کر دیتے ہیں او کچھ لوگ اپنے نفس کو فروخت کر کے اس کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

شَتّٰى: شَتِيْتٌ کی جمع ہے جس طرح مَرِيْضٌ کی جمع مَرْضٰى۔ یعنی متفرق اور منتشر۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتِيْتٌ ہوتا تا کہ اسم اور خبر دونوں واحد ہوتے، لیکن سعی مسلسل جدوجہد کو کہتے ہیں جو متعدد اعمال و افعال پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے اگرچہ سعی لفظاً واحد ہے، لیکن معناً جمع ہے۔ اس کے اس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی خبر شَتّٰى جمع ذکر کی گئی۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 82

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿٧﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ

اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی ۳ تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے آسان راہ ۴ اور جس نے بخل کیا

۳۔ ان دو گروہوں کی جدوجہد کے چند اہم پہلو ذکر کر کے ان کے باہمی بُعد اور تفاوت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس سعادت مند گروہ کی جدوجہد اور سعی پیہم کے اہم پہلوؤں کو ذکر فرمایا۔ جس گروہ نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر ہاتھ رکھ کر اسلام کی بیعت کی اور ہر قیمت پر اللہ تعالیٰ کی توحید کے پرچم کو سر بلند کرنے اور سر بلند رکھنے کا عزم کیا، فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے اس کی رضا، اس کے دین کی سر بلندی اور اس کے ضرورت مند بندوں کی اعانت کے لیے اپنا مال بصد مسرت خرچ کرتے ہیں۔ اس کو بوجھ نہیں سمجھتے، اس کو تاوان اور چٹی خیال نہیں کرتے، بلکہ سب کچھ نثار کر کے شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے رب نے ان کو مال بھی بخشا اور اپنے راستے میں اسے خرچ کرنے کی توفیق بھی مرحمت فرمائی۔ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ انہوں نے تقویٰ کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں بڑے سرگرم ہیں۔ منہیات اور محرمات کے قریب تک نہیں پھٹکتے۔ ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہے۔

ان کی تیسری خصوصیت یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے جن اچھی چیزوں کی انہیں تعلیم دی ہے ان کی وہ تصدیق کرتے ہیں اور دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ باتیں سراسر حق ہیں۔

۴۔ یہ جملہ بڑا توجہ طلب ہے۔ فرمایا جس گروہ میں یہ تین صفات پائی جاتی ہیں ہم ان کے لیے وہ راہ آسان کر دیتے ہیں جو انہیں ابدی فلاح اور حقیقی مسرتوں کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس راہ پر چلنے کی لگن ہم ان کے دل میں پیدا کر دیتے ہیں اپنی منزل سے انہیں والہانہ عشق ہو جاتا ہے۔ جو کام لگن اور عشق سے کیا جائے وہ بظاہر کتنا کٹھن کیوں نہ ہو جذبہ عشق کی برکت سے وہ ذرا مشکل نہیں ہوتا۔ اس راہ کے کانٹے بھی پھولوں سے زیادہ پیارے لگتے ہیں۔ ہر مشکل گھاٹی راہی کو نئی لذتوں سے آشنا کر دیتی ہے، نماز اس کے لیے بوجھ نہیں رہتی، بلکہ اس کی روح کی غذا بن جاتی ہے جس کے بغیر اسے قرار نہیں آتا۔ عبادات کی ادائیگی میں اُس کو گرانی محسوس نہیں ہوتی بلکہ اسے وہ خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے جس کا اندازہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا شوق نئے نئے بہانے تلاش کرتا ہے اور جب اس کی رضا کے لیے سر کٹانے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اس کا ذوقِ سرفروشی فرشتوں کو بھی محو حیرت کر دیتا ہے۔

اب ذرا آیت کے الفاظ میں غور فرمایئے:

علامہ آلوسی فَسَنُيَسِّرُهٗ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَصْلُ التَّيْسِيْرِ مِنَ الْيُسْرِ بِمَعْنَى السُّهُوْلَةِ لٰكِنْ اُرِيْدَ التَّهْيِئَةَ وَالْاِعْدَادَ لِلْاَمْرِ۔ یعنی تیسیر، یُسر سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کا اصل معنی آسانی اور سہولت ہے، لیکن یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کے لیے کسی کو مستعد اور تیار کر دینا۔ عرب جب گھوڑے پر زین ڈال کر اور اس کے منہ میں لگام دے کر سواری کے لیے بالکل تیار کر دیتے ہیں تو کہتے ہیں يَسَّرَ الْفَرَسَ لِلرُّكُوْبِ اِذَا اَسْرَجَهَا وَاَلْجَمَهَا۔ (1)

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 49-148

وَاسْتَغْنٰى ۸ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۱۰

اور بے پروا بنا رہا ۔ اور اچھی بات کو جھٹلایا ۵ تو ہم آسان کردیں گے اس کے لیے مشکل راہ ۶

علامہ ابن منظور نے بھی لسان العرب میں اس کا یہی مفہوم بتایا ہے اور متعدد احادیث بطور استشہاد پیش کیں۔ ان میں سے ایک آپ بھی سن لیجئے۔

فِی الْحَدِیْثِ: اِعْمَلُوْا وَ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ اَیْ مُهَیَّئًا (1)۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نیک اعمال کرو، راست روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو۔ ہر شخص جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا اس کی استعداد اس میں رکھ دی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی اس جملہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں فَسَنُهَیِّئُهٗ لِلْخَصْلَةِ الَّتِیْ تُؤَدِّیْ اِلٰی یُسْرٍ وَّ رَاحَةٍ کَدُخُوْلِ الْجَنَّةِ وَ مَبَادِیْهِ (2)۔ یعنی ہم اس میں اس خصلت کی استعداد پیدا کردیتے ہیں جو اسے آسانی اور راحت کی طرف لے جاتی ہے جس طرح دخولِ جنت اور اس کے لوازمات وغیرہ۔

یُسْرٰی: صفت مؤنث ہے، لیکن اس کا موصوف مقدر ہے (3)۔ اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ، رضائے الٰہی، دخول جنت، سب اس کے موصوف ہو سکتے ہیں۔ ان امور کو آسان اور سہل فرمایا گیا ہے۔ اس لیے بھی کہ جب انسان ان کو حاصل کرلیتا ہے تو اس کو ابدی راحت و آرام نصیب ہوجاتا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اس کی فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے۔ جو کام انسان کی فطرت سے ہم آہنگ ہو اس کا کرنا مشکل نہیں ہوتا، بلکہ انسان بڑی سہولت سے اس کو انجام دے سکتا ہے۔ مشکل کام تو یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اس کی فطرت کے تقاضوں کے خلاف کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسے قدم قدم پر اپنی فطرت سے جنگ کرنا پڑتی ہے۔ اپنے جذبات سے برسرِ پیکار ہونا پڑتا ہے اور اپنے مزاج کی مخالفت کرنا پڑتی ہے اور یہ کام واقعی بڑا کٹھن اور مشکل ہوتا ہے۔

علامہ جوہری نے اس کا معنی وَفَّقَهٗ لَهَا کیا ہے (4)۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

اس میں انسانی نفسیات کا ایک پیچیدہ مسئلہ بھی حل کردیا گیا۔ بتادیا گیا کہ جو شخص نیک اعمال کرتا ہے اس میں مزید نیک اعمال کرنے کی قوت اور ہمت پیدا ہوجاتی ہے۔ جب وہ راہِ راست پر گامزن ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید آگے بڑھنے اور بلند ترین منزل پر خیمہ زن ہونے کا شوق مرحمت فرمادیتا ہے جس کے باعث نیک اعمال اس کے لیے بالکل آسان ہوجاتے ہیں۔

۵ اہل سعادت کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد اب اہل شقاوت کی قبیح عادات اور ان پر مرتب ہونے والے روح فرسا نتائج و اثرات کا بیان ہو رہا ہے۔

ان کی ایک خصلت یہ ہے کہ راہ حق میں ایک دمڑی خرچ کرنا بھی ان کے لیے بڑی مصیبت ہے۔ ویسے اپنی نام و نمود کے لیے وہ بے دریغ روپیہ صرف کرتے ہیں، اپنی بزم عیش و طرب سجانے کے لیے وہ پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لیے، دعوت اسلام کو کامیاب بنانے کے لیے اگر ان کی دولت کی ضرورت ہو تو ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ایک پائی خرچ کرنے کی توفیق بھی انہیں نصیب نہیں ہوتی۔

1۔ لسان العرب، ج 5، ص 295

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 148

3۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 16، جز 31، ص 200

4۔ الصحاح، ج 2، ص 857

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ⑪ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ⑫

اور اس کے کسی کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا ۷ بے شک ہمارے ذمہ (کرم) پر ہے رہنمائی کرنا ۸

ان کی دوسری خصلت یہ ہے کہ ان کی ساری تگ و دَو دنیوی شہرت و ناموری حاصل کرنے تک محدود ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے انجام کو بالکل بھلا دیا ہے۔ اپنے رب کو راضی کرنے کا خیال تک بھی کبھی ان کے دل میں نہیں گزرتا۔ گویا وہ بڑے بے نیاز ہیں۔ نہ انہیں اپنے خدا کی ضرورت ہے نہ اپنے نیک انجام کی کوئی آرزو ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ لیں اور اونچا سے اونچا منصب انہیں مل جائے تو گویا انہوں نے اپنا گوہر مقصود پالیا۔ ان کی تیسری خصلت بد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول جن اعلیٰ اور عمدہ باتوں کی انہیں تعلیم دیتا ہے، جن ابدی صداقتوں اور لازوال سچائیوں سے انہیں آگاہ کرتا ہے وہ ان کی سچائی کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ان کو الٹا جھٹلاتے ہیں، ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔ جب ان کی یہ عادتیں اور خصلتیں ہیں تو آپ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ ان کی جدوجہد اور ان پاکبازوں کی جدوجہد کیونکر یکساں ہوسکتی ہیں اور ان کے نتائج ایک جیسے کیونکر ہوسکتے ہیں۔

۶ آخر میں فرمایا کہ جن کی یہ عادات ہوں، جن کا یہ طریقۂ کار ہو ان کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ ان کے دلوں میں ان کرتوتوں کی محبت پیدا کردی جاتی ہے جو انہیں کشاں کشاں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ انہیں نیکیوں سے نفرت ہوجاتی ہے۔ گندگی کے کیڑوں کی طرح فسق و فجور کی غلاظتوں میں وہ بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ شراب نوشی اور بدکاری سے ان کا لگاؤ اتنا شدید ہوجاتا ہے کہ وہ اپنا مال اور اپنی جائیداد تک ان کی راہ میں ضائع کردیتے ہیں، اپنی ذاتی عزت اور خاندانی وقار کو بھی خاک میں ملا دیتے ہیں۔ اپنی بیوی کے کانوں کی بالیاں اتار کر بھی دخترِ رز سے اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ چوری کی ایسی لت انہیں پڑتی ہے کہ کوئی سزا انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ہر وہ بری چیز جو ان کی تباہی کا باعث ہے اس پر سو جان سے وہ فریفتہ ہوجاتے ہیں۔ انہیں کوئی لاکھ سمجھائے وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

عُسْرٰی صفت مؤنث ہے۔ اس کا موصوف بھی محذوف ہے (1)۔ اعمال سیئہ، بداخلاقی، جہنم سب اس کے موصوف ہوسکتے ہیں۔ ان کو مشکل کہنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ جب انسان ان میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی انتہا ہوجاتی ہے اور اس لیے بھی انہیں عُسْرٰی کہا گیا کہ ان کرتوتوں کے کرتے وقت اسے اپنی فطرت سے، اپنے مزاج سے جنگ لڑنی پڑتی ہے۔ قدم قدم پر اس کی فطرتِ سلیمہ صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ اس کا ضمیر اس کو بری طرح ملامت کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا گناہوں میں مگن رہنا بڑا کٹھن اور دشوار کام ہے۔

اس حقیقت کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف اسالیب سے بیان فرمایا گیا۔ سورۂ انعام کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (2)۔ ترجمہ: اور جس خوش نصیب کے لیے اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ ہدایت دے، کشادہ فرما دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے اور جس بدنصیب کے لیے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کردے تو بنا دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ، بہت تنگ گویا وہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف۔ (انعام: 125)

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 16، جز 31، ص 200

2۔ سورۃ الانعام: 125

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (١٣) فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى (١٤) ج

یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں ۔ پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے ۔

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى (١٥) لا الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (١٦) ط وَسَيُجَنَّبُهَا

اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی ۹ اور دور رکھا جائے گا اس سے

الْاَتْقَى (١٧) لا الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى (١٨) ج وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ

وہ نہایت پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لیے ۱۰ اور اس پر کسی کا کوئی

مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى (١٩) لا اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى (٢٠) ج

احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے ۱۱

۷ جس مال کی محبت میں آج وہ مارا مارا پھر رہا ہے، جائز و ناجائز، حرام و حلال کے درمیان امتیاز بھی نہیں کرتا، جب اسے لڑھکنی دے کر جہنم رسید کیا جائے گا تو یہ مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔ اس وقت وہ بہت چاہے گا کہ اس کی ساری جائیداد لے لی جائے، اس کے سارے زیورات لے لیے جائیں، اس کی تجوریوں میں کھنکتے اور چمکتے ہوئے چاندی اور سونے کے سکے سب لے لیے جائیں اور اس کی جاں بخشی کر دی جائے، لیکن اس روز اس کی کوئی بات نہ سنی جائے گی۔ اس کی سب فریادیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی۔ اس کی ساری پیشکشوں کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ اِذَا تَرَدّٰى اَىْ سَقَطَ فِیْ جَهَنَّمَ۔ (1)

۸ سیدھی راہ دکھانا ہمارا کام ہے اور اس راہ پر چلنا انسان کا نام ہے۔ حق و باطل کو الگ الگ کر دینا ہمارا کام ہے اور باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنا اس کا کام ہے۔

۹ جب ہم نے بروقت انہیں خبردار کر دیا ہے اس کے باوجود جو راہ حق اختیار نہیں کرتا اور غلط راستہ پر چل کر سیدھا جہنم میں جا گرتا ہے تو اس سے زیادہ بدبخت اور شقی کون ہو سکتا ہے۔ یہاں اَشْقٰی سے مراد امیہ بن خلف (2) اور اس کے زمرے کے وہ رؤسائے مکہ ہیں جنہوں نے دانستہ دعوت حق کو جھٹلایا اور محض عناد اور تعصب کی بنا پر باطل پر اڑے رہے۔

۱۰ ایک طرف اشقٰی ہے جس کا طریقہ کار حق کی تکذیب اور اسلام سے روگردانی ہے۔ اس کے مدمقابل وہ شخص ہے جو تقویٰ اور پارسائی میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے۔ جو دعوت حق کو کامیاب کرنے کے لیے بصد مسرت اپنا سارا مال و متاع قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ دونوں کا انجام یکساں نہیں ہو سکتا ہے۔ ان کے انجام میں اتنا ہی بعد ہے جتنا ان کے فکر و عمل میں تفاوت ہے۔

۱۱ اقلیم تقویٰ و پارسائی کا یہ تاجدار اپنا مال جس دریا دلی سے خرچ کر رہا ہے وہ کسی کا احسان اتارنے کے لیے نہیں، کسی کی نیکی اور حسن سلوک کا معاوضہ ادا کرنے کے لیے نہیں، اس کی نیت ان تمام آلائشوں سے پاک ہے، اس کے پیش نظر فقط ایک ہی مقصد ہے اور اس مقصد کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 85

2۔ ایضاً، ج 87

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾ ع

اور وہ ضرور اس سے خوش ہوگا ۱۲

حصول کے لیے وہ اپنی متاع جان و دل تک قربان کرنے کے لیے بے تاب ہے۔ وہ مقصد فقط اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے والے سب انہی صفات سے متصف تھے اور ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل میں ملتی ہے۔ ہجرت سے پہلے وہ اپنی دولت نومسلم غلاموں اور کنیزوں کو ان کے کافر آقاؤں سے خرید کر آزاد کرنے میں صرف کرتے رہے۔ جب سفر ہجرت میں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا تو گھر میں جتنا روپیہ تھا، ساتھ لے لیا۔ ہجرت کے بعد جہاد کے لیے جب بھی سرمائے کی ضرورت ہوتی تو اس میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ اپنے محبوب کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ جب حضور نے دریافت کیا کہ ابوبکر! اپنے گھر میں بھی کچھ چھوڑ آئے ہو؟ تو عرض کیا آپ کا نام اور آپ کے پروردگار کا نام چھوڑ کر آیا ہوں۔

ان آیات کے شانِ نزول کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ قول مروی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو ان کے مالک امیہ بن خلف نے ان کو طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ ایک روز وہ آپ کو اذیت دے رہا تھا۔ آپ پر غشی طاری تھی۔ اس وقت بھی آپ کی زبان پر احد احد جاری تھا۔ اس اثنا میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا۔ فرمایا اَحَدٌ يُّنْجِيْكَ۔ جس احد کا نام تم لے رہے ہو وہی تمہیں اس ظلم سے نجات دے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بلال کی کیفیت بیان کی۔ راز دان نبوت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مدعا کو فوراً تاڑ گئے۔ اسی وقت گھر آئے اور نصف سیر سونا لے کر امیہ بن خلف کے پاس پہنچے اور کہا کیا تو بلال کو بیچنا چاہتا ہے؟ اس نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے منہ مانگی قیمت ادا کر کے انہیں خرید ا اور آزاد کر دیا (1)۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

آپ کے والد ابو قحافہ کو جب علم ہوا کہ ان کا بیٹا ابوبکر کمزور اور نحیف غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کر دیتا ہے تو انہوں نے کہا میرے بیٹے! تم ضعیف اور کمزور لوگوں کو آزاد کرتے ہو۔ اگر تم طاقتور اور بہادر غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے، وہ کسی مشکل کے وقت تمہارے کام آتے۔ آپ نے فرمایا اَیْ اَبَتِ اِنَّمَا اُرِیْدُ مَا عِنْدَ اللهِ (ابن کثیر) (2) ابا جان میرا اس سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

۱۲ يَرْضٰى کا فاعل اللہ تعالیٰ اور صدیق اکبر دونوں ہو سکتے ہیں۔ اگر فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو جملہ کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ، ابوبکر پر راضی ہو جائے گا جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے، اس کی رضا اس کو حاصل ہو جائے گی۔ اور اگر فاعل ابوبکر صدیق ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا وہ مینہ ابوبکر پر برسائے گا کہ ابوبکر اپنے رب کریم کے لطف و کرم اور جود و عطا کو دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔ (3)

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا نَحْنُ نَطْلُبُ رِضَاكَ فَارْضَ عَنَّا بِرَحْمَتِكَ وَ بِكَرَمِكَ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 88

2۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 520

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 280

تعارف سُورۃ وَالضُّحٰی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ طیبہ کا نام ''والضحیٰ'' ہے جس سے اس سورت کا آغاز فرمایا ہے۔ اس میں ایک رکوع، گیارہ آیتیں، چالیس کلمے، ایک سو بہتر حروف ہیں۔

شانِ نزول: کتب تفاسیر میں اس کی شان نزول کے بارے میں متعدد روایات درج ہیں۔ میرے نزدیک روایت اور درایت کے نقطۂ نظر سے جو قول زیادہ مستند اور قرین قیاس ہے وہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں ذکر کیا ہے جو پیشِ خدمت ہے:

> اَخۡرَجَ اَحۡمَدُ وَعَبۡدُ بۡنُ حُمَیۡدٍ وَّالۡبُخَارِیُّ وَ مُسۡلِمٌ وَّالتِّرۡمِذِیُّ وَالنِّسَائِیُّ وَ ابۡنُ جَرِیۡرٍ وَّالطَّبۡرَانِیُّ وَالۡبَیۡھَقِیُّ وَ اَبُوۡ نُعَیۡمٍ مَّعًا فِی الدَّلَائِلِ عَنۡ جُنۡدُبِ الۡبَجَلِیِّ قَالَ اشۡتَکَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَلَمۡ یَقُمۡ لَیۡلَتَیۡنِ اَوۡ ثَلَاثًا فَاَتَتۡہُ امۡرَأَۃٌ فَقَالَتۡ یَا مُحَمَّدُ مَا اَرٰی شَیۡطَانَکَ اِلَّاقَدۡ تَرَکَکَ لَمۡ نَرَہٗ قُرۡبَکَ لَیۡلَتَیۡنِ اَوۡ ثَلَاثًا فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ وَالضُّحٰی وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی الخ (درمنثور)(1)

ترجمہ: جندب البجلی سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت مبارکہ درست نہ رہی۔ چنانچہ حضور دو یا تین راتیں شب خیزی نہ فرما سکے۔ ایک گستاخ عورت آئی اور حضور کا نام لے کر کہنے لگی کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تیرا شیطان تجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ ہم نے دو تین رات سے اسے تمہارے قریب آتے نہیں دیکھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی''۔

مضامین: اس کے مضامین کے بارے میں تو آپ آیات کی تشریح کے ضمن میں تفصیلات ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں مختصراً یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ ان آیات میں ان عنایاتِ بے پایاں اور احساناتِ عظیم کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے جو رحمٰن و رحیم رب العلمین نے اپنے محبوب ترین بندے اور رؤف و رحیم رسول پر فرمائیں۔ بعد ازاں اس رحمت للعالمین کو اپنی مخلوق پر ابر رحمت بن کر برسنے کے جو سلیقے اور آداب سکھائے ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ دینے والے کی شانِ کریمی کی کوئی حد نہیں تو لینے والے کے ظرف اور دامن کی وسعت بھی فکر انسانی کی حدود سے ماوراء ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۹-۴-۷۷

1۔ درمنثور، ج 6، ص 608، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

سُوْرَۃُ الضُّحٰی مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ھِیَ اِحْدٰی عَشْرَۃَ اٰیَۃً

سورۃ الضحیٰ مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں گیارہ آیات ہیں

وَالضُّحٰی ۙ① وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۙ② مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ③ وَ

قسم ہے روزِ روشن کی ۱ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے ۲ نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا ۳ اور

۱ آیات کی تشریح سے پہلے اس کی شان نزول آپ سن لیں۔ سورت کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ شیخین کی روایت تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علالت طبع کے باعث دو تین روز سحری کے وقت بیدار ہو کر مصروف عبادت نہ ہوئے تو ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا مکان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کے پڑوس میں تھا، وہ آئی اور کہنے لگی: اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ یَّکُوْنَ شَیْطَانُکَ قَدْ تَرَکَکَ لَمْ اَرَہٗ قَرُبَکَ مُنْذُ لَیْلَتَیْنِ اَوْ ثَلَاثٍ (1)۔ ’’میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ دو تین رات سے میں نے اس کو تمہارے نزدیک آتے ہوئے نہیں دیکھا‘‘۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس گستاخی کے جواب میں یہ سورۂ پاک نازل فرمائی۔

دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ ابتدائے بعثت میں کچھ عرصہ نزول وحی کا سلسلہ جاری رہا اور پھر یک دم رک گیا۔ یہ انقطاع بارہ یا پندرہ یا پچیس یا چالیس دن تک باختلاف روایات برقرار رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبع مبارک پر بہت گراں گزرا۔ وہ کان جو کلام الٰہی سننے کے عادی ہو چکے تھے، وہ دل جو ارشادات ربانی کا خوگر ہو چکا تھا اس کے لیے یہ بندش ناقابل برداشت تھی۔ نیز کفار نے بھی طعنہ زنی شروع کر دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے، اس لیے وحی کا نزول رک گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ان خرافات کی تردید قسم اٹھا کر کی اور اپنے محبوب کریم کو بھی تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی میں گوناگوں حکمتیں ہیں، اسی طرح نزولِ وحی اور پھر اس کے بعد انقطاع میں بھی بڑی بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔

جب سورج پوری آب و تاب سے چاشت کے وقت چمکنے لگتا ہے اس وقت کو اَلضُّحٰی کہتے ہیں۔ اِس کی لغوی تحقیق سورۂ شمس میں گزر چکی ہے۔ لیکن علامہ قرطبی اور کئی دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اَلضُّحٰی کا لفظ رات کے مقابلہ میں ذکر کیا جائے تو اس وقت اس سے مراد سارا دن ہوتا ہے جیسے سورۂ اعراف میں ہے: اَفَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّ ھُمْ نَآىِٕمُوْنَ ؕ۹۷ اَوَ اَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّ ھُمْ یَلْعَبُوْنَ ۹۸۔

ترجمہ: کیا بستی کے باشندے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آئے جب وہ سو رہے ہوں۔ کیا بستی کے باشندے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن کے وقت آئے جب کہ وہ کھیل رہے ہوں۔ (2)

یہاں ضحیٰ سے مراد چاشت کا وقت نہیں بلکہ سارا دن ہے۔

وَالضُّحٰی کے بعد وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ہے اس لیے یہاں بھی پورے دن کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ علامہ ابن منظور کی بھی یہی رائے ہے اَیْ ھُوَ النَّھَارُ کُلُّہٗ (لسان العرب) (3)

۲ جب رات خوب تاریک ہو جائے اور ہر سو آرام و سکون پھیل جائے تو عرب کہتے ہیں سَجَی اللَّیْلُ۔ قَالَ الْفَرَّآءُ اِذَا اَظْلَمَ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الضحیٰ، ج 2، ص 739 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 91 3۔ لسان العرب، ج 14، ص 475

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿٤﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿٥﴾

یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے ۴؎ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۵؎

وَرَقَدَ فِيْ طُوْلِهٖ كَمَا يُقَالُ بَحْرٌ سَاجٍ وَّلَيْلٌ سَاجٍ (1)۔ سمندر پُرسکون ہے اور رات پُرسکون ہے۔

حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ ضحیٰ سے مراد وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور رات سے مراد شب معراج ہے۔ (قرطبی) (2)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیرِ عزیزی کی چند سطور اہل شوق و محبت کے مطالعہ کے لیے نقل کر رہا ہوں:

”بعضے از مفسرین چنیں گفتہ اند کہ مراد از ضحیٰ روز ولادت پیغمبر است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و مراد از لیل شب معراج است۔ وبعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ روئے پیغمبر است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واز لیل موئے او کہ در سیاہی ہمچو شب است۔ وبعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ نور علمے است کہ آنجناب را دادہ بود و بسبب آن پردہ نشینانِ عالم غیب منجلی و منکشف گشتند۔ و مراد از شب خلق عفو اوست کہ عیوبِ امت را پوشید۔ وبعضے گویند کہ مراد از روز علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است یعنی احوال ظاہرہ آنجناب ست کہ خلق براں مطلع شد و مراد از شب سر آنجناب یعنی احوال باطن او کہ غیر از علام الغیوب کسے بر آں مطلع نیست“۔ (3)

ترجمہ: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ضحیٰ سے مراد حضور کی ولادت باسعادت کا دن اور لیل سے شب معراج مراد ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد حضور کا رخ انور ہے اور لیل سے زلف عنبریں اور بعض نے فرمایا کہ ضحیٰ سے مراد نورِ علم ہے جو آنجناب کو دیا گیا تھا۔ جس کے سبب سے عالم غیب کے مخفی اسرار بے نقاب اور منکشف ہوئے اور لیل سے مراد حضور کا عفو و درگزر کا خلق ہے جس نے امت کے عیبوں کو ڈھانپ دیا۔ بعض علماء کا ارشاد ہے کہ دن سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری احوال ہیں جن سے مخلوق آگاہ ہے اور رات سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال باطن ہیں جن کو علام الغیوب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

۳؎ روشن دن اور تاریک اور پرسکون رات کی قسم کھا کر کفار کے اعتراضات اور مطاعن کی تردید فرمائی اور ساتھ ہی اپنے حبیب کی دلجوئی کر دی کہ اے محبوب! آپ کے پروردگار نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا ہے، بلکہ وحی کے نزول میں بھی اس کی حکمت تھی اور اس کے انقطاع میں بھی کئی حکمتیں مضمر ہیں۔

۴؎ فرمایا بلکہ آپ پر آپ کے رب کے لطف و کرم اور انعام و احسان کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہر آنے والی ساعت گزری ہوئی ساعت سے ہر آنے والی گھڑی گزری ہوئی گھڑیوں سے، ہر آنے والی حالت گزشتہ حالات سے اعلیٰ سے اعلیٰ، بہتر سے بہتر اور ارفع سے ارفع ہو گی۔ اس ایک جملہ سے کفار کے طعن و تشنیع اور الزام تراشیوں کا سدِّ باب بھی ہو گیا اور اسلام کے درخشاں مستقبل کے بارے میں نوید جانفزا بھی سنا دی۔

دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور کا تصور کیجئے جس میں یہ سورت نازل ہوئی۔ گنتی کے چند افراد نے اس دین حق کو قبول کیا تھا۔ باقی تمام اہل مکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے۔ انہوں نے عزمِ مصمم کر لیا تھا کہ اسلام کے چراغ کو بجھا کر رہیں گے،

1۔ لسان العرب، ج 14، ص 371

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 91

3۔ تفسیر عزیزی، زیر آیت ہذا، ج 30، ص 216

توحید کا یہ گلشن جو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لگا رہے ہیں اس کا ایک ایک پودا جڑ سے اکھیڑ پھینکیں گے۔ اس وقت کون یہ خیال کر سکتا تھا کہ یہ دین چند سالوں میں اتنی ترقی کر جائے گا کہ سارا جزیرۂ عرب اس کے نور سے جگمگانے لگے گا۔ اس نبی مکرم کو اللہ تعالیٰ وہ عزت و سروری اور شان محبوبی عطا فرمائے گا کہ آج جو خون کے پیاسے ہیں کل اشارہ ابرو پر اپنی جانیں قربان کرنا سعادت سمجھیں گے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا پانی نیچے نہیں گرنے دیں گے، اس کو اپنے چہروں اور سینوں پر مَل لیں گے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اُرِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰی اُمَّتِهٖ بَعْدَهٗ فَسُرَّ بِذٰلِكَ وَ نَزَلَ جِبْرَئِیْلُ بِقَوْلِهٖ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی (1)۔ یعنی حضور کے بعد امت جو فتوحات کرے گی وہ سب کی سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دکھائی گئیں جسے دیکھ کر حضور بہت مسرور ہوئے۔ اسی وقت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے **وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی**۔ یعنی ہماری نوازشات صرف ان فتوحات ہی میں منحصر نہیں بلکہ آپ کی ہر آنے والی شان پہلی شان سے اعلیٰ و بالا ہوگی۔

۵ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کی اشاعت و ترقی کے لیے ہر وقت فکر مند رہا کرتے۔ دین حق کی سربلندی کے لیے حضور نے اپنی تمام قوتیں اور کوششیں مرکوز کر رکھی تھیں۔ ایک لمحہ بھی چین سے نہ گزرتا تھا۔ اپنی امت کی بخشش و مغفرت کا خیال ہر وقت مضطرب رکھتا تھا۔ ان تمام تفکرات اور اضطرابات کو یہ فرما کر دور کر دیا کہ آپ کا رب اپنے لطف و کرم کا آپ پر وہ مینہ برسائے گا کہ آپ کا قلب مبارک خورسند و مسرور ہو جائے گا۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

هُوَ عِدَةٌ کَرِیْمَةٌ شَامِلَةٌ لِّمَا اَعْطَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ فِی الدُّنْیَا مِنْ کَمَالِ النَّفْسِ وَ عُلُوْمِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَ ظُهُوْرِ الْاَمْرِ وَاِعْلَاءِ الدِّیْنِ بِالْفُتُوْحِ الْوَاقِعَةِ فِیْ عَصْرِهٖ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفِیْ اَیَّامِ خُلَفَائِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَغَیْرِهِمْ مِّنَ الْمُلُوْكِ الْاِسْلَامِیَّةِ وَفُشُوِّ الدَّعْوَةِ وَالْاِسْلَامِ فِیْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبِهَا وَلِمَا ادَّخَرَ جَلَّ وَ عَلَا لَهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْکَرَامَاتِ الَّتِیْ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ۔ جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ (2)

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا کریمانہ وعدہ ہے جو ان تمام عطیات کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں سرفراز فرمایا یعنی کمالِ نفس، اولین و آخرین کے علوم، اسلام کا غلبہ، دین کی سربلندی، ان فتوحات کے باعث جو عہد رسالت میں ہوئیں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئیں یا دوسرے مسلمان بادشاہوں نے حاصل کیں اور اسلام کا دنیا کے مشارق و مغارب میں پھیل جانا۔ نیز یہ وعدہ ان عنایات اور عزت افزائیوں کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کے لیے آخرت کے لیے محفوظ رکھی ہیں جن کی حقیقت اور نہایت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جان سکتا۔

علامہ آلوسی نے یہاں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے۔

حرب بن شریح کہتے ہیں کہ میں نے امام مذکور سے پوچھا کہ جس شفاعت کا ذکر اہل عراق کیا کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ نے فرمایا بخدا حق ہے۔ مجھ سے محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ حَتّٰی یُنَادِیَ رَبِّیْ اَرَضِیْتَ یَا مُحَمَّدُ فَاَقُوْلُ نَعَمْ یَا رَبِّ رَضِیْتُ۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اپنی امت کے لیے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اور پوچھے گا یا محمد! کیا آپ راضی ہو گئے۔ میں عرض کروں گا ہاں میرے پروردگار میں راضی ہو گیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص95

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز30، ص160

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۞ ⑥ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ ⑦ وَ

کیا اس نے نہیں پایا آپکو یتیم پھر اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دی ٦ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا ٧ اور

اس کے بعد امام باقر نے اس شخص سے کہا کہ اے اہل عراق تم یہ کہتے ہو کہ قرآن کریم کی سب سے امید افزا آیت یہ ہے۔ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ (سورۃ الزمر:53)۔ لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۞ ۔(1)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث نقل کی ہے: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهُ مِنِّيْ وَقَوْلَهُ تَعَالٰى فِيْ عِيْسٰى اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الْاٰيَةَ فَرَفَعَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَدَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ وَبَكٰى۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا جِبْرَئِيْلُ اذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُلْ لَهٗ اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ ۔(2)

ترجمہ: حضرت ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی فمن تبعنی فانہ منی (یعنی جس نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہے) پھر یہ آیت پڑھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ان تعذبھم الآیۃ (یعنی اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں) پھر اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھایا اور عرض کی الٰہی میری امت، میری امت۔ پھر حضور ﷺ زار و قطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ فوراً میرے حبیب کے پاس جاؤ اور اسے جا کر یہ پیغام پہنچاؤ کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے معاملہ میں راضی کریں گے اور کبھی آپ کو پریشان نہیں کریں گے۔

یہاں رب کی اضافت اس ضمیر کی طرف ہے جس کا مرجع حضور ﷺ کی ذات ہے۔ اس میں لطف و محبت کا جو اظہار کیا گیا ہے ارباب ذوق سے مخفی نہیں۔

٦ وہ لطف و کرم جس سے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم کو نوازنے والا ہے اس کے ذکر کے بعد اب ان انعامات و احسانات کو بیان فرمایا جا رہا ہے جن سے آپ کو اس سے پہلے سرفراز کیا جا چکا ہے تا کہ قلب مبارک کی تسکین و مسرت کا باعث ہو۔ اس لیے اس جملہ کو الگ مستقلاً ذکر کیا گیا۔

اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شکم مادر میں ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا۔ پیدا ہوئے تو یتیم تھے، لیکن والدہ ماجدہ نے انتہائی محبت و پیار سے پروان چڑھایا۔ عمر شریف چھ سال کی ہوئی تو والدہ ماجدہ بھی دار البقاء کو سدھاریں تو آپ کی پرورش کی خدمت آپ کے دادا حضرت عبد المطلب نے سنبھالی۔ آٹھ سال کی عمر میں جد محترم بھی داغ مفارقت دے گئے تو یہ سعادت حضور ﷺ کے حقیقی اور شفیق چچا جناب ابو طالب کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے تا دم واپسیں اس خدمت کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ویسے تو ہر ماں اپنے لخت جگر پر سو جان سے قربان ہوتی ہے، ہر دادا اپنے متوفّٰی فرزند کے یتیم بچے کو بڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے اور چچا کا پیار بھی اپنے فوت شدہ بھائی کے فرزند کے لیے بڑا عمیق ہوتا ہے لیکن یہاں معاملہ ہی بالکل جدا ہے بچپن سے ہی جو علامات سعادت و نجابت وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہیں اس نے ماں، دادا اور چچا کی محبت میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 160 2۔ ایضاً، ص 161۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب دعاء النبی ﷺ لامتہ وبکائہ شفقۃ علیھم، ج 1، ص 113

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معصومانہ ادائیں اور پاکیزہ اطوار اور نجابت وسعادت کے وہ آثار جو ہر صبح ومسا نمایاں ہوتے رہتے تھے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبیت میں اتنا اضافہ کر دیا تھا اور آپ کی قدر ومنزلت کو ان حضرات کی نگاہوں میں اتنا بلند فرما دیا تھا جو اور کسی بچے کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ اور یہ ساری ادائے دلبری اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی تھی اس لیے فَاٰوٰی کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ ہم نے اپنی خاص مہربانی سے ان کے دلوں میں حضور کی محبت اور ادب واحترام اور قدر ومنزلت پیدا فرما دی۔ (1)

علامہ قرطبی نے مجاہد سے ایک اور تفسیر نقل کی ہے قَالَ مُجَاهِدٌ هُوَ مِنْ قَوْلِ الْعَرَبِ دُرَّةٌ يَّتِيْمَةٌ (2) کہ یہاں یتیم سے مراد درِشہوار ہے جو اپنی آب وتاب اور قدر وقیمت میں بے مثال ہوتا ہے۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں وَالْاَوْلٰى عَلَيْهِ اَنْ يُّقَالَ اَلَمْ يَجِدْكَ وَاحِدًا عَدِيْمَ النَّظِيْرِ فِي الْخَلِيْقَةِ لَمْ يَحْوِ مِثْلَكَ صَدَفُ الْاِمْكَانِ فَاٰوَاكَ اِلَيْهِ وَجَعَلَكَ فِيْ حَقِّ اصْطِفَائِهٖ کہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری مخلوقات میں یگانہ اور عدیم النظیر پایا۔ صدفِ امکان کو آپ جیسا موتی آج تک نصیب نہیں ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے آغوشِ رحمت میں آپ کو پناہ دی۔ (روح المعانی) (3)

۷ اس آیت کے ترجمہ میں بڑے بڑے مدعیان علم نے بُری طرح ٹھوکر کھائی ہے اس لیے اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش فرمائیے۔

ضَآلًّا: ضلالت سے اسم فاعل ہے۔ عام طور پر ضلالت کا یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے راہِ راست سے بھٹک جانا، گمراہ ہونا، عقیدہ وعمل میں غلط راستہ اختیار کرنا۔ علمائے اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلانِ نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی عقیدہ اور عمل کی ہر کجی سے معصوم تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشرکانہ ماحول میں عمر بسر کی لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی شرک نہیں کیا۔ زمانۂ جاہلیت کی لغویات سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دامن ہمیشہ محفوظ رہا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عرب معاشرہ جس قسم کی فکری اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے ہمیشہ بالکل منزہ اور مبرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی سابقہ زندگی کو آپ کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (سورۂ یونس: 16) میں نے اپنی عمر اس سے پہلے تمہارے درمیان گزاری ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ سورۃ النجم کی اس آیت مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ② میں بھی حضور سے عقیدہ اور عمل کی گمراہی کی نفی کی گئی ہے۔ ان آیات کی موجودگی میں، تاریخ کی اٹل شہادت کے باوجود یہاں ضَآلًّا کا معنی گمراہ یا بھٹکا ہوا کرنا خود بڑی ضلالت ہے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

علمائے تفسیر نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے بہت سے اقوال بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چند آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

(۱) ضلالت کا لفظ غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ (سورۂ طٰہٰ) اَیْ لَا يَغْفِلُ: میرا رب نہ کسی چیز سے غافل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز کو فراموش کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں ضَآلًّا بمعنی غافل مستعمل ہوا ہے۔ یعنی آپ قرآن اور احکام شرعیہ کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کا علم بھی بخشا اور احکام شرعیہ کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا۔ اَیْ لَمْ تَكُنْ تَدْرِي الْقُرْاٰنَ وَالشَّرَائِعَ فَهَدَاكَ اللّٰهُ اِلَى الْقُرْاٰنِ وَشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ۔ ضحاک، شہر بن حوشب وغیرہما سے یہ قول منقول ہے۔ (قرطبی) (4)

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص456

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص96

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز30، ص162

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج20، ص96

(۲) جب پانی دودھ میں ملا دیا جائے اور پانی پر دودھ کی رنگت وغیرہ غالب آجائے تو عرب کہتے ہیں ضَلَّ الْمَاءُ فِی اللَّبَنِ کہ پانی دودھ میں غائب ہو گیا۔ اس استعمال کے مطابق آیت کا معنی ہو گا کُنْتَ مَغْمُوْرًا بَیْنَ الْکُفَّارِ بِمَکَّۃَ فَقَوَّاكَ اللّٰهُ تَعَالٰی حَتّٰی اَظْهَرْتَ دِیْنَهٗ۔ (کبیر)(1) یعنی آپ مکہ میں کفار کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی اور آپ نے اس کے دین کو غالب کیا۔

(۳) ایسا درخت جو کسی وسیع صحرا میں تنہا کھڑا ہو اور مسافر اس کے ذریعے اپنی منزل کا سراغ لگائیں اس کو بھی عربی میں الضّال کہتے ہیں۔ اَلْعَرَبُ تُسَمِّی الشَّجَرَۃَ الْفَرِیْدَۃَ فِی الْفُلَاۃِ ضَالَّۃً اس مفہوم کے اعتبار سے آیت کا معنی یہ ہو گا کہ جزیرہ عرب ایک سنسان ریگستان تھا جس میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر ایمان اور عرفان کا پھل لگا ہوا ہو۔ صرف آپ کی ذات جہالت کے اس صحرا میں ایک پھل دار درخت کی مانند تھی۔ پس ہم نے آپ کے ذریعہ سے مخلوق کو ہدایت بخشی۔ (کبیر) فَاَنْتَ شَجَرَۃٌ فَرِیْدَۃٌ فِیْ مَفَازَۃِ الْجَهْلِ فَوَجَدْتُكَ ضَالًّا فَهَدَیْتُ بِكَ الْخَلْقَ۔ (2)

(۴) کبھی قوم کے سردار کو خطاب کیا جاتا ہے لیکن اصلی مخاطب قوم ہوتی ہے یہاں بھی یہی معنی ہے۔ اَیْ وَجَدَ قَوْمَكَ ضَلَّالًا فَهَدَاهُمْ بِكَ (3) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو گمراہ پایا اور آپ کے ذریعہ سے ان کو ہدایت بخشی۔ علامہ ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک رات خواب میں میں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا تھا کہ فوراً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ اصل میں یہ عبارت یوں ہے وَجَدَ رَهْطَكَ ضَالًّا فَهَدَاكَ۔ پھر میں نے کہا کہ جس طرح وَاسْئَلُوا الْقَرْیَۃَ اصل میں وَاسْئَلُوْا اَهْلَ الْقَرْیَۃِ ہے اور اَهْلَ جو مضاف ہے محذوف ہے، اسی طرح یہاں بھی رَهْط مضاف محذوف ہے۔ (البحر المحیط)(4)

(۵) حضرت جنید قدس سرہ سے منقول ہے کہ ضَالًّا کا معنی مُتَحَیِّرًا (5) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے بیان میں حیران پایا تو اس کے بیان کی تعلیم فرما دی۔

(۶) امام رازی کہتے ہیں کہ اَلضَّلَالُ بِمَعْنَی الْمَحَبَّۃِ کَمَا فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ (6) یعنی یہاں ضلال سے مراد محبت ہے جس طرح سورۂ یوسف کی اس آیت میں ہے۔ مذکورہ آیت کا معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو ایسی شریعت سے بہرہ ور فرمایا جس کے ذریعہ آپ اپنے محبوب حقیقی کا تقرب حاصل کر سکیں گے۔ علامہ پانی پتی نے اس قول کو بایں الفاظ بیان کیا ہے:

قَالَ بَعْضُ الصُّوْفِیَۃِ مَعْنَاهُ وَجَدَكَ مُحِبًّا عَاشِقًا مُفْرِطًا فِی الْحُبِّ وَالْعِشْقِ …… فَهَدَاكَ …… اِلٰی وَصْلِ مَحْبُوْبِكَ حَتّٰی کُنْتَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ (7) یعنی بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور اپنے عشق میں از حد بڑھا ہوا پایا تو آپ کو اپنے محبوب کے وصال کی طرف رہنمائی کی یہاں تک کہ آپ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے مقام پر فائز ہوئے۔

علامہ آلوسی نے اس آیت کے ضمن میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار حضور عہد طفولیت میں اپنے دادا جان سے الگ ہو کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے بہت تلاش کیا لیکن آپ نہ ملے جس سے آپ کی بے چینی بہت بڑھ گئی اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر بارگاہ الٰہی میں فریاد کرنی شروع کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی گھاٹی میں گھوم رہے تھے۔ اسی اثنا میں ابوجہل اپنی

1۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج16، جز31، ص217
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج8، ص486
5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص98
6۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج16، جز31، ص218
7۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص286

وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ﴿۹﴾ وَاَمَّا

اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا ۸ پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجیے ۹ اور جو

اونٹنی پر سوار اپنے ریوڑ کو ہانک کر لا رہا تھا۔ اس نے جب حضور کو دیکھا تو اپنی اونٹنی کو بٹھایا۔ اتر کر حضور کو جالیا اور اپنے پیچھے بٹھایا اور خود آگے بیٹھا اور اونٹنی کو اٹھنے کا اشارہ کیا، لیکن اونٹنی اٹھنے کا نام ہی نہ لیتی۔ جب بڑی کوشش کے باوجود اس نے جنبش نہ کی تو ابوجہل حیران رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کو قوت گویائی بخشی اس نے کہا یَا اَحْمَقُ هُوَ الْاِمَامُ وَ كَيْفَ يَكُوْنُ خَلْفَ الْمُقْتَدِیْ۔ اے بے وقوف! یہ امام ہیں اور امام مقتدی کے پیچھے کھڑا نہیں ہوا کرتا۔ اس نے ناچار آپ کو اٹھا کر آگے بٹھایا تو اونٹنی فوراً اٹھ کھڑی ہوی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ذریعہ اپنی والدہ تک پہنچایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کے فرعون ابوجہل کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جد امجد تک پہنچایا۔ (1)

۸ عائل کے دو معنی کیے گئے ہیں (۱) اَلْمُفْتَقِرُ: تنگدست (۲) ذُوْ عَيَالٍ: اہل عیال والا (2)۔ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عیال دار پایا (کیونکہ ساری امت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عیال ہے) تو غنی کر دیا یا آپ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔ ظاہری غنیٰ کی تو صورت یہ تھی کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی جان، اپنا سارا مال حاضر کر دیا اور اپنے تمام رشتہ داروں کی موجودگی میں یہ اعلان کر دیا کہ یہ مال اب میرا نہیں بلکہ ان کا ہے۔ چاہے تو ابھی تقسیم کر دیں چاہے اپنے پاس رکھیں۔ ام المومنین کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سارا مال ومتاع حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا، لیکن حقیقی غنیٰ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ ارزانی فرمائی کہ قلب مبارک کو غنی کر دیا اور زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرما دیں اور کائنات کی ہر چیز کو تابع فرمان فرما دیا۔ ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کاشانہ اقدس میں تشریف لائے۔ مسلسل فاقہ کشی کے باعث شکم مبارک کمر کے ساتھ پیوست ہو گیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے تاب ہو گئیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ شکم مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنے رب سے اتنا تو مانگیے کہ یوں فاقوں کی نوبت تو نہ آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو یہ سارے پہاڑ سونے کے بن کر میرے جلو میں چلنا شروع کر دیں۔ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ هٰذِهِ الْجِبَالُ ذَهَبًا (3)۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فقر، فقر اضطراری نہ تھا بلکہ فقر اختیاری تھا۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے خوب لکھا ہے۔

گزید فقر کہ فرماں روائے ملک ابد
بمشت خاک ندارد ہوائے سلطانی (4)

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فقر کو پسند فرمایا کیونکہ جس کو ملک ابد کی سروری بخشی گئی ہو وہ مشت خاک پر حکومت کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔

۹ آپ یتیم تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے آغوشِ لطف وکرم کو آپ کے لیے کشادہ کر دیا۔ اب دنیا بھر کے یتیموں کے لیے آپ کی بے پایاں شفقت ومحبت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے۔ کسی یتیم بے نوا پر سختی کرنا، اس پر غصہ ہونا یا اس سے بے اعتنائی کرنا آپ کو ہرگز زیبا نہیں۔ اس یتیم پرور آقا نے اپنے غلاموں کو بھی یتیم پروری کی بڑی تاکید فرمائی۔ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں اپنی سنگدلی کی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز30، ص162

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز30، ص163

3۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، ص:521

4۔ رحمۃ للعالمین، ج1، ص293، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز کشمیری بازار، لاہور

السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ⑩ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ⑪ ع ۱۸

مانگنے آئے اس کو مت جھڑکیے ف۱۰ اور اپنے رب (کریم) کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجیے ف۱۱

شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے تو یتیم کے سر پر دست شفقت پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَ اَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَ الْوُسْطٰى (1) کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ساتھ ساتھ ہوں گے، پھر اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنَّ الْيَتِيْمَ اِذَا بَكٰى اهْتَزَّ لِبُكَائِهٖ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ (2) کہ جب یتیم روتا ہے تو خداوند رحمٰن کا عرش لرزنے لگتا ہے۔

ف۱۰ سائلوں سے برافروختہ وہ ہوتا ہے جس کو اپنے سرمایہ کے ختم ہو جانے یا کم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ جب آپ کے رب نے آپ کو غنی کر دیا ہے تو یہ خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ پھر آپ کسی سائل کو کیوں جھڑکیں یا سائلوں کی کثرت سے تنگ دل کیوں ہوں۔ آپ کو آپ کے رب نے بے شمار دولتیں اور بے حساب نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ آپ انہیں سائل کی استعداد کے مطابق بانٹتے رہیں۔ آپ کے در پر آنے والا کوئی سائل خالی نہ جائے۔

سیرت کی کتب ایسے ان گنت واقعات سے بھری پڑی ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جود و کرم کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو سائل در اقدس پر حاضر ہوا اس کی جھولی بھر کر اسے واپس کیا گیا اور آج بھی کشور معنیٰ کے اس تاجدار کی سخاوت کی دھوم مچی ہے۔ کوئی آئے، جو چاہے مانگے، اسے خالی واپس نہیں کیا جاتا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کیا خوب لکھا ہے: معلوم میشود کہ کار ہماں بدست ہمت و کرامتِ اوست ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔ (اشعۃ اللمعات، اول، صفحہ 396) (3)

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن (4)

یعنی معلوم ہوتا ہے کہ سب کے معاملات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست ہمت و کرامت کے سپرد ہیں۔ جو چاہتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔

امام بخاری نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سائل کے جواب میں لا (نہیں) نہ فرمایا۔ (5)

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِيْ تَشَهُّدِهٖ لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهٗ نَعَمْ (6)

یعنی حضور نے لا کبھی نہیں کہا سوائے کلمہ شہادت کے۔ اگر یہ کلمہ شہادت نہ ہوتا تو حضور کی ''نہ'' بھی ہاں ہوتی۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ بحرین سے نوے ہزار درہم آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں ایک چٹائی بچھا کر ان کا ڈھیر لگا دیا۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ان کو بانٹنا شروع کیا اور ظہر تک ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ جب سب درہم بانٹ دیئے گئے تو اتفاقاً ایک سائل آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب تو کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ البتہ تم کسی دکاندار کے پاس چلے جاؤ اور تمہیں جس چیز کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج2، ص799

2۔ مجمع البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص506

3۔ اشعۃ اللمعات، ج1، ص396

4۔ ایضاً

5۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء، ج2، ص892

6۔ تفسیر عزیزی، پارہ 30، ص224

ضرورت ہے اس سے لے لو اور اسے کہو کہ وہ میرے نام لکھ دے۔ میں اس کی قیمت ادا کردوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت تھے۔ عرض کرنے لگے یارسول اللہ! آپ اتنی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں کہ قرض لے کر سائل کو دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف تو نہیں کیا۔ حضور کو یہ بات پسند نہ آئی اور رخ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوگئے۔ ایک انصاری بھی اس وقت بارگاہ اقدس میں حاضر تھا۔ اس نے عرض کیا اَنۡفِقۡ وَلَا تَخۡشَ مِنۡ ذِی الۡعَرۡشِ اِقۡلَالًا۔ اے اللہ کے پیارے رسول! بے دریغ خرچ فرمایا کیجئے اور عرش والے پروردگار سے قلت کا خوف مت کیجئے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوشی سے ہنس پڑے۔ چہرۂ مقدس پھول کی طرح شگفتہ ہوگیا۔ ارشاد فرمایا کہ "مرا ہمیں طریق امر فرمودہ اند"۔ یعنی میرے رب نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔ (تفسیر عزیزی) (1)

اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر جو فضل و کرم فرمائے اس کا ذکر اور اس کا اظہار بھی شکر ہے۔ وَالتَّحَدُّثُ بِنِعَمِ اللّٰهِ وَالۡاِعۡتِرَافُ بِهَا شُكۡرٌ (قرطبی) (2)

اس آیت میں نعم سے مراد کون سی نعمت ہے؟ علامہ آلوسی فرماتے ہیں وَالظَّاهِرُ اَنَّ الۡمُرَادَ بِالنِّعۡمَةِ مَا اَفَاضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مِنۡ فُنُوۡنِ النِّعَمِ الَّتِىۡ مِنۡ جُمۡلَتِهَا مَا تَقَدَّمَ (روح المعانی) (3) یعنی اس نعمت سے مراد وہ گوناگوں نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرمائی ہیں جن میں سے چند وہ ہیں جن کا ذکر ابھی ہوچکا ہے۔

چنانچہ سرور کون و مکاں، فخر زمین و زماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان انعامات کا ذکر و اظہار اکثر فرمایا کرتے جن سے آپ کے رب کریم نے آپ کو بڑی فیاضی سے نوازا ہے۔ بے شمار احادیث میں سے صرف ایک حدیث سن لیں۔ ایمان تازہ ہوجائے گا:

عَنۡ اَبِىۡ سَعِيۡدٍ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَا سَيِّدُ وُلۡدِ اٰدَمَ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ وَلَا فَخۡرَ۔ وَ بِيَدِىۡ لِوَاءُ الۡحَمۡدِ وَلَا فَخۡرَ۔ وَمَا مِنۡ نَبِيٍّ يَّوۡمَئِذٍ اٰدَمُ وَمَنۡ سِوَاهُ اِلَّا تَحۡتَ لِوَائِىۡ۔ وَاَنَا اَوَّلُ مَنۡ تَنۡشَقُّ عَنۡهُ الۡاَرۡضُ وَلَا فَخۡرَ (مشکوٰۃ شریف رواہ الترمذی) (4)

ترجمہ: حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار میں ہوں گا۔ یہ بات میں فخریہ نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اس روز حمد کا پرچم میرے دست مبارک میں ہوگا۔ یہ بات میں فخریہ نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اس دن تمام نبی، آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ جتنے ہیں سب کو میرے پرچم کے نیچے پناہ ملے گی اور قیامت کے دن سب سے پہلے زمین سے میں باہر آؤں گا۔ یہ بات فخریہ نہیں کہہ رہا بلکہ اظہار حقیقت ہے۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر لکھتے ہیں ؎

وَمِنۡ هٰذَا الۡقَبِيۡلِ مَا قَالَ الشَّيۡخُ مُحۡيِ الدِّيۡنِ عَبۡدُ الۡقَادِرِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُ:

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَّهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّىۡ عَلٰى قَدَمِ النَّبِىِّ بَدۡرِ الۡكَمَالِ

وَقَوۡلُهٗ قَدَمِىۡ هٰذِهٖ عَلٰى رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيِّ اللّٰهِ۔ (5)

یعنی حضرت شیخ محی الدین عبد القادر گیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشادات اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر

1۔ تفسیر عزیزی، پارہ 30، ص 224
2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 102
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 164
4۔ جامع ترمذی، ابواب المناقب، ج 2، ص 202
5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 288

ولی کا اپنا اپنا مقام ہوتا ہے اور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر ہوں جو کمالات صوری اور معنوی کے ماہ چہاردہم ہیں۔ نیز آپ کا یہ ارشاد کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔

اسی طرح حضرت مجدد صاحب نے اپنے مدارج قرب کا ذکر کیا ہے اور اپنے آپ کو مجدد اور قیوم کہا ہے، یہ اقوال بھی اسی زُمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

فَمَنْ اَنْکَرَ عَلٰی مَا ھٰٓؤُلَاءِ الرِّجَالُ فِیْ مِثْلِ ھٰذِہِ الْمَقَالِ فَکَاَنَّہٗ اَنْکَرَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ الْکَرِیْمَۃَ مِنَ اللّٰہِ ذِی الْجَلَالِ۔ (1)

جو شخص ان اعاظم رجال کے ان ارشادات کا انکار کرتا ہے اور زبان طعن دراز کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی اس آیت کا انکار کرتا ہے۔

ہر نعمت کا شکر واجب ہے اور شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اس نعمت کو منعم کی رضا میں صرف کیا جائے۔ نعمتِ مال کا شکر یہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خلوص نیت کے ساتھ اسے خرچ کرے۔ صحت کی نعمت کا شکر یہ یہ ہے کہ فرائض کو ادا کرے اور گناہوں سے مجتنب رہے اور علم وعرفان کی نعمت کا شکر یہ یہ ہے کہ جاہلوں کو علم سکھائے اور گم کردہ راہوں کو راہ راست پر گامزن کرے۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورت کا ایک مجرّب خاصہ ذکر فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو اس سورت کو انسان سات بار پڑھے اور اپنے سر کے ارد گرد انگشت شہادت پھیرتا رہے۔ جب سات بار پڑھ چکے تو کہے اَصْبَحْتُ فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ وَاَمْسَیْتُ فِیْ جِوَارِ اللّٰہِ...... اَمْسَیْتُ فِیْ اَمَانِ اللّٰہِ وَاَصْبَحْتُ فِیْ جِوَارِ اللّٰہِ۔ خوانده دستک زنند۔ اور تالی بجائے"۔ (تفسیر عزیزی) (2)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی حُسْنِ تَوْفِیْقِہٖ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص288

2۔ تفسیر عزیزی، زیر آیت ہذا، ص225

تعارف

سورۃ الانشراح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام ''الانشراح'' ہے جو ''الم نشرح'' سے باب ''انفعال'' کا مصدر ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، ستائیس کلمے اور ایک سو تین حروف ہیں۔

نزول: اس کا نزول بھی مکہ مکرمہ میں سورۂ والضحیٰ کے معاً بعد ہوا۔ (1)

مضامین: نبوت کا بار امانت کوئی معمولی بوجھ نہ تھا۔ یہ وہ کوہ گراں تھا جسے آسمانوں اور پہاڑوں نے بھی اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت توحید کا آغاز کیا تو مکہ کی ساری فضا سلگنے لگ گئی۔ لوگوں کے اطوار بدل گئے۔ ہر چہرہ پر نفرت، ہر آنکھ میں عناد کے شعلے ناچنے لگے۔ ان سراسر ناموافق حالات میں قلب نبوت کے لیے راحت وسکون کا اگر کوئی پیغام ہوسکتا تھا تو وہ اس کے کریم پروردگار کا ہی ارشاد ہوسکتا تھا۔ چنانچہ جبرائیل امین حاضر ہوئے اور یہ سورت اپنے ملکوتی اور نورانی ہونٹوں سے تلاوت کر کے سنائی۔ ہر آیت میں ایک عظیم احسان کا مژدہ، ہر آیت میں دلجوئی اور بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ جس سے اپنوں نے بھی آنکھیں پھیر لی تھیں، رشتے توڑ لیے تھے، جس کی شمع حیات کو بجھانے کے لیے تند آندھیاں اُمڈ رہی تھیں، اس کو یہ بشارت دی جارہی ہے کہ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ''اے حبیب پاک! ہم نے آپ کے ذکر کو بلند فرما دیا ہے''۔ عرب کے ریگزاروں میں ہی نہیں، دنیا کے شرق وغرب میں ہی نہیں بلکہ فرازِ عرش پر بھی تیرے ذکر پاک سے بہار کا سماں ہوگا۔ جہاں جہاں خالقِ کائنات کا ذکر ہوگا وہاں وہاں باعثِ تخلیقِ کائنات کے ذکر کے زمزمے بھی فردوسِ گوش بنیں گے۔

بتا دیا کہ یہ کالی رات سحر آشنا ہونے ہی والی ہے۔ مصائب کی گھنگھور گھٹائیں تھوڑی دیر میں چھٹنے والی ہیں۔ وہ دن عنقریب طلوع ہونے والا ہے جب اہل نظر تیری راہ میں آنکھیں بچھائیں گے۔ اہل دل سو جان سے تیری خاکِ راہ پر تصدق ہوں گے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ جوں ہی فریضۂ تبلیغ سے کچھ فراغت ملے تو یاد الٰہی میں مشغول ہو جایا کریں۔ یہی زندگی کی منزل مراد ہے اور اسی منزل مراد سے زندگی کو رعنائیاں، دلفریبیاں نصیب ہوتی ہیں اور اسی کے فیض سے زندگی کا دامن سچی مسرتوں سے معمور ہو جاتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی جو نعت اور مدحت ان چند آیات میں فرمائی ہے۔ دنیا بھر کے نعت گو اس سے دریوزہ گری کرتے رہیں گے۔

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 165

سُوْرَةُ الۡاِنۡشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ وَهِيَ ثَمَانِيۡ اٰيَاتٍ

سورۃ الانشراح مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيۡۤ

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا ۱ اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ ۲ جس نے

۱ علامہ راغب اصفہانی اَلشَّرۡح کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَصۡلُ الشَّرۡحِ: بَسۡطُ اللَّحۡمِ وَ نَحۡوِهٖ يُقَالُ شَرَحۡتُ اللَّحۡمَ وَ شَرَّحۡتُهٗ وَ مِنۡهُ شَرۡحُ الصَّدۡرِ اَیۡ بَسۡطُهٗ بِنُوۡرٍ اِلٰهِيٍّ وَّ سَكِيۡنَةٍ مِّنۡ جِهَةِ اللّٰهِ وَ رَوۡحٍ مِّنۡهُ (المفردات)(1) یعنی گوشت کاٹنے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو الشرح کہتے ہیں۔ اسی سے شرح صدر ماخوذ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نور الٰہی سے سینہ کا کشادہ ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تسکین وطمانینت کا حاصل ہو جانا، اس کی طرف سے دل میں مسرت وراحت کا شعور پیدا ہو جانا۔

علامہ سید محمود آلوسی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ الشرح اصل میں کشادگی اور فراخی کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ کسی الجھی ہوئی اور مشکل بات کی توضیح کو بھی شرح کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شرح کے لفظ کا استعمال دلی مسرت اور قلبی خوشی کے لیے بھی ہوتا ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں: وَقَدۡ يُرَادُ بِهٖ تَائِيۡدُ النَّفۡسِ بِقُوَّةٍ قُدۡسِيَّةٍ وَّ اَنۡوَارٍ اِلٰهِيَّةٍ بِحَيۡثُ تَكُوۡنُ مَيۡدَانًا لِّمَوَاكِبِ الۡمَعۡلُوۡمَاتِ وَ سَمَاءً لِّكَوَاكِبِ الۡمَلَكَاتِ وَ عَرۡشًا لِّاَنۡوَاعِ التَّجَلِّيَاتِ وَ فَرۡشًا لِّسَوَائِمِ الۡوَارِدَاتِ فَلَا يُشۡغِلُهٗ شَاۡنٌ عَنۡ شَاۡنٍ وَّ يَسۡتَوِيۡ لَدَيۡهِ يَكُوۡنُ وَ كَائِنٌ وَّمَا كَانَ (روح المعانی)(2) یعنی شرح صدر کا یہ مفہوم بھی لیا جاتا ہے کہ نفس کو قوت قدسیہ اور انوار الٰہیہ سے اس طرح مؤید کرنا کہ وہ معلومات کے قافلوں کے لیے میدان بن جائے۔ ملکات کے ستاروں کے لیے آسمان بن جائے اور گوناگوں تجلیات کے لیے عرش بن جائے۔ جب کسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے تو اس کو ایک حالت، دوسری حالت سے مشغول نہیں کر سکتی۔ اس کے نزدیک مستقبل، حال اور ماضی سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں وَالۡاَنۡسَبُ بِمَقَامِ الۡاِمۡتِنَانِ هُنَا اِرَادَةُ هٰذَا الۡمَعۡنَى الۡاَخِيۡرِ(3)۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا ذکر فرما رہا ہے اس لیے یہاں شرح صدر کا یہی آخری معنی زیادہ مناسب ہے۔

اس تحقیق کے بعد آیت کی تشریح بایں الفاظ فرماتے ہیں۔

فَالۡمَعۡنٰى اَلَمۡ نَفۡسَحۡ صَدۡرَكَ حَتّٰى حَوٰى عَالَمَيِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ وَ جَمَعَ بَيۡنَ مَلَكَتَيِ الۡاِسۡتِفَادَةِ وَالۡاِفَادَةِ فَمَا صَدَّكَ الۡمُلَابَسَةُ بِالۡعَلَائِقِ الۡجِسۡمَانِيَّةِ عَنِ اقۡتِبَاسِ اَنۡوَارِ الۡمَلَكَاتِ الرُّوۡحَانِيَّةِ وَمَا عَاقَكَ التَّعَلُّقُ بِمَصَالِحِ الۡخَلۡقِ عَنِ الۡاِسۡتِغۡرَاقِ فِيۡ شُئُوۡنِ الۡحَقِّ (روح المعانی)(4)

یعنی آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا کہ غیب وشہادت کے دونوں جہاں اس میں سما گئے ہیں۔ استفادہ اور افادہ کی دو مملکتیں جمع ہو گئی ہیں۔ علائق جسمانیہ کے ساتھ آپ کی وابستگی ملکاتِ روحانیہ کے انوار کے حصول میں رکاوٹ نہیں۔ خَلق کی بہبودی کے ساتھ آپ کا تعلق معرفت الٰہی میں استغراق سے رکاوٹ نہیں۔

1۔ مفرداتِ راغب، ص 449　2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 166　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کی تفسیر بیان کی ہے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس میں علوم ومعارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا''۔(1)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو علوم ومعارف عطا فرمائے، امام بوصیری نے قصیدۂ بُردہ میں یوں بیان کیا ہے۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَهَا وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ (2)

ترجمہ: یعنی دنیا اور آخرت دونوں آپ کی جودوکرم کے مظہر ہیں اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔

علامہ علی قاری حنفی آخری مصرعہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عِلْمُهُمَا اَنْ یَّكُوْنَ سَطْرًا مِّنْ سُطُوْرِ عِلْمِهٖ وَ نَهْرًا مِّنْ بُحُوْرِ عِلْمِهٖ۔ کہ لوح وقلم کا علم آپ کے علم کے دفتر کی ایک سطر ہے اور آپ کے علم کے سمندروں کی ایک نہر ہے۔ (شرح قصیدۂ بردہ، ملا علی قاری، قلمی کتب خانہ گڑھی افغاناں، ضلع اٹک)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی اس آیت کی آئینہ دار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس بلند حوصلگی اور اولوالعزمی سے فرائض نبوت کو ادا کیا، جس صبر اور شکر کے ساتھ اس راہ میں آنے والی مشکلات کو برداشت کیا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے علم کے نور سے منور کیا اس کو بھی شرح صدر کی برکت کے بغیر اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں کئی مفسرین نے شق صدر کی روایات بھی ذکر کیں لیکن علامہ آلوسی لکھتے ہیں: حَمْلُ الشَّرْحِ فِی الْاٰیَةِ عَلٰی ذٰلِكَ الشَّقِّ ضَعِیْفٌ عِنْدَ الْمُحَقِّقِیْنَ(3) کہ یہاں جو شرح صدر مذکور ہے اس سے شق صدر مراد لینا محققین کے نزدیک ضعیف ہے۔ البتہ شق صدر کا ثبوت احادیث نبوی سے ہوتا ہے۔

اس آیت میں غور کرنے سے کلیم اور حبیب کے درمیان فرق بھی نمایاں ہوجاتا ہے۔ دونوں کو شرح صدر بخشا گیا لیکن کلیم کو مانگنے پر اور حبیب کو بن مانگے۔ پھر دونوں کے شرح صدر میں بھی زمین وآسمان کا تفاوت ہے۔

۲؎ یہ دو آیتیں غور طلب ہیں۔ پہلے مشکل الفاظ کی تشریح ملاحظہ فرمایئے:

اَلْوِزْرُ: اَلْحَمْلُ الثَّقِیْلُ(4)۔ بارِگراں۔ اَنْقَضَ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: اَنْقَضَ: اَثْقَلَ ظَهْرَهٗ(5)۔ ایسا بوجھ جو پیٹھ کو بوجھل کردے۔

صاحب قاموس نے اَنْقَضَ کا ایک اور معنی تحریر کیا ہے یعنی کسی چیز کا لاغر اور دُبلا ہونا(6)۔ قَالَ ابْنُ عَرَفَةَ: اَیْ اَثْقَلَهٗ حَتّٰی جَعَلَهٗ نَقْضًا اَیْ مَهْزُوْلًا وَّهُوَ الَّذِیْ اَتْعَبَهُ السَّفَرُ وَالْحَمْلُ وَ نَقَضَ لَحْمَهٗ (تاج العروس)(7) یعنی اس بوجھ نے آپ کی پیٹھ کو دُبلا اور لاغر کردیا کیونکہ پیہم سفر اور متواتر کام کرنے سے گوشت دُبلا ہوجاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ ''آں بارکہ گراں کردہ بود پشت ترا''(8)۔ یعنی وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت کو بوجھل بنادیا تھا۔ میں نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ ویسے لغت عرب میں جب اونٹ کی پشت پر

1۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ شبیر احمد عثمانی، ص 779

2۔ القصیدتان، ص 36

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 168

4۔ لسان العرب، ج 5، ص 282

5۔ ایضاً، ج 7، ص 244

6۔ القاموس المحیط، ص 435 (پرانا نسخہ)

7۔ تاج العروس، ج 5، ص 94

8۔ ترجمہ قرآن مجید از شاہ ولی اللہ مع تفسیر حسینی، ص 956

اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ۝٣ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ۝٤ فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ

بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو ۔ اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو ۳؎ پس یقیناً ہر مشکل کے ساتھ

زیادہ بوجھ لادا جائے تو اس کی پسلیوں سے ایک قسم کی ''کڑ کڑ'' کی آواز نکلتی ہے اسے بھی اَنۡقَضَ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وہ بھاری بوجھ کیا تھا؟ جو پیٹھ کو گراں بار کر رہا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے اٹھا لیا۔ علمائے تفسیر نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ ان میں سے دو قول ہی پسندیدہ ہیں:

(۱) اپنی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ کر خاطر عاطر کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ان کا بے جان بتوں کو پوجنا، فسق و فجور میں غرق رہنا، قمار بازی اور شراب نوشی میں اپنی صحت و دولت کو برباد کرنا، غریبوں پر ظلم ڈھانا، ان کے حقوق غصب کرنا، باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت، ان کی اخلاقی پستی، ان کی معاشی بدحالی اور ان کی سیاسی ابتری ان تمام چیزوں کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بہت دکھ ہوتا اور اس صورت حال کو یکسر بدل ڈالنے کے لیے دل ہر وقت مضطرب رہتا۔...... اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا اور قرآن کریم جیسا صحیفۂ رشد و ہدایت عطا فرمایا۔ دین اسلام جیسا جامع اور مکمل نظام حیات مرحمت فرمایا جس سے یہ بوجھ اتر گیا۔ منزل کا تعین بھی ہو گیا اور اس منزل کی طرف لے جانے والا راستہ بھی نور نبوت سے روشن ہو گیا۔

(۲) یا اس بوجھ سے بار نبوت و رسالت مراد ہے۔ ایسے لوگ جو صدہا سال سے معبودان باطل کی پوجا پاٹ میں مشغول تھے، جن کی کئی پشتیں اخلاقی آوارگی کی نذر ہو چکی تھیں، ظلم و ستم، لوٹ مار جن کے نزدیک فخر و مباہات کا باعث تھی، ان کو ان پستیوں سے نکال کر توحید، اخلاق حسنہ، نظم و ضبط کی بلندیوں پر لے جانا بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس راستہ میں مشکلات کے فلک بوس پہاڑ سینہ تانے کھڑے تھے اور ناکامیوں کی عمیق غاریں منہ کھولے ہوئے نگل جانے کے لیے بے تاب تھیں۔ اس فرض کی ادائیگی کا احساس دل کو ہر وقت بے چین رکھتا، ان کا تعصب و عناد باطل سے چمٹے رہنے پر ان کا احمقانہ اصرار اس بے چینی میں مزید اضافہ کر دیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی دولت سے مالا مال فرما کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ طبیعت میں قلق و اضطراب کی جگہ، صبر و عزیمت نے لے لی۔ اپنی قوم کی بے اعتنائی اور دل آزاریوں پر دل گرفتہ ہونے کے بجائے ہمت و حوصلہ پیدا ہو گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں فرمائی ہے اور خوب فرمائی ہے:

''آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی، قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا، وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا''۔ (1)

۳؎ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اَتَانِیۡ جِبۡرَئِیۡلُ عَلَیۡهِ السَّلَامُ فَقَالَ اِنَّ رَبِّیۡ وَرَبَّكَ یَقُوۡلُ اَتَدۡرِیۡ كَیۡفَ رَفَعۡتُ ذِكۡرَكَ قُلۡتُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعۡلَمُ قَالَ اِذَا ذُكِرۡتُ ذُكِرۡتَ مَعِیۡ۔ (2)

1۔ تفسیر عزیزی، زیر آیت ہذا، ص 232

2۔ کتاب الشفاء، ج 1، ص 24، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت

یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا رب کریم پوچھتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا؟ میں نے جواب دیا اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کے رفع ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں آپ کا بھی میرے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں وَاَیُّ رَفْعٍ مِثْلُ اَنْ قَرَنَ اسْمَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِاسْمِہٖ عَزَّوَجَلَّ فِیْ کَلِمَتَیِ الشَّھَادَۃِ وَجَعَلَ طَاعَتَہٗ طَاعَتَہٗ وَصَلّٰی عَلَیْہِ فِیْ مَلَائِکَتِہٖ وَاَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ وَ خَاطَبَہٗ بِالْاَلْقَابِ کَیٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ، یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ، یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ، وَذَکَرَہٗ سُبْحَانَہٗ فِیْ کُتُبِ الْاَوَّلِیْنَ وَاَخَذَ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ وَاُمَمِھِمْ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (1)

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر رفع ذکر کیا ہو سکتا ہے کہ کلمہ شہادت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب کا نام ملا دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا، ملائکہ کے ساتھ آپ پر درود بھیجا اور مومنوں کو درود پاک پڑھنے کا حکم دیا اور جب بھی خطاب کیا معزز القاب سے مخاطب فرمایا جیسے یایھا المدثر، یایھا المزمل۔ پہلے آسمانی صحیفوں میں بھی آپ کا ذکر خیر فرمایا۔ تمام انبیاء اور ان کی امتوں سے وعدہ لیا کہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں۔ آج دنیا کا کوئی آباد ملک ایسا نہیں جہاں روز و شب میں پانچ بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح پر اپنوں اور بیگانوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں دنیا کے کسی نبی، مُصلح، فاتح اور سلطان کے بارے میں نہیں لکھی گئیں۔ بے شمار اعلیٰ پایہ کے لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کو بلند کرنے کے لیے جس طرح اپنی زندگیاں، اپنی علمی قوتیں، روحانی لطافتیں، اپنا مال اور اپنے مسائل وقف کیے ہیں، کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے عشاق نے نثر و نظم میں انسانیت کو جو پاکیزہ ادب عطا فرمایا ہے اس کی نظیر بھی نہیں ملتی۔ لادینیت کے اس دور میں بھی آپ کے دین کی تبلیغ اور آپ کی سنت کے احیاء کی کوششیں بڑے خلوص سے کی جارہی ہیں۔ آپ کا نام پاک لے کر، آپ کا ذکر خیر کر کے اور آپ کے محاسن سن کر کروڑوں دلوں کو جو سرور و فرحت نصیب ہوتی ہے اس کا جواب نہیں۔ اپنے تو رہے ایک طرف، بیگانوں اور متعصب مخالفوں کو بھی بارگاہ رسالت میں خراج عقیدت پیش کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔

اگر آپ اُن حالات کو پیش نظر رکھیں جن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی اور پھر اس آیت کو پڑھیں تو اس کے پڑھنے کا لطف دہ چند ہو جائے گا۔ ساری دنیا مخالف ہے، مکہ کے نامور سردار اور عوام چراغ مصطفوی کو بجھانے کے درپے ہیں۔ جس گلی سے گزرتے ہیں وہاں غلاظت کے ڈھیر لگا دیئے جاتے ہیں اور کانٹے بچھا دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہوتے ہیں تو مرے ہوئے اونٹ کا اوجھ اٹھا کر گردن مبارک پر لاد دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کون یہ تصور کر سکتا تھا کہ ان کا ذکر پاک دنیا کے گوشہ گوشہ میں بلند ہوگا، ان کے دین کی روشنی سے مہذب دنیا کا بہت بڑا علاقہ منور ہوگا اور کروڑوں انسان ان کے نام پر جان دینے کو اپنے لیے باعث سعادت تصور کریں گے۔ لیکن جو وعدہ مولا کریم نے اپنے برگزیدہ بندے اور محبوب رسول کے ساتھ کیا وہ پورا ہو کر رہا اور قیامت تک ذکر محمدی کا آفتاب ضوفشانیاں کرتا رہے گا۔ اعلیٰ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 169

يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿٧﴾

آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ۴ پس جب آپ (فرائضِ نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسبِ معمول) ریاضت میں لگ جائیں ۵

حضرت بریلوی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا (1)

۴ کفار، مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم نادار اور مفلس ہو، تم کمزور اور ناتواں ہو، ہم تمہیں پیس کر رکھ دیں گے۔ ہم تمہارا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ جو شخص اسلام کو قبول کرتا اس کو ہر قسم کے ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا، درد سے جب وہ فریاد کرتا تو اس کی فریاد سننے والا ہی کوئی نہ ہوتا بلکہ الٹا وہ سنگدل اس کو تڑپتا ہوا دیکھ کر تالیاں بجاتے اور خوشی کے نعرے بلند کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب! ان دشواریوں اور تکلیفوں سے پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہمارا یہ قانون ہے کہ ہر تکلیف کے بعد راحت ہوتی ہے، ہر دشواری کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ یہ تکالیف جن سے آپ کے ماننے والے دوچار ہو رہے ہیں، یہ عسرت و تنگدستی جس کے باعث بیگانے زبان طعن دراز کیا کرتے ہیں، ختم ہو جائے گی اور عزت و اقبال، خوش حالی اور فارغ البالی کا ایک درخشاں دور شروع ہوگا۔

۵ یعنی جب تم ایک عبادت سے فارغ ہو جاؤ تو اس عبادت کی توفیق پر شکر ادا کرنے کے لیے دوسری ریاضت اور عبادت شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اپنے رسول کریم پر فرمائی تھیں۔ ان کا شمار کیا گیا اور جن نعمتوں سے مستقبل میں سرفراز کرنا تھا ان کا وعدہ کیا گیا۔ اور اس کے بعد حکم دیا گیا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرو اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی عبادت میں مشغول رہا کرو۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا یہ مفہوم نقل کیا ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَالَ اَیْ اِذَا فَرَغْتَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَانْصَبْ فِی الدُّعَاءِ (2)۔ یعنی جب آپ نماز ادا کرنے سے فارغ ہو جائیں تو بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگنا شروع کر دیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بندۂ مومن کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کے سارے اوقات یاد و عبادت الٰہی میں مستغرق رہیں یا دنیا کے ضروری کاروبار سے جونہی فرصت ملے، خداوند کریم کے ذکر میں مشغول ہو جائے۔ بندۂ مومن کا بیکار بیٹھا رہنا یا فضول مشاغل میں کھوئے رہنا بڑی بے عقلی اور نادانی ہے۔ یہاں انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک پر از حکمت ارشاد نقل کیا ہے۔ اسے پیش خدمت کرتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ آپ اسے خوبصورت لکھ کر ایسی جگہ آویزاں کریں گے جہاں اکثر آپ کی نظر پڑتی ہے۔

اِنِّیْ لَاَكْرَهُ اَنْ اَرٰی اَحَدَكُمْ فَارِغًا سَبَهْلَلًا لَا فِیْ عَمَلِ دُنْیَاهُ وَلَا فِیْ عَمَلِ آخِرَتِهٖ (روح المعانی) (3)

یعنی میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ میں تمہیں نکما بیٹھے ہوئے دیکھوں۔ نہ تم دنیا کا کوئی کام کر رہے ہو اور نہ تم اپنی آخرت کو سنوار رہے ہو۔

آپ نے فارغ کے ساتھ سَبَهْلَلٌ کا وزنی اور رعب دار لفظ استعمال فرمایا ہے اور خود ہی اس کی تشریح بھی فرما دی ہے۔

1۔ حدائقِ بخشش، ص 9، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور

2۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 30، ص 151

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 172

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۸ ع

ع ۱ ۸ ۱۹

اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں ٦

بیکار، نکما جسے نہ دنیا کی فکر نہ عاقبت کا اندیشہ۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے صبح سے شام تک وقت ضائع کرتا رہتا ہے۔ یہی فاروقی تربیت تھی جس کی برکت سے امت مسلمہ نے چند سالوں میں مشرقی اور مغربی عالمی طاقتوں پر فتح حاصل کی تھی اور اپنی عظمت کے پرچم گاڑ دیئے تھے۔ جس بے دردی سے آج ہم اپنا قیمتی وقت برباد کرتے ہیں، جس سنگدلی سے ہم اپنے شخصی اور ملی فرائض کی ادائیگی میں کاہلی اور بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتے ہیں انہیں دیکھ کر خون کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔

ہمارے نوجوان جن کے دلوں میں اپنی ملت کا درد ہے، جو اپنی قوم کے مستقبل کو درخشاں دیکھنا چاہتے ہیں، جو موجودہ پستی اور انحطاط پر شکوہ سنج نظر آتے ہیں، کاش! وہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کو بلکہ اپنے رب کریم کے اس فرمان واجب الاذعان کو اپنی زندگی کا شعار (MOTTO) بنا لیں۔ جب بھی ایک فرض کی ادائیگی سے فارغ ہوں، دوسرا فرض ادا کرنے کے لیے کمر ہمت باندھ لیں۔

فَانْصَبْ کا لفظ بھی توجہ طلب ہے۔ نصب ایسا کام کرنا جس کے کرنے سے تھکاوٹ ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ معمولی نوعیت کے کاموں سے تو تھکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ وہ کام جو اولوا العزمی سے کیے جاتے ہیں، وہ مہمیں جو بڑی محنت اور ریاضت سے سر کی جاتی ہیں، وہ فرائض جن کی انجام دہی کے لیے دیدہ ریزیوں، جگر پاشیوں اور شب بیداریوں کی ضرورت پڑتی ہے ایسے کاموں کے کرنے کی ہی تلقین کی جارہی ہے۔ اہل حق تو مشکل پسند ہوا کرتے ہیں۔ سہل اور آسان کاموں میں تو ان کا جی ہی نہیں لگتا، بلکہ اللہ تعالیٰ گوارا نہیں کرتا کہ آسان کاموں کے کرنے میں وہ اپنی عمر صرف کریں۔ ایسے کاموں کے لیے اور بہت سی قومیں ہیں۔ ان کے لیے تو کٹھن اور دشوار کام ہیں۔

جنگ بدر کے بارے میں فرمایا کہ تم تو چاہتے تھے کہ تجارتی قافلہ پر ہلہ بول دو جن کے پاس مزاحمت کے آلات نہیں، لیکن ہم نے چاہا کہ تمہاری طاقتوں کو باطل کی ایک بڑی قوت سے ٹکرا دیں تاکہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کو رسوائی اور ذلت نصیب ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ (الانفال:7)

٦ اے حبیب! آپ اپنے رب کی طرف ہی راغب رہا کریں۔ اسی کی وہ ذات ہے جو تیرا رب ہے، جس نے اس منصب عالی اور مقام بلند پر فائز ہونے کے لیے آپ کی تربیت فرمائی ہے۔ اگرچہ وہ سارے جہانوں کا رب ہے، لیکن اس کی شانِ ربوبیت کا جو خصوصی تعلق تیرے ساتھ ہے وہ کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ تو اس کا، وہ تیرا۔ کسی غیر کی یہاں کیا گنجائش۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا وَ رَبُّ حَبِيْبِنَا الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ اَطْيَبُ التَّحِيَّةِ وَاَجْمَلُ الثَّنَاءِ وَفِّقْنَا اَنْ نَّقْتَفِيَ آثَارَهُ النَّيِّرَةَ السَّنِيَّةَ وَ نُؤَدِّيَ مَا اَوْجَبْتَ عَلَيْنَا لِرَفْعِ كَلِمَتِكَ وَ رَفْعِ ذِكْرِ نَبِيِّكَ اَحْسَنَ الْاَدَاءِ۔ اَنْتَ الْمُوَفِّقُ وَ بِيَدِكَ اَزِمَّةُ التَّوْفِيْقِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔

تعارف سُورۃ التین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورہ مبارکہ کا نام ''التین'' ہے جو اس کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چونتیس کلمے، ایک سو پانچ حروف ہیں۔

نزول: جمہور علماء کے نزدیک اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ ھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ یہ ''امن والا شہر'' سے بلا اختلاف مکہ مراد ہے۔ ھٰذَا کا اشارہ اس کی طرف اس وقت ہی درست ہو سکتا ہے جب کہ اس کا نزول یہاں ہوا ہو۔ مدنی سورت میں مکہ کا ذکر ھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ سے کسی طرح مناسب نہیں۔ (1)

مضامین: بعض اُن مقامات کی قسمیں کھا کر اس سورت کا آغاز کا گیا ہے جن کا تعلق اولوا العزم رسولوں میں سے کسی کے ساتھ ہے۔ پھر بتایا کہ ہم نے انسان کی آفرینش اس انداز سے کی ہے کہ صوری اور معنوی اعتبار سے یہ ''احسن الخلق اور اکمل الخلق'' ہے۔ انسانی عظمت کا تصور جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے، دنیا کا کوئی فلسفی، نفسیات کا کوئی ماہر، عمرانیات کا کوئی استاد، طبیعیات کا کوئی معلم اس کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن نے عظمت انسان کا جو نظریہ پیش کیا ہے جب اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو باقی سب مدعیان دانش، نادان بچوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارتے نظر آتے ہیں۔

انسان کو احسن تقویم کے لقب سے سرفراز فرمانے کے بعد اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ نوع انسانی کے بعض افراد اپنے مقام رفیع کے تقاضوں کو پس پشت ڈال لیتے ہیں اور نفس کے سِفلی جذبات کی تسکین کے درپے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو ایسی پستیوں میں گرا لیتے ہیں جس سے مزید کسی پستی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ وہ لوگ جو خود شناس ہیں۔ اپنی خداداد عظمتوں کے قدردان ہیں۔ ایمان اور عمل صالح سے اپنے دامن حیات کو معمور رکھتے ہیں، ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی پایاں پذیر نہ ہوگا۔

اس حقیقت کے بیان کرنے کے بعد قیامت کی ضرورت اور اس کے برپا کرنے میں جو حکمت ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ جب وہ احکم الحاکمین ہے تو اس کے عدل و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ ایک دن ایسا آئے اور ضرور آئے جب ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے۔ اگر ساری عمر پھول کھلانے والا اور ہر سمت میں چراغ روشن کرنے والا اور ساری عمر کانٹے بونے والا اور اندھیروں کا بیوپار کرنے والا ایک ہی انجام سے دوچار ہوں تو اس سے بڑی اندھیر گردی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی ذی ہوش اس ذات سے جو احکم الحاکمین ہے اس اندھیر گردی کی توقع رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 173

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ التین مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③

قسم ہے انجیر اور زیتون کی ۱؎ اور قسم ہے طور سینا کی ۲؎ اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی ۳؎

۱؎ اس سورت کا افتتاح چار چیزوں کی قسمیں کھا کر کیا جا رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سامعین ہمہ تن گوش بن کر اس سورت کو سنیں کیونکہ اس میں نہایت اہم مضامین بیان کیے جانے والے ہیں۔

تِیْن اور زیتُون سے کیا مراد ہے، علمائے تفسیر کے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس، حسن، مجاہد وغیرہم کا قول یہ ہے کہ تین سے مراد انجیر ہے اور زیتون سے مراد زیتون کا مشہور و معروف درخت ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ انجیر کا پھل اور زیتون کا درخت اور اس کا تیل بے شمار فوائد اور خوبیوں کے مالک ہیں، اس لیے ان کی قسم کھائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ قول بھی مروی ہے کہ تین اس مسجد کا نام ہے جو نوح علیہ السلام نے جودی پہاڑ پر تعمیر کی تھی اور زیتون سے مراد بیت المقدس کی مسجد ہے۔ قتادہ کی رائے یہ ہے کہ تین اس پہاڑ کا نام ہے جس پر دمشق کا شہر آباد ہے اور زیتون اس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس کا شہر ہے۔ ایک اور قول یہ بھی ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ وَ مَنَابِتِ التِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۔ یعنی وہ علاقے جو انجیر اور زیتون کی پیداوار کے لیے مخصوص ہیں۔ علامہ قرطبی کی رائے یہ ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے بعض علماء نے قتادہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔(1)

علامہ آلوسی کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اِقْسَامٌ بِبِقَاعٍ مُّبَارَكَةٍ شَرِيْفَةٍ عَلٰى مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ كَثِيْرٌ (روح المعانی)(2) کہ یہاں مبارک مقامات کی قسمیں اٹھائی گئی ہیں۔ اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲؎ وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا اس کا نام طور سینین ہے۔ اسے طورِ سِینا اور طورِ سَینا بھی کہتے ہیں۔(3)

۳؎ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مکہ مکرمہ کا شرف محتاج بیان نہیں۔ اس کا سنگ بنیاد اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند جلیل حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا۔ اس شہر کے پرامن ہونے کی دعا بھی آپ نے ہی مانگی۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا۔ اس دعا کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارا جزیرۂ عرب غارت گری، خونریزی اور لوٹ مار کا میدان بنا ہوا تھا اس وقت بھی مکہ مکرمہ فتنہ و فساد کی آگ سے محفوظ تھا۔ کسی کے باپ کا قاتل بھی اگر حرم میں پناہ لیتا تو اس کو کچھ نہ کہا جاتا۔ اگر جنگل میں کوئی چیتا، ہرن کو شکار کرنے کے لیے اس کے تعاقب میں دوڑتا اور ہرن حدود حرم میں داخل ہو جاتا تو چیتا اس کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا جاتا۔ یہاں کے درختوں اور گھاس وغیرہ کو بھی کوئی نہیں کاٹتا تھا۔ کعبہ مقدسہ کی تعمیر سے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 11-110
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 173
3۔ ایضاً

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ④ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ

بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر ۴ پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین

اس شہر کو مزید شرف نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خطہ پر مزید کرم یہ فرمایا کہ اسے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے ولادت بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان بھی یہیں سے کیا جس کے باعث مکہ کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔ (1)

طور کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت کی وجہ سے عزت نصیب ہوئی۔ یہیں آپ کو پیغمبری ملی، یہیں شرف ہمکلامی سے مشرف ہوئے۔ یہیں الواح تورات مرحمت ہوئیں۔ دمشق حضرت مسیح علیہ السلام کا مسکن و ماویٰ اور آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہا اور بیت المقدس کو بے شمار انبیاء و رسل سے نسبت کا شرف حاصل ہوا اس لیے ان بابرکت مقامات کی قسمیں اٹھائی گئیں جہاں ایسے نفوس قدسیہ کی ولادت باسعادت ہوئی جو انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہوئے جس سے ارفع کسی اور مقام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

۴ یہ جوابِ قسم ہے۔ یعنی ہم نے انسان کو شکل و صورت، قد و قامت، عقلی و ذہنی قوتوں، قلبی و روحانی بہترین صلاحیتوں سے متصف کر کے پیدا فرمایا ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں: لَیْسَ لِلّٰهِ تَعَالٰی خَلْقٌ اَحْسَنُ مِنَ الْاِنْسَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَهٗ حَیًّا عَالِمًا قَادِرًا مُّرِیْدًا مُّتَكَلِّمًا سَمِیْعًا بَصِیْرًا مُّدَبِّرًا حَكِیْمًا (قرطبی) (2) کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے ان عظیم صفات سے متصف فرمایا۔ حی، عالم، بااختیار، بااراده، متکلم، شنوا، بینا، مدبر اور حکیم۔

اگر انسان کو بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ صوری اور معنوی حسن و کمال میں کوئی چیز بھی انسان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ گراں قیمت حیوان، زور آور جانور، درندے، پرندے، ہوائی اور آبی مخلوقات، سب کی سب انسان کے سامنے سرافگندہ ہے اور اس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتی۔ گرانڈیل ہاتھی سے ایک فیل بان جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے، چھ سات سال کا بچہ اونٹوں کی ایک قطار کو جدھر چاہتا ہے لے کر چلا جاتا ہے۔ شوخ و شنگ برق رفتار گھوڑے پر جب انسان سوار ہوتا ہے تو وہ اس کی مرضی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ نوامیس فطرت کو وہ اپنی علمی قوت سے مسخر کر کے ان سے اپنی چاکری لے رہا ہے۔ عقل، فکر و نظر، قیاس و استنباط کی جو بے نظیر قوتیں اسے بخشی گئی ہیں کائنات کی کوئی چیز اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ اس کے علم و عرفان کی رفعتوں کا تو یہ حال ہے کہ نوری فرشتے بھی اس کو سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کی قامت راست اور اعضاء کی ساخت بھی بے نظیر ہے۔ ہر جانور اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے اپنا سر زمین پر جھکاتا ہے، لیکن انسان کو اس کے لیے سر جھکانا نہیں پڑتا۔ بلکہ اس کے ہاتھ لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیتے ہیں۔ اس کے جس پہلو کو دیدۂ حق بین سے دیکھا جائے بے ساختہ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ کا نعرہ بلند ہونے لگتا ہے۔ علامہ قرطبی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی کی اپنی بیوی کے ساتھ شدید محبت تھی۔ ایک دن اس نے اس سے کہا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اِنْ لَّمْ تَكُوْنِیْ اَحْسَنَ مِنَ الْقَمَرِ۔ اگر تو چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو تجھے تین طلاقیں۔ اس نے جب اپنے خاوند کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو اٹھ کھڑی ہوئی اور عیسیٰ سے پردہ کر لیا اور کہا کہ تو نے مجھے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 113

2۔ ایضاً، ص 114

سٰفِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ

حالت کی طرف ۵ بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے

طلاق دے دی ہے۔ اب ہمارا ازدواجی تعلق منقطع ہو گیا۔ عیسیٰ نے بڑی مشکل سے رات بسر کی، صبح سویرے خلیفہ منصور کے پاس پہنچا اور اسے اس واقعہ کی اطلاع دی اور بڑی گھبراہٹ اور ندامت کا اظہار کیا۔ خلیفہ نے فقہاء کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے فتویٰ پوچھا۔ جتنے فقہاء حاضر تھے سب نے کہا کہ طلاق واقع ہو گئی ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کے شاگردوں سے ایک شخص خاموش بیٹھا رہا۔ منصور نے پوچھا آپ کیوں چپ ہیں، کیوں کوئی بات نہیں کرتے تو وہ شخص گویا ہوا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴۔ اے امیر المومنین! اس ارشاد الٰہی کے مطابق انسان سب چیزوں سے زیادہ حسین ہے اور کوئی چیز اس سے زیادہ حسین نہیں ہے۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا کہ اس شخص نے جو کہا ہے، درست کہا ہے، تم اپنی بیوی کے ساتھ رہ سکتے ہو اور اس کی بیوی کو بھی کہلا بھیجا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اس لیے اسے چاہیے کہ اپنے خاوند کے گھر آ جائے (1)۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان باطن اور ظاہر میں، صورت کے جمال میں، بناوٹ کی ندرت میں اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے زیادہ حسین و جمیل ہے۔ فلاسفہ نے اسی وجہ سے انسان کو عالم اصغر کہا ہے۔

۵ لیکن جو انسان ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتا، جو اپنی عدیم النظیر صلاحیتوں کو غلط استعمال کرتا ہے، جو عقل و فہم کے سارے چراغ گل کر دیتا ہے اور ہوائے نفس کی پیروی میں لگ جاتا ہے، اپنے خالق و رازق کی فرمانبرداری سے منہ موڑ لیتا ہے، اس کے رسول کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتا ہے، تو اسے اس جرم کی سزا بھی بڑی سخت دی جاتی ہے۔ وہ بے شعور اور بے سمجھ حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اس سے ایسی ایسی رذیل حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جن کا کسی بھلے آدمی سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھود کر وہ اپنی بچیوں کو زندہ مٹی میں دفن کر دیتا ہے۔ وہ اپنے سگے بھائی کا گلا کاٹنے سے بھی نہیں شرماتا۔ معمولی فائدہ کے لیے وہ اپنی قوم اور وطن سے غداری کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ آپ خود سوچیے وہ سمگلر جو اپنے قومی غذائی ذخائر کو چند ٹکوں کے لالچ میں دشمن ممالک کو ناجائز ذرائع سے برآمد کرتا ہے، جو انجینئر ملک کی شاہراہوں، پلوں اور ڈیموں کی تعمیر میں بددیانتی کرتا ہے، جو صنعت کار اجناس خوردنی اور ادویہ میں ملاوٹ کرنے کا کاروبار کرتا، جو تاجر اجناس خوردنی کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے کیا وہ کتے اور خنزیر سے پست تر نہیں، جو شخص فسق و فجور کی غلاظتوں میں خوش رہتا ہے، گندگی میں جنم لینے والے کیڑوں سے کیا وہ کسی صورت میں بہتر ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص سے انسانیت کی خلعت فاخرہ واپس لے لی جاتی ہے۔ اس کے سر سے اشرف المخلوق ہونے کا تاج اتار لیا جاتا ہے۔ معاشرے کی نگاہوں میں وہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ ایسے انسانوں کے لیے دوزخ کے طبقات میں سے وہ طبقہ مخصوص کیا جائے گا جو پست ترین ہو گا۔

دیکھیے قرآن حکیم، انسانی حمیت کو کس طرح مہمیز لگاتا ہے، انسانی شرف کا واسطہ دے کر خود فراموش انسانوں کو خواب غفلت سے کس طرح چونکاتا ہے، انسان کے احساس عظمت کو گرما کر گناہوں کی دلدل سے اسے نکل آنے کی جو دعوت دیتا ہے اس کا اسلوب کتنا اثر آفرین ہے۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 15-114

غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۟ؕ٦ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۟ؕ٧ اَلَيْسَ اللّٰهُ

والا اجر ہے ٦۔ پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد جزا و سزا کے معاملہ میں ٧۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ

بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۟ع٨ ١ ع ٨ ٢٠

سب حاکموں سے بڑا حاکم؟ ٨۔

٦۔ فرمایا جو لوگ اپنی انسانیت کی لاج رکھتے ہیں، اس کے دامن شرف پر کوئی داغ نہیں لگنے دیتے، اپنے خالق کے ذکر کی شمع روشن رکھتے ہیں، اس کے احکام کی بجا آوری میں سرگرم رہتے ہیں، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق انہیں رات دن بے چین رکھتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو احسن تقویم کے کمالات سے موصوف ہیں۔ ان کو ہی اللہ تعالیٰ ایسا اجر دے گا جو کبھی منقطع نہ ہو گا۔ جب تک وہ اس دنیا میں زندہ رہیں گے ان پر ان کے رب کی رحمت نازل ہوتی رہے گی۔ جب یہاں سے رخت سفر باندھنے لگیں گے تو انہیں ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۟ۚ٢٨ (1) کی نوید جانفزا سنائی جائے گی۔ جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے تو لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۟ۚ٦٢ (2) کی شان ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہی ہو گی اور جب فردوس بریں میں قدم رکھیں گے تو سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۟٥٨ (3) سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ انہوں نے تو کچھ مدت اپنے رب کی بندگی میں گزاری لیکن ان کا رب جن نعمتوں سے انہیں نوازے گا وہ پایاں ناپذیر ہوں گی۔

٧۔ اس آیت کے کئی مفہوم بیان کیے گے ہیں ان میں سے مجھے وہ مفہوم زیادہ پسند ہے جو علامہ قرطبی نے قتادہ اور فراء سے نقل کیا ہے۔ قَالَ قَتَادَةُ اَيْضًا وَالْفَرَّاءُ الْمَعْنٰى فَمَنْ يُّكَذِّبُكَ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَعْدَ هٰذَا الْبَيَانِ بِالدِّيْنِ وَ اخْتَارَهُ الطَّبَرِيُّ۔ (4) یعنی قیامت کے برپا ہونے اور اس روز نیک و بد کو جزا و سزا کا جو نظریہ آپ نے پیش کیا ہے کون عقل منداس کی تکذیب کر سکتا ہے۔ یہ کہنے کی جرأت کس میں ہے کہ جس شخص نے ساری عمر احکام الٰہی کی بجا آوری میں گزاری جس نے اپنے آرام و آسائش کو بنی نوع انسان کے آرام و آسائش کے لیے وقف کر دیا، جس نے نور حق پھیلانے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں اس کو اس کی عمر بھر کی سعی پیہم کا کوئی اجر نہ ملے اور جو اپنے کرتوتوں کے باعث اسفل السافلین تک پہنچا اس کو کوئی سزا نہ ملے؟

٨۔ اگر کسی چھوٹے سے خطہ کا کوئی حاکم ہو تو تم اس سے عدل و انصاف کی توقع رکھتے ہو، اگر وہ ظلم و ستم پر اتر آئے تو تم اس سے نفرت کرنے لگتے ہو اور اگر حالات اجازت دیں تو اس کا تاج و تخت بھی چھین لیتے ہو۔ خود ہی بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے بڑا حاکم اور کون ہے، اس کی حکومت سے بڑی حکومت کس کی ہے، اس کی مملکت سے وسیع مملکت کہاں ہے؟ اس کے باوجود کیا تم اس ظلم کو روا رکھنے کی اس سے توقع رکھتے ہو کہ وہ ظالم کو کچھ نہیں کہے گا اور مظلوم کی دادرسی نہیں کرے گا۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اس سورت کی تلاوت ختم کرو تو کہو بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تلاوت کے بعد فرماتے سُبْحَانَكَ فَبَلٰى (روح المعانی) (5)

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

1۔ سورۃ الفجر: 28 2۔ سورۂ یونس: 62 3۔ سورۂ یٰس: 58 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 116 5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 177

تعارف

سُورۂ اِقرأ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس کو سورۃ ''العلق'' اور سورۂ ''اقرأ'' دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے(1)۔ ''العلق'' دوسری آیت میں مذکور ہے۔ اور ''اقرأ'' سے اس کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس میں ایک رکوع، انیس آیتیں، بانوے کلمے اور دوسواسی حروف ہیں۔

نزول: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک کثیر تعداد جن میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماء سرفہرست ہیں اور بے شمار علمائے تفسیر کا یہ قول ہے کہ نزول قرآن کا آغاز اسی سورت کی پہلی پانچ آیتوں سے ہوا۔ بقیہ آیات بعد میں نازل ہوئیں۔ (2)

مضامین: جس طرح اوپر بتایا گیا ہے۔ یہ سورت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلی پانچ آیتیں جبرئیل امین لے کر پہلی مرتبہ غارحرا میں تشریف لائے اور پہلی وحی آکر تعلیم کی جس کی تفصیلات آپ آیات کی تشریح کے ضمن میں مطالعہ کریں گے۔

سورت کا دوسرا حصہ بعد میں اُس وقت نازل ہوا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا انداز عبادت اہل مکہ کے لیے بالکل انوکھا تھا۔ لوگ دیکھ کر حیران ہوتے اور گزر جاتے۔ لیکن ابوجہل جو جہالت اور اجڈپن میں اپنی مثال آپ تھا، وہ اس انداز عبادت کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکا اور دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کی حماقت اور حرماں نصیبی پر ناراضگی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔

نیوسنٹرل جیل سرگودھا
۱۰-۴-۷۷

1- روح المعانی، جز30، ص177

2- ایضاً

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ العلق مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں انیس آیات ہیں

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ②

آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا [1] پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے [2]

[1] مفسرین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اسی سورت کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس سلسلہ میں سب سے صحیح روایت وہ ہے جس کی راویہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ جسے امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حضرت ام المومنین کہتی ہیں کہ وحی کی ابتدا سچی خوابوں کی صورت میں ہوئی۔ جو خواب آپ رات کو دیکھتے، دن کو اس کی تعبیر ہو بہو وہی سامنے آجاتی۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں خلوت گزینی کا شوق پیدا ہوا۔ (مکہ سے چند میل کی مسافت پر ایک غار ہے جسے غار حرا کہتے ہیں جس کا راستہ بڑا کٹھن ہے) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس غار میں تشریف لے جاتے۔ چند روز وہاں قیام فرماتے اور مشغول عبادت رہتے۔ پھر گھر لوٹ آتے اور کچھ وقت گھر ٹھہرنے کے بعد کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حرا کی تنہائیوں میں آکر مصروف عبادت ہوجاتے۔ کافی مدت یہی دستور رہا۔ ایک رات، آپ اسی غار میں مصروف ذکر و فکر تھے کہ جبرئیل امین آئے اور کہا اِقْرَاْ: آپ پڑھیے۔ حضور نے فرمایا مَآ اَنَا بِقَارِئٍ: میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبرئیل نے آپ کو سینہ سے لگا کر خوب زور سے بھینچا جس سے آپ کو کافی تکلیف پہنچی۔ پھر جبرئیل نے کہا اِقْرَاْ۔ آپ نے اب بھی وہی جواب دیا۔ جبرئیل نے دوسری بار پھر سینہ سے لگا کر خوب بھینچا اور کہا اِقْرَاْ۔ حضور نے پھر بھی وہی جواب دیا۔ جبرئیل نے تیسری بار بھی زور سے سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ تا مَالَمْ يَعْلَمْ۔ حضور نے یہ پانچ آیتیں تلاوت فرمادیں۔ اس ناگہانی واقعہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر خوف طاری ہوگیا۔ گھر لوٹے۔ دہشت سے دل کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا: زَمِّلُوْنِيْ، زَمِّلُوْنِيْ، مجھ پر کپڑا ڈال دو، مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ انہوں نے کپڑا ڈال دیا۔ جب دہشت و سراسیمگی دور ہوگئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سارا واقعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کیا اور فرمایا مجھے تو اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ آپ کی دانشمند رفیقۂ حیات نے تسلی دیتے ہوئے جواباً عرض کیا کہ یہ اندیشہ آپ ہرگز نہ کریں۔ بخدا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ صلہ رحمی آپ کا شیوہ ہے، لوگوں کا بوجھ آپ برداشت کرتے ہیں، ناداروں کی امداد کرتے ہیں، مہمان کی خاطر تواضع آپ کا شعار ہے، مصیبت کے وقت لوگوں کی امداد کرنا آپ کا طریقہ ہے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو اپنے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ان کا چچا زاد بھائی تھا اور زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب اختیار کرچکا تھا اور انجیل کو عبرانی زبان سے عربی زبان میں لکھا کرتا تھا۔ اب وہ بہت بوڑھا ہوچکا تھا اور بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ورقہ سے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! ذرا اپنے بھتیجے کی بات سنو۔ ورقہ نے کہا بتائیے آپ نے کیا دیکھا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ورقہ نے سن کر کہا کہ آپ پر وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) نازل ہوا ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ

پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے ۳ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے ۴ اسی نے سکھایا انسان کو

ہوا کرتا تھا۔ کاش! میں اس وقت طاقتور ہوتا، کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جس وقت آپ کی قوم آپ کو جلاوطن کرے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے، ورقہ نے کہا بے شک جو بھی وہ چیز لے کر آیا، جو آپ لے کر آئے ہیں تو اسے اذیت دی گئی۔ اگر اس وقت میں زندہ ہوا تو آپ کی بھرپور امداد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد انتقال کر گئے۔ (1)

حکم ہو رہا ہے کہ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھنا شروع کرو۔ پہلی آیت میں ہی ربوبیت کی اضافت اس ضمیر کی طرف کی جس کا مرجع آپ ہیں۔ اس میں جو لطف ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بعثت سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے رب کا عرفان حاصل تھا اسی لیے تو یہ کلمات استعمال ہوئے۔ اگر عرفان نصیب نہ ہوتا تو پہلے رب کی پہچان کرائی جاتی، اس کے بعد اس کا نام لے کر پڑھنے کا حکم دیا جاتا جو کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہاں خَلَقَ کا مفعول كُلَّ شَيْءٍ محذوف ہے۔ (2)

۲ انسان کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا شاہکار ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ انسان کی آفرینش کی ابتدا جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے کی گئی۔ اک حقیر لوتھڑے سے اس سراپا کمال و جمال انسان کا پیدا کرنا اس کی شان کبریائی اور عظمت کی روشن دلیل ہے۔ نیز انسان کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کر دیا تا کہ وہ گھمنڈ اور غرور کا شکار ہو کر اپنے خالق کا انکار اور اس کے احکام سے سرتابی نہ شروع کر دے۔

۳ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل کو تین بار جواب دیا کہ مَا اَنَا بِقَارِئٍ۔ آخر میں جبرئیل نے عرض کیا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کہ آپ پڑھیے اور یہ فکر نہ کیجئے کہ میں جب پڑھنا نہیں جانتا تو کیونکر پڑھوں۔ یہ کوئی عذر نہیں۔ آپ خود تو نہیں پڑھ رہے، آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھ رہے ہیں اور اس کی شان کریمی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ جب وہ پڑھنے کا حکم دے اور آپ اس کا نام لے کر پڑھنا شروع کریں تو پھر آپ کو علوم و معارف سے سیراب کر دینا اس کا کام ہے۔ کریم کے بجائے اکرم فرمایا۔ یا تو یہ ربك کی خبر ہے یا اس کی صفت۔ کریم کے بجائے اکرم فرمایا تا کہ مزید مبالغہ ہو۔ اَیِ الزَّائِدُ فِی الْكَرَمِ عَلٰی كُلِّ كَرِیْمٍ فَرَضَ وَجُوْدَهٗ حَیْثُ یُنْعِمُ بِلَا غَرَضٍ مَّا لَا یُمْكِنُ اِحْصَاءُهٗ كَمًّا وَّ كَیْفًا (مظہری) (3) اکرم میں کریم سے بھی زیادہ مبالغہ ہے اور اکرم اس کو کہتے ہیں جو بلا غرض انعام کرے اور اتنا دے جس کے کم و کیف کا شمار نہ ہو سکے۔

۴ اس کی شان کریمی کا ایک جلوہ یہ ہے کہ اس نے قلم کو تعلیم کا واسطہ بنا دیا۔ علم کی نشر و اشاعت میں قلم کا جو حصہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ قدیم زمانہ کے علماء و فضلاء کے علوم کو اگر قلم کے ذریعے صفحۂ قرطاس پر تحریر نہ کر دیا جاتا تو صدہا سال بعد آج ہم ان سے کیونکر استفادہ کر سکتے۔ اگر قلم کا واسطہ نہ ہوتا تو آج زمین کے دور دراز گوشوں میں بسنے والے فضلاء کی تحقیقات اور نگارشات سے دور بسنے والے کیونکر مستفید ہو سکتے۔ یہ قلم ہی کی برکت ہے کہ علم کا کارواں آج ان رفعتوں پر خیمہ زن ہے اور مزید بلندیوں کو مسخر کرنے کا عزم کیے ہوئے ہے اور جب تک قلم کا فیض جاری رہے گا علوم و فنون میں ترقی اور اضافہ ہوتا رہے گا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ اقرأ، ج 2، ص 40-739، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج 1، ص 88

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 302

3۔ ایضاً، ص 304

مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝٦ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝٧

جو وہ نہیں جانتا تھا ۵؎ ہاں ہاں! بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے ۶؎ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝٨ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝٩ عَبْدًا اِذَا

(اے غافل!) یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے۔ (اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ۷؎ ایک بندے کو جب وہ

وہ جس طرح قلم کے ذریعہ سے علوم و معارف کی دولت سے اپنے بندوں کو مالا مال کر رہا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تو قلم کے سوا بھی جس کے سینے کو چاہے انوار و تجلیات کی جلوہ گاہ بنا دیتا ہے اور بغیر کسی واسطہ کے اس کا دل علم کی روشنی سے بقعہ نور بن جاتا ہے۔ فَكَمَا عَلَّمَ سُبْحَانَهٗ الْقَارِیَ بِوَاسِطَةِ الْكِتَابَةِ بِالْقَلَمِ يُعَلِّمُكَ بِدُوْنِهَا۔ (1)

۵؎ انسان کو جو کچھ سکھایا ہے اللہ تعالیٰ نے ہی سکھایا ہے۔ سارے علوم و فنون، اسرار و معارف، انکشافات و ایجادات، اسی کے بے پایاں علم کی نہریں ہیں، جتنا چاہتا ہے، جس کو چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ ابو البشر آدم علیہ السلام کو علم الاسماء اسی نے تعلیم کیا۔ انبیائے کرام کے سینوں کو رشد و ہدایت کے نور سے اسی نے منور کیا۔ سابقہ آیت میں عَلَّمَ فعل ذکر کیا مفعول ذکر نہیں کیا۔ یہاں فعل اور مفعول دونوں ذکر کیے تاکہ اس کی قدرت کے کمال پر دلالت کریں۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَالْاِشْعَارُ بِاَنَّهٗ تَعَالٰى يُعَلِّمُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنَ الْعُلُوْمِ مَا لَا يُحِيْطُ بِهِ الْعُقُوْلُ مَا لَا يَخْفٰى۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اتنے علوم سکھائے گا جن کا احاطہ عقلیں نہیں کر سکتیں۔ (روح المعانی) (2)

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُرَادُ بِالْاِنْسَانِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلَّمَ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بِتِلْكَ اللَّفَظَاتِ الثَّلَاثِ عُلُوْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ (مظہری) (3) یعنی ممکن ہے کہ اس آیت میں الانسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے تین بار بھینچنے سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اولین و آخرین کے علوم سکھا دیئے۔

۶؎ یہ آیات پہلی پانچ آیات کے نزول کے کافی دنوں بعد نازل ہوئیں۔ پہلے تو یہ بتایا کہ کم ظرف انسان کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ جب اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو جاتی ہے اور ایک طاقتور جتھہ اس کا فرماں بردار بن جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اپنے رب سے بھی مستغنی سمجھنے لگتا ہے، گویا اس نے اپنے خدا سے جو کچھ لینا تھا لے لیا۔ اب اسے اس کی (العیاذ باللہ) کوئی ضرورت نہیں اور جب اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو وہ سرکشی اختیار کرتا ہے۔ نہ اسے اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ اس کے بھیجے ہوئے رسول کے ارشادات کو وہ قابل اعتنا سمجھتا ہے، جو اس کے جی میں آتا ہے کر گزرتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ ہفت کشور کا سلطان بھی بن جائے، اگر دنیا بھر کی دولت بھی وہ جمع کر لے تو پھر بھی وہ ایک بے بس انسان ہے۔ جب اس کی موت کا وقت آئے گا تو فرشتہ اجل اس کی اکڑی ہوئی گردن مروڑ کر رکھ دے گا اور آخرکار اسے اس کے پروردگار کے دربار میں جواب دہی کے لیے پیش ہونا پڑے گا۔ اس وقت اس کو اپنی ناتوانی اور بے نوائی کا احساس ہوگا۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 180
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 305

صَلّٰى ⑩ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ⑪ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ⑫

نماز پڑھتا ہے۔ بھلا دیکھیے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا ۸ یا پرہیزگاری کا حکم دیتا (تو اس کے لیے کتنا بہتر ہوتا)

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ⑬ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ⑭

آپ نے دیکھ لیا اگر اس نے جھٹلایا اور رُوگردانی کی کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے۔

كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ ڏ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ⑮ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ

خبردار اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا تو ہم ضرور (اسے) گھسیٹیں گے اس کے پیشانی کے بالوں سے۔ وہ پیشانی جو جھوٹی (اور)

۷ اس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابوجہل نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اس نے پھر حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو (العیاذ باللہ) وہ حضور کی گردن کو روند دے گا اور آپ کے منہ کو خاک آلود کر دے گا۔ لَيَطَأَنَّ عَلٰى رَقَبَتِهٖ وَلَيُعَفِّرَنَّ وَجْهَهٗ۔ ایک دن اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھا تا کہ اپنی قسم پوری کرے۔ جب اس بری نیت سے ڈگ بھرتے ہوئے نزدیک پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کسی چیز کو پرے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پوچھا کیا ہوا، کیوں پیچھے ہٹ آئے؟ کہنے لگا جب میں نزدیک ہوا تو مجھے اس کے درمیان اور اپنے درمیان ایک خندق دکھائی دی جو آگ سے بھری ہوئی ہے اور اس سے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر وہ میرے نزدیک آنے کی جرأت کرتا تو فرشتے اس کا انگ انگ جدا کر دیتے (1)۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

۸ اگر ابوجہل ہدایت قبول کر لیتا اور لوگوں کو بھی تلقین کرتا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں تو اس کے لیے کتنا اچھا ہوتا۔ اب جب اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ میرے نبی کریم کی تکذیب کی اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردانی کر لی ہے تو کیا اب وہ عذاب الٰہی سے بچ سکتا ہے؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اس کے سارے کرتوتوں کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ اس قسم کے ناہنجار مجرموں کو وہ بڑے شدید عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ان آیات کا ایک اور مفہوم بھی بیان کا گیا ہے:

یہاں اَرَءَيْتَ کا کلمہ تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ دوسرے اَرَءَيْتَ میں ضمیر خطاب کا مرجع ابوجہل ہے (2)۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اے ابوجہل تو جس بندے کو نماز سے منع کرتا ہے اگر وہ ہدایت پر ہو اور لوگوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دے رہا ہو تو پھر تمہارا انجام کیا ہوگا؟ وہ ہدایت یافتہ انسان جو تقویٰ کا نور پھیلانے میں کوشاں ہو اس کو ایسے نیک کام سے منع کرنے والا کیا غضب الٰہی سے بچ سکتا ہے؟

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 183

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 124

خَاطِئَةٍ ⑯ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ⑰ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ⑱ كَلَّا

خطا کار ہے ۹ پس وہ بُلالے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لیے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔ ہاں ہاں!

۹ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز مقام ابراہیم پر نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوجہل کا وہاں سے گزر ہوا اور گستاخانہ لہجے میں کہنے لگا کہ کیا میں نے تمہیں نماز پڑھنے سے روکا نہیں۔ تم پھر وہی کام کر رہے ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بڑا کڑوا کسیلا جواب دیا۔ ابوجہل بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تو مجھے کیونکر دھمکی دے سکتا ہے۔ اعوان وانصار کی جتنی جمعیت میرے پاس ہے، بطحا کی ساری وادی میں اور کسی رئیس کے پاس نہیں۔ ایک آواز دوں تو ساری وادی میں تل دھرنے کے لیے بھی جگہ نہ رہے (1)۔ اس وقت جبرئیل امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے جن میں بتایا گیا کہ اگر یہ نابکار اپنی گستاخیوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کو اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹیں گے اور یہ پیشانی لوگوں کی نظر میں تو مکہ کے ایک رئیس کی پیشانی ہے، قریش کے ایک نامور سردار کی پیشانی ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک ایسے شخص کی پیشانی ہے جو جھوٹا ہے، جو غلط کار ہے۔ ایسے شخص کی پیشانی اس قابل ہے کہ اسے مٹی میں خوب رگڑا جائے اور اسے خاک مذلت پر گھسیٹا جائے۔ اگر وہ اپنے ہمنشیں دوستوں اور مددگاروں کو بلائے گا تو ہم جہنم کے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس نابکار کی اور اس کے اعوان وانصار کی تکہ بوٹی کر دیں۔

زَبَانِيَةٌ: مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ وَهُوَ فِي الْأَصْلِ الشُّرَطُ أَيْ أَعْوَانُ الْوُلَاةِ وَسُمِّيَ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ بِذٰلِكَ لِدَفْعِهِمْ (2)۔ زبانیہ: عذاب کے فرشتوں کو کہتے ہیں۔ اس کا اصل معنی پولیس ہے جو افسروں کی اعانت پر مقرر ہوتی ہیں۔ ملائکہ عذاب کو زبانیہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ مجرموں کو دھکے دے کر جہنم میں پھینکیں گے۔

ان آیات میں جو مشکل الفاظ ہیں ان کی تشریح بھی سن لیجئے:

لَنَسْفَعًا: اصل میں لَنَسْفَعَنْ ہے (3) جو مضارع جمع متکلم کے آخر میں نون تاکید خفیفہ ہے، لیکن قرآن کے رسم الخط کا اتباع کرتے ہوئے اسے لَنَسْفَعًا کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ یہ سفع سے ماخوذ ہے۔ قَالَ الْمُبَرِّدُ: السَّفْعُ الْجَذْبُ بِشِدَّةٍ۔ کسی چیز کو زور کے ساتھ کھینچنا۔ وَقِيْلَ: السَّفْعُ: الضَّرْبُ طمانچہ مارنا۔ وَقِيْلَ هُوَ مَاخُوْذٌ مِّنْ سَفَعَتْهُ النَّارُ وَالشَّمْسُ إِذَا غَيَّرَتْ وَجْهَهٗ إِلٰى حَالِ تَسْوِيْدٍ۔ آگ اور دھوپ کی وجہ سے جب کسی کے چہرے کی رنگت سیاہی مائل ہو جائے۔ (4)

نَاصِيَةٌ: شَعْرُ مُقَدَّمِ الرَّأْسِ (5)۔ پیشانی پر جو بال ہوتے ہیں انہیں ناصیہ کہتے ہیں۔ یعنی ہم اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر اس کے منہ پر تھپڑ رسید کریں گے اور اسے گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دیں گے۔ ناصیہ کا معنی تو پیشانی کے بال ہے لیکن اس سے مراد پورا شخص بھی ہوا کرتا ہے۔ اس صورت میں کَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ کا معنی یہ ہوگا کہ یہ نابکار سراسر جھوٹا اور خطا کار ہے۔

نَادِيَهٗ: أَهْلَ مَجْلِسِهٖ وَعَشِيْرَتَهٗ (6) انسان کے ہم نشین اور اس کے قبیلہ والوں کو نادی کہتے ہیں۔

زَبَانِيَةَ: یہ جمع ہے۔ اس کے واحد کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ کسائی کا قول ہے کہ اس کا واحد زِبْنِيٌّ ہے۔ اخفش کی

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 529
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 188
3۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 805
4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 125
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً، ج 126

السجدۃ ۱۴

ع ۱ ۱۹ ۲۱

كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿۱۹﴾

اس کی ایک نہ سنیے۔ (اے حبیب!) سجدہ کیجیے اور (ہم سے اور) قریب ہو جائیے ۱۰

رائے ہے کہ اس کا واحد زَابِنٌ ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں زِبْنِیَۃٌ ہے۔ بعض نے زَبَانِیٌ بتایا ہے۔ بعض علمائے لغت کے نزدیک یہ اسم جمع ہے جیسے اَبَابِیْل اور عَبَادِیْد۔ جن کی پکڑ بہت سخت ہو اہل عرب انہیں زبانیہ کہتے ہیں (1)۔ قال الشاعر:

مَطَاعِیْمُ فِی الْقُصْوٰی مَطَاعِیْنُ فِی الْوَغٰی زَبَانِیَۃٌ غُلْبَ عِظَامٌ حُلُوْمُهَا (2)

ترجمہ: ''وہ لوگوں کو خوب کھانا کھلانے والے ہیں اور جنگ میں ان کی نیزہ افگنی بہت سخت ہے۔ ان کی گرفت بہت شدید ہے، ان کی گردنیں موٹی ہیں اور ان کی عقلیں بہت بڑی ہیں''۔ آیت میں اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اپنی جسامت کے لحاظ سے بڑے گرانڈیل اور برتاؤ کے اعتبار سے بڑے سخت اور کرخت ہیں۔

۱۰ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اس جھوٹے بدکار کی بات مت مانیے۔ یہ اگر نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے تو اس کی پروا نہ کیجئے۔ آپ اپنے پروردگار کی جناب میں ہمیشہ سجدے کرتے رہیے اور کثرت سجود سے اس کا قرب حاصل کرتے رہیے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی۔ عَلَیْكَ بِكَثْرَۃِ السُّجُوْدِ فَاِنَّهٗ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ تَعَالٰی سَجْدَۃً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَۃً وَّحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِیْئَۃً۔ (3)

اے ثوبان! کثرت سے سجدہ کیا کرو کیونکہ جب تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ ہر سجدے کے ساتھ تیرا ایک درجہ بلند کر دے گا اور تیری ایک خطا معاف کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَقْرَبُ مَا یَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ (4): کہ بندہ اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہ آیت پڑھتے تو سجدۂ تلاوت ادا فرماتے۔ (5)

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا اَنْ نَّسْجُدَ لَكَ وَ نَقْتَرِبَ اِلَیْكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ
بَارِكْ عَلٰی حَبِیْبِكَ الْمُكَرَّمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 126
2۔ ایضاً
3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 188
4۔ ایضاً
5۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب سجود التلاوۃ، ج 1، ص 215

تعارف

سورۃ القدر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس کا نام ''القدر'' ہے۔ اس میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، تیس کلمے اور ایک سو بارہ حروف ہیں۔

نزول: علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین رقمطراز ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر ''بحر محیط'' میں لکھتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔ علامہ واحدی کا قول ہے یہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی لیکن اکثر علمائے تفسیر کا یہی قول ہے کہ یہ مکی ہے (1)۔ پہلے قول کی تائید میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں وہ سند کے اعتبار سے قابل اعتبار نہیں۔ نیز سورت کا مضمون بھی دوسرے قول کی تائید کرتا ہے۔ اس سے پہلی سورت میں نزول قرآن کا ذکر تھا اس سورت میں اس رات کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے جسے یہ اعزاز نصیب ہوا۔

مضمون: قدر کا معنی تقدیر اور قسمت بھی ہے اور عزت و منزلت بھی۔ یہاں دونوں معنی لیے جا سکتے ہیں۔ بتایا کہ یہ معمولی رات نہیں بلکہ وہ رات ہے جس میں اللہ کے اس کلام معجز نظام کے نزول کی ابتداء ہوئی جو قسمت اور تقدیر کو بدلنے والا ہے کسی ایک شخص یا قبیلے یا ملک کی نہیں بلکہ نوع انسانی کے ان تمام افراد کی جو اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیتے ہیں۔ پھر اس میں کسی زمانہ کی تخصیص بھی نہیں۔ جس طرح اس رسول کی رسالت قید زمانی سے ماوراء ہے۔ اسی طرح اس کا لایا ہوا کلام بھی ان زمانی حدود سے نا آشنا ہے۔ یا اس سے اس رات کی قدر و منزلت بیان فرمائی جا رہی ہے جس رات کی خاموشیوں میں یہ صحیفۂ رشد و ہدایت نازل ہوا اور اس ذات اقدس و اطہر کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا۔ بتا دیا کہ اس رات کی خیرات و برکات ہزار ماہ کی عبادت سے برتر ہیں۔ ساری رات فرشتوں کی آمد اور رحمتوں کے نزول کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور سلامتی کی بشارتیں دی جاتی رہتی ہیں۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۱۰-۴-۷۷

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 188

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ القدر مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں پانچ آیات ہیں

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ② لَیْلَةُ

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شبِ قدر میں ۱؎ اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شبِ قدر کیا ہے ۔ شبِ

الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا

قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے ۲؎ اُترتے ہیں فرشتے اور رُوح (القدس) اس میں ۳؎

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ اگرچہ یہاں قرآن مجید کا صراحۃً ذکر نہیں کیا لیکن اَنْزَلْنٰهُ کی ضمیر مفعول کا مرجع بالاتفاق قرآن مجید ہی ہے (1)۔ فرمایا قرآن کسی فرشتے یا کسی انسان کا کلام نہیں۔ نہ ان میں سے کسی ایک فرد یا مجمع علمی کی تصنیف ہے۔ اس کو اتارنے والے ہم ہیں، یہ ہمارا کلام ہے، اس میں کسی غیر کے اختراع کا کوئی وجود نہیں۔ اور ہم نے اس کو اس رات میں اتارا ہے جو قدر و منزلت کے اعتبار سے بے مثل رات ہے، یا اس رات میں اتارا جو تقدیر ساز ہے، جس کی برکت سے صرف اہل مکہ اور ساکنان حجاز کے مقدر کا ستارہ ہی طلوع نہیں ہوا بلکہ ساری انسانیت کا بختِ خُفتہ بیدار ہو گیا۔ اس رات میں ایسی کتاب نازل ہوئی جس میں بنی نوع انسان کو اپنی پہچان اور اپنے خالق کا عرفان عطا فرمایا۔

امام زہری فرماتے ہیں سُمِّيَتْ بِهَا لِلْعَظَمَةِ وَالشَّرَفِ... لِاَنَّ الْعَمَلَ الصَّالِحَ فِيْهِ يَكُوْنُ ذَا قَدْرٍ عِنْدَ اللّٰهِ (مظہری) (2) علامہ قرطبی نے اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یوں بیان کی ہے قِيْلَ سُمِّيَتْ بِذٰلِكَ لِاَنَّهٗ اَنْزَلَ فِيْهَا كِتَابًا ذَا قَدْرٍ عَلٰى رَسُوْلٍ ذِيْ قَدْرٍ عَلٰى اُمَّةٍ ذَاتِ قَدْرٍ (3)۔ یعنی اسے شب قدر اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک بڑی قدر و منزلت والی کتاب، بڑی قدر و منزلت والے رسول پر اور بڑی قدر و منزلت والی امت کے لیے نازل فرمائی۔ اس کی شانِ نزول یہ بیان کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کی عمروں کو مختصر پایا اور خیال ہوا کہ وہ مختصر عمر میں اتنے اعمال صالحہ نہ کر سکیں گے جتنے پہلی امتوں نے اپنی طویل عمروں میں کیے ہیں۔ فَاَعْطَاهُ اللّٰهُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (مظہری) (4) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔

۲؎ جو تحفہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مرحمت فرمایا اب اس کی جلالت شان کا بیان ہو رہا ہے۔ خود ہی سوال کیا خود ہی جواب دیا۔ فرمایا بھلا تم جانتے ہو لیلۃ القدر کیا ہے؟ خود ہی جواب دیا کہ یہ ایک رات، ایک ہزار ماہ سے بھی افضل ہے۔ یہ بہتری اور افضلیت کس اعتبار سے ہے؟ اکثر مفسرین کا یہ قول ہے اَلْعَمَلُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْعَمَلِ فِيْ اَلْفِ شَهْرٍ لَّيْسَ فِيْهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (5): کہ اس ایک رات میں جو عمل کیا جاتا ہے وہ ایک ہزار ماہ کے عمل سے بہتر ہے جس میں لیلۃ القدر نہ ہو۔ علامہ قرطبی نے اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ وَفِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ يُقْسَمُ الْخَيْرُ الْكَثِيْرُ الَّذِيْ لَا يُوْجَدُ مِثْلُهٗ فِيْ اَلْفِ شَهْرٍ (6): کہ اس رات میں اتنی خیر کثیر تقسیم کی جاتی ہے جتنی ایک ہزار مہینہ میں بھی تقسیم نہیں ہوتی اور یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ انسان کی اصلاح اور

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 311 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 131

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 310 5۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 121 6۔ ایضاً

فلاح کے لیے جو کام (نزولِ قرآن) اس ایک رات میں ہوا یہ ہزار مہینے کی کوششوں سے بھی بہتر اور افضل ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ رات کس مہینہ کی ہے اور کس تاریخ کو آتی ہے؟ مہینہ کا فیصلہ تو خود قرآن کریم نے کر دیا کہ قرآن کا نزول رمضان میں ہوا۔ ثابت ہو گیا کہ یہ رات ماہ رمضان ہی کی کوئی رات ہے۔ تاریخ کے تعین کے بارے میں علماء کا بڑا اختلاف ہے۔ چالیس کے قریب اقوال مذکور ہیں، لیکن صحیح حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ تَحَرَّوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ(1): کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو(2)۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رمضان شریف کی ستائیسویں رات لیلۃ القدر ہے(3)۔ حضرت ابی بن کعب تو اس پر قسم بھی کھایا کرتے تھے۔(4)

اس کو متعین نہ فرمانے میں بھی کئی حکمتیں ہیں تاکہ مسلمان اس رات کی تلاش میں زیادہ نہیں تو کم از کم پانچ طاق راتیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں گزاریں۔ اگر رات متعین کر دی جاتی تو لوگ صرف اسی رات کو ہی جاگتے اور عبادت کرتے۔ نیز اس رات کو اگر مقرر کر دیا جاتا تو اسے ذکر و عبادت میں گزارنے والے تو اجر عظیم کے مستحق قرار پاتے لیکن اسے گناہوں میں صرف کرنے والے بھی سنگین سزا میں مبتلا کیے جاتے کیونکہ انہوں نے شب قدر کو پہچانتے ہوئے اسے خدا کی نافرمانی میں ضائع کیا۔ اس لیے رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ اسے مستور رکھا جائے تاکہ اگر کوئی بے نصیب بے خبری میں اس رات کو گناہوں کی بھینٹ چڑھاتا ہے تو اسے گناہ ایک عام رات کا ملے اور جاگنے والے زیادہ راتیں جاگتے رہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو رات اپنے مالک حقیقی کی یاد میں بسر ہوتی ہے، اہل عشق کے لیے وہ بھی لیلۃ القدر ہے۔ عارف ربانی عمر بن فارض قدس سرہ کا یہ شعر کتنا پیارا ہے:

وَكُلُّ اللَّیَالِیْ لَیْلَةُ الْقَدْرِ اِنْ دَنَتْ　　　كَمَا كُلُّ اَیَّامِ اللِّقَاءِ یَوْمُ جُمُعَةٍ (5)

ترجمہ: اگر محبوب کا قرب نصیب ہو جائے تو ساری راتیں لیلۃ القدر ہیں جس طرح اس کی ملاقات کا ہر دن جمعہ کا مبارک دن ہے۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِذَا كَانَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ یَنْزِلُ جِبْرَئِیْلُ فِیْ كَبْكَبَةٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ یُصَلُّوْنَ عَلٰی كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ یَّذْكُرُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ(6): یعنی لیلۃ القدر کو جبرئیل فرشتوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ زمین پر اترتا ہے اور ملائکہ کا یہ گروہ ہر اس بندے کے لیے دعائے مغفرت اور التجائے رحمت کرتا ہے جو کھڑے ہوئے یا بیٹھے ہوئے اللہ عزوجل کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان سے مصافحہ بھی کرتے ہیں۔

کتنا خوش نصیب اور بلند اقبال ہے وہ بندہ جو اس رات کو اپنے پروردگار کی یاد میں بسر کرتا ہے، جبرئیل اور فرشتے اس کے ساتھ مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کرنے کے لیے آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں اور اس کی مغفرت و بخشش کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔

حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف کے آخری عشرہ کے لیے خصوصی اہتمام فرمایا کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِیْزَرَهٗ وَاَحْیَا لَیْلَهٗ وَاَیْقَظَ اَهْلَهٗ۔ (متفق علیہ)(7) یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب یہ آخری عشرہ شروع ہوتا تو اپنا تہہ بند کس کر باندھ لیتے۔ راتوں کو ذکر الٰہی سے زندہ کرتے اور اپنے اہل و عیال کو بھی عبادت کے لیے جگاتے۔

1۔ صحیح مسلم، باب فضل لیلۃ القدر و الحث علی طلبہا و بیان محلہا الخ، ج1، ص370　2۔ ایضاً ص370　3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج10، ص481

4۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل لیلۃ القدر و الحث علی طلبہا و بیان محلہا، ج1، ص371　5۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج30، ص200

6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص315　7۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان، ج1، ص271

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ ﴿٤﴾ سَلٰمٌ ۛ قف هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾ ع

ع۵ ۲۲ الثلثة معانقة

اپنے رب کے حکم سے ۴ ہر امر (خیر) کے لیے ۵ یہ سراسر (امن و) سلامتی ہے۔ یہ رہتی ہے طلوعِ فجر تک ۶

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنا مجاہدہ اس آخری عشرہ میں فرماتے کسی دوسرے وقت میں ایسا مجاہدہ نہ کرتے۔(1)

اس آخری عشرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعتکاف بھی بیٹھا کرتے اور یہ معمول آخر تک جاری رہا اور اپنے غلاموں کو بھی اعتکاف بیٹھنے کی ترغیب دلاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد امہات المومنین بھی اپنے آقا کی اس سنت پر پابندی سے عمل کیا کرتیں۔

آیت میں اَلرُّوْحُ سے مراد جبرئیل امین ہے۔ ان کی جلالت شان کے پیش نظر خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اَلرُّوْحُ فرشتوں کی ایک صنف ہے جو عام فرشتوں سے زیادہ لطیف ہے۔ جس طرح ہم فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے، عام فرشتے اس صنف کو اس کی حد درجہ لطافت کے باعث نہیں دیکھ سکتے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ الروح کا معنی رحمت ہے۔ یعنی فرشتوں کا وہ گروہ جو جبرئیل کی قیادت میں اس رات زمین پر اترتا ہے، اپنے ساتھ رحمت خداوندی کے بے انداز خزانے لے کر آتا ہے۔(2)

۴ یعنی فرشتوں کا یہ نزول از خود نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور اس کے مشارق و مغارب کا چکر لگاؤ، جہاں کہیں میرے محبوب کا کوئی امتی میرے ذکر کی شمع روشن کر کے بیٹھا ہے، اس کے پاس پہنچو اور اس کو ہماری طرف سے نوید رحمت سناؤ۔ اس سے مصافحہ کرو اور اس کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگو۔ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے محبوب کی اور اس کے طفیل کیا شان ہے اس کے غلاموں کی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اس مقام پر لکھتے ہیں: ”یعنی فرود می آیند ملائکہ از آسمانہا و ارواح از مقام علیین دراں شب برائے ملاقات اہلِ کمال و اقتباسِ انوار اعمال بنی آدم و تلذذ بادراک کیفیات کہ در نفوسِ ارضیاں بنسبتِ محبوب و معبود خود حاصل شدہ است“۔(3)

ترجمہ: یعنی آسمان سے اس رات فرشتے اترتے ہیں اور علیین سے روحیں نازل ہوتی ہیں تاکہ باکمال انسانوں کے ساتھ ملاقات کریں اور ان کے اعمال کے انوار سے روشنی حاصل کریں اور اپنے محبوب اور معبود کی محبت کا جو جذبہ ان کے سینوں میں جوش مار رہا ہے اس کی لذت سے بہرہ ور ہوں۔

۵ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کل امر سے وہ تمام کام مراد ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک سال تک فیصلہ کر دیا ہے۔(4)

۶ یعنی یہ رات امن و سلامتی کی رات ہے۔ نفس و شیطان کی وسوسہ اندازیاں عابدوں کو پریشان نہیں کرتیں۔ بڑی جمعیت خاطر کے ساتھ وہ اپنے رب سے لو لگائے رہتے ہیں اور اس کے ذکر سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں اور یہ روح پرور اور ایمان افروز کیفیت رات بھر، صبح کے طلوع ہونے تک جاری رہتی ہے۔ بعض علماء نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ ”ملائکہ و ارواح دراں شب بر جمیع مومناں سلام می گویند و با اہل کمال مصافحہ می نمایند پس ایں آیت بیانِ کیفیتِ ملاقات آنہاست بعد از بیان نزولِ آنہا“۔(5)

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاعتکاف، باب الاجتہاد فی العشر الاواخر، ج1، ص372

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص133

3۔ تفسیر عزیزی، زیر آیت ہذا، ص260

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص133

5۔ تفسیر عزیزی، زیر آیت ہذا، ص262

یعنی فرشتوں کے زمین پر اترنے کے بیان کے بعد اب ان کی ملاقات کی کیفیت ذکر کی جا رہی ہے کہ وہ اس رات کو تمام اہل ایمان کو سلام پیش کرتے ہیں اور اہل کمال سے مصافحہ کرتے ہیں۔

اس رات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ بڑی سرگرمی سے اس رات کی تلاش کرے، غفلت اور کاہلی سے کام نہ لے۔ ذوق وشوق سے رمضان کے آخری عشرہ کی پانچ طاق راتوں کو بیدار رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے گزار دے۔ جب دعا مانگے تو ایسی جامع دعا مانگے کہ پھر کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لیلۃ القدر نصیب ہو تو کیا دعا مانگوں؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یوں دعا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (1)

اے اللہ تعالیٰ! تو بہت درگزر فرمانے والا ہے، تو درگزر کو بہت پسند کرتا ہے، میرے گناہوں سے بھی درگزر فرما دے۔

اس رات کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی بھی پیش نظر رہے:

مَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ (2)

یعنی جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور حصول ثواب کے لیے قیام کرتا ہے، اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫ وَارْحَمْنَا ۫ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ رَحْمَۃِ
لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰۤى اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَمَنْ تَبِعَہٗ بِاِحْسَانٍ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 20، ص 138

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب فضل لیلۃ القدر، ج 1، ص 270

تعارف سُورۃ البیّنۃ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: اس کا نام سورۃ ''البینۃ'' اور سورت ''لَمۡ یَکُنِ'' دونوں بتائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چورانوے کلمے اور تین سو ننانوے حروف ہیں۔

نزول: اس کے نزول کے بارے میں بھی علماء کے دو قول ہیں۔ علامہ ابوحیان اُندلسی کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکی ہے۔ ان کے برعکس ابن الزبیر، عطا ابن یسار اور ابن عطیہ کی رائے ہے کہ یہ مدنی ہے۔ اس کو بھی جمہور کا قول کہا گیا ہے۔ ایک صحیح روایت سے اس دوسرے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ امام احمد طبرانی اور ابن مردویہ نے ابوخیثمہ البدری سے روایت کیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو جبرائیل نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ابی بن کعب کو پڑھ کر سنائیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ابی کو جب یہ بات بتائی تو انہوں نے از راہ حیرت عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا اس بندے کو وہاں بھی یاد فرمایا جاتا ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک۔ ''ابی'' اپنی یہ عزت افزائی دیکھ کر رو پڑے۔ علامہ آلوسی یہ روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ هٰذَا هُوَ الْاَصَحُّ(1) (یہی زیادہ صحیح ہے) مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کا ذکر بھی اسی قول کی تائید کرتا ہے۔

مضامین: سورۃ العلق میں نزول کتاب ''القدر'' میں اس رات کی قدر و منزلت اور اس سورت میں رسالت کی ضرورت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ مشرک اور اہل کتاب اس وقت تک اپنے باطل عقائد سے دستبردار نہیں ہوں گے جب تک ایسا رسول تشریف نہ لے آئے جس کی ذات اور جس کا کردار اس کی دعوت کی صداقت کی روشن دلیل ہو۔ پھر بتایا کہ اہل کتاب کا راہ حق سے انحراف اس وجہ سے نہ تھا کہ ان کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ نہیں آیا تھا یا ان کی طرف کوئی رسول مبعوث نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ لوگ محض ذاتی اغراض اور شخصی مفاد کی وجہ سے حق کو چھوڑ گئے۔

پھر اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ سب نبی اور رسول ایک ہی دین کی دعوت دینے کے لیے مبعوث کیے جاتے رہے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پورے خلوص اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت، نماز کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم رہو۔ جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا اور اس پر عمل کرنے سے گریزاں رہے، وہ بدترین خلائق ہیں لیکن جن خوش نصیبوں نے اس دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا اور خلوص سے اس کی ہدایات پر عمل پیرا رہے وہ تمام مخلوق سے اعلیٰ و ارفع ہیں۔ جنت کی بشارت کے ساتھ انہیں یہ مژدہ جانفزا بھی سنایا جا رہا ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے ترساں لرزاں جس طرح اپنی زندگی گزاری اس کے عوض انہیں اس منصب رفیع پر فائز کیا جائے گا، جہاں خداوند ذوالجلال ان سے اور وہ اپنے خداوند کریم سے راضی ہوں گے۔

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 200

سُوْرَةُ الْبَیِّنَةِ مَدَنِیَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ البینہ مدنی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

جن لوگوں نے اہلِ کتاب میں سے کفر کیا (وہ) اور مشرکین (کفر سے)

مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ① رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا

الگ ہونے والے نہ تھے جب تک کہ نہ آجائے ان کے پاس ایک روشن دلیل ۱؎ (یعنی) ایک رسول اللہ کی طرف سے جو انہیں پڑھ کر سنائے

۱؎ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کے باشندے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جو سرے سے کسی نبی پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ ان کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ تھا۔ ان میں سے کوئی بتوں کی پوجا میں مگن تھا، کوئی کواکب کی عبادت میں کھویا ہوا اور کوئی آگ کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھا، ان کے عقائد میں شدید اختلافات کے باوجود شرک قدر مشترک تھا۔

دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو کسی نبی کے امتی ہونے کے دعویدار تھے، ان کے پاس کوئی نہ کوئی آسمانی کتاب بھی تھی۔ لیکن مرور زمانہ سے وہ بھی کھلی گمراہی میں پھنس چکے تھے۔ ان کے آسمانی صحیفے تحریف کی نذر ہو چکے تھے۔ ان کے اعمال و عقائد میں واضح بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ انبیاء کی تعلیمات سے انہوں نے رخ موڑ لیا تھا اور خود ساختہ مخترعات کو اپنا دین بنا لیا تھا۔ ان کا بگاڑ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ کوئی حضرت عزیر علیہ السلام کو فرزند خداوند کوئی یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا یقین کرتا تھا۔ اگرچہ شرک میں یہ لوگ بھی دیگر مشرکین سے پیچھے نہ تھے، لیکن قرآن کریم نے ان دو گروہوں کو ہمیشہ الگ الگ ناموں سے یاد کیا ہے۔ پہلے گروہ کو مشرک کہا گیا اور دوسرے گروہ کو اہل کتاب۔ اس لیے کہ دوسرا گروہ اپنے آپ کو ایک ایسے دین کا پیرو کہلاتا ہے جو بنیادی طور پر دین توحید ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے انہیں مشرکین کے لفظ سے یاد نہیں کیا۔ شرعی احکام میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا۔ مشرکین کا ذبیحہ بھی حرام اور ان کی عورتوں کے ساتھ شادی بھی قطعاً ممنوع۔ اس کے برعکس اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت ہے اور ان کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کریں اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ذبح کریں۔

مذکورہ آیت میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں کفر و شرک اتنا راسخ ہو چکا ہے کہ اب دوسرے درجہ کی کوشش انہیں اس دلدل سے نہیں نکال سکتی۔ کوئی عالم، کوئی زاہد، کوئی مصلح اب ان کو راہ راست پر نہیں چلا سکتا۔ جن تاریکیوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہے کوئی معمولی روشنی اس محاصرہ کو نہیں توڑ سکتی۔ ان کی ہدایت کے لیے تو کسی ایسی قوی اور تابندہ دلیل کی ضرورت ہے جس کی کرنیں تاریکیوں کا سینہ چاک کر کے رکھ دیں۔ شکوک و شبہات کے غبار کو یکسر ناپید کر دیں۔ طلوعِ آفتاب سے جس طرح زمین کا گوشہ گوشہ چمکنے لگتا ہے، ہدایت کا کوئی ایسا آفتاب طلوع ہو جو ان کے قلوب و اذہان کے کونے کونے میں اجالا کر دے۔

مُنْفَكِّيْنَ: اِنْفِكَاك سے ہے۔ یعنی کسی چیز کا کسی چیز سے الگ ہو جانا، جدا ہو جانا (1)۔ اَلْبَيِّنَةُ: روشن دلیل جو حق کو واضح کر دے۔ (2)

1۔ لسان العرب، ج10، ص476

2۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص806

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ ② فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۗ ③ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا

پاک صحیفے ۲؎ جن میں لکھی ہوں سچی اور درست باتیں ۳؎ اور نہیں بٹے فرقوں میں اہلِ

الْكِتٰبَ إِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۗ ④ وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا

کتاب مگر اس کے بعد کہ آگئی ان کے پاس روشن دلیل ۴؎ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر

۲؎ اس دوسری آیت میں بتا دیا کہ وہ اَلْبَيِّنَةُ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب پر فائز کر کے گمراہوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ قَالَ الزُّجَاجُ رَسُوْلٌ رُّفِعَ عَلَى الْبَدْلِ مِنَ الْبَيِّنَةِ (قرطبی)(1) رسول مرفوع ہے کیونکہ یہ البینۃ کا بدل ہے۔

یہ رسول روشنی اور ہدایت کا وہ بلند مینار ہے جس کی تابندہ شعاعوں سے عالم انسانیت کے نشیب وفراز جگمگا رہے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ ایسی کتاب کی تلاوت فرماتا ہے جو ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔ دوسری مذہبی کتابوں کی طرح اس میں شرف انسانیت سے گری ہوئی کوئی بات نہیں۔ عقل سلیم کا منہ چڑانے والی کوئی حکایت نہیں۔ اخلاق باختگی کی طرف بلانے والی کوئی دعوت نہیں ہے۔ ہر عیب سے وہ پاک ہے، ہر نقص سے وہ مبرا ہے۔

۳؎ ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں صرف ایسے احکام وہدایات ہیں جو سراسر حق اور درست ہیں۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت میں کتب سے مراد احکام ہیں۔ اِنَّ الْكُتُبَ هٰهُنَا بِمَعْنَى الْاَحْكَامِ (قرطبی) وَقَيِّمَةٌ: اَیْ مُسْتَقِيْمَةٌ، مُسْتَوِيَةٌ، مُحْكَمَةٌ (قرطبی)(2) یعنی راست، درست اور مستحکم۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس، جملہ انسانی کمالات کی مظہر اتم تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق، سیرت اور اعمال ہر آلائش سے اس قدر پاک تھے کہ رُخِ انور دیکھ لینے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا یقین دل میں پیدا ہو جاتا تھا۔ نیز جو کتاب مقدس آپ پڑھ کر سنایا کرتے اس کا ہر پہلو سراپا اعجاز تھا جو نظام حیات اس کتاب نے انسانیت کو بخشا وہ اپنی افادیت، اپنی ظاہری وباطنی برکتوں کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ جب ہدایت کے یہ تینوں سامان بہم ہو جائیں تو پھر ہدایت پذیری میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں ہوتی بجز اس کے کہ انسان کو اس کی بدبختی اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے سے محروم کر دے۔

۴؎ یہود ونصاریٰ بے شمار فرقوں میں بٹ چکے تھے۔ ہر فرقہ اپنے آپ کو ہی اپنے دین کا ٹھیکیدار یقین کرتا تھا۔ باقی تمام فرقے اس کے نزدیک گمراہ اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے اور دوزخ کا ایندھن تھے۔ ان میں مذہبی تنگ نظری کے باعث باہمی جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رہتا جس کو موقع ملتا دوسروں پر ہلہ بول کر کشتوں کے پشتے لگا دیتا اور خون کے دریا بہا دیتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تفرقہ بازیاں اور تشتت وافتراق جہالت اور بے علمی کا نتیجہ نہ تھیں بلکہ بد دماغوں نے اس وقت تفرقہ بازی کی آگ بھڑکائی جب حق کو کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ دلائل وبراہین نے حق وباطل کو ممتاز کر دیا تھا۔ محض اپنے ذاتی مفادات اور جھوٹی انا کی قربان گاہ پر اپنے ملّی اور دینی اتحاد و یک جہتی کو بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ بعض علمائے تفسیر نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ یہاں بھی

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 142

2۔ ایضاً ص 143

لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے ۔ بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز ،

وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؕ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ ۵ اور یہی نہایت سچا دین ہے ٦ بے شک جنہوں نے کفر کیا

اَلْبَيِّنَةُ سے مراد حضور کی ذات بابرکات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جملہ اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چشم براہ تھے۔ بڑی بے چینی سے انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ جب کفار کے ساتھ برسر پیکار ہوتے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی کا وسیلہ پکڑ کر دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کی دعائیں مانگا کرتے، لیکن جب وہ ہادی برحق تشریف لے آیا تو ان کے تیور بدل گئے۔ حسد و عناد کے شعلے بھڑک اٹھے اور حضور پر ایمان لانے سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اپنی آسمانی کتب میں آخر الزماں نبی کی بیان کردہ نشانیاں، حضور میں مشاہدہ کر لینے کے باوجود حضور کو جھٹلانے پر کمربستہ ہو گئے۔ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (البقرہ:89) (مظہری، قرطبی وغیرہما) اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے کفار پر فتح طلب کیا کرتے تھے، لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے تو انہوں نے نہ پہچانا، حضور کے ساتھ کفر کرنا شروع کر دیا۔

۵ وہ قومیں جو آج گوناگوں شرک میں مبتلا ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایسی قوم نہیں جس کو اس کے نبی یا رسول نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کا حکم نہ دیا ہو اور غیر اللہ کی عبادت کو ضلالت و گمراہی نہ کہا ہو۔ ان انبیاء نے انہیں یہ بھی تلقین کی کہ اپنے عقائد کو شرک و کفر کی ہر آلائش سے پاک صاف رکھیں۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقیدے پر مضبوطی سے جم جائیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس عقیدۂ توحید کی انہیں دعوت دی ہے، یہ کوئی نئی دعوت نہیں۔ پہلے انبیاء و رسل نے بھی اپنی اپنی قوموں کو یہی درس دیا اور اس پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی۔ ہر باطل سے منہ موڑ کر جو شخص صرف حق کی طرف متوجہ ہو جائے، اسے حنیف کہتے ہیں۔ حُنَفَآءَ اس کی جمع ہے (1)۔ یعنی انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ ان کے گردوپیش باطل اپنی مختلف شکلوں میں موجود ہے، ہر باطل سے دامن چھڑا کر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ حق کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ عقیدہ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ انہیں عبادات، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کا بھی بار بار حکم دیا گیا۔ دانائی اور راست بازی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ حضور کی دعوت کو قبول کر لیں اور اس ہادی برحق کے نقوش پا کو اپنا خضر راہ بنا لیں۔

٦ وہی دین سچا اور صحیح دین ہو سکتا ہے جس میں اصلاحِ عقائد اور اصلاحِ اعمال کا جامع نظام موجود ہو، اسلام کے علاوہ کہیں بھی انہیں عقائد و اعمال کا یہ حسین امتزاج نظر نہیں آئے گا۔ اَلْقَيِّمَةِ کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ اَلْقَيِّمَةِ صفت ہے۔ اس کا موصوف ''اَلْمِلَّةُ'' مقدر ہے۔ عبارت یوں ہے ذَالِكَ دِيْنُ الْمِلَّةِ الْقَيِّمَةِ (2)۔ یعنی ایک راست رَو ملت کا دین ہے۔ دوسرا قول یہ ہے جو زیادہ واضح اور پسندیدہ ہے۔ اَلْقَيِّمَةِ کے آخر میں تا تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کی ہے جیسے علامہ میں (3)۔ اور دین جو موصوف ہے۔ اس کو صفت کی طرف مضاف کر دیا گیا۔ اَلْقَيِّمَةُ الَّتِيْ لَا عِوَجَ فِيْهَا (4)۔ جس میں کوئی کجی نہ ہو۔ یعنی ہادی برحق

1۔ المنجد، ص 158

2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 488

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 144

4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 489

اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ

اہلِ کتاب سے (وہ) اور مشرکین آتشِ جہنم میں ہوں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ یہی لوگ

هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ ⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

بدترین مخلوق ہیں ـــہ (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے،

اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ ⑦ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ

وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں ـــ۸ـہ ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشگی کی جنتیں

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ

ہیں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ ان میں تاابد رہیں گے ـــ۹ـہ اللہ تعالیٰ ان

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لایا ہوا دین ایسا دین ہے جس میں کوئی کجی نہیں، کوئی خامی نہیں، کوئی کمی نہیں۔

ـــ۷ـہ آفتاب ہدایت ضوفشاں ہے، صحیفۂ رشد وہدایت ان کے سامنے ایسا نظام حیات پیش کر رہا ہے جو ان کی جسمانی اور روحانی نشو ونما اور ان کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔ جو لوگ اب بھی اس کا انکار کرتے ہیں، جواب بھی لپک کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن مضبوطی سے پکڑ نہیں لیتے وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔ وہ اسی لائق ہیں کہ انہیں دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے۔ وہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں، یہ لوگ کسی رعایت اور نرمی کے مستحق نہیں۔

ـــ۸ـہ ان کے برعکس جو لوگ راستے کی صعوبتوں کو خاطر میں نہیں لاتے، آگے بڑھ کر اس رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ یہی نفوس قدسیہ، فخرِ روزگار ہیں اور انسانیت کی آبرو ہیں، کائنات کی کوئی چیز ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان کا دل پاک، نگاہیں پاک، نیت پاک، عزم بلند، شوق فراواں اور منزل اونچی، اتنی اونچی کہ کوئی نوری فرشتہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔

ـــ۹ـہ بہشت کے سدا بہار باغات انہی کے لیے چشم براہ ہیں، وہاں بہنے والی ندیاں انہی کے شوق دید میں گرم سیر ہیں۔ وہاں کا ہر پھول، ہر کلی ان کی محبت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ وہ وہاں رہیں گے، تا ابد وہاں رہیں گے، جنت کی ساری رونقیں، ان کے دم قدم سے ہیں، یہ وہاں نہ رہیں تو شگفتگیاں اداسیوں میں بدل جائیں، بہاریں بھی روٹھ جائیں۔

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ⑧ ع

ع ۸ / ۲۲

سے راضی اور وہ اس سے راضی ۱۰ یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے ۱۱

۱۰ جنت اور اس کی فرحت انگیز ابدی مسرتوں سے بھی ایک اعلیٰ ترین انعام انہیں بخشا جائے گا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو جائے گا۔ یہ رضا و خوشنودی یکطرفہ نہیں، دوطرفہ ہوگی۔ ان کا پروردگار، ان کی محبت اور نیازمندی کو دیکھ کر ان پر راضی ہو جائے گا اور وہ نیازمند اپنے کریم رب کی بے پایاں عنایات سے بہرہ ور ہو کر اس سے راضی ہو جائیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو پکاریں گے یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ۔ وہ جواب عرض کریں گی لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَ سَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ۔ اے ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں، ساری سعادتیں اور بھلائیاں تیرے دست قدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ دریافت کریں گے کہ اب تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم تجھ پر راضی کیوں نہ ہوں جب کہ تو نے ہمیں ایسی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے جو کسی مخلوق کو نصیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں اس سے بھی ایک اعلیٰ انعام تمہیں عطا نہ کروں؟ وہ کہیں گے الٰہی! اس سے افضل اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں تمہیں اپنی رضا اور خوشنودی سے اس طرح سرفراز کر دوں کہ اس کے بعد میری ناراضگی کا تمہیں کوئی اندیشہ نہ رہے۔ (متفق علیہ) (1)

۱۱ یہ مقام بلند اور منصب رفیع ہر ایک کو نہیں بخشا جاتا۔ جھوٹی آرزوئیں کرنے والوں کو اس پر فائز نہیں کیا جاتا۔ یہ شرف ان سعادت مندوں کا حصہ ہے جو زندگی بھر اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس کی حکم عدولی کی انہیں جرأت ہی نہیں ہوتی۔ اگر بھولے سے لغزش ہو جائے تو خوف اور ندامت کے باعث رو رو کر آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو محبوبیت کی خلعت فاخرہ پہنائی جاتی ہے۔

قیس را لیلیٰ ہمیں نامند در صحرائے ما(2)   چوں تمام افتد، سراپا ناز، می گردد نیاز

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَ مَعَهُمْ وَاَنْتَ اَكْرَمُ الْمَسْئُوْلِيْنَ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

مسکیں کرم عرضے کند، اے بخت عشاقِ تو خوش
گر من ازیں شاں نیستم درکارِ ایشاں کن مرا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى حَبِيْبِكَ الْاَكْرَمِ وَ مَحْبُوْبِكَ الْمُكَرَّمِ صَاحِبِ الْوَجْهِ الْجَمِيْلِ وَالْخَدِّ الْاَسِيْلِ وَالطَّرْفِ الْكَحِيْلِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَاَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ وَعُلَمَاءِ اُمَّتِهٖ وَعَلٰى سَائِرِ مُحِبِّيْهِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

(شاعر سے معذرت کے ساتھ۔ اصل الفاظ یہ ہیں: مسکیں حسن مے گویدت الخ)

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها اهلها، ج 2، ص 378   2۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) ص: 352، پیامِ مشرق، ص 182

تعارف

سورۃ الزلزال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام: اسے سورۃ ''اِذَا زُلْزِلَتِ'' اور سورۃ ''زلزلہ'' بھی کہتے ہیں (1)۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، 35 کلمے اور ایک سو انتالیس حروف ہیں۔

نزول: اس کے نزول کے بارے میں بھی علماء کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور عطا کے نزدیک یہ مکی ہے۔ قتادہ اور مقاتل نے اسے مدنی بتایا ہے لیکن سورت کے مضامین میں غور کیا جائے تو پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔ (2)

مضامین: خدا فراموش انسان بڑی بے باکی اور بے حیائی سے زمین کے گوشے گوشے کو اپنے گناہوں سے داغ دار کرتا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ یہ درخت، یہ پتھر، یہ خاک کے ذرے گونگے بہرے ہیں۔ انہیں اس کے کرتوتوں کا احساس تک نہیں۔ لیکن یہ اس کی نادانی ہے۔ جب قیامت کے جھٹکوں سے کرۂ زمین پھٹ جائے گا۔ اس میں چھپی ہوئی سب چیزیں آشکارا ہو جائیں گی۔ اس وقت زمین کے وہ درخت جن کی گھنی چھاؤں میں وہ دادِ عیش دیتا رہا اور وہ چٹانیں جن کی اوٹ میں وہ گناہوں کی بزم آباد کرتا رہا وہ چشم دید گواہوں کی طرح گویا ہو جائیں گے اور اس کے اعمال کا کچا چٹھا کھول کر سامنے رکھ دیں گے۔ اس وقت اس کی آنکھ کھلے گی لیکن بے سود!

اس وقت لوگ گروہ در گروہ پیش کیے جائیں گے۔ ہر شخص کی ہر چھوٹی بڑی نیکی کا اجر اسے ملے گا۔ اسی طرح ہر شخص کی ہر چھوٹی بڑی برائی کا نتیجہ بھی اسے دیکھنا پڑے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۱۰۔۴۔۷۷

1۔ روح المعانی، ج: 30، ص 208

2۔ ایضاً

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ الزلزال مدنی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ① وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ②

جب تھرتھرانے لگے گی زمین پوری شدت سے ۱؎ اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دفینوں) کو ۲؎

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ③ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④ بِاَنَّ

اور انسان (حیران ہو کر) کہے گا اسے کیا ہو گیا ۳؎ اس روز وہ بیان کر دے گی اپنے سارے حالات ۴؎ کیونکہ

۱؎ زوردار جھٹکے جو بار بار آئیں انہیں زلزلہ کہا جاتا ہے۔ علامہ راغب لکھتے ہیں اَلتَّزَلْزُلُ: اَلِاضْطِرَابُ وَ تَكْرِيْرُ حُرُوْفِ لَفْظِهٖ تَنْبِيْهٌ عَلٰى تَكْرِيْرِ مَعْنَى الزَّلَلِ (مفردات) (1) یعنی تزلزل، مضطرب ہونے کو کہتے ہیں اور حروف کا تکرار جھٹکوں کے تکرار پر دلالت کرتا ہے۔

زِلْزَالَهَا: تاکید اور شدت و قوت کے اظہار کے لیے ہے (2)۔ یعنی جب زمین زوردار جھٹکوں کے باعث پوری قوت کے ساتھ تھرتھرانے لگے گی۔

بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جو وقوع قیامت کے وقت آئے گا۔ اس کے باعث پہاڑ، لمبے لمبے درخت، بڑے بڑے محلات اور سنگین قلعے ریزہ ریزہ ہو کر پیوند زمین ہو جائیں گے اور بعض کا خیال ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے وقت زمین پھر لرزے گی۔ یہاں اس دوسرے زلزلے کا ذکر ہو رہا ہے۔ بعد والی آیت اس کو ترجیح دیتی ہے۔ (3)

۲؎ نفخۂ ثانیہ کے وقت جب زلزلہ آئے گا تو زمین کے بطن میں جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ اسے نکال کر باہر پھینک دے گی۔ سارے مُردے جو اس میں دفن ہوتے رہے وہ جس حالت میں ہوں گے، باہر نکل آئیں گے۔ اگر ان کے ذرے منتشر ہو کر زمین کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہوں گے تو ان کو بھی یکجا کر دیا جائے گا۔ جو معدنیات، جتنے خزانے اور ذخائر اس میں مستور ہوں گے، سب ظاہر ہو جائیں گے۔ (4)

۳؎ انسان سے مراد یہاں وہ انسان ہے جو قیامت کا شدت سے انکار کیا کرتا تھا۔ صدہا دلائل سن لینے کے باوجود اس کا دل اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ جب وہ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے دیکھے گا تو حیران و ششدرہ رہ جائے گا۔ فرط حیرت سے پوچھے گا یہ کیا ہو رہا ہے۔ سورۂ یاسین میں ہے مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (5)۔ یعنی ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا ہے۔ اہل ایمان جنہیں وقوع قیامت کا یقین تھا وہ جب دیکھیں گے کہ مردے زندہ ہو کر قبروں سے نکل رہے ہیں تو ان کا علم الیقین اب عین الیقین کے درجہ پر پہنچ جائے گا۔ وہ کہیں گے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (6)۔ یہ وہی کچھ رونما پذیر ہو رہا ہے جس کا وعدہ خداوند رحمٰن نے کیا تھا اور رسولوں نے بالکل سچ فرمایا تھا۔

1۔ مفرداتِ راغب، ص 382
2۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 16، جز 32، ص 59۔ تفسیر بیضاوی، زیر آیت ہذا، ص 807
3۔ حاشیہ قرآن مجید از علامہ شبیر احمد عثمانی، ص 783، حاشیہ 4 (مفہوم)
4۔ تفسیر کبیر، زیر آیت ہذا، ج 16، جز 32، ص 59
5۔ سورۂ یٰسٓ: 52
6۔ ایضاً

۴ اس وقت زمین اپنی سرگزشت کھول کر بیان کر دے گی۔ گزشتہ دنیا میں جو حالات، جو واقعات اس پر رُو پذیر ہوئے، جو نیک کام اس پر کیے گئے، جن گناہوں کا اس پر ارتکاب کیا گیا سب کے سب یہ زمین بیان کر دے گی۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر سامعین سے پوچھا جانتے ہو وہ خبریں کیسی ہوں گی۔ صحابہ نے جواب دیا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ قَالَ فَاِنَّ اَخْبَارَهَا اَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا (ترمذی، نسائی) (1)۔ زمین ہر بندے اور ہر بندی کے متعلق گواہی دے گی کہ اس نے سطح زمین پر کیا کچھ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ کرام کو یہ ہدایت فرمایا کرتے تَحَفَّظُوْا مِنَ الْاَرْضِ فَاِنَّهَا اُمُّكُمْ وَاِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَحَدٍ عَمِلَ عَلَيْهَا خَيْرًا وَّشَرًّا اِلَّا وَهِيَ مُخْبِرَةٌ (2)۔ کہ زمین سے اپنی حفاظت کیا کرو یہ تمہاری ماں ہے جو کام بھی اس پر کوئی شخص کرے گا یہ اس کی اطلاع دے دے گی۔

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ بیت المال کا سب روپیہ حق داروں میں تقسیم کر دیتے۔ جب وہ خالی ہو جاتا تو اس میں دو نفل ادا کرتے اور پھر فرماتے اے بیت المال کے در و دیوار تمہیں گواہی دینی ہوگی کہ میں نے تمہیں حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کر دیا۔

آج سے کچھ عرصہ قبل جب یہ آیات تلاوت کی جاتیں تو کمزور ایمان والے لوگ ان کی مختلف تاویلات کرتے۔ اندھی بہری زمین کو کیا پتہ کہ اس پر کیا ہو رہا ہے، بے جان در و دیوار کیا جانیں کہ ان کے احاطہ میں کیا کیا گل کھلائے جا رہے ہیں، ویرانوں اور تاریکیوں میں نیک و بد اعمال کی جو دنیا آباد رہی ان کا سراغ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے شکوک انہیں پریشان کیا کرتے، لیکن سائنس کی محیر العقول ایجادات نے ان سب سوالات کا علمی جواب بہم پہنچا دیا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور پھر ٹیپ ریکارڈر کی ایجاد نے ان تمام شکوک کا ازالہ کر دیا۔ جب ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہونے والی آواز آن واحد میں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جاتی ہے اور سنی بھی جا سکتی ہے، جب ٹیلی ویژن اسٹیشن پر پیش کیا جانے والا پروگرام اپنی تفصیلات کے ساتھ دور دور تک دیکھا جا سکتا ہے۔ مکانوں کی دیواریں، قلعوں کی فصیلیں، اونچے اونچے پہاڑ اور گھنے جنگلات، ان تصاویر کو دیکھنے میں مانع نہیں ہو سکتے۔ جب ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے ہر آواز کو اس کے لب و لہجہ اور زیر و بم کے ساتھ مقید کیا جا سکتا ہے اور جب کوئی چاہے انہیں بار بار سن سکتا ہے۔ اگر راڈار کی آنکھ ہزاروں میل دور اڑنے والے جہازوں کا سراغ لگا سکتی ہے، تو اب اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا کہ زمین کا ذرہ ذرہ ایک خاموش تماشائی کی طرح ہماری کارستانیوں کو دیکھ رہا ہے اور اس کا ریکارڈ مرتب کر رہا ہے۔ قیامت کے روز ہماری زندگی کی پوری فلم تفصیل سے ہمیں دکھا دی جائے گی۔ پھر کسی میں یہ ہمت ہوگی کہ وہ ان چیزوں کا انکار کرے؟

قرآن کریم نے بڑی صراحت سے ان انتظامات کا تذکرہ کیا ہے جو قدرت کی طرف سے روز حساب کے فیصلوں کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق کرنے کے لیے کر دیئے گئے ہیں۔ کراماً کاتبین موقع پر ہمارے نیک و بد اعمال کا تحریری ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔ ہمارے اعضاء قیامت کے دن سلطانی گواہ کی حیثیت سے پیش کیے جائیں گے۔ ارشاد ہے اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ (یٰس) (3) کہ آج ہم ان کے لبوں پر مُہر لگا

1۔ جامع ترمذی: ابواب التفسیر، سورۃ الزلزال، ج2، ص171 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص322 3۔ سورۂ یٰس: 65

رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝٥ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا

آپ کے رب نے اسے (یونہی) حکم بھیجا ہے ۵ اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ ۶ تاکہ انہیں دکھا دیے جائیں

اَعْمَالَهُمْ ۝٦ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٧ وَمَنْ

ان کے اعمال ۔ پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا ۔ اور جس نے

يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝٨ ع ۸ ۲۴

ذرہ برابر بُرائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا ۔

دیں گے۔ ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ گفتگو کریں گے اور ان کے پاؤں ان پر گواہی دیں گے۔ اگر پھر بھی کسی نے اپنی غلطی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو اس کے سامنے اس کے ٹیپ ریکارڈ اور اس کی زندگی کی فلم پیش کر دی جائے گی۔

۵ زمین کے شکم سے مُردوں کا زندہ ہو کر نکلنا یا زمین کا اپنی سرگزشت کو من وعن بیان کرنا از خود نہ ہوگا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کا حکم دے گا۔

۶ دو لفظ ہیں وارد اور صادر۔ وارد کہتے ہیں نیا آنے والا اور صادر کہتے ہیں لوٹ کر آنے والا۔ آیت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں کہ لوگ حساب دہی کے بعد جب لوٹیں گے تو وہ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوں گے۔ نیک، نیکوں کے ساتھ، نمازی، نمازیوں کے ساتھ، غازی، غازیوں کے ساتھ اور شہید، شہیدوں کے ساتھ۔ اسی طرح چور، چوروں کے ساتھ، گناہ گار، گناہ گاروں کے ساتھ، قاتل، قاتلوں کے ساتھ۔ (1)

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب قبروں سے نکل کر بارگاہِ الٰہی میں حساب کتاب کے لیے جا رہے ہوں گے تو اس وقت وہ جدا جدا ہو کر جائیں گے۔ (2)

۷ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ انسان ایک ذمہ دار مخلوق ہے۔ جو اچھے یا برے کام یہ کرتا ہے اس کے لیے جواب دہ ہے۔ فرمایا اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔ (3) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف لوٹایا نہیں جائے گا۔ دوسری جگہ ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (4) کہ تمہارے کان، آنکھیں اور تمہارا دل سب سے باز پرس کی جائے گی۔ اسی حقیقت کو یہاں بھی ایک نئے اسلوب میں بیان کیا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے اعمال حسنہ یا افعال سیئہ کا تو کیا پوچھنا، اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ اصول طے پا چکا ہے کہ اگر ذرہ کے برابر کوئی نیکی کرے گا تو اسے معمولی سمجھ کر ضائع نہیں کر دیا جائے گا بلکہ اس کو خوب حفاظت سے رکھا جائے گا

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج 20، ص 150
2۔ ایضاً
3۔ سورۃ المومنون: 115
4۔ سورۂ بنی اسرائیل: 36

اور جس نے وہ نیکی کی تھی اس کو دکھا دیا جائے گا۔ اسی طرح معمولی سے معمولی گناہ کو بھی پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا جائے گا اور اسے بدکار کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

اگر عقل سلیم ہو اور انسان غور اور سنجیدگی سے انہی آیات کو پڑھے تو اس کی ہدایت کے لیے مزید کسی وعظ و نصیحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

ایک اعرابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ وعظ فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی سورت پڑھ کر اسے سنا دی۔ سن کر کہنے لگا وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِیْدُ عَلَیْهِ اَبَدًا کہ آپ کے رب کی قسم! مجھے اب اس سے زیادہ وعظ کی ضرورت نہیں رہی اور رخصت لے کر واپس جانے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبار فرمایا یہ شخص کامیاب ہو کر جا رہا ہے۔(1)

بسا اوقات انسان چھوٹی نیکی کو حقیر سمجھ کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے، بسا اوقات انسان صغیرہ گناہوں کی پرواہ نہیں کرتا، انہیں معمولی خیال کر کے ان کا ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ دونوں کو تنبیہ کر دی کہ ذرہ کے برابر اگر نیکی کرو گے تو اس کا بھی اجر ملے گا۔ ذرہ کے برابر اگر برائی کرو گے تو اس کی بھی سزا ملے گی۔ اس لیے نہ کسی نیکی کو حقیر سمجھ کر اس کو ترک کرو اور نہ کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر اس کا ارتکاب کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ارشادات خاص توجہ کے مستحق ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الطَّيِّبَ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ (متفق علیہ)(2)

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسب حلال سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول کر کے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ پھر اس کی نشو و نما کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی طرح بڑا ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ کسی نیکی کو حقیر مت سمجھا کرو اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملا کرو۔(3)

یہاں ایک چیز دل میں کھٹکتی ہے کہ جب یہ اصول تسلیم کر لیا گیا کہ ہر شخص کو اس کی ذرہ برابر نیکی کا اجر اور ذرہ برابر بدی کی سزا ملے گی تو کیا کفار نے جو نیک کام کیے ہیں انہیں قیامت کے دن ان کا ثواب ملے گا؟ یا نیک لوگوں نے جو گناہ کیے ہیں انہیں ان کی سزا بھگتنی ہو گی؟ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ کفار کے نیک اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بے وضو نماز ادا کرے۔ ان کے اعمال صالحہ کی قبولیت کے لیے ایمان شرط تھا، شرط کے مفقود ہونے کے باعث ان اعمال کی کوئی حقیقت نہیں ہو گی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفار کو ان کے نیک اعمال کی جزا اس دنیا میں دے دی جاتی ہے، عزت، شہرت، اولاد، دولت کی کثرت، ان صورتوں میں ان کا حساب چکا دیا جاتا ہے۔ نہ قیامت پر ان کا ایمان تھا نہ انہوں نے اس نیت سے نیکیاں کی تھیں کہ انہیں اس روز اس کا ثواب ملے گا۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جس کی موت کفر پر ہو گی، خلود جہنم سے تو اس کو کوئی نیکی نہیں بچا سکے گی، البتہ ان کے اعمال کا اثر عذاب کی شدت میں تخفیف کی صورت میں ظاہر ہو گا۔(4)

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 26-325

2۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ من کسب طیب، ج 1، ص 189

3۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب، باب استحباب طلاقۃ الوجہ عند اللقاء، ج 2، ص 329

4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، ج 30، ص 213

وہ مومن، جن سے خطائیں سرزد ہوئی ہوں گی تو ان کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے توبہ کرلی اس کی خطائیں بخش دی جائیں گی۔ نامۂ اعمال سے بھی انہیں محو کر دیا جائے گا۔ فرشتوں کو بھی یاد نہ رہے گا کہ انہوں نے کیا جرم کیے تھے یا ان کی لغزشوں کی سزا انہیں دنیا میں بیماری، غربت اور ناکامی کی شکل میں دے دی جائے گی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت اقدس میں حاضر تھے اور کچھ کھا رہے تھے۔ یہ بات سن کر کھانا چھوڑ دیا۔ عرض کیا کیا ہم اپنے تمام نیک و بد اعمال کو دیکھیں گے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مَا رَاَیْتَ مِمَّا تَکْرَہُ فَھُوَ مَثَاقِیْلُ ذَرِّ الشَّرِّ وَیُدَّخَرُ لَکُمْ مَثَاقِیْلُ ذَرِّ الْخَیْرِ حَتّٰی تُعْطَوْہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (قرطبی)(1) اس دنیا میں جو تمہیں تکلیف پہنچتی ہے یہ تمہاری خطاؤں کا نتیجہ ہے اور تمہاری نیکیاں محفوظ رکھی جائیں گی اور قیامت کے دن تمہارے حوالے کر دی جائیں گی۔

رَحْمَاکَ اللّٰھُمَّ رَحْمَاکَ نَسْئَلُکَ اَنْ تَغْفِرَلَنَا وَ تَرْحَمَنَا اِنَّکَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ
بِجَاہِ حَبِیْبِکَ وَ نَبِیِّکَ وَ صَفِیِّکَ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَ مَنْ تَبِعَہٗ وَ اَحَبَّہٗ اِلٰی
یَوْمِ الدِّیْنِ۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 151

تعارف

سُورَةُ العٰدِیٰت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام ''الْعٰدِیٰت'' ہے جو اس کا پہلا لفظ ہے۔ یہ ایک رکوع، گیارہ آیتوں، چالیس کلمات اور ایک سو تریسٹھ حروف پر مشتمل ہے۔

نزول: اس کے بارے میں دو قول ہیں بعض علماء کے نزدیک یہ مکی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول ہے اور بعض علماء اسے مدنی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں ہی مروی ہے۔ (1)

مضامین: متعدد قسمیں کھا کر چند حقائق کی نقاب کشائی کی جا رہی ہے۔ پہلے تو یہ بتایا کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ بستا رہتا اس کی زمین پر ہے، سانس اس کی ہوا میں لیتا ہے، اس کے دسترخوان نعمت کا ریزہ چین ہے۔ اس کے باوجود نہ اس کا شکر ادا کرتا ہے اور نہ اس کی عبادت و اطاعت کو اپنا وظیفہ حیات بناتا ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔ جس پر اس کے اپنے اعمال و اطوار بطور گواہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ نہ کسی دوسرے گواہ کی ضرورت ہے اور نہ کوئی مزید ثبوت درکار ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دولت کی محبت اس کے دل میں گھر کر چکی ہے۔ وہ اس کو حاصل کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی ہوس میں دیوانوں کی طرح شب و روز سرگرداں رہتا ہے۔ اس کی عقل و فہم پر جتنا افسوس کیا جائے اتنا کم ہے۔ اسے اتنی بھی خبر نہیں کہ اس کا خالق اس کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اس کے سینے کے راز بھی اس پر عیاں ہیں، قیامت کے دن اسے اس رب کائنات کے سامنے پیش ہونا ہے جو اس کے جملہ حالات سے پوری طرح باخبر ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۱۰-۴-۷۷

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 214

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ العادیات مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں گیارہ آیات ہیں

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ ① فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ ② فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ ③

قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں۔ پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مار کر۔ پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ ④ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ ⑤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ

پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ پھر اسی وقت (دشمن کے) لشکر میں گھس جاتے ہیں ؎۱ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا

؎۱ آیات میں جو مشکل الفاظ ہیں پہلے ان کی وضاحت کی جائے گی اور اس کے بعد ان کا مفہوم سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

اَلْعَادِيَاتُ: اَلْجَارِيَاتُ بِسُرْعَةٍ (1)۔ بڑی تیزی سے دوڑنے والیاں۔ اَلضَّبْحُ: تَصْوِيْتٌ جَهِيْرٌ عِنْدَ الْعَدْوِ الشَّدِيْدِ لَيْسَ بِصَهِيْلٍ وَلَا رُغَاءٍ وَّلَا نُبَاحٍ (2)۔ وہ آواز جو تیز دوڑتے وقت گھوڑے کے سینے سے نکلتی ہے۔ یہ آواز ہنہنانے وغیرہ سے بالکل جدا ہوتی ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں اَلْجُمْهُوْرُ عَلٰى اَنَّهٗ قَسَمٌ بِخَيْلِ الْغُزَاةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالَى الَّتِيْ تَعْدُوْا (3)۔ کہ جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والے غازیوں کے گھوڑوں کی قسم کھائی جا رہی ہے جو تیزی سے دوڑتے ہیں۔

مُوْرِيَات: اَلْاِيْرَاءُ اِخْرَاجُ النَّارِ وَالْقَدْحُ: هُوَ الضَّرْبُ وَالصَّكُّ الْمَعْرُوْفُ يُقَالُ قَدَحَ فَاَوْرٰى اِذَا اَخْرَجَ نَارًا۔ پتھر سے آگ نکالنے کو ایراء کہتے ہیں۔ قدح: دو سخت چیزوں کا آپس میں ٹکرانا جس سے چنگاریاں جھڑتی ہیں۔ یہاں مجاہدین کے گھوڑوں کی دوسری صفت بیان کی جا رہی ہے کہ اپنے سم جب زور سے پتھر پر مارتے ہیں تو اس سے چنگاریاں جھڑنے لگتی ہیں۔ ان چنگاریوں کو اہل عرب نَارُ الْحَبَاحِبِ کہتے ہیں۔ حباحب ایک بخیل آدمی کا نام تھا۔ وہ کھانا پکانے کے لیے اس وقت آگ جلاتا جب سب لوگ کھانا پکا کر اور کھا کر سو جاتے اور کسی مہمان کے آنے کا وقت بھی گزر جاتا۔ اس وقت بھی وہ آگ کو زیادہ روشن نہ کرتا بلکہ بڑی مدہم لو پر کھانا پکاتا اور کسی کے پاؤں کی آہٹ سنتا تو اس کو بجھا دیتا۔ ایسی آگ جس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جائے اسے نار الحباحب کہتے ہیں۔ گھوڑوں کے سموں سے جو آگ نکلتی ہے اسی وجہ سے اس کو بھی اس لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ (4)

اَلْمُغِيْرَات: اَغَارَ عَلَى الْعَدُوِّ: هَجَمَ عَلَيْهِ بَغْتَةً بِخَيْلِهٖ (5)۔ کسی پر اچانک حملہ کر دینا، حملہ آور اکثر صبح کے وقت دشمن پر ناگہانی ہلہ بولتے تھے تاکہ دشمن کو بے خبری میں جا لیں۔ وہ وقت آرام و سکون کا ہوتا ہے اور دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھانے کا بہترین موقع ہوتا ہے۔ نیز صبح کے اجالے میں خوب دیکھ کر نشانہ باندھا جا سکتا ہے۔

النقع: غبار کو کہتے ہیں۔ اَثَرْنَ: غبار اڑانا، گرد کو پھیلانا (6)۔ جمع: جتھہ، انبوہ، لشکر۔ حملہ آور جب حملہ کرتے ہیں تو وہ دشمن کی فوجوں میں داخل ہو کر ان پر اپنے وار کرتے ہیں۔

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 496
2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 215
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 216

لَكَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيۡدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ ؕ﴿۸﴾

ناشکر گزار ہے ۲ے اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے ۳ے اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے ۴ے

مشکل الفاظ سمجھ لینے کے بعد اب آیات کے مفہوم پر مزید غور فرمائیے۔

اس سورت کا آغاز بھی قسم کھا کر کیا جارہا ہے اور قسم مجاہدین کے ان گھوڑوں کی کھائی جارہی ہے جو ان خوبیوں سے متصف ہوتے ہیں۔ تیز رفتاری سے جب دوڑتے ہیں تو ان کے سینوں سے ایک خاص قسم کی آواز نکلتی ہے جو دشمن کو مرعوب کرنے میں بڑی مؤثر ہوتی ہے۔ وہ اپنے بھاری بھرکم سُم جب پتھروں پر زور سے مارتے ہیں تو آگ کی چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں، وہ صبح سویرے دشمن پر یلغار کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے ساری فضا گرد و غبار سے اٹ جاتی ہے۔ وہ بے خطر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں اور ان کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیتے ہیں۔

حافظ ابوبکر ابن العربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں اَقۡسَمَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَقَالَ يٰسٓ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ وَاَقۡسَمَ بِحَيَاتِهٖ وَقَالَ لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِيۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ وَاَقۡسَمَ بِخَيۡلِهٖ وَصَهِيۡلِهَا وَ غُبَارِهَا وَ قَدۡحِ حَوَافِرِهَا النَّارَ مِنَ الۡحَجَرِ (احکام القرآن) (1)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کی بھی قسم اٹھائی جیسے يٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ کی بھی قسم اٹھائی جس طرح لَعَمۡرُكَ الاٰية اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھوڑوں کی، ان کے ہنہنانے کی، ان کی اڑائی ہوئی غبار کی اور ان کے سُموں سے جو آگ نکلتی ہے اس کی بھی قسم اٹھائی۔

ان آیات میں اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں فقط صفات بیان کی گئی ہیں۔ عادیات، موریات وغیرہ، لیکن ان کا موصوف بیان نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ہر زمانہ کے غازیوں کے سامان حرب کی اللہ تعالیٰ قسم اٹھاتا ہے جن میں یہ صفات پائی جائیں۔ اس زمانے میں مجاہد گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کیا کرتے تھے اور ان گھوڑوں میں یہ صفات پائی جاتی تھیں۔ آج گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں نے لے لی ہے اور یہ تمام صفات بدرجہ اتم ان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہ جب تیزی سے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ان سے ایک خاص قسم کی گڑگڑاہٹ نکلتی ہے۔ وہ آگ بھی اُگلتے ہیں، جہاں سے گزرتے ہیں گرد و غبار بھی اڑاتے ہیں، دشمنوں کے مورچوں میں بھی گھس جاتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان ٹینکوں کی قسم ہے تو بھی بعید نہ ہوگا اور مستقبل قریب میں کوئی اور اسلحہ تیار ہو جائے جو ٹینکوں کی جگہ لے لے اور اس میں یہ خوبیاں پائی جائیں تو ان کا اطلاق اس جدید اسلحہ پر بھی ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲ے یہ جواب قسم ہے (2) کہ انسان اپنے رب کے احسانات اور نوازشات پر سخت ناشکری کا اظہار کرنے والا ہے۔ اس کے لبوں پر ہمیشہ شکوہ رہتا ہے، ہزاروں نعمتوں کے باوجود اگر اس کی کوئی ایک تمنا پوری نہ ہو تو شکایات کا دفتر کھول دیتا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں لَكَنُوۡدٌ: لَكَفُوۡرٌ: جَحُوۡدٌ لِّنِعَمِ اللهِ تَعَالٰى۔ کنود کا معنی کفور ہے۔ یعنی

1۔ احکام القرآن از ابن عربی، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 1973 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 327

اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ⑨ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ⑩

کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے ۵ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے ۶

ناشکرا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا۔ حسن بصری کہتے ہیں یَذۡکُرُ الۡمَصَائِبَ وَیَنۡسَی النِّعَمَ کہ مصیبتوں کا ذکر کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ اَلۡکَنُوۡدُ: اَلَّذِیۡ یُنۡفِقُ نِعَمَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیۡ مَعَاصِی اللّٰہِ (1)۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرے اس کو کنود کہتے ہیں۔ اس لیے اس زمین کو بھی کنود کہتے ہیں جو بنجر اور کاشت کے قابل نہ ہو۔ وَمِنۡہُ الۡاَرۡضُ الۡکَنُوۡدُ الَّتِیۡ لَا تُنۡبِتُ شَیۡئًا۔ (2)

۳ اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے کہ انسان ناشکر گزار ہے، کسی غیر معمولی غور و خوض کی ضرورت نہیں۔ انسان کے اپنے اطوار و اعمال اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہیں۔

۴ خیر سے مراد یہاں مال و دولت ہے اور مال و دولت سے انسان کی محبت اظہر من الشّمس ہے۔ گناہوں کا یہ سیل بے پناہ، مظالم کی یہ آندھیاں، مزدور اور سرمایہ داروں کے درمیان یہ خونریز تصادم، سب کے پس پردہ دولت کی یہی بے پناہ محبت اور لالچ کارفرما ہے۔ دوست، دوست کو لوٹ رہا ہے، بھائی، بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے، انسان، انسان کے درپے آزار ہے۔ یہ سب کچھ دولت کے لالچ کے باعث ہو رہا ہے۔ تمام تعلقات، تمام دوستیاں، تمام رشتہ داریاں، دولت کے طلسم ہوشربا کے سامنے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ انسان کا عمل اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس کو جتنی ہوس سیم و زر کی ہے، اس کے دل میں جتنی چاہت دولت و ثروت کی ہے اتنی اور کسی چیز کی نہیں۔ اس کے حصول کے لیے جوان تھک محنتیں کرتا ہے، اپنے وطن کو چھوڑتا ہے، اپنی آسائش سے دست کش ہوتا ہے اور بسا اوقات اپنی عزت و آبرو کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے اور اپنی زندگی کو طرح طرح کے خطرات سے دوچار کر دیتا ہے اس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی۔

۵ یہ شخص جو دولت کے جنون میں تمام اقدار کو بڑی بے دردی سے پامال کر رہا ہے، اپنے رب کو بھی بھولے ہوئے ہے اور اس کی مخلوق کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا رہا ہے۔ کیا اس نادان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ایک دن آنے والا ہے جب اسے قبر سے نکال کر حشر کے میدان میں کھڑا کر دیا جائے گا اور اس سے اس کی دنیوی زندگی کے بارے میں سختی سے باز پرس کی جائے گی۔

۶ قَالَ ابۡنُ عَبَّاسٍ حُصِّلَ: اُبۡرِزَ (3)۔ یعنی اس کا معنی ظاہر کرنا ہے۔ قیامت کے دن صرف اس کے ظاہری اعمال کی ہی جانچ پڑتال نہیں ہوگی، بلکہ اس کے ارادوں، نیتوں اور اس کے قلبی جذبات اور باطنی کیفیات سب کی سب آشکارا کر دی جائیں گی اور ہر ایک کو پرکھا جائے گا کہ اس نے جو کچھ کیا اس کے پس منظر میں کون سے جذبات کارفرما تھے، کس نیت سے اس نے یہ سارے کام کیے، اس کے وہ گھناؤنے مقاصد، جن پر اس نے حسن بیان کے ریشمی غلاف چڑھا رکھے تھے، سب ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ نہاں خانہ دل میں کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ اگرچہ دنیوی عدالتیں بھی مجرم کی نیت اور ارادے کو اہمیت دیتی ہیں لیکن ان

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 61-160

2۔ ایضاً، جز 20، ص 161

3۔ ایضاً، ص 163

ع ۱ ۱۱ ۲۵

إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ⑪

یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا ؎

کے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں جس کے ذریعے وہ اس نازک ذمہ داری کو پورے وثوق کے ساتھ انجام دے سکیں۔ یہ کام صرف عدالت الٰہیہ میں ہی بحسن وخوبی انجام پا سکتا ہے، اس لیے اس عدالت کے فیصلے سراسر حق ہوں گے۔ عدل وانصاف کے ادنیٰ سے ادنیٰ اور نازک سے نازک تقاضوں کو بھی پورا کیا جائے گا۔

؎ اگرچہ اللہ تعالیٰ آج بھی ان کے حالات سے پوری طرح واقف ہے لیکن اس روز کی آگاہی اور باخبری کی کیفیت بالکل جداگانہ ہوگی۔ اَیْ عَالِمٌ لَّا یَخْفٰی عَلَیْهِ مِنْهُمْ خَافِیَةٌ وَّهُوَ عَالِمٌ لَّهُمْ فِی ذٰلِكَ الْیَوْمِ وَفِیْ غَیْرِهٖ وَلٰكِنَّ الْمَعْنٰی اَنَّهٗ یُجَازِیْهِمْ فِیْ ذٰلِكَ الْیَوْمِ(1)

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ خَبِیْرٌ بِمَا فِیْ صُدُوْرِنَا وَ نَشْهَدُ اَنَّكَ عَفُوٌّ كَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ
فَاعْفُ عَنَّا یَا غَفُوْرُ یَا رَءُوْفُ یَا رَحِیْمُ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰی شَفِیْعِ
الْمُذْنِبِیْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 163

تعارف

سُورۃ القارعۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام ''القارعۃ'' ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چھتیس کلمے اور ایک سو باون حروف ہیں۔

نزول: باتفاق علماء یہ مکی سورت ہے۔ (1)

مضامین: پہلے قیامت کے بارے میں استفسار کر کے لوگوں کو چوکنا کر دیا۔ اس کے بعد ان لرزہ خیز حالات کو بیان کیا جو روز قیامت رونما ہوں گے۔ لوگ پروانوں کی طرح مدہوش بکھرے پڑے ہوں گے۔ پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح فضا میں اڑ رہے ہوں گے۔

پھر ارشاد فرمایا: سن لو! جس شخص کی نیکیوں کا پلڑا اس روز بھاری ہوگا فقط اسے ہی خوش و خرم زندگی نصیب ہوگی۔ لیکن جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ ''ہاویہ'' میں پھینک دیا جائے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۱۰-۴-۷۷

1- روح المعانی، جز30، ص220

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ القارعہ مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں گیارہ آیات ہیں۔

اَلْقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۭ﴿۳﴾ يَوْمَ

(دل ہلادینے والی) کڑک۔ یہ (زہرہ گداز) کڑک کیا ہے ؟ اور آپ کو کیا معلوم کہ یہ کڑک کیا ہے ۱؎ جس دن

يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ

لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے ۲؎ اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی

الْمَنْفُوْشِ ۭ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ

مانند ہوں گے ۳؎ پھر جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے ۴؎ تو وہ دل پسند عیش (ومسرت)

۱؎ دو چیزوں کا آپس میں شدت سے اس طرح ٹکرانا کہ خوفناک آواز پیدا ہو اسے عربی میں اَلْقَرْعُ کہتے ہیں۔ اَلْقَرْعُ: هُوَ الضَّرْبُ بِشِدَّةٍ بِحَيْثُ يَحْصُلُ مِنْهُ صَوْتٌ شَدِيْدٌ (روح المعانی)(1)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں وَاَهْلُ اللُّغَةِ يَقُوْلُوْنَ تَقُوْلُ الْعَرَبُ: قَرَعَتْهُمُ الْقَارِعَةُ وَ فَقَرَتْهُمُ الْفَاقِرَةُ اِذَا وَقَعَ بِهِمْ اَمْرٌ فَظِيْعٌ (2)۔ یعنی علمائے لغت کہتے ہیں کہ جب کوئی قوم کسی حادثہ فاجعہ سے دوچار ہو اور کسی عظیم مصیبت میں مبتلا ہو تو عرب کہتے ہیں قَرَعَتْهُمُ الْقَارِعَةُ وَ فَقَرَتْهُمُ الْفَاقِرَةُ۔ اس سے مراد وقوع قیامت کے وقت جو دل دہلا دینے والی آوازیں پیدا ہوں گی۔ جب اجرام فلکی آپس میں ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، جب فلک بوس پہاڑ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ اس وقت جو زہرہ گداز گڑگڑاہٹ اور روح فرسا کڑک پیدا ہوگی اس کا اندازہ کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ کسی بڑی توپ کا گولہ پھٹنے سے کانوں کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ آپ اس وقت کا تصور کیجئے جب عطارد اور مشتری، زحل اور مریخ جیسے سیارات باہم ٹکرائیں گے تو کتنا خوفناک دھماکہ پیدا ہوگا۔ مَا الْقَارِعَةُ اور مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ: اس کڑک کی زہرہ گدازیوں کو بطور استفہام ذکر کیا جارہا ہے۔

۲؎ وقوع قیامت کے پہلے مرحلے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس وقت کے ہولناک واقعات سے انسان ہوش وحواس کھو بیٹھے گا۔ دماغی توازن برقرار نہ رہے گا۔ جس طرح بکھرے ہوئے پروانے سراسیمگی کی حالت میں ادھر ادھر گر رہے ہوتے ہیں اسی طرح حضرت انسان کی بھی حالت ہوگی۔ کوئی ہوش باختہ یہاں گرا پڑا ہوگا، کوئی وہاں گرا پڑا ہوگا۔ انسان کا غرور وتکبر سب کافور ہو جائے گا۔ اَلْمَبْثُوْثُ: اَلْمُتَفَرِّقُ الْمُنْتَشِرُ: یعنی بکھری ہوئی پراگندہ۔ (3)

۳؎ رنگدار اون کو اَلْعِهْنُ کہتے ہیں۔ اَلْعِهْنُ: الصُّوْفُ الْمَصْبُوْغُ (4)، مَنْفُوْشٌ: دھنی ہوئی (5)۔ یعنی پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 220

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 164

3۔ ایضاً، ص 165

4۔ ایضاً

5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 329

رَّاضِيَةٍ ۭ⑦ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ⑧ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۭ⑨

یں ہوگا ۔ اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے ۵ تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔

جائیں گے اور دھنی ہوئی رنگ دار صوف کی طرح ہوا میں اڑ رہے ہوں گے۔

۴ موازین جمع ہے۔ اس کے واحد کے بارے میں دو قول ہیں۔ یہ موزون کی جمع ہے یا میزان کی۔ پہلی صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس کے نیک اعمال وزنی ہوں گے۔ دوسری صورت میں معنی ہوگا جس کے نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے (1)۔ عِيْشَةٌ رَّاضِيَةٌ اَیْ عَيْشٌ مَّرْضِيٌّ يَّرْضَاهُ صَاحِبُهٗ (قرطبی) (2) یعنی پسندیدہ زندگی، جس کو زندگی بسر کرنے والا دل سے پسند کرے۔ اَلْفَاعِلُ هُنَا بِمَعْنَى الْمَفْعُوْلِ اَیْ عِيْشَةٌ مَّرْضِيَّةٌ۔ (3)

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے ان کو ایسی زندگی بخشی جائے گی جس میں آرام و آسائش کے ہزاروں سامان ہوں گے۔ حزن و ملال کا وہاں نام و نشان بھی نہ ہوگا۔ زندگی گزارنے والا ایسی زندگی سے مطمئن اور مسرور ہو گا۔ توقع سے بہت زیادہ پاکر وہ شاداں و فرحاں ہوگا۔

۵ لیکن جن بدبختوں کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ کفر و نفاق کی وجہ سے ان کے وہ اعمال جو بظاہر بڑے نیک اور صالح تھے، بارگاہ الٰہی میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ ان بدنصیبوں کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَيَاْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيْمُ السَّمِيْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ عِنْدَ اللّٰهِ اِقْرَءُوْا فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا (4)۔ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا تازہ آدمی پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر سے بھی وہ ہلکا ہوگا۔ پھر فرمایا یہ آیت پڑھو فَلَا نُقِيْمُ الآیہ کہ قیامت کے دن ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اَلْهَاوِيَةُ: دوزخ کے طبقات میں سے ایک طبقہ کا نام ہے جو اتنا گہرا ہوگا کہ اس کی گہرائی کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوگا۔ (مظہری) (5)

لیکن یہ معاملہ سب کو پیش نہیں آئے گا۔ بعض وہ خوش نصیب ہوں گے جنہیں بلا حساب جنت میں داخلہ کی اجازت مل جائے گی اور بعض ایسے مجرم ہوں گے جن کے چہروں سے ہی ان کے جرم کی نوعیت عیاں ہوگی اور انہیں ان کی پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیا جائے گا۔ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ۔ (6)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ترازو نصب کر دیئے جائیں گے، پھر اہل صلوٰۃ کو بلایا جائے گا اور ان ترازوؤں پر تول کر ان کو اجر دیا جائے گا۔ اسی طرح حجاج کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا، لیکن جب اہل بلاء کی باری آئے گی تو نہ ترازو نصب کیا جائے گا، نہ ان کے اعمال نامے کھولے جائیں گے بلکہ ان پر اپنی رحمتوں کی بغیر حساب بارش کی جائے گی جس طرح قرآن کریم میں ہے اِنَّمَا يُوَفَّى الاٰية صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔ (7)

علامہ پانی پتی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں لَعَلَّ الْمُرَادَ بِاَهْلِ الْبَلَاءِ هٰهُنَا اَيْضًا بَلَاءُ الْعُشَّاقِ الْمُحِبِّيْنَ لِلّٰهِ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص329

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص166

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص329

4۔ صحیح مسلم، باب صفة القيامة والجنة والنار، ج2، ص370

5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص331

6۔ سورۃ الرحمٰن: 41

7۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص332

8۔ ایضاً

ع ۱۱ ۲۶

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ⑩ نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪

اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ ہاویہ کیا ہے ؟ ایک دہکتی ہوئی آگ [6]

تَعَالٰى لِرِضَائِهِمْ بِالْبَلَاءِ كَرِضَائِهِمْ بِالْعَطَاءِ (مظہری) (1)

شاید اہل بلا سے مراد اللہ تعالیٰ کے عاشق اور محب ہیں جو اس کی نازل کی ہوئی مصیبتوں پر بھی اسی طرح راضی رہتے ہیں جس طرح اس کی نعمتوں پر وہ راضی ہوتے ہیں۔

[6] وہ آگ جو حرارت اور تپش میں تمام حدود سے تجاوز کر گئی ہو۔ ذَاتُ حَمِيٍّ بَلَغَتِ النِّهَايَةَ فِي الْحَرَارَةِ۔ (2)

رَبَّنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفَّارُ
وَاحْشُرْنَا مَعَ الْأَبْرَارِ إِنَّكَ أَنْتَ السَّتَّارُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 332

2۔ ایضاً

تعارف

سُورۃ التکاثر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام التکاثر ہے یہ لفظ پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد اٹھائیس اور حروف کی تعداد ایک سو بیس ہے۔

زمانہ نزول: اگرچہ بعض روایات میں یہ سورت مدنی ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہی ہوا(1)۔ یہی قول قرین صحت ہے۔

اس کی شان نزول کے بارے میں تفسیر عزیزی میں یہ روایت مذکور ہے کہ قریش کے دو قبیلوں بنی عبد مناف اور بنی سہم کے درمیان اس بحث کا آغاز ہوا کہ ان دونوں میں سے اعلیٰ و ارفع کون ہے۔ چنانچہ اپنے حریف پر اپنی فوقیت اور برتری ثابت کرنے کے لیے ہر قبیلہ نے اپنے اموال، اپنی جائیدادیں اور اپنے افراد کی کثرت تعداد کو پیش کیا۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس روز سے پہلے مر چکے تھے ان کی قبروں کا بھی شمار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما کر ان کی اس احمقانہ معرکہ آرائی کی حقیقت کو آشکارا کر دیا۔(2)

مضامین: اس سورت میں بڑی وضاحت سے ان لوگوں کی نادانی اور کم ہمتی کا پردہ چاک کیا گیا ہے جو ایسی چیزوں پر فخر کرتے ہیں جو فانی ہیں۔ ان امور کو اپنے لیے باعث عز و افتخار شمار کرتے ہیں جو مقام انسانیت سے فروتر ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنے انجام سے آنکھیں بند کیے ہوئے دولت کے انبار سمیٹنے میں از حد مصروف ہو، تمہیں اتنی فرصت بھی نہیں کہ اپنے مستقبل کے بارے میں غور و فکر کر سکو، لیکن یاد رکھو جب تمہیں موت کا پیالہ پلایا جائے گا تو اس وقت تمہاری بند آنکھیں کھلیں گی اور مستور حقیقتیں عیاں ہو جائیں گی۔ تمہیں جہنم کی وادی پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس وقت تم پچھتاؤ گے، کف افسوس ملو گے لیکن سب بے سود۔ اگر تم چاہتے ہو کہ مرنے کے بعد تمہیں شرمندگی اور خجالت نہ ہو تو اب آنکھیں کھولو۔ ہوش میں آؤ اور فانی لذتوں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو میں اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دو۔ یہ مال و دولت، یہ فرزند و زن، یہ عز و جاہ جس نے تمہیں بدمست کر دیا ہے اور منعم حقیقی کی یاد کا چراغ بھی تم نے گل کر دیا ہے یہ تمہیں اس لیے تو نہیں دی گئی تھیں کہ تم سرکش بن جاؤ اور اپنے پروردگار کے خلاف علم بغاوت بلند کرو۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم احسان شناس بنتے اور ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے رب کریم کا شکریہ ادا کرتے۔ یاد رکھو قیامت کے دن جب تم داور محشر کے سامنے پیش کیے جاؤ گے تو تم سے ان تمام نعمتوں کے بارے میں باز پرس کی جائے گی اور تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا۔

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 223

2۔ تفسیر عزیزی، جز 30، ص 267، مطبوعہ امید، لاہور

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيُ اٰيَاتٍ

سورۃ التکاثر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں آٹھ آیات ہیں

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ① حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③

غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے ۱؎ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے ۲؎ ہاں ہاں تم جلد جان لوگے ۳؎

۱؎ علامہ راغب لکھتے ہیں اَللَّهْوُ مَا يُشْغِلُ الْاِنْسَانَ عَمَّا يَعْنِيْهِ وَيُهِمُّهٗ (مفردات) (1) یعنی جو چیز انسان کو مفید اور اہم امور سے غافل کر دے اسے لَھْو کہتے ہیں۔

اَلتَّكَاثُرُ: اس کے دو معنی ذکر کیے گئے ہیں۔ مال جمع کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا۔ دوسرا: مال و دولت کی کثرت پر فخر کرنا۔ (2)

جو لوگ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں ان کو بڑی اہم اور ضروری چیزیں فراموش ہو جاتی ہیں۔ دولت سمیٹنے کی خواہش جنون کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس وقت انہیں نہ خدا یاد رہتا ہے، نہ موت یاد آتی ہے اور نہ قبر کا وہ تاریک گڑھا جس میں انہوں نے ایک نہ ایک دن آ کر فروکش ہونا ہے۔ بس ایک ہی خیال میں مگن رہتے ہیں کہ جیسے بھی بن پڑے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر لی جائے۔ خدا ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے، قوم سے خیانت، اپنے ملک سے غداری، اپنے فرائض کی ادائیگی میں بد دیانتی کے جرائم سرزد ہوتے ہیں تو ہوتے رہا کریں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے بدنصیب لوگ خوف خدا اور آخرت کو ہی بھول نہیں جاتے، بلکہ وہ پرلے درجے کے خود فراموش بھی ہوتے ہیں۔ اپنی ذات، اپنی آبرو، اپنی شہرت سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اکثر یہ بازی ہار جاتے ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيًا مِّنْ ذَهَبٍ لَّاَحَبَّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَادِيَانِ وَلَنْ يَّمْلَاَ فَاهُ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ (بخاری) (3) اگر کسی شخص کے پاس سونے سے بھری ہوئی ایک وادی ہو تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش اس کے پاس ایک کے بجائے سونے سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوتیں، اس کے منہ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے چشم کرم فرماتا ہے۔ دوسری حدیث میں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قناعت و سیر چشمی کی یوں تلقین فرمائی ہے۔ مُطَرِّفٌ عَنْ اَبِيْهِ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْرَأُ اَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ الْاٰيَة قَالَ يَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِيْ مَالِيْ۔ هَلْ لَّكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ مِنْ مَّالِكَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَيْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَذَاهِبٌ وَتَارِكٌ لِّلنَّاسِ (مسلم) (4) مطرف کے والد کہتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے۔ فرمایا کہ انسان میرا مال، میرا مال کہتا ہے۔ اے فرزند آدم کیا تمہارا مال کچھ ہے سوائے اس کے جو تم نے کھایا اور فنا کر دیا پہنا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کیا اور اس مال کو

1۔ مفرداتِ راغب، ص 748

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 168

3۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنۃ المال، ج ص 2، ص 953

4۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، فصل لا ینبغی للانسان ان یتلہی، ج 2، ص 407

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿٥﴾

پھر ہاں ہاں! تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا ۴؎ ہاں! ہاں! اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور سے جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے) ۵؎

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿٦﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿٧﴾ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ

تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو ۔ پھر آخرت میں تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے ۶؎ پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے

اپنے لیے آگے بھیج دیا (تا کہ قیامت کے دن کام آئے) اس کے سوا جو کچھ ہے تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

تَكَاثُر کا دوسرا معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اَلْهَاكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ الْمُبَاهَاةُ بِكَثْرَةِ الْمَالِ وَالْعَدَدِ عَنْ طَاعَةِ رَبِّكُمْ وَعَمَّا يُنْجِيْكُمْ مِّنْ سُخْطِهٖ عَلَيْكُمْ (1)۔ یعنی اے لوگو! تم مال و دولت کی بنا پر فخر کرتے ہو۔ اس چیز نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دیا ہے اور اس چیز سے بے پرواہ کر دیا ہے جو تمہیں اس کی ناراضگی سے بچا سکتی ہے۔ تم اسی تفاخر میں اتنے مصروف رہتے ہو کہ تمہیں اپنے خالق کی عبادت کی بھی فرصت نہیں ملتی اور نہ تمہارے پاس ایسے کام کرنے کے لیے وقت ہے جن کے باعث اس کے غضب سے اپنے آپ کو بچا سکو۔

۲؎ تم اسی دُھن میں مست رہتے ہو یہاں تک کہ حیات مستعار کا سورج ڈوب جاتا ہے، موت کا فرشتہ آکر تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور تم ہمیشہ کے لیے قبر کی آغوش میں لٹا دیئے جاتے ہو۔ جو شخص مر جائے اہل عرب کہتے ہیں قَدْ زَارَ قَبْرَهٗ (2)۔ گویا زیارت قبر کا لفظ قبر میں دفن ہونے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

۳؎ كَلَّا زجر و توبیخ کے لیے ہے یعنی جو نادانی کا وتیرہ تم نے اختیار کیا ہوا ہے یہ ہرگز درست نہیں۔ اگر تم اس سے باز نہ آئے اور اس بیہودہ شغل سے دستبردار نہ ہوئے اور ذکر الٰہی اور احکام کی بجا آوری کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور اسی غفلت کی حالت میں موت آ گئی تو اس وقت تمہیں معلوم ہو گا کہ تم کتنے غلط کار تھے، تم کتنے خسارے کے کاروبار میں مصروف رہے، لیکن اس وقت آنکھیں کھل بھی گئیں تو کیا فائدہ؟ جب فرصت کی گھڑیاں تم نے خود برباد کر دیں۔

۴؎ وعید بعد وعید۔ دوبارہ دھمکی دی جا رہی ہے اور تکرار سے مراد تاکید اور تغلیظ ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ پہلی وعید سے مراد عذاب قبر ہے اور دوسری وعید سے مراد عذاب آخرت ہے (3)۔ دونوں حالتوں کو الگ الگ بیان کیا گیا، تکرار نہیں۔

۵؎ یہ بھی زجر و توبیخ کے لیے ہے یعنی اگر تم کو اس بات کا یقینی علم ہوتا تو تم فانی لذتوں، ناپیدار عزتوں اور دولت و ثروت کے لیے اپنے اوقات کا قیمتی خزانہ اس بے دردی سے نہ لٹاتے۔ تمہارا ہر سانس، ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، ابدی نعمتوں اور لا فانی راحتوں کے حصول کے لیے وقف رہتا۔ لَوْ تَعْلَمُوْنَ کا جواب محذوف ہے لَمَا تَكَاثَرْتُمْ۔ عِلْمَ الْيَقِيْنِ کا معنی ہے اَیْ عِلْمًا كَعِلْمِ الْاَمْرِ الْمُتَيَقَّنِ (مظہری) (4) یعنی ایسا علم جو ایک یقینی بات کا ہوتا ہے۔

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج 30، ص 183

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 169

3۔ ایضاً، ج 20، ص 172

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 334

ع ۸ ۲

يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ⑧

اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں

٦ قیامت کے دن تم جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ مومن بھی اسے دیکھیں گے اور کفار بھی، لیکن دونوں کے دیکھنے میں بڑا فرق ہو گا۔ فَهِيَ لِلْكُفَّارِ دَارٌ وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ مَمَرٌّ (1)۔ کفار کے لیے یہ گھر ہو گا۔ وہ یہیں ٹھہریں گے اور مومنوں کے لیے محض گزرگاہ۔ کئی بجلی کی سرعت کے ساتھ گزر جائیں گے، کوئی ہوا کی تیزی سے اور کوئی پرندوں کی طرح، اپنے اپنے درجات کے مطابق ان کے گزرنے کی رفتار ہو گی۔

٧ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت لکھی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس آیت کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس وقت تم دونوں اپنے گھروں سے باہر کیسے آئے ہو۔ دونوں نے عرض کی اَلْجُوْعُ یَا رَسُوْلَ اللہِ۔ اے اللہ کے پیارے رسول! سخت بھوک لگی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بخدا میں بھی اسی وجہ سے باہر نکلا ہوں۔ حضور دونوں کو ہمراہ لے کر ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے۔ (دوسری روایت میں ان کا نام مالک بن التیہان درج ہے) لیکن وہ گھر میں موجود نہ تھے۔ ان کی بیوی نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو بڑی گرم جوشی سے خوش آمدید کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تمہارا شوہر کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد انصاری آ گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو دیکھا تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کہنے لگے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مَا اَحَدٌ الْيَوْمَ اَكْرَمُ اَضْيَافًا مِّنِّيْ۔ الحمد للہ آج روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے پاس میرے مہمانوں سے زیادہ عزت والے مہمان آئے ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے باغ کی طرف چلا گیا اور کھجوروں کا ایک گچھا توڑ کر لے آیا جس میں پختہ، نیم پختہ اور تر کھجوریں تھیں، خدمت اقدس میں رکھا اور تناول فرمانے کی التجا کی۔ پھر اس نے چھری پکڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِیَّاكَ وَالْحَلُوْبَ۔ شیر دار بکری کو ذبح نہ کرنا۔ پس اس نے ایک بکری ذبح کی اور ان معزز مہمانوں نے اس کا گوشت بھی تناول فرمایا اور کھجوریں بھی کھائیں اور ٹھنڈا میٹھا پانی بھی پیا۔ جب سیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دونوں یاروں سے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ روز قیامت تم سے آج کی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ فاقہ نے تم کو اپنے گھروں سے نکالا اور تم ان نعمتوں سے شاد کام ہو کر اب واپس جا رہے ہو۔ (2)

اس آیت میں تمام انسانوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر جو انعام فرمائے وہ اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش کریں اور اس بات کو کبھی فراموش نہ کریں کہ ان کے بارے میں ان سے باز پرس ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ہر قسم کی نعمتوں سے بہرہ ور فرمائے اور ہمیں ان کا حق ادا کرنے کی بھی توفیق مرحمت فرمائے تا کہ جب قیامت کے روز باز پُرس ہو تو ہمیں ندامت نہ ہو۔ وَاللہُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 174

2۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب جواز استتباعہ، غیرہ الی دار من یثق برضاہ بذلک الخ، ج 2، ص 77-176

تعارف

سُورَۃ وَالعصر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام العصر ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد چودہ اور حروف کی تعداد اڑسٹھ ہے۔

زمانہ نزول: جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)۔ اس کا اسلوب بیان اسی قول کی تائید کرتا ہے۔

شانِ نزول: حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا شان نزول یہ بتایا ہے کہ کلاہ بن اُسید جس کی کنیت ابوالاسدین تھی۔ عہد جاہلیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا بڑا یارانہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو یہ ناصح مشفق بن کر آپ کو سمجھانے آیا۔ کہنے لگا کہ اے ابوبکر! تمہاری قابلیت اور دانش مندی ہر شک وشبہ سے بالاتر تھی۔ کاروبار میں بھی تمہارا کوئی ہمسر نہ تھا۔ اپنی تاجرانہ مہارت کے باعث تمہارا ہر سودا نفع بخش ہوا کرتا تھا۔ بایں فہم ودانش تم نے اپنے آباء و اجداد کا طریقہ چھوڑ دیا۔ لات وہبل کی عبادت ترک کردی اور ان کی شفاعت سے اپنے آپ کو محروم کردیا۔ تم سے ایسی نادانی کی توقع ہرگز نہ تھی۔ آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ آپ نے اس کو جواب دیا کہ جو شخص حق کو قبول کر لیتا ہے اور ثابت قدمی سے راہِ راست پر گامزن ہوجاتا ہے، وہ زیاں کار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی جس سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ (تفسیری عزیزی) (2)

مضامین: یہ تین آیات ہیں یا اسرار ومعارف کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر ہیں جن کا کنارا ناپید ہے اور ان کی گہرائی بے انداز ہے۔ عبارت کے ایجاز کو دیکھ کر فصحائے عرب تصویر حیرت بن گئے اور معانی کے شانِ اعجاز کو دیکھ کر عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ ان کی ملاقات مسیلمہ کذاب سے ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں مسیلمہ نے پوچھا کہ بتاؤ اس عرصہ میں تمہارے ''صاحب'' پر کیا نازل ہوا ہے۔ عمرو نے کہا: بڑی مختصر اور انتہائی بلیغ سورت نازل ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کون سی؟ انہوں نے یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ چند لمحے اس نے توقف کیا۔ پھر کہا اسی قسم کی سورت مجھ پر بھی نازل ہوئی ہے اور یوں پڑھنے لگا:

یَا وَبۡرُ یَا وَبۡرُ، اِنَّمَا اَنۡتَ اُذُنَانِ وَ صَدۡرٌ وَ سَائِرُكَ حَفۡرٌ نَقۡرٌ۔ (3)

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 227

2۔ تفسیر عزیزی، ج 30، ص 269، مطبوعہ مطبعۂ امید لاہور

3۔ تفسیر ابن کثیر، ج 4، ص 547، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت

پھر داد طلب نگاہوں سے عمرو بن عاص کی طرف دیکھنے گا اور پوچھا بتاؤ کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے مسیلمہ تجھے خوب علم ہے کہ میں تجھے پرلے درجے کا جھوٹا جانتا ہوں۔ وَبَرْ بلی کا ہمشکل ایک جانور ہے جس کے دونوں کان اور سینہ بہت بڑے ہوتے ہیں اور اس کا بقیہ جسم بڑا بدصورت ہوتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے چاہا قرآن کریم کی اس نورانی سورت کا ایسے خرافات سے مقابلہ کرے۔ بھلا قرآن کی آیات کے مقابلہ میں اس ہذیان سرائی کی کیا وقعت ہوسکتی تھی۔ اہل ایمان تو کجا ایک ایسا شخص جو ابھی کفروشرک کی آلائشوں سے آلودہ ہے اس کا ذوق سلیم بھی اس مجموعہ خرافات کو مسترد کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

صحابہ کرام کو اس سورت کی معنویت اور عظمت کا پورا پورا احساس تھا، چنانچہ طبرانی نے عبیداللہ بن حفص سے روایت کیا ہے کہ جب کبھی دو صحابی ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو رخصت ہونے سے پہلے ایک صاحب یہ سورت پڑھ کر سناتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل بجا کہا ہے:

لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ (1)۔ یعنی اگر لوگ اس ایک سورت میں ہی غور و تدبر کریں تو ان کی فلاح دارین کے لیے یہ ایک سورت ہی کافی ہے۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج 4، ص 547

سُوۡرَةُ الۡعَصۡرِ مَكِّيَّةٌ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سورۃ العصر مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں تین آیات ہیں

وَالۡعَصۡرِ ① اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِيۡ خُسۡرٍ ② اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

قسم ہے زمانہ کی ۱؎ یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے ۲؎ بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک

۱؎ اس سورت کا آغاز الۡعَصۡرِ کی قسم کھا کر کیا جا رہا ہے۔ عصر کا معنی زمانہ بھی ہے اور عصر، دن کے اس حصے کو بھی کہتے ہیں جس میں ظہر اور مغرب کی نمازوں کے درمیان نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس سورت میں جو حقیقت بیان کی جا رہی ہے اس کی صداقت پر سب سے بڑا گواہ خود زمانہ ہے۔

آپ انسانی تاریخ کے کسی دور کا مطالعہ کریں، آپ یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جو اس مختصر سورت میں بیان کیا گیا ہے۔ جو افراد اور قومیں ان مذکورہ چار صفات سے متصف نہیں ہوتیں وہ خائب و خاسر ہی رہتی ہیں۔ نمرود اور فرعون کو دیکھو، قوم نوح اور قومِ ثمود کے حالات کا مطالعہ کرو، ہر جگہ اس حقیقت کی سچائی روز روشن کی طرح واضح ہے۔ نمرود اپنے وقت کا بہت بڑا بادشاہ تھا۔ ساری رعایا اس کی فرمانبردار تھی۔ ملک کی ساری دولت اس کے قبضہ میں تھی۔ اس کے شاہی خزانے، سونے چاندی اور دیگر نوادرات سے بھرے ہوئے تھے۔ فوج بھی اپنے بادشاہ کے ساتھ وفا کے جذبے سے سرشار تھی۔ یہی حال فرعون کا تھا۔ ان دونوں میں اگر کسی چیز کی کمی تھی تو صرف یہ کہ وہ دونوں ان صفات جلیلہ سے محروم تھے جو انسانی فوز و فلاح کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا انجام کیا ہوا۔ ایک مطلق العنان بادشاہ فرمانروا کو ایک حقیر مچھر نے ہلاک کر دیا۔ دوسرے کو سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ ان کے حسرتناک انجام پر ایک آنکھ بھی تو نمناک نہ ہوئی۔ ایک دل بھی تو سوگوار نہ ہوا۔ فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ (1)۔ ان بدبختوں کی تباہی و بربادی پر نہ چشم فلک سے کوئی آنسو ٹپکا اور نہ ہی زمین کی آنکھیں اشکبار ہوئیں۔ خس کم جہاں پاک۔ قوم نوح کو جب طوفان کی بپھری ہوئی موجوں نے گھیر لیا اور وہ سب کے سب غرق ہو گئے تو ان ظالموں کی بربادی پر کائنات نے حمد باری تعالیٰ کے گیت گائے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ وَالۡعَصۡرِ سے مراد وہ عہد ہمایوں ہے جب یہ جہاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجودِ مسعود سے منور ہوا (2)۔ ویسے تو ہر زمانہ اس سورت میں بیان کردہ مضامین کی حقانیت کا گواہ ہے، لیکن جیسی اٹل، ناقابلِ تردید شہادت عہد مصطفوی نے دی ہے اس کی کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔ جن لوگوں نے دعوت محمدی کو قبول نہ کیا وہ اپنی امارتوں، راستوں اور گوناگوں دیگر خصوصیتوں کے باوجود مٹ گئے، نیست و نابود ہو گئے۔ انسانیت نے ان کو فراموش کر دیا اور جن کی کچھ یاد باقی ہے ان کا نام گالی کے طور پر ہی استعمال ہوتا ہے، لیکن جن خوش نصیبوں نے اس ہادی برحق کی دعوت کو قبول کر لیا اور اس کی غلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے باعث ان چار خوبیوں سے اپنی زندگی کا دامن بھر لیا وہ انسانیت کی آبرو بن گئے، چشم گیتی کا نور، گلشن ہستی کی بہار اور

1۔ سورۃ الدخان: 29

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 179

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۳ؑ

ع ۲ ۲۸

عمل کرتے رہے ۳؎ نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے ۴؎

فخر روزگار بن گئے۔ ان کا نام زبان پر آتا ہے تو پاکبازی اور نفع رسانی کی دنیا میں نور پھیل جاتا ہے۔ ان کے ذکر سے طاغوتی طاقتوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار قدسیوں کا یہ گروہ اور ان کے نقوش پا کو خضر راہ بنانے والے کاروان انسانیت کی قیادت کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی للّٰہیت اور خلوص عمل سے انسان کے سر افتخار کو بلند کر دیا ہے۔

اس لیے اگر وَالْعَصْرِ سے عہد رسالت مراد لیا جائے تو نہایت موزوں ہوگا۔

۲؎ زندگی کے اس کاروبار میں ہمارا سرمایہ وقت ہے اور اس سے بیش قیمت اور عزیز القدر کوئی دوسرا سرمایہ نہیں۔ جو لوگ اس کو بے مقصد ضائع کرتے ہیں، عیش و عشرت میں برباد کرتے ہیں، باقیات صالحات کے بجائے زوال پذیر اور فانی چیزوں کے حصول میں صرف کرتے ہیں، وہ کاروبار زیست سے نفع کیا خاک حاصل کریں گے۔ انہوں نے تو اپنی پونجی ہی ڈبو دی ہے۔ اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ نفع کے بجائے نقصان اٹھایا اور نقد وقت بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ کاروبار زیست کو از سر نو شروع کرنے کا امکان بھی ختم ہو گیا۔ آپ نے کبھی اس مسافر کی حالت زار دیکھی ہے جو منزل کی طرف پیٹھ کر کے بھاگ رہا ہو۔ سورج ڈوبنے والا ہو۔ رات کی تاریکی چارسو پھیل رہی ہو۔

۳؎ البتہ نوع انسانی کے وہ خوش قسمت افراد جن میں مندرجہ ذیل خوبیاں پائی جاتی ہیں، حقیقی فلاح کا تاج انہیں کے سر پر سجایا جاتا ہے۔

پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ وہ صدقِ دل سے اپنے ربِ کریم پر ایمان لے آئیں۔ نیز ان کے پروردگار نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جس نبی کو مبعوث فرمایا ہے اس کی تصدیق کریں اور اس نبی نے ان کے سامنے جو نظام حیات پیش کیا ہے اس کو تہ دل سے قبول کریں۔

دوسری صفت یہ ہے کہ اپنی زبان سے جس قلبی ایقان کا انہوں نے اظہار کیا ہے، میدان عمل میں اٹھنے والا ان کا ہر قدم اس کی تصدیق کرے۔

۴؎ جہاں تک ان کی انفرادی کامیابی کا تعلق ہے وہ تو ان دو صفتوں کے پائے جانے سے حاصل ہو گئی۔ لیکن اسے چراغ کون کہے گا جو اپنے ماحول کی تاریکیوں کو مٹا کر نہ رکھ دے، وہ دریا ہی کیا ہوا جو صحراؤں اور چٹیل میدانوں کو سیراب کر کے رشک فردوس نہ بنا دے۔ اس لیے فرمایا تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں حق کی پذیرائی اور اس کی بالادستی قائم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش اس وقت تک بارآور نہیں ہو سکتی جب تک یہ خود اور اس کی محنت سے حق کو قبول کرنے والے اس راہ کی صعوبتوں کو جوانمردی سے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہ کریں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ ایک دوسرے کو صبر و استقامت کا درس دیتے رہیں۔ مصائب و آلام میں خود استقامت کا مظاہرہ کر کے دوسروں کے لیے دلکش نمونہ پیش

کرتے رہیں۔ یہ صبر، کامیابی کی اہم اور چوتھی شرط ہے۔ اس سے مراد فقط یہ نہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف آئے اور آپ گھبرائیں نہیں، بلکہ اس کے علاوہ نیکیاں کرنے پر صبر، گناہوں سے اجتناب پر صبر، احکام شرعیہ کی پابندی پر صبر، ماحول کے دباؤ کے مقابلہ میں صبر، جب ایک ایسی امت وجود میں آجائے گی جو ان صفات سے متصف ہوگی تو پھر حق کا پرچم ہمیشہ سربلند رہے گا۔ کوئی طوفان اس کو سرنگوں نہ کر سکے گا۔ کوئی آندھی اس کی روشن کی ہوئی شمع کو بجھا نہ سکے گی۔ آپ ان خوش نصیب انسانوں کی سعادت مندی کا اندازہ لگائیں جن کی عرق ریزیوں، جگر کاویوں اور شب بیداریوں کے باعث حق کو قوت وغلبہ نصیب ہوا اور جن کی سرفروشی اور جذبۂ ایثار وخلوص نے ایسی شمعیں روشن کر دی ہیں جن سے وہ راستہ جگمگا رہا ہے جو انسان کو اپنی حقیقی اور بلند منزل کی طرف لے جانے والا ہے۔

یہاں **تَوَاصَوْا** کا استعمال اور اس کا تکرار بڑا غور طلب ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں **اَوْصَى الرَّجُلُ وَوَصَّاهُ: عَهِدَ اِلَيْهِ** (لسان العرب)(1) یعنی کسی شخص کا کسی دوسرے کو کسی کام کی تاکید کرنا۔ علامہ راغب اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ **اَلْوَصِيَّةُ: اَلتَّقَدُّمُ اِلَى الْغَيْرِ بِمَا يَعْمَلُ بِهٖ مُقْتَرِنًا بِوَعْظٍ مِّنْ قَوْلِهِمْ اَرْضٌ وَّاصِيَةٌ مُّتَّصِلَةُ النَّبَاتِ** (المفردات)(2) کسی کو پند وموعظت سے کوئی کام کرنے پر ابھارنا، برانگیختہ کرنا۔ اس کے علاوہ اس میں تسلسل کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ وہ زمین جس میں مسلسل کاشت ہوتی رہے اور فصلیں اگتی رہیں اسے ارض واصیۃ کہتے ہیں (3)۔ جوہری نے صحاح میں اور زبیدی نے تاج العروس میں اس کی یہی تشریح کی ہے۔

اس تحقیق کی روشنی میں آیت کے اس جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ حق کو قبول کرنے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرتے وقت صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین وتاکید کی جا رہی ہے۔ ان کے آباء واجداد نے ان کو ان امور کے بارے میں جو وصیت کی ہے وہ اپنی آنے والی نسلوں کو اس کی وصیت کرتے رہیں۔

کیونکہ حق کو قبول کرنا اور اس راہ میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنا دونوں باتیں نہایت اہم ہیں اس لیے **تَوَاصَوْا** کو مکرر ذکر کیا تا کہ قاری ان کی مستقل نوعیت کو پیش نظر رکھے۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

1۔ لسان العرب، ج 15، ص 394 2۔ مفردات راغب، ص 873 3۔ تاج العروس، ج 10، ص 392

تعارف

سورۃ الھمزہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام الھمزہ ہے جو اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک رکوع اور نو آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے تیس کلمات اور ایک سو تیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (1)

مضامین: کفار مکہ یوں تو سب کے سب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض و عناد رکھتے تھے، لیکن ان میں چند ایسے بد باطن بھی تھے جو جھوٹے الزامات لگانے اور بہتان تراشی میں پیش پیش تھے۔ ان کی کیفیت بھی یکساں نہ تھی۔ کچھ ایسے تھے جو پس پشت تو غیبت و عیب جوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے لیکن روبرو کوئی ناروا بات کہنے کی وہ جسارت نہ کرتے بعض بد بخت اور بے حیا ایسے بھی تھے جو منہ پر بھی طعن و تشنیع سے باز نہ آتے۔ اخنس بن شریق ان کا سرغنہ تھا۔ انہی لوگوں کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی۔

بتایا جا رہا ہے کہ چاند کی چاندنی سے روشن تر، قطرہ ہائے شبنم سے پاکیزہ تر، گلاب کی پتی سے بھی زیادہ لطیف سیرت طیبہ پر جو لوگ نازیبا الزام لگاتے ہیں ان کا اپنا کردار کیا ہے۔ ان کے دلوں میں دولت کی محبت رچی بسی ہوئی ہے۔ مال جمع کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ دراہم و دنانیر کو گننا اور بار بار گننا ان کی مرغوب تفریح ہے۔ خود تو مکھی کی طرح دنیا کی غلاظتوں پر بھنبھنا رہے ہیں اور بے ادبیاں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس محبوب کی ذات اطہر پر، جس کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم منور ہے۔

وہ صرف دولت کے پجاری اور پرلے درجے کے کنجوس ہی نہیں بلکہ عقل و فہم سے بھی بے بہرہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دولت کی فراوانی انہیں موت کے چنگل سے چھڑا لے گی۔ کوئی بیماری ان کے قریب نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ان سے پہلے جو ان سے بھی کئی گنا زیادہ دولت مند لوگ تھے، وہ خاک میں مل کر خاک نہ ہو چکے ہوتے۔ کیا یہ لوگ آج ان کا کوئی نام و نشان دکھا سکتے ہیں، ایسے ناعاقبت اندیش لوگوں کے انجام کے بارے میں بھی وضاحت فرما دی تا کہ کوئی شخص کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے۔ جس شخص کی تمنا ہے کہ وہ ایسے المناک انجام سے دوچار نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ آج ہی سلامتی اور ہدایت کی راہ پر گامزن ہو جائے۔

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 229

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ الھمزہ مکّی ہے اور اس کی نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۙ ① الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ ②

ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لیے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے ۱ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے ۲

۱ یہاں دو لفظ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ استعمال ہوئے ہیں۔ علمائے لغت نے ان کی تشریح کرتے ہوئے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُمُ الْمَشَّاءُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ: اَلْبَاغُوْنَ لِلْبُرَاءِ الْعَيْبَ وَ مَعْنَا هُمَا وَاحِدٌ(1)۔ یعنی یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ ہر چغلی کھانے والے، دوستوں میں جدائی اور تفرقہ ڈالنے والے، بے قصور اور بے عیب انسان میں نقص نکالنے والے کو ہُمزہ اور لُمزہ کہتے ہیں۔

مقاتل کا قول یہ ہے اَلْهُمَزَةُ الَّذِىْ يُعِيْبُكَ فِى الْوَجْهِ وَاللُّمَزَةُ الَّذِىْ يُعِيْبُكَ فِى الْغَيْبَةِ(2)۔ یعنی جو روبرو طعنہ زنی کرے اسے ہُمزہ اور جو پس پُشت عیب جوئی کرے اسے لُمزہ کہتے ہیں۔ ابو العالیہ اور حسن نے ان کا معنی برعکس کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال مذکور ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ اتنے قریب المعنی ہیں کہ اہل لغت کے لیے ان کا الگ الگ معنی متعین کرنا مشکل ہو گیا۔

کفار میں یہ کمزوریاں عام تھیں، جہاں کسی غریب اور کمزور سے آمنا سامنا ہوتا تو اس کے منہ پر اس کو برا بھلا کہتے کیونکہ انہیں اس کی طرف سے کسی مزاحمت یا جوابی کارروائی کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا اور جہاں کوئی اپنے سے طاقتور مد مقابل ہوا اس کے سامنے اس کی تعریف بھی کر دی، اس کی خوشامد میں چند جملے بھی بول دیئے اور جب وہ چلا گیا تو اس کی غیبت کرنا شروع کر دی۔ یہ ایسا ہے، ویسا ہے، اس میں یہ عیب ہے، اس میں فلاں کمزوری ہے۔ ناحق شناس لوگ اس اخلاقی کمزوری میں عموماً مبتلا ہوتے ہیں۔

۲ دوسرے لوگوں پر زبانِ طعن دراز کرنے کی عادت اس میں اس لیے ہے کہ یہ بڑا مالدار اور دولت مند ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنے لگا ہے اور دوسرے لوگوں کو بنظر حقارت دیکھتا ہے، لیکن دولت مند ہونے کے باوجود بڑا کنجوس ہے۔ گن گن کر بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھتا ہے، ایک درہم بھی خرچ کرنے کی اسے ہمت نہیں ہوتی۔ بعض علماء نے عَدَّدَهٗ کا معنی اَعَدَّهٗ کیا ہے(3)، یعنی اس نے ناگہانی مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے مال جمع کر رکھا ہے۔ وَجَعَلَهٗ عُدَّةً لِّلنَّوَازِلِ(4)۔

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص338

2۔ ایضاً

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص183

4۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص338

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ③ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ④ وَ

وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے ۳؎ ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا ۴؎ اور

مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ⑤ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ⑥ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى

تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے ۔ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی ۵؎ جو دلوں تک جا

الْاَفْـِٕدَةِ ⑦ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ⑧ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ⑨

ع ٩ ٢٩

پہنچے گی ۶؎ بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی ۷؎ (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے ۸؎

۳؎ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اگر اس کی دولت اس کے پاس رہی تو موت کا فرشتہ اس کے قریب نہیں پھٹکے گا۔ اسی کروفر کے ساتھ یہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا، کبھی فنا نہ ہوگا، کبھی ختم نہ ہوگا۔

۴؎ نبذٌ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: اَلنَّبْذُ: اِلْقَاءُ الشَّیْءِ وَ طَرْحُهٗ لِقِلَّةِ الْاِعْتِدَادِ بِهٖ (1)۔ کسی چیز کو حقیر سمجھتے ہوئے اسے پھینک دینا کہتے ہیں نَبَذْتُ النَّعْلَ الْخَلِقَ (2)۔ میں نے پرانی جوتی اتار کر پھینک دی۔

ایسے ننگ انسانیت کو دوزخ میں پھینکنے کا ذکر کرتے وقت ایسا لفظ استعمال فرمایا جو اس مفہوم کو ادا کرنے کے ساتھ اس کی تحقیر اور تذلیل کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔

یعنی آج وہ اپنے آپ کو بڑا رئیس اور سردار تصور کرتا ہے، معاشرے میں اس کو جو اہمیت حاصل ہے، دولت کی کثرت کے باعث لوگوں کے دلوں پر اس کا رعب بیٹھا ہوا ہے، اس لیے یہ اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھنے لگا ہے، لیکن خداوند کریم کے نزدیک یہ پھٹی پرانی جوتی سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

حُطَمَة: حَطَمَ سے ہے (3)۔ اس کا لغوی معنی توڑ ڈالنا، پیس ڈالنا، ریزہ ریزہ کر دینا۔ یہ دوزخ کے ایک طبقے کا نام ہے جس کی آگ اتنی تیز ہوگی کہ جو چیز اس میں پھینکی جائے گی، آن واحد میں اس کو پیس کر رکھ دے گی، اس کے پرزے اڑا دے گی۔

۵؎ اس حُطمہ کی مزید تشریح کر دی۔ یہ وہ آگ ہے جسے اللہ نے جلایا ہے، جو ہمیشہ بھڑکتی رہے گی، کبھی نہیں بجھے گی۔

۶؎ جس کی آنچ دلوں تک پہنچ جائے گی، اس کی سوزش اور تپش سے دل بھن کر کباب ہو جائیں گے۔

۷؎ جب کسی دروازے کے کواڑوں کو بھینچ کر بند کر دیا جائے اور کنڈی لگا دی جائے اور ان کے دوبارہ کھلنے کی بظاہر کوئی صورت نہ ہو تو عرب کہتے ہیں اَصَدْتُّ الْبَابَ۔ اسی سے مُؤْصَدَةٌ اسم مفعول ہے۔ یعنی ان ناہنجاروں کو حُطمہ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس

1۔ مفرداتِ راغب، ص 788 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، ص 242 4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 185

کے دروازے بڑی مضبوطی سے مقفّل کر دیئے جائیں گے۔ نہ انہیں کوئی کھول سکے گا اور نہ اس عذاب الیم سے ان کے نکلنے کی کوئی صورت ہوگی۔

۸ عَمَد: عَمُود کی جمع ہے بمعنی ستون۔ مُمَدَّدَۃٌ: طویل، لمبے (1)۔ یعنی اس آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں بلند ہوں گے، نہ وہ بجھیں گے اور نہ ان کے دردوالم میں کوئی تخفیف ہوگی۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ لَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّاَصْلِحْ لِیْ
شَاْنِیْ كُلَّهٗ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ
عَلَی النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ مَا تَغَنَّتْ فِیْ اَیْكِهَا الْاَطْیَارُ۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 186۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 232

تعارف سُورة الفیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام الفیل ہے۔ اس میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، بیس کلمات اور چھیانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: مکہ مکرمہ میں عہد نبوت کے آغاز میں نازل ہوئی۔(1)

تاریخی پس منظر: اس سورت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس واقعہ کی تفصیلات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے۔ صرف اسی طرح ہم اس سورت کے مقصد نزول سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

نقشہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ بحر احمر کے دائیں طرف یمن کا ملک ہے اور اس کے مدمقابل دوسری طرف براعظم افریقہ کا ملک حبشہ ہے جسے اتھوپیا یا ابی سینیا بھی کہا جاتا ہے۔ علم انساب کے ماہرین کا خیال ہے کہ حبش کے باشندے دراصل یمن کی قوم سبا کے ہی افراد تھے جنہوں نے یمن کی خوشحالی کے دور میں یمن سے نقل مکانی کر کے ابی سینیا کے ساحل پر اپنی تجارتی منڈیاں اور مراکز قائم کر لیے تھے، زیادہ دیر تک وہ اپنی انفرادیت قائم نہ رکھ سکے۔ افریقہ کے اصلی باشندوں کے ساتھ ان کے شادی بیاہ کا سلسلہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ نہ وہ خالص سبائی رہے اور نہ خالص افریقی بلکہ ایک مخلوط قوم بن گئے۔ اس لیے ان کو حبش کہا جاتا ہے جس کا معنی اختلاط و امتزاج ہے۔ گویا سبا کی قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ اپنے اصلی وطن یمن میں اقامت پذیر رہا، انہیں سبائے حمیر کہا جاتا ہے اور جو لوگ ترک وطن کر کے یہاں آ کر آباد ہو گئے انہیں سبائے حبش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یمن کے اصلی باشندے ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مختلف ستاروں کے لیے انہوں نے بڑے بڑے معبد بنوا رکھے تھے، لیکن اس زمانہ میں افریقہ، قیصر روم کے قبضہ میں تھا۔ رومی عیسائی تھے۔ ان کے حکومتی اثر اور سرگرم تبلیغی کوششوں کے باعث عیسائیت کو یہاں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ حبشہ کے باشندے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی اکثریت نے عیسائی مذہب کو قبول کر لیا۔ یمن میں بھی عیسائی مبلغین کی کوششوں سے نجران کے خطہ میں عیسائیت نے اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا۔ ذونواس، حمیر کا آخری بادشاہ عیسائیت کے فروغ سے آتش زیر پا ہو گیا اور اس نے گڑھے کھدوائے، ان میں آگ جلائی اور ان عیسائیوں کو آگ میں پھینک کر جلا دیا۔ اس کا تفصیلی تذکرہ آپ ابھی ابھی سورۃ البروج میں پڑھ چکے ہوں گے۔ یمن کا ایک عیسائی امیر دوس بن ثعلبان جو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس فریادی ہوا۔ نجاشی نے قیصر روم سے مشورہ کیا اور یمن پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ چند عیسائی جو بچ گئے تھے وہ قیصر کے پاس قسطنطنیہ پہنچے اور وہاں جا کر اپنے بھائیوں کی داستان الم بیان کی۔ قیصر نے نجاشی کو یمن پر حملہ کرنے اور ان مقتولین کا انتقام لینے کی ہدایت کی۔

1۔ تفسیر قرطبی، جز 20، ص 187

چنانچہ حبشی لشکر یمن پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ قیصر نے اپنا بحری بیڑہ فراہم کیا تا کہ یہ لشکر جرار اس کے ذریعہ بحر احمر کو عبور کرے۔ قیصر نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا، اس فراخدلانہ اعانت کا محرک کیا صرف مذہبی جذبہ تھا۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہ محض بہانہ تھا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کی جائے جس کے ذریعے مشرقی ممالک کا قیمتی سامانِ تجارت مغربی ممالک تک پہنچتا ہے۔ اس سے پیشتر اس شاہراہ پر اہل عرب کی اجارہ داری تھی اور انہی کے انگنت اونٹوں پر مشتمل قافلے اس سامان کو بحر احمر کی بندرگاہ سے اٹھا کر بحر روم کے ساحل تک پہنچایا کرتے تھے۔ کئی صدیوں سے رومی للچائی ہوئی نظروں سے اس شاہراہ کو دیکھتے تھے اور محض کسی بہانہ کی تلاش میں تھے۔ عرصہ سے رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ شروع تھی اور حالت جنگ میں اس راستہ کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ممکن ہے قیصر کے اس اقدام کے محرک یہ دونوں سبب ہوں۔

الغرض جب حبشی لشکر حملہ آور ہوا تو شاہ یمن ذونواس نے عدن اور حضرموت کے ساحل پر اس کا استقبال کیا اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ حبشی وطن واپس آئے اور از سر نو بڑے زور و شور سے دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اس دفعہ ذونواس اس کے حملے کی تاب نہ لا سکا، اس کا حمیری لشکر بری طرح شکست سے دوچار ہوا۔ ذونواس نے راہ فرار اختیار کی اور اپنا گھوڑا ایک دریا میں ڈال دیا، لیکن وہیں اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ اس کے قتل کے بعد اس کا نائب ذوجدن مقابلہ کے لیے بڑھا لیکن وہ بھی مارا گیا۔ ذوالنیر ان نے حبشی فوج کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوا۔ اس طرح 525 عیسوی میں سارا یمن حبشیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ عرب مورخین کے نزدیک اس حبشی لشکر کے سالار کا نام ارباط تھا۔ شاہ نجاشی نے اسی کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ لیکن یونانی مؤرخ اس سالار کا نام اسمینیوس، بتاتے ہیں اور اس وقت کے نجاشی کا نام ''الیباس'' لکھتے ہیں۔

عربی روایات کے مطابق ارباط نے تقریباً 20 سال تک یمن پر حکومت کی۔ اس کے بعد حبشی فوج نے ایک فوجی افسر ابرہہ کی قیادت میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ارباط مارا گیا اور ابرہہ یمن کا والی بن بیٹھا۔ سال کا تعین مشکل ہے البتہ ایک کتبہ جو ابرہہ کا نصب کردہ ہے اس پر 657 یمنی سال مرقوم ہے جو 543ء کے مطابق ہے۔

نجاشی نے ابرہہ کی بغاوت اور ارباط کے قتل کی خبر سنی تو بہت غضب ناک ہوا۔ قسم اٹھائی کہ وہ خاک یمن کو اپنے پاؤں تلے روندڈالے گا اور ابرہہ کا خون بہائے گا۔ ابرہہ نے ایک شیشی میں اپنا خون بھرا اور یمن کی کچھ مٹی ایک خریطہ میں بند کی۔ دونوں کو بادشاہ کے پاس بھیجا اور لکھا کہ میں آپ کا حلقہ بگوش غلام ہوں۔ آپ نے جو حلف اٹھایا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے اپنا خون اور یمن کی مٹی بھیج رہا ہوں۔ آپ اس مٹی کو اپنے پاؤں سے روندڈالیے اور میرا خون جو شیشی میں ہے اس کو زمین پر بہا دیجئے۔ ابرہہ کی اس پیشکش سے نجاشی بہت خوش ہوا اور اسے یمن کا والی برقرار رکھا۔

جب ابرہہ کو کچھ اطمینان ہوا تو اس نے یمن میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے تحریک شروع کر دی۔ بڑے بڑے شہروں میں گرجے تعمیر کیے اور یمن کے دار السلطنت صنعا میں ایک بہت بڑا عظیم الشان گرجا تعمیر کیا جس کو عرب اَلقِلیس یا اَلقُلَّیس کہتے ہیں یہ لفظ کلیسہ کا معرب ہے۔ اس کی زیب وزینت و آرائش پر دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ ان تمام کوششوں اور اقدامات کے باوجود عیسائیت کی اشاعت میں اسے حسب منشا کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس کے سامنے ایک ایسی رکاوٹ تھی جس نے اس کی

کوششوں کو تقریباً بے اثر بنا دیا۔ مکہ مکرمہ میں جو کعبہ حضرت خلیل اور اسماعیل علیہم السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا ہر عربی باشندے کو اس سے قلبی اور فطری عقیدت تھی، وہ کسی قیمت پر اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا تھا۔ عیسائیت قبول کرنے کا فوری نتیجہ اس رشتہ کا انقطاع تھا جس کے لیے اہل عرب بالکل تیار نہ تھے۔

ابرہہ نے اس رکاوٹ کو اپنے راستہ سے ہٹانے کا عزم کر لیا۔ اس نے عرب کے تمام علاقوں میں منادی کرا دی کہ میں نے تمہارے لیے ایک بہت خوبصورت کعبہ بنایا ہے تم وادی غیر ذی ذرع میں واقع ان گھڑے سیاہی مائل پتھروں کے بنے ہوئے کعبہ کے بجائے یہاں آکر اپنا حج کیا کرو جو صنعاء کی جنت نظیر وادی میں انسانی فن تعمیر کا ایک شاہکار ہے، لیکن اس کی یہ دعوت صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ لوگ اس کے ہر طرح کے پراپیگنڈے کے باوجود تپتے ہوئے صحراء، بے آب و گیاہ ریگستانوں کو مستانہ وار عبور کرتے ہوئے مکہ مکرمہ حاضر ہوتے اور کعبہ مشرفہ کا طواف کر کے سکون دل حاصل کرتے۔ اس چیز نے ابرہہ کو اور مشتعل کر دیا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ اس گھر کو گرا کر نیست و نابود کر دے گا۔ ان حالات میں ایک اور واقعہ رو پذیر ہوا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کہتے ہیں بنی کنانہ کے کسی شخص نے رات کو اس کلیسا میں جا کر قضائے حاجت کر دی۔ بعض کی رائے ہے کہ چند عرب نوجوانوں نے اس کلیسا کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی، لیکن مقاتل بن سلیمان کی رائے یہ ہے کہ چند مسافر رات بسر کرنے کے لیے اس گرجا کے پڑوس میں اترے۔ انہوں نے کھانا پکانے کے لیے آگ جلائی۔ آندھی آگئی اور کوئی چنگاری اڑ کر اس گرجے میں جا پہنچی جس سے وہاں آگ بھڑک اٹھی۔ ابرہہ یہ سن کر برافروختہ ہو گیا اور اس نے مکہ پر فوری چڑھائی کا عزم کر لیا۔ چند روز میں ایک لشکر جرار کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا، اس کا سالار اعلیٰ خود ابرہہ تھا۔ جزیرۂ عرب میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ خود یمنی امراء و سرداروں نے کعبہ مقدسہ کو بچانے کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دی۔ یمن کے ایک رئیس ذونفر نے اپنی قوم اور جملہ قبائل عرب کو ابرہہ کا مقابلہ کرنے کے لیے للکارا۔ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے بے شمار لوگ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن ذونفر کے لشکر نے شکست کھائی اور یہ خود گرفتار کر لیا گیا۔ ابرہہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب اس کا گزر بلاد خثعم سے ہوا تو بنی خثعم کے سردار نفیل بن حبیب خثعمی نے اس کا مقابلہ کیا۔ بنی خثعم کے دونوں قبیلے شہران اور ناہش اس کے ساتھ تھے۔ لیکن انہیں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ نفیل گرفتار کر لیا گیا۔ ابرہہ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اسے معاف کر دیا۔ اس نے اس کو بھی ساتھ لیا تا کہ بلاد حجاز میں وہ اس کا دلیل کارواں بن سکے۔

جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو اہل طائف کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ابرہہ ان کے مندر کو منہدم نہ کر دے جس میں ان کے معبود لات کا بت نصب تھا۔ چنانچہ وہاں کے رؤساء ابرہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے بتایا کہ ہمارا یہ معبود وہ نہیں جس کو گرانے کا تم نے قصد کیا ہے بلکہ وہ آگے مکہ میں ہے اور ہم اس سلسلہ میں آپ کی ہر خدمت بجا لانے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ ابرہہ نے ان کو اطمینان دلایا، ان کی عزت و تکریم کی۔ انہوں نے ابو رغال کو اس کے ہمراہ بھیجا تا کہ وہ راستہ بتائے اور کعبہ کی نشاندہی کرے۔ جب ابرہہ اپنے لشکر جرار کو ساتھ لیے مکہ کے نزدیک وادی مغمس میں خیمہ زن ہوا تو اس کے لشکریوں نے مار دھاڑ شروع کر دی۔ بھیڑ، بکریاں اور اونٹ جو چیز ان کے ہتھے چڑھی ہانک کر وہ اسے اپنے پڑاو میں لے آئے۔ اس

لوٹ کے مال میں حضرت عبد المطلب کے دوصد اونٹ بھی تھے۔

ابرہہ نے حمیر قبیلہ کے حناطہ نامی ایک شخص کو مکہ بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کو یہ بتائے کہ ابرہہ ان سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ خانہ کعبہ کو گرانے آیا ہے۔ اگر اہل مکہ نے مزاحمت نہ کی تو انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ لیکن اگر انہوں نے مزاحمت کی کوشش کی تو پھر نتائج کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ حناطہ مکہ گیا، اس نے لوگوں سے پوچھا تمہاری بستی کا سردار کون ہے۔ انہوں نے حضرت عبد المطلب کا نام لیا۔ اس نے آپ سے ملاقات کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے فرمایا کہ ابرہہ سے جنگ کرنے کا نہ ہمارا ارادہ ہے اور نہ ہم میں اس کی ہمت ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل کا حرم ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو خود اس کی حفاظت کرے گا ورنہ جیسے اس کی مرضی۔ حناطہ نے آپ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ آپ اس کے ہمراہ ابرہہ کے پاس تشریف لائے۔ آپ کی بارُعب شخصیت اور نورانی چہرہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا۔ تخت سے نیچے اتر آیا اور آپ کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا۔ ترجمان کے ذریعے اس نے پوچھا کوئی ارشاد؟ آپ نے کہا میری درخواست تو یہ ہے کہ تمہارے لشکری میرے دوصد اونٹ ہانک کر لے آئے ہیں، وہ مجھے واپس کر دیئے جائیں۔ ابرہہ اس غیر متوقع جواب سے بہت حیران ہوا۔ کہنے لگا جب میں نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا میرے دل میں آپ کا ازحد احترام پیدا ہو گیا، لیکن آپ کی یہ حقیر درخواست سن کر احترام کا جذبہ ناپید ہو گیا۔ آپ کو اپنے اونٹوں کا تو اتنا خیال ہے اور کعبہ کا ذرا خیال نہیں جس کی وجہ سے تمہاری عزت کی جاتی ہے۔ آپ نے بڑی سادگی سے جواب دیا: اِنِّیْ اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ وَاِنَّ لِلْبَیْتِ رَبًّا سَیَمْنَعُهٗ (1)۔ یعنی میں اونٹوں کا مالک ہوں ان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا اب اس گھر کو میری تاخت و تاراج سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ حضرت عبد المطلب واپس آئے اور قریش کو حکم دیا سب مکہ سے کوچ کر جائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جائیں تاکہ یمنی لشکر ان کو تہس نہس کر کے نہ رکھ دے۔ آخر میں آپ اپنی قوم کے رئیسوں کو ساتھ لے کر کعبہ کے پاس آئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کریں کہ وہ انہیں اور کعبہ کو ابرہہ کی دست بُرد سے بچائے۔ کعبہ کے دروازہ کے کنڈا کو پکڑ کر عبد المطلب نے بڑے عجز و نیاز سے فریاد کی عرض کیا:

لَاهُمَّ اِنَّ الْمَرْءَ یَمْنَعُ رِحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ
اے اللہ! ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔
لَا یَغْلِبَنَّ صَلِیْبُهُمْ وَ مِحَالُهُمْ اَبَدًا مِحَالَكَ
کل ان کی صلیب اور ان کی قوت تیری قوت پر غالب نہ آجائے۔
اِنْ كُنْتَ تَارِكَهُمْ وَقِبْ لَتَنَا فَاَمْرٌ مَا بَدَالَكَ (2)
اگر تو انہیں اور ہمارے قبلہ کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تیری مرضی ہو ایسا کر

ابن جریر نے عبد المطلب کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو اس موقع پر دعا مانگتے ہوئے انہوں نے ارتجالاً کہے:

1۔ تفسیر قرطبی، جز 20، ص 190

2۔ روح المعانی، جز 30، ص 235

يَا رَبِّ لَا اَرْجُوْ لَهُمْ سِوَاكَ   يَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَ

اے میرے پروردگار تیرے بغیر میں ان کے مقابلہ کی کسی سے توقع نہیں رکھتا۔ اے میرے پروردگار ان کی دستبرد سے اپنے حرم کی حفاظت فرما

اِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَاكَ   اِمْنَعْهُمْ اَنْ يَخْرِبُوْا قُرَاكَ (1)

اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے ان کو روک دے کہ وہ تیری بستی کو ویران نہ کریں

دعا سے فارغ ہوئے تو سب کو ساتھ لے کر پہاڑوں میں فروکش ہو گئے۔ ابرہہ نے صبح سویرے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ اس کے لشکر میں نو یا بارہ جنگی ہاتھیوں کا دستہ تھا۔ سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا۔ جب اس ہاتھی کو مکہ کی طرف پیش قدمی کے لیے ہانکا گیا تو وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ فیل بان نے آنکس سے بڑے کچوکے دیے اور تبر سے اسے مارا، لیکن وہ اٹھنے کا نام نہ لیتا تھا اگر کسی اور سمت اسے چلنے کا اشارہ کیا جاتا تو بغیر کسی توقف کے وہ چلنے لگتا۔ نفیل بن حبیب بنی خثعم کا سردار جو اب تک ابرہہ کے ہمراہ تھا بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ انہی حالات میں فضا میں چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول در غول نمودار ہوئے۔ ہر ایک نے ایک سنگریزہ اپنی چونچ میں اور ایک ایک اپنے دونوں پنجوں میں پکڑا ہوا تھا...... ان سنگریزوں کی مقدار چنے یا مسور کے دانہ کے برابر تھی۔ ہر سوار پر ایک ایک پرندہ ایک کنکر مارتا تھا جو اس کے فولادی خود، آہنی زرہ اور اس کے جسم کو چیرتا ہوا زمین میں دھنس جاتا تھا۔ لشکر کا اکثر حصہ تو وہیں تباہ و برباد ہو گیا۔ ایک مختصر تعداد جن میں ابرہہ بھی تھا وہاں سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئی، لیکن ان کے جسموں میں اتنی زبردست خارش پیدا ہو گئی کہ وہ ہر وقت کھجلاتے رہتے۔ کھجلانے سے زخم نمودار ہو گئے۔ زخموں سے پیپ اور لہو بہنے لگا۔ گوشت گل سڑ کر نیچے گرنے لگا۔ کئی راستہ میں ہی ہلاک ہو گئے۔ ابرہہ صنعاء پہنچ گیا، لیکن اس کی حالت یہ تھی کہ سارا جسم ناسور بنا ہوا تھا اور وہ ہیل تن گرانڈیل جوان چوزے کی مانند دبلا پتلا ہو گیا تھا۔ یہ تکلیف بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس کا سینہ شق ہو گیا اور اس نے دم توڑ دیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی وہ دشمن جسے اپنی قوت اور لشکر کی کثرت پر بڑا گھمنڈ تھا، اس کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی سنگباری سے فنا و برباد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو بنی کنانہ کے سردار ذونفر کے ہاتھوں اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اگر چاہتا تو بنی خثعم کے سردار نفیل کو اس کی بربادی کا باعث بنا دیتا، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ دشمن کو حرم خلیل تک پیش قدمی کرنے کی مہلت دے اور تمام لوگوں کے سامنے اپنی قوت قاہرہ کا مظاہرہ کرے تاکہ قیامت تک کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اس سال کو اہل عرب عام الفیل کہتے ہیں۔

یہ واقعہ 570 عیسوی میں رو پذیر ہوا، محرم کا مہینہ تھا۔ اسی سال ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں کعبہ مقدسہ کو بتوں کی نجاستوں سے پاک کرنے والے، اس کے در و دیوار کو نور توحید سے منور کرنے والے اور اس کو ذکر الٰہی کے نغموں سے آباد کرنے والے اللہ تعالیٰ کے حبیب اور محبوب اور اس کی مخلوق کے ہادی و مرشد محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

1۔ تفسیر مظہری، ج10، ص343

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ الفیل مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں پانچ آیات ہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ط ① اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ

کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ۱؎ ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا ۲؎ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو

۱؎ یہ عبرت انگیز واقعہ کس سال میں ظہور پذیر ہوا، اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، لیکن صحیح قول وہ ہے جو ابن عباس اور دیگر محققین علماء سے منقول ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً پچاس دن پہلے یہ واقعہ رونما ہوا۔ عربی مہینہ کے ماہ محرم کی سترہ تاریخ تھی اور بارہ ربیع الاول کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افزائے بزم گیتی ہوئے۔ ارشاد نبوی ہے وُلِدْتُ عَامَ الْفِيْلِ کہ میری ولادت عام الفیل میں ہوئی۔(1)

ابو نعیم لکھتے ہیں کہ حملہ آور فوج نصاریٰ تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اور انجیل کو ماننے والے تھے۔ اہل مکہ کا اس وقت مذہب بت پرستی تھا۔ تین سو ساٹھ بت کعبہ شریف میں رکھے ہوئے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان مشرکین اور بت پرستوں کے مقابلہ میں ابرہہ کی مدد کی جاتی اور کعبہ خلیل کو صنم کدہ بنانے والوں کو عبرت ناک سزا دی جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اب کعبہ کو آباد کرنے والے، اس کو نور توحید سے روشن کرنے والے کی آمد کا وقت قریب تھا۔ ابرہہ اگرچہ عیسائی تھا لیکن دنیائے عیسائیت میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے مجسموں کی پرستش بڑے دھڑلّے سے کی جاتی تھی اس لیے عقیدے کے لحاظ سے مشرکین مکہ اور ابرہہ میں اگر کوئی فرق تھا تو محض برائے نام۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی ولادت کے سال میں اہل مکہ پر ایسا فضل و کرم فرمایا جس کا شکریہ وہ تا قیامت ادا نہیں کر سکتے (2)۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: كَانَتْ قِصَّةُ الْفِيْلِ تَوْطِيَةً لِّنُبُوَّتِهٖ وَ مُقَدَّمَةً لِّظُهُوْرِهٖ وَبِعْثَتِهٖ (3)۔ یعنی اس قصہ کا وقوع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے پہلے بمنزلہ تمہید کے تھا۔

آیت میں استفہام اظہارِ تعجب و حیرت کے لیے ہے۔ اَلَمْ تَرَ کا معنی جاننا، مطلع ہونا بھی کیا گیا ہے۔ مزید لطف یہ ہے کہ اَلَمْ تَرَ مَا فَعَلَ رَبُّكَ کے بجائے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ فرمایا گیا ہے (4)۔ یعنی آپ کے رب نے کیسا سلوک کیا۔ مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ کا ظہور اس صورت میں ہوا کہ اس کا ہر پہلو انسان کو محو حیرت کر دیتا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، علم محیط اور کعبہ کی عظمت و شرف کی گواہی دے رہی ہیں۔

۲؎ ابرہہ کا لشکر ساٹھ ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل تھا (5)، لیکن اس میں ایک ہاتھیوں کا دستہ بھی تھا جس میں 9 یا 12 ہاتھی شریک تھے (6)۔ یہ دستہ لشکر کے جلو میں جھوم جھوم کر چل رہا تھا۔ اہلِ مکہ، بلکہ اہل عرب نے نہ کبھی اتنی فوج دیکھی تھی اور نہ اس ساز و سامان اور اسلحہ کا انہوں نے کبھی تصور کیا تھا۔ ہاتھی اہل عرب کے لیے بالکل ایک نئی چیز تھی۔ اسی خصوصیت کے باعث اس سارے لشکر کو

1۔ دلائل النبوۃ از ابو نعیم، ج 1، ص 178، مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ بحلب

2۔ ایضاً ص 180

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 341

4۔ ایضاً

5۔ حاشیہ بحر محیط، ج 8، ص 511

6۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 341

فِيْ تَضْلِيْلٍ ۙ﴿۲﴾ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۙ﴿۳﴾ تَرْمِيْهِمْ

ناکام نہیں بنا دیا ؎۳ اور (وہ یوں کہ) بھیج دیے ان پر ہر سمت سے پرندے، ڈاروں کے ڈار۔ جو برساتے تھے

بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾ ع

ان پر کنکر کی پتھریاں ؎۴ پس بنا ڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ ؎۵

اصحاب الفیل کہا گیا۔ چند غیرت مند قبائل نے ابرہہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ مکہ والے بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں کعبہ کو چھوڑ کر ارد گرد پہاڑوں میں جا چھپے (1)۔ کعبہ کو گرانے میں بظاہر کوئی رکاوٹ نظر نہ آتی تھی، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو جس طرح بچایا اور اپنے پیارے رسول کی اولین درس گاہ کی عزت وحرمت کا سکہ جس طرح لوگوں کے دلوں پر بٹھایا، عقل انسانی اس کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جس ذات کا یہ گھر ہے اس کی قدرت بے پناہ، اس کی حکمتیں بیکراں اور اس کی تدبیریں لاجواب ہیں۔ جس بات کا وہ ارادہ فرماتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے، جسے کوئی روک نہیں سکتا۔

؎۳ ابن منظور نے الکید کے دوسرے معانی کے ساتھ ساتھ اس کا یہ معنی بھی ذکر کیا ہے۔ اَلْكَيْدُ: اَلتَّدْبِيْرُ بِبَاطِلٍ اَوْ بِحَقٍّ (لسان العرب) (2) یعنی کسی اچھے یا برے، غلط یا صحیح کام کرنے کے لیے تدبیر کرنا۔ یہاں اس کا یہی معنی مراد ہے۔ ابرہہ کی لشکر کشی پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہ تھی۔ اس کے مذموم ارادے بھی کوئی راز نہ تھے۔ اس نے ڈنکے کی چوٹ سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہاں کید کا معنی خفیہ تدبیر یا مکر کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ تَضْلِيْلٍ کہتے ہیں کسی تدبیر کا ناکام ہو جانا، کسی سعی کا بار آور نہ ہونا، کسی جدوجہد کا اکارت جانا۔

ابرہہ نے کعبہ مقدسہ کو گرانے کا عزم کیا۔ اس عزم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے پوری تدبیر کی۔ مکہ کا شہر جس کی آبادی چند ہزار سے زیادہ نہ تھی، ان میں بوڑھے، بچے اور عورتیں بھی تھیں، اس شہر پر اتنے بڑے عظیم لشکر سے حملہ آور ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ وہ اپنی کامیابی کو یقینی بنانا چاہتا تھا۔ وہ شکست کے ہر امکان کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ پھر جنگلی ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ یہ ساری تدبیریں صاف صاف بتا رہی تھیں کہ وہ اپنے اس ارادے کو ہر قیمت پر عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے جنگی منصوبے میں ناکامی کا ایک فیصد شائبہ بھی نہ رہنے دیا تھا۔ مکہ اور اس کے حلیف قبائل اگر اپنے تمام جنگجو مردوں کو جمع کر لیتے تو اس لشکر کا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ ابرہہ نے تو جنگی تدبیر میں کوئی کسر نہ رہنے دی تھی۔ لیکن اے محبوب! آپ کے پروردگار کی حکمت نے اس کی ساری تدبیروں کو ناکام بنا دیا، اس کی ساری چالوں کو خاک میں ملا دیا۔ کسی کوشش و تدبیر کو ناکام بنانے کو عربی میں تَضْلِيْلٌ کہتے ہیں۔ (3)

؎۴ ان کے اس حملہ کو پسپا کرنے کے لیے رب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے کیا جوابی کارروائی کی اس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے کہ اس لشکر جرار کو جو ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھا، اس کے آگے آگے چنگھاڑتے ہوئے مست ہاتھی اپنی سونڈیں لہرا لہرا کر دلوں میں خوف و

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 550 (مفہوم)

2۔ لسان العرب، ج 3، ص 384

3۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 517 (ماخوذ)

ہراس پیدا کر رہے تھے۔ ایسے لشکر کو تباہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کسی غیر معمولی طاقت کے استعمال کی ضرورت نہ پڑی۔ اپنے مختلف قسم کے ان گنت لشکروں میں سے اس نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے چند ڈار بھیج دیئے جو اشارہ ملتے ہی ساحل سمندر کی طرف سے امنڈ پڑے اور چند لمحوں کی سنگباری سے اس لشکر کا بھرکس نکال دیا۔ علامہ قرطبی لفظ ابابیل کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اَبَابِیۡلُ: قَالَ عِکۡرِمَةُ مُجۡتَمِعَةً وَقِیۡلَ مُتَتَابِعَةً بَعۡضُهَا فِیۡ اِثۡرِ بَعۡضٍ وَّ قِیۡلَ مُخۡتَلِفَةٌ مُّتَفَرِّقَةٌ تَجِیۡءُ مِنۡ کُلِّ نَاحِیَةٍ مِّنۡ هٰهُنَا وَ مِنۡ هٰهُنَا۔ قَالَ النُّحَاسُ هٰذِهِ الۡاَقۡوَالُ مُتَّفِقَةٌ وَحَقِیۡقَةُ الۡمَعۡنٰی اَنَّهَا جَمَاعَاتٌ عِظَامٌ (قرطبی)(1)

یعنی عکرمہ کہتے ہیں کہ ابابیل کا معنی مجتمع ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی مختلف ٹکڑیوں کا یکے بعد دیگرے آنا ہے۔ بعض نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ہر طرف سے ادھر اور ادھر سے مختلف جھنڈ نمودار ہو گئے۔ نحاس کہتے ہیں کہ ان مختلف اقوال کا مفہوم ایک ہی ہے۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ پرندوں کی بڑی بڑی جماعتیں اچانک ہر طرف سے نمودار ہو گئیں۔

ان پرندوں کو خدائی اسلحہ خانہ سے مسلح کر کے بھیجا گیا تھا۔ ان کا اسلحہ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں سے عبارت تھا۔ وہ سنگریزے ایسے تھے جنہیں آتش جہنم میں پکایا گیا تھا۔ ایٹمی بھٹیوں میں جو چیز پک کر آتی ہے اس کی تباہ کاری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جو بم ان پرندوں نے اٹھائے ہوئے تھے وہ تو جہنم کی بھٹی میں تیار ہوئے تھے ان کا حجم چنے یا مسور کے دانے کے برابر تھا، لیکن ان کی قوت کا اندازہ فقط اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہر پرندے کو صرف تین تین بم برسانے کا حکم دیا گیا تھا۔ ایک بم انہوں نے اپنی اپنی چونچ میں اور دو بم اپنے پنجوں میں پکڑے ہوئے تھے۔ وہ اڑتے ہوئے آئے، آنِ واحد میں لشکر پر چھا گئے اور حسب حکم ایک ایک سنگریزہ ایک ایک سوار پر پھینکا۔ مسور کے حجم کا دانہ ان کے فولادی خود، ان کی آہنی زرہوں کو چیرتا ہوا ان کے گٹھے ہوئے جسموں کو گھائل کرتا ہوا، ان کی سواری کے جانوروں کو چھلنی کرتا ہوا زمین میں دھنس جاتا۔ نشانہ خطا ہونے کا امکان ہی نہ تھا۔ جس کو لگا اس کے جسم میں زہریلے اثرات سرایت کر گئے۔ فوراً پھنسیاں پھوڑے نمودار ہونے لگے اور ان سے پیپ اور خون بہنے لگا۔ درد کی شدت ناقابل برداشت تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گوشت گل سڑ کر گرنے لگا۔ اس ناگہانی سنگباری نے ان کے اوسان خطا کر دیئے۔ فوجی نظم وضبط کی پابندی کا کسی کو ہوش تک نہ رہا۔ چند لمحے پہلے جو فوج، فوجی نظم وضبط سے بڑے کروفر کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھ رہی تھی، اب بدنظمی کا شکار تھی۔ ہر کوئی جدھر موقع ملا منہ اٹھائے بھاگا جارہا تھا۔ لشکر کا بیشتر حصہ تو وہاں ہی تباہ وبرباد ہو گیا۔ چند لوگ صنعاء تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ جسم پھوڑوں سے بھرے ہوئے، ہر پھوڑے سے پیپ کا دریا رواں، بدبو کے مارے دَم گھٹتا جارہا تھا۔ ان کی آہ وفغاں سے صنعاء کی فضا وحشت ناک ہو گئی تھی۔ ان لوگوں میں ابرہہ بھی تھا۔ وہ سروقامت، خوبرو، جواں سال اور قوت وطاقت کا مجسمہ اب گل سڑ کر ایک چوزے کی مانند ہو گیا جس کا گوشت آہستہ آہستہ گلتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا سینہ گل کر پھٹ گیا اور اس طرح کعبہ کے گرانے کا ارادہ کرنے والے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

ان لوگوں کو اپنے دارالسلطنت صنعاء میں زندہ پہنچانے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی تھی کہ صرف اہل مکہ ہی نہیں، بلکہ یمن والے بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ جو لوگ ایسی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں، غضب الٰہی ان کو کس طرح تباہ وبرباد کرتا ہے۔

۵ ان کی خستہ حالی اور تباہی کی کتنی صحیح اور موثر تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ عصف کہتے ہیں گندم، باجرہ، مکئی وغیرہ کے پتوں کو(2)۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، ج20، ص197

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص345

مَّاْكُوْلٍ جن کو جانوروں نے کھالیا ہو۔ جب کوئی جانور چارہ کھاتا ہے تو پہلے وہ اسے اپنے دانتوں سے چبا کر ریزہ ریزہ کرتا ہے۔ وہ چبائے ہوئے پتے معدے میں جا کر ہضم کا مرحلہ طے کرتے ہیں اور آخر گوبر یا لید بن کر باہر نکلتے ہیں۔ خود سوچوان پتوں کی حالت کتنی خستہ اور تباہ ہوتی ہے؟ یہی حالت ان کی بھی ہوگئی تھی۔

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محض اپنی سمجھ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ واقعہ جسے قرآن نے بیان کیا ہے، قابل تسلیم نہیں۔ اس لیے وہ اس کی تاویلیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "طیر" سے مراد پرندے نہیں بلکہ وبال ہے اور "حجارہ" سے مراد پتھر نہیں بلکہ مصیبت ہے۔ وہ کہتے ہیں نہ کہیں سے پرندوں کی ٹکڑیاں نمودار ہوئیں، نہ ان کی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے تھے اور نہ انہوں نے سنگباری کر کے اس لشکر کو تہس نہس کیا، بلکہ اس لشکر میں زہریلے چیچک کی وبا پھوٹ پڑی اور اس کی وجہ سے وہ لشکر تباہ ہوگیا۔ (1)

اگر ان کی اس بھونڈی تاویل کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر وہ وبا اس لشکر تک ہی کیوں محدود رہی، وہاں کی مقامی آبادی اس سے کلیۃً کیوں محفوظ رہی؟ ایک مثال بھی تو یہ لوگ نہیں بتا سکتے کہ اہل مکہ میں سے کوئی شخص اس وقت اس وبا سے مرا ہو۔ آیات قرآنی کی من مانی تاویلیں کرنا یا اغیار کی خوشنودی کے لیے ایسا ردوبدل کرنا جسے عربی بلاغت قبول کرنے سے قاصر ہو، بہت بڑی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطاؤں کو معاف فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ نے جب اپنی قدرت کاملہ سے حملہ آوروں کو تباہ و برباد کردیا اور اپنے گھر کو بچالیا تو حضرت عبدالمطلب نے ان الفاظ سے اپنے رب کی حمد کی اور اس کا شکر ادا کیا:

اَنْتَ مَنَعْتَ الْحَبْشَ وَالْاَفْيَالَا وَقَدْ رَعَوْا بِمَكَّةَ اَجْبَالَا
وَقَدْ خَشِيْنَا مِنْهُمُ الْقِتَالَا وَكُلُّ اَمْرٍ لَّهُمْ مِعْضَالَا
شُكْرًا وَّحَمْدًا لَّكَ يَا ذَا الْجَلَالَا (2)

ترجمہ: تو نے حبشی لشکر اور ہاتھیوں سے ہماری حفاظت کی اور وہ کافی دن مکہ کے پہاڑوں میں اپنے جانوروں کو چراتے رہے۔ ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ وہ ہم سے برسرپیکار ہوں گے۔ اے خاوند ذوالجلال ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور ہم تیری ثنا کرتے ہیں۔

جیسے آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ بنی خثعم کے سردار نفیل بن حبیب کو ابرہہ اپنے ہمراہ لایا تھا تاکہ وہ بلاد حجاز کے راستوں سے اسے آگاہ کرے۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا تو وہ وہاں سے کھسک کر اہل مکہ سے جا ملا جو پہاڑ کی چوٹی پر فروکش تھے۔ اس نے جب پرندوں کو سنگباری کرتے ہوئے اور ابرہہ کے لشکر کو تباہ و برباد کرتے ہوئے دیکھا تو وہ کہنے لگا:

وَدِيْنَةُ لَوْ رَاَيْتِ وَلَاتَرَيْهِ لَدٰى جَنْبِ الْمُحَصَّبِ مَا رَأَيْنَا

اے ودینہ (اس کی بیوی کا نام) کاش تو اس منظر کو دیکھتی جو ہم نے وادی محصب کے قریب دیکھا تھا۔

اِذًا لَعَذَرْتِنِىْ وَ حَمِدْتِ اَمْرِىْ وَلَمْ تَأْسِىْ عَلٰى مَافَاتَ بَيْنَنَا

تب تو مجھے معذور سمجھتی اور میرے کارنامہ کی تعریف کرتی اور جو چیز فوت ہوگئی ہے اس پر تو افسوس نہ کرتی۔

1۔ مقالات سرسید، ج 11، ص 611

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 236، تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 196

حَمِدْتُ اللهَ اِذْ اَبْصَرْتُ طَيْرًا وَ خِفْتُ حِجَارَةً تُلْقٰى عَلَيْنَا

جب میں نے پرندوں کے جھنڈ کو دیکھا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور جب پتھر برسنے لگے تو میں خوفزدہ ہوگیا۔

فَكُلُّ الْقَوْمِ تَسْئَلُ عَنْ نُّفَيْلٍ كَاَنَّ عَلَيَّ لِلْحَبْشَانِ دَيْنًا (1)

ابرہہ کی فوج کا ہر سپاہی پوچھتا تھا کہ نفیل کہاں ہے تاکہ وہ ہمیں یہاں سے بھاگ جانے کا راستہ دکھائے۔ وہ میرے بارے میں یوں استفسار کر رہے تھے گویا ان حبشیوں کا کوئی قرض میرے ذمہ واجب الادا تھا۔

ان اشعار سے بھی ہمارے تجدد پسند مفسرین کے مفروضے کی تکذیب ہوتی ہے۔

اس واقعہ کا ایک خوش آئند اثر یہ ہوا کہ مشرکین عرب کا اعتماد ان بتوں سے اٹھ گیا اور تمام اللہ رب العزت کی بارگاہ بے کس پناہ میں اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے بڑی عاجزی سے فریاد کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ یہ اثر ان پر سات سال تک باقی رہا اور وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے رہے

اس سورت سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے اہل مکہ! تم میرے حبیب کی دعوتِ توحید کو بڑی بے رحمی سے ٹھکرا رہے ہو اور ان بتوں کی الوہیت کے نظریے سے دست بردار ہونے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں ہو۔ تمہیں عام الفیل کا وہ واقعہ بھول گیا، اس روز تمہیں اس لشکر جرار سے کس نے نجات دی تھی۔ کس نے عالم غیب سے پرندوں کے جھنڈ بھیجے تھے؟ کس کے حکم سے ان پرندوں نے سنگباری کر کے تمہارے دشمن کو تہس نہس کر دیا تھا؟ اس نے تمہارا ابھی بال بیکا نہ ہونے دیا اور اس گھر کی بھی حفاظت فرمائی جس سے تمہاری عظمتیں اور عزتیں وابستہ ہیں۔

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ
وَالْجَبْرُوْتِ لَاغَالِبَ اِلَّا اَنْتَ۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ
اَللّٰهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ عِزًّا وَّ شَرَفًا وَّصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى رَسُوْلِكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَهٗ بِالْهُدٰى
وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 235

تعارف سُورۂ قریش

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ پاک کا نام قریش ہے۔ یہ کلمہ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کا ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد سترہ اور حروف کی تعداد تہتر ہے۔

زمانۂ نزول: اگرچہ ضحاک اور کلبی کی رائے میں یہ سورت مدنی ہے لیکن جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں سورۃ الفیل کے بعد جلد ہی ہوا (1)۔ مضمون کی یگانگت اور کلمات کا باہمی تعلق بھی اسی قول کی تائید کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے انہیں دو علیحدہ علیحدہ سورتوں کے بجائے ایک سورت ہی شمار کیا ہے۔ لیکن حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم کے جو نسخے کتابت کرائے تھے ان میں ان دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ مرقوم ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ دو الگ الگ سورتیں ہیں۔

مضامین: اس میں قریش پر اپنے عظیم احسانات کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے اور ان احسانات کو یاد دلانے کے بعد انہیں اپنے رب کریم کی عبادت کی دعوت دی جارہی ہے۔

قریش، عرب کا ایک مشہور اور معزز ترین قبیلہ ہے۔ اس کا اطلاق نضر کی اولاد پر ہوتا ہے جس کا نسب نامہ یہ ہے: نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ بعض علماء کے نزدیک نضر کے پوتے فہر بن مالک کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے بھی اسی قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: اِنَّا وُلۡدُ نَضۡرِ بۡنِ کَنَانَۃَ لَا نَقۡفُوۡ اُمَّنَا وَلَا نَنۡتَفِیۡ مِنۡ اَبِیۡنَا (قرطبی) (2) یعنی ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں نہ ہم اپنی ماؤں کو متہم کرتے ہیں اور نہ اپنے باپوں سے اپنے نسب کی نفی کرتے ہیں۔ یعنی ہمیں اپنی ماؤں کی عفت، پاکی، اپنے باپوں کی شرافت و بزرگی دونوں پر ناز ہے۔ دوسرا ارشاد ہے: واثلہ بن اسقع راوی ہیں: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی کَنَانَۃَ مِنۡ وُّلۡدِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاصۡطَفٰی مِنۡ بَنِیۡ کَنَانَۃَ قُرَیۡشًا وَاصۡطَفٰی مِنۡ قُرَیۡشٍ بَنِیۡ ہَاشِمٍ وَاصۡطَفَانِیۡ مِنۡ بَنِیۡ ہَاشِمٍ۔ (3)

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل سے کنانہ کو چُنا اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو۔

ان احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ کنانہ کے بیٹے نضر کی اولاد قریش کہلائی۔

1۔ تفسیر قرطبی، جز20، ص200 2۔ ایضاً، ص202 3۔ ایضاً، ص203

کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد کا شمار قریش میں نہیں ہوتا۔

وجہ تسمیہ: قبیلہ قریش کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس کے بارے میں متعدد اقوال منقول ہیں۔

(۱) یہ تقرش سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی التجمع والالتئام: کسی کا منتشر و متفرق ہو جانے کے بعد اکٹھا اور مجتمع ہو جانا۔ قریش کا قبیلہ پہلے سارے عرب میں منتشر تھا۔ قصّی بن کلاب نے انہیں مکہ مکرمہ میں یکجا کیا اور حرم کے پڑوس میں آباد کیا۔ شاعر کہتا ہے:

اَبُوْنَا قُصَیٌّ کَانَ یُدْعٰی مُجَمِّعًا بِہٖ یَجْمَعُ اللہُ الْقَبَائِلَ مِنْ فِھْرِ (1)

ہمارا باپ قصی ہے جسے مجمع کہا جاتا ہے فہر کی اولاد کے قبائل کو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ جمع کیا۔

(۲) یہ تقرش سے ماخوذ ہے جس کا معنی تکسّب ہے (2)۔ کیونکہ قریش تجارت پیشہ تھے اور اس طرح اپنا رزق خود کمایا کرتے تھے، اس لیے انہیں قریش کہا گیا۔

(۳) قرش کا ایک اور معنی تفتیش اور تلاش ہے۔ اس قبیلہ کا یہ شیوہ تھا کہ حاجیوں کی ضروریات و مشکلات کے بارے میں تجسس کیا کرتے تھے اور جب انہیں پتہ چلتا تو ان ضروریات کو پورا کرنے اور ان مشکلات کو دور کرنے کی حتی الامکان سعی بلیغ کرتے، اس لیے ان کو قریش کہا گیا۔ (3)

(۴) یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا: لَدَابَّۃٌ فِی الْبَحْرِ مِنْ اَقْوٰی دَوَابِّہٖ یُقَالُ لَھَا الْقِرْشُ تَاْکُلُ وَلَا تُؤْکَلُ وَ تَعْلُوْ وَلَا تُعْلٰی (4): سمندری جانوروں میں سے ایک بڑے طاقتور جانور کو قرش کہتے ہیں جو دوسرے جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے لیکن اس کو کوئی نہیں کھا سکتا تھا۔ مقابلہ میں وہ ہمیشہ غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں: عبد مناف کے چار فرزند تھے۔ ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل چاروں بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ہر ایک نے اپنے پڑوسی بادشاہوں میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے اور انہوں نے ان کو یہ مراعات دی تھیں کہ یہ لوگ ان کے ملکوں میں ہر طرح کی تجارت اور کاروبار کر سکتے ہیں اور جس شخص کے پاس ان کا دیا ہوا امان نامہ ہوگا اسے بھی یہ رعایت حاصل تھی۔ ہاشم کے تعلقات شام کے بادشاہ سے تھے۔ عبد شمس نے حبشہ، مطلب نے یمن، نوفل نے فارس کے بادشاہوں سے اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے مراعات حاصل کر لی تھیں۔

قریش نے تجارت کے پیشہ کو کن حالات میں اختیار کیا اس کے بارے میں بھی علامہ قرطبی نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔ قصی نے قریش کو حرم کعبہ کے پڑوس میں لا کر آباد تو کر دیا لیکن یہاں کھیتی باڑی کا کوئی امکان نہ تھا۔ نہ پانی دستیاب تھا اور نہ زمین قابل کاشت تھی۔ ان کی معیشت کا سارا انحصار ان نذرانوں اور خدمات پر تھا جو ایام حج میں جزیرۂ عرب کے گوشہ گوشہ سے آنے والے حاجی پیش کیا کرتے تھے۔ جب قریش کا کوئی خاندان مفلس اور کنگال ہو جاتا اور فاقہ کشی کی نوبت پہنچتی تو اس کے افراد ایک مقررہ جگہ پر چلے جاتے، وہاں ایک خیمہ نصب کر لیتے اور اس کے اندر داخل ہو جاتے یہاں تک کہ موت انہیں اپنے

1۔ تفسیر قرطبی، جز20، ص202 2۔ ایضاً، ص203 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

آغوش میں چھپا لیتی۔

عبد مناف کا بلند اقبال فرزند جن کا نام عمرو تھا اور جو ہاشم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام اسد تھا۔ بنی مخزوم کے قبیلہ کے ایک لڑکے سے اسد کا دوستانہ تھا۔ اس کے خاندان کو جب بھوک نے اپنے نرغہ میں لے لیا اور انہوں نے حسب دستور فیصلہ کیا کہ کل وہ مقررہ جگہ پر خیمہ نصب کر کے اس میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ موت ان کا قصہ تمام کر دے۔ اپنے دوست کی یہ بات سن کر اسد کو بہت صدمہ پہنچا۔ وہ روتا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ماں نے اسد کو اس کے مخزومی دوست کے خاندان کے لیے چربی اور آٹا کی وافر مقدار دی۔ چنانچہ چند روز کے بعد جب وہ راشن ختم ہو گیا اور نوبت فاقہ کشی پر آ پہنچی۔ اس نے اپنے دوست اسد کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اسد روتا ہوا اس دفعہ اپنے باپ عمرو (ہاشم) کے پاس آیا اور ساری داستان بیان کی۔ عمرو کو یہ سن کر از حد قلق ہوا۔ انہوں نے اپنے قبیلہ کا اجلاسِ عام طلب کیا اور تقریر کرتے ہوئے کہا کہ تم نے ایک ایسا طریقہ اختیار کر لیا ہے جس سے تمہاری تعداد گھٹتی چلی جا رہی ہے اور دوسرے عرب قبائل کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم کمزور اور ذلیل ہو جاؤ گے اور دوسرے قبائل تم پر غلبہ پا لیں گے حالانکہ تم اللہ کے حرم کے باشندے ہو اور اولادِ آدم میں سب سے زیادہ معزز و محترم ہو، باقی تمام لوگ تمہارے پیروکار ہیں۔ یہ موت کے خیمہ میں داخلہ کی رسم تمہیں فنا کر کے رکھ دے گی۔ سامعین نے کہا آپ حکم دیں، ہم آپ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ ہاشم نے کہا پہلے اسد کے دوست کے والدین کو اس ہلاکت سے چھڑائیے۔ چنانچہ اسی وقت ان کے لیے خورونوش کا اہتمام کر دیا گیا۔ پھر ہاشم نے خود اونٹ بھیڑ بکریاں ذبح کیں۔ ان کے شوربے میں روٹی کو تر کر کے ثرید بنائی اور لوگوں کو خوب کھانا کھلایا اسی وجہ سے عمرو کا لقب ہاشم مشہور ہوا۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

عَمْرُو الَّذِیْ هَشَمَ الثَّرِیْدَ لِقَوْمِهٖ   وَرِجَالُ مَکَّةَ مُسْنَتُوْنَ عِجَافُ (1)

یعنی عمرو وہ ہے جس نے اپنی قوم کی ضیافت کے لیے شوربہ میں روٹی کو بھگویا، حالانکہ مکہ کے دوسرے لوگ بری طرح قحط کا شکار تھے اور مسلسل فاقوں سے لاغر و کمزور ہو گئے تھے۔

اس کے بعد ہاشم نے اپنے قبیلہ کے ہر خاندان کو تجارت کرنے کی ترغیب دی۔ ہر خاندان سال میں دو تجارتی سفر اختیار کیا کرتا۔ سردیوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف ان کے قافلے بحر احمر کی مشرقی بندرگاہوں سے مشرقی ممالک کا آیا ہوا مال اٹھاتے اور اسے شام اور مصر تک پہنچاتے۔ پھر اسی طرح شام سے مال اٹھاتے اور یمن کی بندرگاہوں پر پہنچاتے۔

اس کاروبار اور تجارت سے انہیں جتنا نفع حاصل ہوتا وہ امیر غریب آپس میں برابر تقسیم کر لیتے۔ اس طرح تجارت، اس کے نفع کی مساویانہ تقسیم سے چند سالوں میں سارے قریش کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ یہاں تک کہ دولت و ثروت میں عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کا ہمسر نہ تھا۔ اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

وَالْخَالِطُوْنَ فَقِیْرَهُمْ بِغَنِیِّهِمْ   حَتّٰی یَصِیْرَ فَقِیْرُهُمْ کَالْکَافِیْ (2)

یعنی ہم (قریش) وہ لوگ ہیں کہ غریب کو امیر کے ساتھ حصہ دار بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ فقیر بھی کسی کا محتاج نہیں رہتا۔

وہ اسی حالت میں تھے کہ اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا۔

1۔ تفسیر قرطبی، جز 20، ص 205   2۔ ایضاً

مقصد: مکہ کے معزز قبیلہ قریش کو اپنے احسانات کی یاد دلائی جا رہی ہے۔ پھر انہیں یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اس خانہ کعبہ پر ابرہہ نے حملہ کیا تو اس کی حفاظت تمہارے ان بتوں نے نہیں کی بلکہ رب العالمین نے پرندوں کی ایک ٹکڑی بھیج کر ابرہہ کے لشکرِ جرار کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور اس گھر کی حفاظت فرمائی۔

تجارت کا راستہ کھول کر تمہارے لیے خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان بھی اللہ تعالیٰ نے فراہم کیا۔ لوگوں کے دلوں میں تمہارا اس قدر احترام پیدا کر دیا جس کے باعث تم بڑے امن و سکون سے جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ تمہارے کاروانِ تجارت کی طرف کوئی للچائی ہوئی نظر نہیں اٹھا سکتا۔ جس نے تمہیں ان انعامات سے بہرہ ور فرمایا ہے وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

سُورَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورۃ القریش مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں چار آیات ہیں

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ ②

اس لیے کہ اللہ نے قریش کے دلوں میں الفت پیدا کردی ۱؎ الفت تجارتی سفر کی جاڑے اور گرمی (کے موسم) میں ۲؎

۱؎ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش پر گوناگوں، بے شمار احسانات فرمائے ہیں، انہیں چاہیے تھا کہ وہ اس کے شکر گزار بندے بنتے، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتے، بڑے ذوق وشوق سے اس کی عبادت وبندگی میں مصروف رہتے۔ اگر دوسرے احسانات انہیں یاد نہیں رہے اور ان کا شکریہ ادا کرنے کا احساس ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوا تو وہ اس احسان کو تو فراموش نہ کرتے کہ اس وادی غیر ذی ذرع میں، اس لق ودق صحرا میں جہاں غذائی اجناس کے پیدا ہونے کا احتمال تک نہیں، سامانِ زیست اور ضروریاتِ زندگی کا کلیۃً فقدان ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رزق رسانی کا بھی انتظام فرما دیا کہ ان کے دلوں میں تجارت کی الفت پیدا فرما دی۔ جاڑے اور گرمی کے موسموں میں یہ الگ الگ علاقوں میں کاروبار کرنے کے لیے جاتے ہیں اور انہیں کوئی نہیں روکتا۔ رہتے یہ صحراء میں ہیں، اس کے باوجود دنیا بھر کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ مکہ کے بازاروں میں اشیائے خوردنی کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ تازہ پھلوں سے ان کی دکانیں بھری ہوتی ہیں، تو انہیں چاہیے تھا کہ اس گھر کے رب کی عبادت کو اپنا شعار بنا لیتے اور کسی غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ لِاِيْلٰفِ پر جو لام ہے وہ اجلیہ تعلیلیہ ہے اور اس کا متعلق فَلْيَعْبُدُوْا ہے (1)۔ علامہ قرطبی نے بھی اسی توجیہہ کو پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں اَیْ فَلْيَعْبُدُوْا هٰؤُلَاءِ رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ لِاِيْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ لِلْاِمْتِيَارِ (قرطبی) (2) یعنی انہیں چاہیے کہ اس گھر کے پروردگار کی عبادت کریں کیونکہ کسبِ معاش کے لیے اسی نے ان کے دلوں میں سردی اور گرمی کے تجارتی سفروں کی الفت ومحبت پیدا کی۔

۲؎ جس طرح تفصیل سے سورت کے تعارف میں بیان کیا جا چکا ہے، قریش تجارت پیشہ تھے۔ وہ سردی کے موسم میں جزیرۂ عرب کے جنوبی صوبہ یمن کی بندرگاہوں میں پہنچتے۔ یہاں سے ہندوستان اور جنوبی ایشیا کے دوسرے ممالک کی مصنوعات وغیرہ موجود ہوتیں، انہیں خریدتے اور اونٹوں پر لاد کر رومی مملکت کے علاقے شام میں لے جا کر فروخت کرتے۔ اسی طرح گرمی کے موسم میں شام وفلسطین کے ٹھنڈے اور خنک علاقوں میں جاتے۔ وہاں سے مغربی دنیا کی درآمدات ومصنوعات خرید کر یمن میں لے جا کر فروخت کرتے۔ جو خرید وفروخت کی سکت نہیں رکھتے تھے وہ بار برداری میں کافی اجرت کما لیتے۔ یمن اور شام کے درمیان ایک وسیع صحرا ہے۔ یہ لوگ ہی اس کے نشیب وفراز سے واقف تھے۔ اس کو طے کرنے کا حوصلہ بھی انہی کو تھا۔ اس زمانے میں عرب میں کوئی متمدن حکومت نہ تھی۔ افراتفری کا دور دورہ تھا۔ تجارتی قافلوں کو قدم قدم پر صحرائی بدوؤں اور رہزنوں

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 201

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 201

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ

پس چاہیے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی ۳ جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی ۴

وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ؑ﴿۴﴾

۱ ع۴ ۳۱

اور امن عطا فرمایا انہیں (فتنہ و) خوف سے ۵

سے واسطہ پڑتا تھا۔ لیکن قریش مکہ ان تمام خطرات اور راہزنی کی وارداتوں سے محفوظ تھے۔ عرب کا کوئی باشندہ ان کے قافلے کی طرف للچائی ہوئی نظر سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اور نہ ان پر دست درازی کی کسی میں ہمت تھی۔ یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان تھا کہ اپنے گھر کی برکت سے جزیرۂ عرب کے تمام باشندوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے قریش کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ (1)

۳ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی رزق رسانی کا ایسا باعزت انتظام فرما دیا ہے تو انہیں چاہیے کہ اب اسی ذات کی عبادت کریں جو اس کعبہ کا مالک ہے، جس نے ابھی چند سال پہلے ابرہہ کی یلغار سے اس کی حفاظت کی اور حملہ آوروں کو ایسی عبرت ناک سزا دی کہ اب آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کر سکے گا۔

۴ یہاں مِنْ بمعنی بَعْدَ ہے (2)۔ یعنی کافی عرصہ ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ رہی۔ بارہا فاقہ کشی کی نوبت بھی آ جاتی، لیکن اس نے اپنی حکمت سے ان کے دلوں میں کاروبار کی رغبت پیدا کر کے ان کو خوشحال بنا دیا۔

۵ جزیرۂ عرب میں ہر طرف بدامنی کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ فتنہ و فساد کی آگ لگی ہوئی تھی۔ عام شاہراہوں پر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہتا۔ کسی مسافر کا سلامتی سے واپس گھر پہنچنا ایک عجوبہ تصور کیا جاتا۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ خوفزدہ رہتا۔ شہروں اور دیہات میں بھی ہر وقت قزاقوں کے آدھمکنے کا دھڑکا لگا رہتا لیکن قریش کعبہ مشرّفہ کی برکت سے جہاں جاتے ان کی عزت کی جاتی۔ ان پر دست درازی کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام پیدا کیا تھا اور اس کی محض یہ وجہ تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے خادم ہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى حَبِيْبِكَ الْمُكَرَّمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 348۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 553۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 513

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 209

تعارف

سُورۃ الماعون

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کی آخری آیت میں الماعون کا کلمہ مستعمل ہے۔ یہ ہی اس سورت کا عنوان ہے۔ اس کی سات آیتیں اور ایک رکوع ہے۔ یہ پچیس کلمات اور ایک سو پچیس حروف پر مشتمل ہے۔

نزول: عطا اور جابر کے نزدیک یہ مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول بھی یہی ہے، لیکن جمہور نے اسے مکی سورتوں میں شمار کیا ہے۔(1)

مضامین: اس سورت میں ان لوگوں کے اخلاق و کردار کی تصویر کشی کی گئی ہے جو روز جزا پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس فانی زندگی کو ہی انسانی زندگی خیال کرتے ہیں اور اسی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ اور معزز بنانے کی دھن میں مگن رہتے ہیں۔ خود سوچیے جو معاشرہ در پر آنے والے خستہ حال یتیموں کو دھکے دے کر اپنے ہاں سے نکال دیتا ہے۔ جو غریب فاقہ کشوں پر نہ خود رحم کھاتا ہے اور نہ دوسرے لوگوں کو ان کی اعانت کی ترغیب دیتا ہے۔ از خود تو اس سے انسانی ہمدردی کے جذبہ کا اظہار نہیں ہوتا، لیکن اگر کوئی چارونا چار اس سے بھلائی صادر ہو جاتی ہے تو پھر ریا و نمود سے اس کو غارت کر دیتا ہے۔ نیکی کی توفیق سے وہ اس قدر محروم ہے کہ کسی کے لیے کوئی بڑا ایثار تو رہا ایک طرف اس سے تو معمولی نیکی بھی سرزد نہیں ہوتی۔ وہ روزمرہ کے استعمال میں لائی جانے والی چیزیں بھی اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کو استعمال کے لیے نہیں دیتا۔ جس شخص کا کردار یہ ہو اس سے زیادہ بدبخت کون ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کا ہم پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ذلت و رسوائی اور خست کے اس گڑھے سے نکلنے اور بلندیوں پر آشیاں بند ہونے کا درس دیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، ج 20، ص 210

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ الماعون مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں سات آیات ہیں

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ط ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ لا ﴿۲﴾

کیا آپ نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے (روزِ) جزا کو [۱] پس یہی وہ (بدبخت) ہے جو دھکے دے کر نکالتا ہے یتیم کو [۲]

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ط ﴿۳﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ لا ﴿۴﴾

اور نہ ہی برانگیختہ کرتا ہے (دوسروں کو) [۳] کہ غریب کو کھانا کھلائیں [۴] پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے

[۱] استفہام اظہارِ تعجب کے لیے ہے۔ رَأَیْتَ سے آنکھوں سے دیکھنا بھی مراد ہو سکتا ہے اور کسی کو جاننے اور پہچاننے کے لیے بھی یہ مستعمل ہوتا ہے۔(1)

اَلدِّیْن کے دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ الدین سے مراد دین اسلام ہو۔ یعنی کیا تم اس احمق کے حالات کو جانتے ہو جو اس دینِ حق کی تکذیب کرتا ہے اور اگر دین سے مراد روزِ جزا ہو تو پھر معنی ہو گا کہ جو نادان روز جزا پر ایمان نہیں رکھتا کیا تم نے اس کی اخلاقی پستی کا اندازہ لگایا ہے۔(2)

[۲] یہاں فا جزائیہ ہے۔ جملہ شرطیہ محذوف ہے۔ یہ عبارت اس کی جزا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ هَلْ عَرَفْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالْجَزَاءِ اَوْ بِالْاِسْلَامِ اِنْ لَّمْ تَعْرِفْهُ فَذٰلِكَ الَّذِیْ (3)۔ یعنی جو روزِ جزا یا دین اسلام کا منکر ہے۔ اگر تم اس کی حالت کو جانتے ہو تو فبہا اور اگر نہیں جانتے تو اب جان لو کہ اس کی اخلاقی پستی کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی یتیم اس کے ہاں رحمت و شفقت کا خواستگار بن کر آتا ہے تو اس کو اس کی خستہ حالی پر ذرا ترس نہیں آتا۔ اس کی بے کسی کو دیکھ کر اس کا دل نہیں پسیجتا بلکہ قہر آلود اور حقارت آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور دھکے دے کر اس کو اپنے ہاں سے نکال دیتا ہے۔ دَعٌّ بمعنی اَلدَّفْعُ ہے یعنی دھکے دے کر نکالنا۔ اس کا دوسرا معنی کسی کو کسی کے حق سے محروم کر دینا ہے۔ اَیْ یَدْفَعُهٗ عَنْ حَقِّهٖ (قتادہ) یُقْهِرُهٗ وَیَظْلِمُهٗ (قرطبی)(4) یتیم کے ساتھ ان کے اس سنگدلانہ برتاؤ کی کیا وجہ ہے؟

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہیں اس سنگدلی پر معاشرہ کی طرف سے کسی ردعمل کا کوئی اندیشہ نہیں۔ انہیں یقین ہے کہ یتیم بچوں سے ان کا حق چھین لینے کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہ ہو گی اور نہ ان سنگدلانہ حرکتوں کے باعث ان کی ساکھ میں کمی واقع ہو گی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت پر انہیں یقین نہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس یتیم کے ساتھ کوئی احسان کیا تو یہ بے آسرا، بے سہارا، کمسن بچہ انہیں اس کا کیا معاوضہ دے گا۔ جہاں دس خرچ کر کے سو ملنے کی امید نہ ہو وہاں اپنا مال خرچ کرنا پرلے درجے کی بیوقوفی خیال کرتے ہیں۔ اگر انہیں قیامت پر یقین ہوتا تو وہ اس امید پر اس بچے کے ساتھ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص349

2۔ ایضاً

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز30، ص242

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص211

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ۝۵ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ۝۶

جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں ۵ وہ جو ریاکاری کرتے ہیں ۶

احسان و مروت کا سلوک کرتے کہ اگرچہ یہاں تو مجھے اس کا کوئی معاوضہ نہیں ملے گا لیکن جب قیامت برپا ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس کو اس کا بڑا فیاضانہ بدلہ ملے گا۔

ف۳ قیامت پر ایمان نہ رکھنے والے انسانی ہمدردی کے جذبے سے کس قدر بے بہرہ ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ خود تو ان یتیموں کی کچھ امداد نہ کر سکے۔ گنجائش نہ تھی یا بخل نے ہاتھ پکڑ لیے، لیکن دوسرے لوگوں کو تو ان مفلوک الحال لوگوں کی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کی ترغیب دے سکتے تھے۔ وہ بدنصیب اس سے بھی قاصر رہے۔ کوئی غریب ان کے نزدیک امداد و اعانت کا مستحق نہیں۔ انہوں نے ایک خود ساختہ ضابطہ بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ (1) یعنی اگر اس غریب کو فارغ البال کرنا مناسب ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کس چیز کی کمی تھی۔ وہ خود اس کو ضروریات زندگی مہیا فرما دیتا۔ جب اس نے اسے مفلس و کنگال رہنے دیا ہے تو ہم ایسے گستاخ کیوں بنیں کہ ایسے شخص کی امداد کر کے مشیت خداوندی کا مقابلہ کریں۔

ان آیات میں غور فرمایئے، آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب معاشرہ کے بے سہارا اور ضرورت مند افراد کی امداد اور ان کو ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کو کتنی اہمیت دیتی ہے۔ جو لوگ اسلامی تعلیمات کے اس پہلو کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے وہ کتنے کوتاہ نظر ہیں اور ان کے رویہ میں کتنی سنگدلی اور کمینگی پائی جاتی ہے۔

ف۴ اس کا مفہوم راغب نے اِطْعَامِ الْمِسْكِيْنِ بتایا ہے (2)۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔ لیکن دوسرے علماء نے طعام سے مراد غذا ہی لی ہے (3)۔ اگرچہ وہ غذا اس شخص کی ملکیت ہے جس نے اس کو پکایا ہے اور جو اپنے ہاتھوں سے غریبوں کو دے رہا ہے۔ لیکن یہاں اس کی اضافت المسکین کی طرف کر کے یہ بتا دیا کہ یہ غذا اس مسکین کا حق ہے۔ گویا یہ دینے والے کی ملکیت نہیں بلکہ لینے والا اس کا مالک ہے۔ دینے والا دے کر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اسی کی چیز اسی کو دے رہا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں بِاَنَّ الْمِسْكِيْنَ كَاَنَّهٗ مَالِكٌ لِّمَا يُعْطٰى لَهٗ وَفِيْهِ اِشَارَةٌ لِّلنَّهْيِ عَنِ الْاِمْتِنَانِ (روح المعانی) (4)

ف۵ کھلے بندوں جو آخرت کا انکار کرتے تھے ان کا حال تو آپ نے سنا، اب ذرا ان منافقین کا حال بھی سنیے جنہوں نے بظاہر تو اپنے آپ کو مسلمانوں کے زمرے میں شامل کر رکھا ہے، لیکن ان کے دلوں میں قیامت پر ایمان نہیں۔ اس لیے نماز کے بارے میں بڑی غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ سَاهُوْنَ: غَافِلُوْنَ (5) یعنی نماز کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ نماز ادا ہو گئی تو ہو گئی، نہ ہوئی تو انہیں ذرا دکھ نہیں۔ اگر نماز پڑھتے ہیں تو کسی ثواب کے امیدوار نہیں ہوتے اور اگر نہیں پڑھتے تو کسی عذاب کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اگر لوگوں میں گھر گئے تو نماز پڑھ لی، تنہا ہوئے تو ہضم کر گئے یا نماز پڑھتے تو ہیں، لیکن صحیح وقت پر ادا نہیں کرتے۔ یونہی بیٹھے گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور جب وقت ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے تو تیزی سے اٹھتے ہیں، اور تین چار ٹھونگے مار کر فارغ ہو جاتے ہیں یا نماز میں جس خشوع و خضوع کی ضرورت ہے اس کی انہیں ہوا تک نہیں لگی ہوتی۔ کھڑے تو نماز میں

1۔ سورۂ یٰس: 47 2۔ مفرداتِ راغب، ص 519 3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 242 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ۝۷ ع

ع ١ ٧ ٢٢

اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز ے

ہوتے ہیں، لیکن دل افکارِ غیر سے پُر ہوتے ہیں۔ عبادت و ذکرِ الٰہی کی لذت سے کبھی سرشار نہیں ہوتے۔ غفلت کی یہ سب قسمیں ہیں۔ سچے مومن کو چاہیے کہ ان تمام سے پرہیز کی پوری پوری کوشش کرے۔ عطا نے بڑی پیاری بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ قَالَ عَنۡ صَلٰوتِهِمۡ وَلَمۡ يَقُلۡ فِیۡ صَلٰوتِهِمۡ (1)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ فرمایا فِیۡ صَلٰوتِهِمۡ نہیں فرمایا ورنہ شاید ہی کوئی نمازی اس ویل سے محفوظ رہتا۔ ہر مسلمان کو اثنائے نماز میں سہو و نسیان سے کبھی نہ کبھی سابقہ پڑتا رہتا ہے، اس کی تلافی کے لیے سجدۂ سہو کا حکم دیا گیا۔

٦ نماز کے معاملہ میں غافل ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ریاکار بھی ہیں۔ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں کرتے۔ خلوص نیت سے یکسر محروم ہیں۔ جو نیکی کرتے ہیں اس خیال سے کرتے ہیں کہ لوگ انہیں نیک کہیں گے۔ ان کی عبادتوں کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت پیدا ہو جائے گی۔ انہیں شہرت و ناموری حاصل ہو گی اور اسی طرح وہ دنیوی منفعتیں اور مفادات آسانی سے حاصل کر سکیں گے۔

٧ ماعون کے متعدد معانی بتائے گئے ہیں۔ حضرات سیدنا علی، ابن عباس، محمد بن حنفیہ کی رائے میں ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے، لیکن علمائے تفسیر کی کثیر جماعت نے اس کا معنی روزمرہ استعمال کی چیزیں بتایا ہے جو ہر پڑوسی بوقتِ ضرورت اپنے پڑوسی سے عاریۃً لے لیتا ہے اور اپنی ضرورت پوری کر کے مالک کو واپس کر دیتا ہے جیسے ہنڈیا، ڈول، کلہاڑا، چقماق وغیرہ وغیرہ۔ (2)

منکرینِ قیامت کی اخلاقی پستی، منافقین کی عبادات سے کلیۃً بے اعتنائی، اس پر ریاکاری اور اپنے ہمسائیوں، عزیز دوستوں، قریبی رشتہ داروں سے عام ضرورت کی چیزوں کو روکنے کی قبیح عادت کا ذکر کر کے مسلمانوں کو ان سے اجتناب کی تلقین کی۔ بتایا یہ خصلتیں ان لوگوں کی ہیں جو دین کو نہیں مانتے۔ جن کے دلوں میں نفاق کی غلاظت ہے۔ تم تو قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور قرآن کریم کے کلامِ الٰہی ہونے پر یقین رکھتے ہو۔ تمہیں تو اپنے دامن کو ان آلائشوں سے ہرگز آلودہ نہ ہونے دینا چاہیے۔ ورنہ تم میں اور ان لوگوں میں وجہ امتیاز کیا رہے گا، خط فاصل کہاں کھینچا جائے گا۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ۖ اِنِّیۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۟
اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ۔
یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمۡ عَلٰی مَنۡ خُلُقُهٗ عَظِیۡمٌ وَاُسۡوَتُهٗ حَسَنَةٌ وَ شَمَائِلُهٗ سَنِیَّةٌ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ
اَصۡحَابِهٖ وَ مُحِبِّیۡهِ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ۔

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 212

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 242

تعارف سُورۃ الکوثر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ طیبہ کا نام الکوثر ہے، جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے دس کلمات اور چالیس حروف ہیں۔

نزول: علامہ جلال الدین سیوطی نے اس سورت کے نزول کے بارے میں دو قول لکھے ہیں۔ ایک حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا اور ان کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اچانک نزول وحی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک جھک گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تبسم فرماتے ہوئے اپنے سر کو اٹھایا۔ لوگوں نے تبسم کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابھی مجھ پر یہ سورت نازل فرمائی ہے پھر الکوثر کی تلاوت کی۔ لیکن ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ ان اکابر صحابہ کے قول کو بہر حال حضرت انس کے قول پر ترجیح دی جائے گی۔ اور ان کی اس روایت کی توجیہہ یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ کئی سورتیں ایسی ہیں جن کا نزول متعدد بار ہوا۔ ہوسکتا ہے یہ سورت اس محفل میں کسی خاص حکمت کے پیش نظر دوسری بار نازل کی گئی ہو۔ اس کی تائید حضرت انس کی دوسری روایت سے ہوتی ہے جسے امام مسلم اور ترمذی و دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج جب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک نہر دیکھی۔ اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے نصب تھے میں نے جب اس کے پانی میں ہاتھ مارا تو اس سے خالص کستوری کی مہک اٹھنے لگی۔ اس کے بارے میں جبرئیل سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ھٰذَا الْکَوْثَرُ الَّذِیْ اَعْطَاکَہُ اللّٰہُ۔ یعنی یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ معراج تو مکہ میں ہوئی، اسی رات کو الکوثر کے عطا فرمائے جانے کا مژدہ ملا۔ اس لیے اس کی اطلاع بھی مکہ میں ہی دی گئی ہوگی۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں: اَلْمَشْھُوْرُ بَیْنَ اَھْلِ التَّفَاسِیْرِ وَالْمَغَازِیْ اَنَّ ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ مَکِّیَّۃٌ (درمنثور) یعنی علمائے تفسیر اور مغازی کے نزدیک یہی بات زیادہ مشہور ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اس کا انداز بیان بھی مکی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔(1)

شانِ نزول: ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ ایک صاحبزادے کا نام نامی قاسم اور دوسرے کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔

1۔ درمنثور، ج 6، ص 687

ان کا لقب طیب اور طاہر بھی ہے۔ اعلان نبوت سے پہلے یہاں کے باشندے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا احترام کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کی ذات سے بڑی حسین توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ آپ کی سیرت و کردار سے وہ اتنے متاثر تھے کہ آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر جب قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا کی دعوت دی تو اہل مکہ کے تیور بدل گئے۔ دلوں میں نفرت، حقارت اور عداوت کے جذبات اُمڈ آئے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات سے چڑ ہوگئی۔ ہر وہ حادثہ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاطر عاطر کو دکھ پہنچتا ان کے لیے وہ مسرت و شادمانی کا باعث بنتا، چنانچہ جب دونوں صاحبزادے یکے بعد دیگرے کمسنی میں وفات پا گئے تو ان جانکاہ حادثوں پر اہل مکہ کو ذرا رنج نہ ہوا، بلکہ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور خوشی کے شادیانے بجائے۔ ان کے اعتقادات، ان کے رسم و رواج اور ان کے تمدن و معاشرہ کو اسلام سے جو سنگین قسم کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اس کی شدت میں کمی آ گئی۔ انہوں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بہلانا شروع کر دیا کہ جب ان کی شمع زیست بجھے گی تو ان کا یہ لایا ہوا دین بھی دم توڑ دے گا۔ لڑکا تو کوئی ہے نہیں جو اس سلسلہ کو جاری رکھ سکے۔

ابتر: اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فرزند نہ ہو۔ قریش کے گستاخ یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے محبوب کے حق میں استعمال کرنے لگے تھے۔ ابولہب حقیقی چچا تھا، لیکن بغض و عناد کی یہ حالت تھی کہ جب حضور کے دوسرے صاحبزادے کا انتقال ہوا، تو اس کی خوشی کی حد نہ رہی۔ دوڑا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور ان کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا: بُتِرَ مُحَمَّدٌ اللَّيْلَةَ (1)۔ یعنی آج رات محمد کی نسل منقطع ہوگئی ہے۔ عاص بن وائل بھی کہا کرتا تھا: اِنَّ مُحَمَّدًا اَبْتَرُ لَا ابْنَ لَهٗ يَقُوْمُ مَقَامَهٗ بَعْدَهٗ فَاِذَا مَاتَ انْقَطَعَ ذِكْرُهٗ وَاسْتَرَحْتُمْ مِّنْهُ (2)۔ یعنی محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ابتر ہیں، ان کا کوئی بیٹا نہیں جو ان کی وفات کے بعد ان کا جانشین بنے۔ جب یہ فوت ہو جائیں گے، ان کا ذکر مٹ جائے گا اور اس وقت تمہیں راحت و آرام کا سانس لینا نصیب ہوگا۔

اس قسم کی دلآزاریاں جب تہذیب و شائستگی کی ساری حدود کو توڑ گئیں، ان کے طعن و تشنیع کے تیروں سے صبر کا دامن تار تار ہونے لگا۔ اس وقت اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول پر یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی جس میں انتہائی مختصر اور از حد موثر انداز میں ان بے حد و بے حساب خیرات و برکات کا مژدہ سنایا گیا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مالک بنا دیا تھا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ بتا دیا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے محبوب کا ذکر مٹ جائے گا۔ ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ سن لو! یہ سراسر غلط ہے۔ میرے پیارے رسول کا چشمہ فیض تا ابد جاری رہے گا۔ دنیا اس سے ہمیشہ ہمیشہ سیراب ہوتی رہے گی۔ اہل دل اس کی بارگاہ جمال میں اپنے عقیدت و محبت کے رنگین پھول پیش کرتے رہیں گے۔

ارباب ذوق و شوق بزم عالم کو اس کے ذکر خیر سے آباد رکھیں گے۔ درود و سلام کی روح پرور صدائیں ہر لحظہ گلشن ہستی کے لیے مژدہ بہار سناتی رہیں گی جب تک میری کبریائی کا پرچم فرش و عرش پر لہرا رہا ہے اس وقت تک میرے پیارے رسول کا ذکر ہوتا رہے گا۔ یہ شمع جس کو میں نے خود روشن کیا ہے۔ تند و تیز طوفانوں کے باوجود ہمیشہ نور افشاں رہے گی۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج 4، ص 559، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیۃ، بیروت

2۔ تفسیر کبیر، ج 16، ص 133، مطبوعہ دار الفکر بیروت

فنا تو وہ ہوگا، نام ونشان تو اس کا مٹے گا، جڑ تو اس کی کٹے گی جس کے دل میں میرے نبی کریم کی عداوت ہوگی۔ اسلام کی چودہ صد سالہ تاریخ اس ارشاد خداوندی کی تصدیق وتوثیق کر رہی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا بلکہ ان لوگوں نے خود دیکھا کہ چند سال بعد وہ دل وجان سے اس کے خادم اور پیروکار بن گئے تھے۔ وہ ذات اقدس واطہر جس نے ایک تاریک شب میں مکہ سے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں ہجرت کی تھی۔ جس کا رفیق سفر صدیق اکبر کے بغیر اور کوئی نہ تھا، چند سال بعد وہ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی سمت بڑھا تو مکہ نے اپنے بند دروازے اس کے استقبال کے لیے کھول دیئے اور قریش کے سارے سردار گردنیں جھکائے ہوئے اس کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گئے۔

ایک نکتہ اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ قرآن کریم میں جس جس موقع پر حضور رحمۃ للعالمین کی شان رفیع کا بیان ہوا ہے ان تمام آیات میں ایک بات قدر مشترک ہے وہ یہ کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد اپنے حبیب کی شان بتائی ہے۔ مثلاً سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا۔ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اسی طرح یہاں بھی اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ اس کی حکمت کیا ہے؟ جہاں تک اس ناقص کی فہم نارسا کی رسائی ہے مجھے تو اس میں دو حکمتیں جلوہ کناں نظر آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے اندازہ کمالات کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نہ سمجھنے لگیں۔ بتا دیا کہ یہ کمالات ان کے ذاتی نہیں، بلکہ میں جو رب السموات والارض ہوں، نے انہیں ارزانی فرمائے ہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ کوئی کم نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا انکار نہ کر سکے کیونکہ یہ سب کمالات خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں جو علیم بھی ہے، حکیم بھی ہے اور قدیر بھی ہے، جو کمالات رسالت کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور اس کی صفت جود وعطا کا انکار کرتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعْطٰى نَبِيَّنَا مِنَ الْمَوَاهِبِ السَّنِيَّةِ مَالَا تُحْصٰى وَ الْمَحَامِدِ الْجَلِيْلَةِ مَالَا تُعَدُّ۔

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

سورۃ الکوثر مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں تین آیات ہیں

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ② اِنَّ

بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و بے حساب عطا کیا ۱؎ پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لیے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر) ۲؎

۱؎ حضور رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محامد و کمالات کے ذکر کا جو سلسلہ سورۃ الضحیٰ سے شروع ہوا ہے وہ ابھی جاری ہے۔ ان تمام درمیانی سورتوں میں مختلف عنوانوں سے اللہ تعالیٰ نے ان انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جو اس نے اپنے حبیب لبیب پر یا اس کے طفیل اس کی امت پر فرمائے ہیں۔ اس سورت میں ان تمام عنایات کو اَلْكَوْثَرَ کے ایک کلمہ میں سمو کر رکھ دیا تاکہ چشم حق بیں، حسن محمدی کے ایک ایک جلوے کو دیکھتی رہے اور سرشار ہوتی رہے۔ اس پیکرِ جمیل و رعنا کی رعنائیوں اور دلربائیوں میں کھوئی رہے۔ دل اس حسن سرمدی کی دلنوازیوں پر قربان ہوتا رہے۔ اس کی ایک ایک ادا جان پرور ہے۔ اس کا ایک ایک انداز روح افزا، زبان قدرت جب اپنے حبیب کی شان بیان کرتی ہے وہاں اسلوب ہی بڑا نرالا اختیار کیا جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا اِنَّآ: ہم نے، جمع کی ضمیر استعمال ہوئی۔ جمع کا صیغہ کبھی کثرت اور تعدد پر دلالت کرتا ہے اور کبھی عظمت و شان کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ یہاں یہی مقصد ہے۔ یعنی ہم نے جو زمین و آسمان کے خالق و مالک ہیں، ہم جو عروس گیتی کو سنوارنے اور نکھارنے والے ہیں، ہم جن کے جود و کرم کا وسیع دستر خوان ہر وقت بچھا ہوا ہے اور ہر ایک کے لیے صلائے عام ہے۔ اے حبیب! ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ جو چیز ہم عطا فرمانا چاہیں اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جو چیز ہم عطا فرمائیں اسے کوئی چھین نہیں سکتا۔

یہاں اٰتَيْنَا کے بجائے اَعْطَيْنَا مذکور ہے۔ ان دونوں کے مفہوم میں بیّن فرق ہے۔ اعطی کے لفظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے ابن منظور رقمطراز ہیں:

اَلْاِعْطَاءُ وَالْمُعَاطَاتُ جَمِيْعًا: اَلْمُنَاوَلَةُ وَقَدْ اَعْطَاهُ الشَّيْءَ: وَعَطَوْتُ الشَّيْءَ: تَنَاوَلْتُهٗ بِالْيَدِ یعنی اپنے ہاتھ سے کوئی چیز کسی کے حوالے کر دینا۔ (لسان العرب) (1)

اس تحقیق کی رو سے آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ہم نے اپنے دستِ قدرت سے الکوثر آپ کے حوالے کر دیا، آپ کو اس کا مالک بنا دیا۔ علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں گونا گوں مبالغہ ہے۔ مِنْهَا التَّصْدِيْرُ بِاِنَّ وَ مِنْهَا الْجَمْعُ الْمُفِيْدُ لِلتَّعْظِيْمِ وَ مِنْهَا لَفْظُ الْاِعْطَاءِ دُوْنَ الْاِيْتَاءِ وَ فِي الْاِعْطَاءِ دَلِيْلُ التَّمْلِيْكِ دُوْنَ الْاِيْتَاءِ وَ مِنْهَا صِيْغَةُ الْمَاضِيْ الدَّالَّةُ عَلَى التَّحْقِيْقِ (نیشاپوری) (2)

ترجمہ: اس آیت کی ابتداء اِنَّ سے کی گئی ہے جو تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ضمیر جمع ذکر کی گئی ہے جو تعظیم کا مفہوم دیتی

1۔ لسان العرب، ج 15، ص 69

2۔ حاشیہ نیشاپوری بر تفسیر طبری، ج 30، ص 175

ہے۔ نیز یہاں اعطاء کا لفظ استعمال ہوا ہے ایتاء کا نہیں اور اعطاء میں ملکیت پائی جاتی ہے ایتاء میں یہ معنی نہیں پایا جاتا۔ پھر یہاں ماضی کا صیغہ ذکر کیا جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ کام ہو گیا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: وَفِیْ اِسْنَادِ الْاِعْطَاءِ اِلَیْهِ دُوْنَ الْاِیْتَاءِ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ ذٰلِكَ اِیْتَاءٌ عَلٰی جِهَةِ التَّمْلِیْكِ(1)۔ یہاں اعطاء کا اسناد ضمیر متکلم کی طرف کیا گیا ہے ایتاء کا نہیں۔ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الکوثر کا مالک بنا دیا ہے۔ کیا شانِ جود و سخا ہے دینے والے کی اور کیا مقامِ رفعت و عُلا ہے لینے والے کا۔

اب ذرا ''الکوثر'' کو سمجھنے کی کوشش کیجئے تب آپ کو پتہ چلے گا کہ اس میں فضائل و مکارم کے کتنے سمندر سمو دیئے گئے ہیں۔

(۱) علامہ آلوسی لکھتے ہیں اَلْکَوْثَرُ: هُوَ فَوْعَلٌ مِّنَ الْکَثْرَةِ صِیْغَةُ مُبَالَغَةِ الشَّیْءِ الْکَثِیْرِ کَثْرَةً مُّفْرِطَةً(2)۔ کوثر، کثرت سے ماخوذ ہے۔ اس کا وزن فوعل ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جا سکے۔

(۲) علامہ قرطبی لکھتے ہیں وَالْعَرَبُ تُسَمِّیْ کُلَّ شَیْءٍ کَثِیْرٍ فِی الْعَدَدِ وَالْقَدْرِ وَالْخَطَرِ کَوْثَرًا(3)۔ یعنی جو چیز تعداد میں، قدر و قیمت میں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو اسے کوثر کہتے ہیں۔ یہاں ایک چیز بڑی غور طلب ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ موصوف اور صفت دونوں یکجا مذکور ہوتے ہیں، لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ الکوثر جو صفت ہے وہ مذکور ہے، لیکن اس کا موصوف مذکور نہیں (4)۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ علماء فرماتے ہیں اگر ایک چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کوثر (بے حد و بے حساب) عطا کی ہوتی تو اس کو ذکر کر دیا جاتا۔ اگر چند چیزیں ہوتیں تو ان کے بیان کا تکلف کیا جاتا...... یہاں تو حالت یہ ہے کو جو عطا فرمایا بے حد و بے حساب عطا فرمایا۔ کس کا ذکر کیا جائے اور کس کا نہ کیا جائے۔ اس لیے صفت ذکر کر دی اور موصوف کو قاری کے ذہن پر چھوڑ دیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اے حبیب میں نے آپ کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، وہ بے حد و بے حساب ہیں، علم، حلم، جود و کرم، عفو و درگزر، الغرض جن محامد سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو سرفراز فرمایا وہ ایک سمندر ہے، بے پیدا کنار، جس کی حد کو کوئی پا نہیں سکتا۔

علمائے تفسیر نے الکوثر کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ چند آپ بھی سماعت فرمائیے۔

(۱) کوثر سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس سے جنت کی ساری نہریں نکلتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا فرما دی ہیں۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْکَوْثَرُ نَهْرٌ فِی الْجَنَّةِ حَافَتَاهُ مِنْ ذَهَبٍ وَّ مَجْرَاهُ عَلَی الدُّرِّ وَالْیَاقُوْتِ تُرْبَتُهٗ اَطْیَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَمَاءُهٗ اَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ وَاَبْیَضُ مِنَ الثَّلْجِ۔(5)

ترجمہ: یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں۔ موتیوں اور یاقوت کا فرش بچھا ہوا ہے۔ اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ شفاف ہے۔

(۲) اس حوض کا نام ہے جو میدان حشر میں ہو گا جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے پیاسوں کو سیراب فرمائیں گے، جس کے کناروں پر پیالے، آبخورے اتنی کثرت سے رکھے ہوں گے جتنے آسمان پر ستارے ہیں تا کہ در حبیب پر آ کر کسی

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 246

2۔ ایضاً، ص 245

3۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 216

4۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 246

5۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ الکوثر، ج 2، ص 172

پیاسے کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس حوض کے بارے میں احادیث متواترہ مذکور ہیں اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے۔ وَاِنَّ عَلٰی اَرْکَانِہِ الْاَرْبَعَۃِ خُلَفَاءَہُ الْاَرْبَعَۃَ(1)۔ اس کے چاروں کونوں پر خلفائے اربعہ تشریف فرما ہوں گے۔ جو شخص ان میں سے کسی کے ساتھ بغض کرے گا اسے حوض کوثر سے ایک گھونٹ بھی نہیں ملے گا۔

(۳) النبوۃ(2): انبیاء تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے بھی تشریف لائے، لیکن نبوتِ محمدیہ کے فیوض و برکات کی کثرت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ نبوت کا دامن ساری نوع انسانیت کو سمیٹے ہوئے ہے۔ بلکہ آپ ساری کائنات کے نبی ہیں۔ آپ کا بحر رسالت زمان و مکان کی حدود سے آشنا نہیں۔

(۴) کوثر سے مراد قرآن کریم ہے(3)۔ انبیائے سابقین بھی صحائف اور کتابیں لے کر آئے لیکن جو جامعیت اور ابدیت اس کی تعلیمات میں ہے اس کی نظیر کہاں۔ علوم و معارف کے جو خزینے اس صحیفۂ رشد و ہدایت میں مستور ہیں وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ انسانی زندگی کے ان گنت شعبوں پر جس طرح اس کتاب مبین کا نور ضیا پاشیاں کر رہا ہے وہ کسی بصیرت والے سے مخفی نہیں۔

(۵) اس سے مراد دین اسلام ہے۔(4)

(۶) اس سے مراد صحابہ کرام کی کثرت ہے(5)۔ جتنے صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تھے، کسی دوسرے نبی یا رسول کو اتنے صحابہ میسر نہیں آئے۔

(۷) اس سے مراد رفع ذکر ہے(6)۔ ساری کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں جس طرح اس نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کا ڈنکا بج رہا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

(۸) قَالَ جَعْفَرُ الصَّادِقُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰبَائِہِ الْکِرَامُ السَّلَامُ۔ نُوْرُ قَلْبِہِ الَّذِیْ دَلَّہٗ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَقَطَعَہٗ عَمَّا سِوَاہُ(7)۔ یعنی امام جعفر صادق کے نزدیک کوثر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کا نور ہے جس نے آپ کی اللہ تعالیٰ تک رہنمائی کی اور ماسوا سے ہر قسم کا رشتہ منقطع کر دیا۔

(۹) مقامِ محمود(8)۔ روز محشر جب شفیع المذنبین شفاعت عامہ فرمائیں گے۔

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے الکوثر کی تفسیر بیان کی ہے اَلْخَیْرُ الْکَثِیْرُ یعنی خیر کثیر۔(9)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ لوگ تو کہتے ہیں کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے، تو آپ نے فرمایا وہ بھی اس خیر کثیر میں سے ایک ہے۔ ہُوَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ۔(10)

علامہ اسماعیل حقی الکوثر کے بارے میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ وَالْاَظْہَرُ اَنَّ جَمِیْعَ نِعَمِ اللّٰہِ دَاخِلَۃٌ فِی الْکَوْثَرِ ظَاہِرَۃً وَ بَاطِنَۃً۔ فَمِنَ الظَّاہِرِ خَیْرَاتُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْبَاطِنَۃِ الْعُلُوْمُ اللَّدُنِیَّۃُ الْحَاصِلَۃُ بِالْفَیْضِ الْاِلٰہِیِّ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص217
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً
7۔ ایضاً۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز30، ص245
8۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص217
9۔ تفسیر ابن عباس، زیر آیت ہذا، ج2، ص989، بحوالہ صحیح بخاری
10۔ ایضاً

شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ ع ۳ ۲۲

یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام (ونشاں) ہوگا ۳

بِغَيْرِ اِكْتِسَابٍ (1)۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری ظاہری و باطنی نعمتیں کوثر میں داخل ہیں۔ ظاہری نعمتوں سے مراد دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ علوم لدنیہ ہیں جو بغیر کسب کے محض فیضان الٰہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے بھی اسی سے ملتی جلتی تشریح کی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں اِنَّهُ الْخَيْرُ الْكَثِيْرُ وَالنِّعَمُ الدُّنْيَوِيَّةُ وَالْاُخْرَوِيَّةُ مِنَ الْفَضَائِلِ وَالْفَوَاضِلِ ...... وَفِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ مَا صَحَّ فِي الْاَحَادِيْثِ مِنْ تَفْسِيْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاهُ بِالنَّهْرِ مِنْ بَابِ التَّمْثِيْلِ وَالتَّخْصِيْصِ لِنُكْتَةٍ (2)۔ یعنی کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور دنیوی و اخروی نعمتیں جن میں فضیلتیں اور فضائل سب شامل ہیں۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ احادیث میں کوثر کا معنی نہر بتایا گیا ہے یہ بطور تمثیل ہے۔

۲ پہلے اپنی بے پایاں عنایات سے اپنے حبیب کو سرفراز کرنے کا ذکر فرمایا۔ اب ان انعامات و احسانات کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی جارہی ہے۔ ارشاد ہے اے حبیب! اپنے رب کے لیے نماز پڑھا کرو اور اسی کی خاطر قربانی دیا کرو۔ کم فہم لوگ کھاتے اللہ تعالیٰ کے دستر خوان سے ہیں، پلتے اس کی رحمت کے ٹکڑوں پر ہیں۔ نشوونما اس کے آغوش لطف و کرم میں پاتے ہیں، لیکن شکریہ غیروں کا ادا کرتے ہیں۔ عبادت باطل معبودوں کی کرتے ہیں۔ قربانیاں بتوں کے نام پر دیتے ہیں۔ اے میرے محبوب! آپ ان کی روش کو اختیار نہ کرنا۔ یہ سب سے بڑی ناشکری اور کفران نعمت ہے۔

اس عبد منیب اور حبیب لبیب کی تعمیل ارشاد کی یہ حالت تھی کہ ساری ساری رات کھڑے رہ کر نماز ادا فرماتے رہتے۔ یہاں تک کہ پاؤں بھی سوج جاتے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں۔ فرمایا اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا (3)۔ کیا میں اپنے رب کی بے پایاں نعمتوں پر اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ ساری عمر ہی عبادت و ذکر الٰہی میں بسر ہوئی۔ روز و شب کا ایک لمحہ بھی تو غفلت میں نہ گزرتا تھا۔ جس نبی مکرم، ہادی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی سجود و رکوع اور خضوع و خشوع میں گزری اس کی امت اگر اپنے رب کے ذکر سے محروم ہو جائے، ان کی پیشانیوں پر اگر سجدوں کے نشان چمک نہ رہے ہوں، انہیں اگر نماز کی سعادت نصیب نہ ہو تو اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے۔

۳ شَانِئٌ: مُبْغِضٌ: (4) جس کے دل میں بغض و عداوت ہو تو اس کو شانی کہتے ہیں۔ ابتر: بَتِرَ سے ہے اور بتر کا معنی اَلْقَطْعُ۔ کسی چیز کو کاٹ دینا۔ اہل لغت کے نزدیک وہ مرد جس کا فرزند نہ ہو اسے ابتر کہتے ہیں۔ وہ چارپایہ جس کی دم نہ ہو اسے بھی ابتر کہتے ہیں۔ نیز ہر وہ کام جس کا نیک اثر باقی نہ رہے اس کو بھی ابتر کہتے ہیں۔ (قرطبی) (5)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ اولاد پیدا ہوئی، قاسم، پھر زینب، پھر عبد اللہ، پھر ام کلثوم، پھر فاطمہ، پھر رقیہ۔ صلی اللہ علی ابیہم وعلیہم اجمعین۔ پہلے

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 20، ص 524

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 245

3۔ صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب اکثار الاعمال والاجتہاد فی العبادۃ، ج 2، ص 377

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 222

5۔ ایضاً، ص 223

قاسم کا انتقال ہوا۔ پھر عبداللہ (جن کا لقب طیب و طاہر ہے) داغ مفارقت دے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوائے نبوت کے بعد تو سارے مکہ والے دشمن بن گئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے دونوں فرزند فوت ہو گئے ہیں، اب صرف صاحبزادیاں ہی ہیں تو انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔ عاص بن وائل کہنے لگا قَدِ انْقَطَعَ نَسْلُهٗ فَهُوَ اَبْتَرُ(1)۔ کہ ان کی نسل منقطع ہو گئی، پس وہ ابتر ہیں۔

کفار جب اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھتے تو اپنا دل بہلانے کے لیے کہا کرتے فکر کی کوئی بات نہیں، یہ چند روزہ کھیل ہے۔ لڑکا ان کا کوئی نہیں جوان کے بعد اس مشن کو جاری رکھ سکے۔ یہ چند سال کے مہمان ہیں۔ جب یہاں سے رخصت ہوں گے تو ان کا یہ دین بھی اسی روز نیست و نابود ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ایک آیت سے ان کی گستاخیوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ ان کی خوش فہمیوں کا خاتمہ کر دیا۔ فرمایا جو میرے محبوب کا دشمن ہوگا، جو اس کے دین کا بدخواہ ہوگا، جو اس کے نظام شریعت سے پرخاش رکھے گا، وہ مٹ جائے گا۔ اس کی قوم اسے بھول جائے گی۔ تاریخ اسے فراموش کر دے گی۔ اس کا کوئی نام لینے والا نہیں ہوگا۔ اس کی اولاد بھی اس کا نام لینا چھوڑ دے گی۔ اس کی طرف ہر قسم کی نسبت ان کے لیے باعث ننگ و عار بن جائے گی اور میرے محبوب کی یہ شان ہے کہ اس کا ہر امتی خواہ وہ کسی قبیلہ کا فرد ہو، کسی ملک کا رہنے والا ہو، کوئی زبان بولنے والا ہو، میرے محبوب کریم کے ذکر پاک کی شمع ہر وقت روشن رکھے گا۔ دوسرے لوگوں کی نسل ان کے بیٹوں سے چلتی ہے، لیکن میں اپنے حبیب کی نسل ان کی نور نظر، لخت جگر بتول زہرا، خاتون جنت سیدہ طاہرہ ذکیہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چلاؤں گا اور اس نسل میں اتنی برکت دوں گا کہ دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں یہ نسل پھیل جائے گی۔

یہ سورت اپنے اختصار و ایجاز کے باوصف فصاحت و بلاغت کا وہ مرقع جمیل ہے کہ فصحائے عرب، بلغائے حجاز کو بھی اسے پڑھ کر کہنا پڑا۔ مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ۔ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ الَّذِىْ اَعْطَاهُ رَبُّهُ الْكَوْثَرَ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذّٰاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّهٗ وَاتِّبَاعَهٗ وَاحْشُرْنَا فِىْ زُمْرَتِهٖ تَحْتَ لِوَائِهٖ وَاغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدِيْنَا وَذُرِّيَّتِنَا بِشَفَاعَتِهٖ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ يَا اَكْرَمَ الْمَسْئُوْلِيْنَ۔

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 248

تعارف

سورۃ الکافرون

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام الکافرون ہے۔ اس کی آیتیں چھ اور ایک رکوع ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد چھبیس اور حروف کی تعداد چورانوے ہے۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور حضور نے مجمع عام میں جا کر اس کی تلاوت کی۔(1)

مقاصد نزول: باطل بڑا عیار ہے، حق سے نبرد آزما ہونے کے لیے وہ طرح طرح کے بھیس بدل کر آیا کرتا ہے۔ کسی قسم کا حربہ استعمال کرنے میں اسے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ بسا اوقات وہ اپنے موقف میں بھی بے حد لچک پیدا کر لیا کرتا ہے۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ حق، حق نہ رہے۔ باطل تو ہر حال میں باطل ہے۔ کسی چیز کی ملاوٹ اس کے بطلان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی بلکہ جو پاک چیز اس میں ملے گی وہ بھی پلید ہو جائے گی۔ وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے کہ حق صرف اس وقت تک حق ہے جب تک یہ ہر قسم کی ملاوٹ اور آمیزش سے پاک ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے جب دعوت توحید کا آغاز کیا تو ابتدا میں کفار نے اس کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا، لیکن سعادت مند روحیں اس کی طرف جب کھچ کھچ کر جانے لگیں انہیں اپنے ماحول میں تبدیلی کے کچھ آثار دکھائی دینے لگے تو انہوں نے اس دعوت کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ انہوں نے سوچا کہ ہمارے پاس بے پناہ وسائل ہیں۔ اس داعی حق کو خریدنے کے لیے ہم بڑی سے بڑی قیمت ادا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوطالب کی معرفت سودا بازی کا آغاز ہوا۔ کفار کے ایک وفد نے جناب ابوطالب سے ملاقات کی اور آ کر کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کرتا ہے وہ ہمارے لیے ناقابل برداشت ہیں، آپ قوم کے سردار ہیں ہمارے دلوں میں آپ کا از حد احترام ہے۔ اسی وجہ سے ہم آپ کے بھتیجے کی باتیں سن کر اب تک خاموش رہے ہیں، لیکن اب پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ آپ اپنے بھتیجے کو کہیں کہ اگر اس کو مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم سونے چاندی کا ڈھیر اس کے قدموں میں لگانے کے لیے تیار ہیں۔ اگر اس کو حاکم بننے کا شوق ہے تو ہم متفقہ طور پر اس کو اپنا رئیس اعلیٰ تسلیم کرنے پر رضامند ہیں اور اگر کوئی رشتہ مطلوب ہے تو وہ صرف اشارہ کر دیں ہم فخر و مسرت کے ساتھ وہ رشتہ پیش کر دیں گے۔

طالع آزما لوگ جو مذہب و دین کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے بطور زینہ استعمال کرتے ہیں، انہی چیزوں میں سے کوئی چیز ان کا مقصد ہوا کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ان کی یہ پیشکش سنی تو فرمایا کہ وہ نادان مجھے پہچان نہیں سکتے۔

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 249

میرے دائیں ہاتھ پر اگر وہ سورج لاکر رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں تو بھی میں اپنے رب کی توحید کی تبلیغ میں رائی برابر بھی سُستی نہیں کروں گا۔

جب اس سودا بازی میں ناکام ہوئے تو انہوں نے ایک اور چال چلی۔ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف رؤساء مکہ اکٹھے ہو کر ایک روز حضور کے پاس آئے، کہنے لگے آپ کی تبلیغ اور دعوت سے قوم میں انتشار وافتراق پھیل رہا ہے، یہ کسی اچھے مستقبل کا پیش خیمہ نہیں۔ اگر ہمارے اور آپ کے درمیان انتشار کی یہ خلیج یونہی وسیع ہوتی چلی گئی تو ایک دن ایسا آئے گا جب ہماری قوت کا جنازہ نکل جائے گا۔ اور دشمن قبائل ہم پر ہلہ بول کر ہمیں ختم کر کے رکھ دیں گے۔ اس صورت حال سے ہم بہت پریشان ہیں۔ آؤ ایک ایسی تجویز پر متفق ہو جائیں کہ آپ کی بات بھی رہ جائے اور قوم کی یکجہتی اور اتحاد بھی برقرار رہے۔ اس کے لیے انہوں نے یہ تجویز پیش کی۔ ایک سال ہم سب مل کر آپ کے خدا کی عبادت کیا کریں اور دوسرے سال آپ ہمارے ساتھ مل کر ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں۔ یہ تجویز سن کر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: **مَعَاذَ اللهِ اَنْ اُشْرِكَ بِاللهِ غَيْرَهٗ**(1)۔ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤں۔ اس وقت یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی جس نے ان کی ساری امیدوں کو خاک میں ملا دیا اور انہیں ہمیشہ کے لیے مایوس کر دیا کہ وہ اپنی حیلہ سازیوں سے حق کو اپنے دام فریب میں پھانس سکتے ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حرم میں تشریف لے گئے۔ کفر وشرک کے سارے سرغنے وہاں جمع تھے، مجمع عام میں بڑی جرأت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ سورت پڑھ کر انہیں سنائی تا کہ ان کے دل میں پھر اس قسم کے فاسد خیال پیدا ہونے کا امکان ہی نہ رہے۔

1۔ روح المعانی، جز 30، ص 250

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ الکافرون مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اس میں چھ آیات ہیں

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ② وَلَآ اَنْتُمْ

آپ فرما دیجیے اے کافرو! [1] میں پرستش نہیں کیا کرتا ان بتوں کی، جن کی تم پرستش کرتے ہو [2] اور نہ ہی تم عبادت

[1] وہ لوگ اگرچہ کفر وشرک میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے، لیکن اپنے آپ کو کافر نہ کہتے اور نہ یہ پسند کرتے کہ ان کو کافر کہا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں انہیں يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ سے خطاب کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا اعلان کر دیا کہ مجھے تمہارا کوئی ڈر نہیں۔ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی عزت واحترام نہیں اور نہ ہی میں کسی مداہنت کے پیش نظر تمہارے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا روا رکھتا ہوں جس سے اس قسم کا شبہ تک بھی پیدا ہو۔ میرے نزدیک تم کافر ہو اور میں اسی لفظ سے تمہیں مخاطب کر رہا ہوں۔ نیز کافرون کہہ کر اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ میری تمہاری کوئی ذاتی مخاصمت نہیں۔ میری اور تمہاری عداوت کی وجہ یہ بھی نہیں کہ میرے اور تمہارے دنیاوی مفادات میں تصادم ہے۔ میں نے تو فقط اس لیے تم سے قطع تعلق کر لیا ہے کہ تم نے کفر کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اگر تم کفر کو ترک کر دو اور ایمان قبول کر لو، تو میری اور تمہاری دشمنی، محبت واخوت میں بدل جائے گی۔ میں تمہیں اپنے سینے سے لگا لوں گا اور ہم سب توحید کے پرچم کے نیچے متحد ومتفق ہو جائیں گے۔

[2] ان آیات کا ترجمہ تو واضح ہے۔ بظاہر ان میں تکرار نظر آتا ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہیں۔ پہلی دو آیتیں مستقبل سے متعلق ہیں اور پچھلی دو آیتیں ماضی سے تعلق رکھتی ہیں۔ دوٹوک الفاظ میں فرما دیا کہ نہ میں نے زمانۂ ماضی میں کبھی تمہارے معبودان باطل کی پرستش کی اور نہ آئندہ کبھی تم مجھ سے اس کی توقع کر سکتے ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایک سال تمہارے معبودوں کی پرستش کروں اور ایک سال تم میرے خداوند حقیقی کی عبادت کرو۔ کان کھول کر سن لو، ایک سال تو بڑا لمبا عرصہ ہے، میں تو ایک لمحے کے لیے بھی تمہارے ان جھوٹے خداؤں کی عبادت نہیں کروں گا۔ میرا سر جھکے گا، تو صرف اپنے پروردگار کے سامنے جو وحدہ لاشریک ہے، میری جبین نیاز سجدہ ریز ہوگی، تو صرف اپنے اس خداوند قدوس کی بارگاہ اقدس میں جو کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی، مجھے پیدا بھی اسی نے کیا ہے، مجھے نبوت ورسالت کا رتبہ بھی اسی نے بخشا ہے۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ اس کے علاوہ کسی غیر کو اپنا معبود ومسجود بناؤں۔ چنانچہ علامہ زمخشری کہتے ہیں لَا اَعْبُدُ اُرِيْدَ بِهِ الْعِبَادَةُ فِيْ مَا يُسْتَقْبَلُ۔ لِاَنَّ لَا۔ لَا تَدْخُلُ اِلَّا عَلٰى مُضَارِعٍ فِيْ مَعْنَى الْاِسْتِقْبَالِ (1)۔ یعنی مضارع پر لا داخل ہے اور اس صورت میں مستقبل کی نفی کرتا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں مندرجہ توجیہہ کے علاوہ متعدد اقوال بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ چوتھی آیت دوسری آیت کی تاکید کر رہی ہے (2)، کیونکہ دوسری آیت جملہ فعلیہ ہے جو تجدد وحدوث پر دلالت کرتا ہے اور چوتھی جملہ اسمیہ ہے جو ثبات اور

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 808

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 251

عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ ③ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ ④ وَلَاۤ اَنْتُمْ

کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں ۳؎ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو ۴؎ اور نہ تم اس

عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ؕ ⑤ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ⑥ ع ۱ ۴۴

کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں ۵؎ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ۶؎

پختگی پر دلالت کرتا ہے۔ چوتھی آیت سے دوسری آیت کو مؤکد کر دیا۔ تیسری آیت کی تاکید پانچویں آیت کر رہی ہے، کیونکہ الفاظ بالکل یکساں ہیں، کلام عرب میں اس قسم کی تاکید نظم و نثر دونوں میں کثیر الاستعمال ہے، چنانچہ ایک شعر ہے:

نَعِقَ الْغُرَابُ بِبَيْنِ لَيْلٰى غُدْوَةً   كَمْ، كَمْ وَ كَمْ بِفِرَاقِ لَيْلٰى يَنْعِقُ (1)

کہ جدائی کا کوا صبح کے وقت لیلیٰ کی جدائی کی خبر دینے کے لیے بولا وہ کب تک، کب تک، کب تک لیلیٰ کے فراق پر چلاّتا رہے گا۔

اس تکرار کا مدعا یہ ہے کہ کفار کو ہمیشہ کے لیے مایوسی ہو جائے کہ مسلمان ان کے کفر کو ایک لمحے کے لیے بھی قبول نہیں کریں گے۔ نیز ان کے بارے میں بتا دیا کہ وہ کبھی مسلمان نہیں ہوں گے۔ وَ فَائِدَةُ هٰذَا التَّوْكِيْدِ قَطْعُ اِطْمَاعِ الْكُفَّارِ وَ تَحْقِيْقُ الْاِخْبَارِ بِمُوَافَاتِهِمْ عَلَى الْكُفْرِ وَ اَنَّهُمْ لَا يُسْلِمُوْنَ اَبَدًا (بحر) (2)

۳؎ الْكٰفِرُوْنَ سے کیوں کہ وہ گنتی کے چند بدبخت مراد ہیں جن کی قسمت میں ایمان لانے کی سعادت نہ تھی، اس لیے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جس حی و قیوم کی میں عبادت کرتا ہوں تم کبھی اس کی عبادت نہ کرو گے۔ کفر میں تم اس قدر متعصب ہو کہ تم نے غور و فکر کے سارے دیئے بجھا دیئے ہیں۔ عقل و فہم کی قوتوں کو تم نے بانجھ بنا دیا ہے۔

۴؎ زمخشری کہتے ہیں کہ اس کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے کہ میں نے آج تک کسی معبود باطل کی عبادت نہیں کی جن کے سامنے تم اپنی پیشانیوں کو گھساتے رہتے ہو اور اپنی ناک رگڑتے رہتے ہو۔ يَعْنِيْ لَمْ تَعَهَّدْ مِنِّيْ عِبَادَةُ صَنَمٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ كَيْفَ تُرْجٰى مِنِّيْ فِي الْاِسْلَامِ (کشاف) (3) نبوت کے اعلان سے پہلے جب میرا دامن کفر و شرک کی ہر آلائش سے پاک رہا ہے، تو اب جب کہ میں نے اپنی نبوت کا اعلان بھی کر دیا ہے اور میرے خداوند نے میرے سینے کو نور نبوت سے روشن اور مستنیر کر دیا ہے، شک و شبہ کا شائبہ تک بھی باقی نہیں رہا۔ اس وقت اگر تم مجھ سے شرک کی توقع کرو تو تم سے بڑا بے وقوف دنیا میں اور کوئی نہیں۔

۵؎ اسی طرح تم نے گزشتہ زمانے میں کبھی اس معبود برحق کی عبادت نہیں کی جس کی عبادت کا شرف مجھے حاصل رہا۔

کہا جاتا ہے کہ مَا کا لفظ عام طور پر غیر ذوی العقول اور بے جان چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے مَاۤ اَعْبُدُ کی جگہ مَنْ اَعْبُدُ ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ پہلی دو آیتوں میں مَا، اَلَّذِيْ کے معنی میں مستعمل ہے اور دوسری دو آیتوں میں مَا مصدریہ ہے۔ اَیْ لَا اَعْبُدُ عِبَادَتَكُمْ وَلَا تَعْبُدُوْنَ عِبَادَتِيْ (4)۔ یعنی جس طرح تم

1۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 251   2۔ بحر محیط، زیر آیت ہذا، ج 8، ص 521   3۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 809   4۔ ایضاً

عبادت کرتے ہو میں عبادت نہیں کرتا اور جس طرح میں عبادت کرتا ہوں اس طرح تم عبادت نہیں کرتے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ما یہاں ذات پر دلالت کرنے کے لیے نہیں بلکہ صفت پر دلالت کر رہا ہے۔ کَاَنَّهٗ قَالَ لَا اَعْبُدُ الْبَاطِلَ وَلَا تَعْبُدُوْنَ الْحَقَّ۔ (1)

٦؎ حق و باطل میں آمیزش کا میں قائل نہیں۔ مجھے ایسے اتحاد کی بھی ضرورت نہیں جو باطل کے ساتھ مصالحت پر موقوف ہو۔ بے شک تم اپنے کفر پر ڈٹے رہو، میری خاطر تم اس کفر میں توحید کا پیوند نہ لگاؤ۔ ان دونوں میں کوئی جوڑ نہیں۔ ان میں کوئی مناسبت نہیں۔ اس طرح میں تمہارے فریب میں آ کر توحید کو مکدر ہرگز نہیں کروں گا کیونکہ اس صورت میں توحید، توحید نہ رہے گی۔ حق کا نور پھیلانے کے لیے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر میں تمہاری بات مان لوں تو حق، باطل بن جائے گا۔

تم اپنے حال میں مست رہو، میں اپنے حق پر ثابت قدم رہتا ہوں۔ حق و باطل کا یہ معرکہ اپنے طبعی نتیجہ پر پہنچ کر رہے گا۔ تم دیکھو گے کہ چند بدنصیبوں کے سوا سارا جزیرۂ عرب اسلام قبول کر لے گا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهٖ وَ صَفِیِّهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

1۔ تفسیر کشاف، زیر آیت ہذا، ج 4، ص 809

تعارف

سُورۃ النصر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کے کئی نام ہیں۔ اسے سورۂ تودیع یعنی الوداعی سورت بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے فرائض نبوت کو بحسن وخوبی انجام دینے کے بعد اپنے رب کے حضور میں مراجعت فرما ہونے سے پہلے اپنے جاں نثار غلاموں کو الوداع کہہ رہا ہے۔

اسے سورۂ فتح بھی کہتے ہیں، لیکن اس کا مشہور ترین نام النصر ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد انیس ہے اور حروف کی اناسی۔

زمانۂ نزول: ہجرت کے بعد جو سورتیں نازل ہوئیں انہیں مدنی کہا جاتا ہے خواہ ان کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا ہو یا اثنائے سفر مدینہ سے باہر کسی دوسرے مقام پر۔ ہجرت کے بعد جو سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اسے بھی مدنی سورتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن ہجرت کے بعد نازل ہوئی اس لیے اسے مدنی ہی کہا جاتا ہے۔ علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ قرآن کریم کی یہ آخری مکمل سورت ہے جو سرور عالمیاں علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔

اس سورت کے نزول کے وقت کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی۔ یہ وہ ساعت سعید ہے کہ چند سال پہلے جو ہستی یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی تھی اور اس کے ساتھ صرف ایک جاں نثار ابوبکر تھا، آج وہ دس ہزار کے لشکر جرار کو ہمراہ لیے مکہ میں داخل ہو رہی ہے۔ اہل مکہ نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہیں دیکھا تھا۔ ہر قبیلہ کا اپنا اپنا رسالہ ہے۔ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہیں۔ جسموں پر آہنی زرہیں اور سروں پر فولادی خود چمک رہے ہیں۔ جوش وخروش کا عجیب عالم ہے۔ جب یہ فوج ظفر موج وادی بطحا سے گزرتی ہے تو زمین ان کے قدموں کے نیچے لرز جاتی ہے۔ ایک عجیب روح پرور منظر ہے۔ کفر کے سارے دفاعی مورچے پیوند خاک ہو چکے ہیں۔ مخالفت کے طوفان سہم کر رہ گئے ہیں۔ ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر نے حواس باختہ کر دیا ہے۔ لیکن اس لشکر کے سپہ سالار نے تاکیدی ہدایات جاری کر دی ہیں کہ خون خرابہ سے قطعاً اجتناب کیا جائے۔ کسی پر دست درازی نہ کی جائے۔ تلواریں میانوں میں، تیر ترکشوں میں، کمانیں کندھوں سے آویزاں رہیں۔ اس وقت تک کوئی تلوار بے نیام نہ ہو جب تک مکہ والوں کی طرف سے پہل نہ ہو۔ اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ جو حرم میں پناہ لے گا، جو گھر کے کواڑ بند کر دے گا، بلکہ جو ابوسفیان کی حویلی میں داخل ہو جائے گا، سب کو امان ہے۔

مکہ کا فاتح اگر کوئی بادشاہ ہوتا، کوئی ڈکٹیٹر ہوتا، کوئی فوجی جرنیل ہوتا تو آج مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی، قتلِ عام کا

حکم دے دیا جاتا۔ پل بھر میں کشتوں کے پشتے لگ جاتے، خون کے دریا بہنے لگتے۔ ہر سو آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوتے، لیکن ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی تو آج نہیں ہو رہی۔ کیونکہ آج کا فاتح محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ آج کا فاتح رحمۃ للعالمین کی خلعت فاخرہ پہنے ہوئے ہے۔ آج کا فاتح قیامت تک فاتح بن کر داخل ہونے والوں کے لیے اپنا اسوۂ حسنہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ حضور ﷺ اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہیں۔ سر فخر سے تنا ہوا نہیں۔ گردن غرور سے اکڑی ہوئی نہیں، بلکہ سر جھکا ہوا ہے اتنا جھکا ہوا کہ پالان کے سامنے والی لکڑی کو چھو رہا ہے۔ چشم مبارک سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہے۔ ہونٹوں پر اپنے خداوند کریم کی عظمت و کبریائی کے کلمات ہیں۔ دل اپنے رؤف و رحیم پروردگار کے الطاف بے پایاں پر شکر گزار ہے۔ ہر ادا دلنواز ہے۔ ہر نگاہ روح پرور ہے۔ ہر قدم ناز پر امیدوں اور آرزوؤں کے چمن آباد ہو رہے ہیں۔ اس وقت جبرئیل امین یہ مبارک سورت لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں اور فتح و کامرانی کی تقریب منانے کا الٰہی منشور پیش کرتے ہیں۔

دیگر روایات کے مطابق یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ منیٰ کا میدان قدسی صفات بندوں کے پرنور چہروں اور ضیا بار پیشانیوں کے باعث نور علیٰ نور ہے۔ تہلیل و تسبیح کی دلنواز صدائیں ہر گوشہ سے بلند ہو رہی ہے۔ شرک و بت پرستی کے وطن میں آج توحید کا بابرکت پرچم نصب کیا جا رہا ہے۔ سارا جزیرۂ عرب اسلام قبول کر چکا ہے۔ عناد و فساد کی آخری چنگاری بھی بجھ گئی ہے۔ انسانیت کا ہادی برحق اور مرشد کامل اپنے خالق کا محبوب بندہ اور برگزیدہ رسول اپنی ناقہ پر سوار ہو کر اپنا تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرما رہا ہے۔ بین الاقوامی قانون، بین الاقوامی اخلاقی ضابطوں اور فلاح دارین کے اصول بیان کر رہا ہے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوتی ہے جس میں فتح و کامرانی کی حالت میں جن آداب کی پابندی ضروری ہے۔ ان کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

ہر میدان میں اسلام کی عظمت کے پرچم لہرانے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ اور ہر حالت میں ہمیں ان آداب کی پابندی کی ہمت بخشے جو اس نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا احسن الصلوٰۃ واجمل التحیہ کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

آمِیْن بِجَاہِ طٰهٰ وَیٰسٓ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سورۃ النصر مدنی ہے اور اس کی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ① وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ

جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج

اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③ ع

در فوج۔ تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجیے [1] اور (اپنی امت کے لیے) اس سے مغفرت طلب کیجیے [2] بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے [3]

ع ۱ ۳ ۲۵

[1] پہلی آیت میں ہی بتا دیا کہ اگر تکمیل فرض کی سعادت حاصل ہو، کسی مہم میں کامیابی نصیب ہو، تو اے بندگان خدا! بھولے سے بھی یہ خیال نہ کرنا کہ اس کامیابی میں تمہاری قابلیت، تمہاری ہونہاری، تمہاری ہوشیاری کا بھی دخل ہے، بلکہ یہ یقین رکھنا کہ یہ میرے بندہ نواز خدا کی نصرت اور تائید کی برکت ہے۔ میری یہ کامیابی اس کی امداد کی مرہون منت ہے۔ اگر تم اسے اپنی قابلیت کا نتیجہ خیال کرو گے تو تمہارے دل میں غرور پیدا ہو جائے گا اور مغرور فاتحین سے ایسی ایسی ناروا حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ ان کی کامیابی شکست سے بھی زیادہ ان کے لیے رُسواکن بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول اور پیارے بندے محمد مصطفیٰ علیہ اطیب التحیہ والثناء کو فرما رہا ہے کہ جب میری مدد پشت پناہی کے لیے پہنچ جائے اور میری مہربانی سے فتح نصیب ہو جائے اور جو لوگ اب تک شمع اسلام کو بجھانے کے لیے طوفان بن کر اُمڈتے رہے وہ اس پر پروانوں کی طرح نثار ہونے لگیں اور فوج در فوج اس دین کو قبول کرنے لگیں، تو آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کریں۔

فتح مکہ کے بعد نو دس ہجری میں جزیرہ عرب میں دور و نزدیک جتنے قبائل آباد تھے وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کثرت سے لوگوں کے اسلام قبول کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کثرت سے فرمایا کرتے۔

خود سوچئے جس قوم کو دشمن پر مکمل فتح بھی مدہوش اور بدمست نہ کر سکے وہ کتنی عالی ظرف قوم ہے، اس کا وجود انسانیت کے لیے منبع خیر و سعادت ہے۔ جب تک اس کا آفتاب اقبال چمکتا رہے گا، غم واندوہ کی تاریکیاں انسانیت کے نزدیک آنے کی

جرأت نہ کرسکیں گی۔

۲ اس جملے سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول کو استغفار کا حکم دے رہا ہے تاکہ قیامت تک آنے والے غلاموں کے لیے استغفار ان کے نبی کی سنت بن جائے اور کوئی شخص طلب مغفرت میں تذبذب محسوس نہ کرے۔ علمائے تفسیر نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اپنی امت کے گناہوں کے لیے اپنے رب سے بخشش کی التجا کیجئے۔ آپ کے ہاتھ استغفار کے لیے جب اٹھیں گے تو وہ خالی واپس نہیں کیے جائیں گے۔ چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: اَوِ الْمَعْنَى اسْتَغْفِرْ لِاُمَّتِكَ۔ (تفسیر مظہری)(1) یعنی اے حبیب! آپ اپنی امت کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔ یہی الفاظ علامہ قرطبی نے بھی تحریر کیے ہیں۔ وَقِيْلَ اسْتَغْفِرْ لِاُمَّتِكَ (قرطبی)(2)

اس مفہوم کو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص انداز میں یوں لکھا ہے:

"چوں عارف بمرتبہ تکمیل رسید واز ہر گونہ مردم تابع اوشدند واستعدادات آں ہا در نقصان وکمال تفاوت فاحش دارد، لاجرم او را می باید کہ برائے تکمیل ناقصاں طلب آمرزش نماید، تا آں ہمہ نقصانات اصلیہ استعداد باتباع او روزِ محشر منجر بکمال استقلالیٔ او گردد"۔(3)

ترجمہ: جب عارف ایسے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے جہاں وہ دوسروں کو باکمال بنا سکتا ہے تو اس کے مریدوں میں ہر قسم کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں جن کی صلاحیتوں اور استعدادوں میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ کوئی بالکل ناقص اور کوئی کامل مکمل۔ اس وقت عارف کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تاکہ اس کے ناقص مرید بھی مرتبۂ کمال پر فائز ہو جائیں اور عارف کی اس دعائے مغفرت کے باعث جبلی استعداد میں جو خامی تھی وہ پوری ہو جائے۔

۳ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے جب کوئی روسیاہ اور بدکار اس کے در کرم پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا معنی شاہ صاحب موصوف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"ہر آئینہ او تعالیٰ بفیض رجوع می کند در حق ناقصاں وتکمیل رحمت می فرماید۔ پس از وے بعید نیست کہ اتباع ترا بطفیل تو کامل سازد"۔(4) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نگاہ فیض سے ناقصوں کی طرف توجہ فرماتا ہے اور اس کے نقص کو کمال سے بدل دیتا ہے۔ اے اللہ کے رسول! اس کی رحمت سے ذرا بعید نہیں کہ وہ آپ کے طفیل آپ کے ناقص امتیوں کو مرتبۂ کمال پر فائز فرمادے۔

اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بِجَاهِ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدِنِ الرَّءُوْفِ الرَّحِيْمِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَاَجْمَلُ التَّسْلِيْمِ

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص366

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص233

3۔ تفسیر عزیزی، پارہ30، ص290

4۔ ایضاً، ص91-290

تعارف

سُورۃ اللھب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورت کا نام اللھب ہے۔ اس میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، بیس کلمات اور ستر حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (1)۔ اس کی شانِ نزول کے بارے میں اس سورت کا حاشیہ 1 ملاحظہ فرمائیے۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ قرآن کریم میں نام لے کر ابولہب کا ذکر کیوں کیا گیا۔ حالانکہ مکہ، مدینہ اور دیگر قبائل عرب میں حضور کے دشمنوں اور دین کے بدخواہوں کی کمی نہ تھی۔ ان کی اذیت رسانیاں، دلآزاریاں اور اسلام کو بحیثیت دین ناکام کرنے کی کوششیں ابولہب کی سازشوں سے کسی طرح کم نہ تھی۔ پھر اس کی کیا خصوصیت ہے جس کے باعث اس کا نام لے کر اس کی گوشمالی کی گئی۔

جہاں محبت کی توقع ہو وہاں سے اگر نفرت و عداوت کا لاوا پھوٹ نکلے۔ جہاں سے تائید و اعانت کی امید ہو، وہاں سے مخاصمت کا طوفان اُمڈنے لگے تو یقیناً یہ چیز بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔ حضرت عبد اللہ اور ابولہب دونوں حقیقی بھائی تھے۔ اس سے بجا طور پر یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے سگے بھائی کے یتیم بیٹے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہوگا اور اس کی تائید و نصرت میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرے گا۔ نیز یہ بنی ہاشم کا رئیس تھا۔ عرب کا وہ معاشرہ جس میں ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس میں ہر قسم کی مرکزیت اسی قبیلہ کو حاصل تھی۔ قبیلہ کے ہر فرد کی امداد کرنا اس قبیلہ کے سردار کی اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری تھی۔ اگر وہ فرد ظالم بھی ہوتا تو مظلوم کی مدد کی بجائے قبیلہ کے سارے افراد اپنے ظالم بھائی کی مدد کرنا ضروری سمجھتے۔ ابولہب بنی ہاشم کا رئیس تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہاشمی تھے۔ اس کا یہ فرض اولین تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ایک باکمال فرد کی دعوت کو قبول کرتا اور دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیتا۔

خونی اور خاندانی قریبی تعلقات کے علاوہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوسی تھا۔ دونوں مکانوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔ پڑوسی کا حق دنیا کے ہر معاشرہ میں مسلم ہے۔ نیز ہمسائیگی کے باعث وہ حضور کے ذاتی اور عائلی ایسے حالات کو بھی جانتا تھا جن سے عموماً دوسرے لوگ واقف نہیں ہوتے۔ ایسی پاکیزہ زندگی، ایسی من موہنی سیرت، ایسے بے داغ کردار کا مشاہدہ وہ شب و روز کرتا اور پھر بھی اس مرقع زیبائی و رعنائی پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہ آتا تھا۔ پھر جس شدت اور خست سے وہ اپنی عداوت کا

1۔ تفسیر قرطبی، جز 20، ص 234

مظاہرہ کیا کرتا، اس کی بھی نظیر مشکل سے ہی ملے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں جب مصروف عبادت ہوتے تو وہ مردہ جانوروں کے بدبودار اوجھ، گلی سڑی آنتیں اٹھا کر لاتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھینک دیتا۔ گھر کے آنگن میں کوڑا کرکٹ ڈالنا اور جہاں ہنڈیا پک رہی ہوتی وہاں غلاظت پھینکنا اس کا روزمرہ کا معمول تھا۔ صرف اسی پر بس نہیں، اس کی بدبخت بیوی امارت و وجاہت کے باوصف خود جنگل میں جاتی اور خاردار ٹہنیاں چنتی، ان کا گٹھا اپنے سر پر اٹھا کر لاتی اور رات کے وقت حضور کی راہ میں ڈال دیتی تاکہ آخر شب جب حضور حرم کی طرف تشریف لے جائیں، تو آپ کے نرم و نازک پاؤں میں کوئی کانٹا ہی چبھ جائے۔

اعلان نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں، اس کے دو بیٹوں، عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ بیاہی گئی تھیں، جب سرور عالم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور واشگاف الفاظ میں کہا کہ اگر تم ان کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو تمہاری میری بول چال، لین دین، آنا جانا قطعاً بند ہو جائے گا۔ تم میرا منہ بھی نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی اور عتیبہ نے اپنے خبث باطن کا کچھ زیادہ ہی مظاہرہ کیا۔ کہنے لگا میں **وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی** کے رب سے کفر کرتا ہوں۔ اس ناپاک نے روئے انور پر تھوکنے کی جسارت کی جو لوٹ کر اسی کے قبیح منہ پر آپڑی۔ حضور کی زبان سے نکلا: الٰہی اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس ناہنجار پر مقرر فرما دے۔ چنانچہ ایک سفر میں ایک شیر نے اسے پھاڑ ڈالا لیکن نہ اس کا ناپاک خون پیا اور نہ اس کے پلید گوشت کو کھایا (1)۔ اس واقعہ کی تفصیل آپ سورۃ النجم کے حواشی میں پڑھ چکے ہوں گے۔

ابولہب کی بدباطنی کا ایک اور واقعہ سنیے: نبوت کے ساتویں سال کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے خاندان بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا تو بنی ہاشم اور بنی مطلب کے وہ افراد بھی جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ محض قبائلی عصبیت کے باعث شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے، لیکن ابولہب نے ہاشمی ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی اور اس بائیکاٹ میں کفار مکہ کا ساتھ دیا۔

دین اسلام اور رسول اسلام سے اس کا بغض و عناد اتنا شدید تھا کہ وہ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگا رہتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں تجارتی بازار لگتے یا لوگوں کا اجتماع ہوتا وہاں تشریف لے جاتے اور حاضرین کو توحید کی دعوت دیتے۔ یہ کمبخت ہر ایسے موقع پر پہنچ جاتا اور چلا چلا کر لوگوں کو کہتا کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا ہے، یہ دیوانہ ہو گیا ہے، اس کے قریب مت جانا، اس کی بات ہرگز نہ سننا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ الغرض اس سے اسلام کی تائید و نصرت کی جتنی توقعات وابستہ کی جا سکتی تھیں، وہ ان کے برعکس اتنی شدت سے ہی اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہا کرتا۔ عداوت و مخالفت میں اس کا بڑا نمایاں کردار تھا جو ایک انفرادی حیثیت کا مالک تھا۔ اس لیے قرآن کریم میں اس کا نام لے کر لعنت کی بوچھاڑ کی گئی۔ ابولہب اس کی کنیت تھی اور اسی سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ عبدالعزیٰ اس کا نام تھا۔ یہ ناپاک نام اس قابل نہ تھا کہ اس کو قرآن میں ذکر کیا جاتا۔ اس لیے اس کے نام کے بجائے اس کی کنیت ابولہب ذکر کی گئی تاکہ لوگوں کو اس کے دوزخی ہونے کا بھی پتہ چل جائے۔

اس سورت کے مطالعہ سے اس امر کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بارگاہ رسالت میں معمولی سی گستاخی سے جبین قدرت

1۔ تفسیر قرطبی، ج 17، ص 83

پر کس طرح شکن پڑ جاتے ہیں۔ غضب خداوندی کے شعلے کس طرح بھڑکنے لگتے ہیں۔ اس بدنصیب نے تو ایک انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور نازیبا الفاظ بکے۔ اس کے جواب میں رحمت عالم نے تو اسی حلم اور عفو و درگزر کا ثبوت دیا جو آپ کی شایان شان تھا، لیکن غیرت خداوندی جوش میں آگئی اور تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ فرما کر ہر بے ادب اور ہر گستاخ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم سے کوئی ایسا لفظ یا فعل صادر ہوا جس سے میرے حبیب کی شان میں بے ادبی کا کوئی پہلو نکلے تو یاد رکھو غضب الٰہی کی بجلی کوندے گی اور تمہیں جلا کر خاکستر کر دے گی۔ عزت بخاری نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ اللھب مکی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲

ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہوگیا ۱؎ کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا ۲؎

۱؎ تَبَّ کا لفظ خسران، نامرادی اور بربادی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ وَمَعْنٰى تَبَّتْ خَسِرَتْ وَقِيْلَ خَابَتْ وَقِيْلَ هَلَكَتْ (قرطبی) (1)

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝۲۱۴ (الشعراء) کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ اس ارشاد الٰہی کی تعمیل کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور یَا صَبَاحَا بلند آواز سے کہا۔ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی ناگہانی آفت آجاتی اور لوگوں کو امداد کے لیے بلانا مقصود ہوتا تو یَا صَبَاحَا کے الفاظ سے ندا کرتے۔ لوگوں نے جب یہ ندا سنی تو بھاگتے ہوئے صفا کی پہاڑی کے دامن میں آپہنچے اور جو خود حاضر ہونے سے قاصر تھے، انہوں نے حقیقت حال دریافت کرنے کے لیے اپنے نمائندے بھیجے۔ جب سارے قریشی قبیلے جمع ہوگئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے دشمنوں کا گھڑ سوار دستہ تم پر حملہ کرنے کے لیے آرہا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے بیک زبان جواب دیا بے شک ہم آپ کی تصدیق کریں گے، کیونکہ ہم نے آج تک آپ کی زبان سے سچ ہی سنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر تم شرک سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب تمہیں نیست و نابود کردے گا۔ ابو لہب، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا۔ اس نے انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور گستاخی کرتے ہوئے بولا: تَبًّا لَّكَ اَمَا جَمَعْتَنَا اِلَّا لِهٰذَا (2)۔ اللہ تعالیٰ کو اس گستاخ کی گستاخی، اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سخت ناگوار گزری اور انتہائی غضب اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں جن ہاتھوں کی ایک انگلی بے ادبی کے لیے اٹھی ہے وہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ انہیں کبھی اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو۔ یہ بددعا ہے۔ وتب فرمایا کہ وہ تباہ و برباد ہوگیا، وہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا، اس کا جسم ریزہ ریزہ کردیا گیا اور جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا، اسے پورا ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ بزدلی کے باعث بدر کی جنگ میں یہ شریک نہ ہوا، لیکن بدر کی عبرت ناک شکست پر ابھی صرف ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ اس کے جسم پر ایک زہریلا چھالا (اَلْعَدَسَة) نمودار ہوا جو چند دنوں میں اس کے سارے جسم پر پھیل گیا۔ ہر جگہ سے بدبودار پیپ بہنے لگی۔ گوشت گل گل کر گرنے لگا۔ اس کے

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص235

2۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز30، ص260۔ بخاری کتاب التفسیر سورۃ الشعراء، ج2، ص702

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚۖ ﴿٣﴾ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ ﴿٤﴾

عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں ۳ اور اس کی جورو بھی ۴ بدبخت ایندھن اٹھانے والی ۵

بیٹوں نے جب دیکھا کہ اسے ایک متعدی بیماری لگ گئی ہے، تو انہوں نے اس کو اپنے گھر سے باہر نکال دیا اور تڑپتے تڑپتے اس نے جان دے دی۔ اب بھی اس کی نعش کو ٹھکانے لگانے کے لیے کوئی عزیز اس کے قریب نہ گیا۔ تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی۔ جب اس کے تعفن اور بدبو سے لوگ تنگ آ گئے اور اس کے بیٹوں کو لعنت ملامت شروع کی، تب انہوں نے چند حبشی غلاموں کو اس کی لاش ٹھکانے لگانے پر مقرر کیا۔ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو دھکیل کر اس گڑھے میں پھینک دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی (1)۔ اتنے بڑے قوم کے سردار اور مکہ کے چوٹی کے چار رئیسوں میں سے ایک رئیس کا یہ حشر اللہ تعالیٰ کے غضب ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اولاد، اپنے باپ کو یوں کسمپرسی کے عالم میں نہیں چھوڑا کرتی، مرنے کے بعد اس کی لاش کو یوں گلتے سڑتے نہیں دیکھ سکتی، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا غضب آتا ہے، تو اولاد کے دل میں محبت یا ظاہر داری کے جذبات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو اس گستاخِ بارگاہِ نبوت کا ہوا۔ سارے اہل مکہ نے دیکھا کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی طرف سے جو یہ پیشگوئی کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِهٖ وَمِنْ غَضَبِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ تَبَّتْ یہ جملہ خبریہ ہے اور تَبَّ بھی جملہ خبریہ اور اس سے مراد تاکید ہے۔ لیکن علامہ قرطبی نے فراء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تَبَّتْ يَدَا یہ بددعا ہے اور تَبَّ جملہ خبریہ ہے۔ پہلے فرمایا ایسا ہو جائے، پھر بتا دیا ایسا ہو گیا۔ قَالَ الْفَرَّاءُ التَّبُّ الْاَوَّلُ دُعَاءٌ وَالثَّانِيْ خَبَرٌ (قرطبی) (2) علامہ پانی پتی بھی فرماتے ہیں: اِخْبَارٌ بَعْدَ اِخْبَارٍ لِلتَّاكِيْدِ اَوِ الْاُوْلٰى دُعَائِيَّةٌ وَالثَّانِيْ خَبَرِيَّةٌ (مظہری) (3)

ابولہب کا نام عبد العزیٰ تھا۔ اپنے حسن و جمال اور چمکتے ہوئے چہرے کی وجہ سے اس نے اپنی کنیت ابولہب رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کنیت ذکر کی اور اس کا نام ذکر نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت سے مشہور تھا اور دوسری وجہ یہ کہ عبد العزیٰ (عزیٰ کا بندہ) یہ نام اس قابل نہ تھا کہ اسے قرآن کریم میں ذکر کیا جاتا۔ (4)

۲ یہ مکہ کے چار دولت مندوں میں سے ایک تھا۔ اس کے پاس آٹھ سیر سے زیادہ سونے کی اینٹیں تھیں۔ دیگر جائیداد، سامان، مال مویشی اس کے ماسوا تھے اور صاحب اولاد بھی تھا۔ اس کے کئی لڑکے تھے جو اس کی موجودگی میں پورے جوان تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑا اور ایک زہریلا آبلہ اس کے جسم پر نمودار ہوا، تو سارے نوکر، خادم، بھائی، رشتہ دار حتیٰ کہ اس کے اپنے فرزند بھی اس کو تڑپتا چھوڑ کر چلے گئے۔ اس دنیا ہی میں اس نے دیکھ لیا کہ جس دولت کی کثرت پر وہ فخر کیا کرتا تھا، جن بیٹوں پر اس کو بڑا ناز تھا، مصیبت کے وقت وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے گئے اور اس کے ذرا کام نہ آئے۔ مَا كَسَبَ کا معنی بعض علماء نے اولاد کیا ہے۔ (5)

۳ آج یہ میرے محبوب کی جناب میں گستاخی کرتا ہے، بے ادبی سے انگلی کا اشارہ کرتا ہے اور بڑی ڈینگیں مارتا ہے، قلیل

1۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 30، ص 534

2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 236

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 367

4۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 236

5۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 367

١ ع ۵ ۳۶

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۵ ع

اس کے گلے میں مُونج کی رسّی ہوگی ۶ے

عرصے کے بعد ہم اسے اس گستاخی کا مزا چکھائیں گے اور اسے ایسی آگ میں جھونکیں گے جس میں شعلے اٹھ رہے ہوں گے۔

۴ے اس کی بیوی کا نام اَرْوَہ تھا اور کنیت ام جمیل تھی۔ یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور بھینگی تھی اور اس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسلام دشمنی میں یہ اپنے بدبخت خاوند سے کسی طرح پیچھے نہ تھی۔ اس کا مشغلہ یہ تھا کہ دن کے وقت جنگل میں نکل جاتی، خاردار لکڑیاں چنتی رہتی اور گٹھا باندھ کر اٹھالاتی اور رات کے وقت اس راستے میں ان کانٹوں کو بچھا دیتی جس سے گزر کر اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پروردگار کی جناب میں سجدہ ریز ہونے کے لیے حرم کی طرف تشریف لے جاتا۔ جب یہ سورت نازل ہوئی، تو یہ سن کر آگ بگولا ہوگئی اور اپنی مٹھیوں میں سنگریزے بھر کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلی کہ جہاں ملیں گے، ان پتھروں سے خبر لوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس کو آتے ہوئے دیکھا، تو عرض کی۔ یارسول اللہ! ام جمیل آرہی ہے اور یہ ضرور کوئی خباثت کرے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ قریب آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکی اور بڑبڑاتے ہوئے واپس چلی گئی۔ ارشاد فرمایا جس آگ میں اس کا گستاخ خاوند جلایا جائے گا، اسی آگ میں وہ بھی جھونکی جائے گی۔(1)

۵ے حَطَبٌ: ایندھن کو کہتے ہیں۔ جلانے کی لکڑی۔ حَمَّالَةٌ اٹھانے والی، ان الفاظ سے اس کے اس معمول کو بیان کیا گیا ہے جس پر وہ عمل پیرا رہی۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے جو شخص لوگوں کے درمیان چغل خوری کرے، اس کے بارے میں کہتے ہیں فُلَانٌ يَحْطُبُ عَلٰى فُلَانٍ اِذَا وَرَّشَ عَلَيْهِ (2)۔ جب کوئی شخص لوگوں کے درمیان چغلیاں کھائے اور مخالفت کی آگ کو بھڑکائے، اس کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ایسے شخص کی حدیث پاک میں بھی بڑی مذمت کی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ (3)۔ کوئی چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قحط پڑ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہمراہ تین دن تک بارش کی دعا کرتے رہے، لیکن ایک بوند بھی نہ گری۔ آخر آپ نے عرض کی: اِلٰهِیْ عِبَادَكَ...... الٰہی یہ تیرے بندے ہیں۔ اگر تو رحم نہیں فرمائے گا، تو کون رحم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ موسیٰ! نہ میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور نہ تمہارے ساتھیوں کی، کیونکہ ان میں ایک ایسا آدمی ہے جو چغلخور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یارب العالمین! وہ کون ہے تاکہ ہم اسے اپنی صفوں سے نکال دیں۔ ارشاد ہوا اے موسیٰ! میں تمہیں چغل خوری سے روکتا ہوں۔ میں خود اس شخص کی چغلی کیسے کھا سکتا ہوں۔ چنانچہ سب نے مل کر توبہ کی۔ پھر

1۔ تفسیر ابن کثیر، زیر آیت ہذا، ج4، ص564 2۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص239 3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم النمیمۃ، ج1، ص70

انہوں نے بارش کے لیے دعا مانگی جو قبول ہوئی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ چغل خوری کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض کا قول ہے: ثَلَاثٌ تَهُدُّ الْعَمَلَ الصَّالِحَ وَيُفْطِرْنَ الصَّائِمَ وَيُنْقِضْنَ الْوُضُوْءَ: اَلْغِيْبَةُ وَالنَّمِيْمَةُ وَالْكَذِبُ (1)۔ یعنی تین ایسی باتیں ہیں جو نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں، روزہ توڑ دیتی ہی اور وضو ٹوٹ جاتا ہے، غیبت، چغلی اور جھوٹ۔

اس کی ترکیب کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس کی نصب مذمت کی وجہ سے ہے۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ بِالنَّصْبِ عَلَى الذَّمِّ كَاَنَّهَا اشْتَهَرَتْ بِذٰلِكَ فَجَاءَتِ الصِّفَةُ لِلذَّمِّ لَا لِلتَّخَصُّصِ (2)۔ یعنی اپنی اس صفت کی وجہ سے وہ مشہور و معروف تھی، اس لیے یہ صفت اس کی تخصیص کے لیے نہیں، بلکہ اس کی مذمت کے لیے ہے۔

۵-۶ جِیْد: گردن۔ حَبْل: رسی۔ مَسَد: مونج، ام جمیل کے بارے میں خصوصی طور پر یہ الفاظ استعمال کرنے میں یہ راز ہے کہ وہ مکہ کے رئیس اعظم کی بیوی تھی۔ اس کے گلے میں جواہرات کا گراں بہا ہار تھا اور وہ کہتی تھی: وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى لَاُنْفِقَنَّهَا فِيْ عَدَاوَةِ مُحَمَّدٍ (3)۔ کہ لات و عزیٰ کی قسم میں موتیوں کے اس بیش قیمت ہار کو فروخت کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عداوت میں خرچ کروں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اسی اکڑی ہوئی گردن میں جس میں آج بڑا قیمتی ہار ہے، ہم مونج کی رسی ڈال کر اسے جہنم میں گھسیٹیں گے جو ستر گز لمبی ہوگی۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ حسب معمول خاردار لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے آ رہی تھی۔ وہ گٹھا مونج کی رسی میں بندھا ہوا تھا۔ وہ ایک پتھر پر آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئی۔ وہ گٹھا پیچھے ہٹ گیا اور رسی اس کے گلے میں حمائل ہوگئی جس سے اس کا دم گھٹ گیا اور وہ مر گئی۔ (4)

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ
اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ سُوْءِ الْاَدَبِ فِيْ حَضْرَةِ الْمُصْطَفٰى
وَنَعُوْذُبِكَ بِجَاهِهٖ عِنْدَكَ مِنْ سُخْطِكَ وَ سُخْطِ نَبِيِّكَ
وَحَبِيْبِكَ وَاجْعَلْنَا مِنْ خُدَّامِهِ الْمُتَاَدِّبِيْنَ فِيْ جَنَابِهٖ
الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِذَيْلِهِ الْمُقْتَفِيْنَ بِاٰثَارِهِ النَّيِّرَةِ عَلَيْهِ وَ
عَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَطْيَبُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَزْكٰهَا
27 رمضان المبارک 1399ھ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 239

2۔ ایضاً ص 240

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 264

4۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 535

تعارف سُورۃ الاخلاص

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام: اس سورۂ مبارکہ کے بہت سے نام ہیں جو اس کی عظمت شان اور مقام رفیع پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے چند آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

سورۂ توحید: کیونکہ اس میں عقیدہ توحید کو بڑی جامعیت اور دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

سورۂ نجات: اس کے ذریعہ انسان کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ نیز عذابِ جہنم سے بھی رستگاری کا ذریعہ ہے۔

سورۂ مقشقشہ: قشقشہ کہتے ہیں بیماری سے شفایاب ہوجانا۔ اس سورت کے ذریعے کیونکہ کفر و شرک کے مرض سے شفا نصیب ہوتی ہے، اسی لیے اسے مقشقشہ کہا گیا۔

سورۃ الاساس: کیونکہ ایمان و عمل کا قصرِ رفیع توحید کی بنیادوں پر تعمیر ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اعلیٰ سے اعلیٰ عمل بھی بے معنی اور بے سود ہے۔

سورۃ المانعہ: یہ اپنے قاری کو عذابِ دوزخ سے بچالیتی ہے۔

سورۃ النور: اس کی ضیاء پاشیوں سے مومن کے دونوں جہاں روشن ہوجاتے ہیں۔ اس کے ذہن اور اس کے دل دونوں میں اجالا ہوجاتا ہے۔

سورۃ الامان: اس سورت پر ایمان رکھنے والے کو خداوند ذوالجلال کے قہر و غضب سے امان مل جاتی ہے۔(1)

سورۃ الاخلاص: اس سورت کے متعدد ناموں میں سے یہ اس کا مشہور ترین نام ہے کیونکہ توحید خالص کا مضمون پوری فصاحت سے اس میں مذکور ہے گویا یہ نام اس سورت کے لیے بطور علامت مستعمل نہیں ہوا بلکہ اس کے مضامین و مطالب کا ایک جامع عنوان ہے۔

اس کی آیات کی تعداد چار اور بروایت پانچ۔ یہ پندرہ کلمات اور 47 حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول: اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور بعض کے نزدیک مدینہ طیبہ میں۔ کُتب حدیث میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ بعض سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہ سورت نازل ہوئی۔ پہلے ہم وہ احادیث آپ کے سامنے

1۔ تفسیر کبیر، ج 16، ص 77-176، مطبوعہ دار الفکر بیروت

پیش کرتے ہیں جن سے اس کے مکی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) عَنْ اَبِی الْعَالِیَةِ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ الْمُشْرِکِیْنَ قَالُوْا لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا مُحَمَّدُ اِنْسُبْ لَنَا رَبَّكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الْاٰیَةَ (رواہ احمد) (1)

ترجمہ: ابو العالیہ، ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ مشرکین کا ایک گروہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) جس رب پر ایمان لانے کی آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں، اس کا نسب نامہ تو ہمیں بتائیے، تاکہ ہمیں اس کی پہچان ہو جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ سورت نازل فرمائی۔

(۲) عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ اَعْرَابِیًّا جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُنْسُبْ لَنَا رَبَّكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الایۃ) (2)

ترجمہ: شعبی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، کہنے لگا کہ اپنے رب کا نسب نامہ ہمیں سنائیے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

(۳) عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قُرَیْشٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُنْسُبْ لَنَا رَبَّكَ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ السُّوْرَةُ۔ (3)

ترجمہ: ابو وائل حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قریش نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمائش کی کہ اپنے رب کا نسب نامہ تو ہمیں بتائیے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

ان تینوں روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ وہیں کے مشرکوں اور قریش نے یہ سوال پوچھا اور انہیں کو یہ جواب دیا گیا۔

لیکن مندرجہ ذیل روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ الْیَهُوْدَ جَاءُوْا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ مَعَهُمْ کَعْبُ بْنُ اَشْرَفَ فَقَالُوْا یَا مُحَمَّدُ هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَغَضِبَ نَبِیُّ اللّٰهِ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَنَزَلَ جِبْرَئِیْلُ فَسَکَّنَهٗ وَقَالَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ یَا مُحَمَّدُ فَنَزَلَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الْاٰیَةَ۔ (4)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ ان کے ساتھ کعب بن اشرف یہودی بھی تھا۔ انہوں نے کہا یہ اللہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازحد غضب ناک ہو گئے۔ جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی اور عرض کیا اپنے پروں کو نیچا کیجیے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

(۲) رَوٰی عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ نَجْرَانَ فَقَالُوْا صِفْ لَنَا رَبَّكَ اَمِنْ زَبَرْجَدٍ اَوْ یَاقُوْتٍ اَوْ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ۔ وَقَالَ اِنَّ رَبِّیْ لَیْسَ مِنْ شَیْءٍ لِاَنَّهٗ خَالِقُ الْاَشْیَاءِ فَنَزَلَتْ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (5)

1- تفسیر ابن کثیر، ج4، ص639 2- ایضاً 3- ایضاً 4- تفسیر کبیر، ج16، ص176 5- ایضاً

عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ جب نجران کے نصاریٰ کا وفد آیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کی حقیقت ہمیں بتایئے وہ زبرجد کا بنا ہوا ہے، یاقوت کا بنا ہوا ہے یا سونے چاندی کا بنا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رب ان چیزوں میں سے نہیں، میرا رب ان تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

یہودیوں کا وفد بھی مدینہ طیبہ میں حاضر خدمت ہوا تھا اور نجران کے عیسائی بھی اسی مقام پر حاضری سے شرف یاب ہوئے تھے۔ ان دو حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

اہل تحقیق نے روایات کے اس تعارض کو یہ کہہ کر ختم کیا کہ اس سورت کا نزول دوبار ہوا۔ ایک بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں۔ اس کی توجیہہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ سورت نازل تو مکہ مکرمہ میں ہوئی لیکن جب اسی قسم کے سوالات یثرب کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں نے پوچھے تو ان کے جواب کے لیے اس سورت کی طرف توجہ مبذول کرادی۔ اسی کو نزول سورت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مضامین: اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کاملہ کے بارے میں جس قسم کی غلط فہمیاں نوع انسانی کے کسی حلقہ میں پائی جاتی تھیں، ان تمام کا ازالہ یہ سورت نازل کر کے کر دیا۔ بعض کہتے تھے کہ یہ عالم قدیم ہے۔ اس کا کوئی خالق اور مبدأ نہیں، اپنی محیر العقول بوقلمونیوں اور بے عدیل باہمی نظم وضبط کے ساتھ یہ خود بخود معرض وجود میں آ گیا ہے۔ یہ کہنے والے یونان کے قدیم فلسفی ہوں یا عصر حاضر کے ملحد دانشور ہوں۔ مصر اور بابل کے ترقی یافتہ تمدنوں کے بانی ہوں یا وحشی قبائل، سب غلط کہتے ہیں، بتا دیا اس کائنات کا خالق ہے اور ہے بھی وہ وحدہ لاشریک۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

بعض قومیں ذات خداوندی کو تسلیم کرتی تھیں لیکن اس کی صفات کاملہ کا عرفان انہیں نصیب نہیں ہوا تھا، اس لیے اوہام و ظنون کی وادیوں میں صدیوں سے بھٹک رہی تھیں۔ باقی آیات سے ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کر دیا اور انہیں کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر معرفت الٰہی کی روشنی میں پہنچا دیا۔

یہی مسئلۂ توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ تمام انبیاء ورسل یہی سبق لوگوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے تشریف فرما ہوئے، خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد وحید بھی یہی تھا۔

اس سورت کی چند مختصر آیات میں قدیم وجدید ہر قسم کی فکری گمراہیوں کا استیصال کر دیا۔

فضیلت و اہمیت: اس سورۂ پاک کی فضیلت و اہمیت اس کے مضمون سے عیاں ہے۔ لیکن بطورِ تبرک زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اس کی عظمتِ شان کا تذکرہ سنیے:

(ا) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلٰى سَرِيَّةٍ فَكَانَ يَقْرَأُ لِاَصْحَابِهٖ فِيْ صَلٰوتِهٖ وَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ لَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَلُوْهُ لِاَيِّ شَيْءٍ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَأَلُوْهُ فَقَالَ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَأَ بِهَا وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُحِبُّهٗ (بخاری، مسلم) (1)

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج 4، ص 639

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک لشکر کا امیر بنا کر کسی مہم پر روانہ کیا۔ ان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ جماعت کراتے ہر رکعت کی قراءت کے اختتام پر سورۂ اخلاص تلاوت کرتے۔ واپسی پر لشکریوں نے اس بات کا تذکرہ بارگاہِ رسالت میں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کیا کرتا ہے۔ اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا: اس سورت میں خداوند رحمٰن کی صفت ہے اس لیے میں اس کی تلاوت کو محبوب رکھتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے بتادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو محبوب رکھتا ہے۔

(۲) عَنْ اَنَسٍ رَّضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ یَؤُمُّھُمْ فِیْ مَسْجِدِ قُبَاءَ فَکَانَ کُلَّمَا افْتَتَحَ سُوْرَۃً یَّقْرَأُ بِھَا لَھُمْ فِی الصَّلٰوۃِ مِمَّنْ یَّقْرَأُ بِہٖ افْتَتَحَ بِقُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا ثُمَّ کَانَ یَقْرَأُ سُوْرَۃً اُخْرٰی مَعَھَا ...... وَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا فُلَانُ مَا یَمْنَعُکَ اَنْ تَفْعَلَ مَا یَاْمُرُکَ بِہٖ اَصْحَابُکَ وَمَا حَمَلَکَ عَلٰی لُزُوْمِ ھٰذِہِ السُّوْرَۃِ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ قَالَ اِنِّیْ اُحِبُّھَا قَالَ حُبُّکَ اِیَّاھَا اَدْخَلَکَ الْجَنَّۃَ (بخاری) (1)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری مسجد قبا میں انصار کی امامت کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ وہ سورت پڑھنے سے پہلے سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے۔ ان کے مقتدیوں نے انہیں کہا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں یا سورۂ اخلاص پڑھا کیجئے یا کوئی دوسری سورت۔ انہوں نے کہا میں تو ایسا ہی کروں گا۔ اب آپ کی مرضی ہو تو جماعت کراتا ہوں اور اگر آپ کی مرضی نہ ہو تو کسی دوسرے کو اپنا امام مقرر کر لیجئے۔ ان کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے لوگ کسی دوسرے کو امام مقرر کرنا پسند نہ کرتے تھے چنانچہ اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کیا گیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے مقتدی جس طرح کہتے ہیں تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس سورت سے بڑا پیار ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا ہے۔

اگرچہ یہ سورت صرف چار آیات پر مشتمل ہے لیکن اپنی عظمت شان کے باعث اس کو ایک بار پڑھنے سے دس پاروں کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے

(۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ احْشُدُوْا فَاِنِّیْ سَاَقْرَأُ عَلَیْکُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ فَحَشَدَ مَنْ حَشَدَ ثُمَّ خَرَجَ فَقَرَأَ قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ الخ ثُمَّ دَخَلَ ...... فَقَالَ اِنِّیْ قُلْتُ سَاَقْرَأُ عَلَیْکُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ اَلَا وَاِنَّھَا تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ (2)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روز صحابہ کو حکم دیا کہ اکٹھے ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا چنانچہ لوگ جمع ہو گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی اور حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔ لوگ کہنے لگے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا۔ اور آپ صرف ایک سورت سنا کر تشریف لے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے واپس آ کر فرمایا کہ میں نے تمہیں یہی کہا تھا کہ میں تمہیں ایک

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج 4، ص 640

2۔ ایضاً، ج 4، ص 641

تہائی قرآن سناؤں گا۔ کان کھول کر سن لو۔ یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِہٖ اَیَعْجِزُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّقْرَأَ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ فِیْ لَیْلَۃٍ فَشَقَّ ذٰلِکَ عَلَیْھِمْ قَالُوْ اَیُّنَا یُطِیْقُ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ ثُلُثُ الْقُرْاٰنِ۔ (1)

ترجمہ: ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو فرمایا کیا تم ایک تہائی قرآن ہر رات تلاوت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے۔ فرمایا قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ الخ قرآن کی ایک تہائی ہے۔

اس سورت کو قرآن کریم کی ایک تہائی کہنے کی کئی وجوہات علماء نے ذکر کی ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ قرآن میں تین چیزوں پر پوری توجہ صرف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان، رسالت پر ایمان اور روز قیامت پر ایمان۔ اس سورت میں توحید کا ذکر کیا گیا ہے جو ان تین چیزوں میں سے ایک ہے اس لیے اسے قرآن کی ایک تہائی فرمایا گیا۔

اس بابرکت سورت کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں جب دامن طلب پھیلایا جاتا ہے، وہ کریم اسے خالی واپس نہیں کرتا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ فَاِذَا رَّجُلٌ یُّصَلِّیْ یَدْعُوْ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ، قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ سَاَلَہٗ بِاسْمِہِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی وَاِذَا دُعِیَ بِہٖ اَجَابَ۔ (2)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں مسجد میں داخل ہوا، وہاں ایک شخص نماز پڑھ کر دعا مانگ رہا تھا اور عرض کر رہا تھا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اس شخص نے اپنے رب سے اس کے اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا مانگی ہے۔ جب بھی اس کے وسیلہ سے سوال کیا جاتا ہے وہ عطا فرماتا ہے اور جب بھی دعا کی جاتی ہے، وہ قبول کرتا ہے۔

رُوِیَ اَنَّہٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَسَمِعَ رَجُلًا یَّدْعُوْ وَیَقُوْلُ اَسْاَلُکَ یَا اَللّٰہُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا مَنْ لَّمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ غُفِرَ لَکَ غُفِرَ لَکَ غُفِرَ لَکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (تفسیر کبیر) (3)

ترجمہ: ایک دفعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور ایک شخص کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا۔ وہ عرض کر رہا تھا: اَسْاَلُکَ یَا اَللّٰہُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا مَنْ لَّمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: اے شخص تجھے بخش دیا گیا، اے شخص تجھے بخش دیا گیا، اے شخص تجھے بخش دیا گیا۔

رُوِیَ اَنَّہٗ کَانَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَعَ الرَّسُوْلِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِذْ اَقْبَلَ اَبُوْذَرٍّ الْغِفَارِیُّ۔ قَالَ جِبْرَئِیْلُ ھٰذَا اَبُوْذَرٍّ قَدْ اَقْبَلَ وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَوَ تَعْرِفُوْنَہٗ قَالَ ھُوَ اَشْھَرُ عِنْدَنَا مِنْہُ عِنْدَکُمْ۔ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِمَاذَا نَالَ ھٰذِہِ الْفَضِیْلَۃَ قَالَ لِصِغَرِہٖ فِیْ نَفْسِہٖ وَکَثْرَۃِ قِرَاءَتِہٖ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (تفسیر کبیر) (4)

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج4، ص640 2۔ ایضاً، ص643 3۔ تفسیر کبیر، ج16، ص175 4۔ ایضاً

ترجمہ: ایک دفعہ حضرت جبرئیل بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ ابوذر غفاری آ گئے۔ جبرئیل نے عرض کی یہ ابوذر ہیں جو آ رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کیا تم ملائکہ ابوذر کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ وہ یہاں سے زیادہ ہمارے ہاں مشہور ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا، کس وجہ سے انہیں یہ فضیلت ملی ہے۔ انہوں نے عرض کی، ایک تو یہ اپنے آپ کو اپنے دل میں چھوٹا سمجھتے ہیں، دوسرا قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کی کثرت سے قراءت کرتے ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ الانصاری القرطبی اپنی تفسیر میں اس مقام پر ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ آپ بھی سنیے اور اس پر عمل کیجئے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ قَالَ شَكَا رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَقْرَ وَضِيْقَ الْمَعِيْشَةِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتَ الْبَيْتَ فَسَلِّمْ اِنْ كَانَ فِيْهِ اَحَدٌ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ اَحَدٌ فَسَلِّمْ عَلَيَّ وَاقْرَأْ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ مَّرَّةً وَّاحِدَةً فَفَعَلَ الرَّجُلُ فَاَدَرَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ الرِّزْقَ حَتّٰى اَفَاضَ عَلٰى جِيْرَانِهٖ (القرطبی)(1)

ترجمہ: سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں اپنے فقر اور تنگدستی کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہوا گر وہاں کوئی موجود ہو تو اس کو سلام کہو اور اگر کوئی موجود نہ ہو تو مجھ پر سلام بھیجو اور پھر ایک مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھو۔ اس آدمی نے حسب ہدایت عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا وافر رزق عطا فرمایا کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو بھی مستفید کرنے لگا۔

قاضی عیاض شفا شریف میں ان مقامات کا ذکر کرتے ہوئے جہاں نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا مستحب ہے رقمطراز ہیں:

وَقَالَ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ فِيْ قَوْلِهٖ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ قَالَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ اَحَدٌ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

ترجمہ: عمرو بن دینار (جو امامِ حدیث ہیں اور صحاح ستہ کے مصنّفین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ضمن میں فَاِذَا دَخَلْتُمْ (الآیۃ) لکھتے ہیں جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے آپ پر سلام بھیجو۔ ابن دینار کہتے ہیں اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

علّامہ علی قاری شرح شفا میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اَيْ لِاَنَّ رُوْحَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِيْ بُيُوْتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے۔ اس لیے حضور پر سلام عرض کرنا چاہیے۔ (شرح شفا، قاضی عیاض جلد 2، صفحہ 117)

1۔ تفسیر قرطبی، ج 20، ص 250

سُوْرَةُ الْإِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ أَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورۃ الاخلاص مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی چار آیات ہیں

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ③

(اے حبیب!) فرمادیجیے وہ اللہ ہے یکتا ۱؎ اللہ صمد ہے ۲؎ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا ۳؎

۱؎ اگر آپ اقوام عالم کے مذہبی عقائد کا مطالعہ کریں تو آپ ششدر ہو کر رہ جائیں گے۔ خالقِ کائنات کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں سن کر آپ کا دماغ چکرانے لگے گا اور دل ڈوبنے لگے گا۔ بعض نے تو کسی خدا کو ماننے ہی سے انکار کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ جہان رنگ و بو، اتفاقاً محض بطور حادثہ پیدا ہو گیا ہے۔ کسی کی حکمت، کسی کے علم، کسی کی قدرت کا اس میں ذرا دخل نہیں۔ یہ چرخ نیلوفری، یہ کرۂ زمین، اس میں فلک بوس پہاڑ، ان میں ابلتے ہوئے چشمے، رواں دواں ندیاں، ان کے دامن میں رنگین مہکتے پھول اور چبھتے ہوئے کانٹے، شبنم کے قطرے اور سمندروں کی بیکرانیاں خود بخود ظہور پذیر ہو گئیں۔ نیلگوں فضا میں ان گنت ستاروں کے چراغ خود ہی روشن ہو گئے، آفتاب و ماہتاب کی تابانیاں کسی خالق کی ندرتِ تخلیق کا کرشمہ نہیں۔

بعض اقوام ایک خدا کی قائل تھیں، مگر ایسا خالق جو علم و حکمت اور قوت تدبیر سے یکسر عاری ہے۔ بعض نے دو اور بعض نے انگنت خدا بنا ڈالے، ان خداؤں کے معاشقوں کی داستانیں بڑی اخلاق سوز ہیں۔ ان میں رقابت کی آگ بھی بھڑکی، انہوں نے ایک دوسرے کی بیویوں کو اغوا تک کیا، ان سے بدمعاشی سے بھی باز نہ آئے۔ ان کے درمیان خونریز جنگیں بھی ہوئیں۔ ان کی اولاد بھی پیدا ہوئی۔ غرضیکہ اس سلسلے میں بدتمیزی کا وہ طوفان برپا ہے کہ الامان والحفیظ۔

لطف یہ ہے کہ ان خرافات کو ماننے والے، ان پر ایمان رکھنے والے، بڑے جوش و خروش سے ان کا پرچار کرنے والے، معمولی قسم کے آدمی نہ تھے۔ ان میں فلاسفر بھی تھے، منطقی بھی، ان میں چوٹی کے سائنس دان بھی تھے اور ریاضی دان بھی، کشور فصاحت کے تاجدار بھی تھے اور نغز گو شاعر بھی، دانش وروں، عقل و فہم کے مجسموں، مذہبی رہنماؤں اور سیاسی قائدوں اور بے نظیر فاتحوں کا ایک جم غفیر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہند، چین، روم، یونان اور مصر، جہاں تہذیب و تمدن کے چراغ روشن تھے، یہ کیفیت وہاں کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا حبیب، توحید کا علمبردار، دعوت حق کا مبلّغِ اعظم، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس ملک میں تشریف لائے، وہاں تو سونے، تانبے، فولاد، پتھر اور لکڑی کے بے شمار خداؤں کی خدائی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ جب اس ہادی برحق نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اعلان کیا تو لوگوں کے ذہنوں میں کھلبلی مچ گئی۔ سوالات و استفسارات کا ایک سیلاب امڈ آیا، فرمائشوں پر فرمائشیں ہونے لگیں۔ کوئی کہتا اِنْسِبْ لَنَا رَبَّكَ (1)۔ ذرا اپنے رب کا نسب نامہ تو بیان فرمائیے۔ کوئی کہنے لگا: آپ کا رب کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ لوہے کا، مٹی کا، پتھر کا، تانبے کا، سونے کا؟ دنیا کی ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مادّہ ہے، آخر آپ کے رب کا کیا مادہ ہے؟ کوئی بے تابی سے پوچھ رہا تھا کہ آپ کے رب کی خوراک کیا ہے؟ جس نے تنہا اپنے کاندھوں پر کائنات کی تخلیق اور تدبیر کا بارِ

1۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الاخلاص، ج 2، ص 172

گراں اٹھایا ہوا ہے، وہ کھاتا کیا ہے؟ ان کے ذہنوں کی تنگ دامانی اور ان کے افکار کی کجی عجیب وغریب سوالات کے پیکر میں ظاہر ہو رہی تھی۔ اس اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ سورۂ مبارکہ نازل کی اور اس کی چند آیتوں میں گمراہی کی انگنت صورتوں کا قلع قمع کر دیا۔ ارشاد ہے قل: اے عبد کامل! سب سے بڑی سچائی کا اعلان تو اپنی زبان سے فرما تا کہ کسی کو مجال انکار نہ رہے۔

بسا اوقات کمال بھی حجاب بن جایا کرتا ہے۔ کمالات بھی بے شمار ہیں اور ان سے پیدا ہونے والے حجابات بھی انگنت ہیں۔ کہیں حسن، کہیں قوت، کہیں علم، کہیں دولت، کہیں اقتدار و حکومت اور کہیں جنگی فتوحات کے نقاب حق کے روئے زیبا کو مستور کر دیتے ہیں۔ ان حجابات کو وہی اٹھا سکتا ہے، ان نقابوں کو وہی الٹ سکتا ہے جو خود جملہ کمالات سے یوں متصف ہو کہ اس کی نظیر پیش نہ کی جا سکے۔ اے حبیب! ہم نے آپ کو تمام کمالات کا پیکر رعنا بنا کر بھیجا ہے۔ اٹھیے اور اپنی صدائے دلنواز سے نخوت و پندار کے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیجئے۔ فرعون نے ملک مصر کی حکمرانی سے اپنا دماغی توازن کھو دیا تھا اور خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ تجھے تو میں نے وہ سلطانی عطا فرمائی ہے کہ تیری انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس بے مثال سلطانی کے باوجود اگر تو یہ کہے گا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو کسی حکمران کی یہ مجال نہیں ہوگی کہ وہ اپنی خدائی کا اعلان کر سکے۔ ہم نے تجھے وہ شانِ رفیع عطا فرمائی ہے کہ سب نبی، سب رسول اس کی جلالت شان دیکھ کر سر بجیب ہیں۔ جب تو یہ کہے گا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہ میں با ایں ہمہ کمال خدا نہیں، بلکہ بندہ ہوں، تو کسی کو یہ حق نہ پہنچے گا کہ وہ کسی نبی یا رسول کو خدا یقین کرے۔ تیرے علم کا بحر بے پیدا کنار، کان وما یکون کو محیط ہے۔ تیری نگاہ رسا، اسرار و معارف کی گہرائیوں تک پہنچی ہوئی ہے، اس علم بے پایاں کے باوجود اگر تو یہ کہے گا کہ میں خدا نہیں، بلکہ اس کا بندہ ہوں، جب تیری زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اعلان ہوگا تو کسی علامہ دہر اور فاضل اجل کو جرأت نہ ہو گی کہ اپنی خدائی کا دم بھر سکے۔

آپ کے جد امجد، میرے خلیل نے لوہے کی گرز سے اپنی قوم کے صنم کدے میں سجے ہوئے بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اے فرزند خلیل! اٹھیے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی کہسار شکن ضرب سے افکار و نظریات کے بت کدوں کو پاش پاش کر دیجئے تا کہ اس کے بعد کوئی سلیم الفطرت انسان یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ تیرے خدا کے بغیر بھی کوئی اور خدا ہے، تیرے رب کے بغیر بھی اس جہان کا کوئی رب ہے، تیرے عزتوں والے، شانوں والے، قوتوں والے، حکمت والے، ہمہ بین اور ہمہ دان پروردگار کے سوا کوئی اور بھی خدا ہے۔ تیرے لبوں سے حق کی صدا نکلے گی، تو زمین کی وسعتیں، فضا کی پہنائیاں، آسمان کی رفعتیں، عرش کی بلندیاں، اس صدائے حق سے گونجنے لگیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے جو چاہا، وہ پورا ہو کر رہا۔ بطحاء کی سنسان وادی سے اٹھنے والی یہ میٹھی آواز سارے جہاں کی غوغا آرائیوں پر غالب آ گئی۔ دینِ اسلام کا آفتاب کیا طلوع ہوا کہ مذاہب باطلہ کے چراغ بے نور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق، آدم کی اولاد کو اپنے خالق و مالک کا صحیح عرفان نصیب ہو گیا۔ حکم ہوا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یعنی آپ ان پوچھنے والوں کو بتا دیجئے کہ جس معبود کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں، جس کی حریم ناز تک میں تمہیں لے جانا چاہتا ہوں، وہ تمہارے اندھے، بہرے بتوں کی طرح پتھر، تانبے، لکڑی کا بنا ہوا نہیں ہے، وہ اللہ ہے جو احد ہے، جو یکتا ہے۔ احد: اس ایک کو کہتے ہیں جس کا دوسرا نہ ہو، نہ ذات میں،

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿٤﴾

اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے ۴

نہ صفات میں، نہ کمالات میں۔ اس اعلان کے ہوتے ہی سونے، چاندی، لوہے، تانبے، پتھر، لکڑی کے بنے ہوئے جو معبود صدیوں سے خدائی کی مسند پر بڑے کروفر سے براجمان تھے، منہ کے بل زمین پر اوندھے گر پڑے۔

۲۔ الصَّمَدُ کی تشریح علماء نے اپنے اپنے ذوق اور اندازِ فکر کے مطابق کی ہے، اس لیے کتب تفسیر میں انگت اقوال مرقوم ہیں۔ تعبیریں اگرچہ مختلف ہیں، لیکن مفہوم سب کا ایک ہے۔ علامہ پانی پتی ان سب اقوال کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: وَعِنْدِیْ مَعْنَاهُ الْحَقِیْقِیُّ الْمَقْصُوْدُ قَالَ فِی الْقَامُوْسِ: اَلصَّمَدُ: اَلْقَصْدُ ...... لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ عَلَى الْاِطْلَاقِ مَنْ یَّحْتَاجُ كُلُّ مَا عَدَاهُ اِلَیْهِ وَلَا یَحْتَاجُ هُوَ اِلٰی غَیْرِهٖ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الْاَشْیَاءِ (مظہری) (1) یعنی میرے نزدیک الصمد کا حقیقی معنی المقصود ہے۔ قاموس میں ہے۔ صمد (2): قصد کرنا اور جو مقصود علی الاطلاق ہوا کرتا ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہوا کرتی ہے اور کسی بات میں وہ کسی کا محتاج نہیں ہوا کرتا، اسی لیے صوفیائے کرام نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا معنی لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ بتایا ہے۔ سعد بن جبیر فرماتے ہیں۔ اَلصَّمَدُ: اَلسَّیِّدُ هُوَ الْمَقْصُوْدُ اِلَیْهِ فِی الرَّغَائِبِ، اَلْمُسْتَغَاثُ بِهٖ عِنْدَ الْمَصَائِبِ (3)۔ صمد، سب کا آقا، سب کا سردار، انعامات حاصل کرنے کے لیے جس کے دربار کا قصد کیا جائے اور طوفان مصائب میں جس کی جناب میں فریاد کی جائے۔

۳۔ صرف جاہل اور غیر متمدن اقوام ہی اللہ تعالیٰ کی اولاد تسلیم نہیں کرتی تھیں، بلکہ اس گمراہی میں وہ قومیں بھی بری طرح مبتلا تھیں جو انبیاء و رسل پر ایمان لے آئی تھیں اور جن کے پاس آسمانی کتب موجود تھیں۔ اگر عرب کے جاہل مشرک، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے، تو یہودی موسیٰ علیہ السلام کی امت اور تورات کے حامل حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا فرزند کہتے اور عیسائی یسوع مسیح پسر مریم کو بڑے طمطراق سے اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا کرتے۔ اس آیت نے ان کے ان باطل تصورات کو مٹا کر رکھ دیا۔ فرمایا نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ یہ تو فانی اور حادث اشیاء کی خصوصیتیں ہیں۔ میرا پروردگار لم یزل، لایزال ہے، فنا و حدوث سے منزہ اور پاک ہے، انسانوں کی طرح وہ بیٹوں کا محتاج نہیں، ساری مخلوق، چھوٹی اور بڑی، عزیز اور حقیر، جس کے سامنے بندگی کا پٹہ گلے میں ڈالے، سر جھکائے کھڑی ہو اس کو کیا ضرورت ہے کہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

۴۔ کُفُو کہتے ہیں، ہمسر کو، جو قدرت، علم، حکمت اور دیگر صفات میں ہم پلہ اور ہم پایہ ہو۔ اس جہان میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو کسی پہلو، کسی جہت اور کسی انداز سے اللہ تعالیٰ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ سب اس کے بندے ہیں، اس کی مخلوق ہیں، اس کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ اس کے ہر حکم کے سامنے طوعاً و کرہاً سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعضے از علما گفتہ اند کہ شرکت گاہے در عدمی باشد آں را بلفظِ احد نفی فرمود، وگاہے در مرتبہ و منصب می باشد و آں را بلفظِ صمد نفی فرمود و گاہے در نسب می باشد و آں را بلفظ لَمْ یَلِدْ ڏ وَلَمْ یُوْلَدْ،

1۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص372

2۔ القاموس المحیط، ج1، ص428

3۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص372

نفی فرمودہ گاہے در کار و تاثیری باشد و آں را وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ نفی فرمود و ہمیں جہت ایں سورت را سورت اخلاص می گویند۔ (تفسیر عزیزی)(1)

ترجمہ: علماء لکھتے ہیں کہ شرک کبھی عدد میں ہوتا ہے ''احد'' کہہ کر اس کی نفی فرما دی، کبھی مرتبہ و منصب میں ہوتا ہے ''صمد'' کہہ کر اس کا بطلان کر دیا، کبھی نسب میں ہوتا ہے، ''لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ'' سے اس کا ابطال کر دیا اور کبھی کوئی کام کرنے اور اثر اندازی میں ہوتا ہے، اس کی تردید ''لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ'' سے کر دی۔ توحید کے اسی جامع مضمون کے باعث اس سورت کو سورۂ اخلاص کہا جاتا ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَّاَشْهَدُ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ مَوْلَانَا وَ حَبِيْبَنَا وَ حَبِيْبَ رَبِّنَا مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَطْيَبِهَا وَسَلِّمْ مِّنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَزْكٰهَا وَ بَارِكْ مِنَ الْبَرَكَاتِ اَسْنٰهَا عَلٰى حَبِيْبِيْ وَ شَفِيْعِيْ وَ قُرَّةِ عَيْنِيْ وَ سُرُوْرِ قَلْبِيْ عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَ عَلٰى اَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُوْمِنِيْنَ وَ عَلٰى سَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَ عَلٰى اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهِ الْكَامِلِيْنَ وَ عَلٰى عُلَمَاءِ شَرِيْعَتِهِ الرَّبَّانِيِّيْنَ وَ عَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

اٰمِيْنَ بِجَاهِ طٰهٰ وَ يٰسٓ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

1۔ تفسیر عزیزی، پارہ عم، ص294

تعارف

سورۃ الفلق والنّاس

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام: پہلی سورت کا نام ''الفلق'' اور دوسری کا نام ''الناس'' ہے۔ دونوں سورتوں کا نزول بھی بیک وقت ہوا۔ مفہوم، معنی اور مقصد کے اعتبار سے بھی ان میں اس قدر اتصال ہے کہ انہیں الگ الگ کرنا بہت دشوار ہے۔ اس لیے انہیں معوذتین کے ایک نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان کے الگ الگ تعارف لکھنے کے بجائے ایک ہی تعارف پر اکتفا کروں گا۔

پہلی ''سورۃ الفلق'' ایک رکوع، پانچ آیتوں، تیئس کلموں اور چوہتر حروف پر مشتمل ہے اور دوسری ''سورۃ الناس'' میں ایک رکوع، چھ آیات، بیس کلمے اور اناسی حروف ہیں۔

نزول: اس بات پر توسب متفق ہیں کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ لیکن کہاں نازل ہوئیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ حضرت حسن بصری، عطا، عکرمہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ رائے ہے کہ ان کا نزول مکہ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن قتادہ، ابوصالح اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ علماء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں (1)۔ بعض مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن احادیث مرفوعہ دوسرے قول کی تائید کرتی ہیں۔ اس لیے مرفوع حدیث کے مقابلہ میں کسی کے قول کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے۔ ایک مرفوع حدیث جسے مسلم، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ نے حضرت عقبہ بن عامر سے یوں روایت کیا ہے۔ عقبہ کہتے ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اَلَمْ تَرَ آیَاتٍ اُنْزِلَتِ اللَّیْلَةَ لَمْ یُرَ مِثْلُهُنَّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ یعنی تمہیں خبر ہے اللہ تعالیٰ نے آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کی پہلے مثال نظر نہیں آتی۔ وہ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہیں۔

عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی''۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان سورتوں کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ دوسری حدیث جو اس قول کی تائید کرتی ہے، وہ ہے جس میں اِن کے شانِ نزول کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس حدیث کو ائمہ کبار بغوی، نسفی، بیہقی، ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ شراح حدیث میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی نے اپنے اپنے اسفار جلیلہ میں لکھا ہے کہ سات ہجری میں جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے جادو کیا (جس کی تفصیل آگے بیان ہو رہی ہے) اس وقت اس جادو کے اثرات کو کالعدم کرنے کے لیے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔ ان ائمہ

1۔ روح المعانی، جز30، ص278

حدیث کی تحقیق کے بعد اور حضرت عقبہ کی مرفوع روایت کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے ان سورتوں کے مکی ہونے پر اصرار کرنا اور ان صریح روایات کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ "ان مواقع پر ان سورتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی جو پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں" بہر حال میرے لیے ناقابل فہم ہے۔ جہاں تک میری سمجھ اور تحقیق کا تعلق ہے، میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

چند مباحث: یہاں چند ایسے الجھے ہوئے مباحث ہیں جن سے دامن بچا کر آگے نکل جانا کسی طرح درست نہیں۔ ان سورتوں کے تعارف کے ضمن میں ان مباحث کا تذکرہ اور ان سے جو شبہات جنم لیتے ہیں ان کا ازلہ ازبس ضروری ہے۔ اس لیے قارئین کرام سے ان مباحث کے تذکرہ کی اجازت طلب کرتا ہوں۔

بحث اوّل: کیا یہ دونوں سورتیں قرآن کریم کا جزو ہیں اور قرآن کریم کی دوسری سورتوں کی طرح ان کا جزوِ قرآن ہونا قطعی الثبوت ہے؟

یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ بعض ایسی روایات موجود ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں قرآن کی سورتیں شمار نہیں کرتے تھے اور جو مصحف انہوں نے مرتب کیا تھا۔ اس میں بھی یہ سورتیں موجود نہ تھیں۔ علامہ سیوطی نے صراحۃً لکھا ہے۔

اَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ وَ الطَّبْرَانِیُّ وَ ابْنُ مَرْدَوَیْهِ مِنْ طُرُقٍ صَحِیْحَةٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ کَانَ یَحُكُّ الْمُعَوَّذَتَیْنِ مِنَ الْمُصْحَفِ وَ یَقُوْلُ لَا تُخْلِطُوا الْقُرْآنَ بِمَا لَیْسَ مِنْهُ اِنَّهُمَا لَیْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ اِنَّمَا اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّتَعَوَّذَ بِهِمَا وَ کَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَّا یَقْرَأُ بِهِمَا (الدر المنثور)(1)

ترجمہ: امام احمد، بزار، طبرانی اور ابن مردویہ نے صحیح طریقوں سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ معوذتین کو مصحف سے محو کر دیا کرتے تھے اور کہا کرتے قرآن کے ساتھ ایسی چیزیں خلط ملط نہ کرو جو اس میں سے نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ان دو سورتوں کے ساتھ فقط پناہ مانگنے کا حکم دیا تھا نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دو سورتوں کی تلاوت نماز میں نہ کیا کرتے۔

اس میں تو کلام نہیں یہ سب اخبارِ اٰحاد ہیں۔ علمائے اصولِ حدیث نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اخبارِ اٰحاد کی صحت کے لیے صرف راویوں کی عدالت اور قوت حافظہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخبارِ اٰحاد کا درایت کے معیار پر پورا اترنا بھی لازمی ہے اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ روایت بداہتِ عقل کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس قاعدہ کو پیش نظر رکھا جائے تو ان روایات کو بنیاد بنا کر انکار کی عمارت استوار کرنا قرین دانش مندی نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ میں سے نہ تھے جنہیں ساری عمر میں ایک آدھ بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہو یا دنیاوی مصروفیتوں کے باعث بارگاہِ نبوت میں کبھی حاضری کی سعادت مل جاتی ہو اور کبھی نہ ملتی ہو۔ بلکہ آپ ان خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے تھے جو ہمیشہ خدمت عالیہ میں حاضر باش رہا کرتے تھے۔ آپ کا شمار

1۔ درمنثور، ج6، ص714

اصحاب صفہ میں تھا جو آٹھوں پہر مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت، خدمت میں حاضری، ارشاد رسالت کو سننا، ان کو یاد رکھنا، قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہوتیں ان کو حفظ کرنا، ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں انہی چند باتوں میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تقریباً ہر نماز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے۔ عقبہ ابن عامر جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ایمان لائے تھے، انہیں تو ان سورتوں کے بارے میں علم ہو کہ یہ قرآن کا حصہ ہیں اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہجرت سے پہلے ہی دولت ایمان سے مشرف ہو چکے تھے اور شاذونادر ہی کبھی غیر حاضر ہوئے ہوں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار ان سورتوں کو نماز میں تلاوت فرمایا۔ صدہا صحابہ نے اپنے کانوں سے اسے سنا، یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے ہمہ وقت حاضر باش، ہر نماز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قرآن کی سورتیں ہیں یا نہیں؟ بڑی تعجب خیز بات ہے۔

اس لیے یہ روایات جو سب کی سب احاد ہیں، ان کی بناء پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ خیال اور خیال بھی ایسا جس سے فقط ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہی اعتراض وارد نہیں ہوتا، بلکہ ایک ایسا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے کفار وملحدین کو جملہ قرآن کریم کے بارے میں زبان طعن دراز کرنے کی سند مل جاتی ہے، کم از کم میرے فہم سے یہ بات بالاتر ہے۔

یہ روایت جو ابن قتیبہ نے نقل کی ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مصحف میں معوذتین کو نہ لکھا کرتے تھے، کیونکہ یہ سنا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ دو سورتیں پڑھ کر سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دم فرماتے ہیں۔ اور یہ دوسرے دموں کی طرح ایک دم ہی ہے۔ یہ بات بھی کسی طرح قابل تسلیم نہیں، کیونکہ قرآن کریم سراپا اعجاز ہے۔ جس کی مثال لانا کسی ایک فرد، کسی انسانی جماعت بلکہ فُصحاء وبُلغاء کے کسی مجمع علمی سے بھی ممکن نہیں۔ اس میں اور دوسرے دموں میں کیوں کر التباس پیدا ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت کو جو فصیح اللسان، لغت عربی کے ماہر اسالیب کلام اور اندازِ گفتگو کے عارف تھے۔ مزید برآں جسے افصح العرب والعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیضانِ صحبت نے کندن بنا دیا تھا ان کا اس اشتباہ میں مبتلا ہونا ناممکن ہے۔ خود علامہ سیوطی نے طبرانی سے ایک حدیث بیان کی ہے:

اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ بِسَنَدٍ حَسَنٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ اُنْزِلَ عَلَیَّ آیَاتٌ لَّمْ یُنْزَلْ عَلَیَّ مِثْلُھُنَّ الْمُعَوَّذَتَیْنِ (الدر المنثور) (1)

ترجمہ: طبرانی نے اوسط میں سند حسن سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ارشادِ رسالت نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئی اور وہ معوذتین ہیں۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان آیات کے نزول کے بارے میں آگاہ فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ کا یہی خیال ہو کہ یہ محض جھاڑ پھونک کے لیے چند جملے نازل ہوئے ہیں اور قرآن کا جزو نہیں ہیں لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سننے کے بعد اگر ان کے بارے میں انہیں کوئی شک تھا بھی تو وہ دور ہو گیا اور آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔

1۔ درمنثور، ج6، ص714

یہ الگ بات ہے کہ کسی کے دل میں صحابہ کو غلط کار ثابت کرنے کا اتنا زیادہ شوق ہو کہ وہ ان تمام واضح حقائق کو بھی بآسانی نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہو جس طرح صاحب تفہیم القرآن نے اس مقام پر اظہار خیال کیا ہے، اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں یہ سورتیں مرقوم نہ تھیں، اس لیے وہ ان کو قرآن کا جز نہیں سمجھتے تھے۔ تو عرض ہے کہ ان کے مصحف میں تو سورۂ فاتحہ بھی مرقوم نہ تھی۔ کیا اس کا آپ یہ مطلب لیں گے کہ وہ اسے بھی قرآن کی سورت شمار نہ کرتے تھے۔ جس کو وہ ہر نماز کی ہر رکعت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قراءت فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ ان سورتوں کے نہ لکھنے کی معقول وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ وہ بکثرت تلاوت کی جاتی تھیں، اس لیے انہیں نوک بر زبان تھیں۔ انہیں قطعاً یہ وہم تک بھی نہ تھا کہ وہ انہیں فراموش ہو جائیں گی۔ یہ مصحف آپ نے اپنی سہولت کے لیے مرتب کیا تھا۔ ان سورتوں کے لکھنے کی انہوں نے ضرورت محسوس نہ کی اس لیے نہ لکھیں۔

مختلف کتب میں اس قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ ہر قاری کے پاس نہ اتنی استعداد ہوتی ہے اور نہ اتنی فرصت کہ وہ ان روایات کی تحقیق کر سکے، اس لیے عام لوگ طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ان تمام اعتراضات اور شبہات کو دور کرنے کے لیے اس ایک اصول کو آپ خوب ذہن نشین کر لیں کہ قرآن کریم کس کو کہتے ہیں؟ قرآن کریم وہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سنا اور پھر بذریعہ تواتر نقل کیا۔ صحابہ سے تابعین نے اسی تواتر سے سنا۔ یوں ہی سلسلہ وار وہ ہم تک منقول ہوتا چلا آیا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام نے بالاتفاق حضرت زید بن ثابت کے مدون کردہ نسخہ کے مطابق ایک نسخہ تیار کیا اور اس کی متعدد نقول اپنی نگرانی میں تیار کر کے مملکتِ اسلامیہ کے مختلف امراء کی طرف روانہ کیں تاکہ عرب و عجم میں اسی کے مطابق تلاوت کی جائے اور عمل کیا جائے۔ اس لیے قرآن کریم صرف اسی مصحف مبارک کا نام ہے۔ اس کے خلاف آپ کو جو روایت نظر آئے یا وہ سند کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہو گی یا وہ خبر واحد ہو گی یا کسی کا اپنا ذاتی قول ہو گا۔ الغرض کلام اللہ وہی ہے جو اس مُصحفِ عثمانی کے مطابق ہے جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے اور اُس وقت سے لے کر آج تک اس میں نہ کسی لفظ کی کمی بیشی ہوئی نہ کسی آیت میں تقدیم و تاخیر رونما ہوئی نہ کلمات کی ترتیب میں کوئی تغیر رو پذیر ہوا۔

بحث دوم: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا جادو کیا گیا؟ اور ذات اقدس واطہر پر اس کا اثر کیا ظاہر ہوا؟

اس کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرنے سے پہلے میں قارئین کرام کے سامنے ان تمام روایات کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جو مختلف کتب میں باختلاف الفاظ منقول ہیں۔ اس کے بعد ان اعتراضات کا ذکر کروں گا جو قدیم اور جدید معتزلیوں نے وارد کیے ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اہل سنت کے موقف کو بیان کروں گا۔

یثرب کے یہودیوں کو روز اول سے ہی جو بلاوجہ عداوت اور حسد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ تھا اس کی تفصیلات کئی مقامات پر آپ پڑھ چکے ہیں۔ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی شان کو بلند کرتا۔ فتوحات کے دروازے کھلتے جاتے، ایسے ایسے ہی ان کی عداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے۔ 7ھ میں جب حدیبیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخیریت واپس تشریف لائے تو خیبر کے یہودیوں کا

ایک وفد مدینہ کے ایک مشہور جادوگر لبید ابن اعصم کے پاس آیا۔ بعض مؤرخین نے اسے یہودی کہا ہے لیکن یہ درحقیقت انصار کے ایک قبیلہ بنی ذُریق کا ایک فرد تھا۔ ممکن ہے اس نے یہودی مذہب اختیار کرلیا ہو۔ اس لیے اسے یہودی کہا گیا ہو۔ خیبر کے وفد نے آ کر اس کے سامنے اپنی بپتا بیان کی اور کہا کہ مکہ کے اس قریشی نے یہاں آ کر ہماری عزت خاک میں ملادی ہے ہم نے سیاسی طور پر ان کو ناکام بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، سازشیں کیں، منصوبے بنائے، مشرک قبائل کو ان کے خلاف بھڑکایا، لیکن ناکام رہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں جتنے ماہر جادوگر تھے، انہوں نے بھی بڑے جتن کیے، بڑی زور آزمائی کی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ہمارے اس علاقہ میں تمہارے سحر کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ ہر طرف سے مایوس ہوکر ہم تیرے پاس آئے ہیں۔ اگر تو ہماری امداد کرے تو یہ مشکل آسان ہوسکتی ہے۔ انہوں نے اس کی خدمت میں بھاری نذرانہ بھی پیش کیا۔ چنانچہ اس نے حامی بھرلی۔

ایک یہودی لڑکا حضور کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ کسی طرح ورغلا کر اس سے حضور کی کنگھی کا ایک ٹکڑا اور چند موئے مبارک حاصل کرلیے۔ اس نے اور اس کی بیٹیوں نے جو اس فن میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھیں، جادو کیا اور ان چیزوں کو نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر بنی ذریق کے ایک کنویں کی تہ میں ایک بھاری پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس کنویں کا نام ''ذروان'' یا ذی اروان، بتایا جاتا ہے۔ بعض نے اس کا نام ''بیئر اریس'' بھی لکھا ہے۔

چھ ماہ گزرنے کے بعد معمولی معمولی اثر ظاہر ہونے لگا۔ آخری چالیس دن زیادہ تکلیف کے تھے۔ ان میں سے بھی آخری تین دن تکلیف اپنی نہایت کو پہنچ گئی۔ اس جادو سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس قسم کی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اس کے بارے میں بھی تصریحات موجود ہیں۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذُوْبُ وَلَا يَدْرِيْ مَا وَجْعُهٗ (2): یعنی حضور کی طبیعت گھٹنے لگی۔ نقاہت بڑھنے لگی لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: حَتّٰى اِنَّهٗ لَيُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهٗ فَعَلَ الشَّيْءَ وَلَمْ يَكُنْ فَعَلَهٗ (روح المعانی)(1)

یعنی ایسا کام جو نہ کیا ہوتا، اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال ہوتا کہ کرلیا گیا ہے۔

کُتب حدیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں۔ ان کا یہی نچوڑ ہے کہ جسمانی طور پر نقاہت و کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود نہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ فرائضِ نبوت کی ادائیگی میں کبھی بال برابر فرق آیا ہو، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نماز کے ارکان میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو یا تلاوت قرآن کے وقت نسیان طاری ہوگیا ہو یا مملکتِ اسلامیہ کی توسیع اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہوا ہو۔

جب تکلیف زیادہ بڑھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اُسی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں حقیقت حال سے آگاہ فرما دیا گیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتایا کہ اے عائشہ میں نے اپنے رب سے جس بات کے بارے میں دریافت کیا تھا، میرے خدا نے مجھے اس کے متعلق بتا دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا رات کو خواب میں دو آدمی میرے

1۔ درمنثور، ج6، ص717

2۔ روح المعانی، جز30، ص282

پاس آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کے نزدیک (بعض روایات میں ہے کہ وہ جبرائیل اور میکائیل تھے) ایک نے دوسرے سے پوچھا ''انہیں کیا تکلیف ہے'' دوسرے نے جواب دیا ''انہیں جادو کیا گیا ہے''۔ پوچھا: کس نے کیا ہے؟ جواب ملا: ''لبید بن اعصم نے''۔ پوچھا: کس چیز میں۔ بتایا: ''کنگھی کے ایک ٹکڑے کو اور چند بالوں کو نر کھجور کے خوشہ کے پردے میں رکھ کر''۔ پوچھا کہاں رکھا ہے؟ بتایا: ''ذی اروان کے کنوئیں کی تہہ میں ایک پتھر کے نیچے''۔ پوچھا: ''اب کیا کرنا چاہیے''۔ بتایا: ''اس کنویں کا سارا پانی نکال دیا جائے پھر اس پتھر کے نیچے سے ان چیزوں کو نکالا جائے''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً حضرت سیدنا علی، عمار بن یاسر اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس مقصد کے لیے اس کنویں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے پانی نکال کر اس کنویں کو خشک کر دیا۔ اتنے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود بھی وہاں تشریف لے گئے۔ پتھر کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے وہ غلاف نکلا، اسے کھولا تو اس کے اندر کنگھی کا ایک ٹکڑا، چند بال جو تانت کے ایک ٹکڑے میں بندھے ہوئے تھے اور اس تانت میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اسی اثنا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور یہ دو سورتیں پڑھ کر سنائیں اور عرض کیا کہ ''آپ ان سورتوں کی ایک ایک آیت پڑھتے جائیں اور ایک ایک گرہ کھولتے جائیں اور ایک ایک سوئی نکالتے جائیں''۔ چنانچہ دونوں سورتوں کی گیارہ آیتیں پڑھی گئیں۔ ان کی تلاوت سے گیارہ گرہیں کھلیں اور ساری سوئیاں نکل گئیں۔ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی اور جادو کا سارا اثر زائل ہو گیا۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اجازت ہو تو اس خبیث کا سر قلم کر دیا جائے۔ حضرت سید عالم نے ارشاد فرمایا: اَمَّا اَنَا فَقَدْ شَفَانِ اللّٰهُ وَاَكْرَهُ اَنْ اُثِيْرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا۔ (1)

ترجمہ: مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی ہے۔ میں اپنے لیے لوگوں میں فتنہ کی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا۔

سبحان اللہ رحمۃ للعالمینی کی کیا شان ہے۔ اپنی ذات کے لیے اپنی جان کے دشمنوں سے بھی کبھی انتقام نہیں لیا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُقِيْلَ الْعَثَرَاتِ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا صَفُوْحُ عَنِ الزَّلَّاتِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

اس واقعہ کا خلاصہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے۔ اب ذرا قدیم معتزلہ اور جدید عقلیت پسندوں کے اعتراضات کا مطالعہ فرمائیے۔ وہ ان تمام روایات کو ساقط الاعتبار، ناقابل اعتماد قرار دیتے ہوئے بیک قلم ان پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے، تو اس سے منصبِ نبوّت کی توہین ہوتی ہے بلکہ ہر قسم کی وحی اور شریعت کے جملہ احکام پر سے وثوق اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ان روایات کے مطابق مان لیا جائے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کا اثر ہو گیا تھا تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اثر سے کوئی آیت ذہن سے اتر گئی ہو قرآنی آیت کے بجائے کسی خود ساختہ جملہ کو آیت قرآنی فرض کر لیا گیا ہو۔ شریعت کا یہ قانون اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو بلکہ سحر کی فسوں کاری کا کرشمہ ہو نیز یہ روایات اس آیت کے بھی منافی ہیں۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ ''کہ لوگوں کی شر انگیزیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے''۔ جب عصمتِ نبوّت کی ذمہ داری خود اللہ رب العزت نے لی ہے، تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہودیوں کے سحر کا حضور پر اثر ہو گیا ہو۔ عقل کے جدید اور قدیم پرستاروں کا نظریہ آپ نے پڑھ لیا۔ بات کا جس طرح انہوں نے بتنگڑ بنایا ہے، اس کو بھی آپ نے دیکھ لیا۔

1۔ تفسیر قرطبی، جز 20، ص 254

ان اعتراضات اور شکوک کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک حیثیت نبوت اور دوسری حیثیت بشریت۔ عوارضِ بشری کا ورود ذات اقدس پر ہوتا رہتا تھا۔ بخار، درد، چوٹ لگنا، دندان مبارک کا شہید ہونا۔ طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور احد میں جبینِ سعادت کا زخمی ہونا۔ یہ سب واقعات تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ یہ لوگ بھی ان سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے اور ان عوارض سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رسالت اور حیثیتِ نبوّت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر حضور کی جسمانی صحت تک محدود تھا رسالت کا کوئی پہلو قطعاً اس سے متاثر نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا کہ اس جادو سے حضور کوئی آیت بھول جاتے یا الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دیتے یا قرآن میں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھا دیتے یا نماز کے ارکان میں ردوبدل ہو جاتا تو اسلام کے بدخواہ اتنا شوروغل مچاتے کہ الامان والحفیظ! بطلان رسالت کے لیے انہیں ایک ایسا مہلک ہتھیار دستیاب ہو جاتا کہ اس کے بعد انہیں دعوتِ اسلامی کو ناکام کرنے کے لیے مزید کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی، لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں۔ دشمنانِ اسلام نے آج تک جتنی کتابیں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لکھی ہیں ان میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ معلوم ہوا کہ لبید یہودی کے جادو کا اثر فقط اس حد تک ہوا کہ صحت گرامی متاثر ہوئی جس طرح علامہ سیوطی اور علامہ آلوسی کے حوالے نقل کیے جا چکے ہیں۔

رہی یہ بات کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ جادو سے کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے یا فقط نظر بندی کے طور پر چیز ہوتی کچھ ہے اور دکھائی کچھ دیتی ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے لیکن اس سے لوگوں کا متاثر ہونا ایک یقینی چیز ہے۔ ساحرانِ فرعون کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے۔ نص قرآنی سے یہ چیز ثابت ہے کہ لوگ ان رسیوں کو سانپ خیال کرنے لگے۔ سانپوں کی طرح انہیں لہراتے ہوئے دیکھ کر وقتی طور پر موسیٰ علیہ السلام بھی خائف و ہراساں ہو گئے۔ قرآن کریم کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ (1)

ترجمہ: پس ان کی رسیاں اور سونٹیاں آپ کو یوں معلوم ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں، ان کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ ہم نے کہا اے موسیٰ! مت ڈرو، تم ہی سربلند ہو۔

انہیں کے بارے میں سورۂ اعراف میں ہے: سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (2) یعنی ان جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا تھا۔

بحث سوم: جھاڑ پھونک کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

ایک بات پہلے ہی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ جھاڑ پھونک کا رواج ہر انسانی معاشرہ میں قدیم ازمنہ سے موجود ہے۔ اس مقصد کے لیے جو منتر، طلسم یا نقوش ان کے ہاں رواج پذیر تھے۔ ان کی دیویاں، دیوتاؤں کے نام، شیطانی قوتوں سے استمداد، آسمانی کواکب و سیارات سے استغاثہ وغیرہ عام تھا۔ نیز وہ ان چیزوں کو موثر حقیقی اور فاعل مستقل یقین کرتے تھے۔

1۔ سورۃ طٰہٰ: 68-66

2۔ سورۃ الاعراف: 116

اسلام نے شرک کو بیخ و بُن سے اُکھیڑ کر رکھ دیا۔ ان کے اس عقیدہ کے بطلان کو طشت از بام کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دیوی، دیوتا، کوئی چاند، تارا یا سورج مؤثر حقیقی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ تو گمان ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کسی ایسے منتر یا جھاڑ پھونک کی اجازت دے جس میں شرک یا شرکیہ عقائد کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو، اس لیے ایسے تمام منتر، طلسم، نقوش تعویذات وغیرہ اسلام میں قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔ جن احادیث میں دم کرنے، جھاڑ پھونک کرنے وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے۔ ان جملہ احادیث سے اسی قسم کے شرکیہ اعمال مراد ہیں لیکن ایسا دم یا تعویذ جس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم مبارک، کوئی آیت قرآنی یا سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پاک سے نکلا ہوا کوئی جملہ ہو یا جس نقش میں یا دم میں شرکیہ بات نہ ہو اس کا کرنا جائز ہے۔ حضور خود بھی اپنے آپ کو دم فرمایا کرتے اور صحابہ کرام پر بھی دم کرتے اور حسنین کریمین کو تو خصوصی دم فرمایا کرتے۔ عہد رسالت میں اور اس کے بعد صحابہ کا بھی یہ معمول تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک پاکان امت کا بھی یہ دستور ہے۔ آپ چند شواہد ملاحظہ فرمائیے!

سب سے پہلی دلیل تو ان دو سورتوں کا نزول ہے اور ان کے پڑھنے کی برکت سے جادو کی تاثیر کا ختم ہو جانا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ ہر شب آرام کرنے سے پہلے آخری تینوں قل پڑھتے، اپنے مبارک ہاتھوں پر دم فرماتے پھر اپنے سارے جسم پر انہیں پھر لیتے۔ یہ معمول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ جو خود عینی شاہد ہیں۔ جن محدثین نے اس روایت کو اسناد صحیحہ سے نقل کیا ہے۔ ان میں امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، ابن ماجہ، ابو داؤد علیہم الرحمۃ جیسے اکابر ہیں۔

نیز امام بخاری، امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ پڑھ کر دم فرمایا کرتے:

أُعِيذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّ هَامَّةٍ وَّ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ (1)

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی نے ایک روز عرض کیا: یا رسول اللہ! جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھے شدید درد ہوتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جان لیوا ثابت ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو، پھر تین بار بسم اللہ الخ اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے درد کی جگہ پر ہاتھ رکھو: اَعُوْذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ۔ (2)

مسند امام احمد اور طحاوی میں طلق بن علی کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ کی موجودگی میں بچھو نے ڈنگ مارا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دم فرمایا اور دست مبارک پھیرا۔

صحیح مسلم میں ابو سعید الخذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے۔ عیادت کے لیے جبرئیل امین حاضر ہوئے۔ پوچھا: جان عالم! کیا آپ بیمار ہو گئے؟ فرمایا ہاں۔ جبرئیل نے یہ پڑھ کر دم کیا:

بِاسْمِ اللهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ، اَللهُ يَشْفِيْكَ (3)۔ بِاسْمِ اللهِ اَرْقِيْكَ

(ترجمہ) میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو اذیت دے، اور ہر نفس اور حاسد کی نظر سے۔ اللہ آپ کو شفا دے۔ میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں۔

مسند امام احمد میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حجرہ میں

1۔ تفسیر کبیر، ج16، ص189

2۔ ایضاً، ص190

3۔ تفسیر قرطبی، جز20، ص376

رونق افروز ہوئے۔ میرے پاس شفاء نامی ایک خاتون بیٹھی تھی جو نملہ (ذباب) کا دم کیا کرتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شفاء یہ دم حفصہ کو بھی سکھا دو۔ خود شفاء بنت عبداللہ کہتی ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے حفصہ کو جس طرح لکھنا، پڑھنا سکھایا ہے نملہ کا دم بھی سکھا دو (مسند امام احمد، ابوداؤد، نسائی)

صحیح مسلم میں عوف ابن مالک اشجعی کی یہ روایت مذکور ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ اب اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو پڑھ کر تم دم کیا کرتے تھے وہ مجھے سناؤ، جھاڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو۔ (1)

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرما دیا۔ پھر حضرت عمرو بن حزم کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو، سانپ کے کاٹے کو دم کیا کرتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کاموں سے منع فرما دیا ہے۔ پھر انہوں نے وہ دم پڑھ کر سنایا۔ حضور نے فرمایا: اس میں تو میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔ (مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ) (2)

میں نے کثیر التعداد احادیث میں سے صرف چند احادیث پیش کی ہیں۔ طالب حق کے لیے اس میں کفایت ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز اسی وقت نفع پہنچاتی ہے جب اذن الٰہی ہو۔ اس کے علاوہ کوئی چیز بھی اثر نہیں کرتی۔ اگر جڑی بوٹیاں، گولیاں، شربت، معجونیں اور ٹیکے اذن الٰہی سے صحت و عافیت کا سبب بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ آیات قرآنی اور فرمودات رسالت، اذن الٰہی سے کیوں موثر نہیں ہو سکتے۔ آخر میں ایک بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ کیا دم اور تعویذ پر نذرانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کے لیے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے استدلال کافی ہے جو امام بخاری، امام مسلم، ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں منقول ہے۔ اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہم پر اپنے چند صحابہ کو بھیجا جن میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ ان کا گزر ایک بستی سے ہوا جہاں ایک عرب قبیلہ سکونت پذیر تھا۔ انہوں نے اس قبیلہ سے اپنے لیے کھانے کا مطالبہ کیا، لیکن انہوں نے انہیں کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے بغیر کچھ کھائے رات بسر کی۔ اسی اثنا میں قبیلہ کے سردار کو کسی زہریلے بچھو نے ڈنگ مار دیا۔ جب اس کی تکلیف حد سے زیادہ بڑھی تو وہ لوگ مسلمانوں کے پاس آئے اور آ کر کہا کہ ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹا ہے وہ درد سے تلملا رہا ہے۔ اگر تم لوگوں کے پاس کوئی دوا ہو یا کوئی دم کر سکتا ہو تو وہ آ کر اسے دم کرے۔ حضرت ابوسعید نے کہا کہ ہمارے پاس اس کا علاج تو ہے لیکن تم نے بڑی بے مروتی کا سلوک کیا ہے، ہمیں کھانا تک نہیں دیا اس لیے جب تک تم ہمیں کچھ معاوضہ دینا طے نہ کر لو اس وقت تک ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر ہمارے سردار کو آرام آ گیا تو ہم تمہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیں گے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد اپنا لعاب دہن اس پر ملا۔ درد زائل ہو گیا اور ان کا سردار بالکل تندرست ہو گیا۔ قبیلے والوں نے وعدہ کے مطابق ریوڑ جس میں تیس بکریاں

1۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب الرقیۃ، ج 2، ص 224

2۔ ایضاً

تھیں مسلمانوں کو دیا۔

جب حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ریوڑ لے کر مسلمانوں کے پاس واپس آئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مسئلہ دریافت نہ کرلیں اس وقت تک ہمیں یہ بکریاں استعمال میں نہیں لانی چاہئیں۔ جب مہم سے فارغ ہونے کے بعد یہ حضرات مدینہ طیبہ واپس پہنچے تو سارا قصہ عرض خدمت کیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ تمہیں یہ کس طرح پتہ چلا کہ یہ سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے۔ بکریاں لے لو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔(1)

اس روایت کے بعد اس مسئلہ پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

موضوع: ان سورتوں کی تشریح کے ضمن میں تمام چیزیں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں۔ یہاں آپ اتنا ہی خیال رکھیں کہ بندہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اگر وہ حق کے لیے سربکف باطل کے سامنے میدان جہاد میں قدم رکھتا ہے تو ایک ذات ایسی ہے جس کے دامن میں اسے پناہ مل سکتی ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ کبھی ہراساں اور مایوس نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور ان کلمات طیبات سے اس کی بارگاہ میں پناہ کے لیے عرض کرتا رہے۔

نیوسنٹرل جیل سرگودھا

15 اپریل 1977

کل مجھے اور میرے پانچ ساتھیوں کو رحیم بخش فیاض مجسٹریٹ درجہ اول بھلوال نے چار ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی۔ الحمدللہ۔

اللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ

1۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب جواز اخذ الاجرۃ علی الرقیہ، ج 2، ص 224

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورة الفلق مکی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ

آپ عرض کیجیے میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی [1] ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا [2] اور (خصوصاً) رات کی

[1] علامہ راغب عوذ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَلْعَوْذُ: اَلِالْتِجَاءُ اِلَى الْغَيْرِ وَالتَّعَلُّقُ بِهٖ (1)۔ کسی کی پناہ لینا اور اس کے ساتھ چمٹ جانا۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: عَاذَبِهٖ يَعُوْذُ عَوْذًا: لَاذَبِهٖ وَالْجَأَ اِلَيْهِ وَاعْتَصَمَ (لسان العرب) (2) کسی کی پناہ لینا، کسی کا دامن مضبوطی سے پکڑ لینا۔

الفلق کا اصلی معنی تو چیرنا اور پھاڑنا ہے، اس آیت میں اس سے مراد صبح ہے (3) جو رات کا سینہ چاک کر کے باہر نکلتی ہے۔

قرآن کریم کی یہ دو آخری سورتیں ہیں۔ انہیں معوّذتین کہتے ہیں۔ اس کتابِ مقدّس میں انسان کا منشورِ حیات پیش کر دیا گیا۔ اس کی منزل متعین کر دی گئی، جس کے بغیر اور کوئی منزل اس قابل نہیں کہ نوعِ انسانی کے کسی فرد کی یا کسی جماعت کی منزل بن سکے۔ یہی وہ بلند منزل ہے جس پر خیمہ زن ہونے کے لیے پَر کُشا ہونا اس مسجودِ ملائک کو زیب دیتا ہے، لیکن اس منزل کی راہ مشکلات سے اٹی ہوئی ہے، قدم قدم پر رکاوٹوں کے پہاڑ راستہ روکے کھڑے ہیں، کمین گاہوں میں اس کے دشمن اس کی تاک میں بیٹھے ہیں تاکہ جب موقع ملے، وہ اس پر جھپٹ پڑیں، اس کی دشمن قوتیں ایسی بھی ہیں جو اس کی جسمانی صلاحیتوں کو فنا کرنے کے لیے پر تول رہی ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو اس کی متاعِ ایمان کو غارت کر دینا چاہتی ہیں۔ یہ مشتِ خاک بیک وقت ان تمام دشمنوں سے کیسے برسرِ پیکار ہو سکتا ہے اور کیونکر ان میں سے ہر ایک کو پچھاڑ سکتا ہے اس لیے اس راہروِ منزلِ شوق کو قرآن کریم ایک ایسی ہستی کی پناہ لینے کا درس دے رہا ہے جو سب سے اعلیٰ سب سے بالا اور سب سے اقویٰ اور سب پر غالب ہے۔ وہ تیرے ظاہری اور باطنی دشمنوں کو جانتا ہے، وہ تیرے جسمانی اور روحانی اعداء کو بھی پہچانتا ہے، تیرے خلاف ان کے کھلے منصوبوں اور خفیہ سازشوں سے اچھی طرح آگاہ ہے اور ان منصوبوں کو خاک میں ملانے اور ان کی سازشوں کو ناکام کرنے کی بھی پوری قوت رکھتا ہے۔ آؤ! اس کی پناہ لے لو، اس کے دامنِ کرم کو مضبوطی سے پکڑ لو، پھر بے خوف و خطر اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلو۔ تم کس بلندی پر اپنا آشیانہ بناتے ہو، یہ تمہارے عزم اور ہمت پر منحصر ہے، خارجی اور داخلی مزاحمتوں سے اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

1۔ مفرداتِ راغب، ص 594

2۔ لسان العرب، ج 3، ص 498

3۔ روح المعانی، زیر آیت ہذا، جز 30، ص 279

غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿٣﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿٤﴾

تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے ۳؎ اور ان کے شر سے جو پھونکے مارتی ہیں گرھوں میں ۴؎

اس سورت میں ان امور کا ذکر کیا گیا جو انسان کی جسمانی نشوونما اور صحت وعافیت کے لیے خطرناک ہیں اور دوسری سورت میں ان خطرات کا ذکر کیا گیا جو اس کے ایمان وایقان کو اس سے چھین لینا چاہتے ہیں۔

اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا اور حضور کے واسطے سے ہر غلام بارگاہِ رسالت کو حکم دیا کہ کہہ میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی جس نے رات کی تاریکی کو صبح کے اجالے سے بدل دیا، رات کے سناٹے اور ویرانے کو دن کی رونقوں سے نواز دیا، جس نے رات کی وحشتوں کو دن کی دلچسپیوں میں تبدیل کر دیا، جو نامساعد حالات کو یوں تبدیل کرنے پر قادر ہے، وہ تیری بگڑی بھی بنا سکتا ہے، تیری امیدوں کی دنیا میں جو گھپ اندھیرا ہے، اس کی نظر کرم سے وہ بھی کافور ہوسکتا ہے، اس کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر فریاد تو کر، پھر دیکھ کیا ہوتا ہے؟

۲؎ میں ہر چیز کی اذیت رسانی اور شر انگیزی سے پناہ مانگتا ہوں۔ کیونکہ ہم نہ تمام چیزوں کو شمار کر سکتے ہیں اور نہ ہر چیز کی مضرتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں، اپنے ناقص علم کے باعث ہم ایک چیز کو اپنے لیے بڑا فائدہ مند خیال کرتے ہیں درحقیقت وہی چیز ہمارے لیے مضر اور تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے، اس لیے تفصیلات کو رہنے دو اور یہ عرض کرو کہ جس چیز کا تو خالق ہے، اس میں مضرت اور تکلیف کا میرے لیے جو پہلو ہے، جسے تو خوب جانتا ہے اور جس کے دُور کرنے پر تو قادر ہے، میں تجھ سے ہی اس کی پناہ مانگتا ہوں۔

۳؎ اَلْغَاسِقُ: اَللَّیْلُ الْمُظْلِمُ (1)۔ تاریک رات، شب دیجور۔ وَقَبَ: کسی چیز کا کسی چیز میں داخل ہو جانا (2)، اس کے رگ و پے میں سما جانا۔

رات کی تاریکی کی شدت کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب اس کی ظلمت کائنات کی ہر چیز کو اپنے دامن میں لپیٹ لے، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل جائے، یہ منظر بذات خود بڑا دہشت ناک اور کرب انگیز ہوتا ہے۔ نیز رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر چور، چوری کرتا ہے، قاتل، خونریزی کرتا ہے، آبروئیں اور عصمتیں اسی کی اوٹ میں لُوٹی جاتی ہیں، شرانگیز قوتیں ہر قسم کی مزاحمت سے بے خوف ہو کر شرانگیزی کی حد کر دیتی ہیں اور جس کو لوٹنا ہوتا ہے، وہ خود خواب غفلت میں بے سُدھ پڑا ہوتا ہے۔ دشمن بے خبری میں اس کو اپنے نرغے میں لے لیتا ہے، اسے اتنی فرصت بھی نہیں ملتی کہ وہ مدد کے لیے اپنے کسی دوست کو پکار سکے، اس لیے رات کی تاریکی کے شر سے بالخصوص پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

۴؎ نَفَّاثَاتٌ: نَفَّاثَةٌ کی جمع ہے۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ نفث کا معنی ہے قَذْفُ الرِّیْقِ الْقَلِیْلِ (مفردات) (3) تھوڑی سی تھوک پھینکنا، لیکن علامہ ابن منظور کہتے ہیں کہ تھوڑی سی تھوک پھینکنے کو اَلتَّفْل کہا جاتا ہے۔ نفث اس سے بھی نیچے کا درجہ ہے جو پھونک مارنے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ اَلنَّفْثُ اَقَلُّ مِنَ التَّفْلِ لِاَنَّ التَّفْلَ لَا یَکُوْنُ اِلَّا مَعَهٗ شَیْءٌ مِنَ الرِّیْقِ وَالنَّفْثُ شَبِیْهٌ

1۔ مفردات راغب، ص 606

2۔ روح البیان، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 542

3۔ مفردات راغب، ص 816

وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۵

اور (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ۵

بِالنَّفۡخِ (لسان العرب)(1)

عُقَدٌ: عُقۡدَۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے گرہ، جادوگر، جب جادو کرتے ہیں تو وہ منتر اور طلسم پڑھ کر ایک دھاگے میں گرہ ڈالتے ہیں اور اس پر پھونک مارتے ہیں۔ جس طرح پاک کلام کے پاکیزہ اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح ابلیسی منتروں اور شیطانی طلسموں کے تکلیف دہ نتائج ہوتے ہیں۔ سحر سے کسی چیز کی حقیقت بدلتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک الگ موضوع ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے انسان نفسیاتی طور پر ضرور متاثر ہوتا ہے۔ ہاروت و ماروت کے واقعہ میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ شیاطین لوگوں کو ایسا جادو سکھایا کرتے تھے۔ مَا یُفَرِّقُوۡنَ بِهٖ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَ زَوۡجِهٖ کہ اچھا بھلا رستا بستا گھر اختلاف کی نذر ہو جاتا۔ میاں بیوی کی باہمی محبت و پیار، نفرت و عداوت سے بدل جاتی۔ ساحران فرعون کے متعلق بھی قرآن کریم میں مذکور ہے کہ جب انہوں نے اپنے منتر پڑھ کر رسیوں پر پھونک ماری تو ہزار ہا لوگ جو وہاں دربار میں موجود تھے، ان سب کو یہی نظر آیا کہ وہ رسیاں سانپ بن گئی ہیں اور سانپ کی طرح لہرا رہی ہیں۔

کسی کو کیا خبر کہ کوئی خبیث الفطرت انسان اس کے لیے کیسا کیسا جادو کر رہا ہے اور چند ٹکوں کے عوض کس طرح اس کے درپئے آزار ہے، اس لیے اس چیز کو بھی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا کہ الٰہی جو بدکیش مجھے دکھ پہنچانے، میرے گھر کا سکون برباد کرنے، میری صحت کو بگاڑنے کے لیے ان ذلیل حرکتوں میں لگے ہوئے ہیں، میں خود ان کے شر سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اے میرے مولا! اے میرے نگہبان! مجھے اپنی پناہ میں لے لے اور ان کے شر سے مجھے بچا لے۔

جادوگری کا پیشہ اکثر و بیشتر عورتیں کیا کرتی تھیں، اس لیے نَفّٰثٰت مونث کا صیغہ استعمال کیا۔(2)

۵ حسد کی تشریح کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں: اِذَا تَمَنّٰی اَنۡ تَتَحَوَّلَ اِلَیۡهِ نِعۡمَتُهٗ وَ فَضِیۡلَتُهٗ اَوۡ یُسۡلِبُهُمَا هُوَ (لسان العرب)(3) یعنی کسی کی خوشحالی اور عزت کو دیکھ کر جلنا اور یہ آرزو کرنا کہ کاش یہ دولت اس کے بجائے مجھے ملتی، اس عزت و فضیلت سے اس کے بجائے میں بہرہ ور ہوتا...... اور اگر یہ چیزیں میرے نصیب میں نہ تھیں، تو کم از کم اس سے چھین لی جاتیں، اس کو بھی ان سے محروم کر دیا جاتا۔

یہ جذبہ انسان کی کمینگی اور خست طبع پر دلالت کرتا ہے، لیکن بات یہاں تک محدود نہیں رہتی، بسا اوقات یہ بڑے بڑے جور و ستم کا سبب بن جاتی ہے، جو انسان حسد کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا نہیں رہتا بلکہ ایسی تدبیریں سوچتا ہے، ایسی سازشیں کرتا ہے، اس قسم کے گٹھ جوڑ کرتا ہے جس سے وہ اپنی ناپاک آرزو کو پورا کر سکے۔ اس سے ایسی ایسی مذموم حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو شرف انسانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ قابیل نے ہابیل کو حسد کی وجہ سے ہی قتل کیا تھا۔

1۔ لسان العرب، ج 2، ص 195 2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج 10، ص 378 3۔ لسان العرب، ج 3، ص 148

ابوجہل اور دیگرا اکابر قریش یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضور سچے نبی ہیں، محض حسد کی وجہ سے دین اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے۔

جس انسان پر اللہ تعالیٰ کا کوئی خصوصی کرم ہوتا ہے، اس کے بدخواہ اکثر پیدا ہو جاتے ہیں، وہ ان کی عزت کرتا ہے، ان کی دلجوئی کرتا ہے، جہاں تک بن پڑے ان کی خدمت سے بھی گریز نہیں کرتا، اس کے باوجود حاسدوں کے سینوں میں حسد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ وہ بلاوجہ جلتے رہتے ہیں۔ انسان نہ تو خود ہر حاسد کو پہچان سکتا ہے اور نہ حاسدوں کے منصوبوں سے آگاہ ہو سکتا ہے اور اگر آگاہ ہو بھی جائے تو بسا اوقات ان کا تدارک کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اپنے رب کریم کے دامن عاطفت میں پناہ لے لو۔ بے شک ان حاسدوں کی شرانگیزیوں سے وہی بچ سکتا ہے جسے اس کی پناہ حاصل ہو جائے۔

الٰہی! تیرا یہ زار و ناتواں، ضعیف و بے نوا بندہ تیرے دامن لطف و کرم میں پناہ طلب کرتا ہے۔ تیری پناہ کے بغیر اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الْحَامِدِ الْمَحْمُوْدِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَ مَنْ تَبِعَہٗ وَ اَحَبَّہٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ الناس مکی ہے اور اس میں چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③

(اے حبیب!) عرض کیجیے میں پناہ لیتا ہوں سب انسانوں کے پروردگار کی، سب انسانوں کے بادشاہ کی، سب انسانوں کے معبود کی [1]

[1] اس سے پہلی سورت میں ان مضرتوں اور شر انگیزیوں سے پناہ طلب کی گئی تھی جو انسان کے ظاہری حالات اور جسمانی ضروریات کو متاثر کرتی ہیں، اس لیے جس کی پناہ لینے کی تلقین کی گئی، اس کا تعارف صرف رب الفلق (صبح کا پروردگار) سے کرانے پر اکتفا کیا گیا۔ اب ایمان اور ایقان کو جو خطرات درپیش ہیں، ان کی روحانی دنیا پر جن یلغاروں اور یورشوں کا اندیشہ ہے ان سے پناہ لینے کی ہدایت کی جارہی ہے۔ متاع دین وایمان یقیناً جسم اور جسمانی نعمتوں سے کہیں اہم اور بیش قیمت ہے، اس لیے جس ذات پاک کے دامن عاطفت میں پناہ لینے کا حکم دیا جارہا ہے اس کا تفصیلی تعارف کرادیا گیا تاکہ ہر شخص اپنی ہمت اور ذہنی بالیدگی کے مطابق اس کی عظمت کا اعتراف کر سکے اور حسب حیثیت اسی جذب وشوق سے اس کی پناہ لے۔

عام آدمی کی نگاہ فقط ان نعمتوں تک محدود رہتی ہے جو اس کی ظاہری نشوونما میں ممد ومعاون ثابت ہوں۔ اگر اسے کھانا اچھا مل جائے، رہنے کے لیے آرام دہ مکان میسر آجائے، اس کی روزمرہ کی ضروریات آسانی، بلکہ فراوانی سے پوری ہوتی رہیں تو وہ مطمئن اور مسرور ہو جاتا ہے۔ معاشی حوائج کی سرحد سے آگے جھانکنے کی اس کو کبھی نہ خواہش ہوتی ہے اور نہ اس میں ایسی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے رب الناس (لوگوں کا پروردگار) کے کلمات سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا کہ تمہیں ایسی ذات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا جارہا ہے جو تمہاری جملہ ضروریات کا کفیل ہے، جس کی مہربانی سے تمہاری زندگی محرومیوں اور مایوسیوں سے پاک ہو جائے گی تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں۔

لیکن تمام انسانوں کے حوصلے یہاں تک محدود نہیں ہوتے۔ بعض چاہتے ہیں کہ عدل وانصاف کی بالادستی ہو، کسی پر ظلم نہ کیا جائے، کسی کو اس کے جائز حقوق سے محروم نہ کیا جائے، اگر کوئی ظالم بننے کی کوشش کرے یا کسی کا حق غصب کرنے کا ارادہ کرے تو اس کی تمام وجاہتوں اور شوکتوں کو بالائے طاق رکھ کر انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ یہ کام ایک با اختیار سلطان اور طاقتور حاکم ہی انجام دے سکتا ہے، اس لیے ان لوگوں کو بتایا کہ جس کی پناہ لینے کا تمہیں درس دیا جارہا ہے، وہ صرف تمہاری معاشی ضروریات کا کفیل ہی نہیں، بلکہ وہ بادشاہ اور فرمانروا بھی ہے۔ اس کا حکم ہر وقت، ہر جگہ، ہر چیز پر نافذ ہے۔ کسی کی

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۥ الْخَنَّاسِ ۝٤ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ

بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے ۲ جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے

مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ وہ عادل اور منصف ہے۔ کسی پر جبر و تشدد اس کا شیوہ ہی نہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو ایسے عظیم سلطان کا تعارف مَلِكِ النَّاسِ کے کلمات سے کرایا گیا تاکہ ان کا اضطراب دور ہو جائے۔

تیسرے اور اعلیٰ قسم کے وہ لوگ ہیں جو محض اس لیے اس سے محبت کا دم بھرتے ہیں، محض اس لیے اس کے دامن عاطفت کے سایہ کے طلب گار ہیں کہ وہ ان کا معبود ہے۔ وہ بھوک برداشت کر سکتے ہیں، وہ محرومیوں پر راضی برضا رہ سکتے ہیں، وہ طاغوتی قوتوں کے ہر تیر ستم کے سامنے خوشی سے اپنا سینہ تان سکتے ہیں، ان کے ہونٹ حرف شکایت سے بھی آشنا نہیں ہوتے، وہ فقط اس لیے اس سے پیار کرتے ہیں کہ وہ معبود برحق ہے، وہ ان کا خداوند کریم ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اِلٰهِ النَّاسِ کے مبارک کلمے ذکر کیے گئے۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کو اس کی ان تینوں صفات کمالیہ سے پہچان لیتا ہے تو وہ اسی کی جناب میں فریاد کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! اے ملکوت السموات والارض کے حقیقی فرمانروا! اے مجھ جگر سوختہ اور دل خستہ کے عشق و مستی کے مرکز! مجھے ہر قسم کے شیاطین کی چیرہ دستیوں سے بچا۔ ان کی وسوسہ اندازیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت عطا فرما اور اس نحیف و نزار مسافر کی دستگیری کر اور اسے اس کی منزل تک پہنچا۔ جب یہ سعادت اسے حاصل ہوتی ہے تو اس کی اولوالعزمی کی شان قابل دید ہوا کرتی ہے۔

حضرت ہاجرہ سے شیطان آکر کہتا ہے: جانتی ہے ابراہیم علیہ السلام تیرے لخت جگر کو آج نہلا دھلا کر اسے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے؟ ہاجرہ نے کہا: پاگل تو نہیں ہو گئے، کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کیا کرتا ہے؟ پھر وہ باپ جس کو پیرانہ سالی میں، چاند سے حسین تر بچہ نصیب ہوا ہو، اس نے کہا اس کے خدا نے اسے حکم دیا ہے کہ اپنے بچے کو ذبح کر دے۔ یہ سن کر ہاجرہ نے بڑی بے نیازی سے کہا اگر میرے رب کا حکم ہے تو ایک اسماعیل کیا، لاکھوں اسماعیل اس کی رضا کے لیے قربان کیے جا سکتے ہیں یہ ان لوگوں کی حالت ہوتی ہے جنہیں رب کریم اپنی پناہ میں لے لیا کرتا ہے۔

۲ وسوسہ: حدیث نفس کو کہتے ہیں (1)۔ وسواس: دل میں طرح طرح کے خیالات ڈالنے والا۔ خناس: پیچھے کھسک جانے والا، دبک جانے والا۔ (2)

جب کوئی شخص کسی کو اس کی افتاد طبع کے خلاف کسی کام پر اکساتا ہے تو اس کا پہلا ردعمل بڑا شدید ہوتا ہے۔ وہ بڑی حقارت سے اس خیال کو جھٹک دیتا ہے۔ ہر وسوسہ انداز اصرار نہیں کرتا، بلکہ پیچھے کھسک جاتا ہے۔ بظاہر پسپائی اختیار کرتا ہے، پھر موقع ملنے پر وہی بات اس کے کانوں میں ڈالتا ہے۔ اگر وہ پھر بھی تیوری چڑھائے، تو وہ دبک جاتا ہے۔ یہ تسلسل جاری رہتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کا ردعمل کمزور ہونے لگتا ہے، یہاں تک کہ وہ دن آجاتا ہے کہ یہ شخص جس بات پر پہلی بار برافروختہ ہو گیا تھا، وہ

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز20، ص261

2۔ تفسیر مظہری، زیر آیت ہذا، ج10، ص380

صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾

لوگوں کے دلوں میں - خواہ وہ جنّات میں سے ہو یا انسانوں سے ۳

خود لپک کر اس کی طرف بڑھتا ہے۔ شیطان کا یہی طریقہ ہے۔ وہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوششوں سے تھکتا نہیں، بلکہ لگاتار اپنی کوشش جاری رکھتا ہے۔ کبھی حملہ کرتا ہے، کبھی دفاعی پسپائی اختیار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بڑے سے بڑے زیرک انسان کو، اگر اسے اپنے رب کی پناہ حاصل نہ ہو، تو چاروں شانے چت گرا دیتا ہے۔ اس کی دونوں چالوں کو وسواس اور خناس کے الفاظ استعمال کر کے بیان کر دیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب شیطان، انسان کو ذکر الٰہی سے غافل پاتا ہے، تو اس کے حملے شروع ہو جاتے ہیں اور جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کسی کونے میں چھپ جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح جیسے کوئی چور نقب لگا رہا ہو اور کہیں سے روشنی نمودار ہو جائے تو وہ نقب لگانا بند کر دیتا ہے اور ایک بے جان پتھر کا روپ دھار لیتا ہے اور جب روشنی بجھ جاتی ہے تو پھر اپنا شغل شروع کر دیتا ہے۔(1)

۳ اس کی وسوسہ اندازی بڑے ماہرانہ اور عیارانہ انداز سے ہوتی ہے۔ چپکے سے وہ دلوں میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔ وہاں کی پر سکون فضا میں تہلکہ برپا کر دیتا ہے۔ وسوسہ اندازی کا یہ دھندا جنوں اور انسانوں میں سے شریر نفوس دونوں کرتے ہیں۔ ایسے افراد کو قرآن کی اصطلاح میں شیاطین کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ (2)۔ بے شک بندے کو جب تک اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ ملے اس کی متاع جان و ایمان کا محفوظ رہنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

الٰہی! تیرا یہ عاجز بندہ جس کا علم بھی ناقص، فہم بھی نارسا، ہمت بھی پست اور قوت مدافعت بھی نہ ہونے کے برابر ہے، اسے اپنی پناہ میں لے لے۔

میرا ایمان، میرا یقین، میرا ذوق، میرا شوق، تیرے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی ایک ٹمٹماتی ہوئی شمع، سب تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ اپنی توفیق سے، اپنی اس کتاب مقدس کی خدمت کی جو سعادت تو نے اس ذرۂ ناچیز، بندۂ بے کس کو ارزانی فرمائی ہے، اس کو قبول فرما!

تیرے محبوب بندے حضرت غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے یہ دو شعر یہ رُوسیاہ بھی خدمت عالی میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔

اَءُظۡلَمُ فِي الدُّنۡيَا وَ اَنۡتَ نَصِيۡرِيۡ   اَيُدۡرِكُنِيۡ ضَيۡمٌ وَّاَنۡتَ ظَهِيۡرِيۡ
اِذَا ضَاعَ فِي الۡبَيۡدَاءِ عِقَالُ بَعِيۡرِيۡ (3)   فَعَارٌ عَلٰى حَامِي الۡحِمٰى وَهُوَ قَادِرٌ

الٰہی! اس ناچیز بندے پر رحم فرما، اسے نگاہ لطف و کرم سے ہمیشہ نواز! اس کی خطاؤں کو بخش دے۔ اس کے ماں باپ کو بخش

1۔ تفسیر قرطبی، زیر آیت ہذا، جز 20، ص 262

2۔ سورۃ الانعام: 113

3۔ از شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

دے! ان کے درجات کو بلند فرما! اس کے اہل و عیال کو بخش دے! اس کے احباب گرامی کو بخش دے۔ دار العلوم محمدیہ غوثیہ کے اساتذہ، طلبہ اور اس کے معاونین کو بخش دے! ضیاء القرآن کو شرف قبول عطا فرما! اس کو اپنے بندوں کی ہدایت کا سبب بنا! اور مجھ خطا کار روسیاہ کی بخشش کا سامان بنا!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۝ امین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِكَ الْاَكْرَمِ وَنَبِیِّكَ الْمُعَظَّمِ وَرَسُوْلِكَ الْمُحْتَشَمِ حَبِیْبِیْ وَ قُرَّةِ عَیْنِیْ وَ سُرُوْرِ قَلْبِیْ مَلْجَائِیْ وَ مَلَاذِیْ فِی الدَّارَیْنِ سَیِّدِیْ وَ سَیِّدِ الْخَلْقِ مُحَمَّدٍ مَّنْبَعِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَطْیَبِهَا وَ مِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَزْكٰهَا وَمِنَ الْبَرَكَاتِ اَسْنٰهَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَجْمَلِهَا وَ عَلٰی اٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ وَ مَنْ اَحَبَّهٗ وَ اتَّبَعَهٗ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَحِبَّآءِهٖ وَمِنْ خُدَّامِ دِیْنِهٖ وَ اَنْصَارِ شَرِیْعَتِهٖ وَارْزُقْنَا مَحَبَّتَهٗ وَاحْشُرْنَا فِیْ زُمْرَتِهٖ تَحْتَ لِوَاءِ الْحَمْدِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ؕۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدِیْ وَ حَبِیْبِیْ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

اپنے کریم و رحیم اور عزیز و حکیم پروردگار پر توکل کرتے ہوئے یہ نحیف وضعیف مسافر جس منزل کی طرف یکم رمضان المبارک 1379ھ بروز دوشنبہ (29 فروری 1960ء) روانہ ہوا تھا، اپنے کریم و رحیم اور عزیز و حکیم پروردگار کی توفیق سے آج بتاریخ 29 رمضان المبارک 1399ھ بروز خمیس (23 اگست 1979ء) اس منزل پر اس ساعتِ سعید میں پہنچا جب موذن عصر کی اذان میں

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

کا جاں پرور اور جہاں افروز اعلان کر رہا ہے، میں بھی اعلان کرتا ہوں:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى طُوْرِ التَّجَلِّيَّاتِ الْاِحْسَانِيَّةِ وَمَهْبَطِ الْاَنْوَارِ الرَّحْمَانِيَّةِ عَبْدِكَ وَحَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ اَحَبَّهٗ وَاتَّبَعَهٗ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

عَبْدُكَ الْمِسْكِيْنُ
محمد کرم شاہ

تحقیقاتِ لغویّہ

	سورة	حاشیہ نمبر		سورة	حاشیہ نمبر
ا			استبرق	۵۵	۳۸
اَشِر	۵۴	۲۱	ب		
انام	۵۵	۱۰	تبوّؤا	۵۹	۱۷
الاء	۵۵	۱۳	باری	۵۹	۳۷
المؤمن	۵۹	۳۵	بطائن	۵۵	۳۸
آنٍ	۵۵	۳۴	بسّت	۵۶	۵
اجاج	۵۶	۲۷	منبثّا	۵۶	۵
یأنِ	۵۷	۲۱	تبارك	۶۷	۱
الامیّین	۶۲	۲	تبتّل	۷۳	۸
یؤفکون	۶۳	۸	بشر	۷۴	۱۸
انّیٰ	۶۳	۸	بَرِق	۷۵	۷
مؤتفکٰت	۶۹	۸	بصیرة	۷۵	۱۱
ارائك	۷۶	۱۶	باسرة	۷۵	۱۶
استبرق	۷۶	۲۰	ابرار	۷۶	۸
اسرهو	۷۶	۲۷	بعثرت	۸۲	۱
ابّا	۸۰	۱۶	بیّنة	۹۸	۱
اخدود	۸۵	۴	ابتر	۱۰۸	۳
آنیة	۸۸	۳			
			ت		
ابابیل	۱۰۵	۴			
احد	۱۱۲	۱	مترفین	۵۶	۱۶
مؤتفکة	۵۳	۴۹	ترائب	۸۶	۴
ازفت الازفة	۵۳	۵۳	متربه	۹۰	۱۰

	سُورة	حاشیہ نمبر		سُورة	حاشیہ نمبر
ث			استحوذ	۵۸	۲۷
یثقفوکو	٦۰	۵	حواریون	٦۱	۱۴
ثیّبات	٦٦	۸	حمّلوا	٦۲	٦
لایستثنون	٦۸	۱۱	تَحِلّة	٦٦	۳
ثجاجا	۷۸	۱۲	حسیر	٦۷	٦
ثبورا	۸۴	۹	حاصب	٦۷	۲۱
ج			حلّاف	٦۸	۸
الجآنّ	۵۵	۱۵	حردٍ	٦۸	۱۲
الجوار	۵۵	۲۰	الحاقة	٦۹	۱
جنا	۵۵	۳۹	حسوما	٦۹	٦
الجلاء	۵۹	٦	تحرّوا	۷۲	۱۴
الجبّار	۵۹	۳۵	لن تحصوه	۷۳	۱۹
بمجنون	٦۸	۲	احقابا	۷۸	۲۰
جزوع	۷۰	۱۴	حدائق	۷۸	۲۴
جد	۷۲	۴	الحافرة	۷۹	۹
الجواری	۸۱	۱۱	احوىٰ	۸۷	٦
جمّا	۸۹	۱۵	الحجر	۸۹	۳
جید	۱۱۱	٦	حامیه	۱۰۱	٦
ح			الحطمة	۱۰۴	۴
المحتضر	۵۴	۲۱	حاسد	۱۱۳	۵
یحادو ن	۵۸	۱۰	خ		
الحشر	۵۹	۴	خشعًا	۵۴	۹
حاجة	۵۹	۱۹	خالق	۵۹	۳۷
حور	۵۵	۴٦	مخضود	۵٦	۱۲
یحموم	۵٦	۱۵	مستخلفین	۵۷	۸

	سورة	حاشیہ نمبر
مختال	۵۷	۲۹
خشب مسندة	۶۳	۵
خاسئًا	۶۷	۶
خُلُق	۶۸	۴
د ــــــــ		
دنیٰ فتدلّٰی	۵۳	۹
دُسُر	۵۴	۱۶
الدھان	۵۵	۳۱
مدھامتان	۵۵	۴۴
مُدْھِنُوْن	۵۶	۳۵
مَدِیْنِیْن	۵۶	۳۹
الدُّنیا	۶۷	۷
تُدْھن	۶۸	۷
سَنَسْتَدْرِجُھُمْ	۶۸	۲۱
دُكَّتَ	۶۹	۱۱
دانیه	۶۹	۱۶
اَدْرِیْ	۷۲	۲۴
مُدَّثِّر	۷۴	۱
الدھر	۷۶	۱
دھاقا	۷۸	۲۴
دحاھا	۷۹	۲۱
دَسّٰھا	۹۱	۱۰
دَمْدَم	۹۱	۱۳
یَدُعُّ	۱۰۷	۲
ذ ــــــــ		
ذَلولٌ	۶۷	۱۹
ذرأ	۶۷	۳۱
ذَاغُصَّةٍ	۷۳	۱۲
ذُلِّلَتْ	۷۶	۱۶
ر ــــــــ		
رَاوَدُوْه	۵۴	۲۲
الرَّحْمٰن	۵۵	۱
رَیْحَان	۵۵	۱۲
رَفْرَفٍ	۵۵	۴۷
رُجَّتِ	۵۶	۴
تَرَبَّصْتُم	۵۷	۱۹
رھبانیة	۵۷	۳۴
رکاب	۵۹	۱۰
رجومًا	۶۷	۸
رابیة	۶۹	۹
ترجون	۷۱	۱۱
رھقًا	۷۲	۷
رَتِّلِ	۷۳	۳
الرُّجْز	۷۴	۵
سأُرْھِقُه	۷۴	۱۳
رَھِیْنَة	۷۴	۲۸
التَّرَاقِیَ	۷۵	۱۷
مِرصاد	۷۸	۱۸
رادفة	۷۹	۷

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
رین	۸۳	۴
رحیق	۸۳	۷
الروح	۹۷	۳
ز		
زاغ	۵۳	۱۸
مزدجر	۵۴	۶
ازدجر	۵۴	۱۲
زنیمٌ	۶۸	۸
زعیمٌ	۶۸	۱۷
المزّمّل	۷۳	۱
زمهریر	۷۶	۱۶
زرابی	۸۸	۶
زبانیة	۹۶	۹
زُلزلت	۹۹	۱
زُرتُمُ	۱۰۲	۲
س		
سامدون	۵۳	۵۷
سُعُرٌ	۵۴	۲۱
سُلطان	۵۵	۲۷
مسکوب	۵۶	۱۲
سموم	۵۶	۱۵
مَسبُوقین	۵۶	۲۱
سبّح	۵۷	۱
السّلام	۵۹	۳۵
اسفار	۶۲	۶

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
سائحات	۶۶	۸
اَسلَفتُمْ	۶۹	۱۷
اِستمع	۷۲	۲
یَسلُکه	۷۲	۱۶
سَبحًا	۷۳	۶
سُدًی	۷۵	۲۲
سُندُسٍ	۷۶	۲۰
سباتًا	۷۸	۷
سرابًا	۷۸	۱۷
سُیّرتْ	۷۸	۱۷
السابقات	۷۹	۳
الساهرة	۷۹	۱۲
سَمکها	۷۹	۱۹
سفرة	۸۰	۸
سجّین	۸۳	۳
مسغبه	۹۰	۱۰
سَجٰی	۹۳	۲
لَنَسفعًا	۹۶	۹
ش		
الشعرٰی	۵۳	۴۷
شِرب	۵۴	۲۱
اشیاعکم	۵۴	۲۵
شواظ	۵۵	۲۸
مشئمة	۵۶	۶
الشح	۵۹	۲۰

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
شکور	۶۴	۲۶
شهیقا	۶۷	۱۰
شرکاء	۶۸	۱۷
الشوٰی	۷۰	۱۲
شطط	۷۲	۵
شامخات	۷۷	۱۲
شتّٰی	۹۲	۲
الم نشرح	۹۴	۱
شانئ	۱۰۸	۳
ص ــــــــ		
صاحب	۵۳	۲
المصور	۵۹	۳۸
صلصال	۵۵	۱۴
یصدّعون	۵۶	۹
صدّوا	۶۳	۲
صغت	۶۶	۵
صٰفّت	۶۷	۲۳
الصریم	۶۸	۱۱
صرصر	۶۹	۶
صبّا	۸۰	۱۶
الصاخة	۸۰	۱۷
المصیطر	۸۸	۹
ض ــــــــ		
ضلّ	۵۳	۲
ضیزٰی	۵۳	۲۱

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
الضنین	۸۱	۱۷
ضریع	۸۸	۵
ضحٰی	۹۱	۱
ضحٰی	۹۳	۱
تضلیل	۱۰۵	۳
ط ــــــــ		
طغٰی	۵۳	۱۸
طمسنا	۵۴	۲۲
طلح	۵۶	۱۲
طباقا	۶۷	۵
طائف	۶۸	۱۱
طاغیة	۶۹	۵
اطوارا	۷۱	۱۲
طرائق	۷۲	۱۰
طُمست	۷۷	۴
مستطیرا	۷۶	۱۱
الطامة	۷۹	۲۳
طارق	۸۶	۱
طحٰی	۹۱	۶
ظ ــــــــ		
یظاهرون	۵۸	۱
ظهیر	۶۶	۷
ع ــــــــ		
عسر	۵۴	۱۱
تعاطٰی	۵۴	۲۱

	سُورۃ	حاشیہ نمبر		سُورۃ	حاشیہ نمبر
عقر	۵۴	۲۱	المعصرات	۷۸	۱۲
العصف	۵۵	۱۲	العشار	۸۱	۴
اعلام	۵۵	۲۰	عَسْعَس	۸۱	۱۲
عبقری	۵۵	۴۷	عاملة	۸۸	۲
عربا	۵۶	۱۳	عماد	۸۹	۵
العزیز	۵۷	۲	العقبه	۹۰	۹
العزیز	۵۹	۳۵	العٰدِیات	۱۰۰	۱
یعلم	۵۷	۳۲	عیشة	۱۰۱	۴
عدوّی	۶۰	۱	والعصر	۱۰۳	۱
عصم الکوافر	۶۰	۲۲	عصفٍ	۱۰۵	۵
نعاقبتم	۶۰	۲۴	اعطینا	۱۰۸	۱
تعاسرتم	۶۵	۱۸	**غ**		
عتوّ	۶۷	۲۷	غوی	۵۳	۲
عظیم	۶۸	۴	غَرور	۵۷	۱۹
معتدٍ	۶۸	۸	تغابن	۶۴	۱۱
عتلّ	۶۸	۸	غسلین	۶۹	۲۱
عاتیة	۶۹	۶	غدقًا	۷۲	۱۵
مَعارِج	۷۰	۲	غسّاقًا	۷۸	۲۱
العِهن	۷۰	۷	غُلبًا	۸۰	۱۶
"	۱۰۱	۳	غثاءً	۸۷	۶
عزین	۷۰	۲۵	غاشیة	۸۸	۱
عجبًا	۷۲	۳	مغیرات	۱۰۰	۱
معاذیر	۷۵	۱۱	غاسق	۱۱۳	۳
عبوسًا	۷۶	۱۴	**ف**		
عمّ	۷۸	۱	فخّار	۵۵	۱۴

	سُورة	حاشیہ نمبر
سنفرغ	۵۵	۲۶
افنان	۵۵	۳۶
تفكّهون	۵۶	۲۵
فتنتم	۵۷	۱۹
تفسّحوا	۵۸	۲۰
أفاء	۵۹	۱۰
فخور	۵۷	۲۹
فتنة	۶۰	۱۱
تفاوت	۶۷	۶
فطور	۶۷	۶
تفور	۶۷	۱۰
مفتون	۶۸	۵
فجاجًا	۷۱	۱۵
فاقرة	۷۵	۱۶
فرجت	۷۷	۴
فُراتا	۷۷	۱۲
مفازًا	۷۸	۲۴
منفكّين	۹۸	۱
الفلق	۱۱۳	۱
ق——		
قاب قوسين	۵۳	۱۰
اقنٰى	۵۳	۴۶
القدوس	۵۹	۳۵
قفينا	۵۷	۳۳
تقسطوا	۶۰	۱۵

	سُورة	حاشیہ نمبر
القارعة	۶۹	۴
قطوفها	۶۹	۱۶
تقوّلَ	۶۹	۲۴
الاقاويل	۶۹	۲۴
قددًا	۷۲	۱۰
القاسطون	۷۲	۱۳
اقوم قيلا	۷۳	۵
قسورة	۷۴	۳۲
قمطريرا	۷۶	۱۴
قوارير	۷۶	۱۶
قضبًا	۸۰	۱۶
اقتحم	۹۰	۹
قدر	۹۷	۱
قيّمة	۹۸	۳
قيّمة	۹۸	۶
قدحًا	۱۰۰	۱
القارعه	۱۰۱	۱
ك——		
كاشفه	۵۳	۵۴
اكمام	۵۵	۱۱
كُبِتُوا	۵۸	۱۱
المتكبّر	۵۹	۳۵
اكواب	۵۶	۹
كأس	۵۶	۹
كأس	۷۶	۸

	سُورة	حاشیہ نمبر
کفّرنابکم	۶۰	۷
یکفّر	۶۶	۱۳
کرّتین	۶۷	۶
کُبّار	۷۱	۱۷
کثیب	۷۳	۱۳
الکُبَر	۷۴	۲۵
کِفاتًا	۷۷	۱۲
کلّا	۷۸	۳
کِذّابا	۷۸	۲۲
کواعب	۷۸	۲۴
کُوّرت	۸۱	۱
انکدرت	۸۱	۲
کُشِطت	۸۱	۹
الکُنّس	۸۱	۱۱
کادح	۸۴	۶
الکبد	۹۰	۳
اکرم	۹۶	۳
کنود	۱۰۰	۲
التکاثر	۱۰۲	۱
کید	۱۰۵	۳
الکوثر	۱۰۸	۱
کفوًا	۱۱۲	۴
ل		
لمم	۵۳	۳۳
الواح	۵۴	۱۶

	سُورة	حاشیہ نمبر
لجّوا	۶۷	۲۷
مُلتحدا	۷۲	۲۰
لواحة	۷۴	۱۸
لوامة	۷۵	۲
لقّی	۷۶	۱۵
لمّا	۸۹	۱۴
لُبَدا	۹۰	۵
اَلْهَمَهَا	۹۱	۸
لُمزة	۱۰۴	۱
م		
مِرّة	۵۳	۶
تُمارونه	۵۳	۱۳
تتمارٰی	۵۳	۵۱
مستمر	۵۴	۳
تماروا	۵۴	۲۲
الملك	۵۹	۳۵
مارج	۵۵	۱۵
مَرَج	۵۵	۱۸
مقتا	۶۱	۳
تمیّز	۶۷	۱۰
تمور	۶۷	۲۱
ممنون	۶۸	۳
مهین	۶۸	۸
مشاءٍ بنمیم	۶۸	۸
المهل	۷۰	۷

	سُورة	حاشیہ نمبر
منوع	۷۰	۱۴
یتمطّیٰ	۷۵	۲۰
امشاجٍ	۷۶	۲
ممددة	۱۰۴	۷
الماعون	۱۰۷	۷
مسد	۱۱۱	۶
ن		
نذر	۵۴	۷
نکر	۵۴	۸
نجم	۵۵	۵
نجوی	۵۸	۱۴
المنشئات	۵۵	۲۰
نحاس	۵۵	۲۸
نضّاختان	۵۵	۴۴
منضود	۵۶	۱۲
انشاء	۵۶	۱۳
المنٰفقون	۶۳	۱
مناکب	۶۷	۱۹
نفور	۶۷	۲۷
ن	۶۸	۱
نفر	۷۲	۲
ناشئه	۷۳	۵
انکالا	۷۳	۱۲
ناقور	۷۴	۸
نذیرا	۷۴	۲۶
نطفة	۷۵	۲۳
نطفة	۷۶	۲
نسفت	۷۷	۴
النذر	۷۶	۱۰
النازعات	۷۹	۱
الناشطات	۷۹	۲
نخرة	۷۹	۱۰
فلیتنافس	۸۳	۸
ناصبة	۸۸	۲
نمارق	۸۸	۶
النجدین	۹۰	۸
انقض	۹۴	۲
فانصب	۹۴	۵
نادیة	۹۶	۹
نقعًا	۱۰۰	۱
لَیُنْبَذَنّ	۱۰۴	۴
نفّٰثٰت	۱۱۳	۴
و		
وضعها	۵۵	۱۰
موضونة	۵۶	۹
ولدان مخلدون	۵۶	۹
توعظون	۵۸	۵
اوجفتم	۵۹	۱۰
وَدُّوا	۶۸	۷
وتین	۶۹	۲۴

	سُورة	حاشیہ نمبر		سُورة	حاشیہ نمبر
وقارا	۷۱	۱۱	وسواس	۱۱۴	۲
وطأ	۷۳	۵	ھ ــــــــــ		
وبیلا	۷۳	۱۵	ھوی	۵۳	۱
وزر	۷۵	۹	ھوی	۵۳	۴۹
〃	۹۴	۲	مھطعین	۵۴	۱۰
اولیٰ لك فاولیٰ	۷۵	۲۲	منھمر	۵۴	۱۴
ویل	۷۷	۴	مھیمن	۵۹	۳۵
وھّاجا	۷۸	۱۱	الھیم	۵۶	۱۶
واجفة	۷۹	۸	ھمّاز	۶۸	۸
الاوتاد	۸۹	۸	ھلوع	۷۰	۱۴
مؤصدة	۹۰	۱۴	مھیلا	۷۳	۱۳
مؤصدة	۱۰۴	۸	ھل	۷۶	۱
مُوریات	۱۰۰	۱	ھمزة	۱۰۴	۱
موازین	۱۰۱	۴	ی ــــــــــ		
تواصوا	۱۰۳	۴	میمنة	۵۶	۶
وقب	۱۱۳	۳			

بمنّه تعالیٰ و فضله تم الشروع العظیم الحمد للہ رب العلمین
والصلوٰة والسلام علی رحمة للعلمین وعلیٰ آله واصحابه اجمعین

محمد کرم شاہ
دربار شریف پیرکھارہ

۱۵۔ صفر المظفر سنہ ۱۴۰۰ھ
۴۔ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء

تحقیقاتِ نحویّہ

	سورۃ	حاشیہ نمبر
حکمۃ بالغۃ ، فما تغن النذر	۵۴	۷
خشّعا ابصارھم	۵۴	۹
ما اصحاب المیمنۃ	۵۶	۶
ما اصحاب المشئمۃ	۵۶	۶
والسابقون السابقون	۵۶	۶
الا قیلا سلاما سلاما	۵۶	۱۱
لئلا یعلم اھل الکتاب	۵۷	۳۷
تلقون الیھم بالمودّۃ	۶۰	۲
ان کنتم خرجتم جھادا فی سبیلی	۶۰	۳
تسرّون الیھم بالمودّۃ	۶۰	۴
آخرین منھم لمّا یلحقوا بھم	۶۲	۳
خیرا لانفسکم	۶۴	۲۳
قد انزل اللہ الیکم ذکرا ۙ رسولا	۶۵	۲۵
صالح المؤمنین	۶۶	۶
الذی خلق الموت والحیاۃ	۶۷	۴
الذی خلق سبع سمٰوٰت	۶۷	۵
فسُحقا لاصحابِ السعیر	۶۷	۱۴
ھاؤُم اقرءُوا کتابیہ	۶۹	۱۵
قم اللیل الا قلیلا نصفہ اوانقص منہ	۷۳	۲
تبتّلْ الیہ تبتیلا	۷۳	۸
ھو خیرا و اعظم اجرا	۷۳	۲۵

	سورۃ	حاشیہ نمبر
ومن خلقت وحیدا	۷۴	۹
لا اقسم بیوم القیامۃ	۷۵	۱
من نطفۃ امشاج	۷۶	۲
کانت قواریر قواریر من فِضّۃ	۷۶	۱۶
کلّا سیعلمون	۷۸	۳
جزاءً وفاقا	۷۸	۲۲
جزاءً من ربک ، عطاءً حسابا	۷۸	۲۵
رب السمٰوٰت والارض	۷۸	۲۶
ما ادرٰک ما علیّون	۸۳	۶
قُتِل اصحاب الاخدود النار	۸۵	۵
لا اقسم بھذا البلد وانت حلٌّ بھذا البلد	۹۰	۱
ناقۃ اللہ وسقیٰھا	۹۱	۱۲
ان سعیکم لشتّٰی	۹۲	۲
البیّنۃُ ۙ رسول من اللہ	۹۸	۲
دین القیمۃ	۹۸	۶
لایلٰفِ قریش ایلٰفِھم	۱۰۶	۱
فذالک الذی یدُعّ الیتیم	۱۰۷	۲
ولا انتم عابدون ما اعبد	۱۰۹	۵
تبّتْ یدا ابی لھب وتبّ	۱۱۱	۱
حمّالۃ الحطب	۱۱۱	۵

فہرست مطالب

اللہ جل مجدہٗ

توحید

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اُس کے سوا اور کوئی خُدا نہیں	۵۹	۲۲
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵۹	۲۳
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۱۳
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۷۳	۹
وُہی ایک خُدا ہے (قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ)	۱۱۲	حواشی ۱ تا ۴
زمین وآسمان کی ہر چیز اُسی کی تسبیح کرتی ہے	۵۷	۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵۹	۲۴
زمین وآسمان کی ہر چیز اُسی کی پاکی بیان کرتی ہے۔	۶۱	۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۲	۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۱
اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ	۵۹	۲۲-۲۴
اُس کی ذات بڑی برکتوں والی ہے	۶۷	۱
اللہ ہمیشہ رہے گا۔ وُہ ذوالجلال والاکرام ہے۔	۵۵	۲۷
اُس کے سوا ہر چیز فانی ہے	۵۵	۲۶

دلائلِ توحید

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
شمس وقمر حساب کے مطابق گرمِ سیر ہیں	۵۵	۵
سُورج کو روشنی اور گرمی کا منبع بنایا	۷۸	۱۳
ستارے اور درخت اسی کو سجدہ کر رہے ہیں	۵۵	۶
اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور میزانِ عدل قائم کیا۔	۵۵	۷
اُسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا	۶۴	۳
وُہی ساتوں آسمانوں اور زمین کا خالق ہے ہر چیز کو اپنے عِلم سے اِحاطہ کیے ہُوئے ہے	۶۵	۱۲
آسمانوں کی ایسی تخلیق فرمائی کہ تلاشِ بسیار کے باوجود ان میں تمھیں کوئی عیب نظر نہیں آئے گا۔	۶۷	۳، ۴
آسمانوں کو ستاروں سے آراستہ کیا	۶۷	۵
ستاروں کو رجُوْمًا لِّلشَّیَاطِیْنِ بنایا	۶۷	۵
زمین کو اُسی نے نرم بنایا۔ تم اُس کی سطح پر چلتے ہو۔ اُس کے خوانِ کرم سے اپنا رزق کھاتے ہو۔	۶۷	۱۵

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
کیا زمین سے پہلے آسمان کی تخلیق ہوئی	۷۹	حاشیہ ۲۱
آسمان، پہاڑ، زمین سب اس کی قدرت کی جلوہ گاہیں ہیں	۸۸	۱۸_۲۰
اُسی نے زمین کو بچھونا بنایا اَور پہاڑوں کو میخیں۔	۷۸	۶_۷
اُسی نے تمھارے اُوپر سات مضبُوط آسمان بنائے۔	۷۸	۱۲
قطرۂ آب سے اِنسان کو اللہ ہی نے پَیدا کیا۔	۵۶	۵۷_۵۸ ۵۹
اُسی نے اِنسان کو حُسنِ صُورت سے نوازا	۶۴	۳
اُسی نے اِنسان کو پیدا کیا اَور اُسے سمع، بصر اَور قلب کی نعمتیں بخشیں۔	۶۷	۲۳
اُسی نے تمھیں زمین میں پھیلا دیا ہے اَور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے	۶۷	۲۴
اُسی نے اِنسان کو حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا۔	۷۷	۲۰ تا ۲۳
اِنسانی تخلیق میں قُدرتِ اِلٰہی کی حکمتیں	۸۰	۱۸ تا ۲۲
اِنسان کی بقا اَور نشوونما کے لِیے دسترخوان نعمت بچھا دیا	۸۰	۲۴ تا ۳۲
اِنسان کے مویشیوں کے لِیے چارے کا اِنتظام فرمایا۔	۸۰	۳۲

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
زمین پھل۔ اناج۔ بھُوسہ۔ پھُول اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں	۵۵	۱۰_۱۲
کھیتوں کو وُہی اُگاتا ہے	۵۶	۶۳ تا ۶۷
میٹھا پانی وُہی برساتا ہے	۵۶	۶۸ تا ۷۰
آگ اسی نے پیدا فرمائی ہے	۵۶	۷۱_۷۲
اُس کی توحید کے متعدّد تکوینی دلائل	۷۸	۶ تا ۱۶
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۷۹	۲۷ تا ۳۳
دو دریاؤں کا پانی میلوں ساتھ بہتا چلا جاتا ہے لیکن برزخ کے باعث مِل نہیں سکتا	۵۵	۱۹_۲۰
ان سے موتی اَور مرجان نکلتے ہیں	۵۵	۲۲
بڑے سمندری جہاز سطحِ آب پر تیرتے چلے جاتے ہیں۔	۵۵	۲۴
ہر چیز اس کے درِ کرم پر سوالی ہے ہر روز وُہ نئی شان سے تجلّی فرماتا ہے	۵۵	۲۹ حاشیہ ۲۴
فضا میں پرندوں کی پرواز اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں	۶۷	۱۹
اُونٹ کی طرف دیکھو اُسے کیسا بنایا	۸۸	۱۷
اُسی نے اپنے رسُول کو ہدایت اَور دینِ حق دے کر بھیجا۔	۶۱	۹
اُسی نے اُمّیوں میں ایک جلیلُ القدر رسُول مبعُوث فرمایا۔	۶۲	۲

صفاتِ الٰہی

علمِ الٰہی

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
ان کے سارے اعمال صحائف میں مرقوم ہیں	۵۴	۵۲
ہر چھوٹی بڑی چیز ان میں لکھی ہے	۵۴	۵۳
اللہ تعالیٰ مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتا ہے	۵۶	۸۵
وُہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔)	۵۷	۳
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵۸	۷
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۱۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۵	۱۲
زمین میں جو داخل ہوتا ہے اور جو نکلتا ہے آسمان سے جو نازل ہوتا ہے اور جو عروج کرتا ہے اُسے وُہ جانتا ہے۔	۵۷	۴
وُہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہوتا ہے	۵۷	۴
جو تم کرتے ہو اُسے دیکھ رہا ہے	۵۷	۴
وُہ سینے کے رازوں کو جاننے والا ہے	۵۷	۶
جو تم کرتے ہو اُس سے خبردار ہے (بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ)	۵۷	۱۰
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۳	۱۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵۸	۱۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵۸	۱۳

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
جو تم کرتے ہو اُس سے خبردار ہے (بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ)	۵۹	۱۸
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۸
اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے	۵۸	۱
اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے رسُولوں کی اِمداد کرتا ہے	۵۷	۲۵
تمام اعمال کو گن رکھا ہے	۵۸	۶
وُہ ہر چیز پر گواہ ہے	۵۸	۶
زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے	۵۸	۷
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۴
وُہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے	۶۴	۴
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۸۷	۷
وُہ دِلوں کے رازوں کو جانتا ہے	۶۴	۴
اگر وُہ تین ہوں تو چوتھا وُہ ہوتا ہے اِگر وُہ پانچ ہوں تو چھٹا وُہ ہوتا ہے الخ	۵۸	۷
وُہ غیب و شہادت کا جاننے والا ہے	۵۹	۲۲
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۱۸
جو تم کرتے ہو وُہ دیکھ رہا ہے	۶۰	۳
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۴	۲
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۷	۱۹
وُہ علیم و حکیم ہے	۶۰	۱۰
〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۶	۲

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
وُہ علیم وحکیم ہے	۷۶	۳۰
تم آہستہ بات کرو یا بلند آواز سے، وُہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے	۶۷	۱۳
وُہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے اور لطیف وخبیر ہے	۶۷	۱۴
جو گمراہ ہیں وُہ اُن کو بھی جانتا ہے اور جو ہدایت یافتہ ہیں وُہ اُن سے بھی واقف ہے	۵۳	۳۰
〃 〃 〃 〃 〃 〃	۶۸	۷
وُہ ظالموں کو خوب جانتا ہے	۶۲	۷
جب تم شکمِ مادر میں تھے اللہ اس وقت بھی تمھیں جانتا تھا	۵۳	۳۲
وُہ متقیوں کو بھی جانتا ہے	۵۳	۳۲
ان کا رب اُس دن اُن سے خُوب باخبر ہو گا	۱۰۰	۱۱

رحمت ومغفرتِ الٰہی

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
وُہ رحمٰن ہے۔ اُسی نے قرآن سکھایا	۵۵	۱۔۲
اُس کی شانِ رحمانیت	۵۵	حاشیہ ۱
اُس کی نعمتوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا	۵۵	۱۳
زمین وآسمان کی ہر چیز اُس کے درِ کرم پر سوالی ہے	۵۵	۲۹
ہر روز وُہ ایک نئی شان سے تجلّی فرماتا ہے	۵۵	۲۹
اس کا نام بڑی برکت والا، وُہ خود عظمت والا احسان فرمانے والا ہے	۵۵	۷۸
اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ رؤف ورحیم ہے	۵۷	۹
یہ اللہ کا فضل ہے وُہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے	۵۷	۲۱
اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے	۵۷	۲۱
اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے	۵۷	۲۸
〃 〃 〃 〃	۵۸	۱۲
〃 〃 〃 〃	۶۰	۷
	۶۰	۱۲
فضل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے	۵۷	۲۹
وُہ صاحب فضلِ عظیم ہے	۵۷	۲۹
〃 〃 〃 〃	۶۲	۴
اللہ تعالیٰ عفوٌ غفور ہے	۵۸	۲
وُہ رحمٰن رحیم ہے	۵۹	۲۲
اللہ تعالیٰ غنیٌ حمید ہے	۶۰	۶
اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے۔ اسی پر ہم نے توکّل کیا ہے	۶۷	۲۹
اِنسان کی کمزوری کے پیشِ نظر شب بیداری میں تخفیف کر دی	۷۳	حاشیہ ۱۹
وُہ اہل التقویٰ اور اہل المغفرۃ ہے	۷۴	۵۶
آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے	۵۳	۳۲
وُہ غفور، ودود اور عرش مجید کا مالک ہے	۸۵	۱۴۔۱۵
راہنمائی کرنا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے	۹۲	۱۲

وُہ ہر چیز کا خالق ومالک ہے

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
ہر چیز کو اندازے سے پیدا فرمایا	۵۴	۴۹
〃 〃 〃 〃	۶۵	۳

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
وُہ بادشاہ ہے۔ قادرِ مُطلق ہے	۵۴	۵۵
اِنسان کو اسی نے پیدا فرمایا	۵۵	۳
قطرۂ آب سے اِنسان کی تخلیق اُسی کا شاہکار ہے	۵۶	۵۷تا۵۹
اِنسان کو پیدا کیا اَور اسے حسُن وجمال کا مرقع بنا دیا۔	۶۴	۳
اپنے رب کا نام لے کر پڑھیئے جس نے سب کو پیدا فرمایا۔ جس نے اِنسان کو خُون کے لوتھڑے سے تخلیق کیا	۹۶	۲،۱
جس نے قلم کو ذریعۂ علم بنایا	۹۶	۴
اِنسان کو اس کا علم دیا جس کو وُہ نہیں جانتا	۹۶	۵
اسی نے موت کو تمھارے لیے مقرر فرمایا	۵۶	۶۰
موت وحیات کا وُہی خالق ہے	۵۷	۲
آسمانوں اَور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے	۵۷	۵،۲
آسمانوں اَور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا	۵۷	۴
وُہ الملک القدوس ہے	۵۹	۲۳
	۶۲	۱
وُہی خالق، باری اَور مصوّر ہے	۵۹	۲۴
زمین اَور آسمان کے خزانے اُسی کے ہیں	۶۳	۷
ملک اَور حمد اسی کے لیے ہے	۶۴	۱
آسمانوں اَور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔	۶۴	۳
ساتوں آسمانوں اَور زمین کو پیدا کیا	۶۵	۱۲
اس کے احکام کا ان میں ہر وقت نزول ہوتا رہتا ہے	۶۵	۱۲

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
سب بادشاہی اسس کے دستِ قُدرت میں ہے	۶۷	۱
سات آسمانوں کو اُوپر نیچے پیدا کیا۔	۶۷	۳
وُہ مشرق ومغرب کا ربّ ہے اُسے اَپنا کارساز بنایئے۔	۷۳	۹
وُہی پیدا کرنے والا وُہی لَوٹانے والا ہے	۸۵	۱۳
جو چاہتا ہے کرتا ہے (فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ)	۸۵	۱۶
ہر چیز کو اُسی نے پیدا کیا پھر اُسے دُرست کیا۔ اس کا اندازہ مقرر کیا۔ پھر اُسے راہِ راست دکھائی۔	۸۷	۲_۳
جانوروں کے لیے چارہ پیدا کیا	۸۷	۴_۵
اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے	۹۵	۸
دُنیا وآخرت سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے	۵۳	۲۵
زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ کی ہے	۵۳	۳۱
اُسی نے نراَور مادہ کو منی سے پیدا کیا	۵۳	۴۵_۴۶
ہر چیز پر قادر ہے		
وُہی ہنستا تا وُہی رُلاتا ہے	۵۳	۴۳
وُہی زندہ کرتا اَور مارتا ہے	۵۳	۴۴
وُہی دُوسری بار پیدا فرمائے گا	۵۳	۴۷
وُہی غنی کرتا ہے وُہی مفلس بناتا ہے	۵۳	۴۸
وُہی شعریٰ ستارے کا ربّ ہے	۵۳	حاشیہ۴۷
اُسی نے عاد، ثمود اَور قومِ نوح کو برباد کیا	۵۳	۵۰_۵۱_۵۲

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اُس کا ہر حکم چشم زدن میں پُورا ہو جاتا ہے	۵۴	۵۰
وُہ مَلِيكٌ مُقْتَدِر ہے	۵۴	۵۵
وہ عزیز و حکیم ہے	۵۷	۱
″ ″ ″ ″	۵۹	۲۴
″ ″ ″ ″	۶۱	۱
″ ″ ″ ″	۶۲	۱
″ ″ ″ ″	۶۲	۳
″ ″ ″ ″	۶۴	۱۸
وُہی زندہ کرتا ہے وُہی مارتا ہے	۵۷	۲
ہر چیز پر قادر ہے	۵۷	۲
″ ″ ″ ″	۶۴	۱
″ ″ ″ ″	۶۶	۸
″ ″ ″ ″	۶۷	۱
دِن کو رات میں، رات کو دِن میں داخل کرتا ہے	۵۷	۶
اللہ تعالیٰ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے	۵۷	۱۷
وُہ قوِیٌّ عزیز ہے	۵۷	۲۵
″ ″ ″ ″	۵۸	۲۱
وُہ چاہے تو تمھارے اَور تمھارے دشمنوں کے درمیان محبّت پیدا کر دے	۶۰	۷
کفّار کی کوششوں کے باوجود اللہ اس دین کو روشن رکھے گا (واللہ متمّ نورہٖ)	۶۱	۸
اس نے اپنے رسُول کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ سب دینوں پر اس دینِ حق کو غالب کر دے	۶۱	۹

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
ہم چاہیں تو ان سے بہتر قوم لا سکتے ہیں	۷۰	۴۱
آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے		

اللہ تعالیٰ کن سے محبّت کرتا ہے

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبّت کرتا ہے	۶۰	۸
ان مجاہدوں سے محبّت کرتا ہے جو صف باندھ کر باطل سے جنگ کرتے ہیں	۶۱	۴

وُہ کن سے محبّت نہیں کرتا

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
مغرُور اَور شیخی باز سے اللہ تعالیٰ محبّت نہیں کرتا	۵۷	۲۳
جو خود بخل کرتے ہیں اَور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اُن سے بھی محبّت نہیں کرتا	۵۷	۲۴

وُہ کسے ہدایت نہیں دیتا

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
جو حق سے رُوگردانی کرے اللہ اُس سے بے نیاز ہو جاتا ہے	۵۷	۲۴
وُہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا	۶۱	۵
″ ″ ″ ″	۶۳	۶
وُہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا	۶۱	۷
″ ″ ″	۶۲	۵

متفرّق

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
وُہی اوّل، وُہی آخر، وُہی ظاہر، وُہی باطن ہے	۵۷	۳

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر		سُورہ نمبر	آیت نمبر
وُہ غنی حمید ہے	٥٧	٢٤	اللہ تعالیٰ شکور، حلیم ہے	٦٤	١٧
″ ″ ″ ″	٦٤	٦	قیامت کے روز دیدارِ الٰہی	٧٥	حاشیہ ١٥
وُہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے	٦٢	١١	ذِکرِ الٰہی سے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے	٧٣	حاشیہ ١٧
جب وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالےٰ کسی کو ڈھیل نہیں دیتا	٦٣	١١	سب نے لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے	٨٨	٢٥
			سب کا حساب ہم خود لیں گے	٨٨	٢٦

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نبوّت و رسالت

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ مُعجزات اور کتاب دے کر رسُول مبعُوث کرتا ہے تاکہ وُہ عدل قائم کریں	۵۷	۲۵
اِس مقصد کی تکمیل کے لِیے اُنھیں لوہے کا ڈنڈا (قوّتِ مادی) بھی عطا فرماتا ہے	۵۷	۲۵ حاشیہ ۳۱
آخر کار اللہ اور اُس کے رسُولوں کو ہی غلبہ حاصِل ہوتا ہے	۵۸	۲۱
دینِ حق غالب ہونے کے لِیے آیا ہے	۶۱	۹
نبی کریم کی بعثت کے مقاصد۔ تلاوتِ آیات، تزکیۂ قلوب، تعلیمِ کتاب وحِکمت	۶۲	۲
نبی اللہ زِندہ ہیں اور رزق دیتے جاتے ہیں	۶۲	۹، حاشیہ ۱۲
اگر نبی خود کلام گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے تو اس کی رگِ جان کاٹ دی جائے	۶۹	۴۶
اِبتدائی احکام۔ اُٹھیے! لوگوں کو ڈرایئے، اللہ کی بڑائی بیان کیجئے۔	۷۴	۲ تا ۷
آپ لوگوں کو نصیحت کیا کریں۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے وُہ سمجھ جائے گا۔ بدبخت دُور بھاگے گا	۸۸	۲۱_۲۲
ماضل صاحبکم وما غویٰ	۵۳	۲
آپ اپنی مرضی سے بات ہی نہیں کرتے	۵۳	۳_۴

رحمت و خُلقِ عظیم

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
حضرت اوس رضؓ بن صامت پر ظہار کا کفّارہ اور حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی رأفت و شفقت	۵۸	۱ حاشیہ ۱
مُسلمان عورتوں کے لِیے استغفار کا حکم (واستغفر لھن)	۶۰	۱۲
حضرت حاطب سے لغزش اور حضُور کا درگزر	۶۰	۱ حاشیہ ۱
فیضانِ نبوّت فضلِ الٰہی ہے جس کو چاہتا ہے اُسے اس سے سرفراز فرماتا ہے	۶۲	۳، ۴
حضور اندھیروں سے نکال کر نوُر کی طرف لے جاتے ہیں	۶۵	۱۱
رحمتِ فراواں کے باعث حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو منافِقین پر سختی کرنے کا حکم دیا جارہا ہے (واغلظ علیھم)	۶۶	۹
حضور خلقِ عظیم کے مالک ہیں خلق کی تعریف اور دیگر مباحث اِس آیت کے حاشیے میں ملاحظہ فرمائیں۔	۶۸	۴ حاشیہ ۴
کفّار نے نزولِ عذاب کی دُعا مانگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک میرا حبیب تم میں ہے میں عذاب نازل نہیں کرُوں گا	۷۰	۱ حاشیہ ۱

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
آپ صبرِ جمیل فرمائیے	۷۰	۵
اَے حبیب! آپ کفّار کی دِل آزاریوں پر صبر فرمائیں	۷۳	۱۰_۱۱
حضُور کی شفاعت گنہگاروں کے لیے حق ہے۔ اس کا منکر اس سے محرُوم ہوگا	۷۴	۴۸ حاشیہ ۳۱
فقراء سے حضور کی محبّت	۸۰	۱ تا ۱۰
اپنی اُمّت کی مغفرت کے لیے دُعائیں	۹۳	حاشیہ ۵
حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ولادت سے پچاس دِن پہلے ابرہہ کی لشکرکشی اَور اُس کی تباہی کا واقعہ پیش آیا	۱۰۵	۱ تا ۵ مع حواشی
قریش پر احسان کہ ان کے دِلوں میں تجارت کی اُلفت پیدا کردی اَور انھیں فاقہ کشی سے خوشحالی بخشی اَور فتنہ وفساد سے امان دی	۱۰۶	۱ تا ۴
حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اپنی اُمّت کے لیے استغفار کا حکم	۱۱۰	۳

شانِ مُصطفویؐ

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
مُعجزۂ شق القمر! اس کا نقلی وعقلی ثبُوت	۵۴	حاشیہ ۲
حضور جنّ واِنس کے نبی ہیں	۵۵	حاشیہ ۱۵
حضور کا معراج پر تشریف لے جانا	۵۵	حاشیہ ۲۷
اپنے عظیم پروردگار کی آپ تسبیح بیان کیا کیجیے	۵۶	حاشیہ ۹۶
حضور سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دیا کرو	۵۸	۱۲
حضرت عیسٰی نے حضور کا نام (احمد) بتا کر آمد کی بشارت دی	۶۱	۶
نامِ نامی احمد کا مفہوم تفصیلی حاشیہ	۶۱	حاشیہ ۹
کفّار چراغِ مُصطفویؐ کو بجھانا چاہتے ہیں لیکن اللہ اسے روشن رکھے گا	۶۱	۸
اللہ نے اپنے رسُول کو نورِ ہدایت اَور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اِس دین کو سب دینوں پر غلبہ حاصل ہو	۶۱	۹
فیضانِ نبوّت، تلاوتِ آیات، تزکیہ قلوب تعلیمِ کتاب وحکمت	۶۲	۲
قیامت تک آنے والے اُمّتی فیضانِ نبوت سے فیض یاب ہوتے رہیں گے (وآخرین منھم لما یلحقوا بھم)	۶۲	حاشیہ ۳
جمعہ کے روز بکثرت درُود شریف پڑھنے کا حکم اَور عقیدۂ حیات النبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام	۶۲	حاشیہ ۱۲
عزّت اللہ کے لیے، اس کے رسُول کے لیے اَور مومنین کے لیے ہے	۶۳	۸
فی کل ارض آدم کادم ونوح کنوح ونبیؐ کنبیّکم یہ حدیث موضوع ہے اس کا راوی کذّاب ہے	۶۵	حاشیہ ۲۸
پیار بھی ہے اَور عتاب بھی دونوں کی مٹھاس ناقابلِ بیان ہے (لِمَ تحرم ما احل اللہ لك)	۶۶	حاشیہ ۱
اِس آیت کا شانِ نزُول	۶۶	حاشیہ ۱

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
جبریلؑ، نیک مومن اور فرشتے آپ کے خدمت گار ہیں	۶۶	۴
اللہ چاہے تو اپنے حبیب کو ہمہ صفت موصُوف دُوسری بیویاں عطا فرماوے	۶۶	۵
قلم کی قسم! آپ مجنون نہیں ہیں	۶۸	۱، ۲
آپ کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے	۶۸	۳
گستاخِ رسالت کو کن بُرے القاب سے یاد کیا گیا ہے	۶۸	۱۰ تا ۱۶
کفّار کی نظرِ بد سے حضُور کی حفاظت	۶۸	۵۱
حضُور کا وجُود سارے جہانوں کے لیے وجہِ عزّ و شرف ہے	۶۸	۵۲
رافع بن عمیر کا اسلام۔ ایک جنّ نے ان کی راہنمائی کی	۷۲	۶ حاشیہ ۷
حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام عبد اللہ ہیں	۷۲	۱۹
یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ سے خطاب	۷۳	۱
سحر خیزی کی تلقین	۷۳	۲ تا ۷
آپ کو گواہ بنا کر بھیجا گیا ہے	۷۳	۱۵
یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کا خطابِ دلنواز اور اس کے معانی	۷۴	۱ حاشیہ ۱
حدیثِ لولاک لما خلقت الافلاک	۷۸	۲۶ حاشیہ
حدیثِ شفاعت	۷۸	۲۹ حاشیہ
بڑی شان والا فرشتہ آپ کے پاس قرآن لے کر آیا ہے	۸۱	۱۹۔ ۲۰ ۲۱
آپ مجنون نہیں ہیں	۸۱	۲۲
آپ نے اس فرشتہ کو دیکھا ہے	۸۱	۲۳

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
مکّہ کی قسم کہ آپ اس میں بس رہے ہیں	۹۰	۱۔ ۲
رُخِ انور کی قسم، گیسُوئے عنبرین کی قسم	۹۳	۱۔ ۲
نہ آپ کو چھوڑا نہ ناراض ہوا	۹۳	۳
ہر آنے والی گھڑی پہلی سے بہتر ہے	۹۳	۴
آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے	۹۳	۵ حاشیہ ۵
آپ کو یتیم پایا تو آپ کو اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دی	۹۳	۶ حاشیہ ۶
وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى، ضالا کی تشریح	۹۳	۷ حاشیہ ۷
آپ کو عیالدار پایا اور غنی کر دیا اس کی تشریح	۹۳	حاشیہ ۸
آپ کا فقر اختیاری تھا	۹۳	حاشیہ ۸
یتیم پر سختی نہ کیجیے	۹۳	۹
سائل کو نہ جھڑکیے	۹۳	۱۰
کار ہمہ بدست ہمت و کرامتِ او	۹۳	حاشیہ ۱۰
انفق۔ حضُور کی شانِ جُود و سخا	۹۳	حاشیہ ۱۰
حدیثِ انفق۔ ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔		
تحدیثِ نعمت	۹۳	۱۱
اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (حضُور کے علُوم و معارف کا بیان)	۹۴	حاشیہ ۱
ہم نے آپ کا بوجھ اُٹھا لیا	۹۴	۲۔ ۳
ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا	۹۴	۴ حاشیہ ۳
اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے سب کو پیدا کیا	۹۶	۱۔ ۲

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کو ذریعۂ عِلم بنایا جس نے اِنسان کو عِلم سِکھایا	۹۶	۳_۵
حضور کی ولادت کے سال ابرہہ کو شکست دی اَور کعبہ کی حفاظت فرمائی	۱۰۵	۱ تا ۵
ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا	۱۰۸	۱
کوثر کی تشریح اَور اس کے مطالب	۱۰۸	حاشیہ ۱
فَصَلِّ لِرَبِّكَ سے حضُور کی اِمتیازی شان کا بیان	۱۰۸	۲ حاشیہ ۲
آپ کا دُشمن ابتر ہے	۱۰۸	۳
حضُور کے طفیل ناقص اُمتیوں کی تکمیل	۱۱۰	۳
بارگاہِ رسالت کے گستاخ ابُولہب اَور اُس کی بیوی کا دردناک انجام، گُستاخوں پر غضبِ الٰہی	۱۱۱	۱ تا ۵

مِعراج شریف

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
تابندہ ستارے (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی قسم	۵۳	۱
وُہ وحی کے بغیر بولتے ہی نہیں	۵۳	۳_۴
آپ کو تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے	۵۳	۵_۶
دنیٰ فتدلّٰی کا مفہُوم	۵۳	حاشیہ ۹
قاب قوسین او ادنیٰ کی تشریح	۵۳	حاشیہ ۱۰
وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف	۵۳	۱۰
جو وحی فرمائی (خُداداد علُوم کا بیان)		حاشیہ ۱۱
آنکھ نے جو دیکھا دل نے اس کی تصدِیق فرمائی	۵۳	۱۱
اس پر تمہارا جھگڑنا بے سُود ہے	۵۳	۱۲
سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دوبارہ دیکھا	۵۳	۱۳_۱۴
〃 〃 〃 〃 〃		۱۵_۱۶
آنکھ نہ درماندہ ہوئی نہ حد سے بڑھی	۵۳	۱۷
کیا حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے لیلۃ المعراج کو دیدارِ الٰہی کیا۔ مفصّل بحث	۵۳	حاشیہ ۱۸
حضور نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں	۵۳	۱۸

نبی کریم عَلَیہِ الصَّلوٰۃُ وَالتَّسلِیم کا عِلم

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ ہی نے حضُور کو قرآن اَور اس کا بیان سِکھایا	۵۵	۲_۴
تعلیمِ الٰہی سے علوم کے سمندر موجزن ہو گئے	۵۵	حاشیہ ۲
بیان سے مُراد علم ماکان و مایکون ہے	۵۵	حاشیہ ۳
حضرت عکاشہ ان ستّر ہزار میں سے ہیں جو بغیر حساب جنّت میں جائیں گے (ارشادِ نبویؐ)	۵۶	حاشیہ ۱۴
حضور روزِ حشر اپنی اُمّت کو پہچان لیں گے	۵۷	حاشیہ ۱۶
عِلمِ نبوّت بتعلیمِ الٰہی	۶۲	حاشیہ ۲
ماکان و مایکون کا عِلم عطا ہوا	۶۸	حاشیہ ۲
قل ان ادری اقریب الآیۃ میں درایت کی نفی ہے۔ درایت کی تحقیق	۷۲	حاشیہ ۲۴
عالم الغیب فلا یظہر۔ الآیۃ	۷۲	۲۶
غیب کی تحقیق۔ حضور کا عِلمِ غیب باعلام اللہ تعالیٰ ہے	۷۲	حاشیہ ۲۵
آپ غیب بتانے میں بخیل نہیں	۸۱	حاشیہ ۱۷

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اپنے حبیب کو خود پڑھایا ہے	۸۷	۶-۷
حضور کو قرآن کی تعلیم دینے والا اللہ ہے	۵۳	۵-۶
فرمایا۔ اَے علی! پچھلوں میں سب سے زیادہ بدبخت آپ کا قاتل ہے	۹۱	حاشیہ ۱۱
حضور کا علم (الم نشرح لك صدرك)	۹۴	۱
علم اللوح والقلم سطر من سطور علمه ونهر من بحور علمه (مُلّا علی قاریؒ)	۹۴	حاشیہ ۱
مالم یعلم سے اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسُول کو ایسے علُوم سکھائے گا جن کا اِحاطہ عقل نہیں کرسکتی	۹۶	حاشیہ ۵
حضور کو علُوم الاوّلین والآخرین عطا فرمائے	۹۶	۵
اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡکَوۡثَرَ	۱۰۸	۱
کیا حضُور اِجتہاد کیا کرتے تھے؟	۵۳	حاشیہ ۴

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کی اطاعت

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
سُنّتِ نبویؐ بیانِ قُرآن ہے۔ اَور وُہ بھی تعلیمِ الٰہی ہے	۵۵	۴
اللہ اَور اُس کے رسُول کی اطاعت کرو	۵۸	۱۳
اطاعتِ رسُول کا حکم	۶۴	۱۲
کتابتِ حدیث کا حکم اُکتُبۡ ماصدر منّی الا الحق	۵۳	حاشیہ ۴
جو اللہ کا رسُول تمہیں دے اُسے پکڑ لو جس سے منع کرے اس سے رُک جاؤ	۵۹	۷
جو اللہ اَور اس کے رسُول کی مخالفت کرے گا ذلیل ہوگا	۵۸	۲۰
منکرِینِ سُنّت کا اِعتراض اَور اُس کا جواب قُرآن کا بیان بھی مُنزّل مِنَ اللہ ہے	۷۵	۱۶ تا ۱۹

اِظہارِ عبُودِیّت

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کرو کسی گنہگار، ناشکر گزار کی پیروی مت کرو	۷۶	۲۴
عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ عتاب کی حکمت	۸۰	۱ تا ۵ حواشی
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ	۱۰۸	۳
جب فتح و نصرت نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کہیئے	۱۱۰	۳

اسلام

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اِسلام		
صحابۂ کرام کس طرح اور کن امور پر بیعتِ اِسلام کیا کرتے تھے	۵۷	حاشیہ ۱۰
دِلوں میں خشوع پیدا کرنے کی ضرورت	۵۷	حاشیہ ۲۱
اِسلام میں رہبانیّت کا مقام	۵۷	حاشیہ ۳۴
اِسلام میں رہبانیّت نہیں ہے	۷۳	حاشیہ ۸
کفّار اللہ کے نور (اِسلام) کو بجھانا چاہتے ہیں لیکن یہ روشن رہے گا	۶۱	۸
توبہ نصوح کرنے کا حکم اور اس کے اثرات	۶۶	۸
اِسلام کا نظامِ عبادات اِنسان کی فطری کمزوریوں کی اِصلاح کر کے اس کی کایا پلٹ دیتا ہے	۷۰	۱۹ تا ۳۵ مع حواشی
کِسی پر کِسی کے گناہ کا بوجھ نہیں لادا جاتا	۵۳	۳۸
لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ اِس کا صحیح مفہوم، اس کی غلط تاویلیں اور ان کی تردید	۵۳	۳۹ مع حاشیہ
اِیصالِ ثواب کی تفصیلی بحث	۵۳	حاشیہ ۴۰
اِسلامی اخلاق و آداب		
اپنی خودستائی مت کرو	۵۳	۳۲
ہر شخص کو اپنی جدوجہد کی پوری جزا مِلتی ہے	۵۳	۴۰-۴۱

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
نیکی کے کاموں اور تقوے کے لِیے مشورے کیا کرو	۵۸	۹
مسلمانوں کو اللہ پر توکّل کرنا چاہیئے	۵۸	۱۰
مجلس میں کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھ جایا کرو	۵۸	۱۱
جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو	۵۸	۱۱
جس کو بخل (شح) سے بچایا گیا اُس نے فلاح پائی	۵۹	۹
″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″	۶۴	۱۶
وُہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں	۶۱	۲
یہ چیز اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے	۶۱	۳
اللہ پر توکّل اہلِ ایمان کا شیوہ ہے	۶۴	۱۳
خوشی میں شکر، مصیبت میں صبر، مومن کا طُرّۂ امتیاز ہے	۶۴	حاشیہ ۱۴
عفو و درگزر سے اللہ کی رحمت مِلتی ہے	۶۴	۱۴
جو اللہ پر توکّل کرتا ہے وُہ اُس کے لِیے کافی ہے	۶۵	۳ حاشیہ ۱۱
اولاد کی حسنِ تربیت کا حکم	۶۶	۶، حاشیہ ۹
سحر خیزی کی ترغیب	۷۳	حاشیہ ۶
مسلمان تاجر ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کریں	۷۳	حاشیہ ۲۰

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر		سُورۃ نمبر	آیت نمبر
زیادہ بدلے کے لیے احسان مت کرو لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ	۷۴	۶	کام شروع کردو۔ بے کار مت رہو	۹۴	۷
صبر و ترحم کی وصیت کرنا	۹۰	۱۷	حضرت فارُوق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد۔ مومن مشکل پسند ہوا کرتا ہے	۹۴	حاشیہ ۵
جو شخص سخاوت، تقویٰ اور تصدیقِ حق کو اپنا شعار بنالیتا ہے۔ راہِ فطرت اُس کے لیے آسان ہو جاتی ہے	۹۲	۵۔۷	ہلاکت ہے اس کے لیے :- جو رُوبرُو طعنے دیتا ہے پسِ پُشت عیب جوئی کرتا ہے		
جو بُخل کرتا ہے اور بے پروا بنتا ہے وُہ خلافِ فطرت طریقہ کا دلدادہ بن جاتا ہے	۹۲	۸۔۱۰	مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر رکھتا ہے۔	۱۰۴	۱۔۳
تُمہاری کوششیں متنوّع قسم کی ہیں	۹۲	۱ تا ۴	اور سمجھتا ہے کہ مال اُسے لافانی بنادے گا		
جب ایک کام سے فارغ ہو تو فوراً دوسرا					

انبیاء علیہم السلام

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر		سُورۃ نمبر	آیت نمبر
ابراہیم علیہ السّلام			دیگر اعتراضات	۵۴	۲۵
			اُونٹنی	۵۴	۲۷
ہم نے ابراہیمؑ کو رسُول بنا کر بھیجا اور اس کی نسل کو بھی نبوّت و کتاب سے سرفراز فرمایا	۵۷	۲۶	ان کا دردناک انجام	۵۴	۲۸ تا ۳۱
دُشمنانِ اسلام سے قطع تعلّقی میں حضرت ابراہیمؑ کے اُسوہ پر عمل کرو	۶۰	۴	ثمُود نے قیامت کو جھٹلایا۔ ان کا انجام	۶۹	۴۔۵
صالح علیہ السّلام			ثمود جنہوں نے چٹانوں کو تراشا اپنی بدکاریوں کے باعث تباہ ہوگئے	۸۹	۹۔۱۲ ۱۳
قومِ ثمود نے آپ کو جھٹلایا	۵۴	۲۳	قومِ ثمود نے سرکشی کی۔ اُونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ تباہ کر دیئے گئے	۹۱	۱۱ تا ۱۵
ہم اپنے جیسے بشر کی اطاعت نہیں کریں گے	۵۴	۲۴			

عیسیٰ علیہ السلام

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
آپ کو انجیل بخشی۔ آپ کے ماننے والوں کے دِلوں میں رأفت و رحمت کے جذبات ودِیعت کیے۔	۵۷	۲۷
آپ کی اُمّت میں رہبانیّت کا آغاز اس کے اچھے بُرے نتائج اِسلام میں رہبانیّت کا حکم تحریکِ رہبانیّت کی تاریخ پر ایک نظر	۵۷	۳۴، ۳۵ حواشی
آپ نے حضورؐ کی آمد کا مُژدہ دیا۔ اَور نام بھی احمد بتایا	۶۱	۶
انجیل برنباس کے بارے میں تحقیق اَور اس کے حوالہ جات	۶۱	حاشیہ ۹
آپ صرف بنی اِسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے	۶۱	حاشیہ ۹
آپ کی دعوت من انصاری الی اللّٰہ حواریوں کا جواب نحن انصار اللّٰہ	۶۱	۱۴
حضرتِ مریم بنتِ عمران، آپ کی عصمت، حضرت عیسیٰؑ کی ولادت، کلماتِ الٰہی پر آپ کا اِیمان، آپ فرمانبردار بندوں میں سے تھیں	۶۶	۱۳
ابرہہ عیسائی تھا جس نے کعبۂ مشرّفہ پر لشکر کشی کی اَور تباہ ہُوا	۱۰۵	۱ تا ۵ مع حواشی

لُوط علیہ السلام

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
آپ کی قوم نے آپ کو جھُٹلایا	۵۴	۳۳
ان کا دردناک انجام	۵۴	۳۴
آلِ لُوط پر اللّٰہ تعالیٰ کا اِحسان	۵۴	۳۴-۳۵
آپ کے مہمانوں پر دست درازی کا قصد اَور انجام	۵۴	۳۷-۳۸-۳۹
لُوط علیہ السّلام کی بیوی۔ اُس کی خیانت اَور انجام	۶۶	۱۰

مُوسیٰ وہارُون علیہما السّلام

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
فرعون کا جُھٹلانا اَور غرق ہونا	۵۴	۴۱-۴۲
آپ نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے فرمایا تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو	۶۱	۵
حضرت آسیہ زوجۂ فرعون کی استقامت اَور دُعا	۶۶	۱۱ حاشیہ ۱۹
وادیِ طویٰ میں آپ کو اللّٰہ تعالےٰ نے ندا دی اَور فرعون کی ہدایت کے لیے بھیجا اَور اس کو تبلیغ کرنے کا طریقہ سکھایا	۷۹	۱۵ تا ۲۰
فرعون کا اِنکار۔ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا دعویٰ اَور اس کا انجام	۷۹	۲۱ تا ۲۶
فرعون کو ذِی الاوتاد کہنے کی وجہ	۸۹	حاشیہ ۸
اس کی تباہی کی وجہ	۸۹	۱۱-۱۳

نُوح علیہ السّلام

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
قوم نے جھُٹلایا، جھڑکا، مجنُون تک کہا	۵۴	۹
آپ کی بد دُعا	۵۴	۱۰
مُوسلا دھار بارش اَور طُوفان کی آمد	۵۴	۱۱-۱۲

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
آپ کا کشتی میں سوار ہونا اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں روانہ ہونا	۵۴	۱۳۔ ۱۴
ہم نے نوح کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت وکتاب سے اس کی نسل کو بھی سرفراز کیا	۵۷	۲۶
حضرت نوح کی بیوی۔ اس کی خیانت اور انجام	۶۶	۱۰
حضرت نوح کو اُن کی قوم کی طرف ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہے	۷۱	۱
آپ کا نسب نامہ، آپ کے آبا سب مومن تھے	۷۱	حاشیہ ۱
آپ کا وعظ	۷۱	۲۔ ۴
بارگاہِ الٰہی میں آپ کی فریاد	۷۱	۵۔ ۷
آپ کا وعظ، اس میں عقلی اور تکوینی دلائل	۷۱ ۷۱	۲۱ ۸ تا ۲۰
کفار کے لیے بد دعا کہ ان کا نام و نشان مٹا دے	۷۱	۲۶

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ان پانچ بتوں کی تحقیق جن کی عبادت قوم نوح کیا کرتی تھی	۷۱	۲۳ حاشیہ ۱۸
آپ کی اپنے لیے، اپنے والدین اور اہلِ ایمان کے لیے دعا	۷۱	۲۸
ہود علیہ السلام		
قوم عاد نے آپ کو جھٹلایا	۵۴	۱۸
قوم کا دردناک انجام	۵۴	۱۹۔ ۲۰
عاد نے قیامت کو جھٹلایا	۶۹	۴
ان پر سات رات آٹھ دن آندھی چلتی رہی جس نے ان کو تباہ کر دیا	۶۹	۶۔ ۸
قوم عاد ارم ذات العماد۔ ان کا جو انجام ہؤا کیا تم اسے جانتے ہو	۸۹	۶۔ ۸
یونس علیہ السلام		
یونس علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم نے ان کی چارہ سازی کی۔ انہیں چن لیا اور نیکوں میں شامل کر لیا۔	۶۸	۴۸ تا ۵۰

اِنسان

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اس کی عظمت کا قرآنی تصوّر		
اِنسان کو الرحمٰن نے پیدا فرمایا	۵۵	۳
اسے قرآن اور اس کا بیان سکھایا	۵۵	۲۔۴
اِنسان کو مٹی اور جانّ کو آگ سے پیدا کیا	۵۵	۱۴۔۱۵
تخلیقِ آدم کے تدریجی مرحلے	۵۵	حاشیہ ۱۴
جنّات کے وجود اور ان کے مکلّف ہونے کا ثبوت	۵۵	۱۵ حاشیہ ۱۵
اے جنّ وانس تم زمین وآسمان کی سرحدوں سے "سلطان" کے بغیر نہیں نکل سکتے	۵۵	۳۳
"سلطان" کی تشریح	۵۵	حاشیہ ۲۷
آیات نازل فرمائیں تاکہ تم سمجھو	۵۷	۱۷
اہلِ علم وایمان کے درجات کو بلند فرماتا ہے	۵۸	۱۱
اِنسان کو چاہیئے کل کی فکر کرے	۵۹	۱۸
جو خدا فراموش ہوتا ہے وہ خود فراموش ہوتا ہے	۵۹	۱۹
اِنسان کو حسن وجمال کا مرقع بنایا	۶۴	۳
مفلس کون ہے	۶۴	حاشیہ ۱۱
بعض بیویاں اور بچے تمھارے دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو	۶۴	۱۴
مال واولاد فتنہ ہے	۶۴	۱۵

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مقدور بھر تقویٰ اختیار کرو	۶۴	۱۶
جسے بخل سے بچایا گیا وہ فلاح پا گیا	۶۴	۱۶
موت وحیات سے تمہاری آزمائش مقصود ہے	۶۷	۲
اِنسان کی تربیت میں خوفِ الٰہی کا بڑا حصّہ ہے	۶۷	۱۲ حاشیہ ۱۵
اِنسان کو سمع، بصر اور قلب کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا	۶۷	۲۳
قلم اور مایسطرون کی قسم کھا کر علم کی عزّت افزائی فرمائی	۶۸	۱
اِنسان کی فطری کمزوریاں اور ان کی اِصلاح کا اِسلامی طریقہ	۷۰	۱۹ تا ۳۵
اِنسان کو مہمل نہیں چھوڑ دیا جائے گا	۷۵	۳۶
اِنسان اپنے اعمال میں گروی ہے	۷۴	۳۸
ہر انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے جب وہ قابلِ ذکر چیز نہ تھا	۷۶	۱
اِنسان کو عقل وفہم کی جو نعمتیں بخشی گئی ہیں اس سے مقصد اس کی آزمائش ہے	۷۶	۲۔۳
تخلیقِ انسان اور اس پر گوناگوں نوازشات	۸۰	۱۸ تا ۲۲
ماغرّك بربّك الكريم۔ جس نے تجھ پر بے حساب اِنعامات کیے	۸۲	۶ تا ۸
قیامت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے یہ	۸۲	۹

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں	۸۲	۹
ہر شخص اپنے نیک یا بداعمال کی انجام دہی میں کوشاں رہتا ہے۔ موت کے بعد اس کا پُورا اجر یا سزا اسے مِلتی ہے	۸۴	۶
ہر اِنسان کے لِیے محافظ مقرر کر دیئے گئے ہیں	۸۶	۱ تا ۴
اِنسان کی تخلیق اس پانی سے ہوتی ہے جو صلب اَور ترائب کے درمیان میں سے نِکلتا ہے	۸۶	۵۔۶۔۷
یخرج من بین الصلب والترائب کی تشریح	۸۶	حاشیہ ۴
اِنسان کو کبھی اِنعامات سے آزمایا جاتا ہے اَور کبھی آلام و مصائب سے	۸۹	۱۵۔۱۶
دولت کی کثرت اللہ کی رضا اَور قلّت اس کی ناراضگی کا معیار نہیں ہے	۸۹	حاشیہ ۱۰
اِنسان کو محنت و مشقّت کی زندگی گزارنے کے لِیے پیدا کیا گیا ہے	۹۰	۴
اِنسان پر اللہ تعالیٰ کے اِحسانات :۔		
دو آنکھیں، زبان، دو ہونٹ نیز نیکی کی دُشوار گھاٹی میں اُوپر چڑھنے کی ہدایت بخشی	۹۰	۸ تا ۱۱
اِنسان کے شایانِ شان افعال :۔		
غلام کو آزاد کرنا یتیم اَور مسکین کو کھانا کھلانا	۹۰	۱۲ تا ۱۶
کئی قسمیں کھا کر فرمایا :۔		

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
جِس نے اپنے نفس کو پاک کیا وُہ کامیاب ہو گیا۔ جس نے اس کو آلُودہ کیا نامُراد ہو گیا۔	۹۱	۱ تا ۱۰
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ	۹۵	۱ تا ۵
احسنِ تقویم کی تفصیلی بحث	۹۵	حاشیہ ۴
اِنسان دولت کی محبّت میں بہت سخت ہے، وُہ بڑا ناشکرا ہے اِن دو باتوں کا وُہ خود گواہ ہے	۱۰۰	۶۔۸
سب اِنسان خسارے میں ہیں بجز اُن کے جن میں یہ چار صفات ہوں۔ اِیمان، عمل صالح، حق اَور صبر کی وصیّت	۱۰۳	۱۔۳

اَوامر

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
وزن کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو	۵۵	۹
ہر معاملہ میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو	۵۵	۹، حاشیہ ۸
اپنے عظیم پروردگار کی پاکی بیان کرو	۵۶	۷۴
″ ″ ″ ″ ″ ″ ″	۵۶	۹۶
اللہ اَور رسُول پر اِیمان لے آؤ اَور اُن مالوں سے خرچ کرو جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے	۵۷	۷
مغفرت اَور جنّت کی طرف تیزی سے آگے بڑھو	۵۷	۲۱
تقویٰ اِختیار کرنے کا حکم، دوگنا رحمت اَور نور کی نوید	۵۷	۲۸
نیکی اَور تقویٰ کے لِیے مشورے کیا کرو	۵۸	۹

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ سے ڈرتے رہا کرو	۵۸	۹
″ ″ ″ ″	۵۹	۱۸
اللہ کے دین کے مددگار بن جاؤ	۶۱	۱۴
اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ	۶۲	۱۰
موت سے پہلے اللہ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرلو ورنہ پچھتاؤ گے	۶۳	۱۰
جتنا تمہاری طاقت ہے اتنا اللہ سے ڈرو	۶۴	۱۶
اپنے آپ کو، اپنے اہل و عیال کو آتش دوزخ سے بچاؤ	۶۶	۶
اپنے رب کے نام کا ذکر کرو فَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا	۷۳	۸
اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کا حکم	۸۷	۱
اے قریش! اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں رزق اور امن دیا	۱۰۶	۳۔۴
اے حبیب! جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرے اُس سے رُخِ انور پھیر لیجئے	۵۳	۲۹

بنی اسرائیل

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
قبیلہ بنی نضیر کی غدّاری اور جلاوطنی	۵۹	۲
ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ ان کے قلعے ان کی حفاظت کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا وُہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں	۵۹	۲
وُہ خدا سے زیادہ تم سے ڈرتے ہیں	۵۹	۱۳
یہ بُزدِل ہیں۔ کھلے میدان میں تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے	۵۹	۱۴
وُہ بظاہر متحد نظر آتے ہیں درحقیقت متفرق ہیں	۵۹	۱۴
مُوسیٰ علیہ السّلام کو اذِیّت رسانی	۶۱	۵
حضرت عیسیٰؑ کے بتانے کے باوجود انہوں نے حضور کو ماننے سے اِنکار کر دیا اور "سحرِ مُبین" کہا	۶۱	۶
جنہیں تورات دی گئی لیکن اُنہوں نے اس پر عمل نہ کیا ان کی مثال گدھے کی ہے جس پر کتابوں کا انبار لدا ہو	۶۲	۵
اگر تمہارا یہ دعویٰ درست ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو تو موت کی تمنّا کیوں نہیں کرتے	۶۲	۶
وُہ اپنے کرتوتوں کے پیشِ نظر یہ تمنّا ہرگز نہ کریں گے	۶۲	۷
اہلِ کتاب دلائل کے باوجُود فرقوں میں بٹ گئے ہیں	۹۸	۴
حالانکہ انہیں حکم مِلا تھا کہ وُہ خلوص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ یہی سچّا دین ہے	۹۸	۵
یہ جہنّمی ہیں۔ یہ شرّ البریّۃ ہیں	۹۸	۶

جبر و قدر

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
جو مُصیبت پہنچتی ہے وُہ پہلے لکھّی جا چکی ہے	۵۷	۲۲

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
جو نہ ملے اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ جو ملے اس پر اتراؤ مت	۵۷	۲۳
جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا	۶۱	۵
کرتوتوں کے باعث دلوں پر مہر لگ جاتی ہے	۶۳	۳
اِنسان اور اُس کی صلاحیتوں کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے ان کو اِستعمال کرنا اِنسان کا کام ہے	۶۴	۲
اُنہوں نے منہ پھیرا۔ اللہ اُن سے بے نیاز ہو گیا	۶۴	۶
اللہ کے عِلم کے بغیر کوئی مصیبت نہیں پہنچتی	۶۴	۱۱
مصائب میں تسلیم و رضا کی کیفیّت اِیمان سے پیدا ہوتی ہے	۶۴	۱۱
جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے	۷۴	۳۱ حاشیہ ۲۲
جس کو اللہ چاہتا ہے وُہ نصیحت قبُول کرتا ہے	۷۴	۵۶
ماتشاءوُن الاان یشاء الله	۷۶	۳۰
اعمالِ بد سے آئینۂ دِل زنگ آلُود ہو جاتا ہے	۸۳	۱۴

جہاد

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
غزوۂ تبوُک کے وقت مالی قربانی کی ترغیب	۵۷	۷ حاشیہ ۷

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
انبیاء کو معجزات و کُتب کے علاوہ لوہے کا ڈنڈا بھی بخشا تاکہ معاشرہ کے سرکش افراد کی سرکوبی کرکے عدل قائم کریں	۵۷	۲۵ حاشیہ ۳۱
قبیلۂ بنی نضیر کی جِلا وطنی		
اس کے اسباب		
سامانِ حرب اور مضبُوط قلعوں کے باوجُود ان کی مرعُوبیّت		
مدینہ طیّبہ سے ان کا خروج		
تفصِیلات آیتِ بالا کے حواشی میں دیکھیں	۵۹	حاشیہ ۲۔۵
ان کا یہ انجام اللہ اور اُس کے رسُول کی مخالفت کے باعث ہوا	۵۹	۴
جو درخت جنگ میں حارج ہوں اُنہیں بے شک کاٹ دو	۵۹	۵
دیگر آدابِ جنگ	۵۹	۵، حاشیہ ۸
اموالِ فئی کون کون سے ہیں۔ ان کا حکم	۵۹	۶، حاشیہ ۱۰
اموالِ فئی کے مصارف	۵۹	۷
کَیْ لَا یکون دولة بین الاغنیاء	۵۹	۷
(دولت اغنیاء ہی میں نہ گھُومتی رہے)	۵۹	حاشیہ ۱۴، ۱۶
متعلّقہ مسائل کی تفصِیل ان آیات کے حواشی میں ملاحظہ فرمائیں۔		
یہُودی بڑے بُزدِل ہیں۔ کھُلے میدان میں تم سے جنگ نہیں کریں گے	۵۹	۱۴
بظاہر متحد ہیں درحقیقت منتشر ہیں	۵۹	۱۴
اِسلامی جہاد کی خصُوصیّت کہ وُہ صرف راہِ خُدا میں ہوتا ہے	۶۱	۴

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
جہاد کا طریقہ یہ ہے کہ سیسہ پلائی ہُوئی دیوار بن کر لڑو	۶۱	۴
وُہ تجارت جو عذابِ الیم سے نجات دیتی ہے۔ اِیمان، جانی اَور مالی جہاد فی سبیل اللہ	۶۱	۱۰-۱۱
اِس کی برکت سے گناہ بخش دیئے جائیں گے اَور جنّت مِلے گی	۶۱	۱۲
مزید برآں فتح و کامرانی ارزانی ہوگی	۶۱	۱۳
کفّار و منافقین کے ساتھ جہاد جاری رکھو اَور ان پر سختی کرو	۶۶	۹
مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم	۱۰۰	۱ تا ۵
جِنّ		
جِنّ کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے	۵۵	۱۵
جنّات کے وجُود اَور اُن کے مکلّف ہونے کا ثبُوت	۵۵	۱۵ حاشیہ ۱۵
اَے جِنّ و انس تم زمین و آسمان کی سرحدوں سے "سُلطان" کے بغیر نہیں نِکل سکتے	۵۵	۳۳
اِنسانوں کی طرح جنّات بھی دعوتِ اسلام کے مخاطب ہیں		
جِنّوں کا قرآن سُننا، مُسلمان ہونا	۷۲	۱ تا ۱۹
واپس جا کر اپنی قوم کو ہدایت کی دعوت دینا		
ان کا وعظ		
شہابِ ثاقب سے جنّات کی سرکوبی	۷۲	۸-۹
جنّات میں سے بعض نیک ہیں اَور بعض بُرے	۷۲	۱۱

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
جنّات میں سے بعض مُسلمان ہیں اَور بعض کافر	۷۲	۱۴-۱۵
دُعائیں		
وُہ دُعا جو قبول ہوتی ہے	۵۴	۵۵، حاشیہ ۲۷
قرض اَور افلاس سے نجات کی دُعا	۵۷	۳، حاشیہ ۴
پچھلوں کو پہلوں کے لیے دعا مانگنا چاہیئے اس سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے	۵۹	۱۰، حاشیہ ۲۲
اِبراہیمی دُعا	۶۰	۴-۵
مشکلات کے لیے وظیفہ	۶۵	۲، حاشیہ ۱۰
صحابہ کی دُعا۔ اتمم لنا نورنا واغفرلنا	۶۶	۸
نظرِ بد کا تعویذ اَور دم	۶۸	حاشیہ ۲۷
دُعا مانگنے کا طریقہ:-		
پہلے اللہ کی تعریف کرو		
پھر اس کے حبیب پر درُود شریف پڑھو	۸۷	حاشیہ ۱۲
پھر دُعا مانگو (احادیثِ نبوی)		
ایک دُعا جو حضُور صحابہ کو یاد کرایا کرتے تھے	۹۱	حاشیہ ۸
گم شدہ چیز کی بازیابی کی دُعا	۹۳	حاشیہ ۱۱
مقبُول دُعا	۱۱۲	تعارف سورۂ اخلاص
ہر چیز کے شر سے پناہ کی دُعا		
رات کی تاریکی کے شر سے پناہ کی دُعا		
جادُو منتر کرنے والیوں کے شر سے پناہ کی دُعا	۱۱۳	۱ تا ۵ حواشی ۱، ۲، ۳، ۴، ۵
شرِّ حاسد سے پناہ کی دُعا		
شیاطینِ جِنّ و انس کے شر سے پناہ کی دُعا	۱۱۴	۱ تا ۶ حواشی ۱-۳

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
سیاسیات		
اللہ کے اور اپنے دُشمنوں کو اپنا دوست مت بناؤ	۶۰	۱
دُشمن کی جاسُوسی کرنے والے کا حُکم	۶۰	حاشیہ ۱
اگر کافر تم پر قابُو پالیں تو تمہیں ہر طرح کی اذیّت پہنچائیں	۶۰	۲
جو کفّار تم سے برسرِ پیکار نہیں ان پر بے شک اِحسان کرو	۶۰	۸
البتّہ جو کافر تم سے برسرِ پیکار ہیں تمہیں گھروں سے نِکالا ہے ان کو دوست نہ بناؤ ورنہ ظالم بن جاؤ گے۔	۶۰	۹
جب دُشمن پر مکمل فتح حاصِل ہو جائے تو غرُور و تکبّر نہ کرو بلکہ اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرو	۱۱۰	۲
شرِیعت اِسلامیہ میں قانون سازی کا حق	۵۸	۵
سلاطین کو خلافِ شرع قانون بنانے کی اِجازت نہیں		حاشیہ ۱۰
حکومت کو قانون سازی کا کہاں کہاں حق ہے	۵۸	حاشیہ ۱۰
کِسی پر کِسی کے گناہ کا بوجھ نہیں لادا جائے گا	۵۳	۳۸
شرک اور اس کا ابطال		
اللہ تعالیٰ پاک ہے ان سے جنہیں وُہ شریک ٹھہراتے ہیں	۵۹	۲۳
مساجد میں اللہ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو	۷۲	۱۸
میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہُوں کِسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا	۷۲	۲۰
اللہ کے اِذن کے بغیر میں نہ ضرر پہنچا سکتا ہُوں نہ فائدہ	۷۲	۲۱
مجھے اللہ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا	۷۲	۲۲
لات، عزیٰ اور منات بُتوں کے تفصیلی حالات	۵۳	۱۹_۲۰ حاشیہ ۲۰
اپنے لِیے بیٹے، خدا کے لِیے نری بیٹیاں، کِتنی ظالمانہ تقسیم ہے	۵۳	۲۱_۲۲
یہ محض فرضی نام ہیں کوئی حقیقت نہیں	۵۳	۲۳
شرک کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ کبیرہ گناہوں کی تفصیل	۵۳	۳۲ حاشیہ ۳۳
(نوٹ) وُہ تمام دلائل جو توحید کے ثبوت کے لِیے قرآن کریم میں مذکور ہیں اُن سے شرک کا ابطال بھی ہوتا ہے۔		
شرِیعتِ اسلامیہ		
ا۔ شرِیعتِ اِسلامیہ کی خصُوصیات		
جو قانون سازی کا حق اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اُنہیں رُسوا کر دیا جاتا ہے	۵۸	۵ حاشیہ ۹
سلاطین کو خلافِ شرع قانون بنانے کی اِجازت نہیں	۵۸	حاشیہ ۹
حکومت کو قانون سازی کا کہاں کہاں حق ہے	۵۸	حاشیہ ۹
تارکِ حُکم اور مُنکرِ حُکم میں فرق	۵۸	حاشیہ ۱۲

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
جو اللہ کی حدّوں کو توڑتا ہے وُہ اپنے اُوپر ظلم کرتا ہے	۶۵	۱
اِسلامی نظامِ عبادات کی برکت سے اِنسان کی کایا پلٹ جاتی ہے	۷۰	۱۹ تا ۳۵
کِسی پر کِسی کے گناہ کا بوجھ نہیں لادا جائے گا	۵۳	۳۸
ہر شخص کو وُہی مِلتا ہے جس کے لیے وُہ سعی کرتا ہے	۵۳	۳۹
۲۔ نماز		
نماز ادا کرنے کا حکم	۵۸	۱۳
نمازِ جمعہ کی فرضیّت	۶۲	۹
دیگر متعلقہ مسائل	۶۲	حاشیہ ۱۰
نماز پر دوام	۷۰	۲۳
صُبح و شام ذِکرِ الٰہی میں مشغول رہو	۷۶	۲۵
۳۔ زکوٰۃ (صدقات)		
راہِ خُدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب	۵۷	حاشیہ ۸
جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے گویا وُہ اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے رہا ہے جس کے بدلے اُسے کئی گنا مِلے گا	۵۷	۱۱
صدقہ دینے والے مرد و زن۔ ان کو کئی گُنا مِلے گا	۵۷	۱۸
ان کے لیے اجرِ کبیر ہے	۵۷	۱۸
زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۸	۱۳
ان کے اموال میں سائل اَور محرُوم کا حق ہے	۷۰	۲۴۔۲۵
۴۔ جرائم وعقوبات		
دُشمن کی جاسوسی کرنا	۶۰	حاشیہ ۱

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
۵۔ ظہار		
اِسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ۔ اس کا حکم	۵۸	حاشیہ ۱
بیوی کو اپنی ماں کہنا بُری بات ہے اَور جھُوٹ ہے	۵۸	۲
اِس طرح وُہ تمہاری ماں نہیں بن جاتی	۵۸	۲
ظہار کی تعریف	۵۸	حواشی ۴، ۵، ۶، ۷
ظہار کا کفارہ		
تفصیلات		
۶۔ مہاجر عورت		
جب کوئی عورت ہجرت کر کے آئے تو اس کا اِمتحان لو اگر وُہ دِل سے ایمان لا چکی ہے تو اسے واپس نہ کرو	۶۰	۱۰
وُہ اب کفّار کے لِیے حلال نہیں	۶۰	۱۰
مہاجر عورت کے اِمتحان کا طریقہ	۶۰	حاشیہ ۱۸
مومن اَور کافر کے درمیان ازدواج کی ممانعت	۶۰	۱۰
مہاجر عورت کی عِدّت کا حکم	۶۰	حاشیہ ۲۱
ان کے ساتھ نکاح کا حکم	۶۰	۱۰
کافر عورتوں کو مُسلمان بھی آزاد کریں	۶۰	۱۰
ان عورتوں کے مہر کا مسئلہ	۶۰	۱۰
۷۔ طلاق		
طلاق مباح ہے لیکن از حد ناپسندیدہ اسے ابغض الحلال کہا گیا ہے	۶۵	حاشیہ ۲
اس سے عرش کانپ جاتا ہے		

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر		سُورۃ نمبر	آیت نمبر
طلاق دینے کا اِسلامی طریقہ، اس کی حکمت			جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو، اُن کی عدّت کا حُکم	۶۵	حاشیہ ۱۳
حضرت ابن عُمر کا حالتِ حیض میں طلاق دینا اور حضور کی ناراضگی	۶۵	حاشیہ ۲	حاملہ عورت کی عِدّت کا حکم	۶۵	حاشیہ ۱۴
طلاق کی قسمیں	۶۵	حاشیہ ۲	عِدّت گزارنے والی عورتوں کے مختلف احوال اور ان کا حکم	۶۵	۱۶ حاشیہ ۱۶
سنی اور بدعی اور ان کی تشریح			انہیں تنگ کرنے کے لیے ضرر نہ دو	۶۵	۶
۸۔ عِدّت			**۹۔ نفقہ۔ سکنٰی**	۶۵	۶
عِدّت کے احکام، مدّتِ عِدّت کا نفقہ اور سکنٰی مرد کے ذمّہ ہے	۶۵	حواشی ۲ ۳ ۶،۵، ۹،۸،	بیوہ جو حاملہ ہو اُس کے نفقہ اور سکنٰی کا حکم	۶۵	۶ حاشیہ ۱۶
اثناءِ عِدّت میں زوجین میں سے کوئی فوت ہوجائے تو وراثت کا حکم			مطلقہ اپنے بچے کو دودھ پلائے تو وُہ اُجرت لینے کی حقدار ہے	۶۵	۶ حاشیہ ۱۷
اثناءِ عِدّت میں نکاح باطل ہے			دیگر متعلقہ مسائل		
عِدّت گزارنے کے بعد عورت آزاد ہے			وُسعت والا اپنی وُسعت کے مطابق خرچ کرے	۶۵	۷
عِدّت گزرنے سے پہلے طے کرلو کہ اس سے رجُوع کرنا ہے یا نہیں بصُورتِ ثانی اُسے عمدگی سے رُخصت کر دو۔	۶۵	حاشیہ ۸	**شیطان**		
دونوں صُورتوں میں گواہ بنانا افضل ہے					
یہ نصیحت ان کے لیے ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں	۶۵	حاشیہ ۹	شیطان پہلے بڑے مکر و فریب سے انسان کو کفر اور گناہ کے گڑھے میں گراتا ہے۔ پھر اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے اور اس کا تماشا دیکھتا ہے	۵۹	۱۶

صحابۂ کرام اہلِ بیتِ عظام اُمّتِ مُسلمہ

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
صحابہ کرام السابقون ہیں	۵۶	۱۰
یہی حضرات مقرّب ہیں اور جنّتِ نعیم میں ہیں	۵۶	۱۱-۱۲
اِبتداء میں ان کی تعداد زیادہ بعد میں کم	۵۶	۱۳-۱۴
ان کی عزّت افزائیاں	۵۶	۱۵ تا ۲۶
حضرت عکاشہ ان ستّر ہزار میں سے ہیں جن سے حساب نہیں لیا جائے گا	۵۶	حاشیہ ۱۴
صحابہ کی سجدہ گاہوں اور مزارات کی قسم	۵۶	حاشیہ ۳۲
جنہوں نے فتحِ مکّہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا بعد میں آنے والے ان کے ہمسر نہیں ہو سکتے	۵۷	۱۰
ان کا درجہ بہت بڑا ہے (اولٓئک اعظم درجة)	۵۷	۱۰
فتح کے بعد خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کو بھی ان کا اجر ملے گا	۵۷	۱۰
حضرت صِدّیقؓ کا عباء کو کانٹوں سے گانٹھنا، رضائے الٰہی کو نوید	۵۷	حاشیہ ۱۲
حاملینِ عرش کا یہی لباس زیب تن کرنا		
حضرت ابودحداح کی شانِ ایثار۔ یہ آیت سُن کر بڑا قیمتی باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا	۵۷	حاشیہ ۱۴
حضرت فارُوقِ اعظمؓ کا حِلم، بُڑھیا کی باتیں دیر تک کھڑے سُنتے رہے	۵۸	حاشیہ ۱

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
سیّدنا علی المرتضیٰؓ کے سوالات حضور کے جوابات	۵۸	حاشیہ ۲۳
اہلِ ایمان دُشمنانِ اسلام سے محبّت نہیں کرتے۔ خواہ وُہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا قریبی رشتہ دار	۵۸	۲۲
جنگ کے میدان میں صحابہ کا اپنے کافر رِشتہ داروں کو قتل کرنا	۵۸	حاشیہ ۳۰
ان کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا گیا ہے۔ روحٌ منه سے ان کی تائید، جنّت کا مُژدہ، اللہ ان سے راضی وُہ اللہ سے راضی	۵۸	۲۲
یہی اللہ کا لشکر ہیں اور یہی غالب ہیں	۵۸	۲۲
حضرت صدّیقؓ نے پہلے پہل جامِ شہادت نوش کرنے کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔ انتَ منّی بمنزلة سمعی وبصری۔ تو میرے کانوں اور آنکھوں کی جا بجا ہے	۵۸	حاشیہ ۳۰
مہاجرین اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طالب ہیں	۵۹	۸
اللہ اور اس کے رسُولوں کی مدد کرتے ہیں۔ اولٓئک هم الصادقون۔ یہی سچّے ہیں	۵۹	۸
انصار کا اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے ایثار	۵۹	۹

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
انصار کے ایثار کی چند مثالیں	۵۹	حاشیہ ۱۹
اولٰئکَ ھمُ المفلحون یہی دونوں جہانوں میں کامیاب ہیں	۵۹	۹
گزشتہ مُسلمانوں کے لیے دُعائے مغفرت	۵۹	۱۰
رافضی یہود و نصاریٰ سے ایک قدم آگے ہیں۔		حاشیہ ۲۲
رافضیوں کا صحابہ پر اِعتراض، اور اس کا ردّ	۶۲	حاشیہ ۱۶
شیخین کی خلافت کی بشارت	۶۶	حاشیہ ۴
تفسیر مجمع البیان کا حوالہ	۶۶	حاشیہ ۴
حضرت صدّیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو توبہ کا حکم (صغت ہے زاغتْ نہیں)	۶۶	۴
جو لوگ حضور کے ساتھ ایمان لائے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ روزِ حشر رُسوا نہیں کرے گا	۶۶	۸
اُن کا نُور روزِ حشر ان کے آگے پیچھے پھیل رہا ہوگا	۶۶	۸
ان کی دُعا	۶۶	۸
حضرت آسیہ زوجۂ فرعون کی اِستقامت	۶۶	۱۱
اور دُعا		حاشیہ ۱۹
حضرت مریمؑ	۶۶	۱۲
سیجنبھا الاتقی الّذی یُؤتی مالہ یتزکّٰی۔	۹۲	۱۷ تا ۲۱
یہ آیات صدّیقِ اکبرؓ کی شان میں نازل ہُوئیں۔	۹۲	حاشیہ ۱۱

عورت

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
زمانۂ جاہلیت کے ایک رواج (ظہار) کے بارے میں قرآن کا فیصلہ	۵۸	۱
اِسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ		حاشیہ ۱
بیوی کو اپنی ماں کہنا بُری بات ہے اور جھُوٹ	۵۸	۲
اِس طرح وُہ تمہاری ماں نہیں بن جاتی	۵۸	۲
ظہار کی تعریف		
ظہار کا کفارہ	۵۸	۳
تفصیلی احکام		
تفصیلی بحث		
مندرجہ ذیل عناوین شریعتِ اسلامیہ کے عنوان کے ضمن میں ملاحظہ فرمائے جائیں۔		
۶۔ دار الحرب سے ہجرت کر کے آنے والی مُسلمان خاتون	۶۰	۱۰
۷۔ طلاق	۶۵	۱
۸۔ عدّت	۶۵	۱
۹۔ نفقہ، سکنیٰ مُلاحظہ فرمائیں	۶۵	۶
عورتوں کی بیعت کی اِجازت		
ان کی بیعت کے مقاصد	۶۰	۱۲
ان کی بیعت کا طریقہ		حاشیہ ۲۵
بچّیوں کے ساتھ محبّت اور اُن کی عزّت کرنے کی ترغیب (احادیث)	81	حاشیہ ۸

قرآن کریم

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
نصیحت قبول کرنے والے کے لیے قرآن آسان بنا دیا گیا ہے	۵۴	۱۷_۲۲_۳۲ ۴۰
قرآن کریم رحمٰن نے سکھایا ہے	۵۵	۲
مواقع النجوم کی قسم کھا کر فرمایا یہ قرآن کریم ہے	۵۶	۷۷
اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں	۵۶	۷۹
اسے ربّ العالمین نے اُتارا ہے	۵۶	۸۰
قرآنی آیات اپنے بندہ پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں تاکہ وُہ اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو نور کی طرف لے آئے	۵۷	۹
اگر قرآن کریم پہاڑ پر اُترتا تو وُہ ریزہ ریزہ ہو جاتا	۵۹	۲۱
ایمان لاؤ قرآن پر جو نور ہے	۶۴	۸
قرآن کریم سب کے لیے وجہِ عزّو شرف ہے	۶۸	۵۲
قرآن نہ کسی شاعر کا قول ہے نہ کسی کاہن کا	۶۹	۴۱_۴۲
بلکہ یہ ربّ العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے	۶۹	۴۳
اگر آپ خود گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتے تو رگِ دِل کاٹ دی جاتی	۶۹	۴۴_۴۵_۴۶
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو قرآن یاد کرانا پھر اس کا مفہوم سمجھانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمّہ لے لیا ہے	۷۵	۱۶ تا ۱۹
قرآن نصیحت ہے جس کا جی چاہے نصیحت قبول کر لے	۷۴	۵۴_۵۵

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
قرآنِ کریم نصیحت ہے	۷۶	۲۹
قرآنِ کریم نصیحت ہے جس کا جی چاہے نصیحت قبول کرے	۸۰	۱۱_۱۲
قرآنِ کریم تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا	۷۶	۲۳
شانِ قرآن	۸۰	۱۳ تا ۱۶
قرآنِ کریم کو ایک جلیل القدر فرشتہ لے کر آیا ہے	۸۱	۱۹_۲۰_۲۱
یہ ذِکرٌ للعالمین ہے	۸۱	۲۷
یہ قرآنِ مجید ہے لوحِ محفوظ میں	۸۵	۲۱_۲۲
قرآنِ کریم قولِ فیصل ہے ہنسی مذاق نہیں	۸۶	۱۱ تا ۱۴
قرآنِ کریم ہم نے لیلۃ القدر میں نازل کیا	۹۷	۱
لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے	۹۷	۲_۳
وجہ تسمیہ یہ کس مہینہ کی کونسی رات ہے	۹۷	حاشیہ ۱، ۲
اِس میں فرشتے نازل ہوتے ہیں	۹۷	۴_۵

دیگر آسمانی کُتب

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
حضرت عیسیٰؑ نے تورات کی تصدیق کی	۶۱	۶
موجُودہ اناجیل کی تدوین وترتیب تفصیلات حواشی میں ملاحظہ فرمائیں	۶۱	حاشیہ ۹
برنباس کی شخصیّت اور اس کی انجیل کی علمی اور تاریخی حیثیّت پر تفصیلی بحث	۶۱	حاشیہ ۹
انجیل میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آمد کی متعدّد بشارتیں	۶۱	حاشیہ ۹

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
صُحفِ ابراہیم و مُوسیٰ میں بھی وُہی ہدایات ہیں جو اس قرآنِ کریم میں ہیں کہ آخرت اِس دُنیا سے بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے	۸۷	۱۸-۱۹

قیامت

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
قیامت بالکل قریب آگئی ہے	۵۴	۱، حاشیہ ۱
اس کی دلیل	۵۴	۱
روزِ قیامت آسمان پھٹ جائے گا اور اس کا رنگ سُرخ ہو جائے گا	۵۵	۳۷
اس کے گناہ کے بارے میں کسی جنّ و انس سے نہ پُوچھا جائے گا۔ وُہ خود ہی جواب دِہ ہوگا	۵۵	۳۹
مجرموں کا حال	۵۵	۴۱ تا ۴۴
قیامت ضرور واقع ہوگی کوئی جُھٹلا نہ سکے گا	۵۶	۱-۲
قیامت کسی کو ذلیل اور کسی کو سرفراز کرے گی	۵۶	۳
وقوعِ قیامت کا ہوشرُبا منظر	۵۶	۴-۵-۶
قیامت کے روز اوّل آخر سب جمع کیے جائیں گے	۵۶	۴۹-۵۰
قیامت کے روز تمہیں پیدا کرنا مشکل نہیں	۵۶	۶۱-۶۲
روزِ قیامت رشتہ دار اور اولاد فائدہ نہ دے گی	۶۰	۳
کفّار کا انکارِ قیامت اور اس کی پُرزور تردید	۶۴	۷
قیامت کو "یومِ تغابن" کہنے کی وجہ	۶۴	۹
کفّار پُوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی؟ آپ فرمایئے اس کا علم اللہ کے پاس ہے	۶۷	۲۵-۲۶

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
قُربِ قیامت کے وقت کفّار کی حالت	۶۷	۲۷
قیامت آکر رہے گی۔ (الحاقۃ)	۶۹	۱-۲-۳
قیامت پر ایمان اِصلاح کا ضامن ہے	۶۹	حاشیہ ۴
جب صُور پھُونکا جائے گا تو زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا۔	۶۹	۱۳ تا ۱۶
فرشتے ہر طرف کھڑے کر دیئے جائیں گے	۶۹	۱۷
آٹھ فرشتے عرشِ الٰہی کو اُٹھائے کھڑے ہوں گے	۶۹	۱۷
قیامت کے روز آسمان اور پہاڑوں کی حالت	۷۰	۸-۹
کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو نہیں پُوچھے گا	۷۰	۱۰
وُہ چاہے گا کہ اپنے بچوں، بیوی بلکہ سب کو بطورِ فدیہ دے دے اور خود چھُوٹ جائے لیکن ناممکن	۷۰	۱۱ تا ۱۸
قسمیں کھا کر بتایا کہ قیامت ضرور آئے گی	۷۵	۱-۲
اِنسان کا یہ خیال باطل ہے کہ وقوعِ قیامت ناممکن ہے	۷۵	۳-۴
قیامت کے اِنکار کی وجہ	۷۵	۵
وقوعِ قیامت کے وقت کا منظر	۷۵	۷ تا ۹
اُس روز کفّار کے لیے کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی	۷۵	۱۰-۱۱-۱۲
اِنسان کو اس کے اعمال سے آگاہ کیا جائے گا	۷۵	۱۳
اِنسان ہزار بہانے بنائے اُسے حقیقتِ حال کا علم ہے	۷۵	۱۴-۱۵

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اہلِ ایمان کے چہرے تر و تازہ ہوں گے	۷۵	۲۲_۲۳
بدکاروں کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی	۷۵	۲۴_۲۵
جس نے اِنسان کو قطرۂ آب سے بنایا اُس کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے	۷۵	۳۷ تا ۴۰
جب صُور پھُونکا جائے گا تو کفّار کے لیے وُہ بڑا سخت دِن ہوگا	۷۴	۸_۹_۱۰
دوزخ بہت بڑی آفت ہے	۷۴	۳۲ تا ۳۶
پانچ قسمیں کھا کر بتایا کہ قیامت ضرُور آئے گی	۷۷	۱ تا ۷
قیامت کا ہولناک منظر	۷۷	۸ تا ۱۴
اُس روز جھٹلانے والوں کی تباہی ہوگی	۷۷	۱۵
جہنّم کا ہولناک منظر	۷۷	۲۹ تا ۳۳
روزِ قیامت "یوم الفصل" ہے۔ مجرموں سے قوّتِ گویائی سلب کر لی جائے گی	۷۷	۳۵ تا ۳۹
قیامت کے بارے میں ان کے شکوک اور اُن کا ردّ	۷۸	۱ تا ۵
وقوعِ قیامت پر تکوینی دلائل	۷۸	۶ تا ۱۶
وقوعِ قیامت کے لیے ایک وقت مقرر ہے	۷۸	۱۷
منظرِ قیامت	۷۸	۱۸ تا ۲۰
عذابِ قیامت	۷۸	۲۱ تا ۲۶
قیامت ضرُور آئے گی	۷۹	۱ تا ۶
وقوعِ قیامت پر کفّار کا اظہارِ حیرت	۷۹	۱۰ تا ۱۲
جب قیامت برپا ہوگی اِنسان کو اپنے سارے اعمال یاد آجائیں گے	۷۹	۳۵
روزِ حشر انسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بچّوں سب سے بھاگے گا	۸۰	۳۳ تا ۳۷
کتنے چہرے خوش و خرّم مُسکراتے ہوں گے	۸۰	۳۸_۳۹
کئی چہرے غبار آلُود اور سیاہ ہوں گے	۸۰	۴۰_۴۱
وقوعِ قیامت کا منظر	۸۰	۴۳
سُورج اور ستارے بے نُور، پہاڑ محوِ گردش، سمندر کے شعلے (اس کی وجہ)	۸۱	۱ تا ۶
زِندہ درگور لڑکی سے پُوچھا جائے گا کہ اُسے کیوں زندہ درگور کیا گیا تھا	۸۱	۸، ۹
جو کچھ اُس نے کیا روزِ قیامت عیاں ہو جائے گا	۸۲	۱ تا ۵
کئی قسمیں کھا کر فرمایا قیامت ضرُور آئے گی	۸۹	۱ تا ۵
جب قیامت برپا ہوگی اُس وقت انسان کی آنکھ کھُلے گی لیکن بے سُود	۸۹	۲۱ تا ۲۴
وقوعِ قیامت کا منظر	۹۹	۱ تا ۵
روزِ قیامت لوگ گروہ در گروہ نکلیں گے۔		
جس نے ذرّہ بھر نیکی کی ہوگی اُسے اُس کا اجر ملے گا جس نے ذرّہ برابر گناہ کیا ہوگا اُسے اُس کی سزا ملے گی	۹۹	۶_۷_۸
سخت کڑک، لوگ بکھرے ہُوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ اُون کی مانند ہوں گے	۱۰۱	۱ تا ۵
اُس روز جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وُہ خُوش و خرّم ہوگا	۱۰۱	۶

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وُہ دوزخ میں ہوں گے	۱۰۱	۸_۹
قیامت کے مُنکر یتیموں اَور مسکینوں کے ساتھ سنگدلانہ سلُوک کرتے ہیں نمازمیں سُستی اَور ریاکاری اُن کا شعار ہے	۱۰۷	۱ تا ۷

کُفّار و مُشرِکین

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
ان کے عقائد		
ان کے اطوار		
عبرت ناک انجام		
کفّار معجزات دیکھ کر مُنہ پھیر لیتے ہیں اَور کہتے ہیں کہ یہ جادُو ہے	۵۴	۲
وحی کی تکذیب، ہوائے نفس کی پیروی اُن کا شیوہ ہے	۵۴	۳
روزِ قیامت ان کی حالتِ زار	۵۴	۷_۸
کفّار کس غلط فہمی میں مُبتلا ہیں	۵۴	۴۳_۴۴
اُنہیں یقیناً شکست ہوگی	۵۴	۴۵
روزِ قیامت اُن کا حالِ زار	۵۴	۴۷_۴۸
اصحاب المشئمہ	۵۶	۹
ان کی حالتِ زار	۵۶	۴۱ تا ۴۴
اس کی وجہ	۵۶	۴۵_۴۶
وُہ منکرینِ قیامت تھے	۵۶	۴۷
اس کی سزا	۵۶	۵۱ تا ۵۶
ان کی بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ ان کے حصّہ میں تکذیبِ قرآن کے سوا کچھ نہیں	۵۶	۸۱_۸۲

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
مکذّبین کا انجام	۵۶	۹۲_۹۳_۹۴
اَے کفّار! تمہارے ایمان نہ لانے کی وجہ کیا ہے؟	۵۷	۸
کفّار کے لیے دردناک عذاب ہے	۵۸	۴
جو اللہ اَور رسُول کی حدوں کو توڑتے ہیں اُنہیں ذلیل ورُسوا کیا جاتا ہے	۵۸	۵
کفّار کے لیے رُسوا کُن عذاب ہے	۵۸	۵
اگر کفّار تم پر غلبہ پالیں تو تمہاری تکّہ بوٹی کردیں	۶۰	۲
بڑا ظالم ہے جو اللہ پر افتراء باندھتا ہے	۶۱	۷
یہ اللہ کے نور کو پھُونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں لیکن کامیاب نہ ہوں گے	۶۱	۸
کفّار کو اپنے کُفر کی سزا ملی	۶۴	۵
اُنہوں نے اللہ کے رسُولوں کا انکار کیا اُنہوں نے مُنہ پھیرا اللہ بھی اُن سے بے نیاز ہوگیا	۶۴	۶
اللہ اَور اُس کے رسُول کے نافرمانوں کو سخت سزا دی جائے گی	۶۵	۸
کفّار کا کوئی عُذر مقبُول نہ ہوگا	۶۶	۷
کفّار کے لیے جہنّم	۶۷	۶
کفّار کا دوزخ میں پھینکا جانا اَور دیگر ہولناک مناظر	۶۷	۷_۸_۹
کفّار کا اعتراف کہ ہم خطاکار تھے	۶۷	۱۰_۱۱
کفّار اللہ کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے	۶۷	۱۶_۱۷
گزشتہ برباد شُدہ قوموں سے عبرت حاصل کرو	۶۷	۱۸
کیا اُن کے پاس ایسا لشکر ہے جو اُنہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا سکے؟	۶۷	۲۰

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اگر وہ رزق بند کر دے تو وہ کیا کریں گے؟	۶۷	۲۱
کفار منہ اوندھا کیے ہوئے چلے جارہے ہیں	۶۷	۲۲
کفار کو تنبیہ کہ انہیں عذاب سے کون بچائے گا	۶۷	۲۸
کفار تمنا کرتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کریں تاکہ وہ بھی شدت ترک کر دیں	۶۸	۹
ایسے کافر کے پیچھے چلنے سے ممانعت جس میں یہ عیوب ہوں	۶۸	۱۰ تا ۱۶
باغ والے کفار کی تباہی کا تذکرہ	۶۸	۱۷ تا ۳۳
کیا کفار کے پاس کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہے کہ سارے کام ان کی منشاء کے مطابق ہوں گے	۶۸	۳۷ تا ۴۱
کفار کو روزِ قیامت سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے گا لیکن وہ سجدہ نہ کر سکیں گے	۶۸	۴۳
کفار کو بصورتِ اِستدراج بھی سزا دی جاتی ہے	۶۸	۴۴ حاشیہ ۲۱
جن اقوام نے رسولوں کی مخالفت کی انہیں سختی سے پکڑ لیا گیا	۶۹	۹-۱۰
کفار کے بائیں ہاتھ میں اُن کا نامۂ عمل دیا جائے گا	۶۹	۲۵
ان کا واویلا	۶۹	۲۵ تا ۲۹
حکم ہوگا اسے پکڑ لو اور زنجیروں میں جکڑ کر جہنّم رسید کر دو	۶۹	۳۰ تا ۳۲
کیونکہ نہ یہ اللہ پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دِیا کرتا تھا	۶۹	۳۳-۳۴
اس کا آج کوئی دوست نہیں۔ اس کا کھانا غسلین ہے	۶۹	۳۵-۳۶ ۳۷
کفار جس عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں وُہ بالکل تیّار ہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا	۷۰	۱-۲
روزِ قیامت پچّاس ہزار سال کے برابر ہوگا	۷۰	۴
ان کو کھیل کُود میں مگن رہنے دیں	۷۰	۴۲ تا ۴۴
قومِ نوُح کے رئیس لوگوں کو کہتے، اپنے بُتوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ خصُوصاً "ود" "سواع" "یغوث" اور "نسر" کو	۷۱	۲۳
بُت پرستی کا آغاز اور رواج	۷۱	حاشیہ ۱۸
اِن پانچ بُتوں کی مزید تحقیق	۷۱	حاشیہ ۱۸
عذابِ قبر کا ثبُوت قرآن و سُنّت سے	۷۱	۲۵
ان کی اَولاد کے بارے میں آپ کا علم کہ سب گمُراہ پیدا ہوں گے	۷۱	۲۷
اپنی موت کے وقت کفّار کی حالت	۷۵	۲۶ تا ۳۰
نہ قرآن کی تصدیق کی، نہ نماز ادا کی بلکہ جھٹلایا اور منہ موڑ لیا	۷۵	۳۱ تا ۳۳
اس کی تباہی قریب آگئی	۷۵	۳۴-۳۵
اگر تم کفر کرتے رہے تو روزِ حشر کیسے بچو گے	۷۳	۱۷-۱۸
ولیدِ بن مغیرہ کے بارے میں غصّہ وغضب کا اظہار	۷۴	۱۱ تا ۲۳
وُہ واقعہ جو قہرِ الٰہی کا باعث بنا	۷۴	حاشیہ ۱۴

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
وہ کہتا ہے کہ قرآن جادو ہے یہ جادوگر ہیں	۷۴	۲۴۔۲۵
اس کو دوزخ میں پھینکا جائے گا	۷۴	۲۶ تا ۲۹
کفار کے لیے شفاعت نہیں	۷۴	۴۸
کفار ان گدھوں کی طرح ہیں جو شیر کو دیکھ کر بھاگے جا رہے ہیں	۷۴	۴۹۔۵۰ ۵۱
کفار ایمان لانے کے لیے شرائط پیش کرتے ہیں	۷۴	۵۲
کفار کے لیے بھڑکتی آگ اور طوق و سلاسل	۷۶	۴
یہ لوگ آجل نعمتوں کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں کو نظرانداز کرتے ہیں	۷۶	۲۷
سرکشوں اور دُنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا	۷۹	۳۷۔۳۸ ۳۹
ناشکرا انسان ہلاک ہوگا	۸۰	۱۷
وُہ اپنی تخلیق پر غور کیوں نہیں کرتے	۸۰	۱۸ تا ۲۲
صرف سرکش اور بدکار ہی قیامت اور قرآن کا انکار کرتے ہیں	۸۳	۱۱۔۱۲۔۱۳
انہیں دیدارِ الٰہی سے محروم کر دیا جائے گا	۸۳	۱۵
پھر اُنہیں جہنّم رسید کر دیا جائے گا	۸۳	۱۶۔۱۷
جس کتاب میں کفّار کے اعمال ہوں گے اُسے "سجّین" کہا جاتا ہے	۸۳	۷۔۸، ۹
اہلِ ایمان کا مذاق اُڑانا ان کا دستور ہے	۸۳	۲۹ تا ۳۲
ان کا نامۂ عمل انہیں پسِ پشت دیا جائے گا	۸۴	۱۰
اس پر اس کا شور و غوغا	۸۴	۱۱۔۱۲۔۱۳۔۱۴
اصحاب الاخدود تباہ ہو گئے، ان کے لیے ابدی عذاب	۸۵	۱ تا ۷

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مسلمانوں پر ان کی ناراضگی کی صرف یہ وجہ تھی کہ وُہ اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے تھے	۸۵	۸۔۹
کفّار مکر و فریب کر رہے ہیں مَیں اُنہیں ناکام بنا دُوں گا	۸۶	۱۵، ۱۶
روزِ قیامت کفّار کی حالتِ زار	۸۸	۱ تا ۷
بدبخت آگ میں جلیں گے	۹۲	۱۴۔۱۵۔۱۶
اِنسان جب اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے تو سرکشی کرنے لگتا ہے	۹۶	۶۔۸
ابوجہل کی گستاخانہ قسم اور اُس کا نتیجہ	۹۶	۹۔۱۰، حاشیہ ۷
اگر وُہ ہدایت قبول کرتا تو کتنا اچھا ہوتا	۹۶	۱۱۔۱۲
اگر وُہ ان گستاخیوں سے باز نہ آیا تو ہم اُس کو اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے	۹۶	۱۵ تا ۱۹
کفّار و مشرکین کفر کو نہیں چھوڑیں گے۔		
کیا وُہ نہیں جانتے کہ قیامت کے روز قبروں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ اور سینے کے راز افشاء ہوں گے	۱۰۰	۹۔۱۰
مال زیادہ کرنے کی ہوس نے تمہیں غافل کر دیا ہے	۱۰۲	۱ تا ۵
ہلاکت ہے طعنے دینے والوں کے لیے پسِ پُشت عیب جوئی کرنے والوں کے لیے	۱۰۴	۱
جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گن گن کر رکھتا ہے	۱۰۴	۲

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اُسے لافانی بنادے گا	۱۰۴	۳
اس کے لیے "حطمة" ہے	۱۰۴	۴ تا ۹
حطمہ کی توضیح		
کعبہ پر ابرہہ کی لشکر کشی اور ابابیل سے اس کی بیخ کنی (تفصیلات)	۱۰۵	۱ تا ۵ حاشیہ ۴
کفّار کو بتا دیا کہ نہ پہلے میں نے تمہارے بُتوں کی پُوجا کی نہ آئندہ کروں گا اسی طرح تم کو بھی میرے معبُودِ برحق کی عبادت کی توفیق نصیب نہ ہُوئی ہے نہ ہوگی	۱۰۹	۱ تا ۶
مُشرکوں نے بُتوں کے فرضی نام رکھ چھوڑے ہیں جن کی کوئی سند نہیں	۵۳	۲۳
یہ محض ظن اور ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں	۵۳	۲۳
کفّار کے لیے شفاعت نہیں	۵۳	۲۶، حاشیہ ۲۶
مُشرکین فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں	۵۳	۲۷
یہ محض ظن کے پیروکار ہیں	۵۳	۲۸
اور ظن کوئی فائدہ نہیں دیتا	۵۳	۲۸
کفّار کے اخلاق واطوار	۵۳	۳۳_۳۴

معاشیات

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
تولنے میں زیادتی اور کمی کی ممانعت	۵۵	۸_۹
والارض وضعها للانام سے "اشتراکیت" کا نظریہ ثابت کرنا غلط ہے	۵۵	۱۰ حاشیہ ۱۰

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
دولت کی فراوانی کبھی سرکشی وطغیان کا باعث بھی بن جاتی ہے	۵۶	۴۵
جو اموال تمہارے پاس ہیں ان میں تم اللہ کے نائب ہو	۵۷	۷
جو لوگ راہِ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں ان کے لیے اجرِ کبیر ہے	۵۷	۷
جو لوگ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں وُہ اللہ کو قرضِ حسن دیتے ہیں	۵۷	۱۱
جو لوگ راہِ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں ان کے لیے اجرِ کبیر ہے	۵۷	۱۸
دُنیوی زندگی لہو ولعب ہے۔ زینت، مال اور اولاد کی کثرت پر تفاخر ہے	۵۷	۲۰
اس کی مثال	۵۷	۲۰
ما الحیٰوة الدنیا الا متاع الغرور	۵۷	۲۰
مالِ فئ کی تعریف		
اس کے مصارف	۵۹	۶_۷ حواشی ۱۰، ۱۲
مالِ غنیمت		
اِسلامی اِقتصادیات کا زرّیں اصُول کہ دولت اغنیاء ہی میں گھومتی نہ رہے	۵۹	۷
اِسلامی بیت المال		
اس کے ذرائع آمدن اور مصارف	۵۹	۱۰
تفصیلی بحث		حاشیہ ۲۱
نمازِ جمعہ کے بعد کسبِ معاش کے لیے زمین میں پھیل جاؤ	۶۲	۱۰

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
کسبِ معاش کو "اللہ کا فضل" فرمایا	۶۲	۱۰
اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے	۶۴	۱۶
بُخل سے بچنے کی ترغیب	۶۴	۱۶
راہِ خدا میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ گویا اُسے قرض دے رہے ہو جو کئی گُنا کر کے واپس کیا جائے گا	۶۴	۱۷
جو مساکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا اُسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ کر دوزخ رسید کیا جائے گا	۶۹	۳۲_۳۴
کسبِ رزقِ حلال کو جہاد کے برابر درجہ دیا گیا	۷۳	۲۰ حاشیہ ۲۰
احتکار (ذخیرہ اندوزی) سے نفرت	۷۳	حاشیہ ۲۰
راہِ خدا میں خرچ کرنے کا ثواب	۷۳	۲۰، حاشیہ ۲۰
دوزخی کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے	۷۴	۴۲_۴۳_۴۴
کم تولنے اور کم ماپنے سے سخت ممانعت اور ایسے لوگوں کے لیے تباہی کی پیشین گوئی	۸۳	۱_۲_۳
انہیں قیامت کے خوفناک دن سے ڈرنا چاہیے	۸۳	۴_۵_۶
یتیموں کی تکریم نہ کرنا، غریب کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا، مال سے بے پناہ محبت اِنسان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل کر دیتی ہے	۸۳	۱۷ تا ۲۰

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اعمالِ فئی :۔ غلام کو آزاد کرنا یتیم وغریب کو کھانا کھلانا	۹۰	۱۲ تا ۱۶
سیدنا علیؓ بیت المال کے در و دیوار سے کہتے، گواہ رہنا میں نے تمہیں حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کیا	۹۹	حاشیہ ۴
قریش کے دِلوں میں تجارت کی اُلفت پیدا کر دی۔ یُوں اُنہیں خوشحال بنا دیا	۱۰۶	۱ تا ۴
یتیموں کو دھکے دے کر نکالنا، مساکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینا۔ اِستعمال کی چیزوں کو روکے رکھنا۔ یہ قیامت پر اِیمان نہ ہونے کی نشانی ہے	۱۰۷	۱ تا ۷
لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ اِس آیت سے اِشتراکیوں کا غلط اِستدلال	۵۳	حاشیہ ۴۰

مومنین اور متقین

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
باغات اور نہریں	۵۴	۵۴
اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں شرف یابی اور دیگر اعزازات	۵۴	۵۵ حاشیہ ۲۷
اولیاء اللہ کو جب فرشتے جنّت کی طرف چلنے کی دعوت دیں گے تو کہیں گے کہ ہمارا مقصود تو اللہ تعالیٰ ہے	۵۴	حاشیہ ۲۷
جو اللہ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اُسے دو جنّتیں ملیں گی	۵۵	۴۶

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر		سُورۃ نمبر	آیت نمبر
ان دو جنتوں کے تفصیلی حالات	۵۵	۴۸ تا ۵۹	اَیسے لوگوں پر انعاماتِ الٰہی	۵۸	۲۲
ان کے علاوہ اُنہیں دو اَور باغ ملیں گے ان کی تفصیل	۵۵	۶۲ تا ۷۲	اَے مومنین! اللہ سے ڈرو ، کل کی فکر کرو	۵۹	۱۸
فاصحاب المیمنۃ (دائیں بازُو والے)	۵۶	۸	خُدا فراموش نہ بنو ورنہ خود فراموش بن جاؤ گے	۵۹	۱۹
اصحاب المیمنۃ کی عزّت افزائیاں	۵۶	۲۷ تا ۳۸	اہلِ جنّت اَور دوزخی برابر نہیں ہوسکتے	۵۹	۲۰
مقرّبین کی عزّت افزائی	۵۶	۸۸_۸۹	اللہ کے دُشمنوں کو اپنا دوست مت بناؤ	۶۰	۱
اصحابِ یمین پر مہربانیاں	۵۶	۹۰_۹۱	ان کی میٹھی باتوں پر مت جاؤ وُہ سنگدل ظالم ہیں	۶۰	۲
اہلِ ایمان جب قبروں سے اُٹھیں گے تو ان کا نورِ ایمان آگے اَور دائیں جانب ضوفشاں ہوگا	۵۷	۱۲	تمہارے رشتہ دار اَور اَولاد تمہیں نفع نہ پہنچائے گی	۶۰	۳
کیا ابھی وُہ گھڑی نہیں آئی کہ اہلِ ایمان کے دِل ذکرِ الٰہی کے لیے خشوع کریں	۵۷	۱۶ حاشیہ ۲۱	اہلِ ایمان وعمل کی جزاء تکفیرِ سیّئات اَور دخولِ جنّت	۶۴	۹
اہلِ کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ کہ وقت گزرنے کے ساتھ ان کے دِل سخت ہو جائیں	۵۷	۱۶	اِیمان سے تسلیم و رضا کی کیفیت نصیب ہوتی ہے	۶۴	۱۱
جو اللہ اَور رسُول پر ایمان لائے وُہ صدیق و شہید ہے	۵۷	۱۹	مومن اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں	۶۴	۱۳
نیکی اَور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو	۵۸	۹	اَے اہلِ ایمان! کئی بیویاں اَور کئی بچے تمہارے دُشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو	۶۴	۱۴
گناہ، ظلم اَور نافرمانی کے بارے میں مشورہ کی ممانعت	۵۸	۹	مال و اَولاد بڑی آزمائش ہیں	۶۴	۱۵
اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان اَور اہلِ علم کے درجات کو بلند فرما دے گا	۵۸	۱۱	جو تقویٰ اِختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی نجات کی راہ بنا دیتا ہے اَور وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے گمان نہیں ہوتا	۶۵	۲_۳
اہلِ ایمان اللہ اَور اس کے رسُول کے مخالفین سے محبّت نہیں کرتے خواہ وُہ ان کے قریبی رشتہ دار ہوں	۵۸	۲۲	جو اللہ پر توکّل کرتا ہے وُہ اُسے کافی ہے	۶۵	۳
			جو تقویٰ اِختیار کرے گا اللہ اُس کے کام کو آسان بنا دے گا۔	۶۵	۴

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
جو تقویٰ اختیار کرے گا اس کی بُرائیوں کو محو کر دیا جائے گا اور اُسے بڑا اجر ملے گا۔	۶۵	۵
اہلِ ایمان ہی اہلِ خرد ہیں	۶۵	۱۰
جو بِن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجرِ کبیر ہے	۶۷	۱۲
متّقین کے لیے جنّتِ نعیم ہے	۶۸	۳۴
مُسلمان اور کافر یکساں نہیں	۶۸	۳۵-۳۶
اہلِ ایمان کو ان کے نامہ ہائے عمل دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔	۶۹	۱۹ تا ۲۴
جذبِ الٰہی اور شیخِ کامل کی توجّہ کے بغیر فنائے قلب کے مقام تک رسائی ممکن نہیں	۷۰	حاشیہ ۴
شیخِ کامل کی توجّہ سے وُہ مقام ملتا ہے جو ہزار سالہ عبادت و ریاضت سے نہیں ملتا	۷۳	حاشیہ ۸
ابرار کے لیے جنّت کی نعمتیں	۷۶	۵-۶
ابرار کی صفاتِ حمیدہ۔ وُہ نذر پُوری کرتے ہیں اور قیامت سے ڈرتے ہیں۔	۷۶	۷
اللہ کی محبّت کے لیے وُہ مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں	۷۶	۸-۹-۱۰
اللہ تعالےٰ اُنہیں قیامت کے شر سے بچالے گا	۷۶	۱۱
دیگر انعامات	۷۶	۱۱ تا ۲۲

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
متّقین پر عنایات	۷۸	۳۱ تا ۳۶
مدبّراتِ امر میں وُہ شامل ہیں	۷۹	۵
ان کی قبوُر کی زیارت کی وجہ سے زائرین کی مشکلیں حل ہوتی ہیں	۷۸	حاشیہ ۵
اللہ کے مقبُولوں کو روزِ قیامت کوئی حُزن نہ ہو گا	۷۹	حاشیہ ۸
جو اللہ کی جناب میں حاضر ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو سرکشی سے روکتا رہا اس کا مقام جنّت ہے	۷۹	۴۰-۴۱
ہوائے نفس سے بچنے کا طریقہ۔ شیخِ کامل کا دامن مضبُوطی سے پکڑے	۷۹	حاشیہ ۲۷
جس کتاب میں ابرار کے اعمال محفُوظ ہیں اِس کا نام علّیین ہے	۸۳	۱۸-۱۹-۲۰
علّیین کی مزید تحقیق	۸۳	حاشیہ ۶
ابرار پر مزید عنایات	۸۳	۲۲ تا ۲۸
ان کو نامۂ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وُہ خوشی خوشی واپس لوٹیں گے	۸۴	۷-۸-۹
اہلِ ایمان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے	۸۴	۲۵
جو تزکیۂ نفس کرتا ہے۔ اپنے رب کا ذِکر کرتا ہے۔ نماز ادا کرتا ہے۔ وُہ کامیاب ہو گا	۸۷	۱۴-۱۵
اہلِ ایمان کے شگفتہ چہرے اور دیگر بے شمار انعامات	۸۸	۸ تا ۱۶
نفسِ مطمئنّہ کو بشارتیں (ارجعی الیٰ ربك)	۸۹	۲۷-۳۰
متقی اور سخی آگ سے بچ جائیں گے	۹۲	۱۷ تا ۲۰

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
حضرت غوثِ اعظمؒ کا اِرشاد (قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ)	۹۳	حاشیہ ۱۱
ایمان والوں کے لیے اجرِ غیر ممنون ہے	۹۵	حاشیہ ۶
اہلِ ایمان خیر البریہ ہیں انہیں جنّت ملے گی	۹۸	۷۔۸
اللہ ان سے راضی اور وُہ اللہ سے راضی	۹۸	۸
یہ سعادت اُسے ملتی ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے	۹۸	۸
مُرشدِ کامل کی توجہ سے مُریدوں کے فطری نقائص اور خامیاں بھی دُور ہوجاتی ہیں	۱۱۰	حاشیہ ۲

مُنافقین

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
روزِ قیامت منافق کہیں گے۔ اَے اہلِ ایمان ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ تاکہ تمہارے نورِ ایمان میں ہم بھی یہ فاصلہ طے کریں۔ ان کا جواب	۵۷	۱۳
منافق پکاریں گے کیا دُنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے مُسلمانوں کا جواب	۵۷	۱۴
آج ان سے اور کفّار سے کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا	۵۷	۱۵
مُنافقین گناہ، ظُلم اور رسُول کی نافرمانی کے لیے سرگوشیاں کرتے ہیں حالانکہ انہیں روکا گیا ہے	۵۸	۷
منافقین کی دِلی ہمدردیاں کفّار کے ساتھ ہیں	۵۸	حاشیہ ۲۴
وُہ جھُوٹی قسمیں کھاتے ہیں	۵۸	۱۴

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
ان کے لیے شدید عذاب تیّار ہے	۵۸	۱۵
اُنہوں نے قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اِس طرح وُہ لوگوں کو اِسلام سے روکتے ہیں	۵۸	۱۶
ان کے مال اور ان کی اولاد اُنہیں عذابِ الٰہی سے بچا نہ سکے گی	۵۸	۱۷
یہ قیامت کے دِن بھی جھُوٹی قسمیں کھائیں گے	۵۸	۱۸
شیطان نے ان پر تسلّط جما رکھا ہے اور یادِ خُدا سے اُنہیں غافل کر دیا ہے	۵۸	۱۹
یہی لوگ حزبُ الشیطان ہیں	۵۸	۱۹
منافقین نے بنی نضیر کو کہلا بھیجا کہ وُہ ہرگز مدینہ نہ چھوڑیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں تمہارے ساتھ مریں گے اکٹھے یہاں سے نکلیں گے	۵۹	۱۱
وُہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ وُہ پرلے درجے کے جھُوٹے اور بُزدِل ہیں	۵۹	۱۱، ۱۲
منافقین اور یہود کی مثال ایسی ہے جیسے شیطان اور اِنسان	۵۹	۱۶۔۱۷
منافق زبانی حضُور کی رسالت کی گواہی دیتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب فرماتا ہے	۶۳	۱
اپنی قسموں کو اُنہوں نے ڈھال بنا رکھا ہے	۶۳	۲
ان کے کرتوتوں کے باعث ان کے دِلوں پر مُہر لگا دی گئی	۶۳	۳
ان کے ظاہر خوشنما، باتیں بڑی رسیلی۔ لیکن خود بے کار	۶۳	۴

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
پرلے درجے کے بُزدِل	٦٣	٤
یہ دُشمن ہیں اِن سے ہوشیار رہیئے	٦٣	٤
طلبِ مغفرت کے لِیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے سے اِنکار	٦٣	٥
جو تیری بارگاہ میں حاضر نہ ہوگا اُس کو بخشا نہیں جائے گا	٦٣	٦
عبداللہ بن ابی کا کہنا کہ مُسلمانوں کی روٹی اَور چندہ بند کردو۔ یہ خود ہی تتّر بتّر ہو جائیں گے	٦٣	حاشیہ ١١
منافقین بے سمجھ ہیں	٦٣	٧
منافق کہتے ہیں مدینہ جاکر عزّت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ اِس کا ردّ	٦٣	٨

نواہی

	سُورۃ نمبر	آیت نمبر
اپنی خودستائی مت کرو	٥٣	٣٢
تولنے میں زیادتی مت کرو	٥٥	٨
کم مت تولو	٥٥	٩
گناہ، ظلم اَور رسُول کی نافرمانی کے بارے میں خفیہ مشوروں کی ممانعت	٥٨	٩
اللہ کے دُشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ	٦٠	١
اَے اِیمان والو! جن پر اللہ ناراض ہے اُنہیں دوست نہ بناؤ	٦٠	١٣
تمہیں اموال و اَولاد ذِکرِ الٰہی سے غافل نہ کردیں۔	٦٣	٩

سرٹیفکیٹ

میں نے اِس قرآنِ مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعانِ نظر سے پڑھا ہے اور
میں تصدیق کرتا ہوں کہ اِس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

ابوالفیض محمد عبدالکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخوپورہ

ابوالفیض محمد عبدالکریم

طبع جدید سرٹیفکیٹ

ہم نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعان نظر سے پڑھا ہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' ہم تصدیق کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی یا کتابت کی غلطی نہیں ہے۔

قاری محمد اشرف خوشابی
رجسٹرڈ پروف ریڈر حکومت پنجاب (پاکستان)

مولانا ملک محمد بوستان
فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

محمد زاہد سیفی
فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

مولانا غلام علی
فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

فرہنگ

نمبر شمار	لفظ	معنی ومفہوم	صفحہ	جلد	حاشیہ
1	ہیچمیرز	ناچیز	11	5	5
2	حق نیوش	حق سننے والا	54	5	6
3	واکرو	کھولو	55	5	11
4	نگونسار	اوندھا	87	5	3
5	بارگوش	کانوں کے لیے بھاری، ثقیل، گراں	91	5	10
6	اساطیر کہن	قدیمی قصے	100	5	33
7	کس بل	قوت، دم خم	101	5	37
8	سربالیں	سرہانے	101	5	38
9	ملاحیاں سنانا	طعن وتشنیع کرنا	123	5	29
10	سیف وسناں	تلوار اور نیزہ	131	5	34
11	شبستانوں	حرم سراؤں، رات گزارنے کی جگہیں	165	5	4
12	جوالامکھی	آتش فشاں پہاڑ	182	5	26
13	جویاہو	متلاشی ہو	194	5	4
14	سروش غیب	آسمانی آواز، ہاتف غیب	241	5	16
15	صبروشکیب	صبروتحمل	245	5	تعارف
16	آمُرزش	بخشش	252	5	14
17	ارزانی ہونا	میسر ہونا	267	5	14
18	ہلکان ہونا	تھکنا، صبر آزما مراحل سے گزرنا	267	5	15
19	دلفگار	جس کا دل محبت سے گھائل ہو چکا ہو	267	5	15
20	بارہو	بوجھ ہو	291	5	تعارف
21	آتش زیر پا ہونا	بے چین ہونا	301	5	9
22	درپئے آزار رہنا	صدمہ، تکلیف پہنچانے کے خیال میں رہنا	302	5	11

23	چاک رفو ہوجائیں	پھٹن، سوراخ ختم ہوجائے	302	5	12
24	جاہ وطمطراق	شان وشوکت	316	5	11
25	کنج عزلت	گوشہ تنہائی	316	5	15
26	سرخوشی	کیف وسرور کی حالت میں	327	5	تعارف
27	نغز بیانی	عمدہ اسلوب بیان	346	5	ایضاً
28	قہرمانیوں	سختیوں	348	5	6
29	سوانگ رچایا	ڈھونگ رچایا، فریب کا جال بچھایا	355	5	24
30	سرادقات	پردے	408	5	17
31	جبہ سائی کرنا	سجدہ ریز ہونا	408	5	17
32	دقیقہ سنجی	نکتہ آفرینی	463	5	تعارف
33	مہوش	چاند سے چہرے والا	463	5	ایضاً
34	بادۂ ارغوانی	انتہائی سرخ شراب	463	5	ایضاً
35	بلوریں	چمکدار، صاف شفاف	463	5	ایضاً
36	نالہ ہائے جگر گداز	جگر کو پگھلا دینے والی فریادیں	468	5	8
37	عروس گیتی	کائنات کے حسن	470	5	13
38	خون آشامی	خون چوسنا مراد ظلم وستم	470	5	13
39	خشم ناکی	غضبناکی، برہمی	477	5	تعارف
40	پاک نہاد	پاک سرشت، پاک فطرت	478	5	ایضاً
41	طیب خاطر	خوش دلی	478	5	ایضاً
42	دخت رز	انگوری شراب	580	5	6
43	شوخ وشنگ	شوخیاں کرنے والا	606	5	4
44	کڑوا کسیلا	تلخ	615	5	9
45	نیزہ افگنی	نیزہ زنی	616	5	9
46	ریزہ چین	ٹکڑے چننے والا	636	5	تعارف
47	پاکان امت	اولیاء کرام	726	5	ایضاً
48	جگر سوختہ	جس کا جگر جلا ہوا ہو، افسردہ	734	5	1

مراجع و مصادر

احادیث

1۔ مؤطا، امام مالک بن انس، پیدائش 90ھ، وفات 179ھ

2۔ سنن سعید بن منصور، سعید بن منصور الخراسانی، وفات 227ھ

3۔ المسند، الامام احمد بن حنبل، پیدائش 164ھ، وفات 241ھ

4۔ الجامع الصحیح، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، پیدائش 194ھ، وفات 250ھ

5۔ الجامع الصحیح لمسلم، مسلم بن حجاج القشیری، پیدائش 206ھ، وفات 261ھ

6۔ سنن ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی، پیدائش 209ھ، وفات 273ھ

7۔ سنن ابی داؤد، الحافظ ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق سجستانی، پیدائش 202ھ، وفات 275ھ

8۔ الجامع الصحیح، سنن ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی، پیدائش 209ھ، وفات 13 رجب 279ھ

9۔ سنن نسائی، احمد بن شعیب علی بحر بن سنان بن دینار نسائی، پیدائش 215ھ، وفات 303ھ

10۔ مسند ابی یعلیٰ الموصلی، شیخ الاسلام ابویعلی احمد بن علی الموصلی، وفات 307ھ

11۔ شرح مشکل الآثار، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی، پیدائش 239ھ، وفات 321ھ

12۔ اصول کافی، ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی الرازی، وفات 329ھ

13۔ المعجم الکبیر، حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، پیدائش 260ھ، وفات 360ھ

14۔ سنن دارقطنی، ابوالحسن علی بن عمر الشہیر الحافظ البغدادی، وفات 385ھ

15۔ المستدرک علی الصحیحین، الامام الحافظ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری، پیدائش 321ھ، وفات 405ھ

16۔ حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی، وفات 430ھ

17۔ شعب الایمان، امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی، پیدائش 384ھ، وفات 458ھ

18۔ الفردوس بماثور الخطاب، ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی، پیدائش 445ھ، وفات 509ھ

19۔ الترغیب والترہیب فی الحدیث الشریف، حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری، وفات 656ھ

20۔ الشرح الکامل، ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی، وفات 676ھ

21۔ مشکوٰۃ المصابیح، الامام الشیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب التبریزی، وفات 742ھ

22۔ مجمع الزوائد منبع الفوائد، حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، وفات 807ھ

23۔ المطالب العالیہ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی، وفات 852ھ

24۔ السنن الکبریٰ، امام المحدثین الحافظ الجلیل ابی بکر بن حسین بن علی البیہقی، وفات 854ھ

25۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی الحنفی، پیدائش 762ھ، وفات 855ھ

26۔ المقاصد الحسنہ فی کثیر من الاحادیث المشتہرہ علی الالسنۃ، ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، وفات 902ھ

27۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی، پیدائش 888ھ، وفات 975ھ

28۔ کشف الخفاء ومزیل الالباس، الشیخ اسماعیل بن محمد العجلونی، وفات 1162ھ

تفاسیر

1۔ الجامع، البیان عن تاویل القرآن المعروف تفسیر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، وفات 310ھ

2۔ احکام القرآن، ابوبکر بن علی الرازی الجصاص، وفات 370ھ

3۔ تفسیر حسن عسکری، ابوہلال حسن بن عبداللہ، وفات 395ھ

4۔ تفسیر البیان، شیخ الطائفہ الطوسی، پیدائش 385ھ، وفات 460ھ

5۔ معالم التنزیل فی التفسیر والتاویل المعروف تفسیر بغوی، ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، وفات 510ھ

6۔ الکشاف عن حقائق التنزیل، الامام العلامہ ابی القاسم محمود بن عمر الزمخشری، وفات 528ھ

7۔ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، القاضی محمد عبدالحق بن غالب بن عطیہ الاندلسی، وفات 546ھ

8۔ تفسیر الفخر الرازی المعروف بالتفسیر الکبیر، امام محمد الرازی فخر الدین بن العلامہ ضیاء الدین عمر، پیدائش 544ھ، وفات 604ھ

9۔ الجامع لاحکام القرآن، الامام محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح ابوعبداللہ القرطبی، وفات 671ھ

10۔ التفسیر الکبیر المسمی بالبحر المحیط، اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان الاندلسی، پیدائش 654ھ، وفات 754ھ

11۔ تفسیر القرآن العظیم، الامام المحدث اسماعیل بن کثیر، پیدائش 701ھ، وفات 744ھ

12۔ انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بالتفسیر بیضاوی، القاضی ناصر الدین ابی سعید عبداللہ بن عمر بن محمد البیضاوی، وفات 791ھ

13۔ الدر المنثور فی التفسیر الماثور، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، وفات 911ھ

14۔ روح البیان، الشیخ اسماعیل حقی البروسوی، وفات 1137ھ

15۔ تفسیر مظہری، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، وفات 1225ھ

16۔ فتح القدیر، محمد بن علی بن محمد الشوکانی، وفات 1250ھ

17۔ تفسیر فتح العزیز، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، پیدائش 1746ء، وفات 1823ء

18۔ حاشیہ قرآن کریم، شیخ الہند محمود الحسن، پیدائش 1851ء، وفات 1920ء

19۔ تفسیر فتح البیان، نواب صدیق حسن بھوپالی، وفات 1307ھ

20۔ تفسیر القرآن الکریم المشہور بتفسیر المنار، السید الامام رشید رضا، پیدائش 1865ء، وفات 1935ء

21۔ تفسیر بیان القرآن، اشرف علی تھانوی، پیدائش 1863ء، وفات 1943ء

22۔ حاشیہ قرآن، شبیر احمد عثمانی، پیدائش 1885ء، وفات 1949ء

23۔ تفہیم القرآن، ابوالاعلی مودودی

24۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بالتفسیر الخازن، محی السنہ علاء الدین علی بن محمد ابراہیم البغدادی

25۔ تفسیر ماجدی، عبدالماجد دریا آبادی

26۔ تفسیر منہج الصادقین فی الزام المخالفین، ملا فتح اللہ کاشانی

27۔ مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ابو علی فضل بن حسین الطبرسی

سیرت

1۔ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، الشیخ محمد بن یوسف الدمشقی الصالحی، وفات 442ھ

2۔ دلائل النبوۃ، ابوبکر احمد بن حسین بن حمام الحافظ بن علی البیہقی، پیدائش 384ھ، وفات 458ھ

3۔ کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ، الامام الحافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ المالکی، وفات 544ھ

4۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم، وفات 751ھ

5۔ السیرۃ النبویہ، ابوالفداء اسماعیل بن کثیر، پیدائش 701ھ، وفات 774ھ

6۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی، وفات 1122ھ

7۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، پیدائش 1232ھ، وفات 1304ھ

8۔ السیرۃ النبویہ المعروف سیرت ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک بن ہشام

فقہ

1۔ الہدایہ، برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی، وفات 593ھ

2۔ احکام الاحکام فی اصول الاحکام، ابوالحسن علی بن ابی علی محمد المعروف بسیف الدین الآمدی، وفات 631ھ

3۔ کنز الدقائق، الامام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد المعروف بحافظ الدین النسفی، وفات 710ھ

4۔ فتاویٰ ہندیہ المعروف فتاویٰ عالمگیریہ، الشیخ نظام و جماعۃ من العلماء

لغت

1۔ الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیہ، ابونصر اسماعیل بن حماد الجہری، وفات 393ھ

2۔ مفردات الفاظ القرآن، علامہ راغب اصفہانی، وفات 425ھ

3۔ لسان العرب، علامہ جمال الدین ابی الفضل محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی، وفات 711ھ

4۔ القاموس المحیط، مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروزآبادی الشیرازی، وفات 817ھ

5۔ تاج العروس من جواہر القاموس، السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی، وفات 1205ھ

6۔ المنجد فی اللغۃ۔ لوئس معلوف، وفات 1365ھ

تاریخ

1۔ تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، وفات 310ھ

2۔ الکامل فی التاریخ، عزالدین علی بن محمد المعروف بابن الاثیر، وفات 630ھ

3۔ تاریخ ابن خلدون، القاضی عبدالرحمان بن المالکی، وفات 808ھ

تصوف

1۔ احیاء العلوم، الامام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی، وفات 505ھ

2۔ مکاشفۃ القلوب، الامام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی، وفات 505ھ

متفرق

1۔ الطبقات الکبریٰ المعروف بطبقات ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد الزہری، وفات 230ھ

2۔ نہج البلاغۃ، الشریف ابی القاسم علی بن طاہر المرتضیٰ، وفات 436ھ

3۔ الکتاب الاسنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ، الامام زین المشائخ محمد بن ابی القاسم البقالی الحنفی، وفات 586ھ

4۔ التذکرہ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ، امام محمد بن احمد بن ابوبکر بن فرح ابوعبداللہ القرطبی، وفات 671ھ

5۔ گلستان سعدی، شرف الدین بن مصلح الدین عبداللہ السعدی، الشیرازی، وفات 691ھ

6۔ جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام، محمد بن ابی بکر بن القیم الجوزیہ، وفات 751ھ

7۔ مغنی اللبیب عن الکتاب الاعاریب، جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف المعروف بابن ہشام النحوی، وفات 762ھ

8۔ البرہان فی علوم القرآن، بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی، وفات 794ھ

9۔ اسباب النزول، امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی، وفات 864ھ

10۔ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع، شمس الدین ابی الخیر محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، وفات 902ھ

11۔ طیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ، ابوالحسنات محمد احمد القادری وفات 1380ھ

12۔ مثنوی معنوی، مولانا جلال الدین رومی، وفات 1273ء

13۔ صراطِ مستقیم، شاہ اسماعیل دہلوی شہید، وفات 1831ء

14۔ مقالات سرسید، سرسید احمد خان، وفات 1898ء

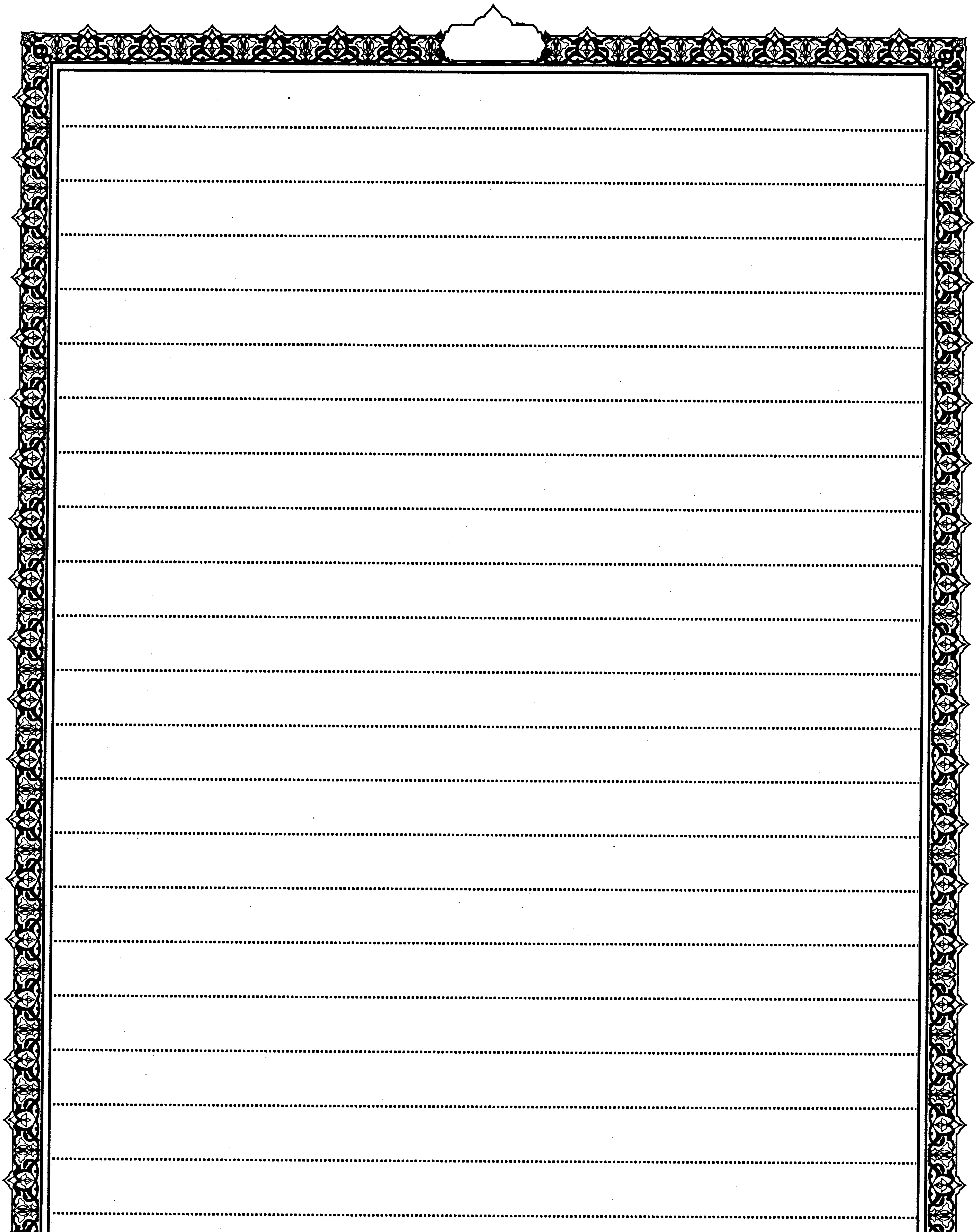

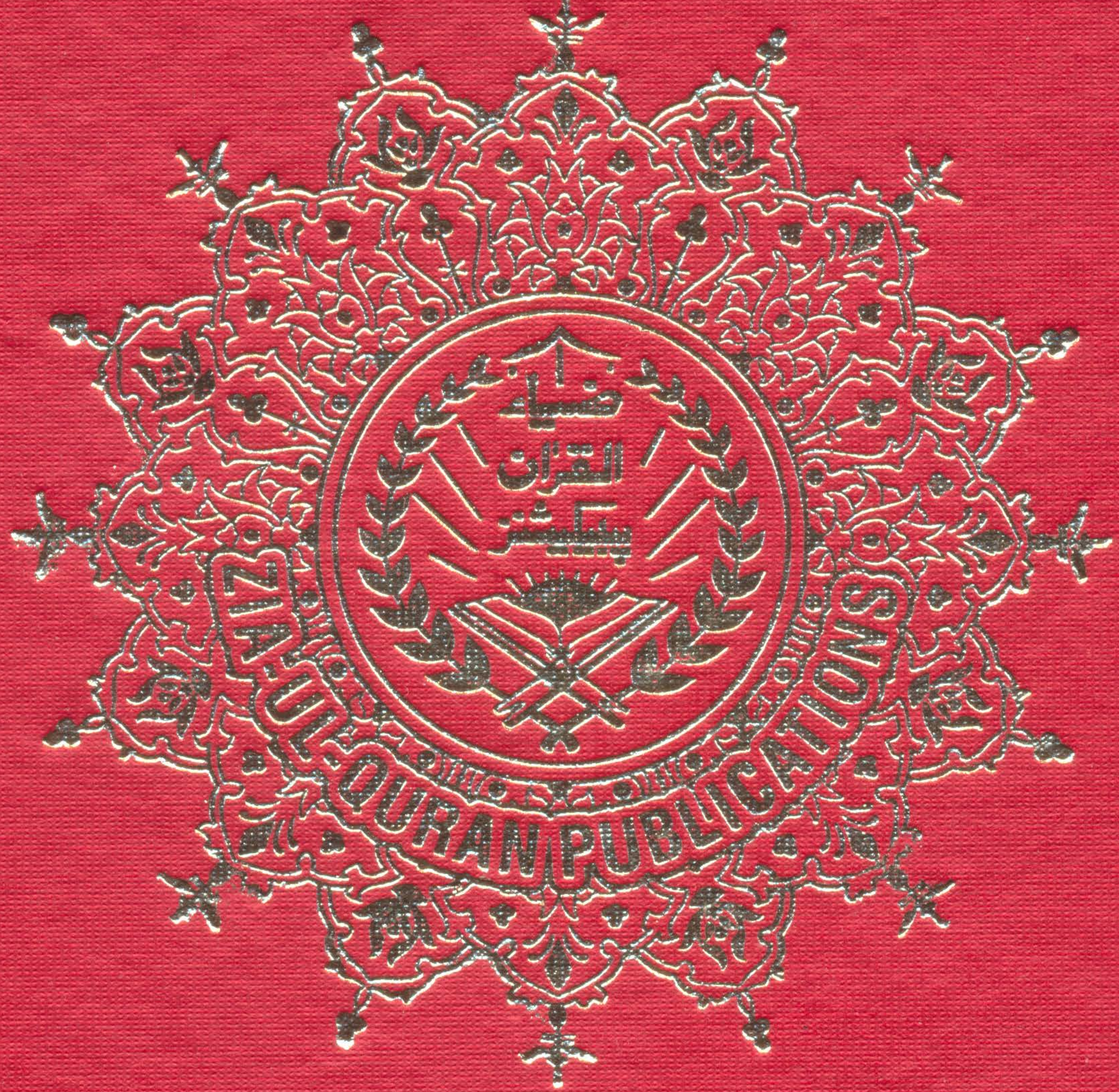
ضیاء القرآن پبلیکیشنز
ZIA-UL-QURAN PUBLICATIONS